مَنْ یُرِدِ اللّٰہُ بِہٖ خَیْرًا یُفَقِّھْہُ فِی الدِّیْنِ (بخاری)

اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ بھلائی کرنا چاہتا ہے اسے دین میں سمجھ عطا فرما دیتا ہے۔

شرح نور الایضاح

مترجم و شارح

علامہ محمد لیاقت علی رضوی حنفی

شبیر برادرز
اردو بازار لاہور

مَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ بِهٖ خَيْرًا يُّفَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ بخاری

اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ بھلائی کرنا چاہتا ہے اسے دین میں سمجھ عطا فرما دیتا ہے۔

شرح نور الایضاح

مترجم و شارح

علامہ محمد لیاقت علی رضوی حنفی

شبیر برادرز (رجسٹرڈ)

زبیدہ سنٹر ۴۰، اردو بازار لاہور

فون: 042-37246006

شبیر برادرز اردو بازار لاہور

شرح نور الایضاح

با اہتمام: ملک شبیر حسین

سن اشاعت: دسمبر 2014ء

قیمت: =/500 روپے

شبیر برادرز (رجسٹرڈ)
زبیدہ سنٹر ۴۰۔ اردو بازار لاہور
فون: 042-37246006

ترتیب

كتاب الطهارة

فصل فی بیان احکام السؤر

فصل فی احکام الآبار وتطهيرها

فصل فی الاستنجاء

فصل لا یجوز کشف العورة للاستنجاء

فصل فی الوضوء

فصل فی تمام احکام الوضوء

فصل فی سنن الوضوء

فصل فی آداب الوضوء

فصل فی اقسام الوضوء

فصل فی نواقض الوضوء

فصل فیما لا ینقض الوضوء

فصل فی ما یوجب الاغتسال

فصل فی ما لایجب الاغتسال منه

فصل فی بیان الغسل

فصل فی سنن الغسل

فصل فی آداب الاغتسال ومکروهاته

باب التیمم

فصل فی الأوقات التی لا تصح فیها الصلاۃ والتی تکرہ فیها

باب الأذان

باب شروط الصلاۃ وأرکانها

فصل فی متعلقات الشروط وفروعها

فصل فی واجب الصلاة

فصل فی سننها

فصل فی کیفیة ترکیب الصلاة

باب الامامة

فصل فی الأحق بالإمامة

فصل فیما یفعله المقتدی

باب ما یفسد الصلاة

فصل فی الصلاۃ الفرض والواجب علی الدابۃ

فصل فی الصلاۃ فی السفینۃ

فصل فی التراویح

باب الصلاۃ فی الکعبۃ

باب صلاۃ المسافر

باب صلاۃ المریض

فصل فی إسقاط الصلاۃ

باب ادراک الفریضة

باب سجود السھو

فصل فی الشک

باب سجود التلاوة

باب صلاة الجمعة

باب صلاة العیدین

کیفیة صلاة العید

باب صلاة الکسوف والخسوف والافزاع

باب الاستسقاء

باب صلاة الخوف

باب أحکام الجنائز

فصل فی صلاة الجنازة

فصل فی حملها ودفنها

فصل فی زیارة القبور

فصل

فصل فیما یکرہ للصائم وما لا یکرہ

فصل فی العوارض

باب ما یلزم الوفاء بہ من منذور الصوم والصلاۃ وغیرھا

باب الاعتکاف

کتاب الزکاۃ

باب المصرف

باب صدقة الفطر

كتاب الحج

فصل فی کیفیۃ ترکیب أفعال الحج

فصل

فصل

فصل

تنبیہ

باب الجنایات

فصل

فصل

فصل فی زیارۃ النبی ﷺ

مقدمہ شرح نور الایضاح

دین کا ماخذ قرآن وسنت ہے۔جس وقت قرآن وسنت میں بیان کردہ احکام کو سمجھ کران کا اطلاق زندگی میں پیش آنے والے مسائل پر کیا جاتا ہے تو اس سے علم فقہ وجود میں آتا ہے۔لفظ فقہ کا مطلب ہے سمجھنا اور علم فقہ کے ماہر کو فقیہ (جمع فقہا) کہا جاتا ہے۔ جب ایک فقیہ کے سامنے عملی زندگی کا کوئی سوال درپیش ہوتا ہے اور وہ اس معاملے میں دین سے راہنمائی حاصل کرنا چاہتا ہے تو وہ قرآن وسنت میں غور وفکر کرتا ہے اور ان کے احکام کی روشنی میں اس مسئلے کا حل تلاش کرتا ہے تو اس کے نتیجے میں علم فقہ وجود پذیر ہوتا ہے۔عہد رسالت سے لے کر آج تک ایک عظیم فقہی روایت مسلمانوں کے ہاں موجود رہی ہے اور فقہاء نے اس میں بے شمار کتابیں تصنیف کی ہیں جن میں سے بہت سی کتب بیسیوں جلدوں پر مشتمل ہیں۔

لفظ فقہ کا معنی اور قرآن وحدیث میں استعمال کا بیان

فقہ شریعت اسلامی کی ایک اہم اصطلاح ہے،فقہ کا لغوی معنی ہے کسی شے کا جاننا اور اُس کی معرفت وفہم حاصل کرنا۔قرآن حکیم میں درج ذیل مواقع پر یہ لفظ اس معنی میں استعمال ہوا ہے۔

1۔ قَالُوْا يٰشُعَيْبُ مَا نَفْقَهُ كَثِيْرًا مِّمَّا تَقُوْلُ۔ (هود، 11، 91)

وہ بولے،اے شعیب! تمہاری اکثر باتیں ہماری سمجھ میں نہیں آتیں۔

2۔ قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ فَمَا لِهٰٓؤُلَآءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ حَدِيْثًا ○(النساء، 4، 78)

آپ فرما دیں (حقیقۃً) سب کچھ اللہ کی طرف سے (ہوتا) ہے۔پس اس قوم کو کیا ہو گیا ہے کہ یہ کوئی بات سمجھنے کے قریب ہی نہیں آتے○

3۔ فَطُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ ○(المنافقون، 63، 3)

تو اُن کے دلوں پر مُہر لگا دی گئی سو وہ (کچھ) نہیں سمجھتے۔حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں بھی فقہ کا لفظ سمجھ بوجھ کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ بِهٖ خَيْرًا يُّفَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ۔

(بخاری، الصحیح، کتاب العلم، باب من یرد اللہ بہ خیرا یفقہہ فی الدین، 1، 39، رقم: 71)

اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ بھلائی کرنا چاہتا ہے اسے دین میں سمجھ عطا فرما دیتا ہے۔اسی لئے شرعی اصطلاح میں فقہ کا لفظ علم دین کا فہم حاصل کرنے کے لئے مخصوص ہے۔(ابن منظور، لسان العرب، 13، 522) امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ فقہ کی تعریف کرتے ہوئے

فرماتے ہیں۔

الفقه : معرفة النفس، مَالَهَا و ما عليها— (الزركشی، المنثور، 1، 68)

فقہ نفس کے حقوق اور فرائض وواجبات جاننے کا نام ہے۔ بالعموم فقہاء کرام فقہ کی اصطلاحی تعریف بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

العلم بالأحكام الشرعية العملية من أدلتها التفصيلية— (فواتح الرحموت بشرح مسلم الثبوت)

تفصیلی دلائل سے شرعی احکام کو جاننے کا نام فقہ ہے۔

شرعی احکام سے مکلّف کے افعال پر شریعت کی جانب سے جو حکم اور صفت مرتب ہوتی ہے وہ مراد ہے، جیسے کسی عمل کا فرض، واجب، مستحب یا مباح یا اسی طرح حرام ومکروہ ہونا اور تفصیلی دلائل کا مطلب یہ ہے کہ یہ مسئلہ کس دلیل شرعی پر مبنی ہے، کتاب اللہ پر، سنت رسول پر، اجماع پر، یا قیاس وغیرہ پر؛ اسی طرح حکم اور دلیل کے درمیان ارتباط کو جاننا بھی فقہ میں شامل ہے۔

مندرجہ بالا تعریفات واضح کرتی ہیں کہ فقہ اسلامی سے مراد ایسا علم وفہم ہے، جس کے ذریعے قرآن وحدیث کے معانی و اشارات کا علم ہو جائے اور احکامات کی مخصوص دلائل کے ذریعے معرفت حاصل ہو، جیسے نماز کی فرضیت کا علم اَقِیْمُو الصَّلٰوۃ کے ذریعے حاصل ہوا، زکٰوۃ کی فرضیت کا علم اٰتُو الزَّکٰوۃَ کے ذریعے حاصل ہوا۔

فقہ کی اصطلاحی تعریف

علمائے اصول نے فقہ کی مختلف تعریفیں کی ہیں، عہد صحابہ وتابعین میں جب فقہ کا لفظ بولا جاتا تھا تو اس سے ہر قسم کے دینی احکام کا فہم مراد ہوتا تھا، جس میں ایمان وعقائد، عبادات واخلاق، معاملات اور حدود، فرائض سب داخل سمجھے جاتے تھے؛ اسی لیے حضرت امام ابوحنیفہؒ سے فقہ کی تعریف یوں منقول ہے۔

اَلفِقْهُ هُوَ مَعْرِفَةُ النَّفْسِ مَالَهَا وَمَاعَلَيْهَا ۔(البحر المحیط، تاریخ الفقه الاسلامی، المدخل)

یعنی جس سے انسان اپنے نفع ونقصان اور حقوق وفرائض کو جان لے وہ فقہ ہے۔

حضرت امام ابوحنیفہؒ سے اسی بناء پر عقائد پر لکھی جانے والی کتاب کا نام، الفقہ الاکبر رکھا جو آج کل متداول اور درس نظامی میں داخل نصاب ہے لیکن بعد کے ادوار میں عقائد کو فقہ کے مفہوم سے خارج کردیا گیا۔

عقائد کو علم توحید، علم کلام اور علم عقائد سے موسوم کیا گیا اور فقہ کی تعریف اس طرح کی گئی۔

،الفقه علم بالاحكام الفرعية العملية بالادلة التفصيلة، ۔(البحر الرائق)

احکام فرعیہ شرعیہ عملیہ کو تفصیلی دلائل سے جاننے کا نام فقہ ہے۔

علامہ ابن خلدون نے فقہ کی تعریف میں لکھا ہے: افعال مکلفین کی بابت اس حیثیت سے احکام الٰہی کے جاننے کا نام فقہ ہے کہ وہ واجب ہیں یا محظور، ممنوع وحرام، مستحب اور مباح ہیں یا مکروہ۔ (الموسوعۃ الفقہیہ)

علم فقہ کا موضوع

مکلّف آدمی کا فعل ہے جس کے احکام سے اس علم میں بحث ہوتی ہے، مثلاً انسان کے کسی فعل کا صحیح، فاسد، فرض وواجب، سنت ومستحب، یا حلال وحرام ہونا وغیرہ۔ (مقدمہ ابن خلدون)

فقہ کی غرض وغایت

سعادت دارین کی کامیابی اور علم فقہ کے ذریعہ شرعی احکام کے مطابق عمل کرنے کی قدرت۔ (شامی، بیروت)

علم فقہ اور اس کی عظمت

قرآن مجید میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے ارشاد فرمایا،

«وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا» ۔(البقرۃ)

جس کو حکمت دی گئی پس اس کو خیر کثیر دیا گیا۔

نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

«فَقِيهٌ وَاحِدٌ أَشَدُّ عَلَى الشَّيْطَانِ مِنْ أَلْفِ عَابِدٍ» ۔(ابن ماجہ، بَاب فَضْلِ الْعُلَمَاءِ وَالْحَثِّ عَلَى طَلَبِ الْعِلْمِ)

کہ ایک فقیہ شیطان پر ہزار عابدوں سے بھاری ہوتا ہے۔

کیونکہ عابد کی عبادت بلا بصیرت ہوتی ہے، اس لیے شیطان کو اسے گمراہی کے گڑھے میں ڈھکیلنا اور شکوک وشبہات کے جال میں پھانسنا بہت آسان ہوتا ہے؛ جب کہ فقیہ اس کی سازشوں اور چالوں سے واقف ہوتا ہے اور وہ اس کے دامِ فریب میں عام طور پر نہیں آتا ہے، صاحب الاشباہ والنظائر نے فقہ کی عظمت کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے،

علم فقہ تمام علوم میں قدر ومنزلت کے اعتبار سے بڑھا ہوا ہے اور اجر کے اعتبار سے بھی اس کا مرتبہ اونچا ہے، علم فقہ اپنے مقام ورتبہ کے اعتبار سے بھی بہت بلند ہے اور وہ آنکھوں کو نور اور جلا بخشتا ہے، دل کو سکون اور فرحت بخشتا ہے اور اس سے شرح صدر حاصل ہوتا ہے۔ (الاشباہ والنظائر کا مقدمہ)

اور صاحب درمختار نے علم فقہ کی عظمت کا یوں تذکرہ کیا ہے۔ تمام علوم میں قدر ومنزلت اور مقام ورتبہ کے اعتبار سے سب سے بہتر علم فقہ ہے، اس لیے کہ علم فقہ تمام علوم تک پہونچنے کا وسیلہ اور ذریعہ ہے، اسی وجہ سے ایک متقی فقیہ ہزار عابدوں پر بھاری ہوتا ہے، علم فقہ کو حاصل کرنا چاہیے، اس لیے کہ علم فقہ نیکی اور تقویٰ کی طرف رہنمائی کرتا ہے اور ہر دن علم فقہ سے مستفید ہوتے رہنا چاہیے، اس کے سمندر میں غوطہ زنی کرنا چاہیے۔ (مقدمہ درمختار)

ضرورت فقہ

انسان کی مکمل زندگی میں عقائد، عبادات، معاملات اور معاشرت وغیرہ سے متعلق شرعی احکام ومسائل ہزاروں اور لاکھوں کی تعداد میں، قرآن، حدیث اور صحابہ وغیرہ کے اقوال میں بکھرے پڑے ہیں، اب ہر انسان یہ چاہتا ہے کہ میں ہر مسئلہ بلا واسطہ

قرآن، حدیث اور آثار صحابہ وغیرہ سے خود ہی تلاش کرلوں گا یہ ایک ناممکن اور بے حد دشوار ہے اس کے ناممکن ہونے کی وجوہات بہت ساری ہیں۔

(۱) انسان کی اپنی اپنی لامتناہی مصروفیات (۲) شریعت کے تمام احکام عربی زبان میں ہیں اور ہر انسان عربی زبان سے واقف نہیں ہوتا اور ہوتا بھی ہے تو اس کے معانی مختلف ہونے کی وجہ سے صحیح معنی تک اس کا پہنچنا دشوار ہوتا ہے (۳) شریعت کے بعض احکام ایسے ہیں جو آیات قرآنی اور احادیثِ صحیحہ سے صراحۃً ثابت ہیں لیکن بعض احکام ایسے ہیں کہ جن میں کسی قدر ابہام واجمال ہے اور بعض آیات واحادیث ایسی ہیں جو چند معانی کا احتمال رکھتی ہیں اور کچھ احکام ایسے ہیں جو بظاہر قرآن کی کسی دوسری آیت یا کسی دوسری حدیث سے متعارض معلوم ہوتی تو وہاں اجتہاد واستنباط سے کام لینا پڑتا ہے اور خود زبان نبوت سے اس کی تائید وتصویب بھی ہوتی ہے۔ (ترمذی، باب ماجاء فی القاضی کیف یقضی)

اور اجتہاد واستنباط ہر ایک کیس کی بات نہیں؛ ایسے موقع پر عمل کرنے والے کے لیے الجھن اور دشواری یہ پیدا ہوتی ہے کہ وہ اپنا عمل شریعت کے مطابق کیسے بنائے؟ کس پر عمل کرے اور کونسا راستہ اختیار کرے؟ اسی الجھن کی وجہ سے خود صحابہ کرام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں بلاواسطہ نبی قرآن کو سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے تھے بلکہ کچھ خاص صحابہ کرام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاکر قرآنی تعلیمات مستقل طور پر سمجھا کرتے تھے۔ (الاتقان، الفصل فی شرف التفاسیر، النوع الثامن والسبعون)

اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہر شخص قرآن وحدیث سے بغیر کسی واسطے کے کوئی مسئلہ اپنے لیے تجویز نہیں کرتا تھا بلکہ جو عالم صحابہ کرام تھے ان سے مسئلہ معلوم کر کے عمل کیا کرتا تھا اسی طرح ہر زمانہ میں ہوتا رہا۔

بہر حال بعض حضرات ہر زمانے میں ایسے رہے جو قرآن وحدیث کے علوم میں ماہر، فہم وبصیرت میں اعلیٰ، تقویٰ اور طہارت میں فائق اور حافظہ وذکاوت میں اوقع تھے لوگ ان ہی سے مسائل معلوم کر کے عمل کرتے اور اپنی فہم وبصیرت پر بالکل اعتماد نہیں کرتے اور اگر ہر کوئی خود ہی اپنے مسئلہ کو قرآن وحدیث میں تلاش کرنے لگے تو گویا ایسا ہی ہوجائے گا جیسے کہ ہر شخص اپنے مرض کا علاج خود ہی طبی کتابوں میں تلاش کرلے ڈاکٹرس وغیرہ کی اس کو ضرورت ہی نہیں اگر ایسا ہوا تو کیا ہر مریض اپنے مرض کا علاج ان کتابوں میں تلاش کر پائے گا؟ ہرگز نہیں؛ بلکل اسی طرح دینی وشرعی مسئلہ کو سمجھیں کہ اس کا حل ہر کوئی نہیں کرسکتا۔

بہر حال جو لوگ قرآن وحدیث کو مکمل طور پر سمجھے ہیں اور اپنی مکمل زندگی کو مسائل کے حل کرنے اور قرآن وحدیث کے مطابق اس کو ڈھالنیمیں وقف کردیا اور ہر مسئلہ کا جواب قرآن وحدیث اور اس کے مطابق اصول کی روشنی میں بتایا ان میں مقبول چار حضرات کے مکاتب فکر ہوئے ہیں جن کے نام یہ ہیں، حضرت امام ابوحنیفہؒ، حضرت امام شافعیؒ، حضرت امام مالکؒ اور حضرت امام احمد بن حنبلؒ، ان حضرات کے بعد ان کے شاگرد حضرات ہر ایک کا مسئلہ قرآن وحدیث اور ان حضرات کے بتائے ہوئے اصول کے مطابق بتلایا کرتے تھے اسی طرح یہی معمول اب تک چلا آیا اور آئندہ بھی چلتا رہے گا (انشاءاللہ)۔

فقہ اسلامی کے مصادر

چونکہ اسلامی نقطہ نظر سے قانون کا اصل سرچشمہ اللہ تعالیٰ کی ذاتِ پاک ہے، اس لیے تمام قوانین کا رشتہ بہر حال اللہ تعالیٰ سے

سے ہے؛ البتہ بعض احکام کی نسبت صراحتاً اللہ اور اُس کے رسول کی طرف ہے اور بعض احکام قرآن وحدیث سے ثابت ہونے والے اصول وقواعد کی روشنی میں اہلِ علم نے استنباط کیے ہیں، ان کی بھی بالواسطہ اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت کی جاسکتی ہے، فرق یہ ہے کہ پہلا ذریعہ معصوم ہے؛ اگر قرآن وحدیث سے اس کا ثبوت یقینی ہو تو اس میں غلطی کا احتمال نہیں اور دوسرا ذریعہ معصوم نہیں؛ کیونکہ اس میں انسانی اجتہاد کو دخل ہے اور انسان کی سوچ غلط بھی ہوسکتی ہے، اس طرح فقہ اسلامی کے مصادر کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے،

(۱) نصوص (۲) اجتہاد کے دوسرے مسائل۔

منصوص مصادر

فقہ اسلامی کے منصوص مصادر چار ہیں۔

(۱) کتاب اللہ (۲) سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (۳) شرائع ماقبل (۴) جن مسائل میں اجتہاد کی گنجائش نہ ہو ان میں صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے آثار۔

کتاب اللہ

کتاب اللہ سے مراد قرآن مجید ہے، جو بے کم وکاست محفوظ ہے اور قیامت تک رہے گا، قرآن مجید میں فقہی احکام سے متعلق آیات کی تعداد لوگوں نے دوڈھائی سو سے لے کر پانچ سو تک لکھی ہے، پانچ سو کی تعداد اس لحاظ سے ہوسکتی ہے کہ قرآن سے ثابت ہونے والے صریح احکام کے علاوہ اصولی احکام کو بھی شامل کرلیا جائے، صریح حکم کی مثال، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے کھانے کی حرام چیزوں کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا،

"حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيرِ وَمَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيحَةُ وَمَا أَكَلَ السَّبُعُ إِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ وَأَنْ تَسْتَقْسِمُوا بِالْأَزْلَامِ ذَلِكُمْ فِسْقٌ" ۔(المائدہ)

تم پر مردار جانور اور خون اور سور کا گوشت اور وہ جانور حرام کردیا گیا ہے جس پر اللہ کے سوا کسی اور کا نام پکارا گیا ہو اور وہ جو گلا گھٹنے سے مرا ہو اور جسے چوٹ مار کر ہلاک کیا گیا ہو اور جو اوپر سے گر کر مرا ہو اور جسے کسی جانور نے سینگ مار کر ہلاک کیا ہو اور جسے کسی درندے نے کھالیا ہو؛ اِلَّا یہ کہ تم (اس کے مرنے سے پہلے) اس کو ذبح کرچکے ہو اور وہ (جانور بھی حرام ہے) جسے بتوں کی قربان گاہ پر ذبح کیا گیا ہو اور یہ بات بھی (تمہارے لیے حرام ہے) کہ تم جوے کے تیروں سے (گوشت وغیرہ) تقسیم کرو، یہ ساری باتیں سخت گناہ کی ہیں۔

سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم

احکامِ شرعیہ کا دوسرا ماخذ سنت رسول ہے، سنت رسول سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات، آپ صلی اللہ علیہ وسلم

کا عمل نیز وہ قول وفعل ہے جو آپ کے سامنے آیا ہو اور آپ نے اس پر نکیر نہیں فرمائی ہو، سنت کے حجت ہونے پر امت کا اجماع واتفاق ہے؛ کیونکہ قرآن مجید میں کثرت سے مستقل طور پر اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے، فرمایا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت دراصل اللہ کی اطاعت ہے، ﴿مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ﴾ (النساء) نیز اللہ تعالیٰ کا واضح ارشاد ہے،

﴿وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا﴾ ۔(الحشر)

رسول جو کچھ لائے اسے قبول کرو اور جس سے منع کر دے اس سے رک جاو۔

نیز سنت رسول اصل میں قرآن مجید کی تفسیر وتوضیح ہے، اسی لیے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتیں تین طرح کی ہیں، یا تو قرآن میں جو حکم ہے وہی سنت رسول میں بھی ہے، یا قرآن میں کوئی حکم مجمل ہے اور سنت نے اس کو واضح کر دیا ہے، یا قرآن مجید اس سلسلہ میں خاموش ہے اور سنت کے ذریعہ اس صورت کا حکم معلوم ہوتا ہے۔(الرسالہ،، باب ماابان اللہ لخلقہ من فرضہ علی رسولہ اتباع اوحی اللہ)

لیکن غور کیا جائے تو یہ صورت بھی قرآن مجید کے بتائے ہوئے اصولوں کے دائرہ میں آتی ہے؛ گویا قرآن نے ایک اصول بیان کر دیا اور سنت کے ذریعہ اس کی تطبیق اور عملی صورتگری سامنے آ گئی؛ اس لیے امام اوزاعی نے فرمایا کہ بیان وضاحت اور فہم مراد کے اعتبار سے قرآن کو حدیث کی حاجت زیادہ ہے، بمقابلہ اس حاجت کے جو حدیث کو قرآن کی ہے۔

﴿اَلْكِتَابُ اَحْوَجُ اِلٰى السُّنَّةِ مِنَ السُّنَّةِ اِلٰى الْكِتَابِ﴾(شرح السنة، للحسن بربهاری)

حقیقت یہ ہے کہ فقہی اعتبار سے احادیث کی بڑی اہمیت ہے، قرآن مجید ایک دستوری کتاب ہے، جس میں اصولی احکام دیئے گئے ہیں اور دین کے حدود اربعہ کو متعین کرنے کی کوشش کی گئی ہے، حدیث کے ذریعہ ان قرآنی احکام کی عملی تصویر سامنے آ جاتی ہے اور اس طرح اہل ہوس کے لیے قرآن کے معنوں میں الٹ پھیر، تحریف اور من چاہی تاویل کا دروازہ بند ہو جاتا ہے، جہاں حفاظ اور قاریوں کے ذریعہ الفاظِ قرآن کی حفاظت کا غیبی انتظام ہوا ہے، وہیں معنوی تحریف اور آمیزش سے حفاظت کا سروسامان حدیث کے ذریعہ انجام پایا ہے، اس طرح احادیث قرآن مجید کی معنوی حفاظت کا ذریعہ ہیں؛ قرآنی ایسے حکم کی مثال جس کو عملی شکل حدیث نے دی ہے یہ کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ﴿اَقِيْمُوْا الصَّلَاةَ﴾ اور ﴿يُقِيْمُوْنَ الصَّلَاةَ﴾ کے ذریعہ نماز کا حکم بارہا فرمایا؛ لیکن اس کے ادا کرنے کا طریقہ احادیث میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بتلایا۔

آثارِ صحابہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس دین کو براہِ راست حضرات صحابہ نے حاصل کیا ہے اور انہی کے واسطہ سے یہ دین پوری امت تک پہنچا ہے، صحابہؓ سب کے سب عادل، معتبر، خداترس اور مخلص تھے؛ لہٰذا ان کے اقوال اور آراء کی خاص اہمیت ہے، بعض مسائل تو ایسے ہیں جن میں رائے اور اجتہاد کی گنجائش ہے اور بعض مسائل وہ ہیں جسے کوئی شخص اپنے اجتہاد سے اخذ نہیں کر سکتا؛ بلکہ لازماً ان کی بنیاد قرآن وحدیث ہی پر ہوگی، اس دوسرے قسم کے مسائل میں صحابہ رضی اللہ عنہم کی رائے احناف ومالکیہ کے نزدیک

حجت اور دلیل ہے؛ اس لیے کہ ان کی رائے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہوئی کسی بات پر ہی مبنی ہوگی؛ گویا یہ بھی حدیث ہی کے درجہ میں ہے، جیسا کہ جمعہ میں اذانِ ثانیہ کے سلسلہ میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی رائے کو لیا گیا۔

شرائع ما قبل

تمام پیغمبروں کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے جو دین بھیجا ہے وہ ایک ہی دین ہے، اعتقادی اور اخلاقی احکام میں ان کے درمیان کوئی فرق نہیں پایا جاتا ہے؛ اس لیے کہ اس کا سرچشمہ ایک ہی ذات ہے اور اگر عقیدہ و اخلاق کی ہدایت میں کوئی فرق پایا جاتا ہو تو یقینی طور پر یہ انسانی تحریفات اور آمیزش کا نتیجہ ہے؛ البتہ عملی زندگی، کے احکام جو فقہ کا اصل موضوع ہے، مختلف شریعتوں میں مختلف رہے ہیں؛ کیونکہ انسانی تمدن کے مرحلہ بہ مرحلہ ارتقاء کا تقاضہ یہی تھا، پہلی قسم کے احکام کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے،

«شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ» ۔(الشوریٰ)

اللہ تعالیٰ نے تم لوگوں کے واسطے وہی دین مقرر کیا جس کا اس نے نوح (علیہ السلام) کو حکم دیا تھا اور جس کو ہم نے آپ کے پاس وحی کے ذریعہ سے بھیجا ہے اور جس کا ہم نے ابراہیم و موسیٰ (علیہ السلام) کو (مع ان سب کے اتباع کے) حکم دیا تھا (اور ان کی امم کو یہ کہا تھا) کہ اس دین کو قائم رکھنا اور اس میں تفرقہ نہ ڈالنا۔

دوسری قسم کے احکام کے بارے میں ارشاد ہے۔

«لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا» ۔(المائدہ)

تم میں سے ہر ایک کے لیے ہم نے ایک (خاص) شریعت اور راہ رکھی ہے۔

اس پس منظر میں سوال پیدا ہوتا ہے کہ گذشتہ شریعتوں کے احکام کی کیا حیثیت ہوگی، اس سلسلہ میں اہل علم نے جو گفتگو کی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ پچھلی کتابوں میں جو احکام آئے ہیں وہ چار طرح کے ہیں، اول وہ احکام جن کا قرآن و حدیث میں کوئی ذکر نہیں ہے، بالاتفاق اس امت میں وہ احکام قابل عمل نہیں ہیں، دوسرے وہ احکام جن کا قرآن و حدیث میں ذکر آیا ہے اور یہ بات بھی واضح کردی گئی ہے کہ یہ حکم سابقہ امت کے لیے تھا، اس امت میں یہ حکم باقی نہیں بلکہ منسوخ ہو چکا ہے، اس کے بارے میں بھی کوئی اختلاف نہیں کہ امت محمدیہ میں اس حکم پر عمل نہیں کیا جائے گا، تیسرے وہ احکام ہیں جو قرآن و حدیث میں وارد ہوئے ہیں اور یہ بھی بتادیا گیا کہ یہ احکام اس امت کے لیے بھی ہیں، بالاتفاق اس شریعت میں بھی ان احکام پر عمل کیا جائے گا، چوتھے وہ احکام ہیں جن کو قرآن و حدیث نے پچھلی قوموں کی نسبت سے بیان کیا ہے؛ لیکن اس بات کی وضاحت نہیں کی گئی ہے کہ اس امت کے لیے یہ حکم باقی ہے یا نہیں؟ اس سلسلہ میں دو نظریہ ہیں، ایک تو یہ ہے کہ اس امت کے لیے بھی یہ حکم باقی ہے، احناف اسی کے قائل ہیں اور دوسرا نظریہ یہ ہے کہ اس امت کے لیے یہ حکم باقی نہیں ہے۔(الاحکام للآمدی)

لیکن یہ اختلاف عملی اعتبار سے زیادہ اہم نہیں ہے؛ کیونکہ عملاً شاید ہی کسی مسئلہ میں اس کی وجہ سے اختلاف رہا ہو، شرائع ماقبل

جو منسوخ نہیں ہوئی ہیں وہ کتاب اللہ میں داخل ہیں، ایسا حکم جو ماقبل شریعتوں میں بھی تھا اور اس کو شریعتِ محمدیہ میں بھی رکھا گیا؛ جیسا کہ روزوں کی فرضیت، کہ پہلی شریعتوں میں بھی روزہ فرض تھا اور اب بھی فرض ہے، شرائع ماقبل کی مزید تفصیل کے لیے دیکھئے، (فقہ اسلامی میں سابقہ شریعت کا مقام)۔

غیر منصوص مصادر اور اجماع

جن شرعی دلائل کا ماخذ انسانی اجتہاد ہے ان میں سب سے قوی اجماع ہے، اجماع سے مراد کسی رائے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد امت کے مجتہدین کا متفق ہو جانا؛ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ, یہ امت کسی غلط بات پر متفق نہیں ہوسکتی؛ گویا امت کے افراد کے انفرادی اجتہاد میں تو خطا کا احتمال ہے؛ لیکن اجتماعی حیثیت میں وہ معصوم ہیں اور کسی غلط بات پر متفق نہیں ہوسکتے۔

اجماعی احکام میں کچھ تو وہ ہیں جن کی بنیاد احادیث پر ہے، یعنی ایک حکم خبر واحد سے ثابت ہوا اور بعد کو تمام فقہاء اس پر متفق ہو گئے، اس طرح اس مسئلہ پر اجماع منعقد ہو گیا اور اجماع کی وجہ سے اس حکم نے قطعی اور یقینی حکم کا درجہ حاصل کر لیا اور کچھ احکام وہ ہیں جن کی بنیاد قیاس و مصلحت پر ہے اور اس میں اجتہاد اور ایک سے زیادہ نقطہ نظر کی گنجائش ہے، اس طرح کے احکام میں زیادہ تر اجماع کا انعقاد عہدِ صحابہؓ میں ہوا ہے؛ کیونکہ اس عہد میں تمام مجتہدین کی آراء سے واقف ہونا آسان تھا، خاص کر سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو اللہ تعالیٰ نے اجتماعی غور و فکر اور شورائی اجتہاد کا خاص ذوق عطا فرمایا تھا؛ اس لیے ان کے عہد میں نسبتاً زیادہ اجماع منعقد ہوئے، جیسا کہ تراویح بیس رکعات باجماعت پڑھنے پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں اجماع ہوا۔

قیاس

غیر منصوص مصادر میں سے ایک قیاس بھی ہے، قیاس کے اصل معنی ایک چیز کو دوسری چیز کے برابر کرنے کے ہیں، کسی مسئلہ کے سلسلے میں قرآن و حدیث کی صراحت موجود نہ ہو لیکن قرآن و حدیث میں اس سے ملتا جلتا کوئی مسئلہ موجود ہو اور اس مسئلہ میں اللہ اور رسول کے حکم کی جو وجہ ہوسکتی ہو وہ اس مسئلہ میں بھی موجود ہو چنانچہ یہاں بھی وہی حکم لگا دیا جائے، اس کو قیاس کہتے ہیں، غور کیا جائے تو قیاس قرآن و حدیث کے مقابلہ میں دی جانے والی رائے نہیں ہے؛ بلکہ قیاس کے ذریعہ قرآن و حدیث کے حکم کے دائرہ کو وسیع کیا جاتا ہے۔

جن مسائل کی بابت نص موجود نہ ہو ان میں قیاس پر عمل کیا جائے گا، یہ بات تقریباً متفق علیہ ہے، شرعی دلیلوں میں قیاس کو چوتھے درجہ پر رکھا گیا ہے؛ لیکن حدیث و قیاس یہ دونوں ایسے مصادر ہیں جن سے بیشتر فقہی احکام متعلق ہیں اور معاملات کے احکام کی بنیاد تو بڑی حد تک قیاس ہی پر ہے، اس لحاظ سے یہ نہایت اہم ماخذ ہے؛ جیسا کہ شراب کی حرمت کی علت نشہ اور سکر کو نکال کر افیون، گانجہ وغیرہ کو نشہ کی وجہ سے حرام قرار دیا گیا۔

دوسرے دلائل

ان دونوں کے علاوہ کچھ اور غیر منصوص مصادر ہیں جن سے وقتاً فوقتاً فقہ اسلامی میں مدد لی جاتی ہے، مثلاً استحسان، مصالح مرسلہ، استصحاب، عرف اور ذریعہ ان کی تفصیل ذیلی مضامین میں ملاحظہ کی جاسکتی ہیں۔

فقہ اسلامی کا امتیاز اور جامعیت وہمہ گیری

فقہ اسلامی کو جو باتیں انسان کے خودساختہ قوانین سے ممتاز کرتی ہیں، ان میں سے ایک یہ ہے کہ اس میں جامعیت وہمہ گیری پائی جاتی ہے کہ یہ تمام انسانوں کی ضروریات کو پوری طرح حاوی (گھیرے ہوئے) ہے اور ان کی زندگی اور زندگی کے ہر حال کے متعلق مرتب وجامع نظام پیش کرتی ہے، جو انسان کی شخصی زندگی، عائلی زندگی، قبائلی وشہری زندگی اور ظاہری وروحانی زندگی کے ہر پہلو سے اس کی رہبری کرتی ہے، وہ صرف اجتماعی وسیاسی زندگی ہی تک محدود نہیں؛ بلکہ وہ انسان کی انفرادی وشخصی زندگی کے اصول بھی سکھاتی ہے، معاملہ عقائد وعبادات کا ہو، اخلاق وتمدن کا ہو، سیاست وحکومت کا ہو، ملازمت وتجارت کا ہو، تعلیم وتربیت کا ہو، شادی بیاہ کا ہو، سیر وتفریح اور غم ومصیبت کا ہو، غرض یہ کہ انسانی زندگی سے متعلق جس قسم کا بھی معاملہ ہو فقہ اسلامی اس میں انسان کی بھرپور رہنمائی کرتی ہے۔

عقل وحکمت سے مطابقت

فقہ اسلامی کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس میں معقولیت بھی پائی جاتی ہے، علماء، محققین نے اپنی اپنی تصانیف میں پورے شرح وبسط (تفصیل) کے ساتھ اس کی معقولیت پر گفتگو فرمائی ہے، علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ، ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ، امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ، امام رازی رحمۃ اللہ علیہ، شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ، مولانا قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہم نے اس پہلو پر سیر حاصل بحث کی ہیں اور یہ ثابت کیا ہے کہ شریعت کے احکام عقل کے تقاضوں اور مصلحتوں کے عین مطابق ہیں؛ حتی کہ بعض اہل علم نے تو یہاں تک کہا ہے کہ شریعت تمام تر مصلحت ہی سے عبارت ہے اور ہر حکم شرعی کا مقصد یا تو کسی مصلحت کو پانا ہے یا کسی نقصان اور مفسدہ کا ازالہ ہے۔

"اِنَّ الشَّرِيْعَةَ كُلَّهَا مَصَالِحٌ اِمَّادَرْءُ مَفَاسِدِ اَوْجَلْبُ مَصَالِحِ". (قواعد الاحکام لعزالدین بن عبدالسلام)

اس کے برخلاف انسان کی عقل کوتاہ ونارسا ہے اور خود اپنے نفع ونقصان کو سمجھنے سے بھی قاصر وعاجز ہے، دوسرے انسان بعض اوقات خواہشات سے اس قدر مغلوب ہوجاتا ہے کہ کسی بات کو نقصان جانتے ہوئے بھی اس کو قبول کرلیتا ہے، اس کی واضح مثال شراب ہے، شراب انسان کے لیے نہایت نقصان دہ اور اس کی صحت کو برباد کردینے والی چیز ہے، اس پر اتفاق ہے، لیکن آج دنیا کے ان تمام ملکوں میں جو انسانی قانون کے زیرسایہ زندگی بسر کررہے ہیں شراب کی اجازت ہے، غیرقانونی جنسی تعلق اور ہم جنسی کے بارے میں تمام میڈیکل ماہرین متفق ہیں کہ یہ صحت کے لیے نہایت مہلک فعل ہے اور نہ صرف اخلاق کے لیے تباہ کن ہے بلکہ

طبی نقطۂ نظر سے بھی سماج کے لیے زہر ہلاہل سے کم نہیں ہے، اس کے باوجود عوامی دباؤ اور آوارہ خیال لوگوں کی کثرت سے مجبور ہو کر بہت سے ترقی یافتہ ملکوں میں ان خلافِ فطرت امور کی بھی اجازت دے دی گئی ہے، فقہ اسلامی کہیں بھی عقل اور حکمت و مصلحت سے برسرِ پیکار نظر نہیں آتی اور اس کا ایک ایک حکم انسانی مفاد و مصلحت پر مبنی ہے۔

ابدیت و دوام

کسی بھی قانون کے مفید اور فعال رہنے کے لیے جہاں یہ ضروری ہے کہ اس میں حالات و مواقع کے لحاظ سے تغیرات کو قبول کرنے کی گنجائش رہے وہیں ایک گونہ ثبات و دوام اور بقاء و استمرار بھی ضروری ہے، جو قانون بالکل بے لچک اور تغیر نا آشنا ہو وہ زمانہ کی تبدیلیوں کا ساتھ نہیں دے سکتا اور جس قانون میں کوئی بقاء و استحکام نہ ہو وہ انصاف قائم کرنے اور لوگوں کا اعتماد حاصل کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکتا، کیونکہ اس کے ہر اصول میں شکست و ریخت کی گنجائش ہوگی اور کسی بھی قانون کو لوگ اپنی خواہش کے سانچے میں ڈھال سکیں گے۔

اسلام میں ان دونوں پہلوؤں کی رعایت ملحوظ ہے، کچھ احکام وہ ہیں جن کی بابت اصول و قواعد اور شریعت کے مقاصد کی وضاحت پر اکتفاء کیا گیا ہے، ہر عہد میں جو مسائل پیدا ہوں ان کو ان اصولوں کی روشنی میں حل کیا جائے گا اور بعض مسائل میں شریعت نے جزوی تفصیلات کو بغیر کسی استثناء اور تخصیص کے متعین کر دیا ہے، یہ تحدید اس بات کی علامت ہے کہ یہ قیامت تک قابلِ عمل ہے، اس طرح شریعت میں جو اصولی ہدایات دی گئی ہیں اور جن قواعد و مقاصد کی رہنمائی کی گئی ہے وہ ناقابلِ تبدیل ہیں، اس لیے قرآن نے اشارہ کیا ہے کہ قرآنی ہدایات کے ذریعہ دین پایہ کمال کو پہنچ گیا ہے (المائدہ:) اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر سلسلہ نبوت کو ختم کر دیا گیا ہے (الاحزاب: ۰) لہٰذا اب خالقِ کائنات کی طرف سے کسی نئی شریعت کے آنے کا امکان باقی نہیں رہا، اب یہ انسانی سماج کے لیے ایسا موزوں قانون ہے کہ قیامت تک اس کی موزونیت اور اس کی افادیت کم نہیں ہو سکتی، کیونکہ فقہ اسلامی کا سرچشمہ وہ نصوص ہیں جو قیامت تک ہر طرح کے تغیرات و اصلاح سے ماوراء ہیں اور وضعی قوانین کی اساس انسانی خیالات و جذبات ہیں جو ہر آن و زمان تغیر و تبدیلی سے دوچار ہیں۔

فطرت انسانی سے ہم آہنگی

اللہ خود انسان کا خالق ہے اور اس کی ضروریات و تقاضے سے بھی پوری طرح واقف ہے؛ اس لیے اس نے جو شریعت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے سے انسانیت کو عطا کی وہ پوری طرح فطرتِ انسانی سے ہم آہنگ ہے، اس لیے قرآن نے اسلام کو دینِ فطرت سے تعبیر کیا ہے۔ (الروم)

فطرت سے بغاوت ہمیشہ انسان کے لیے نقصان و خسران اور تباہی و بربادی کا سبب بنا ہے، انسان کے بنائے ہوئے قانون میں فطرت سے بغاوت کا رجحان قدم قدم پر ملتا ہے، مثلاً اللہ تعالیٰ نے عورت کی فطرت میں جلد بازی، زود رنجی اور بعجلت قدم اٹھانے کا مزاج رکھا ہے، اس لیے اسلام نے طلاق کا اختیار عورت کے ہاتھ میں نہیں رکھا، بلکہ مرد کو طلاق کا اختیار دیا؛ لیکن مغرب

نے مرد و عورت کو مساوی درجہ دیتے ہوئے طلاق کے معاملہ میں بھی دونوں کو یکساں حیثیت دے دی، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ طلاق کی شرح اس معاشرہ میں بہت بڑھ گئی؛ حتی کہ بہت سے ملکوں میں نکاح کے مقابلہ میں طلاق کی شرح بڑھی ہوئی ہے اور اس کے نتیجہ میں خاندانی نظام بکھر کر رہ گیا ہے؛ اسی طرح انسانی فطرت ہے کہ سخت اور مناسب سزائیں ہی انسان کو جرم سے باز رکھ سکتی ہیں اور مجرم کے ساتھ حسنِ سلوک دراصل مظلوم کے ساتھ ناانصافی اور سماج کو امن سے محروم کر دینے کے مترادف ہے؛ اس لیے اسلام میں قتل کی سزا قتل رکھی گئی ہے اور بعض دیگر جرائم میں بھی سخت سزائیں رکھی گئی ہیں؛ لیکن بعض ممالک میں ہمدردی و انسانیت کے نام پر مجرم کو سہولتیں دی گئیں، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جرائم پر جسارت روز مرہ بڑھتی جا رہی ہے اور جو سزائیں دی جا رہی ہیں وہ جرائم کے سدباب کے لیے ناکافی ہیں، اس کے برخلاف شریعتِ اسلامی کے جس حکم کو بھی حقیقت پسندی کے ساتھ دیکھا جائے تو محسوس ہوگا کہ اس میں قانونِ فطرت کی مطابقت غیر معمولی حد تک پائی جاتی ہے، جبکہ انسان کے خود ساختہ قوانین میں فطرت سے بغاوت اور خواہشات کے غلبہ کا رجحان ہر جگہ نمایاں ہے۔

توازن و اعتدال

شریعتِ اسلامی کا ایک وصف اس کا توازن و اعتدال بھی ہے، مثلاً مرد و عورت انسانی سماج کے دو لازمی جز ہیں، دنیا میں کچھ ایسے قوانین وضع کیے گئے ہیں جن میں عورت کی حیثیت جانور اور بے جان املاک کی سی قرار دے دی گئی، نہ وہ کسی جائیداد کی مالک ہو سکتی تھی، نہ ہی تصرف کر سکتی تھی، نہ اس کو اپنے مال پر اختیار تھا، نہ اپنی جان پر، یہاں تک کہ اہلِ علم کے درمیان بحث جاری تھی کہ عورتوں میں انسانی روح پائی جاتی ہے یا حیوانی؟ اس کے بالمقابل دوسری طرف کچھ لوگوں نے عورتوں کو تمام ذمہ داریوں میں مردوں کے مساوی قرار دے دیا، عورتوں کی جسمانی کمزوری، اس کے ساتھ پیش آنے والے قدرتی حالات و عوارض اور طبیعت و مزاج اور قوتِ فیصلہ پر ان کے اثرات کو نظر انداز کر دیا، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بظاہر تو اسے عورت کی حمایت سمجھا گیا لیکن انجام کار اس آزادی نے سماج کو بے حیائی، اخلاقی گراوٹ، ناقابلِ علاج امراض اور خود عورتوں کو ناقابلِ تحمل ذمہ داریوں میں جکڑ دیا۔

اسلام نے مردوں اور عورتوں سے متعلق نہایت متوازن قانون دیا ہے، انسانی حقوق میں مردوں اور عورتوں کو مساوی درجہ دیا گیا ہے، ﴿وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِيْ عَلَيْهِنَّ﴾ (البقرہ:) لیکن سماجی زندگی میں دونوں کے قُویٰ اور صلاحیت کے لحاظ سے فرق کیا گیا ہے اور بال بچوں کی تربیت کی ذمہ داری عورتوں پر اور کسبِ معاش کی ذمہ داری مردوں پر رکھی گئی ہے، سماجی زندگی کا یہ نہایت زریں اصول ہے، جس میں خاندانی نظام کا بقاء، اخلاقی اقدار کی حفاظت اور عورت کو ناقابلِ برداشت مصائب سے بچانا ہے۔

دولت مندوں اور غریبوں، آجروں اور مزدوروں، عوام اور حکومت کے تعلقات اور مجرموں اور جرم سے متاثر مظلوموں کے درمیان انصاف وغیرہ احکام کو اگر حقیقت پسندی کے ساتھ دیکھا جائے تو قانونِ شریعت میں جو اعتدال نظر آئے گا گذشتہ اور موجودہ ادوار میں انسانوں کے بنائے ہوئے کسی قانون میں اس کی مثال نہیں ملے گی۔

عدل وانصاف

شریعتِ اسلامی کا ایک امتیازی پہلو یہ بھی ہے کہ اس میں انسانیت کے ساتھ مساویانہ سلوک ہے، دین کی بنیاد ہی دراصل عدل پر ہے (النحل) اس لیے اسلام کی نگاہ میں رنگ ونسل، جنس اور قبیلہ وخاندان کی بنیاد پر کوئی تفریق نہیں ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

"يَا اَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقَاكُمْ" ۔(الحجرات)

اے لوگو! ہم نے تم کو ایک ہی مرد وعورت سے پیدا کیا ہے اور تم کو خاندانوں اور قبیلوں میں اس لیے تقسیم کیا ہے تا کہ ایک دوسرے کو پہچان سکو، بے شک تم میں سب سے زیادہ معزز اللہ کے نزدیک وہ ہے جو سب سے زیادہ تقویٰ اختیار کرنے والا ہو۔
حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو مزید واضح فرمایا: کہ کسی گورے کو کالے پر اور کسی عربی کو کسی عجمی پر کوئی فضیلت حاصل نہیں ہے (مسند احمد)

اسلام کے تمام قوانین کی اساس اسی اصول پر ہے، برخلاف انسانی قوانین کے، انسانوں نے جو بھی قوانین وضع کیے ہیں وہ ایک گروہ کی برتری اور دوسرے طبقہ کی تذلیل وحق تلفی پر مبنی رہا ہے، لیکن اسلام نے دنیا کو ایک ایسے قانون سے روشناس کیا جس کی بنیاد انسانی وحدت مساوات اور ہر طبقہ کے ساتھ ایسے انصاف پر مبنی ہے جو کسی طبقہ کو حقیر اور اچھوت بنانے کی اجازت نہیں دیتا۔

حقیقی نافعیت

شریعتِ اسلامی حقیقی نافعیت اور مال وانجام کی سعادت پر مبنی ہے، انسان کے بنائے ہوئے قوانین میں حقیقی نفع وضرر سے زیادہ خواہشات وجذبات کی رعایت ہے، شراب صحت انسانی کے لیے مضر ہے، نشہ جنون کا ایک درجہ ہے، خنزیر کا گوشت مختلف طبعی بیماریوں اور اخلاقی مفاسد کی جڑ ہے، عصمت وعفت کے مذہبی تصور کے خلاف برہنگی ہے جو اخلاقی اقدار کے بھی منافی ہے اور امن وسکون کی غارت گر ہے، اسلام نے ان مضرتوں پر نظر رکھی اور ان امور کے بارے میں اس کی مخالفت نا قابلِ تبدیل ہے، مگر وضعی قوانین ان تمام نقصانات کو تسلیم کرنے کے باوجود ہوائے نفسانی اور ہوسِ انسانی کے سامنے سپر انداز (جھکے ہوئے) ہیں۔

تنفیذ کی قوت

کسی بھی قانون کا نفاذ دو طریقوں سے ہوتا ہے، ایک تو سماج کے اندر قبولِ اطاعت کا جذبہ پیدا کر کے اور دوسرے قانون کے خلاف کرنے والوں کے لیے جبر وقوت کا استعمال کر کے، کچھ طبیعتیں سلامتی اور شرافت کی حامل ہوتی ہیں، ان میں از خود قانون پر عمل کرنے کا جذبہ موجود ہوتا ہے؛ لیکن جن طبیعتوں میں سرکشی اور بغاوت ہوتی ہے یا جو خواہشات سے مغلوب ہوتی ہیں وہ جبر وخوف کے بغیر سرِ تسلیم خم نہیں کرتیں، انسانی قوانین میں عدالت اور پولیس اور دونوں شعبوں کے ذریعے سزاؤں کا خوف ہی انسان کو جرم سے باز رکھتا ہے، جبکہ شریعتِ اسلامی میں اس سے آگے ایک اور عقیدہ، آخرت کے ثواب وعذاب، کا ہے؛ اس لیے

قرآن وحدیث میں ہر حکم کے ساتھ اس کے ماننے پر آخرت کا اجر اور نہ ماننے پر آخرت کی سزا کا ذکر موجود ہے، یہ ایسا انقلاب انگیز عقیدہ ہے جو طاقتور سے طاقتور انسان کے دل کو ہلا کر رکھ دیتا ہے اور بڑے بڑے مجرموں کو قانون کے سامنے سپر انداز ہونے پر مجبور کرتا ہے، جب کوئی آنکھ دیکھنے والی اور کوئی زبان ٹوکنے والی نہیں ہوتی اس وقت بھی یہ عقیدہ اس کے ہاتھوں کے لیے ہتھکڑی اور اس کے پاوں کے لیے زنجیر بن جاتا ہے۔

مسلم سماج میں اس گئے گذرے دور میں بھی اس کی مثالیں بآسانی دیکھی جاسکتی ہیں، مثلاً یہی منشیات کا مسئلہ ہے، آج پوری دنیا اس سے دوچار ہے اور اس کے نقصانات تسلیم شدہ ہیں، امریکہ نے ان حالات کو دیکھتے ہوئے سنہ ء میں نشہ بندی کا ایک قانون بنایا اور شراب کی مضرتوں کو واضح کرنے کے لیے صرف تشہیر پر ملین ڈالر خرچ کئے، نو ہزار ملین صفحات شراب کے نقصانات پر لکھے گئے، ۳۰۰ آدمی قتل کیے گئے، ۵ لاکھ کو قید کی سزا دی گئی، ان لوگوں پر جو جرمانے کئے گئے وہ بے شمار ہیں؛ لیکن اس کے باوجود طاقت سے قانون کو منوایا نہیں جاسکا اور سنہ ء میں امریکی حکومت اس بات پر مجبور ہوئی کہ اس قانون کو واپس لے لے؛ لیکن قرآن مجید نے جب شراب کو حرام قرار دیا تو عرب اس کے بے حد عادی تھے، یہاں تک کہ اسلام سے پہلے ان کی مذہبی تقریبات بھی شراب سے خالی نہیں ہوتی تھیں، لیکن شراب کی حرمت کا حکم آتے ہی لوگوں نے اپنا سر جھکا دیا اور مدینہ کی گلیوں اور کوچوں میں شراب بہنے لگی، آج بھی صورتحال یہ ہے کہ جہالت وغفلت کے باوجود مسلمان سماج میں شراب سے جو احتیاط برتی جاتی ہے شاید ہی اس کی مثال مل سکے؛ مغربی ممالک میں خاص طور پر اس کو محسوس کیا جاسکتا ہے کہ دوش بدوش زندگی گذارنے والے مسلمان اور غیر مسلم مئے نوشی کے اعتبار سے ایک دوسرے سے بہت مختلف کردار کے حامل ہوتے ہیں۔

اسی طرح زنا اور غیر قانونی جنسی تعلق کا معاملہ ہے کہ آج بھی اس معاملہ میں مسلم سماج دوسری قوموں سے بدرجہا غنیمت ہے، یہی وجہ ہے کہ ایڈس کی بیماری کی شرح مسلم ملکوں میں سب سے کم ہے، مغربی ملکوں میں شہر شہر بوڑھے لوگوں کے لیے ہاسٹل قائم کردیئے گئے ہیں، لوگ بوڑھے ماں باپ اور بزرگانِ خاندان کو ان ہاسٹلوں میں رکھ کر اپنا بوجھ ہلکا کرلیتے ہیں، لیکن مسلم سماج میں آج بھی ایسی خودغرضی نسبتاً کم پائی جاتی ہے، والدین کا احترام اور بزرگوں کی قدردانی کو لوگ اپنا مذہبی فریضہ سمجھتے ہیں، یہ آخرت کے خوف اور آخرت میں جوابدہی کے احساس کے بغیر نہیں ہوسکتا؛ الغرض وضعی قوانین کا نفاذ قانون کی طاقت ہی سے ممکن ہے؛ لیکن قانونِ شریعت کے نفاذ میں عقیدہ وایمان کی طاقت بھی موثر کردار ادا کرتی ہے۔

فقہ پر اعتماد نہ کرنے کا نقصان

اگر فقہ پر اعتماد نہ کرکے کوئی شخص اپنے ہر عمل کا تعلق بلاواسطہ قرآن یا حدیث سے کریگا تو یہ اجماع کے خلاف ہوگا (عقد الجید فی احکام الاجتہاد والتقلید:) اور دوسری بات یہ ہے کہ اس کے سامنے مکمل قرآنی علم یا مکمل احادیث کا مجموعہ ہونے کے ساتھ ساتھ دیگر بہت سارے علوم وغیرہ کا ہونا ضروری ہے، اس لیے کہ بعض جگہ قرآنی آیات مجمل ہیں تو بعض جگہ قرآنی آیات اور احادیث میں ابہام بھی ہے اور کچھ احادیث ایک ہی عمل کے مختلف طریقے اور مختلف حکم پیش کرتی ہے اور الفاظ قرآن یا حدیث ایک معنی پیش کرتے ہیں اور مرادی معنی اور ہوتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سحری کے وقت کے سلسلہ میں فرمایا۔

،وَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتَّى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ، ۔(البقرۃ)

اوراس وقت تک کھاوپیو جب تک صبح کی سفید دھاری سیاہ دھاری سے ممتاز ہوکرتم پرواضح (نہ) ہوجائے۔(ترجمہ تھانویؒ)

بظاہر اس سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ اس وقت تک کھاپی سکتے ہیں جب تک کہ صبح کی روشنی سے سفید اور کالے دھاگے میں امتیاز ہوجائے جیسا کہ بعض صحابہ نے ایسا ہی سمجھا تھا؛ مگر حقیقی معنی یہ نہیں ہیں؛ بلکہ خیط ابیض سے مراد صبح صادق اور خیط اسود سے مراد صبح کاذب ہے۔(بخاری، کتاب الصّوم)

اسی طرح ایک حدیث میں آیا ہے کہ جوانسان اللہ پراور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہواس کے لیے حلال نہیں کہ وہ اپنے پانی سے دوسرے کے کھیت کو سیراب کرے۔(مسند احمد)

اس حدیث سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب باغ میں پانی زیادہ ہوجائے تو اسے دوسرے کے باغ میں نہ چھوڑا جائے جیسا کہ بعض حدیث پڑھنے والے یہی معنی سمجھ کر کئی دن اسی پر عمل کرتے رہے؛ حالانکہ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ حاملہ لونڈیوں سے صحبت نہ کی جائے؛ اس طرح بلاواسطہ قرآن وحدیث کے سمجھنے میں غلطی ہونے کا قوی امکان ہوسکتا ہے؛ اس کے علاوہ بہت سارے نئے مسائل (خواہ وہ مسائل عبادات کے ہوں یامعاملات کے ہوں یامعاشرت کے ہوں وہ) قرآن وحدیث سے بلاواسطہ (ڈائرکٹ) نہیں سمجھ سکتا؛ بہرحال ہرانسان اپنے کم علمی کے ذریعہ زندگی کے ہرعمل کو شریعت کے مطابق نہیں بناسکتا؛ اس لیے علوم شرعیہ کے ماہرین سے رجوع کرنا ضروری ہوگا؛ اس کے بغیر وہ اپنی زندگی کو شریعت کے منشا کے مطابق نہیں بناپایگا اور بہت ساری خرابیاں وجود میں آتی ہیں۔

فقہی اصطلاحات کا بیان

فرض کی تعریف

شریعت اسلامی کی اصطلاح میں فرض وہ حکم شرعی ہوتا جو دلیل قطعی (قرآنی حکم اور حدیث متواتر) سے ثابت ہو، یعنی ایسی دلیل جس میں شبہ کی کوئی گنجائش نہ ہو۔ مثلاً نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ۔ وہ بنیادی ارکان ہیں جن کا ادا کرنا ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے اور ادا کرنے والا ثواب کا مستحق ہوتا ہے۔

اسلامی فقہ میں فرض کی اصطلاح حرام کے بالعکس ہے۔ اگر کوئی مسلمان ان کی فرضیت کا انکار کرے تو وہ کافر ہو جاتا ہے جبکہ بلا شرعی عذر ترک کرنے والا فاسق اور سزا کا مستحق ہوتا ہے۔ بلحاظ تکلیف فرض کی دو قسم ہے۔

فرض کفایہ کی تعریف

جس میں عامل کے بجائے عمل مطلوب ہوتا ہے، اگر کسی کے جانب سے یہ فرض ادا ہو جائے تو سب کے ذمہ سے عمل کی فرضیت ساقط ہو جاتی ہے۔ جیسے، نماز جنازہ، امر بالمعروف، علوم شرعیہ کا حصول وغیرہ۔

فرض عین کی تعریف

جس میں عامل مطلوب ہوتا ہے۔ جیسے پانچ وقت کی نماز، روزہ، استطاعت رکھنے والوں پر زکوۃ اور حج وغیرہ۔

واجب کی تعریف

شریعت اسلامی کی اصطلاح میں واجب وہ حکم شرعی ہے جو دلیل ظنی سے ثابت ہو، جبکہ اس کی ادائیگی کا شرع نے لازمی مطالبہ کیا ہو۔ مثلاً نماز عشاء کے وتر ہیں۔

اسلامی فقہ میں واجب کی اصطلاح مکروہ تحریمی کے بالعکس ہے۔ واجب کے بجالانے پر ثواب اور چھوڑنے پر سزا ملتی ہے، البتہ فرض کے انکار سے کفر لازم آتا ہے اور واجب کے انکار سے کفر لازم نہیں آتا۔

سنت مؤکدہ کی تعریف

شریعت اسلامی کی اصطلاح میں سنت مؤکدہ وہ عمل ہے جسے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دو مرتبہ کے علاوہ ہمیشہ بطور عبادت اپنایا ہو اور اس کی اقامت، تکمیل دین کی خاطر ہو جیسے اذان، اقامت، نماز با جماعت وغیرہ سنت مؤکدہ ہیں۔

اسلامی فقہ میں سنت مؤکدہ کی اصطلاح اساءت کے بالعکس ہے۔ یہ ایسے اعمال ہیں جن کو ادا کرنے کی حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تاکید فرمائی ہے۔ اس کے ادا کرنے پر اجر ملتا ہے اور بغیر عذر چھوڑ دینے کی عادت قابل ملامت و مذمت ہے، جبکہ کبھی

کبھار ترک کر دینے پر معافی ہے۔

سنت غیر مؤکدہ کی تعریف

شریعت اسلامی کی اصطلاح میں سنت غیر مؤکدہ سے مراد ایسے امور ہیں جن کی حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پابندی نہ کی ہو، یعنی کبھی کیا ہو اور کبھی نہ کیا ہو، جیسے عصر کے فرضوں سے پہلے چار رکعت، ہر ہفتے میں سوموار اور جمعرات کے روزے، وغیرہ۔

سنت غیر مؤکدہ کو سنت زائدہ بھی کہتے ہیں۔ اسلامی فقہ میں سنت غیر مؤکدہ کی اصطلاح مکروہ تنزیہی کے بالعکس ہے۔ سنت غیر مؤکدہ پر عمل کرنا اجر و ثواب کا باعث ہے، جبکہ عمل نہ کرنے سے گناہ نہیں ہوتا۔

مستحب کی تعریف

شریعت اسلامی کی اصطلاح میں مستحب ایسا فعل ہے جس کے کرنے والے کو ثواب ہوگا اور نہ کرنے والے کو گناہ اور عذاب نہیں ہوگا۔ جیسے وضو کے بعد دو رکعت نفل پڑھنا مستحب ہے۔ اسلامی فقہ میں مستحب کی اصطلاح خلافِ اولی کے بالعکس ہے۔

مباح کی تعریف

مباح عربی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی اباحت یعنی جواز کے ہیں۔ شریعت اسلامی کی اصطلاح میں وہ کام جو شرعاً حلال ہو نہ حرام اسے مباح کہتے ہیں۔ مثلاً لذیذ کھانے کھانا اور نفیس کپڑے پہننا، وغیرہ۔ کسی مباح عمل کو اپنی مرضی سے کرنے یا نہ کرنے پر ثواب یا گناہ نہیں ہوتا۔

حرام کی تعریف

شریعت اسلامی کی اصطلاح، اسلام میں حرام اس چیز کے لیے بولا جاتا ہے جس کی حرمت صاف الفاظ میں قرآنی حکم اور حدیث متواتر سے ثابت ہو، یعنی ایسی دلیل جس میں شک کی کوئی گنجائش نہ ہو۔

جیسے مردار، خون، خنزیر کا کھانا اور ناحق قتل، بدکاری، سود، شراب نوشی، والدین کی نافرمانی، غیبت اور جھوٹ بولنا وغیرہ سب اسلام میں حرام ہیں اور ان سے بچنا ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے۔

اسلامی فقہ میں حرام کی اصطلاح فرض کے مقابل ہے۔ اگر کوئی مسلمان ان کی حرمت کا انکار کرے تو اس پر حکم کفر جاری کیا جاتا ہے۔ جبکہ بلا عذر شرعی اسے اپنانے والا فاسق اور سزا کا مستحق ہوتا ہے۔

سورۃ مائدہ میں مندرجہ ذیل چیزوں کو حرام قرار دیا گیا ہے۔ مردہ جانور، خون، خنزیر سوزوہ جانور جو غیر اللہ کے نام سے ذبح کیا جائے۔ مرنے سے پہلے جانور ذبح کر دیا جائے اور خون نکل آئے تو وہ حرام نہیں ہوتا لیکن اگر خون نہ نکل سکے تو حرام ہے۔ سورۃ النساء کی رو سے مندرجہ ذیل عورتوں کے ساتھ نکاح حرام ہے ماں، بیٹی، سگی بہن، سوتیلی بیٹی، خالہ اور بھتیجی؛ بھانجی، رضاعی ماں، ساس، اور بہو۔ ان کے علاوہ بیک وقت دو سگی بہنوں سے یا کسی کی منکوحہ بیوی یا اپنی رضاعی بہن سے نکاح حرام ہے۔ بعض کام حرام ہیں جیسے سود لینا، جوا کھیلنا، شراب پینا، زنا، چوری، قتل و غارت، جھوٹ بولنا، رشوت لینا اور دینا، خیانت، غبن، ظلم وغیرہ۔

مکروہ تحریمی کی تعریف

شریعت اسلامی کی اصطلاح میں مکروہ تحریمی وہ فعل ہے جس سے لازمی طور پر رک جانے کا مطالبہ ہو اور وہ مطالبہ دلیل ظنی سے ثابت ہو۔

اسلامی فقہ میں مکروہ تحریمی کی اصطلاح واجب کے بالعکس ہے۔ اس کو اپنانے سے عبادت ناقص ہو جاتی ہے، مثلاً نماز عشاء کے بعد وتر کا چھوڑنا، (نماز وتر چونکہ واجب ہے اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی میں اس کو کبھی ترک نہ فرمایا اور اس کے چھوڑنے پر وعید سنائی ہے۔

اسأت کی تعریف

اسلامی فقہ میں اساءت کی اصطلاح سنت مؤکدہ کے بالعکس ہے۔ یہ ایسے اعمال ہیں جن کی ممانعت پر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تاکید فرمائی ہے۔ ان اعمال کے کرنے کی عادت قابل ملامت و مذمت ہے، جبکہ کبھی کبھار عمل کرنا کرنے پر معافی ہے۔

مکروہ تنزیہی کی تعریف

شریعت اسلامی کی اصطلاح میں مکرہ تنزیہی وہ فعل ہے جس کو ترک کرنے کے مطالبہ میں شدت نہ پائی جائے۔ اسلامی فقہ میں مکروہ تنزیہی کی اصطلاح سنت غیر مؤکدہ کے بالعکس ہے۔ مثلاً محرم الحرام کی صرف دسویں تاریخ کا روزہ رکھنا، وغیرہ

خلاف اولیٰ کی تعریف

شریعت اسلامی کی اصطلاح میں خلاف اولی ایسا فعل ہے جس کا نہ کرنا اس کے کرنے سے بہتر ہو، تاہم کر لینے پر گناہ نہیں ہوتا۔ اسلامی فقہ میں خلاف اولی کی اصطلاح مستحب کے بالعکس ہے۔

سنت کے لغوی معنی کا بیان

سنت کے لغوی معنی، راستہ، عادت، طور طریق۔ اچھے ہوں یا برے۔ پھر صراط مستقیم کیلئے یہ کلمہ استعمال ہونے لگا۔ سنت کے لغوی معنی سنت عربی لغت میں طریقہء کار اور طرز عمل کو کہتے ہیں؛ خواہ اچھا ہو یا برا، اسی مفہوم میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی ہے کہ جس شخص نے کسی اچھے طریقہ کو رائج کیا تو اس شخص کو خود اپنے عمل کا بھی ثواب ملے گا اور قیامت تک جو لوگ اس پر عمل کریں گے ان کا ثواب بھی ملے گا، اور جس شخص نے برے طریقہ کو رائج کیا تو اس پر اس کا گناہ تو ہوگا ہی اور تمام ان لوگوں کا گناہ بھی ہوگا جو قیامت تک اس پر چلیں گے۔ (السنۃ ومکانتھا فی التشریع الاسلامی لمصطفی حسن سباعی ص ۴۷)

سنت کی اصطلاحی تعریف

سنت کی اصطلاحی تعریف علماء شریعت نے اپنے اپنے موضوع اور علم وفن کے مقاصد کے مناسب مختلف کی ہے، ذیل میں محدثین وفقہاء کی سنت کے بارے میں اصطلاحی تعریفات نقل کی جاتی ہیں۔

سنت کا اطلاق محدثین کے نزدیک ہر اس عمل پر ہوتا ہے جس کا ثبوت کسی بھی شرعی دلیل سے ہو، خواہ قرآن مجید میں ہو، خواہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہو یا صحابہ کرام نے اس میں اجتھاد کیا ہو، جیسے قرآن کریم کو یک جا جمع و مرتب کرنا یا ایک طریقہ پر یعنی لغتِ قریش کے مطابق قرآن پڑھنے پر لوگوں کو آمادہ کرنا یا اسلامی حکومت کے لئے قانون سازی کرنا، اسی معنی میں لفظ سنت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان میں استعمال ہوا ہے،،، تم پر میری سنت اور میرے بعد میرے خلفاء راشدین کی سنت پر عمل کرنا لازم وضروری ہے،،، سنت کے اسی معنی کے مقابلہ میں بدعت کا لفظ بولا جاتا ہے، یعنی ہر وہ امر جس کا ثبوت دلیل شرعی سینہ ہو وہ بدعت ہے۔

فقہاء کی اصطلاح میں سنت کا مصداق ہر وہ حکم ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت تو ہو لیکن فرض اور واجب کے طور پر نہ ہو، سنت کا لفظ اس معنی کے اعتبار سے پانچ فقہی احکام میں سے فرض و واجب کے مقابلہ میں استعمال ہوتا ہے، بعض اوقات فقہاء بھی سنت کا لفظ بدعت کے مقابلہ میں استعمال کرتے ہیں، چنانچہ فقہاء کے قول، طلاق سنت و طلاق بدعت، میں سنت کا لفظ اسی معنی میں استعمال ہوا ہے۔ ((السنۃ ومکانتھا فی التشریع الاسلامی ص ۴۸))

شرط کی تعریف

علم الاصول الفقہ میں شرط اُس چیز کو کہا جاتا ہے جس کا وجود کسی (کام یا) حکم کے قائم ہونے کے لیے ضروری ہوتا ہے اور جس کا معدوم ہونا (کام کے اور اُس کے) حکم کے معدوم ہونے کو لازم کرتا ہے۔

محمد لیاقت علی رضوی حنفی بن محمد صادق
چک سنتیکا بہاولنگر

نور الایضاح

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على سيدنا محمد خاتم النبيين .وعلى اله الطاهرين وصحابته اجمعين .قال العبد الفقير الى المولى الغنى أبو الإخلاص حسن بن عمار الشرنبلالي الحنفى انه التمس منى بعض الاخلاء عاملنا الله واياهم بلطفه الخفى . ان اعمل مقدمة فى العبادات تقرب على المبتدى ماتشتت من المسائل فى المطولات استعنت بالله تعالى واجبته طالبا للثواب ولا اذكر الاماجزم بصحته اهل الترجيح من غير اطناب وسميته نور الايضاح ونجاة الارواح والله اسأل ان ينفع به عباده ويديم به الافادة .

ترجمہ

اللہ تعالی کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم فرمانے والا ہے۔تمام خوبیاں اللہ تعالی کے لئے جو تمام جہانوں کو پالنے والا ہے اور درود و سلام ہماری سردار حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر جو خاتم الانبیاء ہیں۔اور آپ کی پاکیزہ آل پر اور تمام صحابہ کرام پر سلام ہو۔

اپنے مولا جو غنی ہے اس کی بارگاہ میں فقیر بندہ ابوالاخلاص حسن بن عمار شرنبلالی حنفی نے کہا کہ مجھ سے بعض دوستوں نے کہا اللہ تعالی ان کو اور ہم کو مخفی خزانے عطا فرمائے۔مجھ سے کہا کہ میں عبادات کے بارے میں ایک مقدمہ لکھ دوں تو بڑی بڑی کتابوں میں بکھرے ہوئے مسائل کو ابتدائی طالب علموں کے اذہان کے قریب کر دے۔پس میں نے اللہ تعالی سے مدد طلب کی اور ان کی اس بات کو قبول کر لیا ہے۔اور اس وقت میں اس کتاب میں طویل مسائل سے بچتے ہوئے صرف اہل ترجیح فقہاء کے معتمد علیہ مسائل کو ذکر کروں گا۔ مین نے اس کتاب کا نام ''نور الایضاح ونجاۃ الارواح'' رکھ لیا ہے۔اللہ تعالی کی بارگاہ میں دعا ہے کہ وہ اس کتاب سے اپنے بندوں کو فائدے پہنچائے اور اس کتاب فوائد ہمیشگی عطا فرمائے۔

کتاب الطہارۃ

﴿یہ کتاب طہارت کے بیان میں ہے﴾

طہارت کے لغوی واصطلاحی مفہوم کا بیان

لغت میں، طہارۃ، کے معنی نظافت اور پاکی کے آتے ہیں جونجاست کی ضد ہے،طہور،بضم طاء مصدر ہے اوران چیزوں کوبھی طہورفرماتے ہیں جو پاک کرتی ہیں جیسے پانی اورمٹی طہور،بفتح طاءبھی مصدر کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔اصطلاح شریعت میں، طہارت،کامفہوم ہے نجاست حکمی یعنی حدث سے اور نجاست یعنی خبث سے پاکیزگی حاصل کرنا۔

طہارت کے ثبوت میں دلیل شرعی کا بیان

لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ ۔(توبہ،۱۰۸)

وہ مسجد،جس کی بنیاد پہلے ہی دن سے تقوی پررکھی گئی ہے،حق دار ہے کہ آپ اس میں قیام فرما ہوں۔اس میں ایسے لوگ ہیں جو پاک رہنے کو پسند کرتے ہیں،اوراللہ طہارت شعارلوگوں سے محبت فرماتا ہے۔

طبرانی میں ہے،اس آیت کے نازل ہونے کے بعدآپ نے عویم بن ساعدہ کے پاس آدمی بھیج کر دریافت فرمایا کہ آخر یہ کون سے طہارت ہے جس کی ثناءاللہ رب العزت بیان فرمارہا ہے؟انہوں نے جواب دیا کہ ہم میں سے جو مرد وعورت پاخانے سے نکلتا ہے وہ پانی سے استنجاء کیا کرتا ہے۔اس نے فرمایا بس یہی وہ طہارت ہے۔

مسند احمد میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس مسجد قبا میں تشریف لائے اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے تمہاری مسجد کے بیان میں تمہاری طہارت کی آج تعریف کی ہے تو بتلاؤ کہ تمہاری وہ طہارت کیسے ہے؟انہوں نے کہا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں اورتو کچھ معلوم نہیں ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ ہم نے اپنے پڑوسی یہودیوں کی نسبت جب سے یہ معلوم کیا کہ وہ پاخانے سے نکل کر پانی سے پاکی کرتے ہیں،ہم نے اس وقت سے اپنا یہی وطیرہ بنالیا ہے۔ایک روایت میں ہے کہ آپ نے یہ سوال حضرت عویم بن عدی رضی اللہ عنہ سے کیا تھا۔

حضرت خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے کہ پانی سے طہارت کرنا ہی وہ پاکیزگی تھی جس کی تعریف اللہ عزوجل نے کی۔اورروایت میں ان کے جواب میں ہے کہ ہم توراۃ کے حکم کی روسے پانی سے استنجاء کرنالازمی سمجھتے ہیں۔الغرض جس مسجد کا اس

آیت میں ذکر ہے وہ مسجد قبا ہے۔اس کی تصریح بہت سے سلف صالحین نے کی ہے۔لیکن ایک صحیح حدیث میں یہ بھی ہے کہ تقوے پر بننے والی مسجد مسجد نبوی ہے جو مدینے شریف کے درمیان ہے۔(تفسیر ابن ابی حاتم رازی،سورہ توبہ،بیروت)

طہارت کا نصف ایمان ہونے کا بیان

حضرت ابو مالک اشعری نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں طہارت نصف ایمان ہے اور الحمد للہ میزان یعنی نیکیوں کے پلڑے کو بھر دیتا ہے اور لا الہ الا اللہ اور اللہ اکبر کہنا آسمان اور زمین میں موجود خلا کو بھر دیتے ہیں نماز نور ہے صدقہ برہان ہے وضو روشنی ہے قرآن تمہارے حق میں یا تمہارے خلاف حجت ہے ہر شخص روزانہ اپنے نفس کا سودا کرتا ہے یا تو وہ اپنے آپ کو شیطان سے آزاد کروالیتا ہے یا ہلاکت کا شکار کر دیتا ہے۔(سنن دارمی، جلد اول: رقم الحدیث، 651)

حصول طہارت کے ذرائع والے سات پانیوں کا بیان

المیاه التی یجوز التطهیر بها المیاه التی یجوز التطهیر بها سبعة میاه ماء السماء وماء البحر وماء النهر وماء البئر وماء الثلج وماء البرد وماء العین اقسام المیاه ثم المیاه علی خمسة أقسام الأول طاهر مطهر غیر مکروه وهو الماء المطلق والثانی طاهر مطهر مکروه وهو ما شربت منه الهرة ونحوها وکان قلیلا والثالث طاهر غیر مطهر وهو ما استعمل لرفع حدث أو لقربه کالوضوء علی الوضوء بنیته ویصیر الماء مستعملا بمجرد انفصاله عن الجسد ولا یجوز بماء شجر وثمر ولو خرج بنفسه من غیر عصر فی الأظهر ولا بماء زال طبعه بالطبخ أو بغلبة غیره علیه بم تکون الغلبة والغلبة فی مخالطة الجامدات بإخراج الماء عن رقته وسیلانه،

ترجمہ

وہ پانی جس سے طہارت حاصل کرنا جائز ہے وہ سات ہیں۔(۱) آسمان کا پانی۔اس سے مراد بارش کا پانی ہے۔(۲) سمندر کا پانی (۳) دریا کا پانی (۴) کنوئیں کا پانی (۵) برف سے پگھلا ہوا پانی۔(۶) اولوں سے پگھلا ہوا پانی۔(۷) چشمے کا پانی۔

طہارت ونجاست کے لحاظ سے پانی پانچ اقسام کا بیان

طہارت ونجاست کے لحاظ سے پانی پانچ قسم پر ہے۔

(۱) طاہر،مطہر،غیر مکروہ: ایسا پانی جو پاک ہو پاک کرنے والا بھی ہو اور مکروہ بھی نہ ہو۔اس سے مراد مطلق پانی ہے۔

(۲) طاہر مطہر مکروہ: ایسا پانی جو پاک ہو اور پاک کرنے والا بھی ہو۔مگر اس کا استعمال مکروہ ہو۔مثلا وہ پانی جس میں سے

بلی یا اس جسے کوئی اور جانور پی لے اور وہ پانی قلیل ہو۔

(۳) طاہر غیر مطہر؛ ایسا پانی جو پاک تو ہو مگر پاک کرنے والا نہ ہو

مستعمل پانی؛ ایسا پانی جسے حدث دور کرنے کیلئے یا حصول ثواب کی نیت سے استعمال کیا گیا ہو جسے باوضو ہونے کے باوجود وضو کی نیت سے وضو کرنا۔ یاد رہے کہ پانی جسم سے جدا ہوتے ہی مستعمل ہو جاتا ہے۔

درخت اور پھل کا پانی. درخت اور پھل کا پانی اگرچہ پاک ہوتا ہے مگر اس سے طہارت حاصل کرنا جائز نہیں خواہ اسے کسی نے نچوڑا نہ ہو بلکہ درخت یا پھل سے از خود نکل آیا ہو۔

وہ پانی جس کی اصلیت زائل ہو جائے؛ اس کی دو صورتیں ہیں (۱) پکانے سے (۲) کسی دوسری چیز کے غلبہ سے۔

غلبہ کی صورتیں. پانی میں جب کوئی اور چیز مل جائے تو اس کا غلبہ معلوم کرنے کے لے سب سے پہلے یہ دیکھا جائے گا کہ ملنے والی چیز ٹھوس ہے یا مائع۔

ٹھوس چیز کے غلبے کا مفہوم

اگر پانی میں کوئی ٹھوس چیز مل جائے جسے زعفران، پھل اور درختوں کے پتے وغیرہ تو ان چیزوں کا غلبہ اس وقت شمار ہوگا جب پانی کی رقت اور سیلان ختم ہو جائے۔

بارش کے پانی کے پاک ہونے کا بیان

وَهُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ الرِّيٰحَ بُشْرًا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ ۚ وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاۗءِ مَاۗءً طَهُوْرًا ۔(فرقان،۴۸)

اور وہی ہے جو اپنی رحمت (کی بارش) سے پہلے ہواؤں کو خوشخبری بنا کر بھیجتا ہے، اور ہم ہی آسمان سے پاک (صاف کرنے والا) پانی اتارتے ہیں۔

حضرت ثابت بنانی رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ میں حضرت ابو العالیہ رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ بارش کے زمانہ میں نکلا۔ بصرے کے راستے اس وقت بڑے گندے ہو رہے تھے، آپ نے ایسے راستہ پر نماز ادا کی۔ میں نے آپ کی توجہ دلائی تو آپ نے فرمایا اسے آسمان کے پاک پانی نے پاک کر دیا۔ اللہ فرماتا ہے کہ ہم آسمان سے پاک پانی برساتے ہیں۔ حضرت سعید بن میسب رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ نے اسے پاک اتارا ہے اسے کوئی چیز ناپاک نہیں کرتی۔

امام شافعی اور امام احمد نے اسے وارد کی ہے۔ امام ابوداؤد اور امام ترمذی نے اسے صحیح کہا ہے۔ نسائی میں بھی یہ روایت ہے۔ عبدالملک بن مروان کے دربار میں ایک مرتبہ پانی کا ذکر چھڑا تو خالد بن یزید نے کہا بعض پانی آسمان کے ہوتے ہیں بعض پانی وہ ہوتے ہیں جسے بادل سمندر سے پیتا ہے اور اسے گرج کڑک اور بجلی میٹھا کر دیتی ہے لیکن اس سے زمین میں پیداوار نہیں ہوتی ہاں آسمانی پانی سے پیداوار اگتی ہے۔ عکرمہ رحمۃ اللہ فرماتے ہیں آسمان کے پانی کے ہر قطرہ سے چارہ گھاس وغیرہ پیدا ہوتا ہے یا سمندر

میں لولو اور موتی پیدا ہوتے ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ فرقان ۴۸، بیروت)

سمندر اور دریاؤں کے پانی کے پاک ہونے کا بیان

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سمندر کے پانی کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا: اس کا پانی پاک اور اس کا مردار پاک ہے۔

(موطا امام مالک، ابن خزیمہ، ابن حبان، حاکم، مسند احمد، ابن ماجہ، بتصرف اسنادھا)

کنوئیں کے پانی کے پاک ہونے کا بیان

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے دریافت کیا کہ کیا ہم بئر بضاعہ کے پانی سے وضو کر سکتے ہیں؟ حلانکہ وہ ایسا کنواں ہے جس میں حیض آلود کپڑے، کتوں کا گوشت اور دوسری بدبودار چیزیں ڈال دی جاتی ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پانی پاک ہے اور اس کو کوئی چیز ناپاک نہیں کرتی ابوداؤد رحمہ اللہ تعالی علیہ کہ بعض رواۃ نے (بجائے عبداللہ بن رافع کے) عبدالرحمٰن بن رافع روایت کیا ہے۔ (سنن ابوداؤد جلد اول: رقم الحدیث، 65)

برف اور اولے کے پانی کے پاک ہونے کا بیان

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرماتے اے اللہ دھو دے مجھ کو میرے گناہوں سے برف اور پانی اور اولے سے۔ (سنن نسائی: جلد اول رقم الحدیث، 337)

مستعمل پانی کے استعمال کی ممانعت کا بیان

حضرت حکم بن عمرو غفاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مرد کو عورت کے وضو سے بچے ہوئے پانی سے وضو کرنے سے منع فرمایا یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کے جھوٹے سے۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں یہ حدیث حسن ہے۔ ابوحاجب کا نام سوادہ بن عاصم ہے محمد بن بشار اسی حدیث میں کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت کے بچے ہوئے پانی سے وضو کرنے سے منع فرمایا اور اس میں محمد بن بشار شک نہیں کرتے۔ (جامع ترمذی، جلد اول، رقم الحدیث، 62)

حضرت ابی حاجب، قبیلہ بنی غفار کے ایک شخص سے روایت ہے کہ منع کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت کی طہارت سے بچے ہوئے پانی کے استعمال سے اس باب میں عبداللہ بن سرجس سے بھی روایت ہے۔

ابوعیسیٰ فرماتے ہیں عورت کے بچے ہوئے پانی کے استعمال کو بعض فقہاء نے مکروہ کہا ہے ان میں احمد اور اسحاق بھی شامل ہیں ان دونوں کے نزدیک جو پانی عورت کی طہارت سے بچا ہو اس سے وضو مکروہ ہے اس کے جھوٹے میں کوئی حرج نہیں۔ (جامع ترمذی، جلد اول، رقم الحدیث، 61)

مستعمل پانی کی تعریف

امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ مستعمل وہ قلیل پانی ہے جس نے یا تو تطہیر نجاست حکمیہ سے کسی واجب کو ساقط کیا یعنی انسان کے کسی ایسے پارۂ جسم کو مس کیا جس کی تطہیر وضو یا غسل سے بالفعل لازم تھی یا ظاہر بدن پر اُس کا استعمال خود کار ثواب تھا اور استعمال کرنے والے نے اپنے بدن پر اُسی امر ثواب کی نیت سے استعمال کیا اور یوں اسقاط واجب تطہیر یا اقامت قربت کر کے عضو سے جُدا ہوا اگرچہ ہنوز کسی جگہ مستقر نہ ہوا بلکہ ہوا میں ہے اور بعض نے زوال حرکت وحصول استقرار کی بھی شرط لگائی۔ یہ بعونہٖ تعالیٰ دونوں مذہب پر حد جامع مانع ہے کہ ان سطروں کے سوا کہیں نہ ملے گی۔ (فتاویٰ رضویہ، کتاب طہارت)

مستعمل پانی کی تین صورتوں کا بیان

علامہ ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ پانی کے مستعمل ہونے کی تین صورتیں ہیں رفعِ حدث، تقرب اور فرض کا عضو سے ساقط ہونا، فرمایا کہ اسی پر یہ فروع متفرع ہوں گی کہ ہاتھ یا پیر تھوڑے پانی میں بلاضرورت ڈالا، اور سقوط فرض اور ارتفاع حَدَث میں کوئی تلازم نہیں ہے اب ہاتھ سے سقوط فرض مثلاً چاہتا ہے کہ ہاتھ کے دھونے کا بقیہ اعضاً کے ساتھ اعادہ نہ ہو، اور حَدَث کا مرتفع ہونا باقی اعضاً کے دھونے پر موقوف ہوا اور پانی کے استعمال میں سقوط فرض ہی اصل ہے جیسا کہ معلوم ہے کہ اس کی اصل مال زکوٰۃ ہے اور اس میں یہی ثابت ہے کہ سقوطِ فرض ہو، کیونکہ اس میں شرعا میل کچیل ہے جیسا کہ ہم نے ذکر کیا۔

(فتح القدیر ماء مستعمل نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۷۹)

پانی کے اوصاف سے متعلق فقہی قواعد کا بیان

ولا يضر تغير أوصافه كلها بجامد كزعفران وفاكهة وورق شجر والغلبة في المائعات بظهور وصف واحد من مائع له وصفان فقط كاللبن له اللون والطعم ولا رائحة له وبظهور وصفين من مائع له ثلاثة كالخل والغلبة في المائع الذي لا وصف له كالماء المستعمل وماء الورد المنقطع الرائحة تكون بالوزن فإن اختلط رطلان من الماء المستعمل برطل من المطلق لا يجوز به الوضوء وبعكسه جاز والرابع ماء نجس وهو الذي حلت فيه نجاسة وكان راكدا قليلا والقليل ما دون عشر في عشر فينجس وإن لم يظهر أثرها فيه أو جاريا وظهر فيه أثرها والأثر طعم أو لون أو ريح والخامس ماء مشكوك في طهوريته وهو ما شرب منه حمار أو بغل،

ترجمہ

ٹھوس چیز کے ملنے سے خواہ پانی کے تمام اوصاف تبدیل ہو جائیں پھر بھی کچھ فرق نہیں پڑتا۔ اگر مائع چیز کے دو وصف ہوں تو

اس کا ایک وصف پانی میں ظاہر ہونے سے پانی مغلوب سمجھا جائے گا۔ جیسے دودھ اس کا رنگ اور مزہ ہوتا ہے اور اس کی بو نہیں ہوتی۔ اور جس بہنے والی چیز کے تین وصف ہوں، اس کے دو وصف اگر پانی میں ظاہر جائیں گے تو غلبہ مانا جائے گا۔ جیسے سرکہ۔

اور جس بہنے والی چیز کا کوئی وصف نہ ہو جیسے استعمال کردہ پانی یا عرق گلاب جس کی خوشبو منقطع ہوگی ہو اس میں غلبہ کا اعتبار وزن پر ہوگا۔ پس اگر مستعمل پانی کے دو رطل مطلق پانی کے ایک رطل میں مل گئے تو وضو جائز نہیں اور اسکے عکس کی صورت میں وضو جائز ہے۔

چوتھے ناک پاک پانی وہ پانی ہے کہ اس میں نجاست حلول کرگی ہو۔ اور یہ پانی ٹھہرا ہو۔ اور قلیل ہو اور قلیل وہ ہے جو دہ دردہ سے کم ہو۔ پس قلیل پانی ناپاک ہو جائے گا۔ اگرچہ ناپاکی کا اثر اس میں ظاہر نہ ہوا ہو۔ یا پانی جاری ہو اور اس میں ناپاکی کا اثر ظاہر ہو گیا ہو۔ اور اثر سے مراد مزہ، رنگ، بو، ہے۔ ان میں سے کوئی ایک پانی میں آنے لگے۔ پانچوں وہ پانی جس کی پاکی میں شک کیا گیا ہے۔ اور وہ ہے جس میں سے گدھے یا خچر نے پی لیا ہو۔

پانی میں تغیر اوصاف کے معتبر ہونے کا بیان

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پانی پاک ہے مگر جب اس پر ریح یا ذائقہ غالب آئے۔ (سنن دار قطنی، ج ا، ص ۲۸، دار المعرفہ بیروت)

عن ابو امامه باهلی عن رسول الله صلی الله علیه وسلم ان الماء طهور لاینجسه الا ماغلب علی ریحه وطعمه ولونه۔

امام ابن ماجہ نے ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: بیشک پانی پاک ہے اسے کوئی چیز نجس نہیں بناتی مگر وہ چیز جو پانی کی بو اور ذائقہ اور رنگ پر غالب ہو جائے۔

(سنن ابن ماجہ باب الماء الذی لاینجسا ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۴۰)

پانی کے قلیل وکثیر کے اعتبار کا بیان

اس کے بعد چاروں اماموں کے ہاں، زیادہ، اور، کم، کی مقدار میں اختلاف ہے چنانچہ حضرت امام مالک رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نجاست پڑنے سے جس پانی کا رنگ، مزہ اور بو متغیر نہ ہو وہ ماء کثیر (زیادہ پانی) کہلائے گا اور جو پانی متغیر ہو جائے وہ ماء قلیل (کم پانی) کے حکم میں ہوگا۔ حضرت امام شافعی رحمہ اللہ علیہ اور حضرت امام احمد رحمہ اللہ علیہ کا مسلک اس حدیث کے پیش نظر یہ ہے جو پانی دو قلوں کے برابر ہوگا اسے ماء کثیر کہیں گے اور جو پانی دو قلوں کے برابر نہ ہوگا وہ، ماء قلیل، کہلائے گا۔

حضرت امام اعظم رحمہ اللہ علیہ اور ان کے ماننے والے یہ فرماتے ہیں کہ، اگر پانی اتنی مقدار میں ہو کہ اس کے ایک کنارے کو ہلانے سے دوسرا کنارہ نہ ہلے تو وہ، ماء کثیر ہے اور اگر دوسرا کنارہ ہلنے لگے تو وہ، ماء قلیل، ہے۔

بعد کے بعض حنفی علماء نے، دہ دردہ، کو ماء کثیر کہا ہے یعنی اتنا بڑا حوض جو دس ہاتھ لمبا اور دس ہاتھ چوڑا ہو اور اتنا گہرا ہو کہ اگر چلو

سے پانی اٹھائیں تو زمین نہ کھلے ایسے حوض کو دہ دردہ کہتے ہیں۔ چنانچہ ایسے حوض کے پانی میں جو، دہ دردہ، ہو ایسی نجاست پڑ جائے جو پڑ جانے کے بعد دکھلائی نہ دیتی ہو جیسے پیشاب، خون، شراب وغیرہ تو چاروں طرف وضو کرنا درست ہے جدھر سے چاہے وضو کر سکتا ہے، البتہ اگر اتنے بڑے حوض میں اتنی جناست پڑ جائے کہ پانی کا رنگ یا مزہ بدل جائے یا بدبو آنے لگے تو پانی ناپاک ہو جائے گا اور اگر حوض کی شکل یہ ہو کہ لمبا تو وہ بیس ہاتھ اور چوڑا پانچ ہاتھ ہو یا ایسے ہی لمبا پچیس ہاتھ ہو اور چوڑا چار ہاتھ ہو تو یہ دہ دردہ کی مثل ہی کہلائے گا۔

گدھے کے جوٹھے پر معرکۃ الآراء اختلافی دلائل کا بیان

گدھے کے جوٹھے پر اختلاف کی وجہ یہی ہے کہ اس میں دلائل قوت استدلال کے اعتبار سے کئی رخ اختیار کئے ہوئے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اختلاف کی کئی وجوہ میں ایک وجہ سے اختلاف دلائل بھی ہے۔

استدلال نقل کی وجہ سے اختلاف:

۱- حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے گدھوں کے بچے ہوئے پانی کے بارے میں سوال کیا گیا کہ کیا اس سے وضو کیا جا سکتا ہے تو آپ نے فرمایا: ہاں۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ گدھے کا جوٹھا پاک ہو۔

۲- حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پالتو گدھوں کے گوشت سے منع کیا ہے اور فرمایا کہ وہ نجس ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ گدھے کا جوٹھا ناپاک ہونا چاہیے کیونکہ جوٹھا ہونے کا حکم گوشت کے تابع ہوتا ہے اور جب اس کا گوشت ناپاک ہے تو اس کا جوٹھا بھی ناپاک ہونا چاہیے۔

استدلال آثار کی وجہ سے اختلاف:

۳- اسی طرح آثار بھی مختلف ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ گدھے کا جوٹھا ناپاک ہے۔

۴- حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ گدھا اگر چارہ کھاتا ہو اور بھوسہ کھاتا ہو تو اس کا جوٹھا پاک ہے اور اس سے وضو کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

استدلال قیاس کی وجہ سے اختلاف:

۵- اگر گدھے کے پسینے کا اعتبار کیا جائے تو قیاس کا تقاضہ یہ ہے کہ گدھے کا جوٹھا پاک ہونا چاہیے جیسا کہ ظاہر الروایہ سے معلوم ہوتا ہے۔

۶- اگر گدھی کے دودھ کا اعتبار کیا جائے تو اصح روایت کے مطابق گدھی کا دودھ ناپاک ہے لہٰذا گدھے کا جوٹھا ناپاک ہونا چاہیے۔

استدلال علت کی وجہ سے اختلاف:

۷- اگر گدھے کے جوٹھے کو کتے کے جوٹھے پر قیاس کیا جائے تو قیاس کا تقاضہ یہ ہے کہ علت حرمت کی وجہ سے یہ بھی کتے کی

طرح حرام اور اس کا گوشت کھانا حرام ہے لہٰذا اس کا جوٹھا حرام ہے۔

۸- اگر گدھے کے جوٹھے کو بلی کے جوٹھے پر قیاس کیا جائے تو چونکہ بلی کا جوٹھا پاک ہے لہٰذا سور حمار بھی پاک ہونا چاہیے۔

لیکن ان دونوں یعنی کتے پر قیاس اور بلی کے جوٹھے پر قیاس یہ دونوں درست نہیں ہوں گے۔ کیونکہ قیاس کا یہ اثبات علت مشترکہ کے بغیر ہوگا حالانکہ علت کے بغیر تو کوئی قیاسی حکم ثابت بھی نہیں ہوسکتا۔

تصرف الی الاشتباہ:

اسی وجہ سے فقہاء کرام نے دلائل کے تعارض کی وجہ سے گدھے کو جوٹھے کو مشکوک کہا ہے کہ اگر پانی نہ ملے تو ان کے جوٹھے پانی سے وضو کرنے کے بعد تیمم کرلیا جائے گا۔ (نور الایضاح)

پانی کے ایک وصف تبدیل ہونے کا بیان

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا جبکہ لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پینے کے لئے پانی بیئر بضاعہ سے لایا جاتا ہے حالانکہ وہ کنواں ایسا ہے جس میں کتوں کا گوشت، حیض آلود کپڑے اور لوگوں کا فضلہ ڈالا جاتا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیشک پانی پاک ہے اس کو کوئی چیز ناپاک نہیں کرتی۔ ابوداؤد رحمہ اللہ تعالی علیہ کہ میں نے قتیبہ بن سعد سے سنا ہے وہ کہتے ہیں کہ میں بئر بضاعہ کے متولی سے پوچھا کہ اس کنویں میں گہرائی کتنی ہے؟ اس نے جواب دیا کہ جب اس میں پانی زیادہ ہوتا ہے تو زیر ناف تک ہوتا ہے میں پوچھا کہ جب کم ہوتا ہے تو کہاں تک ہوتا ہے؟ تو اس نے جواب دیا کہ ستر سے کچھ کم۔ (گھٹنوں تک یا اس سے کم) ابوداؤد رحمہ اللہ تعالی علیہ کہ میں نے بیئر بضاعہ پر اپنی چادر پھیلا کر ناپا تو اس کا عرض چھ ہاتھ نکلا اور میں نے باغ والے سے پوچھا کہ کیا اس کنویں کا حال پہلے کی نسبت اب کچھ بدل گیا ہے؟ اس نے کہا نہیں! اور میں دیکھا کہ اس کے پانی کا رنگ بدلا ہوا تھا۔

(سنن ابوداؤد، جلد اول، رقم الحدیث، 66)

فصل فی بیان احکام السؤر

﴿یہ فصل جوٹھے پانی کے احکام کے بیان میں ہے﴾

قلیل پانی سے کسی جانور کے پینے کا بیان

والماء القليل إذا شرب منه حيوان يكون على أربعة أقسام ويسمى سؤرا الأول طاهر مطهر وهو ما شرب منه آدمي أو فرس أو ما يؤكل لحمه والثاني نجس لا يجوز استعماله وهو ما شرب منه الكلب أو الخنزير أو شيء من سباع البهائم كالفهد والذئب والثالث مكروه استعماله مع وجود غيره وهو سؤر الهرة والدجاجة المخلاة وسباع الطير كالصقر والشاهين والحدأة وكالفأرة لا العقرب والرابع مشكوك في طهوريته وهو سؤر البغل والحمار فإن لم يجد غيره توضأ به وتيمم ثم صلى فصل في التحري في الأواني والثياب لو اختلط أوان أكثرها طاهر تحرى للتوضؤ والشرب وإن كان أكثرها نجسا لا يتحرى إلا للشرب وفي الثياب المختلطة يتحرى سواء كان اكثرها طاهرا أو نجسا ۔

ترجمہ

قلیل پانی جب کوئی جاندار اس میں سے پی لے تو چار قسموں پر ہوگا۔ اور ایسے پانی کو سور کہتے ہیں۔

(۱) طاہر، مطہر (خود بھی پاک دوسری چیز کو بھی پاک کرنے والا) وہ پانی ہے جس میں سے آدمی نے یا گھوڑے نے یا اس جانور نے پیا ہو جس کا گوشت کھایا جاتا ہو۔

(۲) ناپاک کہ اس کا استعمال جائز نہیں۔ وہ پانی ہے جس میں سے کتے یا خنزیر یا درندوں میں سے کسی نے پی لیا ہو جیسے چیتا، بھیڑیا۔

(۳) وہ پانی جس کا استعمال کرنا دوسرے پانی کے ہوتے ہوئے مکروہ ہے۔ اور وہ پانی ہے جو بلی یا کھلی پھرنے والی مرغی یا شکاری پرندوں جیسے باز، شاہین یا چیل یا گھروں کے رہنے والے جانوروں جیسے چوہے، کا جھوٹا ہو۔ نہ بچھو کا جھوٹا یعنی وہ پاک ہے۔

(۴) وہ پانی جس کے مطہر ہونے میں شک ہے۔ اور وہ خچر اور گدھے کا جھوٹا ہے۔ پس اگر اس کے سوا نہ پائی تو اسی سے وضو کرلے اور تیمم کرلے پھر نماز پڑھ لے۔

اگر کچھ برتن رل مل جائیں کہ ان میں زیادہ برتن پاک تھے تو وضو اور پینے کے لیے غور کرے اور اگر ان میں زیادہ برتن ناپاک تھے تو صرف پینے کے لیے تحری کرے۔ اور ملے جلے کپڑوں میں تحری کرے۔ خواہ ان میں سے زیادہ پاک ہوں یا ناپاک ہوں۔

انسانوں کے جوٹھے پانی سے وضو کرنے کا بیان

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ مرد اور عورت تمام کے تمام مل کر دور نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) میں (ایک دوسرے کے بچے ہوئے پانی سے) وضو کیا کرتے تھے۔ (سنن نسائی، جلد اول، رقم الحدیث، 345)

جوٹھے پانی سے متعلق فقہی اصول کا بیان

ہر چیز کے جوٹھے کا حکم اس کے گوشت کے حکم کے مطابق کیا جائے گا۔ یعنی جن جانوروں کا گوشت حلال ہے ان کا لعاب بھی پاک ہے اور جن کا گوشت حرام ہے ان کا لعاب بھی ناپاک ہے۔

اس قاعدے کا ثبوت یہ حدیث مبارکہ ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب کتا تم میں سے کسی ایک کے برتن سے (پانی) پی لے تو وہ اس کو سات مرتبہ دھو لے۔ (الجامع البخاری ج ا ص ۲۹، قدیمی کتب خانہ کراچی)

اس حدیث سے معلوم ہوا کتا نجس ہے اور اس کا لعاب بھی نجس ہے کیونکہ طہارت کا حکم تب ہوتا ہے جب حدث یا نجس کا وجود پایا جائے۔ اور اسی طرح یہ بھی معلوم ہوا کہ کتے کا گوشت نجس ہے اور اس کے گوشت سے بننے والا لعاب بھی نجس ہے تو کتے کا جوٹھا کتے کے گوشت کے تابع ہوا جب متبوع حرام ہے تو تابع بھی حرام ہے۔ اور یہی حال تمام جانوروں کا ہے جو حرام ہیں۔

۱-شرابی کا جوٹھا:

آدمی کا جوٹھا پاک ہے لیکن شرابی نے جب شراب پی اور اس کے فورا بعد بغیر کسی وقفہ کے کسی اور چیز کو پی لیا تو شراب پینے کی وجہ سے شرابی کا جوٹھا حرام ہو جائے گا کہ اثر شراب بھی حرام ہے۔ نیز یہ پاک جوٹھے والے کا عارضی وصف ہے۔ جس کے زائل ہوتے ہی حکم بھی مرتفع ہو جائے گا۔

انتباہ:

جوٹھے کے ناپاک ہونے کی دو جہتیں ہیں۔ ایک جہت تو یہ ہے کہ جوٹھا کرنے والے کا گوشت حرام ہو اور دوسری جہت یہ ہے کہ اس نے کسی حرام چیز کو پی لیا ہو اور پھر فورا کسی پاک چیز کو جوٹھا کر دیا ہو۔

نوٹ۔

انسان اور جن جانوروں کا گوشت کھایا جاتا ہے ان کا جوٹھا پاک ہے لیکن شرابی یا کسی زہریلی دوا یا بیماری کا اثر چھوڑنے والے کے جوٹھے سے بچنا چاہیے۔

۲- بلی کا جوٹھا:

بلی کا جوٹھا پاک ہے لیکن مکروہ ہے جبکہ امام ابو یوسف علیہ الرحمہ کے نزدیک غیر مکروہ ہے۔ (ہدایہ اولین ص ۲۸، دہلی)

پاک ہونے کی دلیل یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک برتن سے وضو کیا۔ جس کو پہلے بلی پہنچ چکی تھی۔

حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ (بلی) نجس نہیں ہے یہ تو طوافین اور طوافات میں سے ہے۔ (سنن ابن ماجہ ج ۱ ص ۳۰، مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)

بلی کے ناپاک ہونے کی دلیل یہ حدیث ہے۔ کہ "الھرۃ سبع" بلی درندہ ہے ایک دلیل کا تقاضہ یہ ہے کہ بلی کا جوٹھا پاک ہو جبکہ دوسری دلیل کا تقاضہ یہ ہے کہ بلی کا گوشت ناپاک ہے لہٰذا اس کا جوٹھا بھی ناپاک ہونا چاہیے۔ پس فقہاء نے اس کے لئے کراہت کا حکم ثابت کر دیا۔ (ہدایہ مع البنایہ ج ۱ ص ۲۸، المجتبائے دہلی)

ہر چیز کے جوٹھے کا حکم، قاعدہ فقہیہ

ہر چیز کے جوٹھے کا حکم اس کے گوشت کے حکم کے مطابق دیا جائے گا۔ یعنی جن جانوروں کا گوشت حلال ہے ان کا لعاب بھی پاک ہے اور جن کا گوشت حرام ہے ان کا لعاب بھی ناپاک ہے۔

اس قاعدے کا ثبوت یہ حدیث مبارکہ ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب کتا تم میں سے کسی ایک کے برتن سے (پانی) پی لے تو وہ اس کو سات مرتبہ دھولے۔ (الجامع البخاری ج ۱ ص ۲۹، قدیمی کتب خانہ کراچی، دارقطنی، ابن عدی، بیہقی بتصرف اسنادھا)

اس حدیث سے معلوم ہوا کتا نجس ہے اور اس کا لعاب بھی نجس ہے کیونکہ طہارت کا حکم تب ہوتا ہے جب حدث یا نجس کا وجود پایا جائے۔ اور اسی طرح یہ بھی معلوم ہوا کہ کتے کا گوشت نجس ہے اور اس کے گوشت سے بننے والا لعاب بھی نجس ہے۔

تو کتے کا جوٹھا کتے کے گوشت کے تابع ہوا جب متبوع حرام ہے تو تابع بھی حرام ہے۔ اور یہی حال تمام جانوروں کا ہے جو حرام ہیں۔ (قواعد فقہیہ، ص ۱۸۴، شبیر برادرز لاہور)

بلی کے جوٹھے میں امام ابو یوسف اور طرفین کا اختلاف و دلائل

بلی کا جوٹھا پاک ہے لیکن مکروہ ہے جبکہ امام ابو یوسف علیہ الرحمہ کے نزدیک غیر مکروہ ہے۔

امام ابو یوسف کی دلیل یہ ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک برتن سے وضو کیا جس کو پہلے بلی پہنچ چکی تھی۔ اور جب یہ حدیث موجود ہے تو کیسے پانی پر حکم کراہت ثابت کیا جائے۔

جبکہ طرفین کا مؤقف یہ ہے بلی کا جوٹھا مکروہ ہے۔ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے "الھرۃ سبع وَقَالَ التِّرمِذِیُّ , حَدِیثٌ حَسَنٌ صَحِیحٌ" اس حدیث میں فقہ کو بیان کیا گیا ہے نہ کہ بلی کی صورت یا خلقت کو بیان کیا گیا ہے۔ کیونکہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت شریعت بیان کرنا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم شارع ہیں۔

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ (بلی) نجس نہیں ہے یہ تو طوافین اور طوافات میں سے ہے۔ (سنن ابن ماجہ ج ۱ص ۳۰، مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی، دارقطنی، ابوداؤد، طبرانی)

علت طواف کی وجہ سے حکم حرمت ساقط ہو گیا اور حکم کراہت باقی رہ گیا۔ اور اسی طرح علت ''سبع'' کی وجہ سے حکم حلت ساقط ہو گیا اور حکم کراہت باقی رہ گیا لہٰذا بلی کا جوٹھا مکروہ ہے۔ (عنایہ شرح الهدایہ، ج ۱، ۱۶۵ ص، بیروت)

بلی کے ناپاک ہونے کی دلیل یہ حدیث ہے۔ کہ ''**الهرة سبع**'' بلی درندہ ہے ایک دلیل کا تقاضہ یہ ہے کہ بلی کا جوٹھا پاک ہو جبکہ دوسری دلیل کا تقاضہ یہ ہے کہ بلی کا گوشت ناپاک ہے لہٰذا اس کا جوٹھا بھی ناپاک ہونا چاہیے۔ پس فقہاء نے اس کے لئے کراہت کا حکم ثابت کر دیا۔ (هدایہ مع البنایہ ج ۱ ص ۲۸، المجتبائے دهلی)

گدھے کے جھوٹے پانی کے حکم کا بیان

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ کیا ہم اس پانی سے وضو کر سکتے ہیں جس کو گدھوں نے استعمال کیا ہو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہاں (اس پانی سے وضو کرنا جائز ہے) اور اس پانی سے بھی (وضو کرنا جائز ہے) جس کو درندوں نے استعمال کیا ہو۔ (شرح السنۃ، مشکوۃ، جلد اول، رقم الحدیث، 454)

اس مسئلے میں کہ گدھوں یا خچروں کا استعمال کردہ پانی پاک ہے یا نہیں؟ کوئی یقینی بات نہیں کہی جا سکتی کیونکہ اس مسئلے میں جو احادیث منقول ہیں ان میں تعارض ہے چنانچہ بعض احادیث سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کا استعمال کردہ حرام ہے اور بعض احادیث سے ان کی اباحت کا پتہ چلتا ہے، جیسا کہ مرقات میں دونوں قسم کی احادیث جمع کی گئی ہیں لہٰذا ان کے ظاہری تعارض کو دیکھتے ہوئے اس کے بارے میں کوئی حتمی فیصلہ نہیں کیا جا سکتا اور پھر احادیث کے علاوہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں بھی اس مسئلے کے بارے میں اختلاف منقول ہے چنانچہ حضرت ابن عمر فاروق رضی اللہ عنہ گدھوں اور خچروں کے مستعمل کو ناپاک کہتے تھے مگر حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ اس کے پاک ہونے کے قائل تھے۔

اس حدیث سے بظاہر تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ درندوں کا مستعمل پاک ہے جیسا کہ حضرت امام شافعی رحمہ اللہ علیہ کا یہی مسلک ہے مگر حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ علیہ کے نزدیک درندوں کا استعمال کیا ہوا ناپاک ہے اور اس کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ جب کوئی درندہ پانی وغیرہ کو استعمال کرے گا تو اس میں اس کا لعاب یقیناً پڑے گا اور لعاب گوشت سے پیدا ہوتا ہے اور ظاہر کہ درندوں کا گوشت ناپاک ہوتا ہے اس لیے اس کے استعمال کیے ہوئے کو بھی ناپاک کہا جائے گا۔

اب جہاں تک ان حدیثوں کا تعلق ہے جن سے درندوں کے مستعمل کا پاک ہونا معلوم ہوتا ہے، اس کے بارے میں علماء کرام فرماتے ہیں کہ ان احادیث کے بارے میں کوئی یقینی بات نہیں کہی جا سکتی کیونکہ ان احادیث کے بارے میں کوئی یقینی بات نہیں کہی جا سکتی کیونکہ ان احادیث کی صحت ہی میں کلام کیا جاتا ہے کہ آیا یہ احادیث صحیح بھی ہیں یا نہیں؟ اگر ان احادیث کو

صحیح مان بھی لیا جائے تو یہ کہا جائے گا کہ ان احادیث سے درندوں کے مستعمل پانی کے پاک ہونے کا ثبوت ملتا ہے اس سے وہ پانی مراد ہے جو جنگل میں بڑے بڑے تالابوں میں جمع ہوتا ہے، چنانچہ اس کی تصریح آگے آنے والی احادیث سے بھی جو حضرت یحییٰ اور حضرت ابوسعید رحمہما اللہ عنہما سے مروی ہیں، ہوتی ہے جن میں وضاحت کے ساتھ ثابت ہو رہا ہے کہ اگر درندے نے ایسے پانی کو استعمال کیا جو بہت زیادہ مثلاً کسی بڑے تالاب وغیرہ میں پانی ہے تو پاک ہوگا اگر پانی تھوڑا ہوگا تو وہ درندوں کے استعمال کر دینے سے ناپاک ہو جائے گا۔

پھر اس بات کو ذہن نشین کر لیجئے کہ اگر یہ مان لیا جائے کہ ان احادیث میں درندے اور پانی علی العموم مراد ہیں کہ پانی خواہ تھوڑا ہو یا زیادہ وہ درندوں کے استعمال کرنے سے ناپاک نہیں ہوتا تو کیا اس شکل میں یہ لازم نہیں آتا کہ کتوں کے جوٹھے کو بھی پاک کہا جائے حالانکہ کوئی بھی کتے کہ جوٹھے کو پاک نہیں کہتا، لہٰذا اس سے معلوم ہوا کہ جن احادیث سے درندوں کے جوٹھے پانی کا پاک ہونا معلوم ہوتا ہے اس سے وہی پانی مراد ہے جو جنگل میں بڑے بڑے تالابوں میں جمع رہتا ہے اور جو بہت زیادہ ہوتا ہے۔

اس موقع پر برسبیل تذکرہ ایک مسئلہ بھی سن لیجئے۔ یہ تو آپ سب ہی جانتے ہیں کہ کتے کا لعاب وغیرہ بھی ناپاک ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر کتوں کا لعاب وغیرہ کپڑے یا بدن کے کسی حصے پر لگ جائے تو اس کو دھو کر پاک کرنا ضروری ہوتا ہے مگر اس سلسلے میں اتنی بات یاد رکھئے کہ اگر کسی کتے نے کسی آدمی کے بدن کے کسی حصے کو منہ سے پکڑ لیا یا کسی کپڑے کو منہ میں دبا لیا تو اس کا مسئلہ یہ ہے کہ کتے نے اگر غصے کی حالت میں پکڑا یا دبا ہے تو وہ ناپاک نہیں ہوگا۔ اور اگر غصے کی حالت میں نہیں بلکہ بطور کھیل کود کے اس نے پکڑا اور دبایا ہے تو وہ ناپاک ہو جائے گا اس لیے بدن کے اس حصے کو اور کپڑے کو دھو کر پاک کرنا ضروری ہوگا۔ اس فرق کی وجہ علماء یہ لکھتے ہیں کہ جب کتا کسی چیز کو غصے کی حالت میں پکڑتا ہے تو اسے دانتوں سے پکڑتا ہے اور اس کے دانت میں کوئی رطوبت نہیں ہوتی اس لیے اس چیز پر ناپاکی کا کوئی اثر نہیں ہوتا اور جب کسی چیز کو کھیل کے طریقہ پر پکڑتا ہے تو اسے دانتوں سے نہیں پکڑتا بلکہ ہونٹوں سے پکڑتا ہے اور ہونٹ چونکہ لعاب وغیرہ سے تر ہوتے ہیں اس لیے اس کی ناپاکی اس چیز کو بھی ناپاک کر دیتی ہے۔

کتے کے جوٹھے کے نجس ہونے کا بیان

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تمہارے برتن میں کتا منہ ڈال کر زبان سے پیئے تو اس برتن کی پاکی اس طرح ہوگی کہ اس کو سات مرتبہ دھو دیا جائے اور پہلی مرتبہ مٹی سے مانجھا جائے۔ ابوداؤد رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ کہ ایوب اور حبیب بن شہید نے بھی محمد بن سیرین سے اسی طرح روایت کیا ہے۔

(سنن ابوداؤد، جلد اول، رقم الحدیث: 70)

فصل فی احکام الآبار وتطهیرها

﴿یہ فصل کنوئیں اوران کی طہارت کے احکام کے بیان میں ہے﴾

کنوئیں کو پاک کرنے کا بیان

البئر الصغيرة تنزح البئر الصغيرة بوقوع نجاسة وإن قلت من غير الأرواث كقطرة دم أو خمر وبوقوع خنزير ولو خرج حيا ولم يصب فمه الماء وبموت كلب أو شاة أو آدمي فيها وبانتفاخ حيوان ولو صغيرا البئر الكثيرة المياه ومائتا دلو لو لم يمكن نزحها وإن ماتت فيها دجاجة أو هرة أو نحوهما لزم نزح أربعين دلوا وإن ماتت فيها فأرة أو نحوها لزم نزح عشرين دلوا وكان ذلك طهارة للبئر والدلو والرشاء ويد المستسقي مالا ينجس البئر ولا تنجس البئر بالبعر والروث والخثى إلا إن يستكهره الناظر أو أن لا يخلو دلو عن بعرة مالا يفسد الماء ولا يفسد الماء بخرء حمام وعصفور ولا بموت مالا داملة فيه كسمك وضفدع وحيوان الماء وبق وذباب وزنبور وعقرب ولا بوقوع آدمي وما يؤكل لحمه إذا خرج حيا ولم يكن علي بدنه نجاسة ولا بوقوع بغل وحمار وسباع طير ووحش في الصحيح وإن وصل لعاب الواقع الى الماء أخذ حكمه وجود حيوان في البئر ووجود حيوان ميت فيها ينجسها من يوم وليلة ومنتفخ من ثلاثة أيام و لياليها إن لم يعلم وقت وقوعه،

ترجمہ

چھوٹے کنویں کا تمام پانی نکالا جائے گا۔مینگنیوں کے علاوہ کسی ناپاکی کے گر جانے سے اگر چہ وہ ناپاکی تھوڑی ہی سی ہو، جیسے خون یا شراب کا قطرہ خنزیر کے گر جانے سے اگر چہ وہ زندہ نکل آئے اور اگر چہ اس کا منہ پانی تک نہ پہنچا ہو۔یا کنویں میں کتے یا بکری یا آدمی کے مرجانے سے اور جانور کے پھول جانے سے۔اگر چہ وہ چھوٹا ہی ہو۔

اور دوسوڈول نکالے جاہیں گے اگر اس کنویں کا نزح ممکن نہ ہو۔اور اگر اس میں مرغی یا ان جیسا جانور مر جائے تو چالیس ڈول

کا نکالنا لازم ہوگا۔اور اگر اس میں چوہایا اس جیسا جانور مرجائے تو بیس ڈول کا نکالنا لازم ہوگا۔کنویں، ڈول، رسی اور پانی نکالنے والے کے ہاتھ کی پاکی ہو جائے گی۔اور کنواں ناپاک نہیں ہوتا مینگنی اور لید اور گوبر کے گر جانے سے۔مگر یہ کہ دیکھنے والا ان کو زیادہ سمجھے یا نہ خالی رہے کوئی ڈول مینگنی سے۔اور پانی خراب نہیں ہوتا کبوتر اور چڑیا کی بیٹ سے اور نہ ایسے جاندار کے مرجانے سے کہ اس میں دم مسفوح نہ ہو جیسے مچھلی، مینڈک، پانی کے جانور۔پسو، مکھی، بھڑ اور بچھو۔

آدمی اور جانوروں کے گر جانے سے بھی ناپاک نہیں ہوتا جس کا گوشت کھایا جاتا ہو۔بشرطیکہ زندہ نکل آئیں اور ان کے بدن پر ناپاکی نہ لگی ہو۔اور صحیح قول کے بموجب خچر، گدھے، شکاری پرندوں اور وحشی جانوروں کے گر جانے سے بھی پانی ناپاک نہیں ہوتا۔اور اگر گرنے والے جانور کا لعاب پانی تک پہنچ گیا تو وہ پانی اس کا لعاب کا حکم اختیار کرلے گا۔

اور مردہ جانور کا کنوئیں میں پایا جانا اس کو ایک دن ایک رات سے ناپاک قرار دے دیتا ہے۔اور پھولے ہوئے جانور کا پایا جانا اس کو تین رات سے ناپاک قرار دیتا ہے۔اگر اس کے گرنے کا وقت معلوم نہ ہو۔

کنوئیں سے چوہا یا چڑیا وغیرہ زندہ نکالے جائیں تو پانی کا حکم

علامہ محمود بن مازہ بخاری حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔کہ جب کنوئیں میں چوہا، چڑیا، مرغی، بلی اور بکری گر گئی اور انہیں زندہ نکال لیا تو اس کنوئیں کا پانی نجس نہ ہوگا۔اور اس سے کچھ بھی پانی نکالنا واجب نہیں۔اور دلیل استحسان یہ ہے کہ جب تک یہ جانور زندہ ہیں پاک ہیں جبکہ قیاس کا تقاضہ یہ ہے کہ ان میں کسی ایک کے بھی گرنے سے پانی نجس ہو جائے گا۔اگرچہ انہیں زندہ نکال لیا گیا ہے کیونکہ ان جانوروں میں نجاست کا راستہ ہے۔اور نجاست پانی میں حلول کرگئی ہے۔جبکہ ہم نے قیاس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کی سے وجہ ترک کردیا۔اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے آثار کی وجہ سے ترک کردیا۔

امام ابوجعفر اور فقیہ ابوعلی یہ دونوں فقہاء اپنی اسناد کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ جب کنوئیں میں چوہا گر کر مرجائے اگرچہ اسے اسی وقت نکالا جائے بیس سے تیس تک ڈول پانی کے نکالے جائیں۔

حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب کسی کنوئیں میں چوہا گر جائے اور مرجائے تو اس سے سات ڈول پانی نکالا جائے۔اور ایک روایت میں ہے کہ محض ڈول نکالے جائیں۔اس روایت کے مطابق پانی فاسد نہیں ہوتا اور ان سے ایک روایت ہے بیس یا تیس ڈول نکالے جائیں۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں جب کسی کنوئیں میں چوہا گر کر مرجائے تو اس سے چالیس ڈول نکالے جائیں اسلاف یعنی متقدمین فقہاء نے اس مسئلہ پر اتفاق کرلیا ہے کہ کنوئیں کے مسائل میں اسلاف کے اقوال کی اتباع کرتے ہوئے قیاس کو ترک کردیا جائے گا۔(المحیط البرہانی فی الفقہ النعمانی، ج ۱،ص ۷۶، بیروت)

مایوکل لحم اور غیر مایوکل لحم پرندوں کی بیٹ کا حکم

علامہ ابن مازہ بخاری حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ حضرت امام محمد علیہ الرحمہ کے نزدیک وہ جانور پرندے جن کا اختلاط لوگوں

سے نہیں ہوتا۔اور جن کا لوگوں کے ساتھ اختلاط ہوتا ہے ان کے درمیان فرق کیا جائے گا۔ان کے نزدیک غیر مایوکل لحم پرندوں کی بیٹ نجس ہے۔ کیونکہ ان کا لوگوں کے ساتھ اختلاط نہیں ہوتا۔ بخلاف کبوتر اور چڑیا کے کیونکہ ان کا لوگوں کے ساتھ اختلاط ہوتا ہے۔ اور جن جانور پرندوں کا لوگوں سے اختلاط ہوتا ہے ان سے پرہیز کرنا ممکن نہیں۔

شیخین فرماتے ہیں یہ سارے پرندے ہوا میں اڑنے والے ہیں ان میں فرق کرنا کہ لوگوں کے ساتھ اختلاط ہوتا ہے یا نہیں یہ مسئلہ تامل پر مبنی ہے (کیونکہ بہت سے پرندے جو کئی لوگوں کے ساتھ اختلاط کرتے ہیں جبکہ یہی پرندے دوسرے لوگوں کے ساتھ اختلاط نہیں کرتے۔اسی طرح مختلف علاقوں میں مختلف لوگوں کے ساتھ مختلف پرندوں کا اختلاط ہوتا ہے) لہٰذا ان کے فرق میں حرج لازم آئے گا۔حالانکہ اکثر باز، شکرا اور شاہین کا لوگوں کے ساتھ اختلاط ہوتا ہے۔اور بہت سارے کبوتر اور چڑیا ایسی ہیں جن کا لوگوں کے ساتھ اختلاط نہیں ہوتا۔شیخین کے نزدیک ان سب کا بول نجس ہے۔(المحیط البرہانی فی فقہ النعمانی، ج ۱،ص ۱۶۶، بیروت)

انتباہ:

یہاں بیٹ کے پاک ہونے یا نہ ہونے کا اعتبار محض کنوئیں یا پانی کو نجس کرنے یا نہ کرنے کے بارے میں ہے، نہ جس طرح دوسری چیزیں پاک ہوتی ہیں ان کی طرح پاک ہونے کا یا نہ ہونے سے اس مسئلہ کا کوئی تعلق نہیں۔(رضوی عفی عنہ)

کنوئیں کو پاک کرنے میں فقہی تصریحات کا بیان

۱- کنوئیں کے پاک کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ سب سے پہلے اس چیز کو نکالنا چاہئے جس کے گرنے سے کنواں ناپاک ہوا ہے پھر شریعت کے حکم کے مطابق اس کا پانی نکالنا چاہئے جب تک کہ وہ چیز نہ نکالی جائے کنواں پاک نہیں ہوگا۔خواہ کتنا ہی پانی کیوں نہ نکالا جائے لیکن اگر وہ نجاست ایسی ہے جو باوجود کوشش کے نکل نہیں سکتی تو اس کی دو صورتیں ہیں۔ایک یہ کہ اس چیز کی ناپاکی اپنی اصلی ہو خارجی نجاست سے ناپاک نہ ہوئی ہو۔جیسے مردہ جانور یا اس کا گوشت یا وہ جو کنوئیں میں گر کر مر گیا اس صورت میں کنوئیں کو اتنی مدت تک چھوڑ دینا چاہئے جس میں یہ یقین ہو جائے کہ وہ ناپاک چیز گل سڑ کر مٹی ہوگئی بعض نے اس کی مقدار چھ مہینہ لکھی ہے پھر اس کے بعد اس کا بقدر واجب پانی نکال دیا جائے تو کنواں پاک ہے جائے گا۔دوسری صورت یہ ہے کہ وہ ناپاک چیز خود اپنی اصل سے ناپاک نہ ہو بلکہ خارجی نجاست لگنے سے ناپاک ہوگئی ہو جیسے ناپاک کپڑا۔لکڑی۔جوتی۔گیند وغیرہ۔اس صورت میں اس چیز کا نکالنا معاف ہے بقدر واجب پانی نکال دینے سے کنواں پاک ہو جائے گا اور کنوئیں کے پاک ہوتے ہی وہ۔چیز بھی پاک ہو جائے گی۔

۲- جن صورتوں میں کنوئیں کا تمام پانی ناپاک ہو جاتا ہے اور اس کا پانی ٹوٹ سکتا ہے تو اس کنوئیں کے پاک کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ کل پانی نکال دیا جائے پس جب پانی اس قدر نکل جائے کہ پانی ٹوٹ جائے اور آدھا ڈول بھی نہ بھرے تو کنوئیں کے اندر کے کنکر۔دیوار وغیرہ ڈول رسی چرخی اور کھینچنے والے کے ہاتھ پیر سب پاک ہو جائیں گے اب ان کو الگ دھونے۔کی ضرورت نہیں۔

۳- اگر کنواں چشمہ دار ہے یعنی ایسا ہو کہ جس کا تمام پانی نہ نکل سکے بلکہ ساتھ ساتھ نیا پانی اتنا ہی آتا رہے تو اس کے پاک کرنے کے فقہانے مختلف طریقے لکھے ہیں ان میں سب سے بہتر اور موزوں طریقہ یہ ہے کہ کنوئیں میں رسی ڈال کر ناپ لیا جائے کہ کتنے ہاتھ پانی ہے پھر کچھ ڈول نکال کر رسی سے ناپ لیا جائے کہ کتنے ہاتھ پانی کم ہو گیا اور حساب کر لیا جائے کہ باقی پانی کے لئے کتنے ڈول اور نکالے جائیں۔ مثلاً رسی ڈال کر دیکھا تو معلوم ہو کہ دس ہاتھ پانی ہے۔ سو ڈول نکالنے کے بعد رسی ڈال کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ ایک ہاتھ پانی کم ہو گیا لہٰذا اب نو سو ڈول اور نکال دیئے جائیں تو کنوئیں کا کل پانی نکل جائے گا اور کنواں وغیرہ پاک ہو۔ جائے گا۔

۴- جن صورتوں میں پانی کی ایک خاص مقدار نکالنی پڑتی ہے اسقدر پانی خواہ ایک دم سے نکالیں یا تھوڑا تھوڑا کر کے کئی دفعہ میں وقفہ دے کر نکالیں۔ ہر طرح پاک ہو جائے گا۔

۵- جن صورتوں میں کنوئیں کا سارا پانی نکالنا واجب ہو اور پانی ٹوٹ سکتا ہے تو پانی لگا تار نکالا جائے اس میں وقفہ نہ دیا جائے یہاں تک کہ پانی ٹوٹ جائے اور آدھا ڈول بھرنے سے رہ جائے تب کنواں پاک ہو گا اور اگر وقفہ دے کر مثلاً کچھ دیر صبح کو اور کچھ دیر دوپہر کو اور کچھ دیر شام کو نکالا تو خواہ کتنا ہی پانی نکالا جائے کنواں پاک نہیں ہو گا۔ اس کے علاوہ سب صورتوں میں یعنی جن صورتوں میں تعداد مقرر ہے یا چشمہ دار ہونے کی وجہ سے پیمائش وغیرہ کے ذریعہ مقرر کر لی گئی ہے لگا تار۔ نکالنا ضروری نہیں بلکہ متفرق وقتوں میں وہ مقدار پوری کر سکتے ہیں جیسا کہ اوپر بیان ہوا ہے۔

۶- اگر کنوئیں میں پانی اس قدر کم ہو جس قدر ڈول نکالنے واجب ہیں تو جس قدر موجود ہے اسی قدر۔ نکالنا کافی ہے۔

۷- جس کنوئیں پر جو ڈول پڑا رہتا ہے اس کے حساب سے نکالنا چاہئے اور اگر کنوئیں پر کوئی خاص ڈول نہ ہو یا کنوئیں کا خاص ڈول بہت بڑا یا بہت چھوٹا ہو جن صورتوں میں ڈول نکالنے کی تعداد مقرر ہے۔ درمیانی ڈول کا اعتبار ہے۔ درمیانی ڈول وہ ہے جس میں ساڑھے تین سیر پانی آتا ہو پس اس کا حساب کر کے جس قدر ڈول بنیں نکالے جائیں۔ مثلاً اگر بڑے ڈول میں چار ڈول کے برابر پانی سماتا ہو تو اس کو چار ڈول سمجھنا چاہئے۔ ڈول بھرا ہوا نکالنا ضروری نہیں۔ اگر کچھ پانی چھلک گیا یا ٹپک گیا مگر آدھے سے زیادہ ہو تو پورا ڈول شمار ہو گا۔

۸- ناپاک کنواں اگر بالکل خشک ہو جائے اور تہہ میں تری نہ رہے تب بھی پاک ہو جائے گا اس کے بعد کنوئیں میں دوبارہ پانی نکل آئے تو اب پہلی ناپاکی کی وجہ سے دوبارہ ناپاک نہیں ہو گا اور اگر تہہ پوری طرح خشک نہیں ہوئی تو اب دوبارہ پانی آنے سے ناپاک ہو جائے گا۔

واقعہ کو اس کے قریبی وقت کی طرف منسوب کیا جائے گا، قاعدہ فقہیہ

اضافة الحادث الى اقرب اوقاته۔ (الاشباه)

واقعہ کو اس کے قریبی وقت کی طرف منسوب کیا جائے گا۔

اس قاعدہ کی وضاحت یہ ہے۔ اگر کنویں میں چوہا مرا ہوا پایا، یا کوئی اور چیز، اور دیکھنے والا نہیں جانتا کہ وہ کب واقع ہوا ہے

اگر وہ چوہا پھولا یا پھٹا نہ ہو تو ایک دن اور ایک رات کی نمازوں کا اعادہ کیا جائے گا جبکہ وضو اسی کنویں سے کیا ہو۔ اور دھویا جائے ہر اس چیز کو جہاں تک اس کنویں کا پانی پہنچا ہے۔ اور اگر وہ چوہا پھول گیا یا پھٹ گیا تو پھر تین دن اور تین رات کی نمازوں کو لوٹانا ہوگا یہ مسئلہ امام اعظم علیہ الرحمہ کے نزدیک ہے جبکہ صاحبین فرماتے ہیں کہ نمازوں کا اعادہ نہیں کیا جائے گا حتیٰ کہ تحقیق سے ثابت ہو جائے کہ وہ کب گرا ہے۔ کیونکہ یقین شک سے زائل نہیں ہوتا۔ (ہدایہ اولین ج ۱ ص ۲۸، المجتبائے دہلی)

اس مسئلہ میں چوہے کی موت کو اس کے قریبی وقت پر محمول کرتے ہوئے ایک دن اور ایک رات کی نمازوں کو لوٹانے کا حکم دیا گیا ہے۔ لیکن جب قوی سبب پایا جائے جس سے معلوم ہو کہ چوہا تو زیادہ عرصے کا مرا ہوا ہے پھر تین دن اور تین راتوں کی نمازوں کو لوٹانے کا حکم دیا جائے گا۔ (قواعد فقہیہ مع فوائد رضویہ ص ۱۸۲، شبیر برادرز لاہور)

استحسان ضرورت کا بیان

وہ استحسان جو ضرورت کے تحت اباحت کو ثابت کرے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ جب حوض اور کنوئیں ناپاک ہو جائیں تو اس کے پانی کا کچھ حصہ نکال کر انہیں پاک کر لیا جاتا ہے جس طرح کتب فقہ میں موجود ہے حالانکہ قاعدہ اور قیاس کا تقاضہ یہ ہے کہ جب یہ ناپاک ہو جائیں تو وہ پاک نہیں ہو سکتے کیونکہ پانی ڈال کر نہ تو انہیں پاک وصاف کیا جا سکتا ہے اور نہ پورا پانی نچوڑ کر انہیں صاف کیا جا سکتا ہے تاکہ اسکی پوری نجاست دور ہو جائے، بلکہ کنوؤں کے لوٹوں سے جو پانی آتا ہے وہ بھی نجس پانی سے مل کر ناپاک ہو جاتا ہے، اس لئے پانی کا کچھ حصہ نکالنے سے باقی پانی صاف نہیں ہوتا، تاہم عوام الناس کی ضرورت کے پیش نظر اور استحسان کے پیش نظر یہ قانون بنایا گیا ہے کہ کچھ حصہ پانی کا نکال کر کنوئیں کو پاک کر لیا جاتا ہے۔

فصل فی الاستنجاء

﴿یہ فصل استنجاء کے بیان میں ہے﴾

استنجاء کے ذریعے صفائی کرنے کا بیان

وفـی حكمه و كيفيته يلزم الرجل الاستبراء حتی يزول أثر البول ويطمئن قلبه على حسب عـادتـه إمـا بـالمشی أو التنحنح أو الاضطجاع أو غيره ولا يجوز له الشروع فی الوضوء حتـی يـطـمـئـن بزوال رشح البول حكم الاستنجاء والاستنجاء سنة من نجس يخرج من السبيلين ما لم يتجاوز المخرج وإن تجاوز وكان قدر الدرهم وجب إزالته بالماء وإن زاد عـلـی الدرهم افترض ويفترض غسل ما فی المخرج عند الاغتسال من الجنابة والحيض والـنـفـاس وإن كـان مـا فی المخرج قليلا ويسن أن يستنجی بحجر منق ونحوه والغسل بـالماء احب والأفضل الجمع بين الماء والحجر فيسمح ثم يغسل ويجوز أن يقتصر على الماء أو الحجر والسنة إنقاء المحل والعدد فی الأحجار مندوب لا سنة مؤكدة فيستنجی بثلاثة أحـجـار نـدبـا إن حـصـل التنظيف بما دونها كيفيته وكيفية الاستنجاء أن يمسح بـالـحـجر الأول من جهة المقدم إلى خلف وبالثانی من خلف الی قدام وبالثالث من قدام الـی خـلف إذاكـانـت الـخـصـية مـدلاة وإن كانت غير مدلاة يبتدیء من خلف الی قدام والمرأة تبتدیء من قدام الی خلف خشية تلويث فرجها ثم يغسل يده أولا بالماء ثم يدلك الـمـحـل بـالماء بباطن إصبع أو إصبعين أو ثلاثة إن احتاج ويصعد الرجل إصبعه الوسطى عـلـی غيـرهـا فی ابتداء الاستنجاء ثم يصعد بنصره ولا يقتصر على إصبع واحدة والمرأة تـصـعـد بنصرها وأوسط أصابعها معا ابتداء خشية حصول اللذة ويبالغ فی التنظيف حتى يـقـطـع الـرائـحة الـكريهة وفی إرخاء المقعدة إن لم يكن صائما فإذا فرغ غسل يده ثانيا ونشف مقعدته قبل القيام إذا كان صائم،

ترجمہ

آدمی پر لازم ہے صفائی کرے، یہاں تک کہ پیشاب کا اثر زائل ہو جائے اور اس کا دل مطمئن ہو جائے۔اس کی عادت کے بموجب، یا چل کر، یا کھنکار کر، یا کروٹ سے لیٹ کر یا اس کے علاوہ اور اس کے لیے وضو کا شروع کرنا جائز نہیں تا آنکہ وہ مطمئن ہو جائے پیشاب کے قطرہ کے جاتے رہنے سے۔

اور استنجاء سنت ہے ہر اس ناپاکی سے جو نکلے سبیلین سے جب تک مخرج سے آگے نہ بڑھے۔اور اگر آگے بڑھ جائے اور نجاست ایک درہم کی مقدار ہو تو اس کا زائل کرنا پانی کے ذریعہ سے واجب ہوتا ہے اور اگر ناپاکی ایک درہم سے زائد ہو جائے تو اس کا دھونا فرض ہو جاتا ہے۔

اور جنابت اور حیض اور نفاس سے غسل کرنے کے وقت اس ناپاکی کا دھونا بھی فرض ہے جو مخرج میں ہو۔اگرچہ اس کی مقدار قلیل ہی ہو۔

اور ایسے پتھر سے صاف کر دینے والا ہو اور پتھر جیسی چیز سے استنجاء کرنا سنت ہے اور پانی سے دھونا مستحب ہے۔اور افضل ہے پانی اور پتھر دونوں میں جمع کرنا۔یعنی دونوں کا استعمال کرنا۔پس پونچھ لے پھر پانی سے دھودے اور جائز ہے کہ پانی یا پتھر پر اکتفا کرے۔

اور سنت یہ ہے کہ مقام نجاست کو صاف کر لے۔تعداد پتھروں میں مستحب ہے سنت موکدہ نہیں۔ہاں تین ڈھیلوں سے استحبابا استنجاء کرلے۔اگر اس سے کم سے صفائی حاصل ہوگی۔اور استنجے کی کیفیت یہ ہے کہ پہلے پتھر سے پونچھتا ہوا آگے کی جانب سے پیچھے کو لے جائے اور دوسرے سے پیچھے کی جانب سے آگے کو اور تیسرے سے پیچھے کی طرف کہ جیسے ڈھیلے ہوں۔اور اگر ڈھیلے نہ ہوں تو پچھلی جانب سے شروع کرے آگے کی طرف کو۔اور عورت تلویث فرج کے خوف سے اگلی جانب سے شروع کر کے پچھلی طرف لے جائے۔

پھر پہلے اپنے ہاتھ کو پانی سے دھودے پھر مقام نجاست کو ملے پانی کے ساتھ۔ایک یا دو انگلیوں سے یا تین انگلیوں سے اگر ضرورت ہو۔اور مرد اپنی بیچ کی انگلی کو باقی دوسری انگلیوں سے اوپر کو کرلے۔استنجے کے شروع میں، پھر اس کے پاس کی انگلی کو اور صرف ایک انگلی پر اکتفا نہ کرے۔

اور عورت حصول لذت کے خطرہ سے بچنے کے لیے اوپر کو کر لے اپنی کنو انگلی کے پاس والی انگلی اور بیچ کی انگلی کو ساتھ ساتھ اور صفائی میں مبالغہ سے کام لے تا آنکہ بدبو منقطع ہو جائے۔اسی طرح مقعد کے ڈھیلا کرنے میں، بشرطیکہ روزہ دار نہ ہو۔اور جب فارغ ہو جائے تو دوبارہ اپنے ہاتھ کو دھولے اور کھڑے ہونے سے پہلے اپنے مقعد کو خشک کر لے اگر روزہ دار ہو۔

تین ڈھیلوں سے استنجاء کے مستحب ہونے کا بیان

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص سرمہ لگائے تو طاق مرتبہ لگائے جو ایسا

کرے تو بہتر ہے اور جو ایسا نہ کرے تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں اور جو شخص استنجاء کے لئے ڈھیلے لے تو طاق عدد لے جو ایسا کرے تو بہتر ہے اور جو ایسا نہ کرے تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں اور جو شخص کوئی چیز کھائے اور پھر خلال کرنے سے کچھ نکلے تو اس کو پھینک دے اور جو کچھ زبان کی حرکت پر نکلے تو اسے نگل جائے جو ایسا کرے تو بہتر ہے اور جو ایسا نہ کرے تو بھی کوئی حرج نہیں اور جو شخص قضائے حاجت کے لئے جائے تو پردہ اختیار کرے اگر پردہ کی کوئی چیز نہ مل سکے تو کم از کم مٹی کا ایک ڈھیر لگا کر ہی اس کی آڑ میں بیٹھ جائے اس لئے کہ شیطان (برہنگی کی حالت میں) آدمی کی شرمگاہ سے کھیلتا ہے جو شخص ایسا کرے تو بہتر ہے اور جو ایسا نہ کرے تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں ہے۔

ابوداؤد رحمہ اللہ تعالی علیہ کہ عاصم نے بواسطہ ثور (حصین حبرانی کی بجائے) حصین حمید کی روایت کی ہے نیز عبدالمالک بن صباح نے بواسطہ ثور ساتھ لفظ خیر کا اضافہ کیا ہے ابوداؤد رحمہ اللہ تعالی علیہ کہ ابوسعید اصحاب خیر میں سے ہیں۔اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ استنجاء میں طاق عدد ڈھیلوں کا استعمال مستحب ہے واجب نہیں۔احناف کے نزدیک استنجاء میں اصل چیز ازالہ نجاست ہے تین عدد ڈھیلوں کا استعمال مسنون اور طاق عدد مستحب ہے۔(سنن ابوداؤد، جلد اول، رقم الحدیث، 35)

استنجاء کرنے کا طریقہ

پاخانہ یا پیشاب کرنے کے بعد جو ناپاکی بدن پر لگی رہے اسکے پاک کرنے کو۔استنجا کہتے ہیں پیشاب کرنے کے بعد مٹی کے پاک ڈھیلے سے پیشاب کے مخرج کے سکھانا چاہئے اس کے بعد پانی سے دھوڈالنا چاہیئے۔پاخانہ کے بعد مٹی کے تین ڈھیلوں سے پاخانہ کے مقام کو صاف کرے پھر پانی سے دھوڈالے۔استنجا ان چیزوں سے جائز ہے جو پتھر کی طرح صاف کرنے والی ہیں، جیسے پاک مٹی کا ڈھیلا، ریت، لکڑی، پھٹا ہوا بے قیمت کپڑا و چمڑا اور اس کے سوا ایسی چیزیں جو پاک ہوں اور نجاست کو دور کر دیں بشرطیکہ قیمت والی اور احترام۔والی نہ ہوں۔پاک مٹی کو ڈھیلوں سے استنجا کرنا سنت ہے ڈھیلے سے استنجا کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ بائیں طرف زور دیکر بیٹھے، قبلہ کی طرف منھ نہ ہو، اور ہوا، سورج اور چاند کی طرف سے بھی بچ جائے، تین یا پانچ یا سات مٹی کے ڈھیلے اپنے ساتھ لے جائے صاف کرتے وقت پہلے ڈھیلے کو آگے سے پیچھے کی طرف لے جائے اور دوسرے کو پیچھے سے آگے کی طرف لائے پھر تیسرے کو پیچھے کی طرف لے جائے۔

یہ طریقہ گرمی کے موسم کا ہے لیکن جاڑوں میں اس کے برخلاف، پہلے ڈھیلے کو پیچھے سے آگے کی طرف لائے اور دوسرے کو پیچھے لے جائے اور تیسرے کو آگے لائے اور عورت ہمیشہ وہی طریقہ کرے جو مرد جاڑوں میں کرتا ہے۔اور طریقہ مقصود نہیں بلکہ صفائی کا مددگار ہے اصل مقصود صفائی اور پاکی ہے خواہ جس طریقہ سے بھی حاصل ہو جائے۔اگر ایک یا دو ڈھیلے سے صفائی حاصل ہو جاتی ہے تو تین کی گنتی پوری کرلے اور اگر تین سے بھی صفائی حاصل نہ ہو اور چار سے حاصل ہو تو پانچواں ڈھیلا اور لے تاکہ طاق ہو جائیں کیونکہ طاق عدد کا استعمال مستحب ہے۔

مستحب یہ ہے کہ پاک ڈھیلے یا پتھر دائیں طرف رکھے اور استعمال کئے ہوئے بائیں طرف رکھے اور ان کی نجس جانب نیچے کو کردے، ڈھیلے وغیرہ سے استنجا کرنے کے بعد پانی سے استنجا کرنا سنت ہے۔افضل یہ ہے کہ پردہ دار جگہ ہو تو دونوں کو جمع کرے

پیشاب کرنے کے بعد ڈھیلے سے استنجا کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ ذکر کو بائیں ہاتھ میں پکڑ کر ڈھیلے یا پتھر پر جو زمین سے اٹھا ہوا ہو یا بائیں ہاتھ میں لیا ہوا ہو حرکت دے یہاں تک کہ رطوبت خشک ہو جائے اور یہ یقین ہو جائے کہ اب پیشاب نہ آئے گا۔ بعض کے نزدیک استبراء یعنی پیشاب کے بعد چند قدم چلنا یا زمین پر پاؤں مارنا یا کھنکارنا یا دائیں ٹانگ پر بائیں ٹانگ لپیٹنا اور پھر اس کے برعکس کرنا واجب ہے۔ تاکہ رکا ہوا قطرہ نکل جائے، لوگوں کی طبعیتیں مختلف ہوتی ہیں اور ہر شخص کے لئے اپنا اطمینان ضروری ہے اور یہ استبراء کا حکم مردوں کے لئے ہے عورت پیشاب سے فارغ ہونے کے بعد تھوڑی دیر ٹھر کر پہلے ڈھیلے سے مقام پیشاب کو خشک کر لے پھر پانی سے طہارت کرلے یا صرف پانی سے طہارت کرلے۔

پانی سے استنجا کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے ہاتھ کے کلائی تک دھولے پھر اگر روزہ دار نہ ہو پاخانہ کے مقام کو خوب ڈھیلا چھوڑ کر بیٹھے اور بائیں ہاتھ سے خوب استنجا کرے اور اسقدر دھوئے کہ اس کو پاکی کا یقین یا ظن غالب ہو اور چکنائی جاتی رہے اور دھونے میں خوب زیادتی کرے اور اگر روزہ دار ہو تو زیادتی نہ کرے اور نہ زیادہ پھیل کر بیٹھے، دھونے کا کچھ شمار مقرر نہیں اگر وسوسہ والا شخص ہو تو اپنے لئے تین مرتبہ دھونا مقرر کرلے۔ عورت کشادہ ہو کر بیٹھے اور ہتھیلی سے اوپر اوپر دھولے عورت مرد سے زیادہ کشادہ ہو کر بیٹھے، پیشاب کے مقام کو پہلے دھوئے یہی۔ مختار ہے استنجا کے پاک ہونے کے ساتھ ہی ہاتھ بھی پاک ہو جاتا ہے۔ استنجا کے بعد ہاتھ کلائیوں تک دھولے جیسا کہ اول میں دھوتا ہے تاکہ خوب ستھرا ہو جائے۔ جاڑے میں گرمیوں کی نسبت مبالغہ کرے اور اگر گرم پانی ہو تو جاڑے۔ کا حکم بھی گرمیوں کی طرح ہے۔

فصل لا يجوز كشف العورة للاستنجاء

یہ فصل ستر کھولنے کے عدم جواز کے بیان میں ہے

نجاست کو دھونے کا بیان

وإن تجاوزت النجاسة مخرجها وزاد المتجاوز على قدر الدرهم لا تصح معه الصلاة إذا وجد ما يزيله ويحتال لإزالته من غير كشف العورة عند من يراه ما يكره به الاستنجاء ويكره الاستنجاء بعظم وطعام لآدمى أو بهيمة وآجر وخزف وفحم وزجاج وجص وشيء محترم كخرقة ديباج وقطن وباليد اليمنى إلا من عذر آداب قضاء الحاجة ويدخل الخلاء برجله اليسرى ويستعيذ بالله من الشيطان الرجيم قبل دخوله ويجلس معتمدا على يساره ولا يتكلم إلا لضرورة ويكره تحريما استقبال القبلة واستدبارها ولو في البنيان واستقبال عين الشمس والقمر ومهب الريح ويكاره أن يبول أو يتغوط في الماء والظل والحجر والطريق وتحت شجرة مثمرة والبول قائما إلا من عذر ويخرج من الخلاء برجله اليمنى ثم يقول الحمد لله الذى أذهب عنى الأذى وعافانى،

ترجمہ

استنجے کے لیے ستر کھولنا جائز نہیں۔ اور اگر نجاست مخرج سے تجاوز کر گئی ہو اور یہ متجاوز ایک درہم کی مقدار سے زائد ہو تو اس کے ہوتے ہوئے نماز درست نہیں۔ جبکہ ایسی چیز پالے جو اس کو دور کر سکے۔ اور ایسے شخص کے سامنے جو اس کو دیکھ رہا ہے ستر کے کھولے بدون اس نجاست کے زائل کرنے کی تدبیر کرے۔ اور مکروہ ہے استنجاء کرنا ہڈی سے۔ آدمی یا چوپائے کی خوراک سے۔ پکی اینٹ سے۔ ٹھیکرے سے۔ کانچ سے۔ گچ سے اور قابل قدر چیز سے۔ جیسے ریشم اور روئی کے کپڑے کے ٹکڑے۔ اور داہنے ہاتھ سے مگر عذر کی وجہ سے۔ اور پاخانہ میں بائیں پیر سے داخل ہو اور داخل ہونے سے پہلے شیطان رجیم سے پناہ مانگے اور بائیں پیر پر سہارا دے کر بیٹھے۔ اور کلام نہ کرے مگر ضرورت کے باعث۔ اور مکروہ تحریمی ہے قبلہ کی طرف منہ کرنا اور اس کی طرف پیٹھ کرنا۔ اگرچہ آبادی میں ہو۔ اور مکروہ ہے آفتاب اور چاند کی طرف منہ کرنا۔ اور ہوا کے رخ منہ کرنا۔ اور مکروہ ہے پیشاب یا پاخانہ

کرنا پانی میں اور سایہ میں اور بل میں اور راستہ میں اور پھل دار درخت کے نیچے۔اور پیشاب کرنا کھڑے ہوکر مگر کسی عذر سے۔اور پاخانہ سے داہنے پاؤں سے نکلے۔پھر کہے۔

الحمد لله الذي أذهب عني الأذى وعافاني (اس اللہ کی حمد جس نے مجھ سے پلیدی کو دور کر دیا اور مجھے عافیت بخشی)

ستر کو پوشیدہ رکھنے کے لئے دور جگہ پر استنجاء کرنے کا بیان

حضرت جابر بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب قضائے حاجت کا ارادہ فرماتے (تو صحراء میں) دور نکل جاتے یہاں تک کہ کوئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ دیکھ پاتا۔(سنن ابوداؤد، جلد اول، رقم الحدیث،2)

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشاب کرنے کا ارادہ کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک دیوار کے نیچے نرم اور ڈھال دار جگہ پر تشریف لے گئے اور وہاں پیشاب کیا اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص پیشاب کرنا چاہے تو اس مقصد کے لئے مناسب جگہ تلاش کرے۔(سنن ابوداؤد، جلد اول، رقم الحدیث،3)

استنجاء کرنے کے لئے ستر کی حفاظت کا بیان

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب قضائے حاجت کا ارادہ فرماتے تو اس وقت تک کپڑا نہ اٹھاتے جب تک زمین کے قریب نہ ہو جاتے۔امام ابوعیسیٰ نے فرمایا اس حدیث کو اسی طرح روایت کیا ہے محمد بن ربیعہ نے أعمش سے انہوں نے انس سے پھر وکیع اور حماد نے أعمش سے روایت کیا ہے کہ أعمش نے کہا کہ حضرت عبداللہ بن عمر کہا کرتے تھے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم قضائے حاجت کا ارادہ کرتے تو اس وقت تک کپڑا نہ اٹھاتے جب تک زمین کے قریب نہ ہو جاتے یہ دونوں حدیثیں مرسل ہیں کہا جاتا ہے کہ أعمش نے انس بن مالک یا کسی بھی صحابی سے حدیث نہیں سنی اور انہوں نے انس بن مالک کو نماز پڑھتے دیکھا ہے اور ان کی نماز کی حکایت بیان کی اور أعمش کا نام سلیمان بن مہران ہے اور ان کی کنیت ابومحمد کاہلی ہے اور وہ بنی کاہل کے مولیٰ ہیں أعمش کہتے ہیں کہ میرے باپ کو بچپن میں لایا گیا تھا اپنے شہر سے اور حضرت مسروق نے ان کو وارث بنایا۔(جامع ترمذی، جلد اول، رقم الحدیث،14)

بیت الخلاء میں جانے سے پہلے شیطان کے شر سے پناہ مانگنے کا بیان

حضرت زید بن ارقم سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ قضائے حاجت کے مقامات شیاطین کے اڈے ہیں پس جب تم میں سے کوئی شخص بیت الخلاء میں جانے لگے تو اس کو (وہاں جانے سے پہلے) اَعُوذُ بِاللهِ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَائِثِ پڑھ لینا چاہیے۔(سنن ابوداؤد، جلد اول، رقم الحدیث،6)

دائیں ہاتھ سے استنجاء کرنے کی کراہت کا بیان

عبداللہ بن ابی قتادہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے آلہ تناسل کو دائیں ہاتھ سے چھونے سے منع

فرمایا اس باب میں حضرت عائشہ سلمان ابو ہریرہ اور سہل بن حنیف سے بھی احادیث مروی ہیں۔

امام ابوعیسیٰ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے اور ابوقتادہ کا نام حارث بن ربعی ہے اہل علم کا اسی پر عمل ہے کہ دائیں ہاتھ سے استنجاء کرنا مکروہ ہے۔ (جامع ترمذی، جلد اول، رقم الحدیث، 15)

گوبر و ہڈی وغیرہ سے استنجاء کرنے کی کراہت کا بیان

ابراہیم، عبدالرحمٰن بن یزید کہتے ہیں کہ سلمان فارسی سے کہا گیا تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہیں ہر بات سکھائی یہاں تک کہ قضائے حاجت کا طریقہ بھی بتایا سلمان نے کہا ہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں قضائے حاجت کے وقت قبلہ رخ ہونے سے منع کیا داہنے ہاتھ سے استنجاء کرنے تین ڈھیلوں سے کم کے ساتھ استنجاء کرنے اور گوبر اور ہڈی سے استنجاء کرنے سے بھی منع فرمایا اس باب میں عائشہ خزیمہ بن ثابت جابر اور خلاد بن سائب رضی اللہ عنہ سے بھی احادیث مروی ہیں خلاد اپنے والد سے روایت کرتے ہیں امام ابوعیسیٰ فرماتے ہیں کہ سلمان کی حدیث حسن صحیح ہے اکثر اہل علم اور صحابہ کا یہی قول ہے کہ اگر پیشاب یا پاخانہ کا اثر پانی کے بغیر ختم ہو جائے تو پتھروں سے ہی استنجاء کافی ہے ثوری ابن مبارک امام شافعی احمد اور اسحاق کا بھی یہی قول ہے۔

(جامع ترمذی، جلد اول، رقم الحدیث، 16)

حالت استنجاء میں قبلہ رخ ہونے کی ممانعت کا بیان

حضرت ابوایوب انصاری کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم قضائے حاجت یا پیشاب کے لئے جاؤ تو قبلہ رخ نہ کرو اور نہ پشت بلکہ مشرق یا مغرب کی طرف رخ کیا کرو ابوایوب کہتے ہیں کہ جب ہم شام گئے تو ہم نے دیکھا کہ بیت الخلاء قبلہ رخ بنے ہوئے ہیں لہٰذا ہم رخ پھیر لیتے اور اللہ سے مغفرت طلب کرتے۔ (جامع ترمذی، جلد اول، رقم الحدیث، 8)

گزرگاہ یا سائے کی جگہ پاخانہ کرنے کی کراہت کا بیان

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دو لعنت والے کاموں سے بچو صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا وہ دو کام کون سے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پاخانہ کرنا کسی گذرگاہ میں یا سایہ دار جگہ میں۔

(سنن ابوداؤد، جلد اول، رقم الحدیث، 25)

پانی میں پیشاب و پاخانہ کرنے کی ممانعت کا بیان

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین لعنت والے کاموں سے بچو یعنی پاخانہ کرنا پانی کے گھاٹ پر، کسی گذرگاہ پر اور سایہ دار جگہ میں۔ (سنن ابوداؤد، جلد اول، رقم الحدیث، 26)

سوراخ یعنی بل وغیرہ میں پیشاب کرنے کی کراہت کا بیان

حضرت ابوقتادہ، عبداللہ بن سرجس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سوراخ (بل) میں پیشاب کرنے سے منع فرمایا ہے۔ لوگوں نے حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ سوراخ میں پیشاب کرنے میں کیا حرج ہے؟ فرمایا

لوگوں کا کہنا ہے کہ یہ سوراخ جنوں کا مسکن ہیں۔(یہاں جن سے مراد ہر وہ چیز ہے جو نظر کے سامنے نہیں بچھو وغیرہ)۔

(سنن ابوداؤد، جلد اول، رقم الحدیث،29)

کوئلے سے استنجاء کرنے کی ممانعت کا بیان

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ جنوں کی ایک جماعت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی انہوں نے عرض کیا کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کو منع فرمادیجئے ہڈی، لید اور کوئلے سے استنجا کرنے سے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس میں ہماری روزی رکھی ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو مذکورہ اشیاء سے استنجاء کرنے کی ممانعت فرمادی۔(سنن ابوداؤد، جلد اول، رقم الحدیث،39)

مینگنی سے استنجاء کرنے کی ممانعت کا بیان

حضرت سہل بن حنیف بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا تم اہل مکہ کی طرف سے میرے نمائندے ہو ان سے یہ کہہ دینا کہ اللہ کے رسول نے ان کی طرف سلام بھیجا ہے اور انہیں ہدایت کی ہے کہ تم ہڈی یا اونٹ کی مینگنی کے ساتھ استنجا نہ کرنا۔امام دارمی فرماتے ہیں اس حدیث کے راوی ابو عاصم نے حدیث کے الفاظ میں کچھ اختلاف کیا ہے۔

(سنن دارمی، جلد اول، رقم الحدیث،670)

بیت الخلاء سے باہر آکر دعا مانگنے کا بیان

حضرت انس بن مالک فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب بیت الخلاء سے باہر آتے تو یہ دعا پڑھتے ہیں(اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِی أَذْهَبَ عَنِّی الْأَذٰی وَعَافَانِی) تمام تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جس نے مجھ سے تکلیف دور کی اور مجھے عافیت دی۔(سنن ابن ماجہ، جلد اول، رقم الحدیث،301)

فصل فی الوضوء

﴿یہ فصل وضو کے بیان میں ہے﴾

وضو کی فضیلت واہمیت کا بیان

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا قیامت کے روز میری امت اس حال میں پکاری جائے گی کہ وضو کے سبب سے ان کی پیشانیاں روشن ہوں گی اور اعضا چمکتے ہوں گے لہٰذا تم میں سے جو آدمی چاہے کہ وہ اپنی پیشانی کی روشنی کو بڑھائے تو اسے چاہئے کہ وہ ایسا ہی کرے۔ (صحیح البخاری وصحیح مسلم، مشکوۃ، نمبر 276)

وضو کرنے سے گناہوں کی بخشش ہونے کا بیان

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، جو آدمی وضو کرے، اور اچھی طرح کرے (یعنی اس کے سنن ومستحبات کی رعایت کے ساتھ) تو اس کے (صغیرہ) گناہ اس کے بدن سے نکل جاتے ہیں یہاں تک کہ اس کے ناخنوں کے نیچے سے بھی گناہ نکل جاتے ہیں۔ (صحیح البخاری وصحیح مسلم، مشکوۃ، جلد اول، رقم الحدیث، 270)

اس حدیث میں بھی وضو کی فضیلت اور طہارت کی بڑائی بیان کی گئی ہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ وضو کرنا درحقیقت اپنے گناہوں کو اپنے جسم سے دھونا ہے جو جتنا زیادہ جتنی اچھی طرح وضو کرے گا اس کے اتنے ہی گناہ ختم کر دیئے جائیں گے اور پھر بطور مبالغہ کے فرمایا گیا ہے کہ وضو کرنے والے کے ناخنوں کے نیچے کے گناہ بھی وضو کرنے سے نکل جاتے ہیں یعنی وضو کرنے کے بعد اس کو نہ صرف یہ کہ ظاہری پاکی اور طہارت حاصل ہوتی ہے بلکہ وہ گناہوں سے بھی خوب پاک ہو جاتا ہے، یہ جملہ بالکل ایسا ہی ہے جیسا کہ ہمارے یہاں یہ محاورہ بولا جاتا ہے کہ تمہاری شیخی ناک کی راہ نکال دیں گے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کے سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جب کوئی بندہ مسلمان یا فرمایا مومن وضو کا ارادہ کرتا ہے اور اپنے منہ کو دھوتا ہے تو پانی کے ساتھ یا فرمایا پانی کے آخری قطرہ کے ساتھ اس کے وہ تمام گناہ جن کی طرف اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھا اس کے منہ سے نکل جاتے ہیں (یعنی جو گناہ آنکھوں سے ہوئے ہیں جھڑ جاتے ہیں) پھر جب دونوں ہاتھوں کو دھوتا ہے تو ہاتھوں کے تمام گناہ جن کو اس کے ہاتھ نے پکڑا تھا پانی کے آخری قطرہ کے ساتھ اس کے ہاتھوں سے خارج ہو جاتے ہیں (یعنی جو گناہ ہاتھ سے ہوئے جھڑ جاتے ہیں) پھر جب وہ دونوں پاؤں کو دھوتا ہے تو اس کے وہ تمام گناہ جن کی طرف وہ پاؤں سے چلا تھا پانی کے ساتھ یا فرمایا پانی کے آخری قطرہ کے ساتھ نکل جاتے ہیں یہاں تک کہ وہ گناہوں سے پاک ہو

جاتا ہے۔(صحیح مسلم،مشکوۃ شریف، جلد اول، رقم الحدیث،271)

وضو کے فرائض وارکان کا بیان

فرائضة أركان الوضوء أربعة وهي فرائضه الأول غسل الوجه وحده طولا من مبدأ سطح الجبهة الى أسفل الذقن وحده عرضا ما بين شحمتي الأذنين والثاني غسل يديه مع مرفقيه والثالث غسل رجليه مع كعبيه والرابع مسح ربع رأسه سبب الوضوء وحكمه وسببه استباحة ما لا يحل إلا به وهو حكمه الدنيوي وحكمه الأخروي الثواب في الآخرة شروط وجوب الوضوء وشرط وجوبه العقل والبلوغ والاسلام وقدرة على استعمال الماء الكافي ووجود الحدث وعدم الحيض والنفاس وضيق الوقت شروط صحة الوضوء وشرط صحته ثلاثة عموم البشرة بالماء الطهور وانقطاع ما ينافيه من حيض ونفاس وحدث وزوال ما يمنع وصول الماء الى الجسد كشمع وشحم،

ترجمہ

وضو کے چار ارکان ہیں اور وہی فرائض ہیں۔(۱) چہرے کا دھونا۔اور کی حد طول کے لحاظ سے پیشانی کی سطح کے شروع ہونے کی جگہ سے شروع ہو کر ٹھوڑی کے نیچے تک ہے اور عرض کے لحاظ سے وہ تمام حصہ جو دونوں کانوں کی لو کے درمیان ہے۔

(۲) دونوں ہاتھوں کا دھونا کہنیوں سمیت۔(۳) دونوں پیروں کا دھونا ٹخنوں سمیت۔(۴) چوتھائی سر کا مسح کرنا۔

اور وضو کا سبب ان چیزوں کا مباح کر لینا۔جو صرف وضو ہی سے حلال ہوتی ہیں۔اور یہ اس کا دنیاوی حکم اور اس کا اخروی حکم آخرت کا ثواب ہے۔

اور اس کے واجب ہونے کی شرط عقل ہے اور بلوغ اور اسلام اور اتنی مقدار پانی پر قادر ہونا جو وضو کے لیے کافی ہو۔اور حدث کا پایا جانا۔اور حیض اور نفاس اور وقت کی تنگی کا نہ ہونا۔

اور اس کے صحیح ہونے کی شرطیں تین ہیں۔جو اعضاء دھوئے جاتے ہیں ان پر پوری طرح پاک پانی کا پہنچ جانا۔اس چیز کا ختم ہونا اور رک جانا جو وضو کے منافی ہے۔یعنی حیض اور نفاس اور حدث۔اور اس چیز کی علیحدگی جو بدن تک پانی کے پہنچنے کے لیے مانع ہے۔جیسے موم، چربی۔

وضو کے چار فرائض کا بیان

يَـٰٓأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ ۔(المائدہ،٦)

اے ایمان والو! جب (تمہارا) نماز کے لئے کھڑے (ہونے کا ارادہ) ہو تو (وضو کے لئے) اپنے چہروں کو اور اپنے ہاتھوں کو کہنیوں سمیت دھولو اور اپنے سروں کا مسح کرو اور اپنے پاؤں (بھی) ٹخنوں سمیت (دھولو)۔

وضو کے فرائض کی وضاحت کا بیان

وضو میں چار فرض ہیں منہ دھونا۔ دونوں ہاتھوں کا کہنیوں سمیت دھونا۔ چوتھائی سر کا مسح کرنا۔ دونوں پاؤں ٹخنوں سمیت دھونا۔ ان کی تفصیل یہ ہے

منہ دھونا منہ دھونے کی حد یہ ہے کہ لمبائی میں پیشانی پر سر کے بالوں کے اگنے کی جگہ سے ٹھوڑی کے نیچے تک اور چوڑائی میں ایک کان کی لو سے دوسرے کان کی لو تک دھونا فرض ہے، گنجان داڑھی (یعنی جس کے اندر سے کھال نظر نہ آئے) کے ظاہری یعنی اوپر کے حصہ کو دھونا فرض ہے، اور اگر کھال نظر آتی ہو تو اُس کھال تک پانی پہچانا فرض ہے

دونوں ہاتھوں کا کہنیوں سمیت دھونا انگوٹھی، چھلا، چوڑی، کنگن وغیرہ کے نیچے پانی پہچانا اور اگر وہ ایسے تنگ ہوں کہ بغیر ہلائے پانی نہ پہنچ سکے تو ان کو ہلا کر پانی پہچانا فرض ہے۔ اگر کوئی چیز آٹا وغیرہ ناخنوں وغیرہ پر جما ہوا ہو تو اس کا چھڑانا بھی فرض ہے آج کل ناخنوں پر ناخن پالش وغیرہ لگاتے ہیں اس کی موجودگی میں وضو وغسل درست نہیں۔

چوتھائی سر کا مسح کرنا مسح کم از کم تین انگلیوں سے کرے، ایک یا دو انگلیوں سے جائز نہیں۔ ٹوپی یا عمامہ یا اوڑھنی یا برقعے وغیرہ پر مسح کیا تو درست نہیں۔ سر پر خضاب یا مہندی کی تہہ (یعنی جب خضاب یا مہندی لگانے کے لئے اوپر لیپ دی جاتی ہے)۔ لگی ہوئی ہو تو اس کے اوپر سے مسح جائز نہیں۔

دونوں پاؤں ٹخنوں سمیت دھونا اگر کسی کے ہاتھ یا پیر کی انگلیاں بالکل ملی ہوئی ہوں یعنی ان میں کھلا فاصلہ نہ ہو تو ان میں خلال کرنا فرض ہے۔ اگر اعضاء غسل و وضو میں کوئی چکنی چیز لگی ہوئی ہو تو اس کے اوپر سے پانی بہہ جانا شرط ہے۔ اندر تک اثر کرنا۔ شرط نہیں لہٰذا اس کا غسل و وضو جائز ہے۔

فائدہ

وضو غسل اور تیمم میں کوئی واجب نہیں ہے یعنی وہ واجب جو عمل میں فرض سے کم درجہ رکھتا ہو۔ بعض کتب میں کچھ واجب الگ لکھے ہیں۔ داڑھی مونچھ اور بھنویں اگر قدرے گنجان ہو کہ نیچے کی کھال نظر نہ آئے تو ان بالوں کا دھونا۔

کہنیوں کا دھونا۔ ٹخنوں کا دھونا۔

چوتھائی سر کا مسح کرنا لیکن دراصل وہ فرض ہی میں شامل ہیں جیسا کہ اوپر فرائضِ وضو کی تفصیل میں ان کا بیان ہو چکا ہے اس لئے کہ عملاً وہ فرض ہی ہیں اور ان کر ترک سے وضو غسل اور تیمم نہیں ہوتا۔

فصل فی تمام احکام الوضوء

﴿یہ فصل احکام وضو کے بیان میں ہے﴾

گھنی داڑھی کے ظاہری حصے کو دھونے کا بیان

یجب غسل ظاهر اللحية الكثة في أصح ما يفتي به ويجب إيصال الماء الى بشرة اللحية الخفيفة ولا يجب إيصال الماء الى المسترسل من الشعر عن دائرة الوجه ولا الى ما انكتم من الشفتين عند الانضمام ولو انضمت الأصابع أو طال الظفر فغطى الأنملة أو كان فيه ما يمنع الماء كعجين وجب غسل ما تحته ولا يمنع الدرن وخرء البراغيث ونحوها ويجب تحريك الخاتم الضيق ولو ضره غسل شقوق رجليه جاز إمرار الماء على الذواء الذي وضعه فيها ولا يعاد المسح ولا الغسل على موضع الشعر بعد حلقه ولا الغسل بقص ظفره وشاربه،

ترجمہ

واجب ہے دھونا گھنی داڑھی کے بیرونی حصہ کا اور واجب ہوتا ہے پانی کا پہنچانا ہلکی ڈاڑھی کی جلد تک اور واجب ہے پانی کا ان بالوں تک جو چھوٹے ہوئے ہیں چہرہ کے دائرہ سے باہر واجب ہے پہنچانا پانی کا ہونٹوں کے اس حصہ پر جو کہ چھپ جاتا ہے باہم ملنے اور بند ہونے کی حالت میں۔

اور اگر ملی ہوں انگلیاں یا ناخن لمبے ہو جائے اور پوروں کو ڈھانپ لیں یا ناخن میں کوئی ایسی چیز ہو کہ پانی کے لیے مانع ہو جیسے آٹا گندھا ہوا تو واجب ہوگا دھونا اس حصہ کا جو ان چیزوں کے نیچے ہے اور میل اور مچھر کی بیٹ اور اس جیسی چیزیں مانع نہیں۔ اور واجب ہے ہلانا تنگ انگوٹھی کا۔

اور اگر وضو کرنے والے کو پیروں کی پھٹنوں کا دھونا مضر ہو تو جائز ہے پانی کا گزارنا اس دوا پر جس کو پھٹن میں رکھا ہے۔ اور مسح اور غسل نہیں لوٹایا جائے گا بالوں کی جگہ پر بال منڈوانے کے بعد۔ اور ناخن اور مونچھوں کے کٹوانے کے بعد دوبارہ دھویا جائے گا۔

داڑھی کے خلال سے متعلق احادیث کا بیان

بہرحال مسلمان کے لئے مناسب یہی ہے کہ اپنے وضوء میں داڑھی کا خلال نہ چھوڑے اتباع سنت کرتے ہوئے اور اپنے

دین میں احتیاط سے کام لیتے ہوئے خاص کر جبکہ ابن ابی شیبہ نے (1/12) میں عمار بن یاسر ابن عمر انس علی، ابوعمامہ عثمان رضی اللہ عنہم اور ابن سیرین اور ابراہیم رحمہما اللہ سے داڑھی کا خلال روایت کیا ہے تو اسے بعض لوگوں کے صرف فتوؤں کی وجہ سے ترک نہ کرے۔ (المغنی 1/116)) تمام المنہ ص(93)

خلال کے دو یا تین بار کرنے کے بارے میں دو احادیث ہیں۔

اول: جو ابن ماجہ نے برقم (431) میں انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے وہ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب وضوء کرتے تو اپنی انگلیاں کشادہ کر کے داڑھی کا خلال دوبارہ کرتے تھے۔ یہ حدیث ضعیف ہے۔ یحی بن کثیر اور یزید الرقاشی دونوں ضعیف ہیں باقی حدیث شواہد کی وجہ سے صحیح ہے لیکن مرتین کا لفظ ضعیف ہے۔

دوم: وہ حدیث جسے حاکم نے (1/149) میں عامر بن شقیق سے روایت کیا ہے وہ روایت کرتے ہیں شقیق بن سلمہ سے وہ کہتے ہیں کہ میں عثمان کو وضوء کرتے ہوئے دیکھا انہوں نے منہ دھویا استنشاق اور مضمضہ کیا تین بار اور سر ظاہر اور باطن کانوں کا مسح کیا اور داڑھی کا خلال تین بار کیا جب منہ دھویا پاؤں دھونے سے پہلے پھر کہا میں نے دیکھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی طرح کرتے جس طرح تم نے مجھے کرتے ہوئے دیکھا پھر کہا کہ عامر بن شقیق میں کسی بھی وجہ سے کوئی طعن نہیں۔

داڑھی کا خلال واجب ہے کیونکہ اسمیں احادیث بکثرت ہیں اور بعض میں امر وارد ہوا ہے جیسے کہ انس رضی اللہ عنہ کی مذکورہ حدیث میں ہے: اسی طرح مجھے میرے رب نے حکم دیا ہے۔ اور احادیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا داڑھی کے خلال پر مدامت کرنی یہ وجوب کی دوسری دلیل ہے۔

کسی اعضاء کے حصے سے خشک رہ جانے پر وعید کا بیان

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ ایک آدمی نے اپنی ایڑی کو نہیں دھویا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایڑیوں کے لئے جہنم سے عذاب ہے۔ (صحیح مسلم، جلد اول، رقم الحدیث، 573)

حضرت عبداللہ بن عمرو روایت کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا وضو کے دوران خشک رہ جانے والی ایڑیوں کے لئے جہنم کی بربادی ہے اچھی طرح وضو کیا کرو۔ (سنن دارمی، جلد اول، رقم الحدیث، 700)

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے وضو کیا اور اس کے پاؤں پر ایک ناخن کے برابر جگہ خشک رہ گئی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو دیکھا تو ارشاد فرمایا کہ واپس جاؤ پس اپنا وضو اچھی طرح کرو پس وہ لوٹ گیا پھر نماز پڑھی۔ (صحیح مسلم، جلد اول، رقم الحدیث، 576)

فصل فی سنن الوضوء

﴿یہ فصل وضو کی سنتوں کے بیان میں ہے﴾

وضو میں اٹھارہ سنن ہونے کا بیان

یسن فی الوضوء ثمانية عشر شيئا غسل اليدين الى الرسغين والتسمية ابتداء والسواك في ابتدائه ولو بالإصبع عند فقده والمضمضة ثلاثا ولو بغرفة والاستنشاق بثلاث غرفات والمبالغة في المضمضة والاستنشاق لغير الصائم وتخليل اللحية الكثة بكف ماء من أسفلها وتخليل الأصابع وتثليث الغسل واستيعاب الراس بالمسح مرة ومسح الأذنين ولو بماء الرأس والدلك والولاء والنية والترتيب كما نص الله تعالى في كتابه والبداءة بالميامن ورؤوس الأصابع ومقدم الرأس ومسح الرقبة لا الحلقوم وقيل إن الأربعة الأخيرة مستحبة،

ترجمہ

اٹھارہ چیزیں وضو میں مسنون ہیں۔(۱) دونوں ہاتھوں کا دھونا گٹوں تک۔(۲) بسم اللہ پڑھنا شروع میں۔(۳) مسواک کرنا شروع میں اگر چہ ہو انگلی کے ساتھ جب مسواک نہ ہو۔(۴) کلی کرنا تین مرتبہ اگر چہ ایک ہی چلو سے ہو۔(۵) ناک میں پانی ڈالنا تین چلوؤں سے (۶) مبالغہ یعنی خوب اچھی طرح کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا غیر روزہ دار کے لیے۔(۷) اور گھنی داڑھی کا خلال کرنا بذریعہ پانی کے چلو کے۔ داڑھی کے نیچے کی جانب سے۔(۸) انگلیوں کا خلال کرنا (۹) اور تین تین دفعہ دھونا۔(۱۰) اور پورے سر کا مسح کرنا۔(۱۱) اور کانوں کا مسح کرنا۔(۱۲) اگر چہ وہ سر کے پانی سے ہو۔ (۱۳) ملنا اور پے در پے کرنا۔(۱۴) اور ارادہ کرنا۔(۱۵) اور ترکیب (۱۶) ہاتھ پاؤں کو دھوتے وقت پہلے انگلیوں کے سروں کو دھونا۔(۱۷) سر کے اگلے حصے سے مسح شروع کرنا۔(۱۸) گردن کا مسح کرنا نہ کہ گلے کا۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ آخری چار مستحب ہیں۔

وضو کے شروع میں دونوں ہاتھوں کو دھونے کا بیان

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جب تم میں سے کوئی رات کی نیند سے بیدار ہو تو آپ نے ہاتھ کو دو یا تین مرتبہ دھونے سے پہلے برتن میں نہ ڈالے کیونکہ وہ نہیں جانتا کہ اس کے ہاتھ نے رات کہاں گذاری ہے اس باب میں ابن عمر جابر اور عائشہ صدیقہ سے بھی روایات منقول ہیں ابوعیسیٰ فرماتے ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

امام شافعی نے فرمایا میں ہر نیند سے بیدار ہونے والے کے لئے پسند کرتا ہوں کہ وہ ہاتھ دھونے سے پہلے وضو کے پانی میں نہ ڈالے اور اگر وہ وضو کے پانی میں ہاتھ دھونے سے پہلے ڈالے گا تو یہ مکروہ ہے اور پانی ناپاک نہیں ہوگا بشرطیکہ اس کے ہاتھوں کے ساتھ نجاست نہ لگی ہو۔

اور امام احمد بن حنبل نے فرمایا جب کوئی رات کو بیدار ہو اور ہاتھ پانی میں دھونے سے پہلے ڈال دے تو اس پانی کا بہا دینا بہتر ہے اسحاق نے کہا کہ جب بھی بیدار ہو رات ہو یا دن ہاتھ دھونے سے پہلے برتن میں نہ ڈالے۔ (احناف کا مؤقف آپ نے متن قدوری میں ملاحظہ کرلیا ہے۔) (جامع ترمذی، جلد اول، رقم الحدیث، 24)

وضو کے شروع میں بسم اللہ پڑھنے کا بیان

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس شخص کی نماز نہیں جسکا وضو نہیں اور اس شخص کا وضو نہیں جس نے اسکے شروع میں بسم اللہ نہ پڑھی ہو۔ (سنن ابوداؤد، جلد اول، رقم الحدیث، 100)

مسواک کرنے کی سنت کا بیان

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ انہوں نے ایک رات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گزاری پس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رات کے آخری حصہ میں اٹھے باہر نکلے اور آسمان کی طرف دیکھا پھر سورت آل عمران کی یہ آیت (اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ) 3۔آل عمران, 190) سے (فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ) تک تلاوت فرمائی پھر گھر تشریف لائے پس مسواک کی اور وضو فرمایا پھر کھڑے ہوئے اور نماز ادا فرمائی پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم لیٹ گئے پھر اٹھے اور باہر نکلے آسمان کی طرف دیکھا اور یہی آیت تلاوت فرمائی پھر واپس آئے مسواک کی اور وضو فرمایا پھر کھڑے ہوئے اور نماز ادا کی۔ (صحیح مسلم، جلد اول، رقم الحدیث، 596)

اعضائے وضو کو تین تین بار دھونے کی سنت کا بیان

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے بارے میں منقول ہے کہ، انہوں نے ایک مرتبہ وضو کیا، چنانچہ انہوں نے پہلے اپنے ہاتھوں میں تین مرتبہ پانی ڈالا پھر تین مرتبہ کلی کی اور ناک جھاڑی (یعنی ناک میں پانی دینے کے بعد ناک سن کی پھر تین مرتبہ منہ دھویا، پھر تین مرتبہ اپنا داہنا ہاتھ کہنی تک دھویا (یعنی کہنی سمیت دھویا) پھر تین مرتبہ اپنا بایاں ہاتھ کہنی تک دھویا، پھر اپنے سر کا مسح کیا، پھر اپنا

دایاں پیر تین مرتبہ دھویا، پھر بایاں پیر تین مرتبہ دھویا اور پھر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی طرح وضو کرتے دیکھا ہے جس طرح اب میں نے وضو کیا ہے، پھر فرمایا جو آدمی میرے اس وضو کی مانند وضو کرے (یعنی فرائض وسنن اور مستحبات وآداب کی رعایت کے ساتھ) پھر دو رکعت نماز پڑھے اور نماز کے اندر اپنے دل سے کچھ باتیں نہ کرے (یعنی پورے دھیان سے نماز پڑھے تو اس کے تمام پچھلے گناہ بخشے جاتے ہیں۔

(صحیح البخاری وصحیح مسلم، مشکوۃ شریف، جلد اول، رقم الحدیث، 273)

اس روایت کے الفاظ صحیح البخاری کے ہیں۔ اعضاء وضو کا تین مرتبہ سے زائد دھونا تمام علماء کے نزدیک مکروہ ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر پورے عضو تین مرتبہ دھو چکا ہے تو اب اس پر زیادتی نہ کرے یعنی تین بار سے زائد نہ دھوئے اگر ایسی شکل ہے کہ ایک چلو سے آدھا عضو دھویا اور پھر دوسرے چلو سے آدھا دھویا تو یہ ایک مرتبہ ہی کہلائے گا مثلاً اسی طرح کسی عضو کو چھ چلوں سے دھو کر تین بار کو پورا کیا تو یہ زیادتی نہ ہوگی بلکہ تین مرتبہ ہی ہوگا وضو کے بعد دو رکعت نماز پڑھنا انتہائی درجہ نہیں ہے بلکہ ادنیٰ درجہ ہے اگر زیادہ بھی پڑھے تو افضل ہے بہر حال یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ وضو کے بعد نماز یعنی تحیۃ الوضو پڑھنی مستحب ہے اگر فرض یا سنت مؤکدہ ہی پڑھے تو یہ بھی کافی ہے۔ آخر حدیث میں اس طرف اشارہ کر دیا گیا ہے کہ نماز میں حضور قلب اور خشوع و خضوع بہت زیادہ مطلوب ہے چنانچہ آخری جملہ کا یہ مطلب یہ ہے کہ جب نماز شروع کرے تو پھر اپنے دل کو نماز میں لگائے خیالات نماز سے باہر کہیں دوسری جگہ بھٹکنے نہ پائیں اور قلب میں دنیا کے خیالات اور ایسے تفکرات کو جو نماز کے منافی ہیں جگہ نہ دے خیال اللہ ہی کی طرف لگائے رکھے اگر خطرات ووساوس دل میں آئیں تو ان کو دفع کرلے ہاں اگر دل میں ایسے خطرات پیدا ہوتے ہیں جو نماز میں حضور قلب کے منافی نہیں پھر کچھ مضر نہیں۔

سر کا مسح ایک بار کرنا سنت ہے

حمران بیان کرتے ہیں حضرت عثمان غنی نے وضو کیا تین مرتبہ کلی کی، ناک میں پانی ڈالا اور چہرے کو دھویا تین مرتبہ دونوں بازو دھوئے ایک مرتبہ سر کا مسح کیا اور تین مرتبہ دونوں پاؤں دھوئے اور فرمایا میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی طرح وضو کرتے ہوئے دیکھا ہے جیسے میں نے ابھی وضو کیا پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو اس طرح وضو کرے اور دو رکعت اس طرح ادا کرے کہ ان میں اپنے خیالوں میں گم نہ ہو جائے اس کے گزشتہ تمام گناہ بخش دیئے جاتے ہیں۔ (سنن دارمی، جلد اول، رقم الحدیث، 690)

کلی اور ناک کی صفائی میں مبالغہ کرنے کا بیان

عبد خیر بیان کرتے ہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ فجر کی نماز ادا کرنے کے بعد صحن میں تشریف لائے اور صحن میں تشریف فرما ہوئے پھر آپ نے اپنے خادم کو حکم دیا پانی لاؤ راوی کہتے ہیں خادم ان کے پاس ایک برتن میں پانی لایا راوی کہتے ہیں ہم بیٹھے ہوئے ان کی طرف دیکھ رہے تھے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنا دایاں ہاتھ اس برتن میں داخل کیا اور پانی لے کر اپنے منہ میں ڈالا

آپ نے کلی کی ناک میں پانی ڈالا اور پھر اپنے بائیں ہاتھ کے ذریعے ناک صاف کیا آپ نے یہ عمل تین مرتبہ کیا پھر آپ نے فرمایا جو شخص نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کے طریقے کو دیکھنا چاہتا ہو تو یہ آپ کے وضو کا طریقہ ہے۔ یہی روایت ایک اور سند کے ہمراہ منقول ہے۔ (سنن دارمی، جلد اول، رقم الحدیث، 696)

داڑھی کے خلال کے سنت ہونے کا بیان

شقیق بن سلمہ بیان کرتے ہیں میں نے حضرت عثمان غنی کو وضو کرتے ہوئے دیکھا ہے انہوں نے اپنی ڈاڑھی کا خلال کیا تھا اور وضو کر لینے کے بعد یہ بتایا تھا کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی طرح وضو کرتے ہوئے دیکھا ہے۔

(سنن دارمی، جلد اول، رقم الحدیث، 698)

وضو میں انگلیوں کا خلال کرنے کا بیان

عاصم اپنے والد جو بنو منتفق کے وفد میں شامل تھے کے حوالے سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں جب تم وضو کرو تو اچھی طرح وضو کرو اور اپنی انگلیوں کے درمیان خلال کر لیا کرو۔ (سنن دارمی، جلد اول، رقم الحدیث، 699)

پورے سر اور کانوں کا مسح کرنے کا بیان

شقیق بن سلمہ بیان کرتے ہیں میں نے حضرت عثمان کو وضو کرتے ہوئے دیکھا انہوں نے اپنے سر اور دونوں کانوں کے اندرونی اور بیرونی دونوں حصوں کا مسح کیا تھا اور پھر وضو کر لینے کے بعد یہ ارشاد فرمایا تھا میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی طرح وضو کرتے ہوئے دیکھا ہے جیسے میں نے کیا ہے۔ (سنن دارمی، جلد اول، رقم الحدیث، 702)

حضرت معوذ بن عفراء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ہاں وضو فرمایا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پورے سر کا مسح کیا سر کے اگلے حصے سے شروع کیا اور آخری حصے تک اس طرح مسح کیا کہ بالوں کو حرکت بھی نہیں دی۔ (سنن ابوداؤد، ج ۱، ص ۱۷، دار الحدیث ملتان)

وضو کے اعضاء میں ترتیب کا بیان

حافظ ابن کثیر شافعی لکھتے ہیں کہ آیت وضو سے جمہور نے وضو کی ترتیب کے وجوب پر استدلال کیا ہے، صرف ابوحنیفہ اس کے خلاف ہیں، وہ وضو میں ترتیب کو شرط نہیں جانتے۔ ان کے نزدیک اگر کوئی شخص پہلے پیروں کو دھوئے پھر سر کا مسح کرے پھر ہاتھ دھوئے پھر منہ دھوئے جب بھی جائز ہے اس لئے کہ آیت نے ان اعضاء کے دھونے کا حکم دیا ہے۔ واؤ کی دلالت ترتیب پر نہیں ہوتی، اس کے جواب جمہور نے کئی ایک دیئے ہیں، ایک تو یہ کہ، ف، ترتیب پر دلالت کرتی ہے، آیت کے الفاظ میں نماز پڑھنے والے کو منہ دھونے کا حکم لفظ (فاغسلوا) سے ہوتا ہے۔ تو کم از کم منہ کا اول اول دھونا تو لفظوں سے ثابت ہو گیا اب اس کے بعد کے اعضاء میں ترتیب اجماع سے ثابت ہے جس میں اختلاف نظر نہیں آتا۔

پھر جبکہ ،ف، جو تعقیب کے لئے ہے اور جو ترتیب کی مقتضی ہے ایک پر داخل ہو چکی تو اس ایک کی ترتیب مانتے ہوئے دوسری کی ترتیب کا انکار کوئی نہیں کرتا بلکہ تو سب کی ترتیب کے قائل ہیں یا کسی ایک کی بھی ترتیب کے قائل نہیں۔ پس یہ آیت ان پر یقیناً حجت ہے جو سرے سے ترتیب کے منکر ہیں، دوسرا جواب یہ ہے کہ واؤ ترتیب پر دلالت نہیں کرتا اسے بھی ہم تسلیم نہیں کرتے بلکہ وہ ترتیب پر دلالت کرتا ہے جیسے کہ نحویوں کی ایک جماعت کا اور بعض فقہاء کا مذہب ہے۔ (تفسیر ابن کثیر، مائدہ، بیروت)

وضو کی سنن کی وضاحت کا بیان

وضو کی نیت کرنا۔ نیت دل کے ساتھ ہو۔ زبان سے بھی کہہ لینا مستحب ہے اس کا وقت منہ دھونے کے وقت یا اس سے پہلے ہے۔ نیت نماز کی ہو یا ایسی عبادت کی ہو جو بغیر وضو جائز نہیں ہو، یا طہارت حاصل کرنے یا اللہ تعالیٰ کی رضا اور ثواب کی نیت ہو

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمَ پڑھنا ۔ کوئی ذکر الٰہی مثلاً لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهَ یا اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وغیرہ پڑھ لے تو سنت ادا ہو جائے گی، اگر شروع میں پڑھنا بھول گیا تو جہاں یاد آئے پڑھ لینا افضل ہے، لیکن سنت ادا نہ ہو گی۔

وضو شروع کرتے وقت پہلے دونوں ہاتھوں کو کلائیوں تک تین بار دھونا جبکہ پاک ہوں اور اگر ناپاک ہوں تو دھونا فرض ہے۔

مسواک کرنا

تین بار کلّی کرنا اور ہر دفعہ جدا پانی لینا سنت ہے اور اگر روزہ دار نہ ہو تو پانی پہچانے میں مبالغہ کرنا یعنی غرغرہ کرنا افضل ہے۔ ایک ہی دفعہ کے پانی یعنی ایک ہی چلو سے تین بار کلّی کرنا جائز ہے۔

ناک میں تین بار پانی ڈالنا، ہر بار جدا پانی لے، ایک ہی چلو سے تین بار ناک میں پانی ڈالنا جائز نہیں، اگر روزہ دار نہ ہو تو اس میں مبالغہ کرنا یعنی ناک میں نرم حصہ تک پانی پہچانا اور ترتیب یعنی پہلے کلّی کرنا پھر ناک میں پانی ڈالنا افضل ہے۔

داڑھی کا خلال کرنا جبکہ داڑھی گنجان ہو اور وہ شخص احرام کی حالت میں نہ ہو، خلال کا طریقہ یہ ہے کہ دائیں ہاتھ کے چلو میں پانی لے کر داڑھی کے نیچے کے بالوں کی جڑوں میں ڈالے اور داڑھی میں انگلیاں ڈال کر نیچے کی جانب سے اوپر کو خلال کرے اور اس طرح کہ ہاتھ کی پشت گردن کی طرف رہے یعنی انگلیوں کی پشت بالوں کے ساتھ لگے اور ہتھیلی باہر کی جانب رہے۔ بعض کے نزدیک اس کی ترکیب یہ بھی ہے کہ بالوں کے نیچے سے انگلیاں اس طرح داخل کرے کہ ہتھیلی گردن کی طرف ہو اور ہاتھ کی پشت باہر کی طرف ہو تا کہ چلو کا پانی بالوں میں داخل ہو سکے۔ حدیث شریف کے الفاظ سے یہی صورت متبادر ہوتی ہے

- ہاتھ پاؤں کی انگلیوں کا خلال کرنا، ہاتھوں کی انگلیوں کے خلال کا طریقہ یہ ہے کہ ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں ڈالے اور پانی ٹپکتا ہوا ہو یہی طریقہ اولیٰ ہے۔ دوسرا طریقہ یہ بھی ہے کہ ایک ہاتھ کی ہتھیلی اس ہاتھ کی پشت پر جس کا خلال کرنا ہے رکھ کر اوپر کے ہاتھ کی انگلیاں نیچے کے ہاتھ کی انگلیوں میں ڈال کر کھینچے اور اسی طرح دوسرے ہاتھ کا خلال کرے۔ پاؤں کے خلال اس طرح کرے کہ بائیں ہاتھ کی چھنگلیا کے ذریعہ پاؤں کی انگلیوں کے نیچے سے اوپر کو خلال کرے اور دائیں پاؤں

کی چھنگلیا سے شروع کر کے بائیں پاؤں کی چھنگلیا پر ختم کرے۔ پانی میں ہاتھ یا پاؤں داخل کر دینا خلال کے لئے کافی ہے خواہ پانی جاری ہو یا نہ ہو۔ اگر انگلیاں۔ بالکل ملی ہوئی ہوں تو خلال واجب ہے

وضو کے ہر عضو کو تین تین بار دھونا اس طرح پر کہ ہر دفعہ کچھ بھی خشک نہ رہے یعنی ہر دفعہ پوری طرح دھونا۔ تین بار سے زیادہ نہ دھوئے۔

تمام سر کا ایک دفعہ مسح کرنا یعنی بھیگا ہوا ہاتھ پھیرنا۔ دونوں کانوں کا مسح کرنا۔ ترتیب سے وضو کرنا یعنی جس ترتیب سے فرائض میں بیان ہوا ہے۔

وضو کے اعضاء کا پے در پے دھونا اس طرح کہ پہلا عضو خشک ہونے سے پہلے دوسرا عضو دھونے لگنا، خشک ہونے کا اعتبار معتدل موسم کے مطابق ہوگا عذر کے ساتھ توقف۔ جائز ہے یعنی اگر پانی ختم ہوگیا تو اس کے لئے جائے۔

فصل فی آداب الوضوء

﴿یہ فصل وضو کے آداب کے بیان میں ہے﴾

وضو کے چودہ آداب کا بیان

من آداب الوضوء أربعة عشر شيئا الجلوس فی مكان مرتفع واستقبال القبلة وعدم الاستعانة بغيره وعدم التكلم بكلام الناس والجمع بين نية القلب وفعل اللسان والدعاء بالمأثور والتسمية عند كل عضو وإدخال خنصره فی صماخ أذنيه وتحريك خاتمه الواسع والمضمضة والاستنشاق باليد اليمنى والامتخاط باليسرى والتوضؤ قبل دخول الوقت لغير المعذور والإتيان بالشهادتين بعده وأن يشرب من فضل الوضوء قائما وأن يقول اللّٰهم اجعلنی من التوابين و اجعلنی من المتطهرين،

ترجمہ

چودہ چیزیں آداب وضو میں داخل ہیں۔(۱) اونچی جگہ بیٹھنا۔(۲) قبلہ کی طرف منہ کرنا۔(۳) اپنے غیر سے مدد نہ لینا (۴) دنیاوی بات چیت نہ کرنا۔(۵) دل کے ارادہ اور زبان کے فعل کا جمع کرنا۔(۶) منقول دعاؤں کا پڑھنا۔(۷) بسم اللہ پڑھنا۔(۸) اور چھنگلیاں کو دونوں کانوں کے سوراخوں میں داخل کرنا۔(۹) ڈھیلی انگوٹھی کا ہلانا۔(۱۰) داہنے ہاتھ سے کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا۔(۱۱) بائیں ہاتھ سے ناک صاف کرنا۔(۱۲) غیر معذور کے لیے وقت آنے سے پہلے وضو کر لینا۔(۱۳) اور شہادت کے ہر دو کلموں کو وضو کے بعد پڑھنا۔(۱۴) وضو سے بچے ہوئے پانی کو کھڑے ہو کر پینا۔اور دعا پڑھنا۔

اعضائے وضو میں دائیں جانب سے شروع کرنے کا بیان

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب طہارت فرماتے تو صفائی میں داہنی طرف سے ابتداء کرتے اور کنگھی کرنے اور جوتا پہننے میں (بھی) دائیں ہی طرف سے ابتداء کرنے کو پسند فرماتے تھے۔(صحیح مسلم، جلد اول، رقم الحدیث، 616)

وضو کے بعد شہادتین پڑھنے کے مستحب ہونے کا بیان

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، تم میں جو آدمی وضو کرے

اور (اس کی خوبیوں) کو انتہاء پر پہنچادے یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ الفاظ فرمائے کہ اور پورا وضو کرے پھر کہے اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ، وَرَسُوْلُہٗ، (یعنی میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ اللہ واحد کے سوا کوئی عبادت کے قابل نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور اللہ کے رسول ہیں اور ایک روایت میں ہے (کہ اس طرح کہے اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ وَحْدَہٗ، لَا شَرِيْكَ لَهٗ، وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ، وَرَسُوْلُہٗ، یعنی میں گواہی دیتا ہوں اس بات کی اللہ واحد کے سوا کوئی عبادت کے قابل نہیں وہ اکیلا ہے کوئی اس کا شریک نہیں اور شہادت دیتا ہوں اس بات کی کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور اللہ کے رسول ہیں، تو اس کے لئے جنت کے آٹھوں دروازے کھول دیئے جاتے ہیں جس دروازے میں سے اس کا جی چاہے جنت میں داخل ہو (مسلم، حمیدی، جامع الاصول) اور امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ نے مسلم کی حدیث کے آخر میں جس کو ہم نے روایت کیا ہے کہ ذکر کیا ہے کہ جامع ترمذی نے (شہادتین پر اس دعا کے) یہ الفاظ زیادہ لکھے ہیں، اے اللہ! مجھ کو توبہ کرنے والوں میں سے بنا اور پاکیزگی کرنے والوں میں شامل کر۔ (مشکوٰۃ شریف، جلد اول، رقم الحدیث، 275)

وضو کے مستحبات و آداب کا بیان

وضو کے جو اعضاء دو دو ہیں ان میں دائیں کو پہلے دھونا اور پھر بائیں کو مگر دونوں کانوں کا مسح ایک ساتھ کرے۔ گردن کا مسح

پانی اندازہ سے خرچ کرنا زیادہ خرچ کرنا فضول خرچی اور خلاف ادب ہے اور پانی میں بہت کمی نہ کرے کہ جس سے اچھی طرح دھونے میں مشکل ہو۔

وضو کے لئے ایک سیر یعنی تقریباً ایک لیٹر سے کم پانی نہ ہو۔ انگوٹھی، چھلا، کڑے، چوڑیاں اور نتھ وغیرہ اگر ڈھیلی ہوں، ان کو حرکت دے کر ان کے نیچے پانی پہچانا، لیکن اگر تنگ ہوں تو ان کے نیچے پانی پہچانے کے لئے حرکت دینا فرض ہے

وضو خود کرنا بلا عذر کسی سے مدد نہ لینا (اگر کوئی اپنی مرضی سے مدد دے اور وضو کرنے والا اعضاء کو خود دھوئے تو بلا عذر بھی مضائقہ نہیں)

وضو کرتے وقت بلا ضرورت دنیاوی باتیں کرنا۔ دائیں ہاتھ سے پانی لے کر کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا اور بائیں ہاتھ سے ناک صاف کرنا۔

منھ پر پانی آہستہ سے ڈالنا یعنی منھ پر طمانچہ سا نہ مارے۔

اعضاء کو دھوتے وقت ہاتھ سے ملنا۔

کانوں کے مسح کے وقت کانوں کے سوراخوں میں چھوٹی انگلی کا سر بھگو کر ڈالنا۔

ہمیشہ اور خاص طور پر سردیوں میں ہاتھ اور پیر کو دھوتے وقت پہلے گیلے ہاتھ سے ان کو ملنا تا کہ دھوتے وقت اچھی طرح اور آسانی سے ہر جگہ پانی بہہ جائے۔

مستعمل پانی کپڑوں سے بچا کر رکھنا۔ نماز کے وقت سے پہلے وضو کرنا جبکہ معذور نہ ہو۔ وضو کے وقت قبلہ کی طرف منھ کرنا۔ اونچی اور پاک جگہ بیٹھنا۔

اطمینان سے وضو کرنا اور اعضاء کے دھونے اور خلال وغیرہ کو پوری طرح دھونا اتنی جلدی نہ کرے کہ کوئی مستحب ترک ہو جائے۔

وضو کے برتن کو پکڑنے کی جگہ سے تین بار دھونا۔ منہ دھوتے وقت اوپر سے نیچے کو پانی ڈالنے اور ہاتھ پیروں پر انگلیوں کی طرف سے ڈالے، سر کا مسح اگلی طرف سے شروع کرے۔

پاؤں پر پانی دائیں ہاتھ سے ڈالنا اور بائیں ہاتھ سے ملنا۔ اعضاء کا دھونا جہاں تک واجب ہے اس سے کچھ زائد دھونا۔

جس کپڑے سے استنجاء کے مقام کو پونچھا ہو اس سے اعضاء وضو کو نہ پوچھنا۔ مٹی کے برتن سے وضو کرنا۔

وضو کے وقت اگر برتن چھوٹا ہو تو جیسے لوٹا وغیرہ تو بائیں طرف رکھنا اور اگر بڑا ہو جیسے ٹب وغیرہ تو دائیں طرف رکھے اور ہاتھ ڈال کر چلو سے پانی لے۔ ہاتھوں کو نہ جھاڑنا۔

نماز کے لئے وضو کی نیت کرنا اور نیت دل وزبان دونوں سے کرنا۔

ہر عضو کو دھوتے وقت بسم اللہ، درود شریف، کلمہ شہادت اور حدیثوں میں آئی ہوئی دیگر دعائیں پڑھنا۔

وضو کا بچا ہوا پانی قبلہ کی طرف منہ کر کے کھڑے ہو کر یا بیٹھ کر پینا۔ وضو کے بعد دو رکعت تحیۃ الوضو پڑھنا۔

وضو کے بعد درود شریف و کلمہ شہادت اور یہ دعا پڑھنا اللھم اجعلنی من التوّابین واجعلنی من المطھرین و اجعلنی من عبادك الصالحین ط

اعضاء وضو کو نہ پوچھنا جبکہ اس کی ضرورت نہ ہو اور جب پونچھے تو کچھ نمی رہنے دے۔ جب وضو کر چکے تو دوسری نماز کے وضو کے لئے پانی بھرنا۔

فصل فی مکروهات الوضوء

ویکره للمتوضیء ستة أشیاء الإسراف فی الماء والتقتیر فیه و ضرب الوجه به والتکلم بکلام الناس والاستعانة بغیره من غیر عذر وتثلیث المسح بماء جدید

ترجمہ

وضو میں چھ چیزیں مکروہ ہیں۔(۱) پانی میں اسراف (۲) پانی میں کمی کرنا۔(۳) چہرے پر پانی کو مارنا۔(۴) دنیاوی بات چیت کرنا۔(۵) بغیر عذر کیا اپنے غیر سے مدد لینا۔(۶) تین بار سر کا مسح کرنا ہر بار نیا پانی لینا۔

مکروہات وضو

اصول یہ ہے کہ جو چیزیں مستحب ہیں ان کے خلاف کرنا مکروہ ہے اسی طرح جو چیزیں مکروہ ہیں ان سے بچنا مستحب ہے، کچھ مشہور مکروہات درج ذیل ہیں۔

ناپاک جگہ پر وضو کرنا یا ناپاک جگہ پر وضو کا پانی ڈالنا۔ کلی کے لئے بائیں ہاتھ سے پانی لینا۔ بائیں ہاتھ سے ناک میں پانی ڈالنا۔ بلا عذر دائیں ہاتھ سے نال صاف کرنا یا استنجاء کرنا۔ منہ پر سختی سے یعنی طمانچہ کی طرح پانی مارنا۔ پانی اس قدر کم خرچ کرنا کہ مستحب طریقہ پر وضو ادا نہ ہو۔ پانی ضرورت سے زیادہ خرچ کرنا۔ تین بار سے زیادہ اعضاء کو دھونا۔ تین بار نیا پانی لے کر مسح کرنا۔• وضو کے اعضاء کے علاوہ کسی اور عضو کو بلا ضرورت دھونا۔ وضو کرنے میں بلا ضرورت دنیاوی باتیں کرنا۔ وضو کے بعد ہاتھوں کا پانی جھٹکنا۔ مسجد میں اپنے لئے کسی برتن کو خاص کر لینا۔ عورت کے غسل یا وضو کے بچے ہوئے پانی سے وضو کرنا۔ وضو کے پانی میں تھوکنا یا ناک صاف کرنا خواہ وہ جاری پانی ہو۔ مسجد کے اندر وضو کرنا۔ لوٹے یا کپڑے وغیرہ پر اعضاء وضو سے پانی ٹپکانا۔ بلا عذر ایک ہاتھ سے منہ دھونا۔ گلے (حلقوم) کا مسح کرنا۔• دھوپ کے گرم پانی سے وضو کرنا۔ ہونٹ یا آنکھیں زور سے بند کرنا۔ وضو کے لئے بلا عذر کسے دوسرے سے مدد لینا۔ سنت طریقے کے خلاف وضو کرنا

فصل فی اقسام الوضوء

﴿یہ فصل اقسام وضو کے بیان میں ہے﴾

وضو کی تین اقسام کا بیان

الوضوء على ثلاثة أقسام الأول فرض على المحدث للصلاة ولو كانت نفلا ولصلاة الجنازة وسجدة التلاوة ولمس القرآن ولو آية والثاني واجب للطواف بالكعبة والثالث مندوب للنوم على طهارة وإذا استيقظ منه وللمداومة عليه وللوضوء على الوضوء وبعد غيبة وكذب ونميمة وكل خطيئة وإنشاد شعر وقهقهة خارج الصلاة وغسل ميت وحمله ولوقت كل صلاة وقبل غسل الجنابة وللجنب عند أكل وشرب ونوم ووطء ولغضب وقرآن وحديث وروايته ودراسة علم وأذان وإقامة وخطبة وزيارة سيدنا النبي صلى الله عليه وسلم ووقوف بعرفة وللسعي بين الصفا والمروى وأكل لحم جزور وللخروج من خلاف العلماء كما إذا مس امرأة۔

ترجمہ

وضو تین قسم پر ہے۔اول قسم فرض ہے اس شخص پر جو بے وضو ہو۔نماز کے لیے اگر چہ نفل ہی ہو۔اور جنازہ کی نماز اور سجدہ تلاوت کے لیے۔اور قرآن پاک کو چھونے کے لیے۔اگر چہ ایک ہی آیت ہو۔
دوسری قسم واجب ہے کعبہ مکرمہ کے طواف کے لیے۔تیسری قسم مستحب ہے باوضو سونے کے لیے اور جب نیند سے جاگے۔اور ہمیشہ باوضو رہنے کے لیے۔اور وضو پر وضو۔اور غیبت اور جھوٹ اور چغلی کے بعد ہر گناہ کے بعد اور شعر پڑھنے کے بعد اور نماز کے باہر قہقہہ لگانے کے بعد اور غسل میت اور جنازہ اٹھانے کے بعد اور نماز کے وقت پر اور غسل جنابت سے پہلے اور جنبی کے لیے کھانے پینے سونے اور وطی کرنے کے لیے وقت اور غصہ کے وقت۔قرآن شریف،حدیث شریف،روایت حدیث اور کسی علم کے پڑھنے کے وقت،اذان،تکبیر،خطبہ،حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے وقت،وقوف عرفہ اور سعی بین الصفا والمروہ کے وقت۔اونٹ کا گوشت کھانے کے بعد اور علماء کے اختلاف سے بری ہونے کے لیے مثلاً جبکہ مس امراۃ کر لے۔

محدث پر وضو فرض ہونے کا بیان

ابن بریدہ بیان اپنے والد کے حوالے سے یہ بات نقل کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہر نماز کے لئے از سر نو وضو کیا کرتے تھے یہاں تک کہ فتح مکہ کے دن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ہی وضو سے کئی نمازیں ادا کیں۔ اور اس دن آپ نے موزوں پر مسح کیا حضرت عمر نے آپ کی خدمت میں عرض کی آج میں نے آپ کو ایسا عمل کرتے ہوئے دیکھا ہے جو آپ نے پہلے کبھی نہیں کیا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا اے عمر میں نے جان بوجھ کر ایسا کیا ہے۔ امام دارمی فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فعل اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اللہ کے اس فرمان کا تعلق بے وضو شخص کے ساتھ ہے باوضو شخص کے ساتھ نہیں اللہ کا فرمان ہے، جب تم نماز پڑھنے لگو تو اپنے چہرے دھو لیا کرو۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان سے یہی بات ثابت ہوتی ہے کہ وضو ٹوٹنے پر ہی لازم ہوتا ہے۔ (سنن دارمی، جلد اول، رقم الحدیث، 657)

اقسام وضو کا بیان

فرض۔ یہ ہر نماز کے لئے ہے خواہ نماز فرض ہو یا واجب یا سنت و نفل ہو، سجدہ تلاوت کے لئے، قرآن شریف کو بلا غلاف چھونے کے لئے، نماز جنازہ کے لئے، واجب۔ یہ کعبہ مکرمہ کے طواف کے لئے ہے

مستحب۔ یہ موقع بکثرت ہیں جن میں سے چند یہ ہیں۔ ہر وقت باوضو رہنے کے لئے۔ نماز کے باہر قہقہے کے بعد۔ غیبت و برے کام کے بعد۔ وضو کے ہوتے ہوئے وضو کرنا۔ عالم کی زیارت کے لئے۔ کھانا کھانے کے لئے۔ غسل میت کے لئے۔ میت کو غسل دینے کے بعد۔ اذان و تکبیر کہنے کے لئے۔ زیارت قبور کے لئے۔ علم دین کی تعلیم کے وقت۔ دین کی کتاب چھوتے وقت۔ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے وقت۔ روضہ اطہر کی زیارت کے وقت۔

طواف کے لئے وضو کرنے کا بیان

علامہ ابن قدامہ المقدسی رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں۔ طواف کی صحت کیلئے وضو شرط ہے، امام احمد سے مشہور یہی ہے اور امام مالک، امام شافعی رحمہما اللہ کا بھی یہی قول ہے۔ جمہور علماء کرام نے اس قول پر کئی ایک دلائل سے استدلال کیا ہے جن میں سے چند ایک یہ ہیں۔

(۱) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: بیت اللہ کا طواف نماز ہے، لیکن اس میں تم کلام کر سکتے ہو۔

(سنن ترمذی، رقم الحدیث، (960)

(۲) صحیحین میں عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے وہ بیان کرتی ہیں کہ: رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب طواف کرنے کا ارادہ کرتے تو آپ وضوء کرتے تھے۔ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: مجھ سے اپنے مناسک حاصل کر لو (حج و عمرہ کا طریقہ حاصل کر لو۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث، (1297)

(۳) صحیحین میں ہے کہ جب عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو حیض آیا تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں فرمایا تھا: (تم حاجیوں والے سارے اعمال سرانجام دو لیکن پاک صاف ہونے سے قبل طواف نہ کرنا)۔

فصل فی نواقض الوضوء

﴿یہ فصل وضو کے نواقض کے بیان میں ہے﴾

وضو کو توڑنے والی اشیاء کا بیان

ینقض الوضوء اثنا عشرة شيئا ما خرج من السبيلين إلا ريح القبل في الأصح وينقضه ولادة من غير رؤية دم ونجاسة سائلة من غيرهما كدم وقيح وقيء طعام أو ماء أو علق أو مرة إذا ملأ الفم وهو ما لا ينطبق عليه الفم إلا بتكلف على الأصح ويجمع متفرق القيء إذا اتحد سببه ودم غلب على البزاق أو ساواه ونوم لم تتمكن فيه المقعدة من الأرض وارتفاع مقعدة نائم قبل انتباهه وإن لم يسقط في الظاهر وإغماء وجنون وسكر وقهقهة بالغ يقظان في صلاة ذات ركوع وسجود ولو تعمد الخروج بها من الصلاة ومس فرج بذكر منتصب بلا حائل،

ترجمہ

بارہ چیزیں وضو توڑ دیتی ہیں۔(۱) وہ چیز جو سبیلین سے نکلے مگر اصح مذہب کے مطابق وہ ہوا جو پیشاب کی راہ سے نکلے (۲) اور توڑ دیتی ہے وضو کو پیدائش بغیر خون نظر آئے۔ ہرناپاکی جو سبیلیں کے علاوہ بدن کے کسی حصہ سے بہنے لگے۔ جیسے خون، پیپ (۴) کھانے یا پانی یا خون بستہ یا پت کی قے جبکہ منہ بھر کر ہو یعنی اتنی ہو کہ بلا تکلیف منہ بند نہ ہو سکے۔ جب قے کا سبب ایک ہو تو متفرق قے کو جمع کر کے اندازہ کیا جائے گا۔(۵) وہ خون جو غالب وہ تھوک پر یا اس کی برابر ہو۔(۶) ایسی نیند کہ اس میں مقعد زمین پر نہ ٹکا ہو۔ جیسے کروٹ سے سویا ہو۔(۷) سونے والے کی سرین کا جاگنے سے پہلے اوپر کو اٹھ جانا۔ اگر چہ وہ گرا نہ ہو۔ ظاہر روایت کے مطابق۔(۸) بے ہوش ہونا (۹) پاگل ہونا۔(۱۰) نشہ (۱۱) بالغ، بیدار شخص کا قہقہہ لگانا، ایسی نماز میں جو رکوع اور سجدہ والی ہو اگر چہ اس نے نماز سے خارج ہونے کا قصد ہی کیا ہو۔(۱۲) چھونا فرج کا منتشر آلہ سے بغیر کسی حائل کے۔

خروج ہوا وغیرہ کے سبب نقض وضو پر فقہی بیان

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کسی کو حدث ہو جائے تو اللہ

تعالیٰ اس وقت تک اس کی نماز قبول نہیں فرماتا جب تک وضو نہ کر لے ابو عیسیٰ کہتے ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے اور اس باب میں عبداللہ بن زید علی بن طلق عائشہ ابن عباس اور ابو سعید سے بھی روایات مذکور ہیں ابو عیسیٰ کہتے ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے اور یہ علماء کا قول ہے کہ وضو اس وقت تک واجب نہیں ہوتا جب تک حدث نہ ہو اور وہ آواز نہ سنے یا بو نہ آئے ابن مبارک کہتے ہیں اگر شک ہو تو وضو واجب نہیں ہوتا یہاں تک کہ اس حد تک یقین ہو جائے کہ اس پر قسم کھا سکے اور کہا ہے کہ جب عورت کے قبل سے ریح نکلے تو بھی اس پر وضو واجب ہے یہی قول ہے امام شافعی اور اسحاق کا۔ (جامع ترمذی، جلد اول، رقم الحدیث، 74)

خون بہہ جانے کے سبب وضو کے ٹوٹ جانے کا بیان

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: خون کے ایک قطرہ اور دو قطروں میں وضو نہیں ہے حتیٰ کہ وہ خون بہنے والا ہو۔ (دار قطنی، جلد، ۱ کتاب الوضو، دار قطنی، بیہقی)

قئے کے منہ بھر ہونے یا نہ ہونے کی تعریف کا بیان

علامہ محمود بخاری لکھتے ہیں امام حسن بن زیاد فرماتے ہیں کہ اگر قئے اس طرح آئے جس کو روکنا اور قابو کرنا انسان کے بس میں نہ ہو تو وہ منہ بھر قئے ہوگی اور اگر قئے اس طرح کی ہے کہ انسان اس کو روک سکتا ہے اور قابو کر سکتا ہے تو وہ منہ بھر قئے نہیں۔

جبکہ بعض مشائخ نے اس میں اضافہ کیا ہے کہ وہ قئے جسے انسان نہ روک سکتا ہو اور نہ ہی اس پر قابو پا سکتا ہو مگر تکلیف کے ساتھ اسے قابو کرنا ممکن ہو تو وہ منہ بھر نہ ہوگی اور جس قئے کو تکلیف کے ساتھ بھی قابو کرنا ممکن نہ ہو وہ منہ بھر کر ہوگی۔ اور کثیر مشائخ فقہاء نے بھی اسی قول کو صحیح قرار دیا ہے۔ جبکہ شمس الائمہ حلوانی فرماتے ہیں کہ قئے کے منہ بھر ہونے یا نہ ہونے کا اعتبار صاحب قئے کے حال پر چھوڑ دیں گے کہ اگر اس کے دل میں یہ خیال ہوا کہ وہ منہ بھر تھی تو وہ منہ بھر ہوگی۔

(المحیط البرهانی فی الفقه النعمانی، ج ۱، ص ۳۲، بیروت)

قئے اور نکسیر وغیرہ سے وضو کے ٹوٹ جانے کا بیان

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قے کی اور وضو کیا پھر جب میری ملاقات ثوبان سے دمشق کی مسجد میں ہوئی اور میں نے ان سے اس کا ذکر کیا انہوں نے کہا سچ کہا ابو درداء نے اس لئے کہ میں نے خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کے لئے پانی ڈالا تھا اور اسحاق بن منصور نے معدان بن طلحہ کہا ہے امام ابو عیسیٰ ترمذی کہتے ہیں اکثر صحابہ و تابعین سے مروی ہے وضو کرنا قے اور نکسیر سے۔ اور سفیان ثوری ابن مبارک اور احمد اسحاق کا یہی قول ہے اور بعض اہل علم نے کہا جن میں امام مالک اور امام شافعی بھی ہیں کہ قے اور نکسیر سے وضو نہیں ٹوٹتا۔

حسن بن معلم نے اس حدیث کا بہت اچھا کہا ہے اور حسین کی روایت کردہ حدیث اس باب میں زیادہ صحیح ہے اور معمر نے یہ حدیث روایت کی یحییٰ بن کثیر سے اور اس میں غلطی کی ہے وہ کہتے ہیں یحییٰ بن ولید سے وہ خالد بن معدان سے وہ ابو درداء رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں انہوں نے اس سند میں اوزاعی کا ذکر نہیں کیا اور کہا کہ خالد بن معدان سے روایت ہے جبکہ

معدان بن ابوطلحہ صحیح ہے۔ (جامع ترمذی، جلد اول، رقم الحدیث، 83)

امام ترمذی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ کہ حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قئے کی اور وضو فرمایا۔

علامہ ابن محمود بابرتی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ خون اور پیپ جب زندہ انسان کے بدن سے بہہ نکلیں تو یہ ناقض وضو ہیں حضرات صحابہ کرام میں سے عشرہ مبشرہ، حضرت عبداللہ بن مسعود، زید بن ثابت اور حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہم اور جلیل القدر تابعین کا یہی مذہب ہے اور ان اسلاف نے خروج کی قید کے ساتھ معلق کیا ہے کیونکہ نفس ''دم'' یا پیپ'' غیر ناقض وضو ہیں لیکن جب یہ دونوں خارج ہوں گے تو ناقض وضو ہیں۔ لہٰذا ان میں صفت خروج کا پایا جانا ضروری ہے۔ اور زندہ آدمی کے بدن سے خروج کو اسی لئے بیان کیا گیا ہے کہ جب یہ دونوں مردہ آدمی کے جسم سے خارج ہوں تو ناقض وضو یا غسل نہیں ہیں بلکہ صرف اسی جگہ کو دھویا جائے گا جہاں سے ان کا خروج ہوا۔ اس کا بیان عنقریب واجبات غسل میں آئے گا۔

تجاوز کی شرائط اس لئے بیان ہوئی ہیں کہ محض نجاست کا ظاہر ہونا نجس نہیں ہے بلکہ جب ان کا خروج اس جگہ کی طرف ہو جس کو طہارت کا حکم شامل ہے تب یہ نجس ہوں گے۔ ورنہ نہیں۔ (عنایہ شرح ہدایہ، ج ۱، ص ۴۵، بیروت)

وضو کو توڑنے والی نیند کا بیان

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں سوئے ہوئے تھے یہاں تک کہ خراٹے لینے لگے یا فرمایا لمبے لمبے سانس لینے لگے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے اور نماز پڑھنے لگے میں نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو سو گئے تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وضو اس پر واجب ہوتا ہے جو لیٹ کر سوئے اس لئے کہ لیٹ جانے سے جوڑ ڈھیلے پڑ جاتے ہیں ابو عیسیٰ کہتے ہیں کہ ابو خالد کا نام یزید بن عبدالرحمٰن ہے اور اس باب میں حضرت عائشہ اور ابن مسعود اور ابو ہریرہ سے بھی روایات منقول ہے۔

(جامع ترمذی، جلد اول، رقم الحدیث، 75)

حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، آنکھیں سرین کا سر بند ہیں چنانچہ آنکھ سو جاتی ہے تو سر بند کھل جاتا ہے۔ (دارمی، مشکوٰۃ شریف، جلد اول، رقم الحدیث، 299)

جب انسان جاگتا رہتا ہے تو گویا اس کے مقعد پر بند لگا رہتا ہے جس کی وجہ سے ہوا خارج نہیں ہوتی بلکہ رکی رہتی ہے اور اگر خارج ہوتی ہے تو اس کا احساس ہوتا ہے جب سو جاتا ہے تو چونکہ وہ بے اختیار ہو جاتا ہے جوڑ ڈھیلے پڑ جاتے ہیں تو ہوا کے خارج ہونے کا گمان رہتا ہے جس کا اسے یقینی احساس نہیں ہو سکتا اسی لیے نیند کو ناقض وضو کہا جاتا ہے۔

نیند کے سبب وضو کے ٹوٹ جانے کا بیان

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کو نیند آ جایا کرتی تھی پھر اٹھ کر نماز پڑھ

لیتے اور وضو نہ کرتے امام ابوعیسیٰ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے صالح بن عبداللہ کہتے ہیں میں نے ابن مبارک سے اس آدمی کے متعلق پوچھا جو تکیہ لگا کر سوتا ہے فرمایا اس پر وضو نہیں سعید بن عروبہ نے قتادہ کے واسطہ سے حضرت ابن عباس سے حدیث روایت کی ہے اس میں ابوعالیہ کا ذکر نہیں اور نہ ہی اسے مرفوعا روایت کیا ہے نیند سے وضو کے واجب ہونے کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے۔

اکثر علماء جن میں ابن مبارک سفیان ثوری اور امام احمد شامل ہیں کا قول یہ ہے کہ اگر بیٹھ کر یا کھڑے ہو کر سوئے تو وضو واجب نہیں ہوتا یہاں تک کہ لیٹ کر سوئے بعض اہل علم کے نزدیک اگر اس کی عقل پر نیند غالب ہو جائے تو وضو واجب ہے اسحاق کا یہی قول ہے امام شافعی فرماتے ہیں کہ اگر کوئی بیٹھ کر سوتے ہوئے خواب دیکھے یا نیند کے غلبے کی وجہ سے سرین اپنی جگہ سے ہٹ جائے تو اس پر وضو واجب ہے۔ (جامع ترمذی، جلد اول، رقم الحدیث، 76)

قہقہ کے سبب وضو کے ٹوٹ جانے کا فقہی بیان

حضرت معبد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نماز پڑھ رہے تھے اس وقت ایک نابینا نماز پڑھنے آیا وہ ایک گڑھے میں گر گیا تو نمازی ہنسنے لگے حتیٰ کہ انہوں نے قہقہ لگایا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز سے فارغ ہو کر فرمایا: تم میں سے جو قہقہ لگا کر ہنسا ہے وہ وضو اور نماز دونوں دہرائے۔

(سنن دار قطنی، ۶۱۱، تحقیق ابن جوزی، ۲۳۹، خلافیات بیہقی ج ۱، ص ۳۸۲، ابن حبان، طبرانی، ابوداؤد، بتصرف اسنادھا)

امام دار قطنی ۶۸ مختلف اسناد سے احادیث لائے ہیں جن کا مفاد یہ ہے کہ قہقہ فی الصلوٰۃ میں نماز و وضو کا اعادہ ہے جبکہ ضحک میں وضو نہیں۔ عن جابر قال لیس فی الضحک وضوء۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ضحک میں وضو نہیں۔ (سنن دار قطنی، ج ۱، ص ۱۷۲، دار المعرفہ بیروت)

ہمارے نزدیک قہقہ ناقض وضو اور ناقض صلوٰۃ دونوں ہے۔ اس کی دلیل مذکورہ حدیث اور اسی طرح ایک حدیث نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ سات چیزوں کے سبب وضو کا اعادہ کیا جائے ان میں سے ایک نماز میں قہقہ ہے۔ علمائے اصول حدیث نے اس حدیث کو مرسل اور مسند تسلیم کیا ہے۔ اور فقہاء احناف اور جمہور کے نزدیک مرسل حدیث حجت ہے۔ اور جو روایت مسند ہے وہ حضرت عبداللہ بن عمر، معبد خزاعی، ابوہریرہ، جابر، انس، عمران بن حصین اور حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہم صحابہ کرام ہیں۔ اور علمائے تخریج نے اسناد کے تمام طرق بیان کیے ہیں۔ (شرح الوقایہ، ج ۱، ص ۳۱، بیروت)

عورت کو چھونے کے سبب عدم فساد وضو کا بیان

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بعض بیویوں کا بوسہ لیتے تھے اور بغیر وضو کے (پہلے ہی وضو سے) نماز پڑھ لیتے تھے (ابوداؤد، جامع ترمذی، سنن نسائی ابن ماجہ) جامع ترمذی نے کہا ہے کہ ہمارے علماء کے نزدیک کسی حال میں عروہ کی سند حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نیز ابراہیم تیمی کی بھی سند حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے صحیح نہیں ہے

اور ابوداؤد نے کہا ہے کہ یہ حدیث مرسل ہے اس لیے کہ ابراہیم تیمی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نہیں سنا ہے۔

(مشکوۃ شریف، جلد اول، رقم الحدیث، 304)

اس مسئلہ میں بھی علماء کا اختلاف ہے چنانچہ حضرت امام شافعی رحمہ اللہ علیہ اور امام مسند احمد بن حنبل کے نزدیک غیر محرم عورت کو چھونے سے وضوٹوٹا جاتا ہے، حضرت امام مالک رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ غیر محرم عورت کو اگر شہوت کے ساتھ چھوئے تو وضوٹوٹ جائے گا، ورنہ نہیں ٹوٹے گا۔

ہمارے امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ علیہ کے نزدیک وضونہیں ٹوٹتا، ان کی دلیل یہی حدیث ہے، نیز حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ایک دوسری حدیث بھی جو صحیح البخاری وصحیح مسلم میں مذکور ہے حضرت امام اعظم رحمہ اللہ علیہ کی دلیل ہے جس میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب رات میں تہجد پڑھنے کے لیے بیدار ہوتے تو میں سوتی رہتی اور میرے دونوں پاؤں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سجدہ کی جگہ پڑے رہتے تھے چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ کے وقت میرے پیروں میں ٹھونکا دیتے تھے تو میں اپنے پیر سمیٹ لیتی تھی، لہٰذا اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ عورت کے چھونے سے وضونہیں ٹوٹتا۔

فصل فيما لا ينقض الوضوء

یہ فصل وضو کو نہ توڑنے والی اشیاء کے بیان میں ہے

وضو کو نہ توڑنے والی اشیاء کا بیان

عشرة أشياء لا تنقض الوضوء ظهور دم لم يسل عن محله وسقوط لحم من غير سيلان دم كالعرق المدني الذي يقال له رشته وخروج دودة من جرح وإذن وأنف ومس ذكر ومس امرأة وقيء لا يملا الفم وقيء بلغم ولو كثيرا وتمايل نائم احتمل زوال مقعدته ونوم متمكن ولو مستندا الى شيء لو أزيل سقط على الظاهر فيهما ونوم مصل ولو راكعا أو ساجدا على جهة السنة، والله الموفق،

ترجمہ

وضو کو توڑنے والی دس چیزیں ہے۔(۱) خون کا ظاہر ہونا جو اپنی جگہ سے نکلا ہو۔(۲) خون بہے بدون گوشت کا گر جانا۔جیسے عرق مدنی جس کو فارسی میں رشتہ کہا جاتا ہے۔(۳) کیڑے کا زخم سے یا کان سے یا ناک سے نکلنا۔(۴) ذکر کا چھونا۔(۵) عورت کا چھونا۔(۶) قے جو منہ کو نہ بھرے۔(۷) بلغم کی قے اگر چہ بلغم زیادہ ہو(۸) سونے والے کا جھکنا مقعد کے ہٹ جانے کا احتمال ہو۔(۹) اس شخص کی نیند جس کی سرین زمین پر جمی ہوئی ہو۔اگر چہ وہ کسی ایسی چیز پر سہارا لگائے ہوئے ہو کہ اس چیز کو ہٹا دیا جائے تو وہ گر لائے (۱۰) نماز پڑھنے والے کا سونا۔اگر چہ وہ رکوع یا سجدہ کی حالت میں ہو۔دونوں سنت کے مطابق ہوں۔واللہ الموفق

شرح

جن چیزوں سے وضو ٹوٹ جاتا ہے اور جن سے وضو نہیں ٹوٹتا۔جن چیزوں سے وضو ٹوٹ جاتا ہے وہ دو قسم کی ہیں۔ جو انسان کے جسم سے نکلیں۔جیسے پیشاب، پاخانہ، ریح وغیرہ۔ جو انسان پر طاری ہو جیسے بیہوشی، نیند وغیرہ جسم انسانی سے نکلنے والی چیزوں کی بھی دو قسمیں ہیں۔ جو پیشاب و پاخانہ کے راستہ سے نکلے،

وہ جو باقی جسم کے کسی مقام سے نکلے جیسے قے، خون وغیرہ ان دو راستوں کے علاوہ جسم کے باقی حصہ کے کسی مقام سے کچھ نکلنے کی یہ صورتیں ہیں۔کوئی ناپاک چیز نکلے اور جسم پر بہے مثلاً خون، کچ لہو یا پیپ وغیرہ تو وضو ٹوٹ جاتا ہے خواہ تھوڑی سی بہے۔اگر

آنکھ میں خون نکل کر آنکھ میں ہی بہا اور باہر نہیں نکلا تو وضو نہیں ٹوٹا کیونکہ آنکھ کو اندر کا حصہ نہ وضو میں دھونا فرض ہے نہ غسل میں، اور اگر باہر نکل کر بہا تو وضو ٹوٹ جائے گا۔ قے میں اگر پت، خوں یا کھانا یا پانی منہ بھر کر نکلے تو وضو ٹوٹ جائے گا اگر منہ بھر سے کم ہو تو وضو نہیں ٹوٹے گا۔ منہ بھر وہ ہو جو بغیر مشقت نہ رک سکے اگر خالص بلغم نکلے تو وضو نہیں ٹوٹے گا خواہ منہ بھر ہی ہو۔ منہ یا دانتوں سے خون تھوک کے ساتھ مل کر آئے تو اگر خون غالب یا برابر ہے تو وضو جاتا رہے گا اور کم ہے تو نہیں ٹوٹا۔ اگر زخم پر خون ظاہر ہوا اور اس کو انگلی یا کپڑے سے پونچھ لیا پھر ظاہر ہوا پھر پونچھ لیا کئی بار ایسا کیا اگر یہ سب دفعہ کا خون مل کر اتنا ہو جاتا ہے کہ بہ جائے تو وضو ٹوٹ گیا۔ ورنہ نہیں۔ اگر آنکھ یا کان یا چھاتی یا ناف یا کسی حصہ جسم سے درد کے ساتھ پانی نکلا تو اس سے وضو ٹوٹ جائے گا، اگر بغیر درد کے نکلا تو وضو نہیں ٹوٹے گا، اگر آنکھ نہ دکھتی ہو، نہ اس میں کھٹک ہوتی ہو اور محض نزلہ کی وجہ سے یا یونہی پانی بہے یا آنسو نکل آئے تو وضو نہیں ٹوٹے گا۔ اگر جما ہوا خون مسور کے دانے کے برابر ناک صاف کرتے وقت نکلے تو وضو باقی رہا وضو توڑنے والی دوسری قسم یعنی جو انسان پر طاری ہوتی ہے اس کی یہ صورتیں ہیں۔ نیند، لیٹ کر سونا خواہ چت ہو یا پٹ یا کروٹ پر یا تکیہ وغیرہ کے سہارے سے ہو یا کسی اور شکل پر ہو جس سے سرین زمین سے جدا ہو جائیں یا صرف ایک سرین پر سہارا دے کر سو جائے تو وضو ٹوٹ جائے گا۔ ہارے کا مطلب یہ ہے کہ اگر سہارا ہٹا لیا جائے تو وہ گر پڑے اور سرین زمین سے جدا ہو جائے اور اگر بغیر سہارا لئے کھڑے کھڑے یا بغیر سہارا لگائے بیٹھ کر سو جائے یا نماز کی کسی ہیئت پر جو مردوں کے لئے مسنون مثلاً سجدہ یا قعدے میں مسنونہ ہیئت پر سو گیا تو وضو نہیں ٹوٹے گا۔ اگر دونوں سرین پر بیٹھا ہے، گھٹنے کھڑے ہیں، ہاتھ پنڈلیوں پر لپٹے ہوئے ہیں اور۔ سر گھٹنوں میں ہے تو اس حالت مین سونے سے وضو نہیں ٹوٹے گا۔ بیہوشی، خواہ بیماری یا کسی اور وجہ سے ہو مثلاً غشی، جنوں، مرگی اور نشہ وغیرہ سے بیہوشی ہو جائے تو وضو ٹوٹ جاتا ہے اگر چہ تھوڑی دیر ہی ہو اس کی حد یہ ہے کہ اس کے پاؤں میں لغزش آجائے۔ نماز کے اندر قہقہہ مارنا یعنی اس طرح کھلکھلا کر ہنسنا کہ اس برابر والے سن لیں، قہقہہ وضو اور نماز دونوں کو توڑتا ہے خواہ عمداً ہو یا سہواً، اگر نماز کے باہر قہقہہ سے ہنسے تو وضو نہیں ٹوٹتا۔ مباشرت فاحشہ یعنی عورت اور مرد کی شرمگاہوں کا اسطرح ملنا کہ ننگے ہوں تو وضو ٹوٹ جائے گا۔

فصل فی ما یوجب الاغتسال

﴿یہ فصل غسل کو واجب کرنے والی چیزوں کے بیان میں ہے﴾

وجوب غسل کے اسباب کا بیان

یفترض الغسل بواحد من سبعة أشياء خروج المنى الى ظاهر الجسد إذا انفصل عن مقره بشهوة من غير جماع وتوارى حشفة وقدرها من مقطوعها فى أحد سبيلى آدمى حى وإنزال المنى بوطء ميتة أو بهيمة ووجود ماء رقيق بعد النوم اذا لم يكن ذكره منتشرا قبل النوم ووجود بلل ظنه منيا بعد إفاقته من سكر وإغماء وبحيض ونفاس ولو حصلت الأشياء المذكورة قبل الإسلام فى الأصح ويفترض تغسيل الميت كفاية

ترجمہ

سات چیزوں میں کسی ایک چیز کے پائے جانے سے غسل واجب ہو جاتا ہے۔(۱) منی کا خارج ہونا بدن کے بیرونی حصہ کی جانب۔ بشرطیکہ منی اپنی قرارگاہ سے شہوت کے ساتھ جدا ہوئی ہو جماع کے بدون۔(۲) حشفہ کا چھپ جانا، اور حشفہ کٹے ہوئے شخص کا حشفہ کی مقدار زندہ آدمی کے سبیلین میں سے کسی ایک میں داخل ہونے سے بھی غسل فرض ہو جاتا ہے۔

(۳) منی کا انزال مردہ یا چوپائے کے ساتھ وطی کرنے کی۔(۴) سونے کے بعد پتلے پانی کا پایا جانا جبکہ آلہ تناسل سونے سے پہلے منتشر نہ ہو۔(۵) نشہ اور بے ہوشی سے افاقہ کے بعد ایسی تری کا پایا جانا جس کو منی گمان کرے۔(۶) حیض (۷) نفاس اگرچہ اشیاء مذکورہ اسلام سے پہلے پیدا ہوئی ہوں۔(صحیح مذہب کے نزدیک)۔میت کا غسل دینا بطور کفایہ فرض ہے۔

خروج منی کے سبب وجوب غسل کا بیان

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ احتلام میں منی نکلنے سے غسل واجب ہو جاتا ہے ابوعیسیٰ فرماتے ہیں کہ میں نے سنا جارود سے انہوں نے سنا وکیع سے وہ کہتے تھے کہ ہم نے یہ حدیث شریک کے علاوہ کسی کے پاس نہیں پائی اس باب میں عثمان بن عفان علی بن ابی طالب زبیر طلحہ ابوایوب اور ابوسعید بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خروج منی سے غسل واجب ہوتا ہے اور ابو الجحاف کا نام داؤد بن ابوعوف ہے سفیان ثوری سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ ہمیں ابو الجحاف نے خبر دی اور وہ پسندیدہ آدمی تھے۔(جامع ترمذی، جلد اول، رقم الحدیث، 107)

ختانان کے ملنے کے سبب وجوب غسل میں فقہی بیان

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب ختنے کی جگہ تجاوز کر جائے ختنے کی جگہ سے تو غسل واجب ہو جاتا ہے ابوعیسیٰ کہتے ہیں حدیث عائشہ حسن صحیح ہے اور حضرت عائشہ کے واسطے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کئی طرق سے منقول ہے کہ اگر ختنے کی جگہ ختنے کی جگہ سے تجاوز کر جائے غسل واجب ہو جاتا ہے۔

اور صحابہ کرام جن میں حضرت ابوبکر حضرت عمر حضرت عثمان حضرت علی اور عائشہ شامل ہیں کا یہی قول ہے اور فقہاء وتابعین اور ان کے بعد کے علماء سفیان ثوری احمد اور اسحاق کا قول ہے کہ جب دو شرمگاہیں آپس میں مل جائیں تو غسل واجب ہو جاتا ہے۔ (جامع ترمذی، جلد اول، رقم الحدیث، 105)

حیض ونفاس کی حالت میں غسل کا اعتبار نہ ہونے کا بیان

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عیدالاضحیٰ یا عیدالفطر میں نکلے (واپسی میں) عورتوں کی جماعت پر گذر ہوا، تو آپ نے فرمایا کہ اے عورتو! صدقہ دو، اس لئے کہ میں نے تم کو دوزخ میں زیادہ دیکھا ہے، وہ بولیں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ کیوں؟ آپ نے فرمایا کہ تم کثرت سے لعنت کرتی ہو اور شوہر کی ناشکری کرتی ہو اور تمہارے علاوہ میں نے کسی کو نہیں دیکھا کہ وہ دین اور عقل میں ناقص ہونے کے باوجود کسی پختہ عقل والے مرد پر غالب آجائے، عورتوں نے کہا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ ہمارے دین میں اور ہماری عقل میں کیا نقصان ہے؟ آپ نے فرمایا کیا عورت کی شہادت (شرعاً ایک) مرد کی نصف شہادت کے برابر نہیں ہے؟ انہوں نے کہا ہاں! آپ نے فرمایا یہی اس کی عقل کا نقصان ہے، کیا ایسا نہیں ہے کہ جب عورت حائضہ ہوتی ہے، تو نہ نماز پڑھ سکتی ہے اور نہ روزہ رکھ سکتی ہے؟ انہوں نے کہا ہاں! آپ نے فرمایا بس یہی اس کے دین کا نقصان ہے۔ (صحیح بخاری، جلد اول، رقم الحدیث، 298)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ نکلے، ہم صرف حج کا ارادہ رکھتے تھے، جب مقام سرف میں پہنچے تو مجھے حیض آ گیا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس آئے میں رو رہی تھی آپ نے فرمایا کیوں رو رہی ہو؟ میں نے عرض کیا، یہ چاہتی ہوں کہ کاش میں نے اس سال حج کا ارادہ نہ کیا ہوتا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شاید تمہیں نفاس آ گیا؟ میں نے عرض کیا کہ ہاں! آپ نے فرمایا یہ تو ایک ایسی چیز ہے، جو اللہ تعالیٰ نے آدم کی تمام بیٹیوں (کی قسمت) میں لکھ دی ہے، اس میں رونا کیا، جو کام حاجی کرتے ہیں تم بھی کرتی رہنا، صرف کعبہ کا طواف نہ کرنا، جب تک کہ پاک نہ ہو جاؤ۔ (صحیح بخاری، جلد اول، رقم الحدیث، 299)

فصل فی ما لایجب الاغتسال منه

﴿یہ فصل غسل کو واجب نہ کرنے والی چیزوں کے بیان میں ہے﴾

غسل کو واجب نہ کرنے والی چیزوں کا بیان

عشرة أشياء لا يغتسل منها مذی وودی واحتلام بلا بلل وولادة من غير رؤية دم بعدها في الصحيح وإيلاج بخرقة مانعة من وجود اللذة وحقنة وإدخال إصبع ونحوه في أحد السبيلين ووطء بهيمة أو ميتة من غير إنزال وإصابة بكر لم تزل بكارتها من غير إنزال،

ترجمہ

دس چیزیں وہ ہے جن سے غسل واجب نہیں ہوتا (۱) مذی (۲) ودی۔ (۳) احتلام بغیر تری کے۔ (۴) ولادت جس کے بعد خون نہ دکھائی دے۔ (۵) داخل کرنا کسی ایسے کپڑے کے ساتھ جو لذت کے حصول سے مانع ہو۔ (۶) حقنہ (۷) انگلی یا اس جیسی کسی چیز کا سبیلین میں سے کسی ایک میں داخل کرنا۔ (۸) جانور یا مردہ شخص سے وطی کرنا جب کی انزال نہ ہو۔ (۹) کسی باکرہ عورت سے جماع کرنا جو اس کی بکارت زائل نہ کر سکے۔ بشرطیکہ انزال نہ ہو۔

مذی اور ودی میں غسل لازم نہ ہونے کا بیان

حضرت سہل بن حنیف سے روایت ہے کہ مجھے مذی سے سختی اور تکلیف پہنچتی تھی اس لئے میں بار بار غسل کرتا تھا پس میں نے اس کا ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا اور اس کا حکم پوچھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس سے وضو کرنا ہی کافی ہے میں نے پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر وہ کپڑوں پر لگ جائے تو کیا حکم ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پانی کا ایک چلو لے کر اس جگہ چھڑک دو جہاں پر وہ لگی ہو ابوعیسیٰ فرماتے ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے اور ہمیں علم نہیں کہ محمد بن اسحاق کے علاوہ بھی اس طرح کی کوئی حدیث کسی نے روایت کی ہو اور اختلاف کیا ہے۔

اہل علم نے مذی کے بارے میں کہ اگر مذی کپڑوں کو لگ جائے تو بعض اہل علم کے نزدیک اس کا دھونا ضروری ہے یہی قول امام شافعی اور اسحاق کا ہے اور بعض اہل علم کہتے ہیں کہ اس پر پانی کے چھینٹے مار دینا ہی کافی ہے اور امام احمد فرماتے ہیں کہ مجھے امید ہے کہ پانی چھڑکنا ہی کافی ہوگا۔ (جامع ترمذی، جلد اول، رقم الحدیث، 110)

فصل فی بیان الغسل

﴿یہ فصل غسل کے بیان میں ہے﴾

غسل میں گیارہ چیزوں کے فرض ہونے کا بیان

یفترض فی الاغتسال أحد عشر شیئا غسل الفم والأنف والبدن مرة وداخل قلفة لا عسر فی فسخها وسرة وثقب غیر منضم وداخل المضفور من شعر الرجل مطلقا لا المضفور من شعر المرأة إن سری الماء فی أصوله وبشرة اللحیة وبشرة الشارب والحاجب والفرج الخارج

ترجمہ

غسل میں گیارہ چیزیں فرض ہیں (۱) اندر سے منہ کا دھونا (۲) ناک کا دھونا (۳) اور تمام بدن کا دھونا (۴) اور اس قلفہ کے اندر کے حصہ کا دھونا جس کے کھولنے میں وقت دشواری اور تکلیف نہ ہو۔ (۵) ناف کا دھونا (۶) اور بدن کے اس سوراخ کا دھونا جو جڑ نہ گیا ہو۔ (۷) اور مرد کا اپنے گندھے ہوئے بالوں کے اندر کے حصہ کا دھونا بلا کسی قید کے عورت کے گندھے ہوئے بالوں کا دھونا فرض نہیں۔ بشرطیکہ پانی بالوں کی جڑوں میں پہنچ جائے۔ (۸) ڈاڑھی کے نیچے کی جلد کا۔ (۹) مونچھوں (۱۰) بھوؤں کی نیچے کی جلد کا دھونا (۱۱) فرج خارج کا دھونا یعنی اس حصہ کا جس کا پیشاب کے بعد دھونا ضروری سمجھا جاتا ہے۔

غسل کی تعریف کا بیان

غسل ''غین'' کے ضمہ کے ساتھ پڑھا جاتا ہے۔ اس کا لغوی معنی ہے۔ ''دھونا'' جبکہ اصطلاح میں تمام بدن کو دھونے کا نام غسل ہے۔ اصطلاح شرع میں جب کسی شخص پر ایسی علت وارد ہو جس سے اس پر غسل واجب ہو جائے۔ تو وہ بشرہ یعنی ظاہری جلد کا ہر حصہ اور ہر بال کے نیچے دھوئے گا۔

غسل میں کلی اور استنشاق کی فرضیت کا بیان

غسل میں کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا فرض ہے اس کی دلیل یہ ہے۔ کہ وضو میں چہرے کو دھونا مامور بہ ہے جس پر مواجہت واقع ہے۔ جبکہ مواجہت منہ اور ناک میں داخل نہیں اور غسل میں تمام بدن کو مبالغہ کے ساتھ دھونا مامور بہ ہے۔ جیسا کہ حکم ہے ''و ان

کُنۡتُمۡ جُنُباً فَاطَّهَّرُوۡا" پس جس چیز کے دھونے میں حرج ہے وہ اس حکم سے ساقط ہو جائے گی جیسے آنکھ میں پانی ڈالنا کیونکہ اس میں حرج ہے اور جس چیز میں حرج نہ ہو وہ دھونے کے حکم میں باقی ہوگی۔ جیسے کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا کیونکہ ان میں پانی ڈالنے میں کوئی حرج نہیں۔ اور ان دونوں کو بطور عادت و عبادت دھویا جائے گا جبکہ یہ حکم وضو کے لئے نفل ہوگا اور ان دونوں کا غسل میں دھونا فرض ہوگا کیونکہ نجاست حقیقیہ کا دھونا فرض ہے اور نص کا حکم ان دونوں کو شامل ہے۔ (شرح الوقایہ، ج ۱، ص ۳۲، مکتبۃ الشاملہ الاسلامیہ)

امام دارقطنی لکھتے ہیں۔ حضرت ابن سیرین بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنابت میں تین مرتبہ ناک میں پانی ڈالنے کا حکم دیا۔ اس حدیث میں استنشاق کا حکم دیا گیا ہے جس کا تقاضہ اثبات فرض ہے۔ اور کلی کرنا اسے مواجہت کے اعتبار سے دیکھیں تو یہ دونوں ایک حکم میں ہیں لہٰذا اس سے ثابت ہوا کہ یہ دونوں غسل میں فرض ہیں۔ (سنن دارقطنی، ج ۱، ص ۱۱۵، دار المعرفہ بیروت)

علامہ ابن مازہ محمود بخاری حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ کہ کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا یہ دونوں غسل میں فرض ہیں اور وضو میں سنت ہیں۔ اور اس کی دلیل یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر بال کے نیچے جنابت ہے اور بال اور جلد کو دھوؤ۔ ناک میں بال ہیں اور منہ میں جلد ہے۔ ابن عربی نے بشرہ کی تعریف یہ ہے کہ وہ جلد جس کو کھینچنے سے تکلیف پہنچے۔ اور اس لئے بھی ناک اور منہ دونوں عضو ہیں اور بغیر حرج کے ان تک پانی پہنچانا بھی ممکن ہے۔ غسل جنابت تمام بدن کی طہارت کا نام ہے۔ جو حکم قرآن (فاطہروا) اور بدن اس چیز کا نام ہے جہاں تک پانی پہنچانا ممکن ہو۔ اور غسل کا سقوط صرف وہاں ہے جہاں پانی کا پہنچانا ممکن نہ ہو۔ وہ بھی امکان ضرورت کی وجہ سے ہے اور یہ دونوں اعضاء ایسے ہیں جہاں تک پانی پہنچانا ممکن ہے۔ اور ان دونوں کے غسل کو ساقط کرنے کی ضرورت نہیں۔ (المحیط البرہانی فی الفقہ النعمانی، ج ۱، ص ۵۰، بیروت)

فرائض غسل کی وضاحت کا بیان

غسل میں تین فرض ہیں ۱۔ کلی کرنا۔ ۲۔ ناک میں پانی ڈالنا۔ ۳۔ سارے بدن کا ایک بار دھونا۔

کلی اور ناک میں پانی ڈالنے کی حد وضو میں بیان ہو چکی۔ اگر دانتوں میں یا ان کے خلا میں کھانا وغیرہ کچھ باقی رہا یا اس کی ناک میں تر ریٹھ ہے اور اس کی جگہ یقیناً پانی نہیں پہنچا تو غسل نہیں ہوا۔ اگر عورت کیسر کے بال گندے ہوئے ہوں اور بغیر کھولے پانی نہیں پہنچ سکتا تو کھول کر پانی پہچانا فرض ہے۔ پہنے ہوئے زیورات کو حرکت دینا واجب ہے جبکہ تنگ ہوں۔ ناف کے سوراخ میں پانی پہچانا واجب ہے۔

فائدہ۔ وضو کی طرح غسل میں بھی کوئی فعل واجب نہیں ہے یعنی وہ واجب جو فرض سے کم درجہ کا ہو اور یہ واجب کی ضعیف و ادنیٰ قسم ہے۔ اس کو ادا نہ ہونے سے وضو و غسل کا جواز فوت نہیں ہوتا۔ بعض کتب میں لکھا ہے کہ غسل میں صرف ایک فرض ہے اور وہ سارے بدن کا ایک بار دھونا ہے اور باقی امور جن کو ہم نے فرائض غسل میں بیان کیا ہے یعنی کلی کرنا۔ ناک میں پانی ڈالنا انہوں نے واجبات میں شمار کیا ہے تو وہ یہ واجبات ہیں جو عمل میں فرض کے ہم معنی ہیں یعنی فرضِ عملی ہیں کیونکہ ان میں سے کسی فعل کے ادا نہ ہونے سے غسل صحیح و جائز نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ عام کتب میں ان کو فرائضِ غسل میں شمار کیا ہے اور لکھا ہے کہ وضو اور غسل میں کوئی واجب نہیں ہے۔

فصل فی سنن الغسل

﴿یہ فصل غسل کی سنتوں کے بیان میں ہے﴾

یسن فی الاغتسال اثنا عشرة شیئا الابتداء بالتسمیة والنیة وغسل الیدین الی الرسغین وغسل نجاسة لو كانت بانفرادها وغسل فرجه ثم یتوضأ کوضوئه للصلاة فیثلث الغسل ویمسح الرأس ولكنه یؤخر غسل الرجلین إن كان یقف فی محل یجتمع فیه الماء ثم یفیض الماء علی بدنه ثلاثا ولو انغمس فی الماء الجاری أو ما فی حكمه ومكث فقد أكمل السنة ویبتدیء فی صب الماء برأسه ویغسل بعدها منكبه الأیمن ثم الأیسر ویدلك جسده ویوالی غسله،

ترجمہ

غسل میں بارہ چیزیں سنت ہیں (۱) اللہ کے نام کے ساتھ شروع کرنا۔(۲) ارادہ (۳) ہاتھوں کا گٹوں تک دھونا۔(۴) ناپاکی کا دھونا اگر وہ الگ لگی ہوئی ہو۔(۵) شرم گاہ کا دھونا (۶) اس کے بعد وضو کرے جیسے نماز کے لیے کیا کرتے ہیں۔ چنانچہ اس کو تین مرتبہ دھوے۔(۷) اور سر کا مسح کرے۔ لیکن وہ پیروں کے دھونے کو موخر کر دے گا۔ اگر وہ ایسی جگہ میں کھڑا ہے جہاں پانی اکٹھا ہو جاتا ہے۔(۸) پھر تین مرتبہ پانی کو اپنے تمام بدن پر بہا ڈالے اور اگر بہتے پانی میں یا اس پانی میں جو بہتے پانی کے حکم میں ہے۔ غوطہ لگایا اور ٹھہرا رہا تو اس نے سنت کو مکمل کر لیا۔(۹) پانی کے بہانے میں سر سے آغاز کرے (۱۰) اور سر کے بعد داہنا مونڈھا۔ پھر بایاں مونڈھا دھوے (۱۱) اور اپنے بدن کو ملے (۱۲) اور لگاتار غسل کرتا رہے۔

طریقہ غسل کے سنت طریقے میں فقہی بیان

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب غسل جنابت کا ارادہ فرماتے تو اپنے دونوں ہاتھوں کو برتن میں ڈالنے سے پہلے دھو لیتے پھر استنجاء کرتے اور وضو کرتے جس طرح نماز کے لئے وضو کیا جاتا ہے پھر سر کے بالوں پر پانی ڈالتے اور پھر اپنے دونوں ہاتھوں سے سر پر تین مرتبہ پانی ڈالتے ابوعیسیٰ فرماتے ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ اور اس کو اہل علم نے اختیار کیا ہے کہ غسل جنابت میں پہلے وضو کرے جس طرح نماز کے لئے وضو کیا جاتا ہے پھر تین مرتبہ سر پر پانی بہائے پھر پورے بدن پر پانی بہائے پھر پاؤں دھوئے۔

اور اسی پر اہل علم کا عمل ہے وہ کہتے ہیں کہ اگر کسی نے وضو نہیں کیا اور پورے بدن پر پانی بہایا تو غسل ہو گیا یہی قول امام شافعی، امام احمد اور امام اسحاق کا ہے۔ (جامع ترمذی، جلد اول، رقم الحدیث، 100)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم جب جنابت کا غسل فرماتے تو سلیمان کی روایت میں یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پہلے داہنے ہاتھ سے بائیں ہاتھ پر پانی ڈالتے اور مسدد کی روایت میں یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دونوں ہاتھ دھوتے اس طرح پر کہ برتن کو داہنے ہاتھ پر انڈیلتے (اور پھر بائیں ہاتھ پر اس کے بعد دونوں راوی متفق البیان ہیں) پھر شرمگاہ کو دھوتے،

اس کے بعد مسدد نے یہ اضافہ کیا ہے کہ بائیں ہاتھ پر ڈالتے کبھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے شرمگاہ کو کنایہ کے طور پر بیان کیا ہے پھر وضو کرتے جیسا کہ نماز کے لیے کرتے ہیں پھر دونوں ہاتھ برتن میں ڈال کر بالوں کا خلال کرتے یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہو جاتا کہ پانی بالوں کی جڑوں تک پہنچ گیا ہے یا سر صاف ہو گیا ہے اپنے سر پر تین بار پانی ڈالتے پھر جس قدر پانی بچ رہتا اسکو اپنے اوپر بہا لیتے۔ (سنن ابوداؤد، جلد اول، رقم الحدیث، 241)

غسل کرنے میں ہٹ کر پاؤں کو دھونے کا بیان

ام المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نہانے اور جنابت سے پاک ہونے کے لیے پانی رکھا پس آپ نے برتن جھکا کر داہنے ہاتھ پر پانی ڈالا اور اسکو دو یا تین مرتبہ دھویا پھر شرمگاہ پر پانی ڈال کر اسکو بائیں ہاتھ سے دھویا پھر بایاں ہاتھ زمین پر مل کر دھویا پھر کلی کی اور ناک میں پانی ڈالا اور ہاتھ منہ دھویا اس کے بعد اپنے سر اور پورے بدن پر پانی بہایا پھر اس جگہ سے ہٹ کر اپنے پاؤں دھوئے میں نے رومال پیش کیا تو لینے سے انکار فرما دیا اور اپنے بدن سے پانی جھاڑنے لگے۔

اعمش کہتے ہیں کہ میں نے اس بارے میں ابراہیم نخعی سے دریافت کیا تو انہوں نے بیان کیا کہ صحابہ رومال سے بدن پونچھنے کو برا نہیں سمجھتے تھے لیکن اسکی عادت ڈالنا برا سمجھتے تھے۔ ابوداؤد کہتے ہیں کہ مسدد نے عبداللہ بن داؤد سے پوچھا کہ کیا صحابہ کرام عادت بنا لینے کو برا سمجھتے تھے؟ تو انہوں نے کہا ہاں یہی بات ہے مگر میں نے اس کو اپنی کتاب میں اسی طرح پایا ہے۔ (سنن ابوداؤد، جلد اول، رقم الحدیث، 244)

عورت کے لئے بالوں کی مینڈھیاں نہ کھولنے کی رخصت کا بیان

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں ایسی عورت ہوں کہ مضبوط باندھتی ہوں اپنے سر کی چوٹی کیا میں غسل جنابت کے لئے اسے کھولا کروں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں تین مرتبہ سر پر پانی ڈال لینا تیرے لئے کافی ہے پھر سارے بدن پر پانی بہاؤ پھر تم پاک ہو جاؤ گی یا فرمایا اب تم پاک ہو گئی امام ابوعیسیٰ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے اور اس پر اہل علم کا عمل ہے کہ اگر عورت غسل جنابت کرے تو سر پر پانی بہا دینا کافی ہے اور بالوں کو

کھولنا ضروری نہیں۔(جامع ترمذی، جلد اول، رقم الحدیث، 101)

دھوپ سے گرم ہونے والے پانی سے غسل کرنے کا بیان

یہ بھی ایک مسئلہ کی بات یہ ہے کہ دھوپ میں گرم کئے ہوئے پانی سے غسل کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے چنانچہ حضرت امام اعظم، امام مالک، حضرت امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ علیہ تینوں حضرات کے نزدیک اس میں کوئی کراہت نہیں ہے البتہ حضرت امام شافعی رحمہ اللہ علیہ کے مسلک میں کچھ اختلاف ہے لیکن ان کا صحیح قول یہ ہے کہ اس پانی سے غسل کرنا مکروہ ہے البتہ ان کے علماء متاخرین نے بھی تینوں ائمہ کی ہمنوائی کرتے ہوئے یہی مسلک اختیار کیا ہے کہ اس میں کراہت نہیں ہے۔

غسل کی سنتوں کی وضاحت کا بیان

۱۔غسل کرنے یا ناپاکی دور کرنے یا پاکی حاصل ہونے یا نماز جائز ہونے کی نیت دل سے کرنا اور زبان سے کہ لینا بھی بہتر ہے۔

۲۔کپڑے اتارنے سے پہلے بسم اللہ پڑھنا۔

۳۔دونوں ہاتھ کلائی تک تین بار دھونا۔

۴۔استنجا کرنا یعنی پیشاب اور پاخانہ کے مقام کو دھونا۔

۵۔اگر جسم پر کہیں نجاست لگی ہو تو اس کو دھونا۔

۶۔نماز کی طرح وضو کرنا۔اس میں مسواک کرنا اور ہاتھ پیر اور داڑھی کا خلال کرنا۔اگر غسل سے پہلے وضو نہیں کیا تو غسل کے اندر وضو بھی ادا ہو گیا پھر وضو کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

۷۔سارا جسم تین دفعہ دھونا۔

۸۔ترتیب یعنی جس ترتیب سے اوپر بیان ہوا اسی ترتیب سے ادا کرنا پس پہلے ہاتھ دھونا پھر استنجا کرنا پھر بدن کی نجاست دور کرنا پھر وضو کرنا پھر سارا بدن دھونا۔

فصل فی آداب الاغتسال ومکروهاته

﴿یہ فصل غسل کرنے والے کے آداب ومکروہات کے بیان میں ہے﴾

وآداب الاغتسال هی آداب الوضوء إلا أنه لا يستقبل القبلة لأنه يكون غالبا مع كشف العورة وكره فيه ما كره فی الوضوء،

ترجمہ

غسل کے آداب وہی ہیں جو وضو کے ہیں مگر غسل کرنے والا قبلہ رخ نہ کرے گا۔ کیونکہ وہ اکثر ستر کھولے ہوئے ہوتا ہے۔ اور جو چیزیں وضو میں مکروہ ہیں وہی غسل میں مکروہ ہیں۔

چار چیزوں کے لئے غسل کے سنت ہونے کا بیان

الأشياء التی يسن لها الاغتسال يسن الاغتسال لأربعة أشياء صلاة الجمعة وصلاة العيدين وللإحرام وللحاج فی عرفة بعد الزوال ويندب الاغتسال فی ستة عشر شيئا لمن أسلم طاهرا ولمن بلغ بالسن ولمن أفاق من جنون وعند حجامة وغسل ميت وفی ليلة براءة وليلة القدر إذا رآها ولدخول مدينة سيدنا النبی صلى الله عليه وسلم وللوقوف بمزدلفة غداة يوم النحر وعند دخول مكة لطواف الزيارة ولصلاة كسوف واستسقاء وفزع وظلمة وريح شديد،

ترجمہ

چار چیزیں غسل میں سنت کے لیے ہیں (۱) جمعہ کی نماز۔ (۲) عیدین کی نماز (۳) احرام (۴) اور حاجی کے لیے عرفات میں زوال کے بعد۔

سولہ صورتوں میں غسل مستحب ہے۔ (۱) اس شخص کے لیے جو طہارت اور پاکی کی حالت میں مسلمان ہوا تھا۔ (۲) اور اس شخص کے لیے جو عمر کے اعتبار سے بالغ ہوا (۳) اور اس شخص کیلیے جس نے جنون سے افاقہ پایا (۴) پچھنے لگوانے کے بعد (۵) میت کے غسل دینے کے بعد (۶) شب برات میں (۷) شب قدر میں جبکہ اس کو دیکھے (۸) مدینہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں داخل ہونے

کے لیے۔(۹) اور مزدلفہ میں ٹھہرنے کے لیے یوم النحر کی صبح کو (۱۰) مکہ میں داخل ہونے کے وقت (۱۱) طواف زیارت کے لیے (۱۲) صلوٰۃ کسوف کے لیے (۱۳) استسقاء کے لیے (۱۴) صلوٰۃ فزع کے لیے (۱۵) دن میں سخت اندھیرے سے بچنے کے لئے۔(۱۶) اور سخت اندھی کے دفع کرنے کے لئے۔

جمعہ، عیدین، عرفہ کے دن غسل کے سنت ہونے کا بیان

حضرت طاؤس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے کہا کہ لوگوں کا بیان ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جمعہ کے دن غسل کرو، اور اپنے سروں کو دھولو،

اگر چہ تمہیں نہانے کی ضرورت نہ ہو، اور خوشبو لگا، تو ابن عباس رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ غسل کا حکم تو صحیح ہے، لیکن خوشبو کے متعلق مجھے معلوم نہیں۔ (صحیح بخاری، جلد اول، رقم الحدیث، 843)

حضرت امام بیہقی علیہ الرحمہ روایت کرتے ہیں کہ عید کے دن غسل کرنا سنت عمل ہے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، جمعہ، عرفہ، قربانی اور عید الفطر کے دن غسل کرنا چاہیے۔ (سنن کبریٰ، (3/278)

محرم کے لئے غسل کے سنت ہونے کا بیان

علامہ بدرالدین عینی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ امام طبرانی نے اپنی معجم میں اور امام دارقطنی نے اپنی سنن میں حدیث نقل فرمائی ہے اور ان دونوں روایات میں یہ لفظ ہے کہ احرام کے لئے غسل کیا جائے گا۔ اور مسئلہ میں تمام احادیث قولی ہیں فعلی کوئی حدیث نہیں ہے لہٰذا ان احادیث کی مطابقت صاحب ہدایہ والی روایت کے ساتھ نہیں ہے۔

امام ترمذی علیہ الرحمہ کی روایت کردہ حدیث کے مطابق ہے اور اس میں یہ ہے کہ غسل صفائی کو زیادہ کرتا ہے۔ اور اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ یہ غسل واجب نہیں ہے جبکہ داؤد ظاہری نے اختلاف کیا ہے۔ کیونکہ اس کے نزدیک واجب ہے۔

امام حسن بصری علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ اگر وہ یہ غسل بھول جائے تو جب اس کو یاد آئے وہ کرے۔ اور بعض اہل مدینہ سے یہ بھی نقل کیا گیا ہے کہ اس کے ترک پر دم واجب ہے۔ جمہور فقہاء کا مؤقف یہ ہے کہ یہ غسل احرام کے لئے مستحب ہے۔

(البنایہ شرح الہدایہ، ج ۵، ص ۳۵، حقانیہ ملتان)

امام ابوداؤد علیہ الرحمہ اپنی سند کے ساتھ لکھتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسلمہ، مالک، زید بن اسلم، ابراہیم بن عبداللہ بن حسنین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ (محرم کے سر دھوتے کے متعلق) مقام ابواء میں عبداللہ بن عباس اور مسور بن مخرمہ کے درمیان اختلاف ہوا ابن عباس کا کہنا تھا کہ محرم اپنا سر دھوسکتا ہے اور مسور کہتے ہیں کہ محرم سر نہیں دھوسکتا پس مسئلہ دریافت کرنے کے لیے عبداللہ نے عبداللہ بن حسنین کو حضرت ایوب انصاری کے پاس بھیجا عبداللہ بن حسنین نے ابوایوب انصاری کو کنوئیں پر لگی ہوئی دولکڑیوں کے بیچ میں ایک کپڑے کی آڑ میں غسل کرتے ہوئے پایا عبداللہ بن حسنین کہتے ہیں کہ میں نے ان کو سلام کیا انہوں نے پوچھا یہ کون ہے؟ میں نے کہا میں عبداللہ بن حسنین ہیں مجھے عبداللہ بن عباس نے آپ سے یہ دریافت کرنے کے لیے بھیجا ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احرام کی حالت میں اپنا سر کس طرح دھوتے تھے؟ (یہ سن کر) ابوایوب نے کپڑے پر ہاتھ رکھا اور سر اٹھایا یہاں تک کہ مجھے ان کا سر نظر آنے لگا پھر انہوں نے اسی شخص سے جوان پر پانی ڈال رہا تھا کہا تو پانی ڈال پس اس نے ان کے سر پر پانی ڈالا اور انہوں نے اپنے سر کو ہاتھوں سے ملا اور ہاتھ آگے سے پیچھے کی طرف اور پیچھے سے آگے کی طرف لائے پھر فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی طرح کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ (سنن ابوداؤد)

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حج کا احرام باندھتے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غسل فرمایا۔ (جامع الترمذی"، أبواب الحج، باب ماجاء فی الإغتسال عند الاحرام، الحدیث، ۸۳۱)

غسل کے مستحبات اور آداب

۱- زبان سے بھی نیت کہ لے مستحسن و بہتر ہے ۲- پانی کے استعمال میں بیجا کمی یا زیادتی نہ کرنا۔ ۳- ننگا ہونے کی حالت میں قبلہ کی طرف منہ نہ کرنا۔ ۴- بلا ضرورت کسی سے بات نہ کرنا۔ ۵- ایسی جگہ نہانا جہاں کوئی نہ دیکھے یا تہبند وغیرہ باندھ کر نہانا۔

۶- تمام بدن کا ملنا کہ بعض نے اس کو سنن میں شمار کیا ہے۔ اور وضو میں اعضا کے ملنے کا سنت ہونا اس کی تائید کرتا ہے۔

۷- تواتر یعنی پے درپے دھونا اس طرح کہ معتدل موسم میں ایک حصہ خشک ہونے سے پہلے دوسرا حصہ دھو ڈالے۔

۸- تمام جسم پر تین مرتبہ پانی بہانا یعنی ایک مرتبہ پانی بہانا فرض ہے اور۔ مزید دو مرتبہ سنت ہے۔ یہ مل کر تین مرتبہ ہوا

۹- غسل کے بعد کسی پاک وصاف کپڑے سے اپنا بدن پونچھ ڈالے۔

۱۰- نہانے کے بعد فوراً کپڑے پہن لے۔

۱۱- جو چیزیں وضو میں سنت و مستحب ہیں وہ غسل میں بھی سنت و مستحب ہیں سوائے قبلہ رو ہونے کے جبکہ ننگا نہا تا ہو اور اگر کپڑا باندھ کر نہائے تو قبلہ رو ہونے میں کوئی مذائقہ نہیں ہے۔ سوائے دعائیں پڑھنے اور غسل کا بچا ہوا پانی کھڑے ہو کر پینے کے کہ یہ امور مستحب نہیں بلکہ مکروہ ہیں اور سوائے ترتیب کے غسل کی اپنی ترکیب ہے جو وضو سے مختلف ہے۔

غسل کے مکروہات

غسل کے مکروہات وضو کے مکروہات کی طرح ہیں۔ ان کے علاوہ کچھ مکروہات یہ ہیں:۔

۱- ننگا نہاتے وقت قبلہ رو ہونا۔ ۲- بلا عذر غیر محرم کے سامنے نہانا۔

۳- دعاؤں کا پڑھنا۔

۴- ستر کھلے ہوئے بلا ضرورت کلام کرنا۔

۵- پانی زیادہ بہانا۔

۶- سنت کے خلاف غسل کرنا۔

باب التیمم

﴿یہ باب تیمّم کے بیان میں ہے﴾

تیمّم کی تعریف کا بیان

پاک سطح زمین کا قصد کرو تو اپنے چہروں اور ہاتھوں کا مسح کرو'۔ جس کا ملک العلماء نے بدائع میں افادہ فرمایا اور بہت سے حضرات نے ان کا اتباع کیا جس کے آخری لوگوں میں سے صاحب درر ہیں وہ یہ ہے: ''جنس زمین کا' وہ خاص عضووں میں، تطہیر کے ارادہ سے، مخصوص شرائط کے ساتھ استعمال کرنا''۔ امام زیلعی نے حضرات علماء سے حکایت کرتے ہوئے جو الفاظ ذکر کیے وہ یہ ہیں ''زمین کے کسی جز کا، خاص اعضاء پر تطہیر کے ارادہ سے استعمال کرنا۔(بدائع الصنائع، کتاب طہارت)

تیمّم کا ثبوت دلیل شرعی سے ہونے کا بیان

وَاِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا، وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ مِّنْهُ مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ وَّلٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۔(المائدہ، ۶)

اور اگر جنبی ہو تو غسل کر لو اور اگر تم بیمار ہو، یا کسی سفر پر، یا تم میں سے کوئی قضائے حاجت سے آیا ہو، یا تم نے عورتوں سے مباشرت کی ہو، پھر کوئی پانی نہ پاؤ تو پاک مٹی کا قصد کرو، پس اس سے اپنے چہروں اور ہاتھوں پر مسح کر لو۔ اللہ نہیں چاہتا کہ تم پر کوئی تنگی کرے اور لیکن وہ چاہتا ہے کہ تمھیں پاک کرے اور تاکہ وہ اپنی نعمت تم پر پوری کرے، تاکہ تم شکر کرو۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہم لوگ (پہلی امتوں کے) لوگوں پر تین چیزوں سے فضیلت دیئے گئے ہیں (۱) ہماری صفیں (نماز میں یا جہاد میں) فرشتوں کی صفوں جیسی (شمار) کی گئی ہیں۔ (۲) ہمارے واسطے تمام زمین مسجد بنا دی گئی ہے (کہ جہاں چاہیں نماز پڑھ لیں)۔ (۳) جس وقت ہمیں پانی نہ ملے تو زمین کی مٹی ہمارے لئے پاک کر دینے والی ہے۔ (صحیح مسلم، مشکوۃ شریف، جلد اول، رقم الحدیث، 494)

تیمّم کے صحیح ہونے کے لئے آٹھ شرائط کا بیان

شروط صحته يصح التيمم بشروط ثمانية الأول النية وحقيقتها عقد القلب على الفعل

ووقتها عند ضرب يده على ما يتيمم به وشروط صحة النية ثلاثة الإسلام والتمييز والعلم بـما ينويه ويشترط لصحة نية التيمم للصلاة به أحد ثلاثة أشياء إما نية الطهارة أو استباحة الـصـلاة أو نية عبـادة مقصودة لا تصح بدون طهارة فلا يصلي به إذا نوى التيمم فقط أو نـواه لـقـراءة القرآن ولم يكن جنبا الثاني العذر المبيح للتيمم كبعده ميلا عن ماء ولو في الـمصر وحصول مرض وبرد يخاف منه التلف أو المرض وخوف عدو وعطش واحتياج لـعـجـن لا الـطبخ مرق ولفقد آلة وخوف فوت صلاة جنازة أو عيد ولو بناء وليس من ال العـذر خـوف فـوت الـجـمعة والوقت الثالث أن يكون التيمم بطاهر من جنس الأرض كالتراب والحجر والرمل لا الحطب والفضة والذهب

ترجمہ

تیمّم کے صحیح ہونے کے لیے آٹھ شرطیں ہیں۔ پہلی شرط نیت کرنا ہے اور اس کی حقیقت یہ ہے کہ کسی کام کے کرنے پر اپنے دل کو پختہ کر لینا ہے۔ اور اس کا وقت وہ ہے۔ جب اس شے پر ہاتھ مارے جس کے ساتھ تیمّم کر رہا ہے۔ نیت کے صحیح ہونے کی تین شرطیں ہیں۔ (۱) تیمّم کرنے والے کا مسلمان ہونا (۲) سمجھ دار ہونا (۳) جس چیز کی نیت کر رہا ہے اس کا علم ہونا۔ نماز کے لیے تیمّم کے صحیح ہونے کے لیے تین باتوں میں سے ایک کا ہونا شرط ہے۔ (۱) طہارت کی نیت ہو (۲) یا نماز جائز ہو جانے کی نیت ہو (۳) یا کسی ایسی مقصودی عبادت کی نیت ہو جو طہارت کے بغیر جائز نہیں ہوتی۔ پس نماز نہیں پڑھ سکتا اس تیمّم کے ساتھ جس میں فقط تیمّم کی نیت کی ہو یا قرآن مجید پڑھنے کی نیت سے تیمّم کیا اور وہ جنبی بھی نہ تھا۔

دوسری شرط: اس عذر کا پایا جانا جس سے تیمّم جائز ہو جاتا ہے مثلاً اس کا پانی سے ایک میل دور ہونا اگرچہ شہر میں ہی ہو۔ بیماری اور سردی کا پایا جانا جس سے ہلاکت یا بیمار ہو جانے کا خوف ہو، دشمن اور پیاس کا خوف ہونا آٹا گوندھنے کی ضرورت ہو نہ کہ شوربا پکانے کی، پانی نکالنے کا آلہ نہ ہونا، نماز جنازہ یا نماز عید نکل جانے کا خوف ہو اگرچہ بنا ہو۔ نماز جمعہ اور وقتی نماز کے نکل جانے کا خوف عذر نہیں۔

تیسری شرط: تیمّم زمین کی جنس میں سے کسی پاک چیز کے ساتھ ہو مثلاً مٹی، پتھر، اور ریت، لکڑی، چاندی اور سونے کے ساتھ (تیمّم جائز) نہیں۔

تیمّم کو مباح کرنے والی صورتوں کا بیان

تیمّم حسب ذیل صورتوں میں جائز ہوتا ہے۔ (۱) اتنا پانی جو وضو اور غسل کے لیے کافی ہو اپنے پاس موجود نہ ہو بلکہ ایک میل یا ایک میل سے زائد فاصلے پر ہو۔

(۲) پانی جو موجود تو ہو مگر کسی کی امانت ہو یا کسی سے غصب کیا ہوا ہو۔ (۳) پانی کے نرخ کا معمول سے زیادہ گراں ہو جانا۔

(۴) پانی کی قیمت کا موجود نہ ہونا خواہ پانی قرض مل سکتا ہو یا نہیں، قرض لینے کے صورت میں اس پر قادر ہو یا نہ ہو، ہاں اگر اپنی ملکیت میں مال ہو اور ایک مدت معینہ کے وعدے پر قرض مل سکتا ہو تو قرض لے لینا چاہیئے۔

(۵) پانی کے استعمال سے کسی مرض کے پیدا ہو جانے یا بڑھ جانے کا خوف ہو یا یہ خوف ہو کہ اگر پانی استعمال کیا جائے گا تو صحت یابی میں دیر ہوگی۔

(۶) سردی اس قدر شدید ہو کہ پانی کے استعمال سے کسی عضو کے ضائع ہو جانے یا کسی مرض کے پیدا ہو جانے کا خوف ہو اور گرم پانی ملنا ممکن نہ ہو۔

(۷) کسی دشمن یا درندے کا خوف ہو مثلاً پانی ایسی جگہ ہو جہاں درندے وغیرہ آتے ہوں یا موجود ہوں یا راستے میں چوروں کا خوف ہو، یا اپنے اوپر کسی کا قرض ہو، یا کسی سے عداوت اور یہ خیال ہو کہ اگر پانی لینے جاؤں گا تو قرض خواہ مجھ کو پکڑ لے گا، یا کسی قسم کی تکلیف دے گا، یا پانی کسی غنڈے اور فاسق کے پاس ہو اور عورت کو اس کے حاصل کرنے میں اپنی بے حرمتی کا خوف ہو۔

(۸) پانی کھانے پینے کی ضرورت کے لیے رکھا ہو کہ اسے وضو یا غسل میں خرچ کر دیا جائے تو اس ضرورت میں حرج ہو مثلاً آٹا گوندھنے یا گوشت وغیرہ پکانے کے لیے رکھا ہو، یا پانی اس قدر ہو کہ اگر وضو غسل میں صرف کر دیا جائے تو پیاس کا خوف ہو خواہ اپنی پیاس کا یا کسی دوسرے کی پیاس کا، یا اپنے جانوروں کی پیاس کا، بشرطیکہ کوئی ایسی تدبیر نہ ہو سکے کہ مستعمل پانی جانوروں کے کام آسکے۔

(۹) کنوئیں سے پانی نکالنے کی کوئی چیز نہ ہو اور نہ کوئی کپڑا ہو کہ اسے کنوئیں میں ڈال کر تر کرے اور پھر اس سے نچوڑ کر طہارت حاصل کرے، یا پانی مٹکے وغیرہ میں ہو اور کوئی چیز پانی نکالنے کے لیے نہ ہو اور نہ مٹکا جھکا کر پانی لے سکتا ہو، نیز ہاتھ نجس ہوں اور کوئی دوسرا ایسا آدمی نہ ہو جو پانی نکال کر دے یا اس کے ہاتھ دھلا دے۔

(۱۰) وضو یا غسل کرنے میں ایسی نماز کے چلے جانے کا خوف ہو جس کی قضا نہیں ہے جیسے عیدین یا جنازے کی نماز۔ (۱۱) پانی کا بھول جانا مثلاً کسی آدمی کے پاس پانی تو ہے مگر وہ اسے بھول گیا ہو اور اس کا خیال ہو کہ میرے پاس پانی نہیں ہے۔

تیمّم اور دھونے کو جمع کرنے یا نہ کرنے کا بیان

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم سفر میں جا رہے تھے کہ ہم میں سے ایک آدمی کے پتھر لگا جس نے اس کے سر کو زخمی کر ڈالا (اتفاق سے) اسے نہانے کی حاجت بھی ہوگئی چنانچہ اس نے اپنے ساتھیوں سے دریافت کیا کہ کیا تمہارے نزدیک (اس صورت میں) میرے لیے تیمّم کرنا جائز ہے؟ انھوں نے کہا ایسی صورت میں جب کہ تم پانی استعمال کر سکتے ہو، ہم تمہارے لیے تیمّم کی کوئی وجہ نہیں پاتے۔ چنانچہ اس آدمی نے غسل کیا (جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ) اس کا انتقال ہو گیا۔ جب ہم (سفر سے واپس ہو کر) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ واقعہ بیان کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (انتہائی رنج اور تکلیف کے ساتھ) فرمایا، لوگوں نے اسے مار دیا، اللہ بھی انہیں مارے، پھر فرمایا کہ، ان کو جو بات معلوم نہ تھی، اسے انھوں نے دریافت کیوں نہ کر لیا؟ (کیونکہ) نہ جاننے کی بیماری کا علاج سوال ہے اور اسے تو یہی کافی تھا کہ تیمّم کر لیتا اور اپنے زخم

پر ایک پٹی باندھ کر اس پر مسح کر لیتا اور پھر اپنا تمام بدن دھو لیتا۔ (ابوداؤد اور ابن ماجہ نے اس روایت کو عطاء ابن رباح سے اور انہوں نے حضرت عبداللہ ابن عباس سے نقل کیا ہے۔ (مشکوۃ شریف، جلد اول، رقم الحدیث، 499)

بسا اوقات کم علمی اور کسی مسئلے سے عدم واقفیت پر اندوہناک واقعہ کا سبب بن جایا کرتی ہے چنانچہ اس موقعہ پر یہی ہوا کہ جب اس زخمی آدمی نے اپنے عذر کے بارے میں اپنے ساتھیوں سے مشورہ کیا کہ آیا ایسے حال میں کہ جب میرے سر پر زخم ہے اور پانی اس زخم کے لیے نقصان دہ ہوسکتا ہے تو ناپاکی دور کرنے کے لیے بجائے غسل کے میں تیمّم کر سکتا ہوں؟ تو ساتھیوں نے مسئلے سے ناواقفیت اور اپنی کم علمی کی بنا پر یہ سمجھ کر آیت تیمّم (فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ مِّنْهُ) 5۔ المائدہ,6) کا مطلب یہ ہے کہ تیمّم صرف اس شکل میں جائز ہوگا جب کہ پانی موجود نہ ہوا گر پانی موجود ہو تو تیمّم جائز نہیں ہوگا۔ اس آدمی سے کہہ دیا کہ تمہارے لیے تیمّم جائز ہونے کا کوئی سوال ہی نہیں ہے؟ حالانکہ انھوں نے یہ نہ سمجھا کہ تیمّم جائز نہ ہونے کی شکل یہ ہے کہ پانی موجود ہو اور ساتھ ساتھ اس کے استعمال پر قدرت نیز پانی کے استعمال سے کسی نقصان اور ضرر کا خدشہ بھی نہ ہو۔ اس بیچارے نے ان لوگوں کے علم وفہم پر اعتماد کیا اور اس حالت میں غسل کر لیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ پانی نے زخم میں شدت پیدا کر دی اور شدت بھی ایسی کہ وہ اللہ کا بندہ اسی وجہ سے اللہ کو پیارا ہو گیا۔

بہر حال یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ ایسے مواقع پر تیمّم بھی کرنا چاہیئے اور اس کے ساتھ ساتھ تمام بدن کو دھونا بھی چاہئے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: چنانچہ حضرت امام شافعی رحمہ اللہ علیہ کا مسلک یہ ہے مگر امام اعظم ابوحنیفہ کے رحمہ اللہ علیہ کے نزدیک دونوں میں سے ایک ہی چیز کافی ہے۔

حنفیہ کی جانب سے شوافع کو جواب دیتے ہوئے یہ کہا جاتا ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے اور پھر قیاس کے خلاف بھی ہے کہ اس سے بدل اور مبدل منہ کا جمع لازم آیا ہے۔

الحاصل اس مسئلے کا خلاصہ یہ ہے کہ ایسے مواقع پر اگر کسی آدمی کو پانی کے استعمال کرنے کی وجہ سے تلف جان کا خوف ہو تو اس کے لیے تیمّم کرنا جائز ہے یہ مسئلہ سب کے نزدیک متفق علیہ ہے۔

اور اگر کسی آدمی کو یہ ڈر ہو کہ پانی کے استعمال سے مرض بڑھ جائے گا یا صحت یابی میں تاخیر ہو جائے گی تو ایسی شکل میں بھی حضرت امام اعظم اور حضرت امام مالک رحمہما اللہ علیہ کے نزدیک اسے تیمّم کر کے نماز پڑھ لینی جائز ہے اور بعد میں نماز کی قضا ضروری نہیں ہے حضرات شوافع کے ہاں بھی تقریباً یہ مسلک ہے۔

اگر کسی آدمی کے کسی عضو میں زخم ہو یا پھوڑا ہو اور اس کی پٹی بندھی ہوئی ہو تو اس صورت میں حضرت امام شافعی رحمہ اللہ علیہ کا مسلک یہ ہے کہ اگر پٹی اتارنے سے تلف جان کا خطرہ ہو تو اسے چاہیئے کہ پٹی پر مسح کرے اور تیمّم کرے مگر حضرت امام اعظم اور حضرت امام مالک رحمہما اللہ علیہما فرماتے ہیں کہ جب کسی آدمی کے بدن کا کچھ حصہ زخمی اور کچھ حصہ اچھا ہو تو یہ دیکھا جائے گا کہ زخمی حصہ کتنا ہے اور اچھا حصہ کتنا ہے اگر زیادہ حصہ اچھا ہے تو اسے دھوئیں گے اور زخم پر مسح کریں اور اگر اکثر حصہ زخمی ہوگا تو تیمّم کریں گے اور دھونا ساقط ہو جائے گا۔ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ علیہ کا مسلک یہ ہے کہ جو حصہ اچھا ہو اسے دھویا جائے اور زخم کے لیے تیمّم کیا

جائے۔

تیمّم کی بعض شرائط کا بیان

الرابع استيعاب المحل بالمسح الخامس أن يمسح بجميع اليد أو بأكثرها حتى لو مسح بإصبعين لا يجوز ولو كرر حتى استوعب بخلاف مسح الرأس السادس أن يكون بضربتين بباطن الكفين ولو في مكان واحد ويقوم مقام الضربتين إصابة التراب بجسده إذا مسحه بنية التيمم السابع انقطاع ما ينافيه من حيض أو نفاس أو حدث الثامن زوال ما يمنع المسح كشمع وشحم سبب التيمم وشروط وجوبه وسببه وشورط وجوبه كما ذكر في الوضوء أركانه وركناه مسح اليدين والوجه سننه،

ترجمہ

چوتھی شرط: مسح کے ساتھ تمام جگہ کو گھیر لینا۔

پانچویں شرط: مسح پورے ہاتھ یا اس کے اکثر حصے کے ساتھ کیا جائے یہاں تک کہ اگر دو انگلیوں کے ساتھ مسح کیا تو جائز نہ ہوگا اگرچہ بار بار مسح کرکے (تمام جگہ کو) گھیر لے سر کے مسح کا حکم اس کے خلاف ہے (یعنی جائز ہے)

چھٹی شرط: تیمّم ہتھیلیوں کے اندرونی حصے کے ساتھ دو ضربوں کے ذریعے ہو اگرچہ ایک ہی جگہ پر ہوں۔ جسم پر مٹی لگ جائے اور اسے مل لے تیمّم کی نیت سے تو وہ دو ضربوں کے قائم مقام ہو جائے گی۔

ساتویں شرط: ایسی چیز کا دور ہونا جو تیمّم کے خلاف ہو مثلاً حیض، نفاس اور حدث۔

آٹھویں شرط: ایسی چیز کا دور ہو جانا جو مسح سے مانع ہے مثلاً موم اور چربی۔

تیمّم کا سبب اور شرائط وجوب: تیمّم کا سبب اور واجب ہونے کی شرطیں وہی ہیں جو ذکر کی گئی ہیں وضو کے بیان میں۔ اور تیمّم کے دو رکن ہیں دونوں ہاتھوں اور چہرے کا مسح کرنا۔

تیمّم کرنے کے مسنون طریقے کا بیان

پہلے بسم اللہ پڑھ کر تیمّم کی نیت کی جائے پھر اپنے دونوں ہاتھوں کو کسی ایسی مٹی پر جس کو نجاست نہ پہنچی ہو یا اس کی نجاست دھو کر زائل کر دی گئی ہو، ہتھیلیوں کی جانب سے کشادہ کر کے مار کر ملے اس کے بعد ہاتھوں کو اٹھا کر ان کی مٹی جھاڑ ڈالے اور پھر پورے دونوں ہاتھوں کو اپنے پورے منہ پر ملے اس طرح کہ کوئی جگہ ایسی باقی نہ رہ جائے جہاں ہاتھ نہ پہنچے۔ پھر اسی طرح دونوں ہاتھوں کو مٹی پر مار کر ملے پھر ان کی مٹی جھاڑ ڈالے اور بائیں ہاتھ کی تین انگلیاں سوائے کلمہ کی انگلی اور انگوٹھے کے، داہنے ہاتھ کے انگلیوں کے سرے پر پشت کی جانب رکھ کر کہنیوں تک کھینچ لائے اس طرح کہ بائیں ہاتھ کی ہتھیلی بھی لگ جائے اور کہنیوں کا مسح بھی ہو جائے پھر باقی انگلیوں کو اور ہاتھ کی ہتھیلی کو دوسری جانب رکھ کر انگلیوں تک کھینچا جائے، اسی طرح بائیں ہاتھ کا بھی مسح کرے۔

وضواور غسل دونوں کے تیمّم کا یہی طریقہ ہے اور ایک ہی تیمّم دونوں کے لیے کافی ہے۔ اگر دونوں کی نیت کرلی جائے۔

تیمّم۔ مسح مٹی یا مٹی کی جنس پر کرنا

۳- پاک مٹی یا جو چیز زمین کی جنس سے ہے اس پر تیمّم کرے اس پر گرد وغبار نہ ہو، جو چیز جل کر راکھ ہو جائیں جیسے لکڑی گھاس وغیرہ اور جو چیز پگھل کر نرم ہو جائیں جیسے سونا، چاندی، لوہا، کانسی، تانبا وغیرہ یہ چیزیں زمین کی جنس سے نہیں ہیں پس ہر قسم کی مٹی سرخ، سیاہ، سفید وغیرہ ریت گچ، چونا، پتھر، سرمہ، ہڑتال، گیرو، ملتانی، گندھک، فیروزہ، عقیق، زمرد، زبرجد، یاقوت وغیرہ پتھر کی قسمیں ہیں کچی یا پختہ اینٹ اور مٹی کے کچے یا پکے برتن خواہ نئے ہوں یا ان میں پانی بھر چکے ہوں ان سب پر تیمّم جائز ہے خواہ ان پر گرد وغبار ہو یا نہ ہو لیکن مٹی کو برتن پر روغن پھرا ہوا ہو تو تیمّم درست نہیں اور لکڑی، لوہا کان سے نکلنے کے بعد، صاف کیا ہوا سونا، چاندی، تانبا، پیتل، المونیم، سیسہ، رانگ، جست، گیہوں، جو، ہر قسم کا غلہ، کپڑا، راکھ، عنبر، کافور، مشک، مونگا وغیرہ ان تمام چیزوں پر تیمّم جائز نہیں، لیکن اگر ان چیزوں پر مٹی کا گرد وغبار ہو تو جائز ہے۔ پس جو چیز زمین کی جنس سے نہیں اور اس پر اتنا غبار ہے کہ ہاتھ مارنے سے اڑنے لگے یا اس چیز پر ہاتھ رکھ کر کھینچنے سے ہاتھوں پر مٹی کا نشان پڑ جائے تو اس سے تیمّم کرسکتا ہے۔ پس اس پر دونوں ہاتھ مارے اور جب غبار اس کے ہاتھ پر لگ جائے اور اس کا اثر ظاہر ہو تو تیمّم کرے یا اپنا کپڑا اجھاڑے اور ہاتھوں کو غبار کی طرف ہوا میں اٹھائے جب غبار اس کے ہاتھوں پر پڑے تو اس سے تیمّم کرلے۔ ڈھیلا مٹی وغیرہ ایک ہی جگہ سے ایک ہی آدمی بار بار تیمّم کرے۔ یا بہت سے آدمی تیمّم کریں تو جائز ہے اور وہ جگہ مستعمل نہیں ہو جاتی۔ مسجد کی دیوار یا زمین سے تیمّم کرنا بلا کراہت جائز ہے

تیمّم میں استعاب کا بیان

۴- استعاب (پورا پورا مسح کرنا) یعنی اس طرح مسح کرنا کہ کوئی حصہ باقی نہ رہے اگر بال برابر بھی کوئی جگہ رہ گئی تو تیمّم نہ ہوا۔ بھوؤں کے نیچے اور آنکھوں کے اوپر جو جگہ ہے اگر اس کا مسح نہ کیا تو تیمّم صحیح نہ ہوا، روغن، چربی، موم، تنگ انگوٹھی، کنگن، چوڑیاں وغیرہ نکال دینا ضروری ہے۔ تاکہ مسح پوری طرح ہو جائے انگوٹھی، کنگن، چوڑی وغیرہ کو حرکت دینا کافی نہیں، بلکہ اپنی جگہ سے ہٹا کر اس کے نیچے بھی مسح کرے، دونوں نتھنوں کے بیچ میں جو پردہ ہے اس پر بھی مسح کرے ورنہ نماز نہ ہوگی، اگر انگلیوں کے بیچ میں غبار داخل نہ ہوا تو ان کا خلال کرنا واجب ہے، کسی کی لبیں اتنی زیادہ بڑھی ہوئی ہوں کہ ہونٹ چھپ جائیں تو انہیں اٹھا کر ہونٹوں کا ظاہری حصہ کا مسح کرے ورنہ۔ تیمّم نہ ہوگا

- پورے ہاتھ سے یا کثیر ہاتھ سے مسح کرے اکثر کا مطلب یہ ہے کہ تین انگلیوں سے مسح کرے ایک یا دو انگلیوں سے مسح۔ جائز نہیں

۶- جو چیزیں تیمّم کے منافی ہوں ان کا نہ پایا جانا جیسے حیض ونفاس وغیرہ ۷- اعضائے مسح پر جو چیز مسح روکنے والی ہے اس کو دور کرنا جیسے موم، چربی یا انگوٹھی وغیرہ کو حرکت دے کر یا اتار کر اس کا مسح۔ کرنا

۸- پانی کا طلب کرنا جبکہ گمان ہو کہ پانی قریب ہے مثلاً سبزہ نظر آئے یا پرندے گھومتے ہوں یا کسی اور علامت سے یا کسی متقی آدمی کے بتانے سے پانی کا قریب ہونا معلوم ہو تو تقریباً چار سو گز شرعی کی مقدار چاروں طرف تلاش کرے، خود تلاش کرنا لازم نہیں

اگر کسی دوسرے شخص سے تلاش کرالیا تب بھی کافی ہے اور اس کے لئے ادھر اُدھر جانا واجب نہیں بلکہ اسی جگہ سے ہر طرف نظر دوڑانی واجب ہے جبکہ درخت وغیرہ دیکھنے سے مانع نہ ہوں ورنہ اونچی جگہ چڑھ کر دیکھیاور اگر وہاں سے دیکھنا بوجہ رکاوٹوں کے کافی نہ ہوتو چلنالازمی ہے اگر وہاں قریب پانی ہونے کا گمان غالب نہ ہواور کوئی خبر دے تو وہاں تلاش کرنا واجب نہیں، پس اگر شک ہوتو طلب کرنا مستحب ہے اور اگر شک بھی نہ ہوتو تلاش نہ کرنے پر مستحب کا تارک نہ ہوگا، اگر اس کے ساتھی کے پاس پانی ہے اور اس کو گمان ہے کہ اگر مانگے تو دیدے گا تو مانگنا واجب ہے اور تیمّم جائز نہ ہوگا، اگر یہ سمجھتا ہے کہ وہ نہ دے گا تو مانگنا واجب نہیں اور تیمّم جائز ہے۔ اگر پانی قیمت کے بغیر نہ ملے اور اس کے پاس رقم نہیں یا کرایہ وغیرہ راستہ کے خرچ سے فالتو رقم نہ ہوتو خریدنا واجب نہیں تیمّم کر کے نماز پڑھے اگر فالتو رقم ہواور وہ رواجی قیمت مانگتا ہوتو پانی خرید کر وضو کرے تیمّم نہ کرے، اگر بہت زیادہ مثلاً رواج سے دگنی قیمت مانگتا ہو۔ اس سے کم نہ کرے تو تیمّم کرے۔

تیمّم کی سنتوں کا بیان

وسنن التيمم سبعة التسمية في أوله والترتيب والموالاة وإقبال اليدين بعد وضعهما في التراب وإدبارهما ونفضهما وتفريج الأصابع تاخير التيمم وندب تأخير التيمم لمن يرجو الماء قبل خروج الوقت ويجب التأخير بالوعد بالماء ولو خاف القضاء ويجب التأخير بالوعد بالثوب أو السقاء ما لم يخف القضاء

طلب الماء ويجب طلب الماء الى مقدار أربعمائة خطوة إن ظن قربه مع الأمن وإلا فلا ويجب طلبه ممن هو معه إن كان في محل لا تشح به النفوس وإن لم يعطه إلا بثمن مثله لزمه شراؤه به إن كان معه فاضلا عن نفقته الصلاة بالتيمم يصلي بالتيمم الواحد ما شاء من الفرائض والنوافل.وصح تقديمه على الوقت ما يصنع الجريح ولو كان أكثر البدن أو نصفه جريحا تيمم وإن كان أكثره صحيحا غسله ومسح الجريح ولا يجمع بين الغسل والتيمم،

ترجمہ

اور تیمّم کی سنتیں سات ہیں: (۱) ابتداء میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھنا (۲) ترتیب (۳) تسلسل (۴) ہاتھوں کو مٹی میں رکھنے کے بعد ان کو آگے کی جانب کے جانا اور (۵) پیچھے کی طرف لانا (۶) ہاتھوں کو جھاڑنا (۷) انگلیوں کو کشادہ رکھنا۔

اس شخص کے لیے تیمّم میں تاخیر کرنا مستحب ہے جس کو وقت نکلنے سے پہلے پانی کے ملنے کی امید ہو۔ پانی کے وعدہ پر تاخیر واجب ہے اگرچہ نماز کے قضاء ہونے کا خوف ہو۔ کپڑے اور ڈول کا وعدہ کیا گیا تو جب تک نماز کے قضاء ہونے کا ڈر نہ ہو تاخیر واجب ہے۔ اگر پانی قریب ہونے کا گمان ہواور حالت امن ہوتو چار سو قدموں کی مقدار تک پانی تلاش کرنا واجب ہے ورنہ

نہیں۔اپنے ساتھی سے پانی مانگنا واجب ہے اگر ایسی جگہ ہو جہاں لوگ بخل سے کام نہیں لیتے اور اگر وہ اسے بازاری قیمت کے بغیر نہ دے تو بھی خریدنا ضروری ہے بشرطیکہ اس کے پاس ضروریات سے زیادہ رقم ہو۔ایک تیمّم کے ساتھ جس قدر چاہے فرائض ونوافل پڑھ سکتا ہے وقت سے پہلے بھی تیمّم کرنا درست ہے۔اگر بدن کا اکثر یا نصف حصہ زخمی ہو تو تیمّم کرے اور اگر زیادہ حصہ صحیح ہو تو دھوئے اور زخمی حصے کا مسح کرے۔دھونے اور تیمّم کو جمع نہ کرے۔

دوران نماز اگر پانی حاصل ہوا تو تیمّم کے حکم کا بیان

علامہ ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں تیمّم والوں کی جماعت ہو رہی ہے انہیں پانی کے مالک نے پانی ہبہ کر دیا جس پر وہ قابض بھی ہو گئے تو ان میں سے کسی کا تیمّم نہ ٹوٹے گا اس لئے کہ ہر ایک کو اتنا نہ پہنچے گا جو اس کے لئے کافی ہو یہ حکم بر قول صاحبین ہے۔اور امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے قول پر یہ ہبہ ہی شیوع کی وجہ سے صحیح نہیں، اور اگر ہبہ کرنے والے نے ان میں سے کسی ایک کو معین کر دیا تو اس کا تیمّم باطل ہو جائے گا باقی لوگوں کا نہیں یہاں تک کہ وہ شخص معین اگر امام تھا تو سب کی نماز باطل ہو گئی۔اسی طرح اگر غیر امام ہو۔مگر یہ کہ جب لوگ نماز سے فارغ ہو گئے تو امام نے اس سے پانی مانگا اس نے دے دیا تو سب کے قول پر نماز فاسد ہو گی اس لئے کہ ظاہر ہو گیا کہ اس نے پانی پر قدرت ہوتے ہوئے نماز ادا کی۔جاننا چاہئے کہ مشائخ نے یہ تفریع فرمائی ہے کہ اگر کسی نے تیمّم سے نماز شروع کی پھر اس کے سامنے ایسا شخص نمودار ہوا جس کے پاس پانی ہے تو اگر اس کا غالب گمان یہ ہو کہ وہ پانی دے دے گا تو مانگنے سے پہلے ہی نماز باطل ہو گئی اور اگر غالب گمان یہ ہو کہ نہ دیگا تو نماز پوری کرے اور اگر اشتباہ کی صورت ہو تو نماز پوری کرے پھر اس سے مانگے اگر دے دے خواہ ثمن مثل کے بدلے بیع وغیرہ سے ہی دے تو نماز کا اعادہ کرے ورنہ نماز کامل ہو گئی۔اسی طرح اگر انکار کرنے کے بعد دے مگر اس صورت میں وہ یہاں کسی دوسری نماز کے لئے وضو کرے گا۔تو امام کے مانگنے کی صورت میں فساد نماز کو مطلقاً کہنا یا تو حالت اشتباہ پر محمول ہو گا یا اس پر کہ نہ دینے کا غلبہ ظن ہونے کی صورت میں عدم فساد اس سے مقید ہے کہ ابھی اس کے دینے کا حال ظاہر نہ ہُوا ہو۔ (فتح القدیر، ج ۱، ص ۱۲۷، نوریہ رضویہ سکھر)

نماز کے وقت کے اندر پانی ملنے پر اعادہ نماز کا بیان

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ دو آدمی سفر کو روانہ ہوئے (اثنائے راہ میں) نماز کا وقت ہوا مگر ان کے پاس پانی نہیں تھا چنانچہ دونوں نے پاک مٹی سے تیمّم کیا اور نماز پڑھ لی (آگے چل کر انہیں پانی مل گیا اور نماز کا وقت بھی باقی تھا لہٰذا ان میں سے ایک نے وضو کر کے نماز لوٹا لی مگر دوسرے نے نہیں لوٹائی۔جب دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تو یہ واقعہ ذکر کیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (پورا واقعہ سن کر) اس آدمی سے جس نے نماز نہیں لوٹائی تھی فرمایا کہ تم نے سنت پر عمل کیا تمہارے لیے وہ نماز کافی ہے اور جس آدمی نے وضو کر کے نماز لوٹائی تھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا، تمہارے لیے دوگنا اجر ہے۔(ابوداؤد، دارمی) اور نسائی نے بھی اسی طرح روایت نقل کی ہے اور نسائی و ابوداؤد نے عطا ابن یسار سے مرسلا بھی نقل کی ہے۔(مشکوٰۃ شریف، جلد اول، رقم الحدیث، 500)

پانی نہ ملنے کی صورت میں اگر نماز پڑھ لی جائے اور پھر پانی مل جائے اور نماز کا وقت بھی باقی ہو تو اس نماز کو لوٹانا ضروری نہیں ہے اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آدمی سے جس نے نماز نہیں لوٹائی تھی فرمایا کہ تم نے سنت پر عمل کیا یعنی شریعت کا حکم چونکہ یہی ہے اس لیے تم نے شریعت کے حکم کی پابندی کی ہے کہ تیمّم سے نماز پڑھ لینے کے بعد پانی ملنے کے باوجود تم نے نماز نہیں لوٹائی۔ دوسرے آدمی کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوہرے ثواب کا مستحق قرار دیا کہ ایک ثواب تو ادائے فرض کا اور دوسرا ثواب ادائے نفل کا۔ اس مسئلے میں علماء کرام کا اتفاق ہے کہ تیمّم کرنے والا نماز سے فارغ ہو کر اگر پانی دیکھے اور اسے پانی مل جائے تو اس پر نماز لوٹانا ضروری نہیں ہے خواہ نماز کا وقت باقی کیوں نہ ہو۔

لیکن صورت اگر یہ ہو کہ ایک آدمی تیمّم کرنے کے بعد نماز پڑھنی شروع کر دے اور درمیان نماز سے پانی مل جائے تو اب وہ کیا کرے؟ آیا نماز ختم کر کے وضو کر لے اور پھر نماز پڑھے یا اپنی نماز تیمّم ہی سے پوری کر لے؟ اس مسئلے پر علماء کرام کا اختلاف ہے؟ چنانچہ جمہور یعنی اکثر علماء کا مسلک تو یہ ہے کہ اس آدمی کو اپنی نماز ختم نہیں کرنی چاہئے بلکہ وہ نماز پوری کر لے، اس کی نماز صحیح ہوگی۔ مگر حضرت امام اعظم ابوحنیفہ اور حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ علیہ کا ایک قول یہ ہے کہ اس صورت میں اس آدمی کا تیمّم باطل ہو جائے گا، گویا اسے نماز توڑ کر اور پانی سے وضو کر کے دوبارہ نماز شروع کرنی چاہئے۔

تیمّم کے نواقض کا بیان

نواقض التیمم وینقضه ناقض الوضوء والقدرة علی استعمال الماء الکافی مقطوع الیدین والرجلین ومقطوع الیدین والرجلین إذا کان بوجهه جراحة یصلی بغیر طهارة ولا یعید

ترجمہ

• تیمّم کو توڑنے والی چیزیں: جو چیزیں وضو کو توڑتی ہیں ان سے تیمّم بھی ٹوٹ جاتا ہے اس کے علاوہ پانی کے استعمال پر قادر ہونا بھی تیمّم کو توڑ دیتا ہے۔ جس آدمی کے ہاتھ اور پاؤں کٹے ہوئے ہوں اگر اس کا چہرہ زخمی ہو تو وہ وضو کے بغیر نماز پڑھے اور اسے نہ لوٹائے۔

تیمّم کو توڑنے والی چیزوں کی دو اقسام ہونے کا بیان

یہ دو قسم کی ہیں۔ ا۔ جن چیزوں سے وضو ٹوٹ جاتا ہے ان سے وضو کا تیمّم بھی ٹوٹ جاتا ہے اور جو چیزیں غسل کو واجب کرتی ہیں وہ غسل کے تیمّم کو توڑتی ہیں، پس غسل کا تیمّم صرف حدث اکبر سے ٹوٹتا ہے، وضو کو توڑنے والی چیز سے غسل کا تیمّم نہیں ٹوٹتا، مثلاً کسی نے وضو اور غسل دونوں کا تیمّم کیا پھر اس سے وضو توڑنے والا فعل سرزد ہوا تو اس کا وضو کا تیمّم ٹوٹ جائے گا اور غسل کا تیمّم بدستور رہے گا اب اگر پانی نہ ملے تو صرف وضو کی نیت سے تیمّم کرے، اگر کوئی شخص ریل پر سوار ہو اور اس نے پانی نہ ملنے کی وجہ سے تیمّم کیا پھر اثنائے سفر میں ریل گاڑی میں اس کو پانی دریا یا تالاب وغیرہ نظر آیا تو اس کا تیمّم نہیں ٹوٹے گا کیونکہ ریل گاڑی وہاں ٹھہر نہیں سکتی اور وہ چلتی ریل گاڑی سے اتر نہیں سکتا اس لئے وہ پانی کیا ستعمال پر قادر نہیں ہوا۔

۲، جس عذر کی وجہ سے تیمّم جائز ہوا تھا جب وہ عذر جاتا رہا تو تیمم ٹوٹ جائے گا مثلاً پانی نہ ملنے کی وجہ سے تیمّم کیا تھا تو وہ پانی پر قدرت حاصل ہو جانے کی صورت میں ٹوٹ جائے گا۔ وضو کے موافق پانی ملنے سے وضو کا تیمّم ٹوٹ جائے گا اور غسل کے موافق پانی ملنے سے غسل کا تیمّم ٹوٹے گا پس اگر اتنا پانی مل جائے جس سے غسل کے فرائض ادا ہو سکیں تو غسل کا تیمّم ٹوٹ جائے گا، خواہ غسل کی سنتیں ادا ہو نہ سکیں، اسی طرح اگر وضو کے لئے اتنا پانی مل سکے جس سے وضو کے فرائض ادا ہو سکیں تو وضو کا تیمّم ٹوٹ جائے گا خواہ وضو کی سنتیں ادا نہ ہو سکیں۔ اور اگر مرض وغیرہ کس اور عذر کی وجہ سے تیمّم کیا تھا تو اس عذر کے جاتے رہنے سے بھی تیمّم ٹوٹ جائے گا۔ تیمّم جائز ہونے کے اسباب یعنی پانی دور ہونا، خوف مرض، خوف دشمن، خوفِ پیاس اور پانی نکالنے کا سامان نہ ہونا، علیحدہ علیحدہ ہونے کی وجہ سے ایک عذر دوسرے میں شامل نہیں ہو سکتا جب کسی شخص نے ایک عذر کی وجہ سے تیمّم کیا پھر کوئی دوسرا عذر پہلی اجازت کی حالت میں لاحق ہو گیا پھر پہلا عذر جاتا رہا تو اس کی پہلی اجازت بالکل ختم ہو گئی اور اس کا تیمّم بھی ختم ہو گیا اب دوسری اجازت کا تیمّم دوبارہ کرے، مثلاً مسافر نے پانی نہ ملنے کی وجہ سے تیمّم کیا اسی حالت میں ایسا مرض ہو گیا جس سے تیمّم جائز ہوتا ہے پھر وہ شخص مقیم ہو گیا تو پہلا سبب یعنی سفر ختم ہو جانے سے وہ تیمّم ختم ہو گیا، اب اس سے نماز جائز نہ ہو گی بلکہ اب مرض کی وجہ دوبارہ تیمّم کرے یا مسافر کو تیمّم کے بعد پانی مل گیا لیکن ایسا مرض ہو۔ گیا جس سے تیمّم جائز ہوتا ہے تب بھی پہلا تیمّم ختم ہو گیا اب دوبارہ تیمّم کرے۔

تیمّم کا معذور کے وضو کی طرح نہ ہونے کا بیان

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پاک مٹی مسلمان کو پاک کرنے والی ہے۔ اگرچہ وہ دس برس تک پانی نہ پائے اور جس وقت مل جائے تو بدن دھو لینا چاہئے کیونکہ یہ بہتر ہے۔ (مسند احمد بن حنبل جامع ترمذی، سنن ابوداؤد) اور نسائی نے بھی اسی طرح کی روایت عشر سنین تک نقل کی ہے۔ (مشکوٰۃ، جلد اول، حدیث 498)

دس برس کی مدت تحدید کے لیے نہیں ہے بلکہ کثرت کے لیے ہے یعنی اگر اتنے طویل عرصے تک بھی پانی نہ ملے تو غسل یا وضو کے لیے تیمّم کیا جا سکتا ہے اور پھر بعد میں جب بھی اتنا پانی مل جائے جو غسل یا وضو کے لیے کافی ہو اور پینے کی ضرورت سے زیادہ ہو نیز اس کے استعمال پر قادر بھی ہو تو غسل کرنا یا وضو کرنا چاہئے کیونکہ اس صورت میں غسل یا وضو واجب ہو گا تیمّم جائز نہیں ہو گا۔

یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ نماز کا وقت ختم ہو جانے پر تیمّم نہیں ٹوٹتا بلکہ اس کا حکم وضو (جن چیزوں سے وضو ٹوٹ جاتا ہے ان سے وضو کا تیمّم بھی ٹوٹ جاتا ہے اور جن چیزوں سے غسل واجب ہوتا ہے ان سے غسل کا تیمّم بھی ٹوٹ جاتا ہے۔) کی طرح ہے کہ جس طرح جب تک وضو نہ ٹوٹے ایک وضو سے جتنے فرض یا نفل چاہے پڑھ سکتا ہے اسی طرح ایک تیمّم سے بھی کئی وقت کی نماز پڑھی جا سکتی ہیں چنانچہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ علیہ کا یہی مسلک ہے مگر حضرت امام شافعی رحمہ اللہ علیہ کے نزدیک تیمّم معذور کے وضو کی طرح ہے کہ جس طرح نماز کا وقت گزر جانے سے معذور کا وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ اسی طرح نماز کا وقت ختم ہو جانے پر تیمّم بھی ٹوٹ جاتا ہے۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں کئی راویوں نے اسے خالد حذاء انہوں نے ابوقلابہ انہوں نے عمرو بن بجدان اور انہوں نے

ابوذر سے اسی طرح بیان کیا ہے یہ حدیث ایوب نے ابوقلابہ انہوں نے بنی عامر کے ایک شخص اور انہوں نے ابوذر سے نقل کی ہے اور اس شخص کا نام نہیں لیا اور یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

تمام فقہاء کا یہی قول ہے کہ اگر جنبی اور حائضہ کو پانی نہ ملے تو تیمّم کر لیں اور نماز پڑھیں ابن مسعود جنبی کے لئے تیمّم کو جائز نہیں سمجھتے اگر چہ پانی نہ ملتا ہو ان سے یہ بھی روایت ہے کہ انہوں نے اس قول سے رجوع کر لیا اور فرمایا کہ اگر پانی نہ ملے تو تیمّم کر لے اور یہی سفیان ثوری، مالک، شافعی، احمد اور اسحاق کا ہے۔ (جامع ترمذی، جلد اول، رقم الحدیث، 118)

تیمّم کی سات سنتیں اور بعض مستحبات کا بیان

۱- ہاتھوں کو مٹی پر رکھ کر آگے کو لانا، ۲- پھر پیچھے کو لیجانا ۳- پھر ان کا جھاڑنا ۴- انگلیوں کو کھلا رکھنا تا کہ ان میں گرد وغبار آ جائے ۵- شروع میں بسم اللہ پڑھنا، ۶- ترتیب کا لحاظ رکھنا ۷- پے در پے تیمّم کرنا سنت سے مراد یہاں مستحب ہے،

کچھ اور بھی مستحب ہیں مثلاً

۱- ہتھیلیوں کی اندرونی سطح سے تیمّم کرنا، ۲- پہلے دائیں عضو کا مسح کرنا پھر بائیں کا، ۳- مٹی سے تیمّم کرنا نہ کہ اس کی ہم جنس سے، ۴- منھ کے مسح کے بعد داڑھی کا خلال کرنا، ۵- مسنون طریقہ سے مسح کرنا،

۶- دونوں ہاتھوں کا مٹی پر مارنا تا کہ مٹی انگلیوں کے اندر پہنچ جائے اب کل تیرہ سنتیں ہو گئیں۔

باب المسح علی الخفین

﴿یہ باب موزوں پر مسح کرنے کے بیان میں ہے﴾

موزے کے فقہی مفہوم کا بیان

لغت عرب میں لفظ ''خف'' کا معنی ''موزہ'' ہے۔ یہ خفیف سے ہے جس کا لغوی معنی ہے ''ہلکا'' پھرتیلا، اس کی وجہ تسمیہ بھی یہی ہے کہ موزے جوتوں کی بہ نسبت ہلکے ہوتے ہیں اسی وجہ سے انہیں موزے کہا جاتا ہے۔ جبکہ اصطلاح شرع میں چمڑے کے بنے ہوئے وہ موزے جنہیں پہنا جاسکے اور وہ پاؤں میں ٹھہر سکیں وہ موزے کہلاتے ہیں۔

موزوں پر مسح کرنے میں دلیل شرعی ہونے کا بیان

علامہ ابن حجر عسقلانی نے ہدایہ کی تخریج درایہ میں مختلف چھیالیس (۴۶) اسناد ذکر کی ہیں۔ اسی طرح موزوں پر مسح کرنے کے جواز میں کثیر احادیث جن میں مرفوع وغیر مرفوع دونوں کی بکثرت روایات موجود ہیں۔

حضرت سیدنا امام اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کہ میرے پاس موزوں پر مسح کرنے والا مسئلہ اس طرح آیا ہے جس طرح دن کی روشنی آتی ہے۔ اور ایک روایت یہ بھی آپ سے مروی ہے کہ مجھے اس شخص کے کفر کا خوف ہے جو یہ کہے میں نے موزوں پر مسح والے مسئلہ دیکھا نہیں (جبکہ وہ شخص فقیہ ہو) حالانکہ اس میں تواتر سے آثار موجود ہیں۔

امام ابو یوسف علیہ الرحمہ نے فرمایا: کہ موزوں پر مسح کرنے والی خبر اتنی مشہور ہے کہ اس سے کتاب کے حکم کا نسخ جائز ہوسکتا ہے

امام احمد علیہ الرحمہ نے فرمایا: میرے دل میں اس کے سوا نہیں کہ موزوں پر مسح کرنے میں اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے چالیس احادیث جن میں مرفوع وغیر مرفوع احادیث ہیں وہ سب روایت کی گئیں ہیں۔

علامہ بن منذر کہتے ہیں کہ امام بصری علیہ الرحمہ نے فرمایا: ستر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث بیان کی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے موزوں پر مسح کیا ہے۔ شیخ ابو عمر بن عبد البر لکھتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی نے مسح کا انکار نہیں کیا سوائے حضرت ابن عباس، حضرت عائشہ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم کے (انہوں نے بھی حدیث کی سماعت پر عدم علم کا اظہار کیا نہ انکار کیا۔) کیونکہ صحیح مسلم حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے عدم علم کا اظہار یعنی سند أحدیث انہوں نے روایت نہیں کی۔ (فتح القدیر، ج ۱، ص ۲۶۰، بیروت)

موزوں پر مسح کرنا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔ شیعہ اور خوارج کے سوا اس کے جواز پر پوری امت کا اجماع

ہے۔حافظ ابن حجر فتح الباری میں لکھتے ہیں کہ محدثین کی ایک جماعت نے اس بات کی تصریح کی ہے۔کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے موزوں پر مسح کرنا تواتر سے ثابت ہے۔بعض محدثین نے اس کے راویوں کی تعداد اسی 80 لکھی ہے۔جن میں عشرہ مبشرہ بھی شامل ہیں۔اس بارے میں سب سے صحیح حدیث حضرت جریر کی ہے کہ انہوں نے پیشاب کرنے کے بعد وضو کیا اور موزوں پر مسح کیا۔لوگوں نے آپ سے پوچھا کہ آپ ایسا کرتے ہیں؟ فرمایا ہاں میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشاب کرنے کے بعد وضو فرمایا اور اپنے موزوں پر مسح کیا چونکہ حضرت جریر سورہ مائدہ کے نزول کے بعد اسلام لائے تھے،اس لئے لوگ ان کی روایت کو زیادہ معتبر مانتے تھے۔(بخاری ومسلم)

موزوں پر مسح کرنے کا بیان

حکمه صح المسح على الخضيي فى الحدث الأصغر للرجال والنساء ولو كانا من شيء ثخين غير الجلد سواء كان لهما نعل من جلد او لا شروط جوازه ويشترط لجواز المسح على الخفين سبعة شروط الأول لبسهما بعد غسل الرجلين ولو قبل كمال الوضوء إذا أتمه قبل حصول ناقض للوضوء والثاني سترهما للكعبين والثالث إمكان متابعة المشي فيهما فلا يجوز على خف من زجاج أو خشب أو حديد والرابع خلو كل منهما عن خرق قدر ثلاث أصابع من أصغر أصابع القدم والخامس استمساكهما على الرجلين من غير شد والسادس منعهما وصول الماء الى الجسد والسابع أن يبقى من مقدم القدم قدر ثلاث أصابع من أصغر أصابع آليد فلو كان فاقدا مقدم قدمه لا يمسح على خفه ولو كان عقب القدم موجودا،

ترجمہ

موزوں پر مسح کرنا جائز ہے حدث اصغر میں مردوں اور عورتوں کے لیے اگر چہ (موزے) چمڑے کے علاوہ کسی گاڑھی چیز سے ہوں چاہے ان پر چمڑے کی نعل ہو یا نہ ہو۔

موزوں پر مسح کے جائز ہونے کی سات شرائط ہیں۔(۱) دونوں پاؤں دھونے کے بعد موزے پہننا اگر چہ وضو مکمل کرنے سے پہلے ہو جب کہ کسی ایسی چیز کے پائے جانے سے پہلے وضو مکمل کرے جو وضو کو توڑ دیتی ہے۔(۲) موزوں سے ٹخنے چھپ جائیں (۳) ان کو پہن کر مسلسل چلنا ممکن ہو لہٰذا شیشے،لکڑی اور لوہے کے موزے پر مسح جائز نہیں۔(۴) کوئی موزہ پاؤں کی چھوٹی انگلی کے مطابق تین انگلیوں کے برابر پھٹا ہوا نہ ہو۔(۵) موزوں کا پنڈلی پر باندھنے کے بغیر ٹھہرنا۔(۶) ان کا بدن تک پانی کے پہنچنے سے مانع ہونا۔(۷) ہاتھ کی چھوٹی انگلی کے مطابق تین انگلیوں کے برابر قدم کا اگلا حصہ باقی ہو اگر پاؤں کا اگلا حصہ نہ ہو تو موزے پر مسح نہ کرے اگر چہ قدم کا پچھلا حصہ موجود ہو۔

پھٹے ہوئے موزوں کے بارے میں ائمہ کرام کے اقوال

علامہ ابن محمود بابرتی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ اس مسئلہ میں چار اقوال ہیں۔ (۱) پہلا قول یہ ہے۔ کہ وہ جواز مسح کو منع کرنے والا ہے خواہ اس کی پھٹن قلیل ہو یا کثیر ہو اور یہ امام زفر اور امام شافعی کا قول ہے (۲) دونوں صورتوں یعنی قلیل وکثیر میں مسح کرنا جائز ہے۔ یہ قول ابوسفیان اور ایک روایت امام مالک علیہ الرحمہ سے بیان کی گئی ہے۔

(۳) قلیل وکثیر موزے کے پھٹنے کا فرق کیا جائے گا یہ عامہ علماء کا قول اور دلیل استحسان سے ثابت ہے۔ (۴) جو حصہ قدم کا ظاہر ہو اس کو دھویا جائے گا اور جو حصہ ظاہر نہ ہو اس کا مسح کیا جائے گا۔ یہ امام اوزاعی کا قول ہے۔

پہلے قول کی دلیل یہ ہے کہ جب کسی موزے کے پھٹنے کی وجہ سے اس کا کثیر منع ہے تو اسی طرح قلیل بھی منع ہوگا کیونکہ بطور سہولت یہ بھی منع ہوگا۔ کیونکہ جس طرح حدث کثیر وقلیل سے ثابت ہو جاتا ہے۔ اسی طرح موزوں کا مسح بھی قلیل وکثیر سے باطل ہو جائے گا۔

دوسرے قول کی دلیل یہ ہے کہ موزہ حدث کی قدم کی طرف سرایت کرنے سے روکتا ہے۔ جب تک موزے پر موزے کا اطلاق رہے گا اس حالت میں اس پر مسح کرنا جائز رہے گا۔ (لہٰذا اس میں قلیل وکثیر کا کوئی اعتبار نہیں کیا جائے گا)۔

ہمارا قول استحسان کا ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ کوئی بھی موزہ عام طور تھوڑا بہتا ضرور پھٹا ہوا ہوتا ہے۔ اگر موزہ تھوڑا پھٹا ہو تو اسے حرج کی طرف لاحق کریں گے یعنی اسکے اتارنے میں حرج ہے جبکہ زیادہ پھٹا ہوا ہونے کی صورت میں اسے حرج کی طرف لاحق نہیں کریں گے۔ (عنايه شرح الهدايه، ج ۱، ص ۲۳۷، بيروت)

جنابت والے کے لئے موزوں پر مسح کی عدم اباحت کا بیان

حضرت صفوان بن عسال رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب ہم سفر میں ہوتے تھے تو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں حکم دیتے تھے کہ تین دن اور تین راتوں تک (وضو کرنے کے وقت پاؤں کو (دھونے کے لیے) موزے نہ اتارے جائیں، نہ پاخانے کی وجہ سے نہ پیشاب کی وجہ سے نہ سونے کی وجہ سے البتہ جنابت کی وجہ سے (یعنی غسل واجب ہونے کی صورت میں نہانے کے لیے اتارے جائیں۔ (جامع ترمذی، سنن نسائی)

مطلب یہ ہے کہ سو کر اٹھنے یا پیشاب و پاخانے کے بعد وضو کرنے کی صورت میں اس مدت تک جو مسافر یا مقیم کے لیے ہے پاؤں کو دھونے کے لیے موزوں کو اتارنا نہیں چاہئے بلکہ موزوں پر مسح کر لیا جائے اور جنابت کی حالت میں یعنی جب غسل واجب ہو جائے تو نہانے کے لیے موزے اتارنے ضروری ہیں کیونکہ اس حالت میں موزوں پر مسح درست نہیں ہے۔

موزوں پر مسح کرنے کی مدت کا بیان

مدة المسح عليه ويمسح المقيم يوما وليلة والمسافر ثلاثة أيام بلياليها وابتداء المدة من وقت الحدث بعد لبس الخفين وإن مسح مقيم ثم سافر قبل تمام مدته أتم مدة المسافر

وإن أقام المسافر بعد ما مسح يوما وليلة نزع وإلا يتم يوما وليلة مقدار الفرض فيه وفرض المسح قدر ثلاث أصابع من أصغر أصابع اليد على ظاهر مقدم كل رجل وسننه مد الأصابع مفرجة من رؤوس أصابع القدم الى الساق،

ترجمہ

اور مسح کرسکتا ہے مقیم آدمی ایک دن اور ایک رات جب کہ مسافر آدمی تین دن رات مسح کرسکتا ہے اور یہ مدت اس وقت شروع ہوگی جب موزے پہننے کے بعد بے وضو ہوگا۔ اگر مقیم آدمی نے مسح کیا پھر مدت پوری ہونے سے پہلے مسافر ہوگیا تو مسافر والی مدت پوری کرے اور اگر مسافر ایک دن رات مسح کرنے کے بعد مقیم ہوگیا تو موزے اتار دے ورنہ ایک دن رات پوری کرے۔

اور فرض ہے مسح کرنا ہاتھ کی چھوٹی انگلی کے حساب سے تین انگلیوں کے برابر ہر قدم کے ظاہر پر اور اس کا سنت طریقہ یہ ہے کہ انگلیوں کو کشادہ رکھتے ہوئے پاؤں کی انگلیوں سے پنڈلی کی طرف کھینچے۔

مدت مسح مسافر کے لئے تین جبکہ مقیم کے لئے ایک دن رات ہے

حضرت خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے موزوں پر مسح کے متعلق پوچھا گیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسافر کے لئے تین دن اور رات جبکہ مقیم کے لئے ایک دن رات کی مدت ہے ابوعبداللہ جدلی کا نام عبد بن عبد ہے ابوعیسیٰ کہتے ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے اور اس باب میں حضرت علی ابوبکرہ ابوہریرہ صفوان بن عسال عوف بن مالک ابن عمر اور جریر (رضی اللہ عنہم) سے روایات منقول ہیں۔ (جامع ترمذی، جلد اول، رقم الحدیث، 91)

موزوں کے اوپر یا نیچے سے مسح کرنے کا بیان

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے موزے کے اوپر اور نیچے مسح کیا ابوعیسیٰ فرماتے ہیں کہ کئی صحابہ اور تابعین کا قول ہے اور یہی کہتے ہیں مالک شافعی اور اسحاق اور یہ حدیث معلول ہے اسے ثور بن یزید سے ولید بن مسلم کے علاوہ کسی نے روایت نہیں کیا اور پوچھا میں نے اس حدیث کے متعلق ابوزرعہ اور امام محمد بن اسماعیل بخاری سے ان دونوں نے جواب دیا یہ صحیح نہیں ہے۔

اس لئے کہ ابن مبارک روایت کرتے ہیں ثور سے اور وہ روایت کرتے ہیں رجاء سے کہ رجاء نے کہا مجھے یہ حدیث حضرت مغیرہ کے کاتب سے پہنچی ہے اور یہ مرسل ہے کیونکہ انہوں نے مغیرہ کا ذکر نہیں کیا۔ (جامع ترمذی، جلد اول، رقم الحدیث، 93)

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو موزوں کے اوپر مسح کرتے ہوئے دیکھا ابوعیسیٰ فرماتے ہیں حدیث مغیرہ حسن ہے اسے عبدالرحمن بن ابوالزناد اپنے والد سے وہ عروہ سے اور وہ مغیرہ سے روایت کرتے ہیں اور ہم نہیں جانتے کسی کو کہ ذکر کی ہو عروہ کی روایت مغیرہ سے موزوں پر مسح کرنے کے بارے میں سوائے عبدالرحمن کے اور یہی قول کئی اہل علم اور سفیان ثوری اور احمد کا ہے امام محمد بن اسماعیل بخاری کہتے ہیں کہ مالک عبدالرحمن بن ابوزناد

کو ضعیف سمجھتے تھے۔ (جامع ترمذی، جلد اول، رقم الحدیث، 94)

حضرت امام مالک اور حضرت امام شافعی رحمہما اللہ علیہما کے نزدیک پشت قدم یعنی موزے کے اوپر مسح کرنا واجب ہے اور موزے کے نیچے یعنی تلوے پر مسح کرنا سنت ہے لیکن حضرت امام ابو حنیفہ اور حضرت امام احمد رحمہما اللہ علیہما کا مسلک یہ ہے کہ مسح فقط پشت قدم یعنی موزے کے اوپر کیا جائے یہ دونوں حضرات فرماتے ہیں کہ یہ حدیث جس سے موزے کے دونوں طرف مسح کرنے کا اثبات ہو رہا ہے خود معیار صحت کو پہنچی ہوئی نہیں ہے کیونکہ علماء کرام نے اس کی صحت بارے کلام کیا ہے۔ نیز ایسی احادیث بہت زیادہ منقول ہیں جو اس حدیث کے بالکل برعکس ہیں اور جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مسح فقط پشت پر کیا جائے لہٰذا عمل اس ہی حدیث پر کیا جائے گا۔ محدثین کی اصطلاح میں حدیث معلول اس حدیث کو کہتے ہیں جس میں ایسا سبب پوشیدہ ہو جو اس بات کا مقتضی ہو کہ اس حدیث کے مطابق عمل نہ کیا جائے۔

اس حدیث کے ضعیف ہونے کی دو وجوہات ہیں۔ اول تو یہ کہ حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ تک اس حدیث کی سند کا پہنچنا ثابت نہیں ہے بلکہ اس کی سند بولا و تک جو مغیرہ کے مولی اور کاتب تھے پہنچتی ہے، دوسری وجہ ہے کہ اس حدیث کو ثور ابن یزید نے رجاء ابن حیوۃ سے روایت کیا ہے اور رجاء ابن حیوۃ نے حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کے کاتب سے روایت کیا ہے حالانکہ رجاء سے ثور کا سماع ثابت نہیں ہے پھر ایک سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ مضمون جو (رقم الحدیث، ۲) حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ سے مختلف سندوں کے ساتھ منقول ہے اور جو معیار صحت کو پہنچی ہوئی ہے اس میں مطلقاً اس بات کا ذکر کیا گیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے موزوں پر مسح کیا تھا، اوپر نیچے مسح کرنے کی کوئی وضاحت منقول نہیں ہے پھر حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کی ایک اور روایت اس کے بعد آ رہی ہے اس میں صراحت کے ساتھ یہ منقول ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے موزوں کے اوپر مسح کیا۔ لہٰذا معلوم یہ ہوا کہ اس حدیث میں اضطراب ہے اور یہ وہ اسباب ہیں کہ جس کی وجہ سے اس حدیث کو ضعیف کہا جاتا ہے۔

حضرت مغیرہ ابن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ بیان کرتے عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو موزوں کے اوپر مسح کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ (جامع ترمذی و سنن ابو داؤد)

مسح کو توڑنے والی چیزوں کا بیان

نواقضه وينقض مسح الخف أربعة أشياء كل شيء ينقض الوضوء ونزع خف ولو بخروج أكثر القدم الى ساق الخف وإصابة الماء أكثر إحدى القدمين فى الخف على الصحيح ومضى المدة إن لم يخف ذهاب رجله من البرد وبعد الثلاثة الأخيرة غسل رجليه فقط ما لا يجوز المسح عليه ولا يجوز المسح على عمامة وقلنسوة وبرقع وقفازين۔

ترجمہ

مسح کو توڑنے والی چیزیں: چار چیزیں موزے پر مسح کو توڑ دیتی ہیں (۱) ہر وہ چیز جو وضو کو توڑ دیتی ہے۔ (۲) موزہ اتار دینا

اگرچہ قدم کا زیادہ حصہ موزے کی پنڈلی کی طرف نکلنے سے ہو۔ (۳) موزے میں کسی ایک قدم کے زیادہ حصے تک پانی کا پہنچنا (۴) مدت کا پورا ہو جانا اگر سردی کی وجہ سے پاؤں کا نقصان کا خطرہ نہ ہو۔ آخری تین کے بعد صرف پاؤں دھوئے۔ پگڑی، ٹوپی، برقعے اور دستانوں پر مسح جائز نہیں۔

مسح کو توڑ دینے والے اسباب کا بیان

(۱) اگر موزہ کسی جگہ سے پاؤں کی تین چھوٹی انگلیوں کے برابر پھٹ جائے تو اس پر مسح درست نہیں ہوتا، اس طرح اگر ایک موزہ تھوڑا تھوڑا کر کے کئی جگہ سے اتنی مقدار میں پھٹ جائے کہ اگر ان سب کو جمع کیا جائے تو وہ تین انگلیوں کے برابر ہو تو اس پر بھی مسح درست نہیں ہوتا اور اگر دونوں موزے تھوڑے تھوڑے اتنی مقدار میں پھٹے ہوں کہ اگر انھیں جمع کیا جائے تو وہ تین انگلیوں کے برابر ہو تو اس کا اعتبار نہیں ہوگا بلکہ ان پر مسح درست ہوگا۔

(۲) جن چیزوں سے وضو ٹوٹتا ہے ان سے مسح بھی ٹوٹ جاتا ہے۔ (۳) حدث کے بعد موزہ اتارنے سے مسح ٹوٹ جاتا ہے۔ (۴) مسح کی مدت ختم ہو جانے کے بعد مسح ٹوٹ جاتا ہے بشرطیکہ سردی کی وجہ سے پاؤں کے ضائع ہونے کا خوف نہ ہو، یعنی اگر سردی کی شدت اور کسی بیماری کی وجہ سے یہ خوف ہو کہ موزہ اتارنے سے پاؤں ضائع ہو جائے گا تو مسح کی مدت ختم ہونے کے بعد مسح نہیں ٹوٹے گا جب تک خوف باقی رہے گا مسح بھی باقی رہے گا۔

(۵) اگر موزہ اتارنے یا مدت ختم ہونے کی وجہ سے مسح ٹوٹ جائے اور وضو باقی ہو تو ایسی شکل میں از سرِ نو وضو کرنے کی ضرورت نہیں بلکہ صرف پاؤں دھو کر موزہ پہن لینا کافی ہوگا۔

(۶) اگر آدھے سے زیادہ پاؤں موزے سے باہر نکل آئے تو بھی مسح ٹوٹ جاتا ہے۔ (۷) اگر مقیم نے مسح کیا اور ایک رات اور ایک دن گزرنے سے پہلے مسافر ہو گیا وہ مسح کے لیے سفر کی مدت پوری کرے یعنی تین دن اور تین رات تک مسح کرتا رہے، اسی طرح اگر مسافر نے مسح کیا اور پھر وہ مقیم ہو گیا تو اسے چاہئے کہ ایک دن ایک رات کے بعد موزہ اتار دے کیونکہ اس کی مدت پوری ہو گئی ہے۔ (۸) اگر کوئی معذور مثلاً ظہر کے وقت وضو کر کے موزہ پہنے تو جس عذر کی وجہ سے وہ معذور ہے اس کے علاوہ کسی دوسری چیز سے اس کا وضو ٹوٹ جائے تو اس کے لیے مسح کی مدت میں موزوں پر مسح کرنا جائز ہوگا اور پھر مسح کی مدت ختم ہو جانے کے بعد مسح ٹوٹ جائے گا۔

فصل فی الجبیرۃ ونحوھا

﴿یہ فصل پر پٹی وغیرہ پر مسح کرنے کے بیان میں ہے﴾

پٹی پر مسح کرنے کا بیان

إذا افتصد أو جرح أو كسر عضوه فشده بخرقة أو جبيرة و كان لا يستطيع غسل العضو ولا يستطيع مسحه وجب المسح على أكثر ما شد به العضو و كفى المسح على ما ظهر من الجسد بين عصابة المفتصد والمسح كالغسل فلا يتوقت بمدة ولا يشترط شد الجبيرة على طهر ويجوز مسح جبيرة احدى الرجلين مع غسل الأخرى ولا يبطل المسح بسقوطها قبل البرء ويجوز تبديلها بغيرها ولا يجب إعادة المسح عليها والأفضل إعادته وإذا رمد وأمر أن لا يغسل عينه أو انكسر ظفره وجعل عليه دواء أو علكا أو جلدة مرارة وضره نزعه جاز له المسح وإن ضره المسح تركه النية فى المسح ولا يفتقر الى النية فى مسح الخف والجبيرة والرأس،

ترجمہ

پٹی پر مسح کرنا: جب پچھنا لگوایا کسی آدمی نے یا اس کا کوئی عضو ٹوٹ گیا تو اس نے اس پر کپڑے کا ٹکڑا یا پٹی باندھی اور وہ اس عضو کو دھو نہیں سکتا اور نہ ہی اس پر مسح کرسکتا ہے تو اس پر واجب ہے کہ جس چیز کے ساتھ اس نے عضو کو باندھا ہے اس کے اکثر حصے پر مسح کرے اور پچھنے لگوانے والے کی پٹی کے درمیان جسم کا جو حصہ ظاہر ہے اس پر مسح کرلینا کافی ہے۔ اور مسح دھونے کی طرح ہے پس کسی مدت کے ساتھ خاص نہیں اور نہ ہی طہارت کے بعد پٹی باندھنا شرط ہے۔

ایک پاؤں کو دھونے کے ساتھ دوسرے پاؤں کی پٹی پر مسح کرنا جائز ہے اور مسح باطل نہیں ہوتا صحت یابی سے پہلے پٹی کے گر جانے سے۔ ایک پٹی کو دوسری سے بدلنا بھی جائز ہے اور اس پر مسح کو لوٹانا واجب نہیں البتہ افضل ہے۔ اور جب آنکھ میں تکلیف ہو اور اسے حکم دیا جائے کہ آنکھ کو نہ دھوئے یا ناخن ٹوٹ گیا اور اس پر دوائی گوند یا پتے کی کھال لگائی جس کا اتارنا اسے نقصان دیتا ہے تو اس پر مسح جائز ہے اور اگر مسح بھی تکلیف دیتا ہے تو چھوڑ دے۔ موزے پٹی اور سر کے مسح میں نیت کی ضرورت نہیں ہے۔

جبیرہ وعصابہ پر مسح کرنے کا بیان

۱-جبیرہ ان پھچیوں کو کہتے ہیں جو لکڑی یا بانس یا نسرل وغیرہ سے چیر کر ٹوٹی ہوئی ہڈی کو درست کرنے کے لئے باندھتے ہیں اور عصابہ کپڑے کی پٹی (یا مرہم کا پھایہ وغیرہ) جو پھوڑے پھنسی دنبل اور زخم وغیرہ پر باندھتے ہیں

۲-جب زخم کو پانی سے دھونے سے نقصان ہو اور زخم پر مسح کرنا بھی نقصان کرے تو اس پٹی یا پھایہ پر مسح کرنا جائز ہے لیکن اگر پانی سے دھونا نقصان نہ کرے تو دھونا ضروری ہے، اور اگر پانی سے دھونا نقصان کرے اور مسح نقصان نہ کرے تو زخم پر مسح کرنا واجب ہے، اگر لکڑی یا پٹی کے کھولنے یا پھایہ کے اکھاڑنے سے نقصان پہنچے یا سخت تکلیف ہوتی ہو تو اس لکڑی یا پٹی یا پھایہ پر مسح کرنا جائز ہے، جس شخص کو پٹی کھولنے میں اس وجہ سے ضرر ہو کہ وہ ایسی جگہ ہے کہ پھر ان کو خود نہیں باندھ سکتا نہ۔ اس کے پاس کوئی اور باندھنے والا ہے وہ شخص بھی اس پر مسح کرے

۳-اگر ٹھنڈے پانی سے دھونا نقصان کرتا ہو اور گرم پانی سے دھونا نقصان۔ نہ کرتا ہو تو گرم پانی سے دھونا لازمی ہے، اور اس کو مسح جائز نہیں

۴-اگر جبیرہ وعصابہ پر مسح کرنے سے ضرر ہو تو بالا جماع ترک جائز ہے اور اگر ضرر نہ ہو تو ترک ناجائز ہے کیونکہ ان پر مسح فرض ہے اس۔ پر فتویٰ ہے

۵-جبیرہ وعصابہ کی ساری پٹی پر مسح کریں خواہ اس ساری کے نیچے زخم نہ ہو یعنی جس قدر زخم کے مقابل ہیں اور جس قدر صحیح بدن کے مقابل ہیں سب پر مسح کریں اگر اکثر جبیرہ پر یعنی آدھے سے زیادہ مسح کر لیا تو کافی ہے، اسی پر فتویٰ ہے، پٹی کے دونوں بندشوں کے درمیان ہاتھ یا کوئی یا بدن کی کوئی اور جگہ جو کھلی رہ جاتی ہے۔ اس پر بھی مسح کرنا کافی ہے یہی۔ اصح ہے اسی پر فتویٰ ہے

۶-مسح اسی طرح کرے جس طرح موزوں پر کیا جاتا ہے یعنی انگلیوں کو۔ بھگو کر پٹی پر پھیرے مسح ایک ہی دفعہ کافی ہے ۷- جبیرہ وعصابہ پر مسح کرنا اس کے نیچے کہ بدن کے دھونے کے حکم۔ میں ہے، مسح موزوں کی طرح خلیفہ اور بدل نہیں ہے۔

باب الحيض والنفاس والاستحاضة

﴿یہ باب حیض ونفاس اوراستحاضہ کے بیان میں ہے﴾

حیض ونفاس واستحاضہ کے فقہی مفہوم کا بیان

لغت میں، حیض، کے معنی، جاری ہونا، ہیں اور اصطلاح شریعت میں حیض اس خون کو کہا جاتا ہے جو عورت کے رحم سے بغیر کسی بیماری اور ولادت کے جاری ہوتا ہے اور جسے عرف عام میں، ماہواری، یا ایام بھی کہتے ہیں۔اسی طرح رحم عورت سے جو خون کسی مرض کی وجہ سے آتا ہے اسے استحاضہ اور جو خون ولادت کے بعد جاری ہوتا ہے اسے،نفاس، کہتے ہیں۔

حیض کی مدت کم سے کم تین دن اور زیادہ سے زیادہ دس دن ہے لہٰذا اس مدت میں خون خالص سفیدی کے علاوہ جس رنگ میں بھی آئے وہ حیض کا خون شمار ہوگا یعنی حیض کے خون کا رنگ سرخ بھی ہوتا ہے اور سیاہ و سبز بھی، نیز زرد اور مٹی کے رنگ جیسا بھی حیض کے خون کا رنگ ہوتا ہے۔ایام حیض میں نماز، روزہ نہ کرنا چاہئے البتہ ایام گزر جانے کے بعد روزے تو قضاء ادا کئے جائیں گے مگر نماز کی قضا نہیں ہوگی۔

حیض ونفاس اوراستحاضہ کا بیان

يخرج من الفرج حيض ونفاس واستحاضة الحيض فالحيض دم ينفضه رحم بالغة لا داء بها ولا حبل ولم تبلغ سن الإياس مدته وأقل الحيض ثلاثة أيام وأوسطه خمسة وأكثره عشرة النفاس والنفاس هو الدم الخارج عقب الولادة مدته وأكثره أربعون يوما ولا حد لأقله الاستحاضة والاستحاضة دم نقص عن ثلاثة أيام أو زاد على عشرة في الحيض وعلى أربعين في الفناس مدة الطهر وأقل الطهر الفاصل بين الحيضتين خمسة عشر يوما ولا حد لا كثره، إلا لمن بلغت مستحاضة،

ترجمہ

(عورت) کی شرمگاہ سے حیض،نفاس اور استحاضہ (کا خون) نکلتا ہے۔پس حیض وہ خون ہے جسے ایسی بالغ عورت کا رحم باہر پھینکتا ہے جو بیمار اور حاملہ بھی نہ ہو۔اور نہ ہی ناامیدی کی عمر کو پہنچ چکی ہو۔حیض کی کم از کم مدت تین دن ہیں، درمیانی مدت پانچ دن

اور زیادہ سے زیادہ مدت دس دن ہیں۔

نفاس وہ خون ہے جو بچے کی پیدائش کے بعد نکلتا ہے اس کی زیادہ سے زیادہ مدت چالیس دن ہیں اور کم از کم کی کوئی حد نہیں۔

استحاضہ وہ خون ہے جو حیض کی صورت میں تین دنوں سے کم اور دس دنوں سے زیادہ ہو جبکہ نفاس کی صورت میں چالیس دنوں سے زائد ہو۔ دو حیضوں کے درمیان پاکیزگی کے کم از کم پندرہ دن ہیں اور زیادہ کی کوئی حد نہیں۔ مگر جو عورت استحاضہ کی صورت میں بالغ ہو۔

حیض سے متعلق بعض فقہی مسائل کا بیان

(۱) اگر کوئی عورت سوکر اٹھنے کے بعد خون دیکھے تو اس کا حیض اسی وقت سے شمار ہوگا جب سے وہ بیدار ہوئی ہے اس سے پہلے نہیں اور اگر کوئی حائضہ عورت سوکر اٹھنے کے بعد اپنے کو طاہر پائے تو جب سے سوئی ہے اسی وقت سے طاہر سمجھی جائے گی۔

(۲) حیض و نفاس کی حالت میں عورت کے ناف اور زانوں کے درمیان کے جسم کو دیکھنا یا اس سے اپنے جسم کو ملانا بشرطیکہ کوئی کپڑا درمیان میں نہ ہو مکروہ تحریمی ہے اور جماع کرنا حرام ہے۔

(۳) حیض والی عورت اگر کسی کو قرآن مجید پڑھاتی ہو تو اس کو ایک ایک لفظ رک رک کر پڑھانے کی غرض سے کہنا جائز ہے۔ ہاں پوری آیت ایک دم پڑھ لینا اس وقت بھی ناجائز ہے۔

(۴) حیض و نفاس کی حالت میں عورت کے بوسے لینا، اس کا استعمال کیا پانی وغیرہ پینا اور اس سے لپٹ کر سونا اور اس کے ناف اور ناف کے اوپر اور زانوں کے نیچے کے جسم سے اپنے جسم کو ملانا اگرچہ کپڑا درمیان میں نہ ہو اور ناف و زانوں کے درمیان کپڑے کے ساتھ ملانا جائز ہے بلکہ حیض والی عورت سے علیحدہ ہو کر سونا یا اس کے اختلاط سے بچنا مکروہ ہے۔

(۵) جس عورت کا حیض دس دن اور دس راتیں آ کر بند ہوا ہو تو اس سے بغیر غسل کے خون بند ہوتے ہی جماع جائز ہے اور جس عورت کا خون دس دن سے کم آ کر بند ہوا ہو تو اگر اس کی عادت سے بھی کم آ کر بند ہوا ہے تو اس سے جماع جائز نہیں۔ جب تک کہ اس کی عادت نہ گزر جائے اور عادت کے موافق اگر بند ہوا ہے تو جب تک غسل نہ کرے یا ایک نماز کا وقت نہ گزر جائے جماع جائز نہیں۔ نماز کا وقت گزر جانے کے بعد بغیر غسل کے بھی جائز ہوگا۔ نماز کے وقت گزر جانے سے یہ مقصود ہے کہ اگر شروع وقت میں خون بند ہوا تو باقی وقت سب گزر جائے اور اگر آخر وقت میں خون بند ہوا تو اس قدر وقت ہونا ضروری ہے کہ جس میں غسل کر کے نماز کی نیت کرنے کی گنجائش ہو اور اگر اس سے بھی کم وقت باقی ہو تو پھر اس کا اعتبار نہیں دوسری نماز کا پورا وقت گزرنا ضروری ہے۔ یہی حکم نفاس کا ہے کہ اگر چالیس دن آ کر بند ہوا ہو تو خون بند ہوتے ہی بغیر غسل کے اور اگر چالیس دن سے کم آ کر بند ہوا ہو اور عادت سے بھی کم ہو تو بعد عادت گزر جانے کے اور اگر عادت کے موافق بند ہوا ہو تو غسل کے بعد یا نماز کا وقت گزر جانے کے بعد جماع وغیرہ جائز ہے۔ ہاں ان کے سب صورتوں میں مستحب ہے کہ بغیر غسل کے جماع نہ کیا جائے۔

(۶) جس عورت کا خون دس دن اور راتوں سے کم آ کر بند ہوا اور عادت مقرر ہو جانے کی شکل میں عادت سے بھی کم ہو تو اس کو نماز کے آخر وقت مستحب تک غسل میں تاخیر کرنا واجب ہے اس خیال سے کہ شاید پھر خون آ جائے مثلاً عشاء کے شروع وقت

خون بند ہوا ہوتو عشاء کے آخر وقت مستحب یعنی نصف شب کے قریب تک اس کو غسل میں تاخیر کرنا چاہئے اور جس عورت کا حیض دس دن یا عادت مقرر ہونے کی شکل میں عادت کے موافق آ کر بند ہوا ہوتو اس کو نماز کے آخر وقت مستحب تک غسل میں تاخیر کرنا مستحب ہے۔

(۷) اگر کوئی عورت غیر زمانہ حیض میں کوئی ایسی دوا استعمال کرے جس سے خون آ جائے تو وہ حیض نہیں مثلاً کسی عورت کو مہینے میں ایک دفعہ پانچ دن حیض آتا ہوتو اس کے حیض کے پانچ دن کے بعد کسی دوا کے استعمال سے خون آ جائے تو وہ حیض نہیں۔

(۸) اگر کسی عادت والی عورت کو خون جاری ہو جائے اور برابر جاری رہے اور اس کو یہ یاد نہ رہے کہ مجھے کتنے دن حیض آتا تھا یا پھر یہ یاد نہ رہے کہ مہینہ کی کس کس تاریخ سے شروع ہوتا تھا اور کب ختم ہوتا تھا۔ یا دونوں باتیں یاد نہ رہیں تو اس کو چاہئے کہ اپنے غالب گمان پر عمل کرے یعنی جس زمانے کو وہ حیض کا زمانہ خیال کرے اس زمانے میں حیض کے احکام پر عمل کرے اور جس زمانے کو طہارت کا زمانہ خیال کرے اس زمانے میں طہارت کے احکام پر عمل کرے اور اگر اس کا گمان کسی طرف نہ ہوتو اس کو ہر نماز کے وقت نیا وضو کر کے نماز پڑھنی چاہئے اور روزہ بھی رکھے مگر جب اس کا یہ مرض رفع ہو جائے روزہ کی قضاء ادا کرنی ہوگی اور اگر اس کو شک کی کیفیت ہوتو اس میں دو صورتیں ہیں۔ پہلی صورت یہ ہے کہ اس کو کسی زمانے کی نسبت یہ شک ہو کہ یہ زمانہ حیض کا ہے یا طہر کا تو اس صورت میں ہر نماز کے وقت نیا وضو کر کے نماز پڑھے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ اس کو کسی زمانہ کی نسبت پر شک ہو کہ یہ زمانہ حیض کا ہے یا طہر کا یا حیض سے خارج ہونے کا تو اس صورت میں وہ ہر نماز کے وقت غسل کر کے نماز پڑھ لے۔

حیض ونفاس کے سبب حرام ہونے والی اشیاء کا بیان

ما يحرم بالحيض والنفاس ويحرم بالحيض والنفاس ثمانية أشياء الصلاة والصوم وقراءة آية من القرآن ومسها إلا بغلاف ودخول مسجد والطواف والجماع والاستمتاع بما تحت السرة الى تحت الركبة بم يتم الطهر وإذا انقطع الدم لأكثر الحيض والنفاس حل الوطء بلا غسل ولا يحل إن انقطع لدونه لتمام عادتها إلا أن تغتسل أو تتيمم وتصلى أو تصير الصلاة دينا فى ذمتها وذلك بأن تجد بعد الانقاطع من الوقت الذى انقطع الدم فيه زمنا يسع الغسل والتحريمة فما فوقهما ولم تغتسل ولم تتيمم حتى خرج الوقت قضاء الفرائض وتقضى الحائض والنفساء الصوم دون الصلاة ما يحرم بالجنابة ويحرم بالجنابة خمسة أشياء الصلاة وقراءة آية من القرآن ومسها إلا بغلاف ودخول مسجد والطواف ما يحرم على المحدث ويحرم على المحدث ثلاثة أشياء الصلاة والطواف ومس المصحف إلا بغلاف حكم الاستحاضة وما يشابهها ودم الاستحاضة كرعاف دائم لا يمنع صلاة ولا صوما ولا وطأ وتتوضأ المستحاضة ومن به عذر كسلس بول واستطلاق بطن

لوقت كل فرض ويصلون به ما شاء وا من الفرائض والنوافل ويبطل وضوء المعذورين بخروج الوقت فقط متى يثبت العذر ولا يصير معذورا حتى يستوعبه العذر وقتا كاملا ليس فيه انقطاع بقدر الوضوء والصلاة وهذا شرط ثبوته وشرط دوامه وجوده فى كل وقت بعد ذلك ولو مرة وشرط انقطاعه وخروج صاحبه عن كونه معذورا خلو وقت كامل عنه

ترجمہ

حیض اور نفاس سے آٹھ چیزیں حرام ہو جاتی ہیں۔

(۱) نماز (۲) روزہ (۳) قرآن پاک کی ایک آیت پڑھنا اور (۴) اسے غلاف کے بغیر ہاتھ لگانا (۵) مسجد میں داخل ہونا (۶) طواف کرنا (۷) جماع کرنا اور (۸) ناف کے نیچے سے لے کر گھٹنوں کے درمیان نفع حاصل کرنا۔

اور جب حیض اور نفاس کی زیادہ مدت پوری ہونے پر خون ختم ہو تو غسل کیے بغیر جماع جائز ہے۔ اور اگر عادت پوری ہونے کی صورت میں اس سے کم مدت میں خون ختم ہو تو جب تک غسل یا تیمم نہ کرلے یا نماز اس کے ذمہ قرض نہ ہو جائے جماع جائز نہیں۔ یعنی جس وقت میں خون ختم ہوا ہے اس سے اتنا وقت حاصل ہو جائے جس میں غسل اور تکبیر تحریمہ یا اس سے کچھ زیادہ (ارکان) ادا ہو سکتے ہیں اور اس نے تیمم نہیں کیا یہاں تک کہ (نماز کا) وقت نکل گیا۔

حیض اور نفاس والی عورت روزہ قضا کرے گی نماز نہیں۔ اور جنابت کی صورت میں پانچ چیزیں حرام ہو جاتی ہیں۔ (نماز پڑھنا (۲) قرآن پاک کی کوئی آیت پڑھنا (۳) قرآن پاک کو بغیر غلاف کے ہاتھ لگانا (۴) مسجد میں داخل ہونا (۵) طواف کرنا۔

بے وضو آدمی پر تین چیزیں حرام ہیں۔ (۱) نماز پڑھنا (۲) طواف کرنا اور (۳) قرآن پاک کو بغیر غلاف کے ہاتھ لگانا۔

استحاضہ کا خون دائمی نکسیر کی طرح ہے نہ نماز کو روکتا ہے نہ روزے کو اور نہ ہی جماع کو مستحاضہ عورت اور وہ شخص جو معذور ہے۔ مثلاً جس کو پیشاب کے قطرے آتے ہیں اور جس کا پیٹ جاری ہے۔ وہ ہر فرض نماز کے وقت کے لیے وضو کریں اور اس کے ساتھ فرائض ونوفل جو چاہیں پڑھیں معذور لوگوں کا وضو فقط وقت کے نکل جانے سے ٹوٹ جاتا ہے۔

کوئی شخص معذور نہیں ہوتا اس وقت تک جب تک کہ عذر اسے ایک کامل وقت گھیر نہ لے جس میں اتنا وقت بھی عذر ختم نہ ہو جس میں وضو اور نماز ہو سکے۔ یہ اس (عذر) کے ثبوت کی شرط ہے اور اس کے باقی رہنے کی شرط یہ ہے کہ اس کے بعد وہ عذر پورا وقت باقی رہے۔ اگرچہ ایک بار ہی ہو اور عذر کے ختم ہونے نیز اس شخص کے معذور نہ رہنے کی شرط یہ ہے کہ ایک کامل وقت اس (عذر) سے خالی رہے۔

جنبی کے لئے تلاوت قرآن کی ممانعت کا بیان

حضرت عبداللہ بن سلمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں حضرت علی کے پاس گیا اور میرے ساتھ دو آدمی اور تھے ان سے

ایک غالباً بنی اسد سے تعلق رکھتا تھا اور دوسرا ہمارے قبیلے (بنی مراد سے) حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان دونوں آدمیوں کو ایک طرف بھیج دیا اور کہا کہ تم دونوں طاقتور ہو پس اپنے دین کو تقویت پہنچاؤ اس کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ قضائے حاجت کے لیے تشریف لے گئے وہاں سے آ کر آپ نے پانی منگوایا اور ایک چلو پانی سے منہ صاف کیا۔

اور قرآن پڑھنے لگے لوگوں کو آپ کا یہ عمل اچھا نہ لگا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیت الخلاء سے نکل کر ہم لوگوں کو قرآن پڑھاتے اور ہمارے ساتھ گوشت وغیرہ کھاتے اور آپ کو تلاوت قرآن سے کوئی امر مانع نہ ہوتا تھا سوائے جنابت کے۔ (سنن ابوداؤد، جلد اول، رقم الحدیث، 228)

حائض وجنبی کے لئے دخول مسجد سے ممانعت کا بیان

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے دیکھا کہ صحابہ کے کمروں کا رخ مسجد کی طرف ہے (یعنی انکے کمروں کے دروازے مسجد میں یا مسجد کی طرف کھلتے تھے تا کہ ایک دوسرے کے گھر میں آنے جانے کی سہولت ہو) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا گھروں کا رخ مسجد سے پھیر دو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بعد پھر تشریف لائے اور لوگوں نے اس امید پر کہ شاید انکے بارے میں کوئی رخصت نازل ہو اس وقت تک کوئی ردو بدل نہیں کیا تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم پھر تشریف لائے تو فرمایا کہ گھروں کا رخ مسجد سے پھیر دو کیونکہ میں مسجد کو جنبی اور حائضہ کے لیے حلال نہیں کرتا۔ امام ابوداؤد کہتے ہیں کہ افلت راوی سے مراد فلیت عامری ہے۔ (سنن ابوداؤد، جلد اول، رقم الحدیث، 231)

جنبی وحائض کے لئے تلاوت قرآن کی ممانعت کا بیان

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حائضہ اور جنبی قرآن میں سے کچھ نہ پڑھیں اس باب میں حضرت علی سے بھی روایت ہے امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں ہم ابن عمر کی حدیث کو اسماعیل بن عباس موسیٰ بن عقبہ اور نافع کے واسطے سے پہچانتے ہیں جس میں حضرت ابن عمر بیان فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنبی اور حائضہ قرآن نہ پڑھیں۔ اور یہی قول ہے اکثر صحابہ اور تابعین اور بعد کے فقہاء سفیان ثوری، ابن مبارک، امام شافعی، احمد اور اسحاق کا وہ کہتے ہیں کہ حائضہ اور جنبی قرآن سے نہ پڑھیں مگر ایک آیت کا ٹکڑا یا حرف وغیرہ اور رخصت دی جنبی اور حائضہ کو سُبْحَانَ اللّٰہِ اور لَا اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰـہُ پڑھنے کی۔ امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں میں نے محمد بن اسماعیل بخاری سے سنا وہ فرماتے ہیں کہ اسماعیل بن عیاش اہل حجاز اور اہل عراق سے منکر احادیث روایت کرتا ہے گویا کہ امام بخاریؒ نے اسماعیل بن عیاش کی ان روایات کو جو انہوں نے اکیلے اہل عراق اور اہل حجاز سے روایت کی ہیں ضعیف قرار دیا ہے۔ اور امام بخاری نے کہا کہ اسماعیل بن عیاش کی وہی روایات صحیح ہیں جو انہوں نے اہل شام سے روایت کی ہیں امام احمد بن حنبل نے فرمایا اسماعیل بن عیاش بقیہ سے بہتر ہے بقیہ ثقہ راویوں سے منکر حدیث روایت کرتا ہے امام ابوعیسیٰ ترمذی نے فرمایا کہ احمد بن حنبل کا یہ قول مجھ سے احمد بن حسن نے بیان کیا۔ (احناف اور امام مالک علیہ الرحمہ کا مذہب وہی ہے جو متن قدوری میں ہے)۔ (جامع ترمذی، جلد اول، رقم الحدیث، 125)

حیض والی عورت کے لئے طواف کعبہ کی ممانعت کا بیان

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ نکلے، ہم صرف حج کا ارادہ رکھتے تھے، جب مقام سرف میں پہنچے تو مجھے حیض آ گیا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس آئے میں رو رہی تھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیوں رو رہی ہو؟ میں نے عرض کیا، یہ چاہتی ہوں کہ کاش میں نے اس سال حج کا ارادہ نہ کیا ہوتا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شاید تمہیں نفاس آ گیا؟ میں نے عرض کیا کہ ہاں! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ تو ایک ایسی چیز ہے، جو اللہ تعالیٰ نے آدم کی تمام بیٹیوں (کی قسمت) میں لکھ دی ہے، اس میں رونا کیا، جو کام حاجی کرتے ہیں تم بھی کرتی رہنا، صرف کعبہ کا طواف نہ کرنا، جب تک کہ پاک نہ ہو جاؤ۔ (صحیح بخاری، جلد اول، رقم الحدیث، 299)

حائض کے بقیہ جسم سے استمتاع کرنے کا بیان

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دونوں جنابت کی حالت میں ایک برتن سے نہالیا کرتے تھے۔ (اور بعض اوقات) میں ایام سے ہوتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے (تہ بند باندھنے کے واسطے) ارشاد فرماتے جب میں تہبند باندھ لیتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے (ناف کے اوپر اوپر) اپنے بدن کو لگا کر لیٹ جایا کرتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اعتکاف میں ہوتے اور اپنا سر مبارک (مسجد سے) باہر نکال دیتے تو میں اپنے ایام کی حالت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سر مبارک دھویا کرتی تھی۔ (صحیح بخاری وصحیح مسلم، مشکوۃ شریف، جلد اول، رقم الحدیث، 513)

عرب کے قاعدے اور معمول کے مطابق ایک بڑا برتن جو طشت کی قسم کا ہوتا تھا پانی سے بھرا ہوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے درمیان رکھا ہوتا اور یہ دونوں اس میں سے چلو بھر بھر کر نہاتے تھے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حائضہ عورت کے جسم کے اس حصے سے فائدہ اٹھانا جو ناف کے نیچے اور زانو کے اوپر ہوتا ہے حرام ہے۔ یعنی وہاں ہاتھ لگانا اور جماع کرنا ممنوع ہے چنانچہ اس کی وضاحت دوسری احادیث سے بھی ہوتی ہے اور یہی مسلک امام ابوحنیفہ، امام ابو یوسف، امام شافعی رحمہم اللہ علیہم اور امام مالک رحمہ اللہ علیہ کا ہے۔

امام محمد، امام احمد بن حنبل رحمہما اللہ علیہما اور بعض شوافع حضرات کا مسلک یہ ہے کہ حائضہ عورت سے صرف وطی یعنی شرمگاہ میں دخول کرنا حرام ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا حجرہ مسجد سے بالکل ملا ہوا تھا یہاں تک کہ اس کا دروازہ بھی مسجد ہی کی طرف کھلا ہوا تھا۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب اعتکاف میں ہوتے تھے تو اپنے سر مبارک اسی دروازے سے حجرے کی طرف نکال دیتے تھے وہاں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیٹھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سر مبارک دھو دیتی تھی۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی آدمی اعتکاف میں بیٹھا ہو اور اپنے جسم کے کسی حصے کو مسجد سے باہر نکالے تو اس سے اعتکاف باطل نہیں ہوتا۔ امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں حدیث عائشہ حسن صحیح ہے اور اکثر صحابہ وتابعین کا یہی قول ہے اور امام شافعی امام احمد اور امام اسحاق بھی یہی کہتے ہیں۔ (جامع ترمذی، جلد اول، رقم الحدیث، 126)

استحاضہ والی عورت ہر نماز کے وقت وضو کر لیا کرے

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ فاطمہ بنت ابی حبیش رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا کہ، یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم (! میں ایک ایسی عورت ہوں جسے برابر (استحاضہ کا) خون آتا رہتا ہے۔ چنانچہ میں کسی وقت پاک نہیں رہتی تو کیا میں نماز چھوڑ دوں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، نہیں! یہ تو ایک رگ کا خون ہے، حیض کا خون نہیں ہے لہٰذا جب تمہیں حیض آنے لگے تو تم نماز چھوڑ دو اور جب حیض ختم ہو جائے تو، جسم سے خون کو دھو ڈالو (اور نہا کر) نماز پڑھ لو۔ (صحیح البخاری وصحیح مسلم، مشکوٰۃ شریف، جلد اول، رقم الحدیث، 524)

اس مسئلے میں کہ اگر کوئی عورت مستحاضہ ہو جائے اور وہ ہر وقت استحاضہ کے خون سے ناپاک رہے تو اس کے لیے کیا حکم ہے؟ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ، اگر وہ ایسی عورت ہو جو معتادہ ہو یعنی اس کے حیض کے ایام مقرر ہوں مثلاً اسے ہر ماہ پانچ روز یا چھ روز خون آتا تھا تو جب وہ مستحاضہ ہو جائے تو اسے چاہئے کہ ان دنوں کو جن میں حیض کا خون آتا تھا ایام حیض قرار دے اور ان دنوں میں نماز وغیرہ چھوڑ دے اور جب وہ دن پورے ہو جائیں تو خون کو دھو کر نہائے اور نماز وغیرہ شروع کر دے۔ اور اگر وہ مبتدیہ ہو یعنی ایسی عورت ہو کہ پہلا ہی حیض آنے کے بعد وہ مستحاضہ ہو گئی جس کے نتیجہ میں استحاضہ کا خون برابر جاری ہو گیا تو اسے چاہئے کہ وہ حیض کی انتہائی مدت یعنی دس دن کو ایام حیض قرار دے کر ان دنوں میں نماز وغیرہ چھوڑ دے اور بعد میں نہا دھو کر نماز وغیرہ شروع کر دے۔ اس صورت میں دوسرے ائمہ کے نزدیک عمل تمیز پر ہو گا یعنی اگر خون سیاہ رنگ کا ہو تو اسے حیض کا خون قرار دیا جائے گا اور اگر سیاہ رنگ کا نہ ہو تو وہ استحاضہ کا خون کہلائے گا۔

حضرت امام شافعی رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مستحاضہ کو چاہئے کہ وہ ہر فرض نماز کے لیے اپنی شرم گاہ دھو لیا کرے۔ اور حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب نماز کا وقت آئے جب ہی اپنی شرم گاہ دھو لے پھر نہ دھوئے اور لنگوٹا باندھ کر جلدی جلدی وضو کر لے اس کے بعد جو خون جاری رہے گا اس میں وہ معذور ہو گی لہٰذا آخر وقت تک وہ جو چاہے پڑھے۔

مستحاضہ عورت کے ایام حیض واستحاض کے اعتبار کا بیان

حضرت عمران بن طلحہ سے روایت ہے وہ اپنی والدہ حمنہ بنت جحش سے روایت کرتے ہیں کہ میں مستحاضہ ہوتی تھی اور خون استحاضہ بہت شدت اور زور سے آتا تھا میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے فتویٰ پوچھنے کے لئے اور خبر دینے کے لئے آئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو میں نے اپنی بہن زینب بن جحش کے گھر میں پایا میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے استحاضہ بہت شدت کے ساتھ آتا ہے میرے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا حکم ہے پس تحقیق اس نے مجھے نماز اور روزہ سے روک دیا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے تمہیں کرسف رکھنے کا طریقہ بتایا ہے یہ خون کو روکتی ہے وہ کہنے لگیں وہ اس سے زیادہ ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لنگوٹ باندھ لو انہوں نے کہا وہ اس سے بھی زیادہ ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لنگوٹ میں کپڑا رکھ لو انہوں نے عرض کیا وہ تو اس سے بھی زیادہ ہے میں تو بہت خون بہاتی ہوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں

تمہیں دو چیزوں کا حکم دیتا ہوں ان میں سے کسی ایک پر چلنا کافی ہے اور اگر دونوں کو کر سکو تو تم بہتر جانتی ہو پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ شیطان کی طرف سے ایک ٹھوکر ہے پس چھ یا سات دن اپنے آپ کو حائضہ سمجھو علم الٰہی میں اور پھر غسل کرلو پھر جب دیکھو کہ پاک ہوگئی ہو تو تیئس یا چوبیس دن رات تک نماز پڑھو اور روزے رکھو یہ تمہارے لئے کافی ہے۔

پھر اسی طرح کرتی رہو جیسے حیض والی عورتیں کرتی ہیں اور حیض کی مدت گزار کر طہر پر پاک ہوتی ہیں اور اگر تم ظہر کو مؤخر اور عصر کو جلدی سے پڑھ سکو تو غسل کر کے دونوں نمازیں پاک ہو کر پڑھو پھر مغرب میں تاخیر اور عشاء میں تعجیل کرو اور پاک ہونے پر غسل کرو اور دونوں نمازیں اکٹھی پڑھ لو پس اس طرح فجر کے لئے بھی غسل کرو اور نماز پڑھو اور اسی طرح کرتی رہو اور روزے بھی رکھو بشرطیکہ تم اس پر قادر ہو پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان دونوں باتوں میں سے یہ مجھے زیادہ پسند ہے ابوعیسیٰ فرماتے ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے اور اسے عبید اللہ بن عمرو الرقی ابن جریج اور شریک نے عبد اللہ بن محمد عقیل سے انہوں نے ابراہیم بن محمد بن طلحہ سے انہوں نے اپنے چچا عمران سے اور انہوں نے اپنی والدہ حمنہ سے روایت کیا ہے جبکہ ابن جریج انہیں عمر بن طلحہ کہتے ہیں اور صحیح عمران بن طلحہ ہی ہے میں نے سوال کیا۔ محمد بن اسماعیل بخاری سے اس حدیث کے بارے میں تو انہوں نے کہا یہ حدیث حسن ہے احمد بن حنبل نے بھی اسے حسن کہا ہے احمد اور اسحاق نے مستحاضہ کے متعلق کہا ہے کہ اگر وہ جانتی ہو اپنے حیض کی ابتداء اور انتہا تو اس کا حکم فاطمہ بن حبیش کی حدیث کے مطابق ہوگا۔

اور اگر ایسی مستحاضہ ہے جس کے حیض کے دن معروف ہیں تو وہ اپنے مخصوص ایام میں نماز چھوڑ دے اور پھر غسل کرے اور ہر نماز کے لئے وضو کرے اور نماز پڑھے اور اگر خون مستقل جاری ہو اور اس کے ایام پہلے سے معروف نہ ہوں اور نہ ہی وہ خون کی رنگت سے فرق کر سکتی ہو تو اس کا حکم بھی حمنہ بنت جحش کی حدیث کے مطابق ہوگا۔

حضرت امام شافعی فرماتے ہیں کہ جب مستحاضہ کو ہمیشہ خون آنے لگے تو خون کے شروع ہی میں پندرہ دن کی نماز ترک کر دے اگر پندرہ دن یا اس سے پہلے پاک ہوگئی تو وہی اس کے حیض کی مدت ہے اگر خون پندرہ دن سے آگے بڑھ جائے تو چودہ دن کی نماز قضا کرے اور ایک دن کی نماز چھوڑ دے کیونکہ حیض کی کم سے کم مدت یہی ہے ابوعیسیٰ فرماتے ہیں کہ حیض کی کم سے کم اور زیادہ سے زیادہ مدت میں اختلاف ہے بعض اہل علم کے نزدیک کم سے کم مدت تین دن جبکہ زیادہ سے زیادہ مدت دس دن ہے یہ قول سفیان ثوری اور اہل کوفہ کا بھی ہے ابن مبارک کا بھی اسی پر عمل ہے جبکہ ان سے اس کے خلاف بھی منقول ہے بعض اہل علم جن میں عطاء بن رباح بھی ہیں کہتے ہیں کہ کم سے کم مدت حیض ایک دن رات اور زیادہ سے زیادہ پندرہ دن ہے یہی قول ہے امام مالک شافعی احمد اسحاق اوزاعی اور ابو عبیدہ کا۔ (جامع ترمذی، جلد اول، رقم الحدیث، 122)

باب الانجاس

﴿یہ باب نجاستوں کے بیان میں ہے﴾

نجاست کے معنی ومفہوم کا بیان

انجاس یہ ''نجس'' کی جمع ہے۔اور ہر وہ چیز جو ناپسندیدہ ہو اور اصل میں لفظ مصدر ہے پھر اس کا استعمال اسم میں ہونے لگا۔یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ (التوبہ،۲۸)

اے ایمان والو! بے شک مشرک صرف نجس ہیں۔جس طرح اس پر نجاست حقیقی کا اطلاق ہوتا ہے اسی طرح نجاست حکمی کا بھی اطلاق ہوتا ہے۔کہ وہ دین کی رو سے نجس مشرکوں کو بیت اللہ شریف کے پاس نہ آنے دیں یہ آیت جب نازل ہوئی اسی سال رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ بھیجا اور حکم دیا کہ مجمع حج میں اعلان کر دو کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج کو نہ آئے اور کوئی ننگا شخص بیت اللہ شریف کا طواف نہ کرے اس شرعی حکم کو اللہ تعالیٰ قادر و قیوم نے یوں ہی پورا کیا کہ نہ وہاں مشرکوں کو داخلہ نصیب ہوا نہ کسی نے اس کے بعد عریانی کی حالت میں اللہ کے گھر کا طواف کیا۔

نجاست سے پاک ہونے پر دلیل شرعی کا بیان

وَثِیَابَكَ فَطَهِّرْ ۔(المدثر،۴) اور اپنے کپڑے پاک رکھو۔

ہر طرح کی نجاست سے کیونکہ نماز کے لئے طہارت ضروری ہے اور نماز کے سوا اور حالتوں میں بھی کپڑے پاک رکھنا بہتر ہے یا یہ معنی ہیں کہ اپنے کپڑے کو تاہ کیجئے،ایسے دراز نہ ہوں جیسا کہ عربوں کی عادت ہے کیونکہ بہت زیادہ دراز ہونے سے چلنے پھرنے میں نجس ہونے کا احتمال رہتا ہے۔

اور حدیث میں طہارت کو نصب ایمان قرار دیا ہے اس لئے مسلمان کو ہر حال میں اپنے جسم اور مکان اور لباس کو ظاہری طہارت کا بھی اہتمام رکھنا ضروری ہے اور قلب کی باطنی طہارت کا بھی اہتمام کرے۔

نجاستوں سے طہارت حاصل کرنے کا بیان

والطهارة عنها اقسام النجاسة تنقسم النجاسة الى قسمين غليظة وخفيفة فالغليظة كالخمر والدم المسفوح ولحم الميتة وإهابها وبول ما لا يؤكل لحمه ونجو الكلب

ورجيع السباع ولعابها وخرء الدجاج والبط والإوز وما ينقض الوضوء بخروجه من بدن الإنسان وأما الخفيفة فكبول الفرس وكذا بول ما يؤكل لحمه وخرء طير لا يؤكل ما يعفى عنه من الانجاس وعفى عن قدر الدرهم من المغلظة وما دون ربع الثوب أو البدن من الخفيفة وعفى عن رشاش بول كرؤوس الإبر ولو ابتل فراش أو تراب نجسان من عرق نائم أو بلل قدم وظهر أثر النجاسة في البدن والقدم تنجسا وإلا فلا كما لا ينجس ثوب جاف طاهر لف في ثوب نجس رطب لا ينعصر الركب لو عصر ولا ينجس ثوب رطب بنشره على أرض نجسة يابسة فتندت منه ولا بريح هبت على نجاسة فأصابت الثوب إلا أن يظهر أثرها فيه بم تطهر النجاسة ويطهر متنجس بنجاسة مرئية بزوال عينها ولو بمرة على الصحيح ولا يضر بقاء أثر شق زواله وغير المرئية بغسلها ثلاثا والعصر كل مرة،

ترجمہ

نجاست تقسیم ہوتی ہے دوقسموں کی طرف۔(۱) نجاست غلیظہ (۲) نجاست خفیفہ۔

پس نجاست غلیظہ جیسے شراب، بہنے والا خون، مردار کا گوشت اور اس کا چمڑا، ان چیزوں کا پیشاب جن کا گوشت نہیں کھایا جاتا، کتے کا پاخانہ، درندوں کا پاخانہ اور تھوک، مرغی، بطخ اور مرغابی کی بیٹ اور وہ چیز جو انسان کے بدن سے نکلتی ہے اور اس سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔

نجاست خفیفہ مثلاً گھوڑے کا پیشاب اور اسی طرح اس چیز کا پیشاب جن کا گوشت کھایا جاتا ہے اور ایسے پرندوں کی بیٹ جن کو نہیں کھایا جاتا۔ نجاست غلیظہ سے ایک درہم کا اندازہ اور نجاست خفیفہ سے کپڑے یا بدن کا چوتھا حصہ معاف ہے۔ سوئی کے سرے جتنے پیشاب کے چھینٹے معاف ہیں۔ اگر ناپاک بچھونا یا مٹی سونے والے کے پسینے یا قدموں کی رطوبت سے تر ہو جائیں اور نجاست کا اثر جسم اور پاؤں میں ظاہر ہو جائے تو ناپاک ہو جائیں گے ورنہ نہیں، جس طرح وہ خشک پاک کپڑا ناپاک نہیں ہوتا جسے ایسے ناپاک تر کپڑے میں لپیٹا گیا جس کی رطوبت کو نچوڑا جائے تو اس سے کچھ نہیں نکلتا (نچوڑا نہیں جاتا) تر کپڑا خشک ناپاک زمین پر بچھایا جائے جس سے وہ زمین تر ہو جائے تو وہ ناپاک نہیں ہوگا۔ اسی طرح اس ہوا سے بھی کپڑا ناپاک نہیں ہوتا جو نجاست پر چلی اور اس کپڑے تک پہنچ گئی۔ مگر یہ کہ اس نجاست کا اثر کپڑے میں ظاہر ہو جائے۔ دکھائی دینے والی نجاست سے ناپاک ہونے والی چیز خاص نجاست کو دور کرنے سے پاک ہو جاتی ہے اگرچہ ایک بار ہو یہی صحیح مذہب ہے اس کے بعد اس کے اثر کا باقی رہنا کچھ نقصان نہیں دیتا جس کا دور کرنا مشکل ہو۔ نہ دکھائی دینے والی نجاست سے ناپاک ہونے والی چیز تین مرتبہ دھونے اور ہر بار نچوڑنے سے پاک ہو جاتی ہے۔

زمین کی رگڑ کے ساتھ نجاست کو صاف کرنے کا بیان

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ سرکاردوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جب تم میں سے کوئی اپنے جوتوں کے ساتھ گندگی پر چلے تو مٹی اس کو پاک کرنے والی ہے (ابوداؤد اور ابن ماجہ نے بھی اسی کے ہم معنی روایت نقل کی ہے۔

(مشکوٰۃ شریف، جلداول، رقم الحدیث، 470)

صورت مسئلہ یہ ہے کہ مثلاً ایک آدمی جوتے پہنے ہوئے چل رہا ہے اتفاق سے کسی جگہ گندگی پڑی ہوئی تھی وہ اس کے جوتوں پر لگ گئی اب پھر وہ جب پاک اور صاف زمین پر چلے گا تو مٹی سے رگڑ کھانے کی وجہ سے اس کا جوتا پاک ہو جائے گا اس مسئلے میں علماء کا اختلاف ہے چنانچہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ علیہ اور ان کے ایک شاگرد حضرت امام محمد رحمہ اللہ علیہ کا قول یہ ہے کہ اس حدیث میں گندگی سے مراد جو جسم والی اور خشک ہو یعنی اگر کسی راہ چلتے کے جوتے یا موزے میں ایسی گندگی لگ جائے جو جسم والی ہو اور خشک ہو تو پاک زمین پر رگڑ دینے سے وہ جوتا یا موزہ پاک ہو جائے گا اور اگر گندگی خشک نہ ہو تو پھر رگڑنے سے گندگی زائل نہیں ہوگی۔

حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ علیہ کے ایک دوسرے شاگرد رشید حضرت امام ابویوسف اور حضرت امام شافعی رحمہما اللہ علیہما فرماتے ہیں کہ یہاں حدیث کی مراد عام ہے یعنی گندگی خواہ خشک ہو یا تر زمین پر رگڑنے سے پاک ہو جائے گی مگر حضرت امام شافعی رحمہ اللہ علیہ کا یہ پہلا قول ہے ان کا جدید مسلک یہ ہے کہ اس گندگی کو ہر حال میں پانی سے دھونا چاہئے زمین پر رگڑنے سے پاک نہیں ہوگی۔

فقہ حنفی میں فتویٰ حضرت امام ابویوسف رحمہ اللہ علیہ ہی کے قول پر ہے جو کہ جوتے یا موزے پر اگر تن دار نجاست لگ جائے خواہ وہ خشک ہو یا تر ہو تو زمین پر خوب اچھی طرح رگڑ دینے سے موزہ یا جوتا پاک ہو جائے گا۔

یہ سمجھ لیجئے کہ اس مسئلے میں علماء کرام کا یہ اختلاف تن دار نجاست جیسے گوبر وغیرہ ہی کے بارے میں ہے کیونکہ غیر تن دار نجاست مثلاً پیشاب و شراب کے بارے میں سب کا متفقہ طور پر یہ مسلک ہے کہ اسے دھونا ہی واجب ہے۔

منی کے نجس ہونے کا بیان

حضرت سلیمان بن یسار فرماتے ہیں میں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہ سے کپڑے پر لگی ہوئی منی کے بارے میں پوچھا تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں سرکاردوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑے سے منی کو دھویا کرتی تھی چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم (جب اسی گیلے کپڑے کے ساتھ) نماز کے لیے تشریف لے جاتے تو اس کپڑے پر (منی) کے دھونے کا نشان رہتا تھا۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم، مشکوٰۃ شریف، جلداول، رقم الحدیث، 463)

یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ منی ناپاک ہے اگر منی کسی کپڑے وغیرہ پر لگ جائے تو اسے دھو کر پاک کر لینا چاہئے چنانچہ امام اعظم ابوحنیفہ اور امام مالک رحمہما اللہ علیہما کا یہی مسلک ہے مگر حضرت امام شافعی رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جس طرح سنک

(یعنی ناک سے نکلنے والی) رطوبت پاک ہے اسی طرح منی بھی پاک ہے۔

حضرت اسود روایت کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا، میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑے سے (خشک) منی کھرچ دیا کرتی تھی، (صحیح مسلم) اور مسلم نے اس کے علاوہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا حضرت علقمہ اور حضرت اسود رضی اللہ عنہما کی ہی طرح ایک روایت بھی نقل کی ہے۔ جس میں یہ الفاظ ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسی کپڑے سے نماز پڑھ لیا کرتے تھے۔ (مشکوٰۃ شریف، جلد اول، رقم الحدیث، 464)

یہ حدیث بھی حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ علیہ کے مطابق منی کے ناپاک ہونے کو وضاحت کے ساتھ ثابت کر رہی ہے جیسا کہ اس حدیث سے معلوم ہوا حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ علیہ کا مسلک بھی یہی ہے کہ تر منی کو دھونا چاہئے اور گاڑھی منی کو جو کپڑے کے اندر سرایت نہ کرے خشک ہونے کے بعد کھرچ کر اور رگڑ کر صاف کر دینا چاہئے۔

چھوٹے بچے کے پیشاب کے سبب طہارت کرنے کا بیان

حضرت ام قیس بنت محصن سے روایت ہے کہ وہ اپنے چھوٹے لڑکے کو بھی جو ابھی کھانا نہ کھاتا تھا سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بچے کو اپنی گود میں بٹھا لیا اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑوں پر پیشاب کر دیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی منگایا اور کپڑوں پر بہا دیا اور خوب مل کر نہیں دھویا۔

(صحیح بخاری و صحیح مسلم، مشکوٰۃ شریف، جلد اول، رقم الحدیث، 465)

حضرت امام شافعی رحمہ اللہ علیہ کا مسلک یہ ہے کہ اگر شیر خوار بچہ جو اناج نہ کھاتا ہو کسی کپڑے وغیرہ پر پیشاب کر دے تو اسے دھونے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ اس پر پانی چھڑک دینا کافی ہو جائے گا چنانچہ یہ حدیث بھی بظاہر حضرت امام شافعی رحمہ اللہ علیہ ہی کے مسلک کی تائید کر رہی ہے مگر حضرت امام ابو حنیفہ اور امام مالک رحمہما اللہ علیہما کا مسلک یہ ہے کہ بچے کے پیشاب کو بھی ہر حال میں دھونا ضروری ہے۔ اس حدیث میں، نضح، جو لفظ آیا ہے اور جس کے معنی چھڑکنا ہیں اس کے معنی یہ دونوں حضرات، دھونا، ہی فرماتے ہیں۔ پھر حدیث کے آخری الفاظ، لا یغسلہ، (یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشاب کو دھویا نہیں) کی تاویل یہ کرتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خوب مل مل کر نہیں دھویا بلکہ بچے کے پیشاب کے پیش نظر معمولی طور پر اس پر پانی بہا کر دھوڈالنا ہی کافی سمجھا یہ دونوں حضرات اس حدیث کی یہ مذکورہ تاویل اس لیے کرتے ہیں کہ دوسری احادیث مثلاً استنزھو من البول (یعنی پیشاب سے پاکی حاصل کرو) سے یہ بات بصراحت ثابت ہوتی ہے کہ ہر ایک پیشاب کو دھونا چاہئے حضرت امام طحاوی رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں، نضح، سے مراد بغیر ملے اور نچوڑے پانی کا بہانا ہے۔

اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ بچوں کو دعا و برکت حاصل کرنے کے لیے بزرگوں اور اولیاء اللہ کے پاس لے جانا مستحب ہے، نیز بچوں کے ساتھ تواضع و نرمی اور محبت و شفقت کا معاملہ کرنا بھی مستحب ہے۔

امام ابوعیسیٰ فرماتے ہیں کہ کئی صحابہ وتابعین اوران کے بعد کے فقہاء جن میں امام احمد اوراسحاق بھی ہیں ان کا قول ہے کہ لڑکے کے پیشاب پر پانی بہایا جائے اورلڑکی کے پیشاب کودھویا جائے اور یہ اس صورت میں ہے کہ دونوں ابھی کھانا نہ کھاتے ہوں اگر کھانا کھانے لگیں تو دونوں کے پیشاب کودھویا جائے گا۔(جامع ترمذی, جلداول, رقم الحدیث،69)

گوشت خوردہ جانوروں کے پیشاب کے نجس ہونے کا بیان

حضرت براء رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ جس چیز کا گوشت کھایا جائے اس کے پیشاب میں کچھ حرج نہیں۔اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت اس طرح ہے کہ جس جانور کا گوشت کھایا جائے اس کے پیشاب میں کچھ حرج نہیں ہے۔(مسنداحمد بن حنبل ودارقطنی ،مشکوۃ شریف, جلداول, رقم الحدیث،482)

اس حدیث کے ظاہر الفاظ سے حضرت امام مالک ،حضرت امام احمد، حضرت امام محمد رحمہم اللہ علیہم اور بعض شوافع حضرات نے یہ مسئلہ مستنبط کیا ہے کہ جن جانوروں کے گوشت کھائے جاتے ہیں, ان کا پیشاب پاک ہے لیکن حضرت امام اعظم ابوحنیفہ، حضرت امام ابویوسف اورتمام علماء رحمہم اللہ علیہ کے نزدیک وہ نجس ہے، یہ حضرات فرماتے ہیں کہ اس حدیث کے مقابلے میں ایک حدیث عام وارد ہے کہ الحدیث(اِسْتَنْزِهُوْا مِنَ الْبَوْلِ فَاِنَّ عَامَّةَ عَذَابِ الْقَبْرِ مِنْهُ) یعنی پیشاب سے پاکی حاصل کرواس لیے کہ عذاب قبر اکثر اسی سے ہوتا ہے) لہٰذا اس حدیث کی عمومیت کے پیش نظر ناپاک ونجس ثابت ہوا اس لیے اس احتیاط کا تقاضہ یہ ہے کہ جن جانوروں کے گوشت کھائے جاتے ہیں ان کے پیشاب کوبھی ناپاک کہا جائے۔

ناپاک جانور کی نجاست کے سبب برتن کوتین مرتبہ دھونے کا بیان

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، جب تم میں سے کسی کے برتن میں سے کتا پانی پی لےتو اس برتن کوسات مرتبہ دھونا چاہیئے۔(مشکوۃ شریف, جلداول, رقم الحدیث،459)

اورمسلم کی ایک روایت کے یہ الفاظ ہیں کہ تم میں سے جس کے برتن سے کتا پانی پی لے اس (برتن) کو پاک کرنے کی صورت یہ ہے اسے سات مرتبہ دھوڈالے اورپہلی مرتبہ مٹی سے دھوئے مگر حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اس کوبھی دوسری نجاستوں کے حکم میں شمار کرتے ہوئے یہ فرماتے ہیں کہ اس برتن کوصرف تین مرتبہ بغیر مٹی کے دھوڈالنا کافی ہے۔وہ فرماتے ہیں کہ حدیث میں سات مرتبہ دھونے کا جوحکم دیا جارہا ہے وہ وجوب کے طریقے پرنہیں ہے بلکہ اختیار کے طور پر ہے،یا پھر یہ کہ سات مرتبہ دھونے کا یہ حکم ابتدائے اسلام میں تھا جوبعد میں منسوخ ہوگیا۔

اکثر محدثین اورتینوں آئمہ کے مسلک یہ ہیں کہ اگر برتن میں کتا منہ ڈال دے یا کسی برتن سے پانی پی لے اورکھائے تو اس برتن کوسات مرتبہ دھونا چاہیے۔

ہر مائع چیز سے طہارت حاصل ہونے کا بیان

وتطهر النجاسة عن الثوب والبدن بالماء وبكل مائع مزيل كالخل وماء الورد ويطهر

الخف ونحوه بالدلك من نجاسة لها جرم ولو كانت رطبة ويطهر السيف ونحوه بالمسح طهارة الأرض وإذا ذهب أثر النجاسة عن الأرض وجفت جازت الصلاة عليها دون التيمم منها ويطهر ما بها من شجر و كلأ قائم بجفافه الطهارة بالاستحالة وتطهر نجاسة استحالت عينها كأن صارت ملحا أو احترقت بالنار ويطهر المنى الجاف بفركه عن الثوب والبدن ويطهر الربط بغسله فصل فى طهارة جلد الميتة ونحوها يطهر جلد الميتة بالدباغة الحقيقية كالقرظ وبالحكمية كالتتريب والتشميس إلا جلد الخنزير والآدمى وتطهر الذكاة الشرعية جلد غير المأكول دون لحمه على أصح ما يفتى به وكل شيء لا يسرى فيه الدم لا ينجس بالموت كالشعر والريش المجزوز والقرن والحافر والعظم ما لم يكن به دسم والعصب نجس فى الصحيح ونافجة المسك طاهرة كالمسك وأكلة حلال والزباد طاهر تصح صلاة متطيب به،

ترجمہ

بدن اور کپڑے سے نجاست، پانی اور ہر اس چیز کے ساتھ دور ہو سکتی ہے جو بہنے والی اور نجاست کو زائل کرنے والی ہو جس طرح سرکہ اور گلاب کا پانی۔ موزہ اور اس جیسی چیزیں جرم والی نجاست سے رگڑنے کے ساتھ پاک ہو جاتی ہیں۔ اگر چہ تر ہو تلوار اور اس جیسی دوسری چیزیں پونچھنے سے پاک ہو جاتی ہیں۔ جب زمین سے نجاست کا اثر دور ہو جائے اور وہ خشک ہو جائے تو اس پر نماز پڑھنا جائز ہے لیکن اس سے تیمم کرنا جائز نہیں۔ اس کے خشک ہونے سے وہاں جو کچھ درخت اور گھاس وغیرہ کھڑا ہے پاک ہو جاتا ہے۔ اگر کوئی نجاست کسی دوسری چیز میں بدل جائے مثلاً نمک بن جائے یا آگ میں جل جائے تو بھی پاک ہو جاتی ہے۔ خشک منی کے کھرچنے سے کپڑا اور بدن پاک ہو جاتا ہے اور تر منی دھونے سے پاک ہو جاتی ہے۔

پاک ہو جاتا ہے مردار کا چمڑا حقیقی دباغت کے ساتھ مثلاً کیکر کے پتوں سے اور حکمی دباغت مثلاً خاک آلودہ کرنے اور دھوپ میں خشک کرنے سے۔ مگر خنزیر اور آدمی کا چمڑا (نہیں پاک ہوتا) ایسی چیز کا چمڑا جس کا گوشت نہیں کھایا جاتا شرعی طریقے پر ذبح کرنے سے پاک ہو جاتا ہے البتہ گوشت پاک نہیں ہوتا زیادہ صحیح بات یہی ہے جس پر فتویٰ دیا جاتا ہے۔ ہر وہ چیز جس میں خون سرایت نہیں کرتا وہ (جانور کے) مرنے سے ناپاک نہیں ہوتی مثلاً بال، کٹے ہوئے پر، سینگ، کھر اور ہڈی جب تک اس کے ساتھ چربی نہ ہو۔ صحیح مذہب کے مطابق پٹھے ناپاک ہیں کستوری کا نافہ، کستوری کی طرح پاک ہے۔ اور اس کا کھانا جائز ہے اور زباد پاک ہے اس کو (بطور خوشبو) لگا کر نماز پڑھنا جائز ہے۔

نجاستوں کو پاک کرنے کے مختلف طرق وذرائع کا بیان

نجاستوں کے پاک کرنے کا طریقہ جو چیزیں اپنی ذات سے ناپاک (نجس) نہیں ہیں لیکن کسی نجاست کے لگنے کی وجہ سے

ناپاک ہوگئیں ان کے پاک کرنے کے دس طریقہ ہیں۔

دھونا پانی اور ہر بہنے والی رقیق و پاک چیز سے کہ جس سے نجاست دور ہوسکے وہ نجاست پاک کی جاسکتی ہے جیسے سرکہ، گلاب، زعفران کا پانی، عرقِ باقلا، درختوں، پھلوں اور تربوز کا پانی وغیرہ مائعات جن سے کپڑا بھگو کر نچوڑا جاسکے، لیکن جس میں چکنائی ہو اور جس سے بھگو کر کپڑا نچوڑا نہ جاسکے اس سے نجاست دور کرنا جائز نہیں، جیسے تیل، گھی، شوربا، شہد، شیرہ وغیرہ۔ اگر نجاست خشک ہونے کے بعد نظر آنے والی ہو تو نجاست کا وجود دور کیا جائے اور اس میں دھونے کی تعداد کا اعتبار نہیں اگر ایک ہی مرتبہ کے دھونے میں اور نجاست اور اس کا اثر یعنی رنگ و بو چھوٹ جائے تو وہی کافی ہے لیکن پھر بھی تین بار دھو لینا مستحب ہے۔

اور اگر تین مرتبہ میں بھی اثر نہ چھوٹے تو اس وقت تک دھوئے جب تک وہ اثر بلکل نہ چھوٹ جائے اثر زائل کرنے کے لئے صابن وغیرہ کی ضرورت نہیں اگر صاف پانی آنے لگے اور نجاست کا جسم دور ہو جائے مگر رنگ باقی رہ جائے اور وہ دور نہیں ہوتا تو اس کا مذائقہ نہیں اور رنگدار نجاست بذات خود نجس نہیں تو تین بار دھونے سے پاک ہو جائے گا خواہ رنگدار پانی نکلتا رہے مثلاً رنگنے کے لئے رنگ گھولا اور اس میں کسی بچہ نے پیشاب کر دیا یا کوئی اور نجاست پڑ گئی اور اس سے کپڑا رنگ لیا تو تین بار دھو ڈالیں پاک ہو جائے گا اگر چہ پھر بھی رنگ نکلتا رہے۔ اگر نجاست خشک ہونے پر نظر آنے والی نہ ہو تو اس کو تین بار دھوئے، اور جو چیز نچوڑی جاسکتی ہے اس کو ہر مرتبہ نچوڑنا شرط ہے۔

اور تیسری مرتبہ خوب اچھی طرح پوری طاقت سے نچوڑے ہر شخص کی اپنی طاقت کا اعتبار ہے جو چیز نچوڑی نہیں جاسکتی جیسے چٹائی یا بھاری کپڑا یا دری، کمبل وغیرہ تو تین مرتبہ دھوئے اور ہر مرتبہ خشک کرے اور خشک کرنے کی حد یہ ہے کہ اس کو لٹکا کر اتنی دیر چھوڑ دے کہ اس سے پانی ٹپکنا بند ہو جائے بالکل سوکھنا شرط نہیں اگر وہ بھاری چیز ایسی ہو کہ نجاست کے جذب نہیں کرتی جیسے چٹائی وغیرہ تو صرف تین بار کے دھو لینے سے پاک ہے جائے گا ہر بار اتنی دیر چھوڑنا کہ پانی ٹپکنا بند ہو جائے۔ ضروری نہیں۔

جذب کرنے یا نہ کرنے کے اعتبار سے چیزیں تین قسم کی ہیں اول جو نجاست کے بالکل جذب نہیں کرتی جیسے لوہا تانبا پیتل وغیرہ کی چیزیں دھو لینے سے پاک ہو جاتی ہیں اور پونچھ ڈالنے سے بھی پاک ہو جاتی ہیں ہیں جبکہ اثر جاتا رہے اور وہ کھردری نہ ہو دوم جو نجاست کو بہت زیادہ جذب نہ کرے لیکن کچھ نہ کچھ جذب کرے جیسے چٹائی وغیرہ یہ بھی نجاست دور ہو جانے پر پاک ہو جاتی ہیں سوم جو بلکل جذب کر لیتی ہیں جیسے کپڑا وغیرہ ایسی چیزوں کو پاک کرنے کے لئے تین بار کا دھونا اور ہر بار نچوڑنا چاہئے اگر وہ چیز نچوڑی نہ جاسکے تو ہر بار لٹکا کر اسقدر چھوڑنا چاہئے کہ پانی ٹپکنا بند ہو جائے۔

کتاب الصلاۃ

﴿یہ کتاب نماز کے بیان میں ہے﴾

کتاب صلوٰۃ کی فقہی مطابقت کا بیان

مصنف نے کتاب الطہارات کے بعد اور کتاب الزکوٰۃ وصوم وحج سے پہلے کتاب الصلوٰۃ کو ذکر کیا ہے۔ جبکہ تمام کتابوں میں یہ اسلوب مصنف کا ہے کہ کتاب کے تحت ابواب قائم کیے ہیں اور ان کے ابواب کے تحت فصول ذکر کر کے مسائل کی تفہیم میں نہایت اعلیٰ کارنامہ سرانجام دیا ہے۔ کتب فقہ کی ترتیب کتابیں باہم نوع کے درجے میں ہیں۔ کیونکہ تمام کتابوں کی خواہ وہ کتاب الطہارات ہو یا کتاب الصلوٰۃ وزکوٰۃ وغیرہ ہوں ان کی حقیقت متفق ہے اور وہ عبادت ہے اسی طرح کتاب النکاح، بیوع وغیرہ میں اگرچہ معاملات ہیں تاہم ان میں بھی احکام شرعیہ کے مطابق عمل کرنا عبادت ہے۔ لہٰذا تمام فقہی کتابوں میں جو ترتیب فقہی ہے وہ نوع کے درجے میں ہے۔

مصنف کے اسلوب ابواب وفصول میں جو ترتیب ہے وہ جنس وفصل اور کسی بھی فصل کے آخر جو استثنائی مسائل بیان کیے جاتے ہیں وہ خاصہ کے درجے میں ہوتے ہیں جن میں بعض خاصہ شاملہ اور بعض خاصہ غیر شاملہ کے درجے میں ہوتے ہیں۔ اسی طرح فقہی ترتیب نہایت جامع ومحقق انداز میں بیان کی گئی ہے۔ تاہم محدثین نے اسی ترتیب کو پسند کیا اور فقہی ترتیب کے مطابق کثیر کتب احادیث کا ذخیرہ بھی ملتا جلتا ہے۔

صلوٰۃ کے معنی ومفہوم کا بیان

عربی لغت میں صلوٰۃ کے معنی دعا کے ہیں۔ عرب شاعروں کے شعر اس پر شاہد ہیں۔ پھر شریعت میں اس لفظ کا استعمال نماز کے لئے ہونے لگا جو رکوع وسجود اور دوسرے خاص افعال کا نام ہے جو مخصوص اوقات میں جملہ شرائط وصفات اور اقسام کے ساتھ بجالائی جاتی ہے۔ ابن جریر فرماتے ہیں۔ صلوٰۃ کو نماز اس لئے کہا جاتا ہے کہ نمازی اللہ تعالیٰ سے اپنے عمل کا ثواب طلب کرتا ہے اور اپنی حاجتیں اللہ تعالیٰ سے مانگتا ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ جو دو رگیں پیٹھ سے لے کر ریڑھ کی ہڈی کی دونوں طرف آتی ہیں انہیں عربی میں صلوین کہتے ہیں چونکہ صلوٰۃ میں یہ ہلتی ہیں اس لئے اسے صلوٰۃ کہا گیا ہے۔ لیکن یہ قول ٹھیک نہیں بعض نے کہا یہ ماخوذ ہے صلی سے، جس کے معنی ہیں جھک جانا اور لازم ہو جانا۔ جیسے قرآن میں آیت (لا یصلاها) الخ یعنی جہنم میں ہمیشہ نہ رہے گا مگر بدبخت۔

نمازوں کی فرضیت وحفاظت کی دلیل شرعی کا بیان

حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ ۔(البقرہ،۲۳۸)

سب نمازوں کی محافظت کیا کرو اور بالخصوص درمیانی نماز کی، اور اللہ کے حضور سراپا ادب ونیاز بن کر قیام کیا کرو۔

اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ نمازوں کے وقت کی حفاظت کرو اس کی حدود کی نگرانی رکھو اور اول وقت ادا کرتے رہو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سوال کرتے ہیں کہ کون سا عمل افضل ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نماز کو وقت پر پڑھنا، پھر پوچھا کون سا؟ فرمایا اللہ کی راہ میں جہاد کرنا، پھر کونسا؟ ماں باپ سے بھلائی کرنا۔ حضرت عبداللہ فرماتے ہیں اگر میں کچھ اور بھی پوچھتا تو آپ اور بھی جواب دیتے۔ (بخاری ومسلم)

فرضیت نماز کی شرائط کا بیان

شروط وجوبها يشترط لفرضيتها ثلاثة أشياء الإسلام والبلوغ والعقل وتؤمر بها الأولاد لسبع سنين وتضرب عليها لعشر بيد لا بخشبة سببها ومتى تجب وأسبابها أوقاتها وتجب بأول الوقت وجوبا موسعا اوقات الصلاة،

ترجمہ

نماز کے فرض ہونے کے لیے تین چیزیں شرط ہیں۔(۱) مسلمان ہونا (۲) بلوغت (۳) عقل

بچوں کو سات سال کی عمر میں نماز پڑھنے کا حکم دیا جائے اور دس سال کی عمر میں اس کو ہاتھ سے مارا جائے لکڑی سے نہیں۔ نماز کے اسباب، اوقات ہیں وقت کے شروع ہوتے ہی نماز گنجائش کے ساتھ واجب ہو جاتی ہے۔

سات سال عمر کے بچے کو نماز کا حکم دینے کا بیان

حدیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق دس سال کی عمر میں نماز فرض ہو جاتی ہے۔ حضرت عمرو بن شعیب اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

جب تمہارے بچے سات سال کے ہو جائیں تو انہیں نماز قائم کرنے کا حکم دو اور جب دس سال کے ہو جائیں تو انہیں تاکیداً نماز پڑھاؤ اور سونے کے لئے ان کے بستر علیحدہ کر دو۔ (أبو داود، السنن، رقم 495)

نمازوں کے پانچ اوقات ہونے کا بیان

والأوقات خمسة وقت الصبح من طلوع الفجر الصادق الى قبيل طلوع الشمس ووقت الظهر من زوال الشمس الى أن يصير ظل كل شيء مثليه أو مثله سوى ظل الاستواء واختار الثانى الطحاوى و هو قول الصاحبين ووقت العصر من ابتداء الزيادة على المثل

أو المثلين الى غروب الشمس والمغرب منه الى غروب الشفق الاحمر على المفتى به،والعشاء والوتر منه الى الصبح ولا تقدم الوتر على العشاء للترتيب اللازم ومن لم يجد وقتهما لم يجبا عليه الجمع بين فرضين في وقت ولا يجمع بين فرضين في وقت بعذر إلا في عرفة للحاج بشرط الإمام الأعظم والإحرام فيجمع بين الظهر والعصر جمع تقديم ويجمع بين المغرب والعشاء بمزدلفة ولم تجز المغرب في طريق مزدلفة المستحب من اوقات الصلاة،

ترجمہ

نماز کے اوقات پانچ ہیں۔صبح کا وقت صادق سے لے کر طلوع آفتاب سے تھوڑی دیر پہلے تک ہے۔ظہر کا وقت سورج کے ڈھلنے سے لے کر اس وقت تک ہے جب ہر چیز کا سایہ اصل سائے سے کے علاوہ اس کی دومثل یا ایک مثل ہو جائے۔امام طحاوی رحمہ اللہ نے دوسرے قول کو اختیار کیا ہے اور یہی صاحبین کا قول ہے۔عصر کا وقت ایک یا دو مثلوں پر اضافہ سے لے کر سورج کے غروب ہونے تک ہے،مغرب کا وقت غروب آفتاب سے لے کر سرخ شفق کے غروب ہونے تک ہے اسی پر فتویٰ ہے۔

عشاء اور وتروں کا وقت اس (غروب شفق) سے لے کر صبح تک ہے۔وتروں کو عشاء کی نماز سے مقدم نہ کیا جائے کیوں کہ دونوں میں ترتیب ضروری ہے۔جو شخص ان دونوں کا وقت نہ پائے اس پر یہ فرض نہیں۔کسی عذر کے باوجود دو فرض نمازوں کو ایک وقت میں جمع نہ کیا جائے۔البتہ حجاج کرام میدان عرفات میں ایسا کر سکتے ہیں بشرطیکہ بڑا امام موجود ہو اور احرام باندھا ہو،پس وہ ظہر اور عصر کو پہلے وقت میں جمع کریں گے اور مزدلفہ میں مغرب اور عشاء کو (عشاء کے وقت) میں جمع کریں گے۔مغرب کی نماز مزدلفہ کے راستے میں جائز نہیں۔

صبح صادق اور صبح کاذب کا بیان

صبح صادق ایک روشنی ہے جو مشرق کی جانب آسمان کے کنارے میں دکھائی دیتی ہے اور بڑھتی جاتی ہے۔یہاں تک کہ تمام آسمان پر پھیل جاتی ہے۔اور زمین پر اجالا ہوتا جاتا ہے اور اس سے پہلے بیچ آسمان پر ایک سفیدی ستون کی طرح ظاہر ہوتی ہے جس کے نیچے سارا افق سیاہ ہوتا ہے۔اور صبح صادق کے وقت یہ دراز سپیدی غائب ہو جاتی ہے اس کو صبح کاذب کہتے ہیں۔

نماز فجر کے وقت کا آغاز صبح صادق کے وقت ہونے کا بیان

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری دو مرتبہ امامت کی جبرائیل نے بیت اللہ کے پاس پہلی مرتبہ ظہر کی نماز میں جب کہ ہر چیز کا سایہ جوتی کے تسمہ کے برابر تھا پھر عصر کی نماز میں جب کہ ہر چیز کا سایہ اس کی مثل ہو گیا پھر مغرب کی نماز میں جب کہ سورج غروب ہو گیا اور روزہ دار نے روزہ افطار کیا پھر عشاء کی نماز میں جب شفق غائب ہو گئی۔

اور فجر کی نماز اس وقت جب صبح صادق ظاہر ہوئی اور جس وقت روزہ دار کے لئے کھانا حرام ہو جاتا ہے اور دوسری مرتبہ ظہر کی نماز اس وقت جب ہر چیز کا سایہ اس کی مثل ہو جاتا ہے جس وقت کل عصر پڑھی تھی پھر عصر کی نماز ہر چیز کا سایہ دگنا ہونے پر پھر مغرب پہلے دن کے وقت پر اور پھر عشاء رات گزر جانے پر پھر صبح کی نماز اس وقت جب زمین روشن ہوگئی پھر جبرائیل نے میری طرف متوجہ ہو کر کہا اے محمد یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے انبیاء کا وقت ہے۔

اور ان دونوں کے درمیان وقت اس باب میں حضرت ابو ہریرہ ابو موسیٰ ابو مسعود ابو سعید جابر عمرو بن حزم براء اور انس سے بھی روایات مروی ہیں۔ (جامع ترمذی, جلد اول, رقم الحدیث، 142)

نماز فجر کا آخری وقت طلوع آفتاب تک ہونے کا بیان

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر نماز کا ایک وقت اول ہے ایک وقت آخر ظہر کی نماز کا اول وقت سورج کا ڈھلنا ہے اور آخری وقت جب عصر کا وقت داخل ہو جائے اور عصر کا اول وقت جب یہ وقت شروع ہوئے اور آخری وقت جب سورج زرد ہو جائے مغرب کا اول وقت غروب آفتاب اور آخری وقت شفق کا غائب ہونا اور عشاء کا اول وقت شفق کے غائب ہونے پر اور آخری وقت آدمی رات تک ہے اور فجر کا اول وقت صبح صادق کے طلوع ہونے پر اور آخری وقت سورج کے طلوع ہونے تک ہے۔

اس باب میں عبداللہ بن عمر سے بھی روایت ہے امام ابوعیسیٰ فرماتے ہیں کہ میں نے سنا ہے امام بخاری سے وہ فرماتے ہیں کہ اعمش کی مجاہد سے نقل کی گئی مواقیت حدیث محمد بن فضیل کی اعمش سے منقول حدیث سے اصح ہے اور محمد بن فضیل کی حدیث میں محمد بن فضیل سے خطا ہوئی ہے۔ (جامع ترمذی, جلد اول, رقم الحدیث، 144)

نماز ظہر کے وقت میں سائے کے اعتبار کا بیان

حضرت عبداللہ ابن عمرو رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ظہر کا وقت زوال آفتاب کے بعد ہے اور اس کا آخری وقت جب تک ہے کہ آدمی کا سایہ اس کے طول کے برابر ہو جائے عصر کے آنے کے وقت تک۔ اور عصر کا وقت اس وقت تک ہے جب تک کہ آفتاب زرد نہ ہو جائے اور مغرب کی نماز کا وقت اس وقت تک ہے جب تک شفق غائب نہ ہو جائے اور نماز عشاء کا وقت ٹھیک آدھی رات تک ہے اور نماز فجر کا وقت طلوع فجر سے اس وقت تک ہے جب تک سورج نہ نکل آئے اور جب سورج نکل آئے تو نماز سے باز رہو کیونکہ سورج شیطان کے دونوں سینگوں کے درمیان نکلتا ہے۔ (صحیح مسلم، مشکوٰۃ شریف, جلد اول, رقم الحدیث، 547)

اس سے پہلے کہ حدیث کی تشریح کرتے ہوئے نماز کے اوقات کے بارے میں عرض کیا جائے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان چند اصطلاحی الفاظ کے معنی بیان کر دے جائیں جن کو سمجھنے کے بعد مقصد تک پہنچنے میں بڑی آسانی ہو جائے گی۔

زوال کا فقہی مفہوم

آفتاب کے ڈھلنے کو کہتے جسے ہماری عرف میں دوپہر ڈھلنا کہا جاتا ہے۔

سایہ اصلی کا فقہی مفہوم

اس سایہ کو کہتے ہیں جو زوال کے وقت باقی رہتا ہے۔ یہ سایہ ہر شہر کے اعتبار سے مختلف ہوتا ہے کسی جگہ بڑا ہوتا ہے، کسی جگہ چھوٹا ہوتا ہے اور کہیں بالکل نہیں ہوتا، جیسے مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ میں۔

زوال اور سایہ اصلی کے پہچاننے کی آسان ترکیب یہ ہے کہ ایک سیدھی لکڑی ہموار زمین پر گاڑی جائے اور جہاں تک اس کا سایہ پہنچے اس مقام پر ایک نشان بنا دیا جائے پھر دیکھا جائے کہ وہ سایہ اس نشان کے آگے بڑھتا ہے یا پیچھے ہٹتا ہے۔ اگر آگے بڑھتا ہے تو سمجھ لینا چاہئے کہ ابھی زوال نہیں ہوا اور اگر پیچھے ہٹے تو زوال ہو گیا۔ اگر یکساں رہے نہ پیچھے ہٹے نہ آگے بڑھے تو ٹھیک دوپہر کا وقت ہے اس کو استواء کہتے ہیں۔

ایک مثل۔ سایہ اصلی کے سوا جب ہر چیز کا سایہ اس کے برابر ہو جائے۔ دو مثل۔ سایہ اصلی کے سوا جب ہر چیز کا سایہ اس سے دوگنا ہو جائے۔

ان اصطلاحی تعریفات کو سمجھنے کے بعد اب حدیث کی طرف آیئے، سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اوقات نماز کے سلسلے میں سب سے پہلے ظہر کا ذکر کیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے وقت نماز کی تعلیم کے سلسلے میں سب سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہی نماز پڑھائی تھی، یہی وجہ ہے کہ نماز ظہر کی نماز کو پیشین کہا جاتا ہے۔

نماز ظہر کا اول وقت اسی وقت شروع ہو جاتا ہے جب کہ آسمان کہ درمیان آفتاب مغرب کی طرف تھوڑا سا مائل ہوتا ہے جس کو زوال کہتے ہیں اور اس کا آخری وقت وہ ہوتا ہے جب کہ آدمی کا سایہ اس کے طول کے برابر علاوہ سایہ اصلی کے ہو جاتا ہے۔ سایہ اصلی کے بارے میں بتایا جا چکا ہے کہ یہ وہ سایہ ہوتا ہے جو زوال کے وقت ہوتا ہے یعنی اکثر مقامات پر جب کہ آفتاب سمت راس پر نہیں آتا وہاں ٹھیک دوپہر کے وقت ہر چیز کا تھوڑا سا سایہ ہوتا ہے اس سائے کو چھوڑ کر جب تک کسی چیز کے طول کے برابر سایہ رہے گا ظہر کا وقت باقی رہے گا۔

(عصر کا وقت آنے تک) یہ جملہ دراصل پہلے جملہ کی تاکید ہے کیونکہ جب ایک مثل تک سایہ پہنچ گیا تو وقت ظہر ختم ہو گیا۔ اور عصر کا وقت شروع ہو گیا چونکہ اس جملے کا مطلب پہلے ہی جملے سے ادا ہو گیا تھا اس لیے یہی کہا جائے گا کہ یہ جملہ پہلے جملے کی تاکید کے لیے لایا گیا ہے ہاں اتنی بات اور کہی جا سکتی ہے کہ یہ جملہ اس چیز کی دلیل ہے کہ ظہر اور عصر کے درمیان وقت مشترک نہیں ہے جیسا کہ امام مالک رحمہ اللہ علیہ کا مسلک ہے۔ عصر کے وقت کی ابتداء تو معلوم ہو گئی کہ جب ظہر کا وقت ختم ہو جائے گا عصر کا وقت شروع ہو جائے گا۔ آخری وقت کی بات یہ ہے کہ جب تک آفتاب زرد نہیں ہو جاتا تا عصر کا وقت بلا کراہیت باقی رہتا ہے چنانچہ حدیث میں اسی طرف اشارہ ہے۔ البتہ اس کے بعد سے غروب آفتاب تک وقت جواز باقی رہتا ہے۔ اب سوال یہ

پیدا ہوتا ہے کہ آفتاب کی زردی سے کیا مراد ہے تو بعض حضرات کہتے ہیں کہ آفتاب کے زرد ہونے کا مطلب یہ ہے کہ آفتاب اتنا بدل جائے کہ اس کی طرف نظر اٹھانے سے آنکھوں میں خیرگی نہ ہو۔ بعض نے کہا ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ غروب آفتاب کی جو شعاعیں دیوار وغیرہ پڑتی ہیں اس میں تغیر ہو جائے۔

نماز عصر میں تعجیل وتاخیر کا بیان

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عصر کی نماز پڑھی جبکہ سورج ان کے آنگن میں تھا اور سایہ ان کے آنگن کے اوپر نہیں چڑھا تھا اس باب میں حضرت انس ابوا روی، جابر، رافع بن خدیج سے بھی احادیث مذکور ہیں اور رافع بن خدیج سے بھی احادیث مذکور ہیں اور رافع سے عصر کی نماز میں تاخیر کی روایت بھی نقل کی گئی ہے لیکن وہ صحیح نہیں امام ابوعیسیٰ ترمذی کہتے ہیں حدیث عائشہ حسن صحیح ہے صحابہ میں سے بعض اہل علم جیسے کہ حضرت عمر عبداللہ بن مسعود عائشہ انس اور کئی تابعین نے عصر کی نماز میں تعجیل کو اختیار کیا ہے اور تاخیر کو مکروہ سمجھا ہے اور یہی قول ہے عبداللہ بن مبارک شافعی احمد اور اسحاق کا ہے۔ (جامع ترمذی، جلد اول، رقم الحدیث، 153)

قرص کی تعریف

سورج کا رنگ سفیدی سے زردی کی طرف اتنا تبدیل ہو جائے کہ دیکھنے والے کی نظر آسانی سے مسلسل ٹکٹکی باندھ کر اسے دیکھ سکے۔

نماز عصر کے نام کی وجہ تسمیہ کا بیان

نمازِ عصر میں ابر کے دن تو جلدی چاہیئے، نہ اتنی کہ وقت سے پیشتر ہو جائے۔ باقی ہمیشہ اس میں تاخیر مستحب ہے۔ اسی واسطے اس کا نام عصر رکھا گیا لانہا تعصر (یعنی وہ نچوڑ کے وقت پڑھی جاتی ہے)

حاکم ودار قطنی نے زیاد بن عبداللہ نخعی سے روایت کی "ہم امیر المومنین علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کے ساتھ مسجد جامع میں بیٹھے تھے مؤذن نے آ کر عرض کی، یا امیر المومنین نماز۔ امیر المومنین نے فرمایا بیٹھو۔ وہ بیٹھ گیا۔ دیر کے بعد پھر حاضر ہوا اور نماز کے لئے عرض کی۔ امیر المومنین نے فرمایا ھذا الکلب یعلمنا السنۃ (یہ کتا ہمیں سنّت سکھاتا ہے) پھر اٹھ کر ہمیں نمازِ عصر پڑھائی۔ جب ہم نماز پڑھ کر وہاں آئے جہاں مسجد میں پہلے بیٹھے تھے فجثونا للرکب لنزول الشمس للغروب نتراھا ہم زانوؤں پر کھڑے ہو کر سورج کو دیکھنے لگے کہ وہ غروب کے لئے نیچے اتر گیا تھا۔ (سنن الدارقطنی، ذکر بیان المواقیت، نشر السنۃ ملتان)

نماز مغرب میں تعجیل وتاخیر کا فقہی مفہوم

حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مغرب کی نماز ادا کرتے جب سورج ڈوب کر پردوں کے پیچھے چھپ جاتا اس باب میں حضرت جابر زید بن خالد انس رافع بن خدیج ابوایوب ام حبیبہ اور عباس بن

عبدالمطلب سے بھی روایات منقول ہیں حضرت عباس کی حدیث موقوفاً بھی روایت کی گئی ہے اور وہ اصح ہے ابوعیسیٰ کہتے ہیں کہ حدیث سلمہ بن الاکوع حسن صحیح ہے صحابہ اور تابعین میں سے اکثر اہل علم کا یہ قول ہے کہ مغرب کی نماز میں تعجیل کرنی چاہئے اور اس میں تاخیر مکروہ ہے بعض اہل علم کے نزدیک مغرب کے لیے ایک ہی وقت ہے ان کی دلیل نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی حدیث جبرائیل ہے ابن مبارک اور شافعی کا بھی یہی قول ہے۔ (جامع ترمذی، جلد اول، رقم الحدیث، 156)

مغرب کا وقت آفتاب چھپنے کے بعد شروع ہوتا ہے اور شفق غائب ہو جانے کے وقت ختم ہو جاتا ہے۔ اکثر ائمہ کے نزدیک شفق اس سرخی کو کہتے ہیں جو آفتاب چھپنے کے بعد ظاہر ہوتی ہے چنانچہ اہل لغت کا کہنا بھی یہی ہے۔ مگر حضرت امام اعظم اور علماء کی ایک دوسری جماعت کا قول یہ ہے کہ شفق اس سفیدی کا نام ہے جو سرخی ختم ہونے کے بعد نمودار ہوتی ہے۔

اہل لغت و دیگر ائمہ کے قول کے مطابق حضرت امام اعظم کا بھی ایک قول یہ ہے کہ شفق سرخی کا نام ہے چنانچہ شرح وقایہ میں فتویٰ اسی قول پر مذکور ہے۔ لہٰذا احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ مغرب کی نماز تو سرخی غائب ہونے سے پہلے پڑھی جائے اور عشاء کی نماز سفیدی غائب ہونے کے بعد پڑھی جائے تاکہ دونوں نمازیں بلا اختلاف ادا ہوں۔

شفق کے فقہی معنی و مفہوم کا بیان

امام اعظم ابوحنیفہ کے نزدیک شفق اس سفیدی کا نام ہے جو مغرب میں سرخی ڈوبنے کے بعد صبح صادق کی طرح پھیلی ہوئی رہتی ہے۔ عشاء کے بارے میں مختار مسلک اور فیصلہ یہ ہے کہ اس کا وقت شفق غائب ہونے کے بعد شروع ہوتا ہے اور ٹھیک آدھی رات تک بلا کراہت باقی رہتا ہے البتہ وقت جو طلوع فجر سے پہلے تک رہتا ہے فجر کا وقت طلوع صبح صادق کے بعد شروع ہوتا ہے اور طلوع آفتاب پر ختم ہو جاتا ہے۔ بظاہر تو حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ طلوع صبح صادق کے بعد سے طلوع آفتاب تک تمام وقت نماز فجر کے لیے مختار ہے۔

امام بخاری و مسلم اپنی اسناد کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ حضرت سیار بن سلامہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں اور میرے والد (ہم دونوں) حضرت ابوبرزہ اسلمی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے، میرے والد نے ان سے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرض نمازیں کس طرح (یعنی کس کس وقت) پڑھتے تھے، انہوں نے فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ظہر کی نماز جسے پہلی نماز کہا جاتا ہے سورج ڈھلنے کے وقت پڑھتے تھے اور عصر کی نماز (ایسے وقت) پڑھتے تھے کہ ہم میں سے کوئی نماز پڑھ کر مدینہ کے کنارے اپنے مکان پر جا کر سورج روشن ہوتے ہوئے (یعنی اس کے متغیر ہونے سے پہلے) واپس آ جاتا تھا۔ سیار فرماتے ہیں کہ مغرب کے بارے میں ابوبرزہ رضی اللہ عنہ نے جو کچھ بتایا تھا وہ میں بھول گیا اور (ابوبرزہ رضی اللہ عنہ کہتے تھے کہ عشاء کی نماز جسے تم عتمہ کہتے ہو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تاخیر سے پڑھنے کو بہتر سمجھتے تھے اور عشاء کی نماز سے پہلے سونے اور عشاء کی نماز کے بعد (دنیاوی) باتیں کرنے کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم مکروہ سمجھتے تھے۔

اور صبح کو نماز ایسے وقت پڑھ (کر فارغ ہو) لیتے تھے کہ ہر آدمی اپنے پاس بیٹھنے والے کو پہچان لیتا تھا اور (نماز میں) ساٹھ

آیتوں سے لے کر سو آیتوں تک پڑھ لیا کرتے تھے، ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تہائی رات تک عشاء میں دیر کرنے میں تامل نہ فرماتے تھے اور عشاء کی نماز سے پہلے سونے اور عشاء کی نماز کے بعد باتیں کرنے کو پسند نہیں فرماتے تھے۔ (صحیح البخاری، ج۱، ص۸۰، قدیمی کتب خانہ کراچی وصحیح مسلم)

نمازوں کے مستحب اوقات کا بیان

ویستحب الإسفار بالفجر للرجال والإبراد بالظهر فی الصیف وتعجیله فی الشتاء إلا فی یوم غیم فیؤخر فیه وتأخیر العصر ما لم تتغیر الشمس وتعجیله فی یوم الغیم وتعجیل المغرب إلا فی یوم غیم فتؤخر فیه وتأخیر العشاء الی ثلث اللیل وتعجیله فی الغیم و تأخیر الوتر الی آخر اللیل لمن یثق بالانتباه،

ترجمہ

فجر کی نماز سفیدی میں پڑھنا مستحب ہے۔ ظہر کی نماز کو گرمیوں میں ٹھنڈا کر کے اور سردیوں میں جلدی پڑھنا مستحب ہے البتہ بادلوں کے دن ذرا دیر سے پڑی جائے۔ عصر کی نماز کو اس وقت تک موخر کرنا مستحب ہے جب تک سورج کا رنگ نہ بدلے اور بادلوں والے دن جلدی کرنا مستحب ہے۔

مغرب کی نماز بادلوں کے دن کے علاوہ جلدی پڑھنا مستحب ہے۔ بادل ہوں تو تاخیر کی جائے۔ عشاء کی نماز میں رات کی تہائی تک تاخیر کرنا اور بادلوں والے دن جلدی کرنا مستحب ہے وتروں کو رات کے آخر تک موخر کرنا مستحب ہے لیکن یہ اس شخص کے لیے ہے جسے جاگنے کا یقین ہو۔

تاخیر مستحب کا فقہی مفہوم

علامہ ابن نجیم مصری حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ تاخیر کا معنی یہ ہے کہ وقت کے دو حصوں میں تقسیم کیا جائے اور اوّل نصف کو چھوڑ کر نصف ثانی میں پڑھیں تو اسے تاخیر کہا جائے گا۔ (البحر الرائق کتاب الصلوٰہ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی)

فجر کی نماز کو اسفار یا جلدی پڑھنے کے استحباب کا بیان

حضرت رافع ابن خدیج رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، فجر کی نماز اجالے میں پڑھو کیونکہ اجالے میں نماز پڑھنے سے بہت زیادہ ثواب ہوتا ہے اور سنن نسائی کی روایت میں یہ الفاظ (**فانه اعظم للاجر**) (یعنی اجالے میں نماز پڑھنے سے بہت زیادہ ثواب ہوتا ہے) نہیں ہیں۔ (جامع ترمذی، ابوداؤد، داری، سنن نسائی، مشکوٰۃ شریف، جلد اول، رقم الحدیث، 579)

اس حدیث کے ظاہری الفاظ سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ فجر کی نماز اسفار (اجالے) میں شروع کرنی چاہیے چنانچہ حنفیہ کا ظاہری مسلک یہی ہے کہ فجر کی نماز کی ابتداء واختتام دونوں ہی اسفار میں ہوں۔

مگر حضرت امام طحاوی رحمہ اللہ علیہ جو حنفی مسلک کے ایک جلیل القدر امام ہیں، فرماتے ہیں کہ ابتداء تو غلس (اندھیرے)

میں ہونی چاہئے اور اختتام اسفار میں، اور اس کا طریقہ یہ ہو کہ قرائت اتنی طویل کی جائے کہ پڑھتے پڑھتے اجالا پھیل جائے۔
چنانچہ علماء کرام فرماتے ہیں کہ امام طحاوی رحمہ اللہ علیہ کی یہ تاویل اولیٰ اور احسن ہے کیونکہ اس طرح ان تمام احادیث میں تطبیق ہو جاتی ہے جن میں سے بعض تو غلس میں نماز پڑھنے پر دلالت کرتی ہیں اور بعض سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اسفار میں نماز پڑھنا افضل ہے جیسا کہ اس حدیث سے معلوم ہوا۔

اکثر اہل علم صحابہ و تابعین میں سے کہتے ہیں کہ فجر کی نماز روشنی میں پڑھی جائے اور یہی قول ہے سفیان ثوری کا، امام شافعی اور امام احمد فرماتے ہیں کہ اسفار کا معنی یہ ہے کہ فجر واضح ہو جائے اور اس میں شک نہ رہے اس میں اسفار کے معنی یہ نہیں ہے کہ دیر سے نماز پڑھی جائے۔ (جامع ترمذی، جلد اول، رقم الحدیث، 148)

اگر چہ امام ترمذی کہہ رہے ہیں کہ اسفار کا معنی دیر نہیں ہے۔ لیکن اسفار کا معنی فجر کا خوب روشن ہونا ہے اور ظاہر ہے وہ روشنی دیر سے ہوتی ہے۔ عجلت سے نہیں ہوگی۔ یہی احناف کا موقف ہے۔ (رضوی عفی عنہ)

حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب فجر کی نماز پڑھ لیتے تو عورتیں واپس آتیں عورتیں اپنی چادروں میں لپٹی ہوئی گزرتی تھیں اور اندھیرے کی وجہ سے پہچانی نہیں جاتی تھیں قتیبہ نے کہا ہے (مُتَلَفِّفَاتٍ) کی جگہ (مُتَلَفِّعَاتٍ) اس باب میں حضرت عمر انس اور قیلہ بنت مخرمہ سے بھی روایات مذکور ہیں امام ابوعیسیٰ فرماتے ہیں حدیث عائشہ حسن صحیح ہے۔

اور اس کو کئی صحابہ نے اختیار کیا ہے جن میں ابوبکر عمر اور تابعین میں سے اہل علم شامل ہیں اور یہی قول ہے امام شافعی اور احمد اور اسحاق کو وہ کہتے ہیں کہ فجر کی نماز تاریکی میں پڑھنا مستحب ہے۔ (جامع ترمذی، جلد اول، رقم الحدیث، 147)

نماز ظہر کو گرمیوں میں ٹھنڈا کرنے پر فقہی بیان

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب گرمی زیادہ ہو تو نماز کو ٹھنڈے وقت میں ادا کرو اس لئے کہ گرمی کی شدت جہنم کے جوش سے ہے اس باب میں ابوسعید ابوذر ابن عمر مغیرہ اور قاسم بن صفوان سے بھی روایت ہے قاسم اپنے والد سے روایت کرتے ہیں اور ابوموسیٰ ابن عباس اور انس سے بھی روایات مذکور ہیں اس باب میں حضرت عمر سے بھی روایت ہے لیکن وہ صحیح نہیں ہے امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں حدیث ابوہریرہ حسن صحیح ہے اہل علم کی ایک جماعت نے شدید گرمی میں ظہر کی نماز میں تاخیر کو اختیار کیا ہے یہی قول ہے ابن مبارک احمد اور اسحاق کا امام شافعی کے نزدیک ظہر میں تاخیر اس وقت کی جائے جب لوگ دور سے آتے ہوں لیکن اکیلا نمازی اور وہ شخص جو اپنی قوم میں نماز پڑھتا ہو اس کے لئے بہتر ہے کہ سخت گرمی میں بھی نماز میں تاخیر نہ کرے۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں جن لوگوں نے شدید گرمی میں تاخیر ظہر کا مذہب اختیار کیا ہے وہ اتباع کے لئے بہتر ہے اور امام شافعی کا یہ قول کہ اس کی اجازت اس کے لئے ہے جو دور سے آتا ہو تا کہ لوگوں پر مشقت نہ ہو حضرت ابوذر کی حدیث اس

کے خلاف دلالت کرتی ہے حضرت ابوذر فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر میں تھے کہ بلال نے اذان دی ظہر کی نماز کے لئے پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے بلال ٹھنڈا ہونے دو پھر انہوں نے ٹھنڈا ہونے دیا اگر امام شافعی کے قول کے مطابق بات ہوتی تو ایسے وقت میں ٹھنڈا کرنے کا کیا مطلب کیونکہ سفر میں سب اکٹھے تھے دور سے آنے کی حاجت نہیں تھی۔ (جامع ترمذی، جلد اول، رقم الحدیث، 151)

نماز عصر کی تاخیر کے استحباب میں فقہی بیان

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عصر کی نماز پڑھی جبکہ سورج ان کے آنگن میں تھا اور سایہ ان کے آنگن کے اوپر نہیں چڑھا تھا اس باب میں حضرت انس ابواروی، جابر، رافع بن خدیج سے بھی احادیث مذکور ہیں اور رافع بن خدیج سے بھی احادیث مذکور ہین اور رافع سے عصر کی نماز میں تاخیر کی روایت بھی نقل کی گئی ہے لیکن وہ صحیح نہیں امام ابوعیسیٰ ترمذی کہتے ہیں حدیث عائشہ حسن صحیح ہے صحابہ میں سے بعض اہل علم جیسے کہ حضرت عمر عبداللہ بن مسعود عائشہ انس اور کئی تابعین نے عصر کی نماز میں تعجیل کو اختیار کیا ہے اور تاخیر کو مکروہ سمجھا ہے اور یہی قول ہے عبداللہ بن مبارک شافعی احمد اور اسحاق کا۔ (جامع ترمذی، جلد اول، رقم الحدیث، 153)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے (لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے) فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ظہر کی نماز (گرمی کے علاوہ دوسرے موسموں میں) تم سے بہت زیادہ جلدی پڑھتے تھے اور تم عصر کی نماز پڑھنے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ جلدی کرتے ہو۔ (مسند احمد بن حنبل، جامع ترمذی، مشکوۃ شریف، جلد اول، رقم الحدیث، 584)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا مقصد اتباع سنت پر لوگوں کو رغبت دلانا اور متوجہ کرنا ہے کہ ہر جگہ اور ہر موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرنے میں ہی بھلائی وسعادت ہے۔ یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ عصر کی نماز میں تاخیر کرنا مستحب ہے۔ جیسا کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ علیہ کا مسلک ہے۔

نماز مغرب میں جلدی کے استحباب کا بیان

حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میری امت کے لوگ اگر مغرب کی نماز کو (اس قدر) دیر کر کے نہ پڑھا کریں کہ ستارے جگمگانے لگیں تو ہمیشہ بھلائی، یا فرمایا کہ، فطرت (یعنی اسلام کے طریقے) پر رہیں گے، (سنن ابوداؤد) اور اس روایت کو دارمی نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے۔

(مشکوۃ شریف، جلد اول، رقم الحدیث، 575)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مغرب کے وقت فقط ستارے نظر آ جانے سے کراہیت نہیں آتی البتہ ستارے گنجان ہو کر جگمگانے لگتے ہیں تو جب وقت مکروہ ہو جاتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ مغرب کی نماز تاخیر سے پڑھی تھی اور وہ بھی بیان جواز کے لیے ورنہ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ اول وقت ہی مغرب کی نماز ادا فرماتے تھے۔

نمازِ مغرب میں تاخیر کے مکروہ ہونے کا بیان

امام ابوداؤد علیہ الرحمہ اپنی سند کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میری امت کے لوگ اگر مغرب کی نماز کو (اس قدر) دیر کر کے نہ پڑھا کریں کہ ستارے جگمگانے لگیں تو ہمیشہ بھلائی، یا فرمایا کہ، فطرت (یعنی اسلام کے طریقے) پر رہیں گے، (سنن ابوداؤد، ج ا، ص ۶۰، دار الحدیث ملتان) اور اس روایت کو دارمی نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے۔ (مشکوۃ المصابیح)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مغرب کے وقت فقط ستارے نظر آجانے سے کراہیت نہیں آتی البتہ ستارے گنجان ہو کر جگمگانے لگتے ہیں تو تب وقت مکروہ ہو جاتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ مغرب کی نماز تاخیر سے پڑھی تھی اور وہ بھی بیان جواز کے لیے ورنہ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ اول وقت ہی مغرب کی نماز ادا فرماتے تھے۔

نمازِ عشاء کی تاخیر کے استحباب پر فقہی بیان

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر مجھے اپنی امت پر گراں گذرنے کا خیال نہ ہوتا تو میں انہیں حکم دیتا تہائی رات یا آدھی رات تک عشاء میں تاخیر کرنے کا اس باب میں جابر بن سمرہ جابر بن عبداللہ ابو برزہ ابن عباس ابوسعید خذری زید بن خالد اور ابن عمر سے بھی روایات مذکور ہیں ابوعیسیٰ ترمذی نے کہا حدیث حضرت ابو ہریرہ حسن صحیح ہے اور صحابہ وتابعین میں سے اکثر کا اہل علم نے اس کو اختیار کیا ہے کہ عشاء کی نماز میں تاخیر کرنی چاہئے اور یہی قول ہے امام احمد اور اسحاق کا۔ (جامع ترمذی، جلد اول، رقم الحدیث، 159)

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ایک رات ہم عشاء کی نماز کے لیے بہت دیر تک بیٹھے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتظار کرتے رہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تہائی یا اس سے بھی زیادہ رات جانے کے بعد تشریف لائے اور ہمیں معلوم نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم گھر کے کام میں مشغول رہے تھے (کہ عادت کے مطابق سویرے نماز پڑھنے تشریف نہیں لائے) یا اس کے علاوہ (آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کو کوئی عذر پیش آ گیا تھا) آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آکر فرمایا، تم لوگ نماز کا انتظار کر رہے تھے (اور تمہارے لیے یہ مناسب بھی تھا کیونکہ) نماز کا انتظار تو تم ہی لوگ کیا کرتے ہو۔ تمہارے سوا کسی اور دین والوں نے نماز کا انتظار نہیں کیا۔ اور اگر مجھے اپنی امت پر گراں گزرنے کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں اس نماز کو ہمیشہ اسی وقت پڑھا کرتا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (تکبیر کا) حکم دیا اس نے تکبیر کہی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھائی۔

(صحیح مسلم، مشکوۃ شریف، جلد اول، رقم الحدیث، 581)

مطلب یہ ہے کہ تمہارے سوا کسی بھی دین کے لوگ (یعنی یہود ونصاری) عشاء کی نماز کا انتظار نہیں کرتے تھے کیونکہ یہ نماز تو صرف اسی امت کے ساتھ مخصوص فرمائی گئی ہے اور کسی امت کو نصیب نہیں ہوئی ہے لہٰذا تم اس وقت جب کہ آرام کرنے کا وقت ہے اپنے نفس پر قابو پا کر اور مشقت اٹھا کر نماز کا جتنا زیادہ انتظار کرو گے اتنا ہی زیادہ ثواب پاؤ گے۔ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ عشاء کی نماز تہائی رات کے وقت پڑھنا افضل ہے جیسا کہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ علیہ کا مسلک ہے مگر جہاں تک رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم کے عمل کا تعلق ہے تو یہ بھی ثابت ہے کہ جب صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی جماعت کا اکثر حصہ اول وقت جمع ہو جاتا تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اول وقت ہی نماز پڑھ لیتے تھے اور جو حضرات تاخیر سے جمع ہوتے تھے وہ دیر سے پڑھتے تھے چنانچہ حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ علیہ کا مسلک بھی یہی ہے کہ جو نمازی اوّل وقت جمع ہو جائیں اول وقت نماز پڑھ لیں اور جو نمازی تاخیر سے جمع ہوں وہ دیر کر کے پڑھیں۔

نماز وتر کے مستحب وقت کا بیان

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ سرورکونین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنی رات کی نماز میں آخری نماز وتر کو قرار دو۔ پھر یہ جان لیجئے کہ اس حدیث میں جو حکم دیا جارہا ہے وہ وجوب کے طور پر نہیں ہے بلکہ استحباب کے طور پر ہے۔

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ سرورکونین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا صبح (آثار نمایاں ہونے پر) وتر میں جلدی کرو۔ (صحیح مسلم)

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ سرورکونین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا رات کی نماز دو دو رکعت ہے اور جب کسی کو صبح ہونے کا اندیشہ ہونے لگے تو ایک رکعت پڑھ لے، یہ (ایک رکعت) پہلی پڑھی ہوئی نماز کو طاق کر دے گی۔
(صحیح البخاری وصحیح مسلم)

حدیث کے پہلے جزو کا مطلب یہ ہے کہ رات کو پڑھی جانے والی نفل نمازیں دو دو رکعت کر کے پڑھی جائیں چنانچہ حضرت امام شافعی، حضرت امام ابو یوسف اور حضرت امام محمد نے اس حدیث کے پیش نظر کہا ہے کہ افضل یہی ہے کہ رات میں نفل نمازیں اس طرح پڑھی جائیں کہ ہر دو رکعت کے بعد سلام پھیرا جائے یعنی دو دو رکعت کر کے پڑھی جائیں۔

فصل فی الأوقات التی لا تصح فیها الصلاۃ والتی تکرہ فیہا

﴿یہ فصل نماز کے اوقات ممنوعہ ومکروہہ کے بیان میں ہے﴾

تین اوقات میں نماز پڑھنے کی ممانعت کا بیان

ثلاثۃ أوقات لا یصح فیہا شیء من الفرائض والواجبات التی لزمت فی الذمۃ قبل دخولہا عند طلوع الشمس الی أن ترتفع وعند استوائہا الی ان تزول وعند اصفرارہا الی ان تغرب ویصح أداء ما وجب فیہا مع الکراہۃ کجنازۃ حضرت وسجدۃ آیۃ تلیت کما ح عصر الیوم عند الغروب مع الکراہۃ والأوقات الثلاثۃ یکرہ فیہا النافلۃ کراہۃ تحریم ولو کان لہا سبب کالمنذور ورکعتی الطواف متی یکرہ التنفل ویکرہ التنفل بعد طلوع الفجر بأکثر من سنتہ وبعد صلاتہ وبعد صلاۃ العصر وقبل صلاۃ المغرب وعند خروج الخطیب حتی یفرغ من الصلاۃ وعند الإقامۃ إلا سنۃ الفجر وقبل العید ولو فی المنزل وبعدہ فی المسجد وبین الجمعین فی عرفۃ ومزدلفۃ وعند ضیق وقت المکتوبۃ ومدافعۃ الأخبثین وحضور طعام تتوقہ نفسہ وما یشغل البال ویخل بالخشوع،

ترجمہ

تین وقت ایسے ہیں جن میں فرض اور واجب نماز جو ان اوقات کے داخل ہونے سے پہلے واجب ہوئی پڑھنا صحیح نہیں۔(۱) سورج طلوع ہونے کے وقت یہاں تک کہ بلند ہو جائے۔(۲) سورج کے ٹھہرنے کے وقت یہاں تک کہ ڈھل جائے(۳) سورج کے زرد ہو جانے کے وقت یہاں تک کہ غروب ہو جائے۔

جو کچھ ان اوقات میں واجب ہوا کراہت کے ساتھ اس کا ادا کرنا صحیح ہے جیسے جنازہ جو حاضر ہوا اور ایسی آیت کا سجدہ جو ان اوقات میں تلاوت کی گئی۔

ان تین اوقات میں نوافل پڑھنا مکروہ تحریمی ہے اگرچہ ان کے لیے کوئی سبب ہو مثلاً نذر مانی گئی اور طواف کی دو رکعتیں۔طلوع فجر کے بعد (فرضوں سے پہلے) سنتوں کی دو رکعتوں سے زیادہ نماز (نفل) پڑھنا مکروہ ہے اسی طرح فجر کی نماز کے

بعد عصر کی نماز، مغرب کی نماز سے پہلے اور جب خطیب (خطبہ دینے کے لیے) نکل آئے۔ یہاں تک کہ نماز سے فارغ ہو جائے اور تکبیر کے وقت نفل پڑھنا مکروہ ہے البتہ فجر کی سنتیں پڑھ سکتے ہیں۔ عید (کی نماز) سے پہلے اگر چہ گھر میں ہوں اور اس کے بعد مسجد میں۔ میدان عرفات اور مزدلفہ میں دو نماز کے درمیان جب فرض نماز کا وقت تنگ ہو جائے، پیشاب یا پاخانہ کی حاجت شدید ہو، کھانا حاضر ہو اور اسے کھانے کو دل چاہتا ہو اور ہر وہ کام جو دل کو مشغول رکھے اور خشوع وخضوع میں خلل پیدا کرے اس وقت نماز پڑھنا مکروہ ہے۔

تین اوقات میں مطلق طور پر نماز کی ممانعت کا بیان

امام مسلم علیہ الرحمہ اپنی سند کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ حضرت علی بن رباح کہتے ہیں کہ میں نے سیدنا عقبہ بن عامر جہنیؓ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں تین اوقات میں نماز سے اور مُردوں کو دفن کرنے سے روکتے تھے۔ ایک تو جب سورج طلوع ہو رہا ہو، یہاں تک کہ بلند ہو جائے، دوسرے جس وقت ٹھیک دوپہر ہو، جب تک کہ زوال نہ ہو جائے اور تیسرے جس وقت سورج ڈوبنے لگے، جب تک پورا ڈوب نہ جائے۔ (219، صحیح مسلم)

امام بخاری علیہ الرحمہ اپنی سند کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ حضرت سیدنا ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (اے لوگو!) تم اپنی نمازیں طلوع آفتاب کے وقت نہ ادا کرو اور نہ غروب آفتاب کے وقت۔ (صحیح بخاری، رقم، ۳۵۸)

حضرت سیدنا ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب آفتاب کا کنارا نکل آئے تو نماز موقوف کر دو یہاں تک کہ آفتاب بلند ہو جائے اور جب آفتاب کا کنارا چھپ جائے تو نماز موقوف کر دو یہاں تک کہ (پورا آفتاب) چھپ جائے۔ (صحیح بخاری، رقم ۳۵۹)

فجر اور عصر کی نماز کے بعد نوافل پڑھنے کی ممانعت کا بیان

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کئی صحابیوں سے سنا جن میں عمر بن خطاب بھی ہیں جو میرے لئے ان سب میں محبوب ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا فجر کے بعد نماز پڑھنے سے یہاں تک کہ سورج طلوع ہو جائے اور عصر کے بعد یہاں تک کہ سورج غروب ہو جائے اس باب میں حضرت علی ابن مسعود ابوسعید عقبہ بن عامر ابوہریرہ ابن عمر سمرہ بن جندب سلمہ بن الاکوع زید بن ثابت عبداللہ بن عمر معاذ بن عفراء اور صنابحی عائشہ کعب بن مرہ ابوامامہ عمرو بن عبسہ یعلی بن امیہ اور معاویہ سے بھی روایات منقول ہیں امام ابوعیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ابن عباس کی حضرت عمر سے مروی روایت حسن صحیح ہے اور اکثر فقہاء صحابہ اور ان کے بعد کے علماء کا یہی قول ہے کہ فجر کے بعد طلوع آفتاب تک اور عصر کے بعد غروب آفتاب تک نماز پڑھنا مکروہ ہے جہاں تک فوت شدہ نمازوں کا تعلق ہے ان کی ادائیگی میں کوئی حرج نہیں اور کہا علی بن مدینی نے کہ یحییٰ بن سعید کہتے ہیں کہ شعبہ نے کہا کہ قتادہ نے ابوالعالیہ سے صرف تین چیزیں سنی ہیں حدیث عمر کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فجر کے بعد طلوع آفتاب تک اور عصر کے بعد غروب آفتاب تک نماز پڑھنے سے منع فرمایا اور حدیث ابن عباس کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ میرے بارے میں کہے کہ میں یونس بن متی سے بہتر ہوں اور حدیث

علی کہ قاضی تین قسم کے ہیں۔ (جامع ترمذی، جلداول، رقم الحدیث، 176)

جن وقتوں میں نماز جائز نہیں اور جن میں مکروہ ہے

نماز کے اوقات مکروہہ دو قسم کے ہیں۔ قسم اول۔ یہ تین وقت ہیں۔

۱-سورج نکلتے وقت، یعنی سورج کا کنارہ ظاہر ہونے سے سورج کے اندازاً ایک نیزہ بلند ہوجانے تک (اندازاً بیس منٹ)

۲-استواء یعنی ٹھیک دوپہر کا وقت اور وہ نصف النہار شرعی سے زوال تک ہے، طلوع فجر سے غروبِ آفتاب تک ہر روز جتنا وقت ہو اس کے پہلے نصفِ اول کے ختم پر نصف النہار شرعی شروع ہوتا ہے اس کو ضحوہ کبریٰ بھی کہتے ہیں۔

۳-سورج غروب ہوتے وقت یعنی جب دھوپ کمزور اور پیلی پڑ جائے اور سورج پر نظر ٹھہرنے لگے اس وقت سے آفتاب غروب ہونے تک کا وقت (اندازاً بیس منٹ۔ (ان تین وقتوں میں کوئی نماز خواہ ادا ہو یا قضا جائز نہیں اور شروع کرنے سے شروع نہیں ہوتی اور اگر پہلے سے شروع کی ہوئی نماز کے ختم ہونے سے پہلے ان تین وقتوں میں سے کوئی وقت داخل ہوجائے تو وہ نماز باطل ہوجاتی ہے لیکن سجدہ تلاوت اور پانچ نمازیں شروع ہوجاتی ہیں۔

اس جنازہ کی نماز جو ان تین وقتوں میں سے کسی وقت میں تیار ہوا ہو بلا کراہت جائز بلکہ افضل ہے اور تاخیر مکروہ ہے۔

جو سجدہ والی آیت ان تین وقتوں میں سے کسی وقت میں تلاوت کی گئی ہو اس کا سجدہ اس وقت جائز ہے مگر مکروہِ تنزیہی ہے اور کراہت کا وقت نکل جانے تک تاخیر کرنا بہتر و افضل ہے۔

اُسی دن کی عصر کی نماز اگرچہ اتنی تاخیر کرنا مکروہِ تحریمی ہے لیکن اگر اتنا وقت تنگ ہو گیا ہو اور کسی نے ابھی تک عصر نہیں پڑھی تو وہ اس وقت ضرور پڑھ لے اور اگر وقتی عصر کی نماز سورج غروب ہونے سے پہلے شروع کردی تو اس کا توڑنا جائز نہیں خواہ سورج غروب ہو رہا ہو اور یہ۔ فرض ادا ہوجائیں گے۔

نفل نماز خواہ سنتِ موکدہ ہو یا غیر موکدہ کراہتِ تحریمہ کے ساتھ شروع ہوجائے گی اور اُس کو توڑ کر کامل وقت میں ادا کرنا واجب ہے۔

نماز نذر مقید یعنی وہ نماز جسکی انہی تین وقتوں میں سے کسی وقت میں ادا کرنے کی نظر کی گئی ہو۔

وہ سنت و نفل نماز جو ان تین وقتوں میں سے کسی وقت میں شروع کر کے فاسد کر دی گئے ہو۔ یہ دونوں یعنی نماز نذر مقید اور مندرجہ بالا بھی ان وقتوں میں کراہت تحریمی کے ساتھ شروع ہوجائیں گی اور ان کو توڑ کر کامل وقت میں ادا کرنا واجب ہے کہ ان تین وقتوں میں ہر قسم کی نماز و سجدہ ادا کرنے سے پرہیز کرنا چاہیے سوائے اس دن کی عصر اور اس جنازہ کی نماز کے جو اسی وقت لایا گیا ہو۔

اوقات مکروہہ کی قسم دوم کا بیان

یہ وہ اوقات ہیں جن میں صرف نوافل کا قصداً پڑھنا اور نمازِ واجب لغیرہ کا ادا کرنا مکروہ تحریمی ہے پس سوائے سنتِ فجر کے ہر قسم کی سنتیں اور نفل اگرچہ تحیۃ المسجد اور تحیۃ الوضوہی ہوں اور نماز نذرِ مقید ہو یا مطلق، ہر دوگانہ طواف اور سجدۂ سہو جو ان نمازوں میں پیش آئے جن کا ادا کرنا ان وقتوں میں مکروہ ہے جس نفل نماز یا واجب لغیرہ کو مستحب یا مکروہ وقت میں شروع کر کے پھر توڑ دیا ہو

اگر چہ وہ صبح کی سنتیں ہوں ان سب کا ان وقتوں میں ادا کرنا مکروہِ تحریمی ہے اور ان کو توڑ دینا اور دوسرے غیر مکروہ وقت میں ادا کرنا واجب ہیاوران کے علاوہ باقی سب نمازیں یعنی پنج وقتہ فرض نمازیں، نمازِ واجب لعینہ یعنی نمازِ وتر، نمازِ جنازہ، سجدہ تلاوت ادا و قضا بلا کراہت جائز ہیں وہ اوقات یہ ہیں۔

طلوع فجر یعنی صبح صادق سے نماز فجر ادا کرنے سے پہلے کا وقت اس میں صبح کی دو رکعت سنتِ معکدۂ کے سوا ہر قسم کی نفل نماز اور واجب لغیرہٖ قصداً ادا کرنا مکروہ تحریمی ہے۔

فجر کے فرضوں کے بعد سے سورج نکلنے سے لحظہ بھر پہلے تک کا وقت

عصر کی فرض نماز کے بعد سے سورج کے متغیر ہونے سے لحظہ بھر پہلے تک کا وقت

سورج غروب ہونے کے بعد سے مغرب کی فرض نماز شروع ہونے سے پہلے کا وقت، تا کہ مغرب کی نماز میں تاخیر نہ ہو جائے، تھوڑی تاخیر یعنی دو رکعت سے کم فاصلہ مکروہ نہیں اور دو رکعت کی مقدار یا اس سے زیادہ لیکن ستاروں کے گتھنے سے پہلے تک تاخیر مکروہِ تنزیہی ہے اور اس کے بعد ستاروں کے گتھنے (بکثرت نمودار ہونے) تک تاخیر کرنا مکروہِ تحریمی ہے۔

جب جمعہ کے روز امام خطبہ کے لئے حجرہ سے نکلے یا جہاں حجرہ نہ ہو اپنی جگہ سے خطبہ کے منبر پر چڑھنے کے لئے کھڑا ہو اُس وقت سے فرضِ جمعہ ختم ہونے تک یعنی جب امام خطبہ کے لئے کھڑا ہو اُس وقت سے لے کر عین خطبہ کے وقت خواہ پہلا خطبہ ہو یا دوسرا یا ان کا درمیانی وقفہ ہو، اور فرض نماز جمعہ شروع ہونے سے ختم ہونے تک کا وقت اس وقت جمعہ کی سنتیں پڑھنا بھی مکروہِ تحریمی ہی البتہ اگر سنتیں امام کے کھڑے ہونے سے پہلے شروع کر دی تھیں تو ان چار رکعتوں کو پورا کر لے یہی صحیح ہے، جمعہ کے علاوہ ہر خطبے کا بھی یہی حکم ہے۔

جب فرض نمازوں کی تکبیر و اقامت ہو جائے لیکن صبح کی دو رکعت سنتوں کے لئے یہ حکم ہے کہ اگر جماعت فوت ہونے کا خوف نہ ہو اگر چہ قعدہ ہی میں شریک ہو جائے تو سنت فجر پڑھنا جائز ہے۔ لیکن جماعت کی صف سے دور پڑھے اور اگر جماعت میں شامل ہونا ممکن نہ ہو تو ان سنتوں کو ترک کر کے جماعت میں شامل ہو جائے۔

جب کسی نماز کا وقت تنگ ہو جائے تو اس وقت کے فرض کے سوا اور سب نمازیں مکروہِ تحریمی ہیں وقت کی تنگی سے مراد مستحب وقت کی تنگی ہے۔

عیدین کی نماز سے پہلے گھر و مسجد و عیدگاہ میں نفل نماز پڑھنا مکروہ ہے اور عیدین کی نماز کی بعد مسجد و عیدگاہ میں نفل پڑھنا مکروہ ہے گھر میں پڑھنا مکروہ نہیں یہی اصح ہے۔

باب الأذان

﴿یہ باب اذان کے بیان میں ہے﴾

اذان کا لغوی اصطلاحی مفہوم

لغت میں اذان کے معنی، خبر دینا، ہیں اور اصطلاح شریعت میں، چند مخصوص الفاظ کے ساتھ اوقات مخصوصہ میں نماز کا وقت آنے کی خبر دینے، کو اذان کہتے ہیں۔ اس تعریف سے وہ اذان خارج ہے جو نماز کے علاوہ دیگر امور کے لیے ہے مسنون کی گئی ہے جیسا کہ بچے کی پیدائش کے بعد اس کے دائیں کان میں اذان کے کلمات اور بائیں کان میں اقامت کے کلمات کہے جاتے ہیں اور اسی طرح اس آدمی کے کان میں اذان کہنا مستحب ہے جو کسی رنج میں مبتلا ہو یا اسے مرگی وغیرہ کا مرض ہو یا وہ غصے کی حالت میں ہو، یا جس کی عادتیں خراب ہوگئی ہوں خواہ وہ انسان ہو یا جانور ہو۔

حضرت دیلمی رحمہ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ ایک دن سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے غمگین دیکھ کر فرمایا کہ اے ابن ابی طالب، میں تمہیں غمگین دیکھ رہا ہوں لہٰذا تم اپنے اہل بیت میں سے کسی کو حکم دو کہ وہ تمہارے کان میں اذان کہے جس سے تمہارا غم ختم ہو جائے گا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے تھے کہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد کے مطابق عمل کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات صحیح ثابت ہوئی نیز اس روایت کو حضرت علی کرم اللہ وجہہ تک نقل کرنے والے ہر راوی نے کہا ہے کہ ہم نے اس طریقے کو آزمایا تو مجرب ثابت ہوا۔ ایسے ہی حضرت دیلمی رحمہ اللہ علیہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ، جس کی عادتیں خراب ہوگئی ہوں خواہ وہ انسان ہو یا جانور تو اس کے کان میں اذان کہو۔

اذان کی مشروعیت کا بیان

اذان کی مشروعیت کے سلسلے میں مشہور اور صحیح یہ ہے کہ اذان کی مشروعیت کی ابتداء عبد اللہ بن زید انصاری رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا خواب ہے جس کی تفصیل آئندہ احادیث میں آئے گی۔

بعض حضرات فرماتے ہیں کہ اذان کا خواب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی دیکھا تھا۔ حضرت امام غزالی رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ دس صحابہ کرام کو خواب میں اذان کے کلمات کی تعلیم دی گئی تھی بلکہ کچھ حضرات نے تو کہا ہے کہ خواب دیکھنے والے چودہ صحابہ کرام ہیں۔

بعض علماء محققین کا قول یہ ہے کہ اذان کی مشروعیت خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اجتہاد کے نتیجے میں ہوئی ہے جس کی طرف شب معراج میں ایک فرشتے نے رہنمائی کی تھی چنانچہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم شب معراج میں جب عرش پر پہنچے اور سدرۃ المنتہیٰ تک جو کبریائی حق جل مجدہ کا محل خاص ہے پہنچے تو وہاں سے ایک فرشتہ نکلا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرائیل علیہ السلام سے پوچھا کہ یہ فرشتہ کون ہے؟ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے کہا کہ اس اللہ کی قسم جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے تمام مخلوق سے زیادہ قریب ترین درگاہ عزت سے میں ہوں لیکن میں نے پیدائش سے لے کر آج تک اس وقت کے علاوہ اس فرشتہ کو کبھی نہیں دیکھا ہے چنانچہ اس فرشتہ نے کہا، اللہ اکبر اللہ اکبر، یعنی اللہ بہت بڑا ہے اللہ بہت بڑا ہے۔ پردے کے پیچھے سے آواز آئی کہ میرے بندہ نے سچ کہا انا اکبر انا اکبر (یعنی میں بہت بڑا ہوں میں بہت بڑا ہوں) اس کے بعد اس فرشتے نے اذان کے باقی کلمات ذکر کیے۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذان کے کلمات صحابہ کرام کے خواب سے بھی بہت پہلے شب معراج میں سن چکے تھے۔ چنانچہ علماء نے لکھا ہے کہ اس سلسلہ میں محقق فیصلہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اذان کے کلمات شب معراج میں سن تو لیے تھے لیکن ان کلمات کو نماز کے لیے اذان میں ادا کرنے کا حکم نہیں ہوا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں بغیر اذان کے نماز ادا کرتے رہے یہاں تک کہ مدینہ تشریف لائے اور یہاں صحابہ کرام سے مشورہ کیا چنانچہ بعض صحابہ کرام نے خواب میں ان کلمات کو سنا اس کے بعد وحی بھی آ گئی کہ جو کلمات آسمان پر سنے گئے تھے اب وہ زمین پر اذان کے لیے مسنون کر دیے جائیں۔

اذان واقامت کے سنت ہونے کا بیان

حکم الأذان والإقامة سن الأذان والإقامة سنة مؤكدة للفرائض ولو منفردا أداء أو قضاء سفر أو حضرا للرجال وكرها للنساء كيفيته ويكبر في أوله أربعا ويثنى تكبير آخره كباقي ألفاظه ولا ترجيع في الشهادتين والإقامة مثله ويزيد بعد فلاح الفجر الصلاة خير من النوم مرتين وبعد فلاح الإقامة قد قامت الصلاة مرتين ويتمهل في الأذان ويسرع في الإقامة الأذان بغير العربية ولا يجزىء بالفارسية وإن علم أنه أذان في الأظهر ما يستحب للمؤذن وفي الأذان ويستحب أن يكون المؤذن صالحا عالما بالسنة وأوقات الصلاة وعلى وضوء مستقبل القبلة إلا أن يكون راكبا وأن يجعل إصبعيه في أذنيه وأن يحول وجهه يمينا بالصلاة ويسارا بالفلاح ويستدير في صومعته ويفصل بين الأذان والإقامة بقدر ما يحضر الملازمون للصلاة مع مراعاة الوقت المستحب وفي المغرب بسكتة قدر قراءة ثلاث آيات قصار أو ثلاث خطوات ويثوب كقوله بعد الأذان الصلاة الصلاة يا مصلين،

ترجمہ

اذان اور اقامت فرض نمازوں کے لیے سنت موکدہ ہے۔ اگر چہ اکیلا ہو ادا ہو یا قضا، سفر میں ہو یا گھر میں، یہ مردوں کے لیے ہے اور عورتوں کے لیے یہ دونوں مکروہ ہیں۔ (اذان کے) شروع میں چار چار مرتبہ اور آخر میں دو مرتبہ اللہ اکبر کہے۔ جس طرح باقی الفاظ کہے جاتے ہیں۔ شہادتین میں ترجیع کوئی چیز نہیں۔ اقامت بھی اذان کی طرح ہے فجر کی اذان میں حی علی الفلاح کے بعد دو بار الصلاۃ خیر من النوم کا اضافہ کرے اور تکبیر میں حی علی الفلاح کے بعد دو بار قد قامت الصلوٰۃ کہے اذان ٹھہر ٹھہر کر اور اقامت جلدی جلدی پڑھے۔ فارسی زبان میں اذان دینا صحیح نہیں اگر چہ معلوم ہو کہ یہ اذان ہے یہ اظہر قول کے مطابق ہے۔

مستحب ہے کہ اذان دینے والا نیک ہو اور اذان کے سنت طریقہ نیز نماز کے اوقات کو جاننے والا ہو۔ باوضو اور قبلہ رخ ہو مگر یہ کہ سواری پر بیٹھا ہو انگلیاں کانوں میں ڈالے اور حی علی الصلوٰۃ کہتے ہوئے دائیں طرف اور حی علی الفلاح کے وقت بائیں طرف پھرے، مینارے میں پھرے اور اذان و اقامت میں اتنا وقفہ کرے کہ ملازمین اذان کے لیے آسکیں البتہ مستحب وقت کا خیال رکھے، مغرب کی اذان کے بعد تین چھوٹی آیات کی تلاوت یا تین قدم چلنے کا اندازہ ٹھہرے۔ اور تثویب کے مثلاً، الصلوٰۃ الصلوٰۃ یا مصلین، اے نماز پڑھنے والو، نماز کھڑی ہونے والی ہے۔

اذان میں ترسیل جبکہ اقامت کے حدر ہونے کا بیان

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلال سے فرمایا اے بلال جب تم اذان کہو تو ٹھہر ٹھہر کر اذان کہو اور جب اقامت کہو تو جلدی جلدی کہو۔ اور اذان اور تکبیر میں اتنا ٹھہرو کہ کھانے والا کھانے سے اور پینے والا پینے سے قضائے حاجت کو جانے والا اپنی حاجت سے فارغ ہو جائے اور تم نہ کھڑے ہوا کرو جب تک مجھے دیکھ نہ لو۔

(جامع ترمذی، جلد اول، رقم الحدیث، 188)

اذان و اقامت کو باوضو کہنے کا فقہی بیان

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا جس آدمی کا وضو نہ ہو وہ اذان نہ دے امام ابو عیسیٰ فرماتے ہیں یہ حدیث پہلی حدیث سے اصح ہے اور ابو ہریرہ کی حدیث کو مرفوع نہیں کہا وہب بن منبہ نے اور یہ ولید بن مسلم کی روایت اصح ہے اور زہری نے نہیں سنی کوئی حدیث ابو ہریرہ سے اور اختلاف ہے اہل علم کا بے وضو اذان دینے کے بارے میں بعض اہل علم کے نزدیک مکروہ ہے اور یہ امام شافعی اور اسحاق کا قول ہے اور رخصت دی ہے بعض اہل علم نے اس کی یہ سفیان ثوری، ابن مبارک اور امام احمد کا قول ہے۔ (جامع ترمذی، جلد اول، رقم الحدیث، 194)

فجر کی اذان میں تثویب کہنے کا بیان

حضرت بلال رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو فجر میں تثویب (اَلصَّلوٰۃُ خَیرٌ مِّنَ النَّومِ کہنے) کرنے کا حکم دیا اور عشاء میں تثویب (اَلصَّلوٰۃُ خَیرٌ مِّنَ النَّومِ کہنے) سے منع فرمایا۔ (سنن ابن ماجہ)

علت غفلت حکم نص کے ساتھ خاص ہے

اس حدیث میں جو"اَلصَّلٰوۃُ خَیرٌ مِّنَ النَّومِ" پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے۔اس حکم کی علت صاحب ہدایہ نے یہ بیان فرمائی ہے کہ وہ وقت لوگوں کے لئے نیند اور غفلت کا وقت ہوتا ہے۔لہٰذا اسی وجہ سے شریعت نے ان کے لئے تثویب کا حکم دیا ہے۔جبکہ باقی نمازوں میں فجر کی طرح نیند وغفلت کا وقت نہیں ہوتا لہٰذا ان میں یہ کلمات"اَلصَّلٰوۃُ خَیرٌ مِّنَ النَّومِ"نہیں کہے جائیں گے۔ اگر کسی نے دور حاضر میں کسی قسم کی علت ثابت کرنے کی کوشش کی تو اسے ہرگز اجازت نہ دی جائے گی۔کیونکہ یہ طریقہ بہ اجماع مسلمین چلا آ رہا ہے۔اسی کی پابندی ضروری ہوگی۔

اللہ اکبر کو ابتدائے اذان میں چار مرتبہ کہنے کا بیان

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ، حضرت امام شافعی، حضرت امام احمد اور جمہور علماء رحمہم اللہ علیہم کے نزدیک یہ کلمہ اذان میں پہلی بار چار مرتبہ کہا جاتا ہے اور حضرت امام مالک رحمہ اللہ علیہ کے نزدیک دو مرتبہ کہا جاتا ہے۔

اذان واقامت کے کلمات کے جفت ہونے کا بیان

اذان کے کلمات (شروع میں اللہ اکبر کے علاوہ) تو جفت ہیں اور اقامت کے کلمات طاق ہیں۔ چنانچہ صحابہ کرام و تابعین عظام میں سے اکثر اہل علم اور امام زہری، امام مالک، امام شافعی، امام اوزاعی، امام اسحاق اور امام احمد رحمہم اللہ علیہم کا یہی مسلک ہے مگر حضرت امام اعظم رحمہ اللہ علیہ اور ان کے متبعین کے نزدیک اذان وتکبیر دونوں کے کلمات جفت ہیں۔

ائمہ احناف کی دلیل یہ حدیث مبارکہ ہے۔حضرت عبداللہ بن زید سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اذان اور اقامت دو دو مرتبہ کہی جاتی تھی امام ابوعیسیٰ کہتے ہیں حدیث عبداللہ بن زید کو روایت کیا ہے وکیع نے اعمش سے انہوں نے عمرو بن مرہ سے اور انہوں نے عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ سے کہ عبداللہ بن زید نے اذان کے بارے میں خواب دیکھا شعبہ عمرو بن مرہ سے اور وہ عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ سے روایت کرتے ہیں کہ صحابہ نے ہم سے بیان کیا کہ عبداللہ بن زید نے اذان کو خواب میں دیکھا یہ اصح ہے ابن ابی لیلیٰ کی حدیث سے اور عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ کو عبداللہ بن زید سے سماع نہیں بعض اہل علم کا قول ہے کہ اذان اور اقامت دونوں دو دو مرتبہ ہیں اور سفیان ثوری ابن مبارک اہل کوفہ کا بھی یہی قول ہے۔(جامع ترمذی، جلد اول، رقم الحدیث، 187)

بعض مکروہات کا بیان

ما يكره فيهما ويكره التلحين وإقامة المحدث وأذانه وأذان الجنب وصبى لا يعقل ومجنون وسكران وامرأة وفاسق وقاعد والكلام فى خلال الأذان وفى الإقامة ويستحب إعادته دون الإقامة ويكرهان لظهر يوم الجمعة فى المصر الأذان للفوائت ويؤذن للفائتة ويقيم وكذا لأول الفوائت وكره ترك الإقامة دون الأذان في البواقى إن اتحد مجلس

القضاء ما يقال عند سماع المؤذن وإذا سمع المسنون منه أمسك وقال مثله وحوقل في الحيعلتين وقال صدقت وبررت أو ما شاء الله عند قول المؤذن الصلاة خير من النوم ثم دعا بالوسيلة فيقول اللّٰهم رب هذه الدعوة التامة والصلاة القائمة آت سيدنا محمدا الوسلية والفضيلة وابعثه مقاما محمودا الذی وعدته،

ترجمہ

گانے کی طرح اذان پڑھنا مکروہ ہے بے وضو کا تکبیر پڑھنا اور اذان دینا،جنبی،نا سمجھ بچے،پاگل،نشے والے،عورت،فاسق،اور بیٹھے ہوئے کی اذان مکروہ ہے۔

اذان اور تکبیر کے درمیان گفتگو کرنا مکروہ ہے۔اس صورت میں دوبارہ اذان پڑھنا مستحب ہے تکبیر کا لوٹانا مستحب نہیں۔

جمعہ کے دن شہر میں ظہر کے لیے اذان اور تکبیر مکروہ ہیں،قضا شدہ نمازوں کے لیے بھی اذان دے اور تکبیر بھی کہے اسی طرح فوت شدہ نمازوں میں سے پہلی نماز کے لیے اذان وتکبیر کہے۔

باقی نمازوں میں تکبیر کا چھوڑنا مکروہ ہے اذان کا نہیں جب کہ قضا کی مجلس ایک ہی ہو اور جب (کوئی شخص) موذن سے مسنون اذان سنے تو رک جائے اور وہی کلمات کہے البتہ حی علی الصلوٰۃ اور حی علی الفلاح کے جواب میں لا حول ولا قوۃ الا باللہ پڑھے۔جب موذن الصلوٰۃ خیر من النوم کہے تو (سننے والا) صدقت وبررت یا ماشاءاللہ کے الفاظ کہے۔اس کے بعد (موذن اور سامع) وسیلہ کی دعامانگیں۔پس اس طرح کہیں۔اللھم رب هذه الدعوة التامة والصلوه القائمة آت محمد الوسيلة والفضيلة وابعثه مقاما محمودا الذی وعدته (یااللہ،اے مکمل دعا اور قائم ہونے والی نماز کے رب،حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو وسیلہ اور فضیلت عطاءفرما اور آپ کو مقام محمود پر فائز فرما جس کا تو نے ان سے وعدہ فرمایا ہے۔

اذان سے متعلق بعض مکروہات کا بیان

۱-موذن عاقل ہو،مجنون ومست ونا سمجھ بچے کو اذان واقامت مکروہ ہے اذان کا اعادہ کریں اقامت کا اعادہ نہ کریں،اگر سمجھ دار لڑکا (خواہ قریب البلوغ نہ ہو) اذان دے تو بلا کراہت صحیح ہے لیکن بالغ کی اذان افضل ہے اگر کوئی نشے کی حالت میں اذان دے تو خواہ وہ نشہ مباح ہو تب بھی مکروہ ہے اور اس کا لوٹانا مستحب ہے۔

۲-اذان دینے والا مرد ہو،عورت اور خنثی کی اذان مکروہ تحریمی ہے اس کا اعادہ کرنا چاہیئے ورنہ ترک اذان کا گناہ ہوگا۔

۳-موذن صالح اور متقی ہو،فاسق کی اذان مکروہ ہے خواہ وہ عالم ہی ہو مگر اس کا اعادہ نہ کریں،اگر اس فاسق عالم کے سوا کوئی دوسرا متقی عالم نہ ہو تو امامت اور اذان کے حق میں فاسق عالم جاہل پرہیز گار سے بہتر ہے۔

۴-اذان واقامت کا سنت طریقہ اور ضروری مسائل جانتا ہو،اور قبلہ ونماز کے وقتوں کو پہچانتا ہو،تب وہ اذان دینے کے ثواب کا مستحق ہے۔

۵- حدثِ اصغر و اکبر دونوں سے پاک ہونا، جنبی کی اذان مکروہ تحریمی ہے اس لئے اعادہ کریں لیکن اقامت کا اعادہ نہ کریں کیونکہ اقامت کا تکرار شرع میں نہیں آیا اور یہ اذان کا اعادہ بعض کے نزدیک واجب ہے اور بعض کے نزدیک مستحب ہے اور یہی صحیح ہے، بے وضو کی اذان مکروہ نہیں مگر اس کی عادت ڈال لینا برا ہے اور بے وضو کی اقامت مکروہ ہے لیکن اس کا اعادہ نہ کریں۔

۶- موذن بارعب ہو، لوگوں کے حال پر خبردار رہتا ہو، مہربانی کرتا ہو اور جماعت میں نہ آنے والوں کو تنبیہ کرتا ہو جبکہ اس کو لوگوں سے تکلیف کا خوف نہ ہو۔

۷- ہمیشہ اذان کہی ہو۔

۸- ثواب کے لئے اذان و اقامت کہتا ہو، اس پر اجرت نہ لیتا ہو، لوگ بلا طلب اس کو ساتھ سلوک کر دیں تو جائز ہے۔

۹- بہتر یہ ہو کہ وہی نماز کا امام ہو اور افضل یہ ہے کہ موذن ہی اقامت بھی کہے، اگر موذن چلا گیا اور کوئی دوسرا آدمی اقامت کہہ دے تو بلا کراہت جائز ہے، اگر وہ موجود ہو تو دوسرے آدمی کو اس کی اجازت کے بغیر اقامت کہنا مکروہ ہے جبکہ اس موذن کو ملال ہوتا ہو اور اگر ملال نہ ہو بلکہ وہ اس پر راضی ہو یا اجازت دیدے تو بلا کراہت جائز ہے۔

۱۰- بلند آواز ہو۔

۱۱- غلام اور گاؤں میں رہنے والا، جنگل میں رہنے والا، ولد الزنا، نابینا اور وہ شخص جو بعض نمازوں کی اذان دے اور بعض کی نہ دے ان سب کی اذان جائز ہے مگر مکروہِ تنزیہی ہے پس اگر کوئی اور آدمی اذان دے تو اولیٰ ہے اگر اندھے کو ساتھ کوئی ایسا آدمی ہو جو نماز کے اوقات صحیح طور پر اس کو بتا دیا کرے تو اس کی اذان آنکھوں والے کی برابر ہے غلام کو اپنے مالک کی اجازت کے بغیر اذان دینا جائز نہیں لیکن صرف اپنے لئے ہو تو اجازت کی ضرورت نہیں۔

۱۲- اگر اذان و اقامت کے دوران موذن مر گیا یا گونگا ہو گیا یا بھولنے کی وجہ سے رک گیا اور کوئی بتانے والا نہیں یا اس کا وضو ٹوٹ گیا اور وضو کرنے چلا گیا یا بیہوش ہو گیا تو ان پانچ صورتوں میں نئے سرے سے اذان یا اقامت کہنا مستحب ہے خواہ وہی کہے یا کوئی دوسرا آدمی کہے لیکن وضو ٹوٹنے کی صورت میں اولیٰ یہ ہے کہ اذان و اقامت کو پورا کر لے اور پھر وضو کو جائے اور نئے سرے سے اس وقت کہے جبکہ اتنی دیر کا وقفہ ہو جائے جو فاصل شمار ہوتا ہو، تھوڑا وقفہ جیسے کھانسنا یا کھنکارنا وغیرہ کی صورت میں نئے سرے سے نہ کہے۔

۱۳- موذن تکبیر و اقامت کے لئے آدمیوں کا انتظار کرے اور جو ضعیف ہمیشہ جلد آنے والا ہو اس کے لئے رکا رہے اور محلّہ کے رئیس اور بڑے آدمی کا اس کی خصوصیت کی وجہ سے انتظار نہ کرے، لیکن اگر وہ شریر ہو اور اس سے اندیشہ ہو اور وقت میں گنجائش ہو تو اس کا انتظار کر لے، اگر وقت تنگ ہو تو اس کا بھی انتظار نہ کرے۔

۱۴- اذان و اقامت کی ولایت مسجد بنانے والے کو ہے، وہ نہ ہو تو اس کی اولاد کو پھر اس کے کنبہ کو ہے، اگر اہل محلّہ نے ایسے شخص کو موذن یا امام بنایا جو بانی کے موذن یا امام سے بہتر ہے تو وہی شخص بہتر ہے۔

۱۵- ایک شخص کو ایک وقت میں دو مسجدوں میں اذان کہنا مکروہ ہے جس مسجد میں فرض پڑھے وہیں اذان کہے۔

۱۶- اگر مسجد کے کئی موذن ہوں جب وہ آگے پیچھے آئیں تو جو پہلے آئے اسی کا حق ہے۔

فائدہ: جن موقعوں پر اذان کا لوٹانا واجب ہوتا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اذان کو سنت کے مطابق ادا کرنے کے لئے اس کا لوٹانا ضروری ہے۔

اقامت کے وقت کب کھڑے ہوں

اس مسئلہ میں لوگوں نے ایک من گھڑت دلیل کو عوام الناس میں پھیلانے کی کوشش کی ہوئی ہے اور وہ یہ ہے کہ جیسے ہی اللہ کا نام لیا جائے تو تم اس کے احترام کے لئے کھڑے ہو جاؤ۔ حالانکہ ایسے لوگوں کو معلوم ہونا چاہیے کہ کوئی بھی خلاف سنت کام کسی قسم کے ثواب یا اجر کا حامل نہیں ہوتا۔

امام بیہقی علیہ الرحمہ روایت کرتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مسجد میں تشریف لانے سے پہلے اٹھ جاتے اور آپ کے آنے سے پہلے ہی اپنے کھڑے ہونے کی جگہوں کو سنبھال لیتے، تب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر تخفیف ونرمی فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا: نماز کے لئے جلدی کھڑے نہ ہوا کرو مجھے دیکھ کر کھڑے ہوا کرو۔

(سنن کبریٰ، ج ۲، ص ۲۰، مطبوعہ بیروت)

امام بیہقی علیہ الرحمہ کی یہ روایت بڑی واضح طور پر بتا رہی ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کھڑے ہوئے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں منع کر دیا۔ لہٰذا جو لوگ اقامت کے وقت ابتداء ہی میں کھڑے ہو جائیں انہیں کھڑے ہونے سے منع کرنا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔

ایک جماعت کے بہت بڑے عالم سے ہمارا جب اس مسئلہ میں مباحثہ ہوا، تو ہم نے ان سے اسی مسئلہ پر گفتگو کرتے ہوئے صحیح بخاری سے حدیث پیش کی، جس میں یہ تعین موجود تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابتدائے اقامت کے وقت کھڑے ہونے سے منع کیا۔ اور اس طویل مباحثہ کے آخر وقت تک ہم اس سے مطالبہ کرتے رہے کہ ہمیں صحیح بخاری کی حدیث میں بیان کردہ قیام کی نفی کا تعین آپ اپنے مؤقف کے مطابق بیان کر دیں، لیکن آخر کار وہ عالم صاحب عاجز آ کر یہ کہنے پر مجبور ہو گئے۔ کہ اس مسئلہ کی کچھ مزید تحقیق کے بعد وہی مؤقف اپناؤں گا جو آپ کا مؤقف ہے۔ لیکن افسوس! وہ عالم عاجز آ کر بھی اس مسئلہ کو ماننے کے لئے تیار نہ ہوا۔ حالانکہ اس عالم صاحب نے مسجد میں بیٹھ کر ہمارے سامنے اس بات کا اقرار کیا تھا۔ اب ہم قارئین کے سامنے صحیح بخاری کی وہی حدیث بیان کر رہے ہیں جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع کیا ہے کہ اقامت کے شروع میں کھڑے نہ ہوں۔

عن ابی قتادۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا اقیمت الصلوٰۃ فلا تقوموا حتی ترونی۔

(صحیح بخاری، ج ۱، ص ۸۸، قدیمی کتب خانہ کراچی)

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب نماز کے لئے اقامت کہی جائے تم کھڑے نہ ہو جاؤ جب تک مجھے دیکھ نہ لو۔

اس حدیث مبارکہ میں لفظ ''اذا'' موجود ہے جس کا معنی یہ ہے کہ کھڑا ہونا اس وقت منع ہے جس وقت اقامت کہی جائے، کیونکہ

اقامت سے پہلے تو کھڑے ہونے کا معنی ومفہوم بنتا ہی نہیں اس سے یہ معلوم ہوا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ابتدائے اقامت کے وقت کھڑے ہوئے تھے جس سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمادیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کبھی حجرہ مبارک سے ''**حی علی الصلوہ**'' کے وقت تشریف لاتے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل یہ تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ''**قد قامت الصلوٰۃ**'' کے وقت کھڑے ہوتے تھے۔ اس کی تائید اس حدیث سے ہے۔

حضرت عطیہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس بیٹھے ہوئے تھے جیسے ہی مؤذن نے اقامت کہنا شروع کی، تو ہم اٹھ کھڑے ہوئے، اس پر حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: بیٹھ جاؤ۔ جب مؤذن ''**قد قامت الصلوٰۃ**'' کہے تب کھڑے ہونا۔

(المصنف، **باب قیام الناس عند الاقامۃ**، ج ا، ص ۵۰۶، دار القلم، بیروت)

اقامت میں اللہ اکبر کہنے کے ساتھ ہی کھڑا ہونا مکروہ ہے

فقہ حنفی کے چھ سو متفقہ علماء کے بورڈ سے مرتب کیا جانے والا فتاویٰ عالمگیری میں لکھا ہے۔ جب کوئی شخص اقامت میں داخل ہو تو اس کے لئے کھڑے ہو کر انتظار کرنا مکروہ ہے لیکن وہ بیٹھ جائے اور جب مؤذن ''**حی علی الفلاح**'' کہے تو کھڑا ہو جائے۔ (مضمرات، عالمگیری، ج ا، ص ۵۷، بولاق مصر)

اب بدعقیدہ لوگوں کو یا تو فقہ حنفی کا پرچار کرنا چھوڑ دینا چاہیے یا پھر صحیح معنوں میں اس پر عمل کریں ویسے عوام میں بڑے بلند بانگ دعوؤں کے ساتھ یہ لوگ فقہ حنفی کا نام استعمال کرتے ہیں لیکن ایک وہ عمل جس کو فقہ حنفی نے مکروہ لکھا ہے اس پر انتہائی سختی سے عمل کرتے ہیں۔ جس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ لوگ صرف اسے ہی اپنائے ہوئے ہیں جس میں اہل سنت وجماعت کی مخالفت لازم آئے۔

باب شروط الصلاة وأركانها

﴿یہ باب شرائط وارکان نماز کے بیان میں ہے﴾

نماز کی شرائط کا بیان

مالا بد منه لصحة الصلاة لابد لصحة الصلاة من سبعة وعشرين شيئا الطهارة من الحدث وطهارة الجسد والثوب والمكان من نجس غير معفو عنه حتى موضع القدمين واليدين والركبتين والجبهة على الأصح وستر العورة ولا يضر نظرها من جيبه وأسفل ذيله واستقبال القبلة فللمكي المشاهد فرضه إصابة عينها ولغير المشاهد جهتها ولو بمكة على الصحيح والوقت واعتقاد دخوله والنية والتحريمة بلا فاصل والإتيان بالتحريمة قائما قبل انحنائه للركوع وعدم تأخير النية عن التحريمة والنطق بالتحريمة بحيث يسمع نفسه على الأصح ونية المتابعة للمقتدى وتعيين الفرض وتعيين الواجب ولا يشترط التعيين في النفل والقيام في غير النفل والقراءة ولو آية في ركعتي الفرض وفي كل النفل والوتر ولم يتعين شيء من القرآن لصحة الصلاة ولا يقرأ المؤتم بل يستمع وينصت وإن قرأ كره تحريما والركوع والسجود على ما يجد حجمه وتستقر عليه جبهته ولو على كفه أو طرف ثوبه إن طهر محل وضعه وسجد وجوبا بما صلب من أنفه وبجبهته ولا يصح الاقتصار على الأنف إلا من عذر بالجبهة وعدم ارتفاع محل السجود عن موضع القدمين بأكثر من نصف ذراع وإن زاد على نصف ذراع لم يجز السجود إلا لزحمة سجد فيها على ظهر مصل صلاته ووضع اليدين والركبتين في الصحيح وشيء من أصابع الرجلين حال السجود على الأرض ولا يكفي وضع ظاهر القدم وتقديم الركوع على السجود والرفع من السجود الى قرب القعود على الأصح والعود الى السجود والقعود الأخير قدر التشهد وتأخيره عن الأركان وأداؤها مستيقظا ومعرفة

کیفیة الصلاۃ وما فیها من الخصال المفروضة علی وجه یمیزها من الخصال المسنونة واعتقاد أنها فرض حتی یتنفل بمفروض أرکان الصلاۃ والأرکان من المذکورات أربعة القیام والقراءۃ والرکوع والسجود وقیل القعود الأخیر مقدار التشهد شرائط الصلاۃ وباقیها شرائط بعضها شرط لصحة الشروع فی الصلاۃ وهو ما کان خارجها وغیره شرط لدوام صحتها

ترجمہ

ستائیس چیزیں نماز کے صحیح ہونے کے لیے ضروری ہیں۔

۱-حدث سے پاک ہونا، جسم کپڑ یا ور مکان کا غیر معاف نجاست سے پاک ہونا۔ یہاں تک کہ قدموں، ہاتھوں، گھٹنوں اور پیشانی کی جگہ (بھی پاک ہو) یہی بات زیادہ صحیح ہے۔

۲-شرمگاہ کا ڈھانپا ہوا ہونا اور گریبان یا دامن کے نیچے سے (ستر کا) نظر آنا کچھ نقصان نہیں دیتا۔

۳-قبلہ رخ ہونا، کعبہ کی مشاہدہ کرنے والے کی آنکھوں کا اس پر پڑنا اور نہ دیکھنے والے کا اس کی طرف رخ کرنا فرض ہے اگر چہ وہ مکہ مکرمہ میں ہو صحیح مذہب کے مطابق۔

۴-وقت کا پایا جانا۔

۵-اس کے داخل ہونے کا اعتقاد رکھنا۔ ۶-نیت کرنا۔ ۷-کسی وقفے کے بغیر تکبیر تحریمہ کہنا۔ ۸-رکوع کے لیے جھکنے سے پہلے کھڑا ہونے کی حالت میں تکبیر کہنا۔

۹-تکبیر تحریمہ سے نیت کو موخر نہ کرنا۔ ۱۰-زبان سے اس طرح تحریمہ کہنا کہ اپنے آپ کو سنائے اصح مذہب یہی ہے۔ ۱۱-مقتدی کا امام کی اتباع کی نیت کرنا۔

۱۲-فرضوں کی تعیین کرنا۔ ۱۳-واجب کو متعین کرنا اور نفل نماز میں تعیین شرط نہیں ہے۔ ۱۴-نفل کے علاوہ نماز میں کھڑا ہونا۔ ۱۵-فرضوں کی دو رکعتوں اور نوافل اور وتروں کی تمام رکعتوں میں قراءت کرنا اگر چہ ایک آیت ہو۔ نماز کی صحت کے لیے قرآن پاک سے کوئی چیز مقرر نہیں۔ مقتدی قراءت نہ کرے بلکہ اچھی طرح سنے اور خاموش رہے۔ اگر قراءت کرے گا تو یہ بات مکروہ تحریمہ ہے۔ ۱۶-رکوع کرنا۔ ۱۷-ایسی چیز پر سجدہ کرنا جس کا حجم ہو اور اس پر پیشانی ٹھہر سکے۔ اگر چہ ہاتھ کی ہتھیلی یا کپڑے کے کنارے پر ہو اگر سجدے کی جگہ پاک ہو۔ ناک کی سخت جگہ اور پیشانی کے ساتھ سجدہ کرنا واجب ہے اور جب تک پیشانی میں کوئی عذر نہ ہو۔ صرف ناک پر سجدہ کرنا صحیح نہیں۔

۱۸-سجدے کی جگہ قدموں کی جگہ سے نصف گز سے زیادہ بلند نہیں ہونی چاہیے اگر نصف گز سے زیادہ ہوگی تو سجدہ جائز نہ ہوگا البتہ بھیڑ کی صورت میں اس آدمی کی پیٹھ پر سجدہ کرنا جائز ہے جس کے ساتھ اس کی نماز مشترک ہے۔

۱۹- صحیح قول کے مطابق ہاتھوں اور گھٹنوں کو (زمین پر) رکھنا۔

۲۰- سجدے کی حالت میں پاؤں کی انگلیوں میں سے کچھ چیز زمین پر رکھنا اور قدم کے ظاہر کا رکھنا کافی نہ ہوگا۔

۲۱- رکوع کو سجدے پر مقدم کرنا۔ ۲۲- اصح قول کے مطابق سجدے سے بیٹھنے کے قریب تک اٹھنا۔ ۲۳- دوسرے سجدے کی طرف لوٹنا۔ ۲۴- تشہد کا اندازہ آخری قعدہ کرنا۔ ۲۵- آخری قعدہ تمام ارکان کے بعد ادا کرنا۔ ۲۶- جاگتے ہوئے نماز ادا کرنا۔ ۲۷- نماز کی کیفیت کو پہچاننا، نماز میں جو باتیں فرض ہیں انہیں اس طرح جاننا کہ سنتوں سے تمیز رسکے اور اعتقاد رکھنا کہ یہ نماز فرض ہے تاکہ فرض کے ساتھ نفل نہ پڑھے۔

ان مذکورہ بالا باتوں میں سے چار چیزیں نماز کے ارکان ہیں۔ (۱) قیام (۲) قراءت (۳) رکوع (۴) سجدہ۔

کہا گیا ہے کہ تشہد کی مقدار آخری قعدہ بھی فرض ہے اور باقی شرائط ہیں۔ ان میں سے بعد آغاز نماز کے صحیح ہونے کی شرطیں ہیں اور یہ وہ ہیں جو نماز سے باہر ہیں اور باقی باتیں نماز کے صحیح رہنے کے لیے شرط ہیں۔

نماز میں ستر کو ڈھانپنے کی شرط کا بیان

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتے ہیں کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، بالغہ عورت کی نماز بغیر دوپٹے کے یعنی سر ڈھانکے بغیر نہیں ہوتی۔ (مشکوۃ شریف , جلد اول ,رقم الحدیث، 724)

حائض سے مراد بالغہ عورت ہے جو حیض کی عمر کو پہنچ جائے خواہ اسے حیض آتا ہو یا نہ آتا ہو۔ یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ عورت کا سر اور اس کے بال ستر میں شامل ہیں لہٰذا اگر کوئی عورت ننگے سر نماز پڑھے گی تو اس کی نماز نہیں ہوگی۔ اسی طرح اگر عورت اتنا باریک کپڑا اوڑھ کر نماز پڑھے کہ اس کپڑے میں سے بال یا بدن کا رنگ دکھائی دیتا ہو تو اس کی نماز نہیں ہوتی لیکن یہ سمجھ لیں کہ یہ حکم آزاد عورت کا ہے لونڈی اس حکم میں داخل نہیں ہے تو اس کی نماز ننگے سر بھی ہو جاتی ہے۔ کیونکہ اس کا سر ستر نہیں اس کا ستر مرد کی طرح ناف کی نیچے سے زانو کے نیچے تک نیز پیٹ، پیٹھ اور پہلو بھی ہے۔

ران کے ستر ہونے کا بیان

حضرت جرید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں ان کے پاس سے گزرے تو ان کی ران ننگی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ران ستر میں داخل ہے۔ یہ حدیث حسن ہے اور اس کی سند متصل نہیں۔

(جامع ترمذی، جلد دوم, رقم الحدیث، 712)

نماز میں تکبیر تحریمہ کی وجہ تسمیہ

علامہ ابن محمود البابرتی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ تکبیر تحریمہ نماز کا فرض ہے اس کا رکن نہیں ہے۔ اور اسمیت کے تحقق کے لئے اس کے آخر میں تاء کو لاحق کیا گیا ہے۔ اور اب یہ نام اس تکبیر کے ساتھ خاص ہے۔ کیونکہ یہ تکبیر ہر اس چیز کو حرام قرار دیتی ہے جو اس سے پہلے حلال تھی۔ (جیسا مباح کاموں کا مثلاً کھانا، پینا اور کلام کرنا وغیرہ ہیں)۔ اور باقی تمام تکبیرات میں سے کوئی تکبیر بھی اشیاء

مباحہ کو حرام کرنے والی نہیں۔(عنایہ شرح الہدایہ، ج۱ص، بیروت)

نماز میں تکبیر تحریمہ کی فرضیت کا بیان

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا یہ فرمانا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز تو تکبیر سے شروع فرماتے تھے اور قرأت کی ابتداء الحمد اللہ رب العالمین سے کرتے تھے۔اس بات کو ثابت کرتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بسم اللہ آہستہ سے پڑھتے تھے جیسا کہ حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک بھی یہی ہے۔

کیونکہ رب کی بڑائی بولنے اور بزرگی وعظمت بیان کرنے ہی سے اس کا خوف دلوں میں پیدا ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی تعظیم و تقدیس ہی وہ چیز ہے جس کی معرفت سب اعمال واخلاق سے پہلے حاصل ہونی چاہیے۔بہرحال اس کے کمالات وانعامات پر نظر کرتے ہوئے نماز میں اور نماز سے باہر اس کی بڑائی کا اقرار واعلان کرنا تمہارا کام ہے۔

کبریائی صرف اللہ کے لیے ہے اس لیے اسی کی کبریائی کا ذکر تمہاری زبان پر ہونا چاہیے اور اسی کا چرچا لوگوں میں کرنا چاہیے۔ نماز کا آغاز تکبیر یعنی اللہ اکبر (اللہ سب سے بڑا ہے) کے کلمات ہی سے ہوتا ہے اور اذان میں بھی بار بار اس کلمہ کو دہرایا جاتا ہے تا کہ فضا اللہ کی تکبیر سے گونج اٹھے۔تکبیر کا حکم سورۂ بنی اسرائیل کی آخری آیت میں بھی دیا گیا ہے، وَكَبِّرْهُ تَكْبِيرًا اور اس کی بڑائی بیان کرو جیسی بڑائی بیان کرنا چاہیے۔

اللہ کی بڑائی بیان کرنے میں شرک کی تردید بھی ہے اور توحید کا اثبات بھی۔مشرکین نے کسی کو مہادیو بنا دیا ہے اور کسی کو مہاتما جن کی وہ پرستش کرتے ہیں لیکن یہ صرف دعوے ہیں حقیقت یہ ہے کہ کبریائی اللہ کے سوا کسی کے لیے نہیں ہے اور نہ اس کے سوا کوئی معبود ہے جس کی پرستش کی جائے۔

نماز میں قیام کی فرضیت کا بیان

علامہ بدرالدین عینی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔نماز کا دوسرا فرض قیام ہے۔اور قیام فرض نماز میں فرض ہے نفلی نماز فرض نہیں ہے۔اور نماز میں اس کی فرضیت کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ''وقوموا للہ قانتین'' اس سے استدلال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قیام کو حکم دیا ہے اور امر وجوب کے لئے آتا ہے۔جبکہ نماز کے باہر قیام واجب نہیں ہے۔لہٰذا نماز کے اندر قیام کا وجوب بطور ضرورت واجب ہو گیا۔اور ''قانتین'' قوموا' میں انتم ضمیر سے حال ہے۔اور اس کا معنی یہ ہے کہ تم خاموش رہنے والے ہو اور تم کلام کو ترک کرنے والے ہو۔اور اس پر حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کی حدیث بھی دلالت کرتی ہے کہ ہم نماز میں کلام کرتے تھے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان نازل ہوا ''وقوموا للہ قانتین'' اس حدیث کو امام ابن ماجہ کے سوا محدثین کی ایک جماعت نے روایت کیا ہے۔(البنایہ شرح الہدایہ، ج۲،ص ۱۶۵، حقانیہ ملتان)

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

حَافِظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلَاةِ الْوُسْطَى وَقُومُوا لِلَّهِ قَانِتِينَ فَإِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا أَوْ رُكْبَانًا فَإِذَا أَمِنتُمْ

فَاذْكُرُوا اللَّهَ كَمَا عَلَّمَكُم مَّا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ (البقرہ، ۲۳۸،۲۳۹)

سب نمازوں کی حفاظت کرو اور (خاص طور پر) بیچ والی نماز کی۔ اور اللہ کے سامنے ادب سے کھڑے رہا کرو۔ پھر اگر تم خوف کی حالت میں ہو تو پیادے یا سوار جس حال میں ہو (نماز پڑھ لو)۔ پھر جب امن ہو جائے تو اللہ کو اسی طریقے سے یاد کرو جس طریقے سے اس نے تمہیں سکھایا ہے جو تم پہلے نہیں جانتے تھے۔

علماء نے اس آیت کی روشنی میں فرض نماز میں قیام کے لازمی ہونے پر امت کا اجماع نقل کیا ہے۔ فرض نماز پڑھنے والا امام ہو یا مقتدی یا منفرد (یعنی اکیلے نماز پڑھنے والا) کسی کے لیے بھی عذر کے بغیر فرض نماز بیٹھ کر ادا کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ البتہ اگر امام کسی وجہ سے کھڑے ہو کر نماز پڑھانے پر قادر نہ ہو تو مقتدی بھی اس کے پیچھے بیٹھ کر نماز پڑھیں گے۔ فرمان رسول ہے۔

وَإِذَا صَلَّى قَائِمًا فَصَلُّوا قِيَامًا وَإِذَا صَلَّى جَالِسًا فَصَلُّوا جُلُوسًا أَجْمَعُونَ

(صحیح بخاری کتاب الاذان باب انما جعل الامام لیؤتم بہ)

جب (امام) کھڑے ہو کر نماز پڑھے تو تم بھی کھڑے ہو کر پڑھو اور جب وہ (کسی عذر کی بناء پر) بیٹھ کر نماز پڑھے تو تم سب بھی (اس کے پیچھے) بیٹھ کر نماز ادا کرو۔

نماز میں قرأت کی فرضیت کا بیان

علامہ بدرالدین عینی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ نماز کا تیسرا فرض قرأت ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔ ''فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ'' اس سے استدلال یہ ہے کہ اس میں قرأت کا امر ہے جو وجوب کے لئے آتا ہے۔ جبکہ نماز سے باہر بہ اجماع قرأت واجب نہیں ہے۔ لہٰذا اسی وجہ سے قرأت کا وجوب نماز میں متعین ہو گیا۔ (البنائیہ شرح الہدایہ، ج ۲، ص ۱۶۵، حقانیہ ملتان)

امام مسلم علیہ الرحمہ اپنی سند کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ حضرت سیدنا ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف لائے کہ اتنے میں ایک آدمی آیا، اس نے نماز پڑھنے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام کا جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ جاؤ نماز پڑھو، تم نے نماز نہیں پڑھی۔ اس نے واپس ہو کر پہلے کی طرح پھر نماز پڑھی اور لوٹ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وعلیکم السلام کہتے ہوئے فرمایا کہ جاؤ نماز پڑھو تم نے نماز ادا نہیں کی۔ حتیٰ کہ تین دفع ایسے ہی کیا تو آدمی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول برحق بنایا ہے کہ میں اس طریقہ کے علاوہ مزید کسی چیز سے ناواقف ہوں، براہِ کرم آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی مجھے ارشاد فرمایئے۔ فرمایا اور پھر جتنا قرآن تم آسانی پڑھ سکتے ہو وہ پڑھو، اس کے بعد اطمینان سے رکوع کرو اور پھر بہ آرام بالکل سیدھے کھڑے ہو جاؤ، اس کے بعد با اطمینان سجدہ کرو اور پھر با اطمینان قعدہ میں بیٹھو اور اسی طرح اپنی پوری نماز میں کیا کرو۔ (اس حدیث سے یہ چیز معلوم ہوئی کہ نماز میں تعدیل ارکان بہت ضروری ہے، اس کے بغیر نماز نہیں ہوتی۔ اور جمہور علماء کے نزدیک تعدیل ارکان فرض ہے)۔ (صحیح مسلم، ۲۸۲)

یعنی اللہ تعالیٰ نے دیکھا کہ تم میں بیمار بھی ہوں گے اور مسافر بھی جو ملک میں روزی یا علم وغیرہ کی تلاش کرتے پھریں گے اور وہ مرد مجاہد بھی ہوں گے جو اللہ کی راہ میں جنگ کریں گے ان حالات میں شب بیداری کے احکام پر عمل کرنا سخت دشوار ہوگا۔ اس لیے تم پر تخفیف کر دی کہ نماز میں جس قدر قرآن پڑھنا آسان ہو پڑھ لیا کرو۔ اپنی جان کو زیادہ تکلیف میں ڈالنے کی ضرورت نہیں۔ ہاں فرض نمازیں نہایت اہتمام سے باقاعدہ پڑھتے رہو۔

نماز میں رکوع کی فرضیت کا بیان

نماز کا چوتھا فرض رکوع ہے۔ اس کی فرضیت کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان "اِرْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا" اس میں امر کا صیغہ ہے جس کی دلالت وجوب پر ہے۔ جبکہ غیر نماز میں کسی قسم کا رکوع مشروع ہی نہیں۔ جس کی وجہ سے یہ حکم نماز والے رکوع کے لئے متعین ہو گیا۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ارْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا وَاعْبُدُوْا رَبَّكُمْ وَافْعَلُوا الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ (الحج۔۷۷)

اے ایمان والو رکوع اور سجدہ کرو اور اپنے رب کی بندگی کرو اور بھلے کام کرو اس امید پر کہ تمہیں چھٹکارا ہو۔ (کنز الایمان)

(البنائیہ شرح الہدایہ، ج۲، ص۱۶۵، حقانیہ ملتان)

نماز میں سجدہ کی فرضیت کا بیان

نماز کا پانچواں فرض سجدہ ہے اس کی فرضیت کا استدلال و دلیل رکوع والے حکم میں گذر چکی ہے کیونکہ رکوع و سجود آیت میں دونوں کا بیان ہے۔

نماز میں قعدہ آخیرہ کی فرضیت کا بیان

نماز کا چھٹا فرض قعدہ آخیرہ ہے۔ اس کی فرضیت کا استدلال حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ والی روایت سے ہے۔ جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "إِذَا قُلْتَ هَذَا أَوْ فَعَلْتَ هَذَا فَقَدْ تَمَّتْ صَلَاتُكَ" اس حدیث سے استدلال کے بعد یہ سوال پیدا ہوا کہ یہ خبر واحد ہے لہٰذا کسی خبر واحد سے فرضیت کو کیسے ثابت کیا جائے گا۔ کیونکہ وہ خبر واحد مفید ظن ہے۔ اور ثبوت فرضیت کے لئے قطعی الدلالت کا ہونا ضروری ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اصل میں یہ روایت اس کی فرضیت کو ثابت کرنے والی نہیں ہے بلکہ یہ حدیث قرآن کریم میں حکم نماز کا بیان ہے۔ اور وہ اللہ تعالیٰ کا فرمان " إِذَا قُلْتَ هَذَا أَوْ فَعَلْتَ هَذَا فَقَدْ تَمَّتْ صَلَاتُكَ " اور جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تکمیل نماز اس کو اس فعل قعود یا فعل قرأت تشہد کے ساتھ معلق کیا تو یہ تکمیل نماز کے لئے ضروری ہو گیا۔ اور فقہ کا قاعدہ ہے جو چیز واجب کے بغیر پوری نہ ہو وہ بھی واجب ہوتی ہے۔ لہٰذا اس حدیث نے قرآن کے حکم " اقیموا الصلوٰۃ " کے اجمال کو بیان کیا ہے لہٰذا آخری قعدہ کی فرضیت اس حکم قرآنی سے بذریعہ بیان حدیث کے طور پر ثابت ہو گئی۔

نماز پڑھنے کے لیے پہلی شرط اور وقت کا علم ہونا اور وقت کا آ جانا

دلیل اللہ تعالیٰ کا فرمان (اِنَّ الصَّلٰوۃَ کَانَتْ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ کِتٰبًا مَّوْقُوْتًا) ۔ بے شک نماز ایمان والوں پر اوقات کے ساتھ فرض کی گئی ہے۔ (سورت النساء/آیت 103)

مسئلہ عام نفلی نماز جس کے لیے کوئی وقت مقرر نہیں، کے لیے یہ شرط نہیں۔

نماز کی دوسری شرط اور طہارت حالت میں ہونا

دلیل عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کا کہنا ہے میں نے رسول اللہ صلی سے سنا طہارت (پاکیزگی) کے بغیر نماز قبول نہیں ہوتی اور نہ ہی مالِ غنیمت میں سے خیانت کر کے لیے گئے مال میں سے صدقہ قبول ہوتا ہے (صحیح مسلم/حدیث ۲۲۴)

نماز کی تیسری شرط بدن کا پاکیزہ ہونا

صرف وضوء کی حالت میں ہونا کافی نہیں، ایسا عین ممکن ہے کہ جسم پر کہیں کوئی نجاست (پلید، ناپاک چیز) لگی ہو، لہٰذا نماز سے پہلے اِس بات کی تاکید کرنا ضروری ہے کہ جسم بھی پاکیزگی کی حالت میں ہو،

دلیل (۱) انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پیشاب کی چھینٹوں یا قطروں وغیرہ سے خود کو پاک کیا کرو، کیونکہ قبر کے عذاب کی عام وجہ یہی ہے۔ (سُنن الدار قطنی / کتاب الطہارۃ / باب ۲ کی دوسری حدیث، حدیث صحیح ہے، إرواء الغلیل / حدیث ۲۸۰)

دلیل (۲) علی رضی اللہ عنہ کا کہنا ہے، مجھے مذی کی شکایت تھی (مذی کی تعریف و پہچان غُسل کے بیان میں ذِکر کی جا چکی ہے) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا داماد ہونے کی وجہ سے مجھے اِس بارے میں پوچھتے ہوئے شرم آتی تھی لہٰذا میں نے کسی کو اُن صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اِس بارے میں پوچھنے کے لیے بھیجا تو اُن صلی اللہ علیہ وسلم نے سوال کرنے والے کو جواباً فرمایا (تَوَضَّأْ وَاغْسِلْ ذَكَرَكَ) (وضوء کرو اور اپنی شرمگاہ کو دھو لو) صحیح البُخاری / حدیث ۲۶۶ / کتاب الغُسل / باب ۱۳)

دلیل (۳) ایمان والوں کی والدہ محترمہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ فاطمہ بنت ابی حُبیش (رضی اللہ عنہا) نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے استحاضہ کے خون کے بارے میں سوال کیا تو اُن صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے جسم پر سے خون کو دھو کر وضوء کر کے نماز پڑھ لیا کرو۔ صحیح البُخاری / حدیث ۳۰۰ / کتاب الحیض / باب ۸، (استحاضہ کی تفصیل اِنشاء اللہ "حیض و نفاس" کے عنوان میں بیان کی جائے گی۔

نماز کی چوتھی شرط لباس کی طہارت

لباس (کپڑے، جوتی وغیرہ) کا پاکیزہ ہونا

دلیل (۱) اللہ تعالیٰ کا حُکم ہے (وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ) (اور اپنے لباس کو پاک کرو) سورت المدثر / آیت ۴،

دلیل (۲) جابر بن سَمُرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا جن کپڑوں

میں اپنی بیوی کے ساتھ ہم بستری کرتا ہوں اُنہی میں نماز پڑھ سکتا ہوں؟ (نعم اِلّا اَن تَرَیٰ فِیهِ شَیاءً فَتَغسِلَهُ) (جی ہاں، لیکن اگر تُم اُس میں کوئی (ناپاک) چیز دیکھو تو اُسے دھولو) مُسند احمد/۲۰۹۵۸ او ۲۱۰۴۶، صحیح ابن حبان/حدیث ۲۳۳۳

دلیل (۳) اسماء رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک عورت نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور سوال کیا اگر ہم سے کِسی کو اُس کے کپڑے پر حیض (ماہواری، ہو جائے تو کیا کرے؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ عورت (کپڑے پر لگے ہوئے حیض کے) خون کو صاف کھرچ کو صاف کرے پھر انگلیوں سے رگڑ کر پانی کے ساتھ دھوئے اور خوب پانی بہائے اور پھر اُس کپڑے میں نماز پڑھ لے۔ (صحیح البُخاری/حدیث ۲۲۵/کتاب الوضوء/باب ۶۳)

نماز کی پانچویں شرط جگہ کا پاک ہونا

نماز پڑھنے کی جگہ کا پاکیزہ ہونا

دلیل ابوہُریرہ رضی اللہ عنہُ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ ایک دیہاتی نے مسجد (نبوی) میں پیشاب کرنا شروع کر دیا لوگ اُس (کو روکنے کے لیے اُس) کی طرف اُٹھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اُس کو رہنے دو اور اُس کے پیشاب پر پانی بہا دو، بے شک تُم لوگوں کو آسانی دینے والے بنا کر بھیجا گیا ہے، تنگی دینے والے بنا کر نہیں بھیجا گیا۔ (صحیح البُخاری/حدیث ۲۱۷/کتاب الوضوء/باب ۵۷) رسول اللہ صلی علیہ وسلم کا عمل مبارک اور تعلیم دیکھیے، اور ہمارے ہاں ایسے ایسے خوفناک فتوے دیئے جاتے ہیں جن کو سن پڑھ کر کئی لوگ دِین سے بیزار ہونے لگتے ہیں، اور اُن فتوؤں کی کوئی صحیح یا بالکل کوئی دلیل ہی نہیں ہوتی۔

نماز کی چھٹی شرط ستر پوشی کا ہونا

ستر پوشی، یعنی، جسم کے وہ حصے چھپائے رکھنا جن کا چھپایا جانا فرض ہے

اللہ تعالیٰ کا حُکم ہے (یَا بَنِی آدَمَ خُذُوا زِینَتَکُم عِندَ کُلِّ مَسجِدٍ) اے آدم کی اولاد ہر نماز کے وقت اپنی سجاوٹ اختیار کیا کرو۔ (سورت الاعراف/آیت ۳۱)

زینت (سجاوٹ) سے مُراد وہ لباس جو ستر پوشی کرے، اور مسجد سے مُراد نماز اور خانہ کعبہ کا طواف ہے، (تفسیر روح المعانی)

ستر پوشی کی حد کا بیان

مرد کے لیے، ناف سمیت گھٹنے کو چھپانا، یعنی اُوپر کی طرف سے ناف کو بھی چھپایا جائے اور نیچے کی طرف گھٹنوں کو بھی، عام طور پر کہا جاتا ہے "ناف سے گھٹنے تک" اِس عِبارت کے عام مفہوم سے گھٹنا ستر سے خارج ہو جاتا ہے، جس کی سبب بنا کر کئی لوگ "شارٹس اور نیکرز" وغیرہ پہننے کا راستہ نکالنے کو کوشش کرتے ہیں،

عورت ساری کی ساری پردہ ہے، ستر ہے، اور چھپائی جانے کی چیز ہے، سوائے ہاتھ اور چہرے کی ٹکیہ کے، اور اِس کی بھی تفصیل ہے جس کے بیان کی یہ جگہ نہیں،

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر حال میں ہر کسی سے ستر پوشی کا حُکم دِیا ہے سوائے میاں بیوی (باندی) کا آپس میں ملاپ

کے، بہز بن حکیم بن معاویہ (رضی اللہ عنہُ) بن حیدہ، اپنے والد (حکیم) اور وہ اپنے والد (معاویہ بن حیدہ رضی اللہ عنہُ) سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا "أے اللہ کے رسول ہم اپنے ستر والے حصے کو کس پر ظاہر کر سکتے ہیں؟" تو فرمایا (اپنے ستر والے حصے کی حفاظت کرو (یعنی ظاہر مت ہونے دو) سوائے اپنی بیوی یا باندی کے) میں نے مزید پوچھا "اگر لوگ بہت قریب اور ملے جلے ہوں تو؟" فرمایا (اگر تُم اِس کی قُدرت رکھتے ہو کہ تمہارے ستر والے حصے کو کوئی نہ دیکھے تو مت دیکھنے دو) میں نے مزید پوچھا "اور اگر ہم سے کوئی بالکل اکیلا ہو تو؟" فرمایا (اللہ تبارک وتعالیٰ اِس بات کا سب سے زیادہ حق دار ہے کہ اُس سے حیا کی جائے) المستدرک الحاکم/حدیث ۷۳۵۸/کتاب اللباس، سُنن ابن ماجہ/حدیث ۱۹۲۰/کتاب النکاح/باب ۲۸، سُنن الترمذی حدیث ۲۷۶۹، اِمام الترمذی نے اور اِمام الالبانی نے کہا حدیث حسن ہے،

نماز کی ساتویں شرط کعبہ کی طرف رخ کرنے کا بیان

کعبہ کی طرف رُخ کرنا

اللہ تعالیٰ کا حُکم ہے (فَوَلِّ وَجهَكَ شَطرَ المَسجِدِ الحَرَامِ وَحَيثُ مَا كُنتُم فَوَلُّوا وُجُوهَكُم شَطرَه، پس آپ اپنا چہرہ مسجدِ حرام (مسجدِ کعبہ) کی طرف پھیر لیجیے اور (اے اُمتیوں) تُم سب لوگ جہاں کہیں بھی ہو اپنے چہرے مسجدِ حرام (مسجدِ کعبہ) کی طرف پھیر لیا کرو (سورت البقرۃ/آیت ۱۴۴)،

نماز کا طریقہ سکھاتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا إذا قُمتَ اِلَى الصَّلاةِ فَاَسبِغ الوُضُوء ثُمَّ استقبِل القِبلَةَ فكَبِّر، جب تُم نماز کے لیے کھڑے ہو تو خوب اچھی طرح سے وضوء کرو اور قبلہ کی طرف رُخ کرو اور تکبیر کہو۔

(صحیح البُخاری/حدیث ۵۸۹۷/کتاب الاستئذان/باب ۱۸، صحیح مُسلم/حدیث ۳۹۷/کتاب الصلاۃ/باب ۴)

فصل فی متعلقات الشروط وفروعها

﴿یہ فصل نماز کی شرائط وفروع کے متعلقات کے بیان میں ہے﴾

نماز کی بعض دیگر شرائط کا بیان

طهارة المكان تجوز الصلاة على لبد وجهه الأعلى طاهر والأسفل نجس وعلى ثوب طاهر وبطانته نجسة إذا كان غير مضرب وعلى طرف طاهر وإن تحرك الطرف النجس بحركته على الصحيح طهارة الثوب ولو تنجس أحد طرفي عمامته فألقاه وأبقى الطاهر على رأسه ولم يتحرك النجس بحركته جازت صلاته وإن تحرك لا تجوز وفاقد ما يزيل به النجاسة يصلي معها ولا إعادة عليه ستر العورة ولا على فاقد ما يستر عورته ولو حريرا أو حشيشا أو طينا فان وجده ولو بالإباحة وربعه طاهر لا تصح صلاته عاريا وخير إن طهر أقل من ربعه وصلاته فى ثوب نجس الكل أحب من صلاته عريانا ولو وجد ما يستر بعض العورة وجب استعماله ويستر القبل والدبر فإن لم يستر إلا أحدهما قيل يستر الدبر وقيل القبل

صلاة العارى وندب صلاة العارى جالسا بالإيماء مادا رجليه نحو القبلة فإن صلى قائما بالإيماء أو بالركوع والسجود صح العورة وعورة الرجل ما بين السرى ومنتهى الركبة وتزيد عليه الأمة البطن والظهر وجميع بدن الحرة عورة إلا وجهها وكفيها وقدميها كشفها وكشف ربع عضو من أعضاء العورة يمنع صحة الصلاة ولو تفرق الانشكشاف على أعضاء من العورة وكان جملة ما تفرق يبلغ ربع أصغر الأعضاء المنكشفة منه وإلا فلا استقبال القبلة ومن عجز عن استقبال القبلة لمرض أو عجز عن النزول عن دابته أو خاف عدوا فقبلته جهة قدرته وأمنه ومن اشتبهت عليه القبلة ولم يكن عنده مخبر ولا محراب تحرى ولا إعادة عليه لو أخطأ وإن علم بخطئه فى صلاته استدار وبنى وإن شرع

بلا تحر فعلم بعد فراغه أنه أصاب صحت وإن علم بإصابته فيها فسدت كما لو لم يعلم إصابته أصلا ولو تحرى قوم جهات وجهلوا حال إمامهم تجزيهم

ترجمہ

نماز پڑھنا جائز ہے ایسے نمدے پر جس کا اوپر والا حصہ پاک اور نیچے والا ناپاک ہو۔ ایسے پاک کپڑے پر نماز پڑھنا بھی صحیح ہے جو اندر سے ناپاک ہو جب کہ سلا ہوا نہ ہو۔ کپڑے کے پاک کنارے پر نماز پڑھنا جائز ہے اگر چہ اس کی حرکت سے ناپاک کنارہ حرکت کرے یہی صحیح قول ہے۔ اگر پگڑی کا ایک کنارہ ناپاک ہو گیا اور اسے نیچے ڈال دیا جبکہ پاک حصے کو سر پر رکھا اور اس کی حرکت سے ناپاک حصہ حرکت نہیں کرتا تو نماز جائز ہے۔ اور اگر حرکت کرے تو جائز نہیں۔

جس شخص کو نجاست دور کرنے کے لیے کوئی چیز نہ ملے تو اسی کے ساتھ نماز پڑھ لے اور اس پر نماز کا لوٹانا (واجب) نہیں۔ جس آدمی کو ستر ڈھانپنے کے لیے کچھ نہ ملے یہاں تک کہ ریشمی کپڑا یا گھاس یا کیچڑ بھی نہ ملے تو اس پر نماز کا لوٹانا واجب نہیں۔ اگر اسے (کوئی کپڑا وغیرہ) مل جائے اگر چہ کسی کی طرف سے مباح کیا جائے اور اس کا چوتھا حصہ پاک ہو تو ننگے ہو کر نماز پڑھنا صحیح نہیں۔ اگر چوتھے حصے سے کم پاک ہو تو اختیار ہے۔

پورے ناپاک کپڑے میں نماز پڑھنا برہنہ پڑھنے سے بہتر ہے۔ اگر وہ چیز (کپڑا وغیرہ) پائے جس سے بعض ستر کو ڈھانپ سکتا ہے تو اس کا استعمال واجب ہے اور اگلے پچھلے ستر کو ڈھانپ لے اگر صرف ایک ستر ڈھانپا جا سکتا ہو تو کہا گیا ہے کہ پچھلے ستر کو ڈھانپے اور ایک قول یہ ہے کہ اگلے حصے کو ڈھانپے۔

ننگے آدمی کا بیٹھ کر اشارے کے ساتھ اور پاؤں کو قبلہ رخ پھیلا کر نماز پڑھنا مستحب ہے۔ اگر کھڑا ہو کر رکوع اور سجدے کے ساتھ پڑھے تو بھی جائز ہے۔ مرد کا ستر ناف سے لے کر گھٹنوں کی انتہا تک ہے۔ لونڈی اس پر پیٹ اور پیٹھ کا اضافہ کرے۔ آزاد عورت کا تمام بدن ماسوائے چہرے، ہتھیلیوں اور قدموں کے ستر ہے۔ ستر کے اعضاء میں سے کسی عضو کا چوتھا حصہ ننگا ہونا نماز کے صحیح ہونے کو روکتا ہے اور اگر ستر کے مختلف اعضاء میں سے متفرق جگہیں ننگی ہوں اور وہ تمام جگہیں رکھنے والے اعضاء میں سے سب سے چھوٹے عضو کے چوتھے حصے تک پہنچتی ہیں تو نماز کی صحت میں رکاوٹ ہوگی ورنہ نہیں۔

جو آدمی کسی بیماری کی وجہ سے قبلہ رخ ہونے سے عاجز ہو یا سواری سے اتر نہ سکتا ہو یا اسے دشمن کا خوف ہو تو اس کا قبلہ وہی ہے جس طرف وہ قادر ہو اور اسے امن حاصل ہو۔ جس شخص پر قبلہ مشتبہ ہو جائے اور اس کے پاس کوئی بتانے والا بھی نہ ہو اور نہ ہی محراب ہو تو وہ غور وفکر کرے اور اگر غلطی ہو جائے تو اس پر نماز کا لوٹانا واجب نہیں اگر نماز کے اندر غلطی کا علم ہو جائے تو رخ پھیر لے اور اسی پر بنا کرے۔ اگر سوچ وبچار کے بغیر نماز شروع کی پھر فارغ ہونے کے بعد معلوم ہوا کہ اس نے صحیح رخ اختیار کیا تو نماز صحیح ہو جائے گی اور اگر نماز کے اندر معلوم ہوا کہ یہ سمت صحیح ہے تو نماز ٹوٹ جائے گی۔ جیسے صحیح رخ پر ہونے کا علم نہ ہونے کی وجہ سے ٹوٹ جاتی ہے اور اگر ایک جماعت نے سوچ وبچار کیا لیکن امام کے حال سے لاعلم رہے۔ تو ان کے لیے یہی کافی ہے۔

ستر سے متعلق بعض مسائل کا بیان

۱- اگر آزاد بالغ عورت نے ایسا لباس پایا جو اس کے بدن کو اور چوتھائی سر کو ڈھانپ سکتا ہے تو بدن اور چوتھائی سر دونوں کا ڈھانپنا فرض ہے اگر کپڑا اتنا ہے کہ چوتھائی سر کو نہیں ڈھانپ سکتا بلکہ کم ڈھانپتا ہے تو اس کا ڈھانپنا واجب نہیں، افضل و مستحب ہے اگر بلوغ کے قریب لڑکی چوتھائی سر ڈھانپ سکنے کی صورت میں ڈھانپنا چھوڑ دے گی تو اس پر نماز کا اعادہ واجب نہیں اگر وہ ننگی یا بغیر وضو نماز پڑھے تو نماز کو لوٹانے کا حکم کیا جائے اور بغیر اوڑھنی کے پڑھے تو نماز ہو جائے گی لیکن احسن یہ ہے کہ اوڑھنی سے پڑھے۔

۲- نماز میں اپنا ستر دوسروں سے چھپانا بالاجماع فرض ہے اور اپنے آپ سے چھپانا عام مشائخ کے نزدیک فرض نہیں، پس اگر گریبان میں سے اس کو اپنا ستر نظر آئے تو نماز فاسد نہ ہوگی، یہی صحیح ہے لیکن قصداً اپنے ستر کی طرف نظر کرنا مکروہ تحریمی ہے۔

۳- دوسرے لوگوں سے ستر ڈھانپنے کا مطلب یہ ہیکہ اپنے بدن کو چاروں طرف سے ڈھانپنا ضروری ہے نیچے کی طرف سے نہیں پس تہبند کے نیچے سے ستر کا نظر آنا نماز کا مانع نہیں ہے جبکہ چاروں طرف سے ستر صحیح ہو۔ ۴- اگر اندھیرے میں ننگا ہو کر نماز پڑھی اور اس کے پاس کپڑا موجود ہے تو نماز جائز نہیں ہوگی۔ ۵- باریک کپڑا جس میں سے بدن نظر آتا ہو ستر کے لئے کافی نہیں اور اس کو پہن کر نماز جائز نہیں جبکہ اعضائے ستر پر ہو، اسی طرح اگر چادر یا دوپٹہ میں سے عورتوں کے بالوں کی سیاہی چمکے تو نماز نہ ہو گی۔ ۶- موٹا کپڑا جس سے بدن کا رنگ نظر نہ آتا ہو مگر بدن سے ایسا چپکا ہوا ہو کہ اعضاء بدن کی شکل معلوم ہوتی ہو ایسے کپڑے سے نماز ہو جائے گی مگر دوسرے لوگوں کو اس کے اعضا کی ہیئت کی طرف نظر کرنا جائز نہیں اور ایسا کپڑا لوگوں کے سامنے پہننا منع ہے خصوصاً عورتوں کے لئے بدرجہ اولیٰ منع ہے۔

- نماز میں کسی عضو کا چوتھائی سے کم ستر کا کھل جانا معاف ہے خواہ کتنی ہی دیر کھلا رہے چوتھائی یا زیادہ ستر کھل جانے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے جبکہ ایک رکن کی مقدار (تین بار سبحان اللہ کہنے کے مقدار) کھلا رہے، پس جن اعضا کا ڈھانپنا فرض ہے ان میں سے کوئی عضو نماز کے اندر چوتھائی یا زیادہ کھل گیا اور اس نے فوراً رکن کی مقدار سے پہلے پہلے ڈھانپ لیا تو نماز فاسد نہ ہوگی اور اگر ایک رکن کی مقدار کھلا رہا تو نماز فاسد ہوگئی، یہ حکم اس وقت ہے جب کہ بلا ارادہ کھل گیا ہو اور اگر اپنے ارادہ سے یا اپنے فعل سے کھولا تو رکن کی مقدار کی رعایت نہیں بلکہ فوراً یہ نماز جاتی رہے گی، اگرچہ رکن کی مقدار سے پہلے پہلے ڈھانپ لیا ہو، اگر نماز شروع کرتے وقت ستر کے کسی عضو کی چوتھائی کھلی ہوئی ہے اور اسی حالت میں تکبیر تحریمہ کہی تو نماز شروع ہی نہیں ہوئی اگرچہ رکن کی مقدار سے کم وقت گزرے۔

۲- اصح یہ ہے کہ ستر غلیظ ہو یا خفیف اس کا حساب چوتھائی حصہ سے ہی کیا جاتا ہے ستر کا غلیظ یا خفیف ہونا صرف حرمت نظر کے اعتبار سے ہے۔ ۳- مرد اور عورت میں پیشاب و پاخانہ کا مقام اور جو جگہ ان دونوں کے آس پاس ہے ستر غلیظ ہے اس کے علاوہ سب ستر خفیف ہے۔ گھٹنا بہ نسبت ران کے خفیف ستر ہے پس گھٹنا کھولنے والے کو نرمی سے منع کیا جائے اور ران کھولنے والے کو سختی سے منع کیا جائے لیکن اگر نہ مانے تو اس کو مارے نہیں اور اگر عورت غلیظہ کھولے ہوئے ہو اور وہ شخص مارنے پر قادر ہے مثلاً باپ یا حاکم تو اس کو مارے۔

۴- چوتھائی سے مراد اعضائے ستر میں سے ہر عضو کی اپنی چوتھائی ہے اگر ایک عضو میں کئی جگہ تھوڑا تھوڑا کھلا ہو تو جمع کریں گے اگر دو یا زیادہ اعضا میں کھلا ہوا ہو تو اس کو بھی جمع کریں گے لیکن اس کا حساب ان میں سے سب سے چھوٹے عضو کی چوتھائی سے کیا جائے گا۔

۵- اگر ایک عضو میں سے کئی جگہ سے کھلا ہو تو اجزاء یعنی پانچواں چھٹا حصہ وغیرہ کے حساب سے جمع کیا جائے گا اور اگر چند اعضا میں کھلا ہو تو چھٹا آٹھواں حصہ وغیرہ معتبر نہیں بلکہ پیمائش سے جمع کیا جائے گا۔

نجس لباس وغیرہ سے متعلق بعض مسائل کا بیان

۱- اگر ایسی چیز کے سوا جو اصلاً ناپاک ہو اور کوئی چیز ستر ڈھانپنے کے لئے نہ ملے مثلاً مردار کی کھال جس کی دباغت نہیں ہوئی تو یہ شخص اس سے نماز میں ستر نہ ڈھانپے بلکہ ننگا رہ کر نماز پڑھے اور نماز کے علاوہ وقت میں اس کھال سے ستر چھپائے، اور اگر وہ چیز اصلاً ناپاک نہیں بلکہ کسی خارجی نجاست مثلاً پیشاب یا پاخانہ یا خون وغیرہ کے لگنے سے ناپاک ہوئی ہے تو اگر وہ کل ناپاک ہے یا اس میں چوتھائی سے کم پاک ہے تو اس کو اختیار ہے کہ اس کپڑے کے ساتھ کھڑے ہو کر رکوع وسجود سے نماز پڑھے اور یہی مستحب وافضل ہے یا ننگا نماز پڑھے اور اگر اس کا چوتھائی حصہ پاک ہو تو اسی میں نماز پڑھنا ضروری وواجب ہے اور یہ حکم اس وقت ہے جبکہ ایسی چیز نہ پائے جو نجاست کو دور کردے یا اس کو کم کردے اگر ایسی چیز مل جائے تو نجاست کو دور کرنا یا کم کرنا واجب ہے۔

۲- اگر کسی کے پاس دو کپڑے ہوں اور ان میں سے ہر ایک قدرِ درہم سے زیادہ نجاست غلیظہ سے نجس ہے تو اگر ان میں کوئی کپڑا چوتھائی کی مقدار نجس نہیں تو اختیار ہے جس سے چاہے نماز پڑھے اور مستحب یہ ہے کہ کم نجاست والے میں پڑھے اور اگر ایک میں نجاست چوتھائی سے کم ہو اور دوسرے میں بقدر چوتھائی سے زیادہ ہو تو جس میں نجاست کم ہو اس سے نماز پڑھے اور اس کے برخلاف جائز نہیں اور اگر دونوں میں سے ہر ایک میں چوتھائی حصہ نجس ہے یا کسی ایک میں چوتھائی سے زیادہ اور تین چوتھائی ۳\۴ سے کم ہو اور دوسرے میں بقدر چوتھائی ہو تو دونوں میں حکم برابر ہیں جس میں چاہے نماز پڑھے اور افضل یہ ہے کہ جس میں نجاست کم ہو اس میں پڑھے اور اگر ایک چوتھائی حصہ پاک ہو اور دوسرا چوتھائی سے کم پاک ہو یا کل ناپاک ہو تو جس کا چوتھائی پاک ہے اس میں نماز پڑھے اس کے برخلاف جائز نہیں۔

۳- اگر کسی کپڑے کے ایک جانب خون وغیرہ کوئی نجاست لگی ہو اور وہ اس قدر پاک ہو کہ اس سے تہبند باندھ سکتا ہے اگر نہ باندھے گا تو نماز جائز نہیں ہوگی خواہ ایک طرف کے ہلانے سے دوسری طرف ہلتی ہو یا نہ ہلتی ہو۔

۴- اگر ننگے آدمی کے پاس ریشمی کپڑا ہے جو پاک ہے اور ٹاٹ کا کپڑا بھی ہے جس میں نجاست قدرِ درہم سے زیادہ لگی ہے تو ریشمی کپڑے میں نماز پڑھے۔

۵- اگر کسی کے سب کپڑے نجس ہیں اور پاک پانی بھی موجود ہے تو دھو کر گیلے کپڑے سے نماز پڑھ لے اور نماز قضا نہ کرے

فصل فی واجب الصلاۃ

﴿یہ فصل نماز کے واجبات کے بیان میں ہے﴾

نماز کے واجبات کا بیان

وهو ثمانية عشر شيئا قراء ة الفاتحة وضم سورة أو ثلاث آيات في ركعتين غير متعينتين من الفرض وفي جميع ركعات الوتر والنفل وتعيين القراء ة في الأوليين وتقديم الفاتحة على السورة وضم الأنف للجبهة في السجود والإتيان بالسجدة الثانية في كل ركعة قبل الانتقال لغيرها والأطمئنان في الأركان والعقود الأول وقراء ة التشهد فيه في الصحيح وقراءته في الجلوس الأخير والقيام الى الثالثة من غير تراخ بعد التشهد ولفظ السلام دون عليكم وقنوت الوتر وتكبيرات العيدين وتعيين التكبير لافتتاح كل صلاة لا العيدين خاصة تكبيرة الركوع في ثانية العيدين وجهر الإمام بقراء ة الفجر وأوليي العشاء ين ولو قضاء والجمعة والعيدين والتراويح والوتر في رمضان والإسرار في الظهر والعصر وفيما بعد أوليي العشاء ين ونفل النهار والمنفرد مخير فيما يجهر كمتنفل بالليل ولو ترك السورة في اوليي العشاء قرأها في الأخريين مع الفاتحة جهرا ولو ترك الفاتحة لا يكررها في الأخريين،

ترجمہ

اٹھارہ چیزیں نماز میں واجب ہیں۔۱- سورۃ فاتحہ کا پڑھنا۔۲- فرض نماز کی دو غیر مقرر رکعتوں اور وتروں اور نفلوں کی تمام رکعتوں میں ایک (چھوٹی) سورت یا تین آیات ملانا۔۳- قراءت کے لیے پہلی دو رکعتوں کا تعین کرنا۔۴- سورۃ فاتحہ کو سورت سے مقدم کرنا۔۵- سجدے میں ناک کو پیشانی کے ساتھ ملانا۔۶- ہر رکعت میں کسی دوسرے رکن کی طرف منتقل ہونے سے پہلے دوسرا سجدہ کرنا۔۷- ارکان کو اطمینان سے ادا کرنا۔۸- پہلا قعدہ۔۹- اس میں تشہد کا پڑھنا صحیح قول کے مطابق یہی ہے۔

۱۰- آخری قعدہ میں تشہد پڑھنا۔۱۱- تشہد کے بعد کسی تاخیر کے بغیر تیسری رکعت کے لیے کھڑا ہونا۔۱۲- لفظ السلام نہ علیکم کہنا۔۱۳- وتروں میں دعائے قنوت پڑھنا ۱۴- عیدین کی تکبیریں۔۱۵- ہر نماز کو شروع کرنے کے لیے لفظ تکبیر کا تعین صرف

عیدین کی نماز کے لیے نہیں۔ ۱۶-عیدین کی دوسری رکعت میں رکوع کی تکبیر۔

۱۷-فجر مغرب اور عشاء کی پہلی دو رکعتوں میں اگرچہ قضاء ہوں، جمعہ، عیدین، تراویح اور رمضان میں وتر نماز میں امام کا بلند آواز سے قراءت کرنا۔ ۱۸-ظہر اور عصر کی تمام رکعتوں میں نیز مغرب اور عشاء کی پہلی دو رکعتوں کے بعد اور دن کے نفلوں میں آہستہ قراءت کرنا۔

جہری نمازوں میں تنہاء پڑھنے والے کو اختیار ہے جس طرح رات کو نفل پڑھنے والا مختار ہے۔ اگر عشاء کی پہلی دو رکعتوں میں قراءت چھوڑ دی تو دوسری رکعتوں میں فاتحہ سمیت بلند آواز سے پڑھے اور اگر سورت فاتحہ کو چھوڑ دیا تو دوسری دو رکعتوں میں اس کا تکرار نہ کرے۔

واجباتِ نماز کی وضاحت و تفصیل کا بیان

نماز کے کچھ واجبات ہیں اگر ان میں سے کوئی بھولے سے چھوٹ جائے تو سجدہ سہو کر لینے سے نماز درست ہو جاتی ہے اگر بھولے سے چھوٹ جانے پر سجدہ سہو نہ کیا یا قصداً کسی واجب کو چھوڑ دیا تو اس نماز کو لوٹانا واجب ہو جاتا ہے پس اگر نہیں لوٹائے گا تو فاسق و گناہگار ہوگا کیونکہ ترک واجب سے نماز مکروہِ تحریمی ہوتی ہے اور اس کا لوٹانا واجب ہوتا ہے جب امام ترک واجب کی وجہ سے نماز کا اعادہ کرے تو اگر اس دوسری دفعہ کی جماعت میں کوئی نیا مقتدی شریک ہو جائے تو صحیح یہ ہے کہ اس کی نماز درست ہے واجبات نماز اکتیس (۳۱) ہیں اور وہ یہ ہیں۔

۱-تکبیر تحریمہ کا خاص اللہ اکبر کے لفظ سے ہونا۔ ۲-قرآتِ واجبہ یعنی صورۃ فاتحہ اور کوئی چھوٹی صورت یا چھوٹی تین آیتیں یا ایک بڑی آیت کی مقدار قیام کرنا لیکن امّی یا گونگے یا اس مقتدی کے لئے جو امام کو رکوع میں پائے قیام کی کوئی مقدار واجب نہیں ہے

۳-تین یا چار رکعت والی فرض نماز میں قرآت فرض کے ادا کرنے کے لئے پہلی دو رکعتوں کا متعین کرنا۔ ۴-فرض نمازوں کی پہلی دو رکعتوں میں اور باقی نمازوں کی تمام رکعتوں میں صورۃ فاتحہ کا پڑھنا

۵-فرض نمازوں کی پہلی دو رکعتوں میں اور باقی نمازوں کی تمام رکعتوں میں سورۃ فاتحہ کے بعد کوئی چھوٹی صورت یا چھوٹی تین آیتیں یا ایک بڑی آیت پڑھنا۔ ۶-سورۃ فاتحہ کو قرآت سورۃ یا آیت سے پہلی پڑھنا۔ ۷-سورۃ ملانے سے پہلے سورۃ فاتحہ ایک ہی دفعہ پڑھں ااس سے زیادہ نہ پڑھنا

۸-جو فعل ہر رکعت میں مکرر (دو دفعہ) ہوتا ہے یعنی سجدہ یا تمام نماز میں مقرر ہوتا ہے جیسا کہ عدد رکعت ان میں ترتیب ہونا یعنی کوئی فیصلہ نہ ہونا پس قرآت و رکوع، سجدوں اور رکعتوں میں ترتیب قائی رکھنا واجب ہے یعنی الحمد اور سورۃ کے درمیان کسی اجنبی کا فاصل نہ ہونا (آمین سورۃ الحمد کے تابع ہے۔ بسم اللہ سورۃ کے تابع ہے اس لئے یہ اجنبی و فاصل نہیں ہو) اور قرآت کے بعد متصلاً رکوع کرنا ایک سجدہ کے بعد دوسرا سجدہ متصلاً ہونا کہ دونوں کے درمیان کوئی رکن فاصل نہ ہو واجب ہے

۹-قومہ کرنا یعنی رکوع سے سیدھا کھڑا ہونا۔ ۱۰-سجدہ میں پیشانی کے اکثر حصہ کا لگانا، کچھ پیشانی کا لگانا فرض ہیا گرچہ قلیل

ہو۔ ۱۱- جلسہ یعنی دونوں سجدوں کے درمیان میں سیدھا بیٹھنا

۱۲- تعدیل ارکان یعنی رکوع وسجود وقومہ وجلسہ کو اطمنان سے اچھی طرح ادا کرنا یعنی ان میں کم از کم ایک بار سبحان اللہ کہنے کی مقدار ٹھرنا، تعدیل اعضا کے ایسے سکون کو کہتے ہیں کہ ان کے سب جوڑ کم سے کم سبحان اللہ کہنے کی مقدار ٹھر جائیں

۱۳- پہلا قعدہ یعنی تین یا چار رکعت والی فرض نماز اور چار رکعت والی نفل نماز میں دو رکعتوں کے بعد تشہد کی مقدار بیٹھنا

۱۴- ہر قعدے میں پورا تشہد یعنی التحیات آخیر تک پڑھنا اگر ایک لفظ بھی چھوڑ دے گا تو ترکِ واجب ہوگا

۱۵- فرض وواجب (وتر) اور سنن موکدہ کے قعدہ اولیٰ میں تشہد (تشہد کے بعد کچھ نہ پڑھنا) پر کچھ نہ پڑھنا اللھم صلی علی محمد یا اس کی مقدار ہو بڑھانے سے ترک واجب ہوگا اگر چہ اتنی دیر خاموش رہے اور کچھ نہ پڑھے اس سے کم مقدار ہو تو ترک واجب نہیں ہوگا۔ ۱۶- سلام کے لفظ کے ساتھ نماز سے باہر ہونا

۱۷- دوبار لفظ اَلسلامُ کہنا واجب ہے علَیکُم واجب نہیں، پہلے سلام پر نماز سے باہر ہو جاتا ہے اس کے بعد امام کی اقتدا درست نہیں۔ ۱۸- نماز وتر میں دعائے قنوت کے لئے اللہ اکبر کہنا۔ ۱۹- نماز وتر میں دعائے قنوت پڑھنا

۲۰- دونوں عیدوں کی نماز میں چھ زائد تکبیریں کہنا یعنی ہر رکعت میں تین بار اللہ اکبر کہنا ہر تکبیر جداگانہ واجب ہے ایک تکبیر بھی چھوڑ دے گا تو ترک واجب ہوگا۔ ۲۱- دونوں عیدوں کی نماز میں دوسری رکعت کے رکوع کی تکبیر لفظ اللہ اکبر سے کہنا اگر کسی اور لفظ سے کہے گا تو ترک واجب ہوگا جیسا کہ ہر نماز میں تکبیر تحریمہ کا حکم ہے

۲۲- امام کو جہری نمازوں میں جہر کرنا یعنی مغرب اور عشاء کی پہلی دو رکعتوں میں اور نماز فجر وجمعہ وعیدین اور تروایح ورمضان المبارک کے وتروں کی ہر رکعت میں جہر یعنی آواز سے پڑھنا جہر کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ اس کی آواز قریب والے سن سکیں اگر اکیلا نماز پڑھے تو جہری نمازوں میں جہر کرنا اس پر واجب نہیں البتہ افضل ہے اگر جہری نمازیں قضا ہو جائیں ان کو جماعت سے قضا کرے تو امام ان کو بھی جہر ہی سے پڑھے اور منفرد کو اختیار ہے خواہ جہر کرے یا آہستہ پڑھے

۲۳- امام کو دوسری نمازوں یعنی نماز ظہر وعصر کی کل رکعتوں میں اگر چہ عرفات میں ہو اور نماز مغرب کی تیسری رکعت اور نماز عشا کی آخری دو رکعتوں اور دن کے نوافل مثلاً کسوف واستسقاء میں آہستہ قرآت کرنا آہستہ پڑھنے کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ اپنی آواز وہ خود سن سکے یا اس کے قریب کا ایک دو آدمی سن لیں صرف خیال دوڑا لینے سے نماز نہیں ہوگی بلکہ زبان سے پڑھنا ضروری ہے

۲۴- نماز کے اندر ہر فرض یا واجب کا اس کے مقام پر ادا کرنا یعنی دو فرض یا دو واجب یا فرض و واجب کے درمیان تین تسبیح (تین با سبحان اللہ کہنے) کی مقدار تاخیر نہ کرنا

۲۵- پہلی اور تیسری رکعت کے دوسرے سجدے کے بعد قعدہ نہ کرنا یعنی ایک رکن کی مقدار دیر نہ کرنا۔ ۲۶- ایک رکعت میں رکوع دو دفعہ نہ کرنا یعنی ہر رکعت میں رکوع ایک ہی بار ہونا۔ ۲۷- ہر رکعت میں دو ہی سجدے کرنا تین سجدے نہ کرنا۔ ۲۸- نماز میں آیت سجدہ پڑھی تو سجدہ تلاوت کرنا۔ ۲۹- نماز میں سہو ہوا تو سجدہ سہو کرنا۔ ۳۰- آیت سجدہ پڑھی تو سجدہ تلاوت ادا کرنے میں تین آیت یا اس سے زیادہ تاخیر نہ کرنا۔ ۳۱- قرآت کے سوا تمام واجبات میں امام کی متابعت کرنا۔

فصل فی سننها

﴿یہ فصل نماز کی سنتوں کے بیان میں ہے﴾

نماز کی سنتوں کا بیان

وهى احدى وخمسون رفع اليدين للتحريمة حذاء الأذنين للرجل والأمة وحذاء المنكبين للحرة ونشر الأصابع ومقارنة إحرام المقتدى لإحرام إمامه ووضع الرجل يده اليمنى على اليسرى تحت سرته وصفة الوضع أن يجعل باطن كف اليمنى على ظاهر كف اليسرى محلقا بالخنصر والإبهام على الرسغ ووضع المرأة يديها على صدرها من غير تحليق والثناء والتعوذ للقراءة

والتسمية أول كل ركعة والتأمين والتحميد والإسرار بها والاعتدال عند التحريمة من غير طأطأة الراس وجهر الإمام بالتكبير والتسميع وتفريج القدمين فى القيام قدر أربع أصابع وأن تكون السورة المضمومة للفاتحة من طوال المفصل فى الفجر والظهر ومن أوساطه فى العصر والعشاء ومن قصاره فى المغرب لو كان مقيما ويقرأ أى سورة شاء لو كان مسافرا وإطالة الأولى فى الفجر فقط وتكبيرة الركوع وتسبيحه ثلاثا وأخذ ركبتيه بيديه وتفريج أصابعه والمرأة لا تفرجها ونصب ساقيه وبسط ظهره وتسوية رأسه بعجزه والرفع من الركوع والقيام بعده مطمئنا ووضع ركبتيه ثم يديه ثم وجهه للسجود وعكسه النهوض وتكبير السجود وتكبير الرفع وكون السجود بين كفيه وتسبيحه ثلاثا ومجافاة الرجل بطنه عن فخذيه ومرفقيه عن جنبيه وذراعيه عن الأرض وانخفاض المرأة ولزقها بطنها بفخذيها والقومة والجلسة بين السجدتين

ترجمہ

نماز کی اکاون سنتیں ہیں۔ ا۔تکبیر تحریمہ کے لیے مرد اور لونڈی کا کانوں کے برابر اور آزاد عورت کا کاندھوں کے برابر ہاتھوں

کو اٹھانا۔۲-انگلیوں کو کھلا رکھنا۔

۳-مقتدی کا اپنی تکبیر تحریمہ کو امام کی تکبیر تحریمہ سے ملانا۔۴-مرد کا دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ کے اوپر ناف کے نیچے رکھنا۔رکھنے کا طریقہ یہ ہے کہ دائیں ہاتھ کی ہتھیلی کا اندرونی حصہ بائیں ہاتھ کی ہتھیلی کی پشت پر اس طرح رکھے کہ چھوٹی انگلی اور انگوٹھے کے ساتھ کلائی پر گھیرا باندھے۔۵-عورت کا اپنے ہاتھ کو گھیرا باندھے بغیر سینے پر رکھنا۔۶-ثناء پڑھنا۔۷-قراءت کے لیے اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم پڑھنا۔۸-ہر رکعت کے شروع میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھنا۔۹-آمین کہنا۔۱۰-ربنا لک الحمد کہنا۔۱۱-ان سب کو آہستہ کہنا۔۱۲-تکبیر تحریمہ کہتے وقت سر کو جھکائے بغیر سیدھا کھڑا ہونا۔۱۳-امام کا بلند آواز سے تکبیر کہنا۔۱۴-سمع اللہ لمن حمدہ کہنا۔۱۵-قیام کی حالت میں چار انگلیوں کا اندازہ قدموں کو کشادہ رکھنا۔۱۶-جو سورت ملائی جائے وہ فجر اور ظہر کی نماز میں طوال مفصل سے، عصر اور عشاء میں اوساط مفصل سے اور مغرب میں قصار مفصل سے ہو اگر نمازی مقیم ہو۔اگر مسافر ہو تو جو سورت چاہے پڑھے۔۱۷-صرف فجر کی نماز میں پہلی رکعت کو لمبا کرنا۔۱۸-رکوع کی تکبیر۔۱۹-کم از کم تین بار تسبیح کہنا۔۲۰-(حالت رکوع میں) گھٹنوں کو ہاتھوں سے پکڑنا۔۲۱- انگلیوں کو کشادہ رکھنا عورت کشادہ نہ کرے۔۲۲-پنڈلیوں کو کھڑا کرنا۔۲۳-پیٹھ کو بچھا دینا۔۲۴-سر کو سرین کے برابر رکھنا۔۲۵-رکوع سے اٹھنا۔۲۶-اس کے بعد مطمئن ہو کر کھڑا ہو جانا۔۲۷-سجدہ کرنے کے لیے پہلے گھٹنوں پھر ہاتھوں اور پھر چہرے کو رکھنا۔۲۸-اور اٹھنے میں اس کا الٹ کرنا۔۲۹-سجدے سے اٹھنے کے لیے تکبیر کہنا۔۳۰-سجدہ دونوں ہتھیلیوں کے درمیان ہونا۳۱-سجدے میں کم از کم تین بار تسبیح کہنا۔۳۲-مرد کا اپنے پیٹ کو رانوں سے، کہنیوں کو پہلوؤں سے اور بازوؤں کو زمین سے الگ رکھنا۔۳۳-عورت کا جھک جانا اور پیٹ کو رانوں سے ملا لینا۔۳۴-قومہ کرنا۔۳۵-دو سجدوں کے درمیان جلسہ کرنا۔

تکبیر تحریمہ سے متعلق سنتوں کا بیان

۱-تکبیر تحریمہ کے لئے دونوں ہاتھوں کو اٹھانا،۲-دونوں ہاتھوں کو تکبیر سے پہلے اٹھانا،

۳-دونوں ہاتھوں کا کانوں تک اٹھانا اس طرح کہ انگوٹھے کانوں کی لو کے مقابل ہوں اور انگلیوں کے سرے کانوں کے کناروں کے مقابل ہوں عورتیں دونوں ہاتھ کندھے تک اٹھائیں عذر کی حالت میں مردوں کو بھی کندھوں تک اٹھانے میں مضائقہ نہیں،

۴-ہاتھ اٹھاتے وقت دونوں ہاتھوں کی انگلیاں اپنے حال پر کھلی رکھنا یعنی نہ بہت ملی ہوئی ہوں اور نہ بہت کھلی ہوں،۵-انگلیوں اور ہتھلیوں کو قبلہ رخ رکھنا،۶-تکبیر کہتے وقت سر کو نہ جھکانا بلکہ اعتدال کے ساتھ کھڑا ہونا،

۷-تکبیر تحریمہ کے بعد ناف کی نیچے دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھنا اس طرح کہ دائیں ہاتھ کی ہتھیلی بائیں ہاتھ کی کلائی کے جوڑ پر رہے انگوٹھے اور چھنگلیا سے حلقہ بنا کر کلائی کو پکڑے باقی تین انگلیاں کلائی کی پشت پر رہیں عورتیں سینے پر دائیں ہاتھ کی ہتھیلی کو بائیں ہاتھ کی پشت پر رکھیں اور حلقہ نہ بنائیں۔

قیام وقرآت کی سنتیں

۸- پھر پہلی رکعت میں ثنا یعنی سبحانک اللھم آخر تک پڑھنا، ۹- پھر پہلی رکعت میں تعوذ یعنی اعوذ باللہ الخ پڑھنا ۱۰- پھر ہر رکعت میں الحمد سے پہلی بسم اللہ پڑھنا۔ ۱۱- فرض نماز کی تیسری اور چوتھی رکعت میں صورۃ فاتحہ پڑھنا

۱۲- ہر رکعت میں الحمد ختم ہونے پر آمین کہنا خواہ امام ہو یا منفرد اور جہری نمازوں میں مقتدی بھی کہے۔ ۱۳- ثنا و تعوذ و بسم اللہ و آمین کو آہستہ کہنا

۱۴- جس جس نماز میں جس قدر قرآن پڑھنا سنت ہے اس کے موافق قرآن پڑھنا۔ ۱۵- صرف فجر کی نماز میں پہلی رکعت کی قرآت دوسری سے لمبی کرنا۔

رکوع کی سنتیں

۱۶- رکوع میں تین بار سبحان ربی العظیم پڑھنا۔ ۱۷- رکوع میں پیٹھ وسرین کو اس طرح ہموار کر دینا کہ پانی کا پیالہ اس کی پیٹھ پر رکھ دیا جائے تو ٹھہرا رہے

۱۸- رکوع میں سر اور پیٹھ کو ایک سیدھ میں رکھنا سر کو نہ اونچا رکھے نہ نیچا بلکہ سر اور پیٹھ اور سرین تقریباً ایک سیدھ میں برابر ہوں

۱۹- دونوں ہاتھوں کی انگلیوں سے گھٹنوں کو پکڑنا۔ ۲۰- اور انگلیوں کے خوب کھلا رکھنا۔ ۲۱- پنڈلیوں کو سیدھا کھڑا رکھنا اور گھٹنوں میں خم نہ دینا۔ ۲۲- دونوں ہاتھوں سے دونوں گھٹنوں پر سہارا دینا

۲۳- بازؤں کو پہلوؤں سے جدا رکھنا (رکوع کا یہ مسنون طریقہ مردوں کے لئے ہے عورتوں رکوع میں صرف اس قدر جھکیں کہ ہاتھ گھٹنوں تک پہنچ جائیں کمر بالکل سیدھی نہ بچھائیں، ہاتھ کی انگلیاں ملی ہوئی ہوں اور گھٹنوں پر ہاتھ صرف رکھ دیں، زور نہ دیں گھٹنوں میں خم رکھیں اور بازو پہلو سے ملے رہیں۔

قومہ اور تبدیلیِ رکن کی سنتیں

۲۴- قومہ میں امام سَمِعَ اللّٰہُ لِمَن حَمِدَہ اور مقتدی رَبَّنَا لَکَ الحَمدُ کہے اور منفرد یہ دونوں کہے۔ ۲۵- رکن تبدیل کرتے وقت تکبیر کہنا یعنی رکوع وسجود میں جاتے وقت اور سجود سے اٹھتے وقت اللہُ اَکبَر کہنا۔

۲۶- امام کو رکن کی تبدیلی کی تکبیر اور تسمیع اور سلام بقدر ضرورت بلند آواز سے کہنا اور اس میں لوگوں کو خبر دار کرنے کی نیت کرنا اسی طرح مکبر بھی خبردار کرنے کی نیت سے تکبیر و رَبَّنَا لَکَ الحَمد کہے مقتدی ومنفرد آہستہ کہے کہ خود سن سکے۔

نماز کی بعض سنتوں کا بیان

وَوضع اليدين على الفخذين فيما بين السجدتين كحالة التشهد وافتراش رجله اليسرى ونصب اليمنى وتورك المرأة والإشارة فى الصحيح بالمسبحة عند الشهادة يرفعها عند النفي ويضعها عند الإثبات وقراءة الفاتحة فيما بعد الأولیين والصلاة على سيدنا النبى

صلى الله عليه وسلم فى الجلوس الأخير والدعاء بما يشبه ألفاظ القرآن والسنة لا كلام الناس والالتفات يمينا ثم يسارا بالتسليمتين ونية الإمام الرجال والحفظة وصالح الجن بالتسليمتين فى الأصح ونية المأموم إمامه فى جهته وإن حاذاه نواه فى التسليمتين مع القوم والحفظة وصالح الجن ونية المنفرد الملائكة فقط وخفض الثانية عن الأولى ومقارنته لسلام الإمام والبداءة باليمين وانتظار المسبوق فراغ الإمام فصل فى آداب الصلاة من آدابها إخراج الرجل كفيه من كميه عند التكبير ونظر المصلى الى موضع سجوده قائما والى ظاهر القدم راكعا والى أرنبة أنفه ساجدا والى حجره جالسا والى المنكبين مسلما ودفع السعال ما استطاع وكظم فمه عند التثاؤب والقيام حين قيل حي على الفلاح وشروع الإمام مذ قيل قد قامت الصلاة

ترجمہ

۳۶-دوسجدوں کے درمیان تشہد کی حالت کی طرح ہاتھوں کورانوں پر رکھنا۔۳۷-بائیں پاؤں کو بچھانا اور دائیں پاؤں کو کھڑا کرنا۔۳۸-عورت کا تورک کرنا ۳۹-صحیح قول کے مطابق شہادت کے وقت شہادت کی انگلی سے اشارہ کرنا نفی کے وقت اٹھائے اور اثبات کے وقت رکھ دے۔۴۰-پہلی دورکعتوں کے بعدوالی رکعت میں سورت فاتحہ پڑھنا۔۴۱-آخری قعدہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف بھیجنا۔۴۲-قرآن وسنت کے الفاظ سے مشابہ کلمات کے ساتھ دعا مانگنا لوگوں کے کلمات سے نہ مانگے۔۴۳-سلام پھیرتے ہوئے دائیں بائیں متوجہ ہونا۔۴۴-دونوں سلام پھیرتے وقت امام کا مردوں، محافظ فرشتوں اور نیک جنوں کی نیت کرنا یہ زیادہ صحیح بات ہے۔۴۵-مقتدی کا امام کی جہت میں اس کی نیت کرنا اگر اس کے بالکل پیچھے ہوتو دونوں سلاموں میں اس کی نیت کرے اور اس کے ساتھ ساتھ قوم، محافظ فرشتوں اور نیک جنوں کی نیت بھی کرنا۔۴۶-منفرد آدمی صرف فرشتوں کی نیت کرنا۔۴۷-پہلے سلام سے دوسرے کو پست رکھنا۔۴۸-(مقتدی کا اپنے) سلام کو امام کے سلام سے ملانا۔۴۹-دائیں طرف سے ابتداء کرنا۔۵۰-مسبوق کا امام کے فارغ ہونے کا انتظار کرنا۔

۱-نماز کے مستحبات سے ہے کہ مرد تکبیر کہتے وقت ہاتھوں کو آستینوں سے باہر نکالے۔۲-نمازی قیام کی حالت میں سجدے کی جگہ پر، رکوع کی صورت میں قدم کی پشت پر، سجدے کی حالت میں ناک کے کنارے پر بیٹھنے کی حالت میں اپنی گود میں اور سلام پھیرتے وقت اپنے کندھوں پر نظر رکھے۔۳-جس قدر ممکن ہو کھانسی کو دور کرنا۔۴-جمائی کے وقت منہ کو بند رکھنا۔۵-حی علی الفلاح کے وقت کھڑا ہونا اور امام کا (اس وقت نماز) شروع کرنا جب قد قامت الصلوٰۃ کہا جائے۔

سجدے سے متعلق سنتوں کا بیان

۲۷-سجدے میں جاتے وقت پہلے دونوں گھٹنے پھر دونوں ہاتھ پھر ناک پھر پیشانی رکھنا۔۲۸-سجدے سے اٹھتے وقت اس

کے برعکس پہلے پیشانی پھر ناک پھر دونوں ہاتھ پھر گھٹنے اٹھانا۔

۲۹-سات اعضاء (دونوں گھٹنے دونوں ہاتھ دونوں پاؤں کے پنجے اور پیشانی) پر سجدہ کرنا، ناک پیشانی کے ساتھ شامل ہے اس لئے صرف پیشانی پر سجدہ کرنا کراہت کے ساتھ جائز ہے اور صرف ناک پر سجدہ کرنا بلا عذر جائز نہیں عذر کے ساتھ جائز ہے جبکہ ناک کا سخت حصہ زمین پر لگے ورنہ جائز نہیں

۳۰-سجدے میں دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو ملا ہوا رکھنا۔۳۱-اور اُن انگلیوں کو قبلہ رخ رکھنا۔۳۲-سجدہ دونوں ہتھیلیوں کے درمیان کرنا۔۳۳-سجدے میں دونوں پاؤں کی سب انگلیوں کو قبلہ رخ رکھنا۔۳۴-اور سب انگلیوں کے پیٹ زمین پر لگنا۔۳۵-اپنی ہتھلیوں پر سہارا دینا۔۳۶-بازؤں کو پہلوؤں سے جدا رکھنا لیکن جماعت کے اندر پہلو سے ملا رکھنا۔۳۷-کہنیوں کو زمین پر نہ بچھانا بلکہ اٹھا ہوا رکھنا۔

۳۸-پیٹ کو رانوں سے جدا رکھنا۔سجدہ کا یہ طریقہ مردوں کے لئے ہے عورتیں بازو پہلوؤں سے اور پیٹ ران سے اور ران پنڈلیوں سے اور کہنیاں زمین سے ملا دیں پاؤں کے پنجے کھڑے نہ کریں اور ہاتھوں پر زور نہ دیں بلکہ جس طرح التحیات میں بیٹھتی ہیں اسی طرح بیٹھ کر اور سمٹ کر سجدے کے لئے پیشانی زمین پر لگائیں۔

۳۹-اگر عذر نہ ہو تو سجدے میں دونوں ہاتھ اور دونوں گھٹنے علی الترتیب ایک ساتھ زمین پر رکھنا اگر عذر کی وجہ سے ایسا نہ کر سکے تو دائیں ہاتھ اور گھٹنے کو بائیں پر مقدم کرنا، ۴۰-ہر سجدے میں تین بار سُبحانَ رَبِّیَ الاعلٰی کہنا۔

۴۱-دوسرے سجدے کے بعد جب دوسری رکعت کے لئے کھڑا ہو تو پنجوں کے بل اٹھنا، ۴۲-گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر اٹھنا (عذر کی حالت میں زمین پر ہاتھ رکھ کر اٹھنے میں حرج نہیں۔

جلسہ وقومہ کی سنتیں

۴۳-ہر جلسہ وقعدہ میں بایاں پاؤں بچھا کر اس پر بیٹھنا

۴۴-دائیں پاؤں کو اس طرح کھڑا رکھنا کہ اس کی انگلیوں کے سرے قبلہ کی طرف رہیں

۴۵-دونوں ہاتھ رانوں پر رکھنا

۴۶-اور ہاتھوں کی انگلیوں کو اپنی حالت پر چھوڑنا

۴۷-انگلیوں کے کنارے گھٹنوں کے پاس ہونا، گھٹنے کو پکڑنا نہیں چاہئے (عورتیں بائیں سرین پر بیٹھ کر اپنے دونوں پاؤں داہنی طرف نکال دیں)

۴۸-تشہد میں اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ پر کلمہ شہادت کی انگلی سے اشارہ کرنا

۴۹-قعدہ اولیٰ کے بعد تیسری رکعت کے لئے اٹھتے وقت گھٹنوں پر ہاتھوں کا زور دے کر اٹھنا، بلا عذر زمین پر ہاتھ رکھ کر نہ اٹھنا جیسے قعدے یا رکعت کے بعد اٹھنا ہو اسی طرح اٹھنا سنت ہے،

۵۰-قعدہ آخرہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھنا۔درود ابراہیمی پڑھنا افضل ہے۔

۵۱- قعدہ آخرہ میں درود کے بعد سلام سے پہلے دعا پڑھنا

۵۲- دعا عربی زبان میں ہونا، دعا ایسی ہو جس کا بندوں سے مانگنا محال ہو

سلام کی سنتیں

۵۳- پہلے دائیں طرف پھر بایں طرف سلام پھیرنا،

۵۴- سلام کے وقت منھ کو دائیں اور بائیں طرف پھیرنا اس طرح پر کہ اس کے داہنے رخسار کی سفیدی اس طرف کے پیچھے والے نمازی کو نظر آ جائے اور اسی قدر بائیں طرف کو پھرے

۵۵- امام کو دونوں سلام بلند آواز سے کہنا،

۵۶- مگر دوسرے سلام کا پہلے کی نسبت پست آواز سے ہونا،

۵۷- امام کو داہنی طرف کے سلام میں دائیں طرف والے اور بائیں طرف کے سلام میں بائیں طرف والے مقتدیوں اور فرشتوں کی نیت کرنا، مقتدی کو ہر طرف کے سلام میں اس طرف کے مقتدیوں اور فرشتوں کی اور جس طرف امام ہو تو اس طرف کے سلام میں امام کی بھی نیت کرنا اگر مقتدی بالکل امام کے پیچھے ہو تو دونوں سلاموں میں امام کی بھی نیت کرے، منفرد دونوں طرف میں صرف فرشتوں کی نیت کرے،

۵۸- سلام ان لفظوں سے ہونا، اَلسَّلَامُ عَلَیکُم وَ رَحمَتُ اللّٰہِ

۵۹- سلام کے بعد دائیں یا بائیں طرف یا مقتدیوں کے سامنے کی طرف پھر کر بیٹھنا جب کہ کوئی مقتدی اس کے سامنے بلا سترہ نماز میں نہ ہو

مقتدی سے متعلق سنتیں

۶۰- مقتدی کے تمام ارکان امام کے ساتھ ادا ہونا اسی طرح مقتدی کی تکبیر تحریمہ کا امام کے ساتھ ہونا۔

فصل فی كيفية تركيب الصلاة

﴿یہ فصل نماز کے طریقہ کار کے بیان میں ہے﴾

نماز پڑھنے کے طریقے کا بیان

اذا أراد الرجل الدخول في الصلاة أخرج كفيه من كيمه ثم رفعهما حذاء أذنيه ثم كبر بلا مـد ناويا ويصح الشروع بكل ذكر خالص لله تعالى كسبحان الله وبالفارسية إن عجز عن العربية وإن قدر لا يصح شروعه بالفارسية ولا قراء ته بها في الأصح ثم وضع يمينه على يساره تحت سرته عقب التحريمة بلا مهلة مستفتحا وهو أن يقول سبحانك اللّٰهم وبحمدك وتبارك اسمك وتعالى جدك ولا إله غيرك ويستفتح كل مصل ثم تعوذ للقراء ة فيأتي به المسبوق لا المقتدى ويؤخر عن تكبيرات العيدين ثم يسمى سرا ويسمى في كل ركعة قبل الفاتحة فقط ثم قرأ الفاتحة وأمن الإمام والمأموم سرا ثم قرأ سورة أو ثلاث آيات ثم كبر راكعا مطمئنا مسويا رأسه بعجزه آخذا ركبتيه بيديه مفرجا أصابعه وسبح فيه ثلاثا وذلك أدناه ثم رفع رأسه واطمأن قائلا سمع الله لمن حمده ربنا لك الحمد لو أماما أو منفردا والمقتدى يكتفي بالتحميد ثم كبر خارا للسجود ثم وضع ركبتيه ثم يديه ثم وجهه بين كفيه وسجد بأنفه وجبهته مطمئنا مسبحا ثلاثا وذلك أدناه وجافى بطنه عن فخذيه وعضديه عن إبطيه في غير زحمة موجها أصابع يديه ورجليه نحو القبلة والمرأة تخفض وتلزق بطنها بفخذيها ثم رفع رأسه مكبرا وجلس بين السجدتين واضعا يديه على فخذيه مطمئنا ثم كبر وسجد

ترجمہ

جب کوئی مرد نماز شروع کرنے کا ارادہ کرے تو اپنی ہتھیلیوں کو آستینوں سے باہر نکالے پھر ان کو کانوں کے برابر اٹھالے۔ اس کے بعد نیت کرتے ہوئے تکبیر تحریمہ کہے بغیر مد کے۔ ہر اس ذکر کے ساتھ نماز شروع کرنا صحیح ہے جو خالص اللہ تعالیٰ کے لیے ہو۔ مثلاً سبحان اللہ اگر عربی سے عاجز ہو تو فارسی میں بھی جائز ہے۔ اور اگر عربی پر قادر ہو تو فارسی میں شروع کرنا صحیح نہیں۔ تکبیر تحریمہ

کے فوراً بعد اپنے دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر ناف کے نیچے رکھے اور ثناء پڑھے یعنی یوں کہے **سبحانك اللهم** آخر تک یا اللہ ہم تیری تعریف کرتے ہوئے تیری پاکیزگی بیان کرتے ہیں تیرا نام برکت والا اور تیری شان بلند ہے اور تیرے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ ہر نمازی ثناء پڑھے پھر قراءت کے لیے **اعوذ باللہ من الشیطین الرجیم** آہستہ آواز سے پڑھے۔ اسے مسبوق پڑھے مقتدی نہ پڑھے **اعوذ باللہ** عیدین کی تکبیروں کے بعد پڑھے۔ پھر آہستہ آواز سے بسم اللہ پڑھے، ہر رکعت میں صرف سورت فاتحہ سے پہلے بسم اللہ پڑھے اس کے بعد سورت فاتحہ پڑھے اور امام و مقتدی آہستہ آواز سے آمین کہیں۔ پھر کوئی سورت یا تین آیات پڑھے۔ اس کے بعد تکبیر کہہ کر رکوع میں چلا جائے اور اطمینان سے رکوع کرے سر کو سرین کے برابر رکھے گھٹنوں کو ہاتھوں سے پکڑے انگلیوں کو کشادہ رکھے اور تین بار تسبیح کہے اور یہ کم از کم ہے۔ اس کے بعد سر اٹھائے اور **سمع اللہ لمن حمدہ** (اللہ تعالیٰ نے اس کی بات سنی جس نے اس کی تعریف کی) کہتے ہوئے اطمینان سے کھڑا ہو جائے۔ اگر امام یا اکیلا ہے تو **ربنا لك الحمد** (اے ہمارے رب تیرے ہی لیے تعریف ہے) کہے مقتدی ہو تو صرف **ربنا لك الحمد** کہے پھر سجدے کے لیے جھکتے ہوئے تکبیر کہے۔ اس کے بعد اپنے ہاتھ رکھے پھر دونوں ہتھیلیوں کے درمیان سر کو رکھے اور اطمینان سے ناک اور پیشانی کے ساتھ سجدہ کرے تین بار تسبیح کہے اور یہ کم از کم ہے۔ اگر بھیڑ نہ ہو تو پیٹ کو رانوں سے اور بازوؤں کو بغلوں سے دور رکھے۔ ہاتھوں اور پاؤں کی انگلیوں کو قبلہ رخ کرے، عورت جھک جائے اور اپنے پیٹ کو رانوں سے ملا دے۔ دونوں سجدوں کے درمیان ہاتھوں کو رانوں پر رکھتے ہوئے مطمئن ہو کر بیٹھے پھر تکبیر کہے اور مطمئن ہو کر سجدہ کرے۔

نماز کی پوری ترکیب کا بیان

نماز کی پوری ترکیب جو سلف سے منقول چلی آرہی ہے جس میں سب فرض و واجب و سنت اور مستحب اپنی اپنی جگہ پر ادا ہوں اس طرح پر ہے کہ جب نماز پڑھنے کا ارادہ ہو تو تمام شرائطِ نماز کے ساتھ شروع کرے یعنی پہلے اپنا بدن حدث اکبر و اصغر اور ظاہری ناپاکی سے پاک کر کے پاک کپڑے پہن کر پاک جگہ پر قبلے کی طرف منہ کر کے اس طرح کھڑا ہو کہ دونوں قدموں کے درمیان چار انگل یا اس کے لگ بھگ فاصلہ رہے پھر جو نماز پڑھنی ہے اس کی نیت دل میں کرے مثلاً یہ کہ آج کی فجر کی فرض نماز اللہ تعالیٰ کے واسطے پڑھتا ہوں اور زبان سے بھی کہہ لے تو اچھا ہے پھر دونوں ہاتھ کانوں کی لو تک اٹھائے اس طرح کہ ہاتھوں کی ہتھیلیاں اور انگلیاں قبلہ رخ رہیں اور انگوٹھے کانوں کی لو کے مقابل ہوں، انگلیوں کے سرے کانوں کے کناروں کے مقابل ہوں انگلیاں اعتدال کے ساتھ ایک دوسرے سے جدا رہیں یعنی عادت کے مطابق درمیانی حالت میں ہوں، بالکل ملی ہوئی یا زیادہ کھلی ہوئی نہ ہوں اور جب کانوں کی لو تک انگوٹھے پہنچ جائیں تو تکبیر یعنی اللہ اکبر کہے، ہاتھ تکبیر سے پہلے اٹھائے یہی اصح ہے تکبیر تحریمہ کے وقت سر نہ جھکائے بلکہ اعتدال کے ساتھ کھڑا رہے اور تمام نماز میں اسی اعتدال کے ساتھ کھڑا ہو، تکبیر تحریمہ سے فارغ ہوتے ہی دونوں ہاتھ ناف کے نیچے باندھ لے، بعض ناواقف لوگ تکبیر تحریمہ سے فارغ ہوتے ہی دونوں ہاتھوں کے نیچے لٹکا دیتے ہیں پھر ان کو ناف کے نیچے باندھتے ہیں، یہ لٹکانا ٹھیک نہیں ہے ایسا نہیں کرنا چاہئے ناف کے نیچے اس طرح ہاتھ باندھے کہ دائیں ہاتھ کی ہتھیلی بائیں ہاتھ کی پشت پر یعنی کلائی کے جوڑ پر رہے اور انگوٹھے اور چھنگلیا سے حلقہ کے طور پر بائیں ہاتھ کی کلائی کو پکڑ لے باقی

تین انگلیاں کلائی کی پشت پر رہیں اور نظر سجدے کی جگہ پر رہے پھر آہستہ آواز سے کہ جس کو صرف خود سن سکے ثنا پڑھے اور وہ یہ ہے

سُبحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَ بِحَمدِكَ وَ تَبَارَكَ اسمُكَ وَ تَعَالٰی جَدُّكَ وَلَا اِلٰهَ غَيرُكَ،

پھر تعوذ یعنی اَعُوذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیطٰنِ الرَّجِیم ط پڑھے اور سنت یہ ہے کہ اسے آہستہ پڑھے امام ابوحنیفہ و امام محمد کے نزدیک تعوذ قرآت کے تابع ہے ثنا کا تابع نہیں اس پر فتویٰ ہے اس لئے مسبوق جب اپنی باقی نماز پڑھنے کے لئے کھڑا ہو تو تعوذ پڑھے، اور جو مقتدی شروع سے امام کے ساتھ شریک ہو وہ تعوذ نہ پڑھے کیونکہ وہ قرآت نہیں پڑھے گا اور عیدین کی نماز میں پہلی رکعت میں عید کی تکبیروں کے بعد تعوذ پڑھے اس لئے کہ تکبیروں کے بعد قرآت پڑھے گا اور تعوذ نماز شروع کرتے وقت یعنی پہلی رکعت میں ہے باقی رکعتوں میں نہیں ہے، پس اگر نماز شروع کر دی اور تعوذ کو بھول گیا یہاں تک کہ الحمد پڑھ لی پھر اس کے بعد یاد آیا تو تعوذ نہ پڑھے، اسی طرح اگر ثنا پڑھنا بھول گیا اور الحمد شروع کر دی درمیان میں یاد آیا تو اب اس کو نہ پڑھے، اس لئے کہ ان کو پڑھنے کا موقع جاتا رہا، تعوذ کے بعد بسم اللہ الرحمٰن الرحیم آہستہ پڑھے خواہ وہ نماز جہری ہو یا سری اور خواہ امام ہو یا منفرد، بسم اللہ ہر رکعت کے اول میں پڑھے یعنی الحمد سے پہلے پڑھے اسی پر فتویٰ ہے، فاتحہ اور سورۃ کے درمیان میں بسم اللہ پڑھنا سنت نہیں ہے خواہ نماز سری ہو، یہی صحیح ہے لیکن مکروہ بالاتفاق نہیں بلکہ سورۃ سے پہلے آہستہ پڑھنا مستحب ہے اگرچہ جہری نماز ہو، البتہ اگر سورۃ کی جگہ آیات پڑھے تو اس کے شروع میں بسم اللہ پڑھنا بالاتفاق سنت نہیں ہے، بسم اللہ کے بعد الحمد شریف (سورۃ فاتحہ) پڑھے جبکہ وہ منفرد یا امام ہو اور مقتدی نہ پڑھے اور جب سورۃ فاتحہ ختم کر لے تو آہستہ سے آمین کہے خواہ تنہا نماز پڑھنے والا ہو یا امام یا مقتدی ہو جبکہ قرآت سنتا ہو، اور اس پر اتفاق ہے کہ یہ نماز کا جز نہیں اس کے معنی ہیں "اے اللہ تو ہماری دعائیں قبول کر" آمین میں دو لغت ہیں مدّ بھی ہے اور قصر بھی، یعنی بغیر مدّ کے بھی اس کے تلفظ کی نو سورتیں ہیں، ان میں سے ان پانچ سورتوں میں نماز فاسد نہیں ہوتی

۱- آمین الف کی مد کے ساتھ، اس طرح کہنا سنت اور افضل ہے

۲- قصر کے ساتھ یعنی امین

۳- امالے کے ساتھ یعنی ایمین (ان دونوں طرح سے بھی جائز ہے اور سنت ادا ہو جاتی ہے لیکن افضل نہیں ہے)

۴- الف کا مدّ اور میم کی تشدید پڑھنا یعنی آمّین

۵- الف کا مدّ اور ی کا حذف یعنی آمن (ان دونوں سورتوں میں سنت ادا نہیں ہوتی لیکن نماز فاسد بھی نہیں ہوتی اس لئے کہ یہ الفاظ قرآن میں موجود ہیں) چار سورتیں ایسی ہیں جن سے نماز فاسد ہو جاتی ہے

۱- الف مقصورہ مع تشدید میم یعنی اَمّن

۲- الف مقصورہ مع حذف ی یعنی اَمن

۳- تشدید میم و حذف ی یعنی اَمّن

۴- الف مقصورہ و میم مقصورہ مع حذف ی یعنی اَمن۔ یہ چاروں الفاظ قرآن میں نہیں ہیں اس لئے مفسدِ نماز ہیں۔

اگر مقتدی آہستہ قرآت والی نماز یعنی ظہر و عصر میں امام سے وَلَا الضَّآلِّیْنَ سن لے تو بعض مشائخ نے کہا ہے کہ آمین نہ کہے

اس لئے کہ اس جہر کا کوئی اعتبار نہیں ہے اور بعض نے کہا ہے کہ آمین کہے، جمعہ یا عیدین کی نماز میں یا اور جس نماز میں جماعت کثیر ہو اگر مقتدی بلا واسطہ امام کی تکبیر نہ سُنے بلکہ بالواسطہ سن لے یعنی دوسرے مقتدیوں کی (جو امام کے قریب ہیں) آمین سن لے تو بعض کے نزدیک آمین کہے پھر کوئی سورۃ یا بڑی ایک آیت یا تین چھوٹی آیتیں پڑھے تا کہ واجب قرآت ادا ہو جائے بلکہ قرآتِ مسنونہ کے مطابق پڑھے تا کہ کراہتِ تنزیہی دور ہو، قرآتِ مسنونہ کا بیان آگے آتا ہے، قرآت صاف صاف اور صحیح صحیح پڑھے جلدی نہ کرے لیکن اگر امام کے پیچھے نماز پڑھے یعنی مقتدی ہو تو صرف ثنا پڑھ کر خاموش کھڑا رہے تعوذ و تسمیہ سورۃ فاتحہ نہ پڑھے قرآت سے فارغ ہو کر رکوع کرے اس طرح پر کہ کھڑا ہوا اللہ اکبر شروع کرے اور کہتے ہوئے جھکتا جائے یعنی تکبیر کی ابتدا جھکنے کی ابتدا کے ساتھ ہو اور فراغت اس وقت ہو جب پورا رکوع میں چلا جائے اور اس مسافت کو پورا کرنے کے لئے اللہ کے لام کو بڑھائے اکبر کی ب وغیرہ کسی حرف کو نہ بڑھائے معتمد قول یہ ہے کہ سب قرآت پوری کر کے رکوع میں جائے کوئی حرف یا کلمہ جھکنے کی حالت میں پورا کرنے میں بعض کے نزدیک کچھ مضائقہ نہیں لیکن یہ قول ضعیف اور غیر معتمد ہے، امام رکوع و سجود کی تکبیروں میں جہر کرے اور ہر تکبیر میں اللہ اکبر کی رکو جزم کرے یعنی ساکن کرے، رکوع میں انگلیوں کو کھلا کر کے ان سے گھٹنوں کو پکڑ لے اور دونوں ہاتھوں سے گھٹنوں پر سہارا دے انگلیوں کا کھلا رکھنا سوائے اس وقت کے اور انگلیوں کو ملا ہوا رکھنا سوائے حالت سجدہ کے اور کسی وقت سنت نہیں ہے یعنی نماز کے اندر ان دو موقعوں کے سوا اور سب موقعوں میں انگلیوں کو اپنی حالت میں رکھے نہ زیادہ کھلی ہوں نہ زیادہ ملی ہوئی ہوں، رکوع میں پیٹھ کو ایسا سیدھا بچھا دے کہ اگر اس پر پانی کا پیالہ رکھ دیا جائے تو ٹھیک رکھا رہے، سر کو نہ اونچا کرے نہ جھکائے بلکہ سر اور پیٹھ اور سرین ایک سیدھ میں رہیں، بازو پہلوؤں سے جدا رہیں، پنڈلیاں سیدھی کھڑی رہیں اپنے گھٹنوں کو کمان کی طرح جھکانا جیسا کہ اکثر عوام کرتے ہیں مکروہ ہے (بازوؤں میں بھی خم نہیں ہونا چاہیئے، اکثر عوام رکوع میں گھٹنوں اور بازوؤں میں خم کر دیتے ہیں) رکوع میں نظر دونوں پاؤں کی پیٹھ پر رہے اور سُبحَانَ رَبِّیَ العَظِیم تین بار پڑھے، یہ کم سے کم تعداد ہے اگر تسبیح بالکل نہ پڑھے یا ایک بار پڑھے تو بھی جائز ہے مگر مکروہِ تنزیہی ہے بلکہ صحیح یہ ہے کہ یہ کراہتِ تنزیہی سے زیادہ تحریمی سے کم ہے (اس میں ائمہ کا اختلاف ہے، امام مالک اور بعض احناف کے نزدیک ایک تسبیح کہنا واجب ہے اس لئے ضروری کہہ لینا چاہیئے تا کہ اختلاف ائمہ سے بچا رہے۔

جب رکوع طمانیت سے ہو جائے تب سر اٹھائے اور اگر طمانیت نہ ہوئی تو صحیح یہ ہے کہ ترک واجب کی وجہ سے سجدہ سہو لازم ہوگا، اگر امام ہے تو رکوع سے سر اٹھاتے ہوئی صرف سَمِعَ اللّٰہُ لِمَن حَمِدَہ پڑھے اور اگر مقتدی ہے تو صرف رَبَّنَا لَکَ الحَمد پڑھے اور سَمِعَ اللّٰہُ لِمَن حَمِدَہ نہ پڑھے اور اگر تنہا نماز پڑھے تو اصح یہ ہے کہ دونوں کو پڑھے اور سَمِعَ اللّٰہُ لِمَن حَمِدَہ رکوع سے اٹھتے ہوئے کہے یعنی سر اٹھانے کے ساتھ ہی یہ الفاظ شروع کر دے اور کھڑا ہونے تک پورا کرے، جھکے جھکے یا سیدھا ہو کر نہ کہے اور جب سیدھا ہو جائے تو رَبَّنَا لَکَ الحَمد کہے یہی سنت ہے کسی شخص نے رکوع سے اٹھتے وقت سَمِعَ اللّٰہُ لِمَن حَمِدَہ نہ کہا اور سیدھا کھڑا ہو گیا تو اب سَمِعَ اللّٰہُ لِمَن حَمِدَہ نہ کہے اور اسی طرح ہر اُس ذکر کا حال ہے جو حالت انتقال یعنی رکن بدلنے کے لئے ہے جیسے تکبیر کے قیام سے رکوع کی طرف جھکتے وقت یا رکوع سے سجدے کی طرف جھکتے وقت یا سجدے سے اٹھتے وقت کہتے ہیں، اگر اس کو اس کے مقام پر ادا نہ کرے تو بعد

میں ادا نہ کرے اسی طرح سجدے میں جو تسبیح باقی رہ جائے تو وہ سر اٹھانے کے بعد نہ کہے بلکہ ضروری ہے کہ ہر چیز میں اس کی جگہ کی رعایت کرے سَمِعَ اللّٰہُ لِمَن حَمِدَہٗ کی ہ کو جزم کرے اور حرکت (یعنی پیش) کو ظاہر نہ کرے یعنی ھُو نہ کہے (ایک قول کے مطابق ضمہ اشباع کے ساتھ یعنی حَمِدَھُو کہے) پھر جب سیدھا کھڑا ہے جائے تو تکبیر کہہ کر سجدے میں جائے، تکبیر (اللہ اکبر) جھکتے ہوئے کہے اور سجدے میں پہنچنے تک ختم کرے، سجدے میں سُبحَانَ رَبِّیَ الاَعلٰی تین بار پڑھے اور یہ کم سے کم تعداد ہے اگر تسبیح بلکل ترک کر دے گا یا تین بار سے کم کہے گا تو یہ فعل مکروہِ تنزیہی ہے بلکہ صحیح یہ ہے کہ تنزیہی سے زیادہ اور تحریمی سے کم ہے اور ائمہ کے اختلاف سے بچنے کے لئے کہہ لینا چاہئے جیسا کہ رکوع میں بیان ہوا اور رکوع وسجدے کی تسبیح تین بار سے زیادہ کہنا مستحب ہے جبکہ امام نہ ہو لیکن طاق عدد پر ختم کرے یعنی تسبیح کم سے کم تین بار پڑھے اور اوسط پانچ بار اور اکمل سات بار اور اس سے بھی زیادہ کرے تو زیادہ ثواب ہے اگر امام ہو تو تین بار سے زیادہ نہ کرے تا کہ مقتدیوں پر تنگی نہ ہو (لیکن اس قدر اطمینان سے کہے کہ مقتدی بھی تین بار کہہ سکیں۔

سجدے میں جاتے وقت پہلے زمین پر وہ اعضاء رکھے جو زمین سے قریب ہیں پھر اس کے بعد والے علی الترتیب رکھے پس پہلے دونوں گھٹنے رکھے پھر دونوں ہاتھ پھر ناک پھر پیشانی رکھے اور پیشانی کا اکثر حصہ ضرور لگائے کیونکہ یہ واجب ہیاور پیشانی کو اس طرح رکھے کہ اچھی طرح قرار پکڑ لے اور جب سجدے سے اٹھے تو اس کے برخلاف کرے یعنی پہلے پیشانی پھر ناک پھر دونوں ہاتھ پھر گھٹنے اٹھائے یہ اس وقت ہے جبکہ ننگے پاؤں ہو یا اور کوئی عذر نہ ہو لیکن اگر کوئی عذر ہو مثلاً موزے پہنے ہوئے ہوں یا عمر زیادہ ہو کہ پہلے گھٹنے نہیں رکھ سکے گا تو دونوں ہاتھوں کو گھٹنوں سے پہلے رکھ لے اگر عذر کی وجہ سے دونوں ہاتھ اور دونوں گھٹنے علی الترتیب ایک ساتھ زمین پر نہیں رکھ سکتا تو دائیں ہاتھ اور گھٹنے کو بائیں پر مقدم کرے لیکن بلا عذر ایک ساتھ نہ رکھنا مکروہ ہے، سجدے میں دونوں ہاتھ کانوں کے مقابل میں رکھے یعنی چہرہ دونوں ہتھیلیوں کے درمیان اور انگوٹھے کانوں کی لو کے مقابل رہیں، ہاتھوں کی انگلیاں ملی رہیں تا کہ سب کے سرے قبلے کی طرف رہیں اور دونوں پاؤں کی سب انگلیوں کے سرے بھی قبلہ رخ رہیں، ہتھیلیوں پر سہارا دے اپنے بازوؤں کو پہلوؤں سے جدا رکھے لیکن جماعت کے اندر بازوؤں کو پہلوؤں سے ملائے رکھے جدا نہ رکھے کہنیوں کو زمین پر نہ بچھائے بلکہ زمین سے اٹھا ہوا رکھے اور پیٹ کو رانوں سے جدا رکھے نگاہ ناک کی نوک (سری) پر رہے پھر اللہ اکبر کہتا ہوا اپنے سر کو اٹھائے اور اطمنان سے سیدھا بیٹھ جائے اس کو جلسہ کہتے ہیں جلسہ میں طمانیت یعنی ایک بار سبحان اللہ کہنے کی مقدار بیٹھے یہ طمانیت واجب ہے اور اس کے ترک پر سجدہ سہو لازم ہوتا ہے اس جلسہ میں کوئی ذکر مسنون نہیں ہے اور اسی طرح رکوع سے سر اٹھانے کے بعد تسمیع وتحمید کے علاوہ اور کوئی دعا مسنون نہیں اور ایسا ہی رکوع وسجود میں تسبیح کے سوا اور کچھ نہ کہے اور جو ذکر یا دعا میں ان موقعوں کو لئے حدیثوں میں آئی ہیں وہ نوافل کے لئے ہیں لیکن فرضوں کے جلسے میں بھی مستحب یہ ہیں کہ دعا مسنون پڑھے وہ یہ ہے:

اَللّٰھُمَّ اغفِرلِی وَارحَمنِی وَ عَافِنِی وَ اھدِنِی وَ ارزُقنِی ط یہ صرف رَبِّ اغفِرلِی

ایک یا تین بار پڑھ لیا کرے اس مستحب کی عادت کی برکت سے جلسے میں طمانیت کا واجب بھی ادا ہو جائے گا ورنہ اکثر لوگ اس کے تارک ہیں اور اس کی ضرورت سے غافل ہیں، پھر تکبیر کہتا ہوا دوسرے سجدے کے لئے جھکے اور دوسرے سجدے میں بھی پہلے

سجدے کی طرح تسبیح پڑھے پھر جب سجدے سے فارغ ہو تو پنجوں کے بل اٹھے بلا عذر دونوں ہاتھ زمین پر ٹیک کر کھڑا نہ ہو بلکہ دونوں ہاتھوں سے دونوں گھٹنوں پر سہارا دے کر کھڑا ہو دوسرے سجدے کے بعد بیٹھنا جس کو جلسہ استراحت کہتے ہیں حنفی مذہب میں بلا عذر کے نہیں ہے لیکن اگر کسی کو عذر ہو تو اس کو زمین پر سہارا دے کر کھڑا ہونا یا قلیل جلسہ استراحت کرنا مستحب ہے، اور اگر بلا عذر دوسرے سجدے کے بعد بیٹھا (یعنی جلسہ استراحت کیا) یا دونوں ہاتھ زمین پر ٹیک کر کھڑا ہوا تو مضائقہ نہیں لیکن خلاف اولیٰ اور مکروہ تنزیہی ہے دوسری رکعت بھی اسی طرح ادا کرے جس طرح پہلی رکعت ادا کی ہے مگر ثنا اور تعوذ نہ پڑھے یعنی ہاتھ باندھ کر بسم اللہ، الحمد اور سورۃ پڑھ کر رکوع، قومہ وسجدہ، جلسہ اور دوسرا سجدہ کرے اور جب دوسری رکعت کے دوسرے سجدے سے سر اٹھائے تو قعدہ کرے اس طرح کہ بایاں پاؤں بچھا کر اس پر بیٹھے (یعنی اس کو اپنی دونوں سرین کے نیچے رکھے) اور دایاں پاؤں کھڑا کرے اور اپنے کھڑے پاؤں کی انگلیوں کو قبلہ کی طرف کرے، بچھے ہوئے پاؤں کی انگلیوں کو بھی قبلہ رخ رکھے اور دونوں ہاتھ دونوں رانوں پر رکھ کر قدرتی حالت میں انگلیاں پھیلا دے، ہاتھوں کی انگلیوں کے سرے گھٹنوں کے قریب ہوں اور قبلہ کی طرف رہیں، انگلیوں سے گھٹنوں کو پکڑنا نہیں چاہئے یہی اصح ہے اگرچہ پکڑنا بھی جائز ہے مگر نہ پکڑنا افضل ہے اس لئے کہ پکڑنے سے انگلیوں کے سرے قبلہ رخ نہیں رہیں گے بلکہ زمین کی طرف ہو جائیں گے جلسے اور قعدے میں نظر اپنی گود پر رہے،

قعدے میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا تشہد پڑھے اور وہ یہ ہے

اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوَاتُ وَالطَّيِّبَاتُ ط اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ ط اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِينَ ط اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ ط

اور جب اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ پر پہنچے تو شہادت کی انگلی سے اشارہ کرے، اس کا طریقہ یہ ہے کہ سیدھے ہاتھ کے انگوٹھے اور بیچ کی انگلی سے حلقہ باندھ لے اور چھنگلیا اور اس کے پاس کی انگلی کو (مٹھی کی طرح) بند کرے اور کلمہ کی انگلی اٹھا کر اشارہ کرے لَا اِلٰهَ پر انگلی اٹھائے اور اِلَّا اللّٰہ پر جھکا دے اور پھر قعدے کے آخر تک اسی طرح حلقہ باندھے رکھے، تشہد کے بعد درود شریف پڑھے اور وہ یہ ہے

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ ط اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ ط

نماز میں بھی درود شریف میں حضور انور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نام مبارک اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے نام مبارک کے ساتھ لفظ سیدنا ملانا افضل و بہتر ہے اور بعض کے نزدیک نہ ملانا بہتر ہے اور تشہد میں اشہد ان محمداً کے ساتھ سیدنا کا لفظ نہ ملائیں جب درود سے فارغ ہو جائیں تو اپنے لئے اور اپنے ماں باپ اور سب مسلمان مردوں اور عورتوں کے واسطے مغفرت کی دعا مانگیں اور دعا میں صرف اپنی تخصیص نہ کریں یہی صحیح ہے۔ ماثورہ دعاؤں میں سے پڑھے یعنی جو دعائیں قرآن پاک یا حدیثوں میں آئی ہیں

پڑھے مثلاً

رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنیَا حَسَنَۃً وَّ فِی الاٰخِرۃِ حَسَنَۃً وَّ قِنَا عَذَابَ النَّارِ ط یا یہ دعا پڑھے

اَللّٰھُمَّ اغفِرلِی وَلِوَالِدَیَّ وَلِجَمِیعِ المُومِنِینَ وَالمُؤمِنَاتِ وَ المُسلِمِینَ وَ المُسلِمَاتِ الاَ حیَآءِ مِنھُم وَالاَ موَاتِ ط دیگر

رَبِّ اجعَلنِی مُقِیمَ الصَّلٰوۃِ وَمِن ذُرِّیَّتِی رَبَّنَا وَ تَقَبَّل دُعَآءَ ط ربنا اغفرلی ولوالدی وللمومنین یوم یقوم الحساب

دیگر اَللّٰھُمَّ اِنِّی ظَلَمتُ نَفسِی ظُلمًا کَثِیرًا وَّ لَا یَغفِرَ الذُّنُوبَ اِلَّا اَنتَ فَاغفِرلِی مَغفِرَۃً مِن عِندِکَ وَ ارحَمنِی اِنکَ اَنتَ الغَفُورُ الرَّحِیمَ ط

(یہ دعا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں پڑھنے کے لئے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو تعلیم فرمائی) یا کوئی اور دعا جو قرآن یا حدیث میں آئی ہو پڑھے اگر قرآن کی دعا پڑھے تو قرآت یعنی قرآن پڑھنے کی نیت نہ کرے اس لئے کہ قرآت قیام کے سوا دوسرے ارکان رکوع وسجود وقعدہ میں مکروہ ہے بلکہ دعا کی نیت سے پڑھے، دعا عربی زبان میں پڑھے، نماز کے اندر غیر عربی میں دعا پڑھنا مکروہ ہے۔

پھر دونوں طرف یعنی دائیں اور بائیں سلام پھیرے، پہلے سلام میں اس قدر داہنی طرف کو پھرے کہ اس کے داہنے رخسارے کی سفیدی اس طرف کے پیچھے والے نمازی کو نظر آ جائے اور اسی قدر بائیں طرف کو پھیرے یہی اصح ہے اور لفظ!

اَلسَّلَامُ عَلَیکُم وَ رَحمَۃُ اللّٰہِ

کہے اگر صرف السلام علیکم یا صرف السلام یا علیکم السلام کہے گا تو کافی ہوگا مگر سنت کا تارک ہوگا اس لئے مکروہ ہوگا اور دائیں اور بائیں کو منھ پھیرنا بھی سنت ہے اور اس وقت نظر دائیں اور بائیں کندھے پر رہے یہ مستحب ہے، مختار یہ ہے کہ سلام الف لام کے ساتھ کہے اور اسی طرح تشہد میں ال کے ساتھ سلام کہے اور ختم نماز کے سلام میں وبرکاتہ نہ کہے بلکہ تشہد کے سلام میں کہے اور سنت یہ ہے کہ امام دوسرا سلام پہلے سلام کی بہ نسبت نیچی آواز سے کہے اور یہی بہتر ہے اگر صرف دائیں طرف سلام پھیر کر کھڑا ہو گیا اور بائیں طرف سلام پھیرنا بھول گیا تو صحیح یہ ہے کہ اگر ابھی تک باتیں نہیں کی اور قبلے کی طرف پیٹھ نہیں کی تو بیٹھ کر دوسرا سلام پھیر دے اور اگر قبلے کی طرف کو پیٹھ پھیر چکا یا کلام کیا تو دوسرا سلام نہ پھیرے اور اگر اس کا الٹ کیا یعنی پہلے بائیں طرف کو سلام پھیر دیا تو جب تک کلام نہیں کیا اور قبلے سے نہ پھرا تب تک دائیں طرف کا سلام پھیر دے اور بائیں طرف کے سلام کا اعادہ نہ کرے اور اگر منھ کے سامنے کو (قبلے کی طرف) سلام پھیرا ہے تو دوسرا سلام بائیں طرف کو پھیر دے یعنی سامنے کا سلام دائیں طرف کے قائم مقام ہو جائے گا مقتدی کے سلام پھیرنے کے وقت میں اختلاف ہے مختار یہ ہے کہ مقتدی منتظر رہے اور جب امام داہنی طرف کو سلام پھیر چکے تب مقتدی داہنی طرف کو سلام پھیرے اور جب امام بائیں طرف کے سلام سے فارغ ہو تب مقتدی بائیں طرف کو سلام پھیرے اور جو محافظ فرشتے اور انسان اور صالح جن امام کے دونوں طرف ہیں سلام میں ان کی نیت دل میں کرے اور ہمارے

زمانے میں عورتوں کی اور ان لوگوں کی جو نماز میں شریک نہیں نیت نہ کرے یہی صحیح ہے اور مقتدی دائیں بائیں طرف کے مقتدی لوگوں اور جنوں اور فرشتوں کے ساتھ امام کی نیت بھی کرے پس اگر امام داہنی طرف ہو تو اس طرف کے لوگوں میں اور بائیں طرف ہو تو اس طرف کے لوگوں میں امام کی بھی نیت کرے اور امام سامنے ہو تو امام ابو یوسف کے نزدیک دائیں جانب کے لوگوں میں اس کی نیت کرے اور امام محمد کے نزدیک دونوں طرف امام کی بھی نیت کرے امام ابوحنیفہ سے بھی یہی روایت ہے اور یہی صحیح ہے اور تنہا نماز پڑھتا ہو تو صرف فرشتوں کی نیت کرے اور کسی کی نیت نہ کرے فرشتوں کی نیت میں کوئی تعداد معین نہ کرے یہی صحیح ہے۔

نماز کے طریقے کے بقیہ حصے کا بیان

مطمئنا وسبح فيه ثلاثا وجافى بطنه عن فخذيه وأبدى عضديه ثم رفع رأسه مكبرا للنهوض بلا اعتماد على الأرض بيديه وبلا قعود والركعة الثانية كالأولى إلا أنه لا يثنى ولا يتعوذ متى يسن رفع اليدين ولا يسن رفع اليدين إلا عند افتتاح كل صلاة وعند تكبير القنوت في الوتر وتكبيرات الزوائد في العيدين وحين يرى الكعبة وحين يستلم الحجر الأسود وحين يقوم على الصفا والمروة وعند الوقوف بعرفة ومزدلفة وبعد رمى الجمرة الأولى والوسطى وعند التسبيح عقيب الصلوات وإذا فرغ من سجدتى الركعة الثانية افترش رجله اليسرى وجلس عليها ونصب يمناه ووجه أصابعها نحو القبلة ووضع يديه على فخذيه وبسط أصابعه والمرأة تتورك وقرأ تشهد ابن مسعود رضى الله عنه وأشار بالمسبحة في الشهادة يرفعها عند النفي ويضعها عند الإثبات ولا يزيد على التشهد في القعود الأول وهو التحيات لله والصلوات والطيبات السلام عليك أيها النبى ورحمة الله وبركاته السلام علينا وعلى عباد الله الصالحين أشهد أن لا إله إلا الله وأشهد أن محمدا عبده ورسوله وقرأ الفاتحة فقط فيما بعد الأوليين ثم جلس وقرأ التشهد ثم صلى على سيدنا النبى صلى الله عليه وسلم ثم دعا بما يشبه القرآن والسنة ثم سلم يمينا ويسارا فيقول السلام عليكم ورحمة الله ناويا من معه كما تقدم

ترجمہ

تین بار تسبیح کہے، پیٹ کو رانوں سے دور رکھے اور بازوؤں کو ظاہر کرے اس کے بعد اٹھنے کے لیے تکبیر کہتے ہوئے سر کو اٹھائے لیکن ہاتھوں کے ساتھ زمین پر سہارا نہ لے اور نہ ہی بیٹھے۔ دوسری رکعت پہلی کی طرح ہے البتہ اس میں نہ ہی ثناء پڑھے اور نہ ہی اعوذ باللہ پڑھے۔ نماز شروع کرتے وقت، وتروں میں قنوت کی تکبیر کہتے وقت عیدین کی زائد تکبیروں، کعبۃ اللہ کی زیارت کے وقت حجر اسود کو چومتے وقت، جب صفا اور مروہ پر کھڑا ہو، عرفات اور مزدلفہ میں وقوف کے وقت جمرہ اولیٰ اور وسطیٰ کو کنکریاں مارنے کے

بعد اور تمام نمازوں کے بعد والی تسبیح سے فارغ ہونے کے بعد دعا مانگنے کے علاوہ ہاتھ اٹھانا سنت نہیں۔ جب مرد دوسری رکعت کے دونوں سجدوں سے فارغ ہو جائے تو بائیں پاؤں کو بچھا کر اس پر بیٹھ جائے اور دائیں پاؤں کو کھڑا کرے انگلیوں کو قبلہ رخ کرے اور ہاتھوں کو رانوں پر رکھے انگلیوں کو کشادہ کرے اور عورت تورک کرے پھر تشہد ابن مسعود رضی اللہ عنہ پڑھے اور شہادت کے وقت شہادت کی انگلی سے اشارہ کرے نفی کے وقت اٹھائے اور اثبات کے وقت رکھ دے پہلے قعدہ میں تشہد پر اضافہ نہ کرے تشہد یہ ہے التحیات للہ آخر تک۔ تمام قولی، بدنی اور مالی عبادتیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں۔ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ پر سلامتی، اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کی برکتیں ہوں ہم پر اور اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں پر بھی سلامتی ہو میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے خاص بندے اور رسول ہیں پہلی دو رکعتوں کے بعد والی رکعت میں صرف سورت فاتحہ پڑھے پھر بیٹھ جائے اور تشہد پڑھے اس کے بعد بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں ہدیہ درود بھیجے۔ پھر ان الفاظ کے ساتھ دعا مانگے جو قرآن وسنت سے مشابہ ہیں اس کے بعد دائیں بائیں سلام پھیرے اور کہے السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ان لوگوں کی نیت کرے جو اس کے ساتھ ہیں جس طرح پہلے گزر چکا ہے۔

اللہ اکبر سے نماز شروع کرنے کا بیان

امام ابوداؤد علیہ الرحمہ اپنی سند سے بیان کرتے ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نماز کی کنجی طہارت ہے اس کی تحریم تکبیر ہے اور اس کی تحلیل سلام ہے۔ (سنن ابوداؤد)

امام ابن ماجہ لکھتے ہیں۔ ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو قبلہ کی طرف منہ کرتے اور دونوں ہاتھ اٹھاتے اور کہتے اَللّٰهُ أَكْبَرُ۔ (سنن ابن ماجہ، کتاب صلوٰۃ، کراچی)

ہاتھ باندھ کر نماز پڑھنے کے بارے میں احادیث

حضرت ہلب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں امامت کراتے تھے تو بائیں ہاتھ کو دائیں ہاتھ سے پکڑتے تھے۔ (سنن ابن ماجہ)

حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز پڑھتے دیکھا۔ آپ نے اپنے بائیں ہاتھ کو دائیں ہاتھ سے پکڑا۔ (سنن ابن ماجہ)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم میرے قریب سے گزرے جبکہ میں اپنا بایاں ہاتھ دائیں ہاتھ پر رکھے ہوئے (نماز ادا کر رہا تھا) تو آپ نے میرا دایاں ہاتھ پکڑ کر بائیں ہاتھ کے اوپر رکھ دیا۔ (سنن ابن ماجہ)

ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے کے متعلق احادیث

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سنت یہ ہے کہ ہتھیلیوں کو، ہتھیلیوں پر، ناف کے نیچے رکھا جائے۔

(مسند احمد، ج ا، ص ۱۱۰، مکتب اسلامی بیروت)

حضرت علقمہ بن وائل بن حجر رضی اللہ عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے دیکھا ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ کے اوپر ناف کے نیچے رکھا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ، ج ا، ص ۳۹۰، ادارۃ القرآن کراچی)

ان احادیث اور دیگر بہت سی مشہور روایات کے مطابق نماز میں سنت یہ ہے کہ دونوں ہاتھوں کو یعنی دائیں کی ہتھیلی کو بائیں کی ہتھیلی پر رکھتے ہوئے ناف کے نیچے باندھا جائے۔ لیکن بعض لوگوں کو عادت ہے کہ وہ عورتوں کی طرح اپنے ہاتھوں کو سینے پر باندھتے ہیں۔ اب ہم یہ تو نہیں کہتے کہ ان لوگوں کو عورتیں بننے کا شوق کیوں دامن گیر رہتا ہے۔ حالانکہ نماز پڑھنے کے طریقے میں مردوں اور عورتوں کے درمیان کئی امور میں فرق ہے۔ اسی طرح سینے پر ہاتھ باندھنے والا حکم عورتوں کے لئے ہے مردوں کے لئے نہیں۔

علماء احناف (اللہ تعالیٰ ان پر لطف وکرم عام فرمائے) کے نزدیک حکم یہ ہے کہ خواتین نماز میں سینے پر ہاتھ باندھیں، اس مسئلہ پر ہمارے ائمہ کا اتفاق ہے۔ علماء کا جم غفیر نے یہ بات اپنی اپنی کتب میں بغیر اختلاف نقل کی ہے، چنانچہ علامہ محمد بن محمد بن محمد المعروف ابن امیر الحاج حلبی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے منیہ کی شرح میں فرمایا، تیسرا مقام ہاتھ رکھنے کے بارے میں ہمارے علما نے فرمایا کہ مرد ناف کے نیچے اور عورت سینہ پر ہاتھ باندھے۔ اور یہ بھی فرمایا کہ عورت اپنے دونوں ہاتھ سینہ پر رکھے جیسا کہ جمِ غفیر نے تصریح کی ہے (حلية المحلى شرح منية المصلى)

علامہ ابراہیم بن محمد بن ابراہیم حلبی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے غنیۃ میں اس مسئلہ پر اتفاق علما کی تصریح کی ہے اور اگر کوئی حدیث اس کے موافق نہیں ملتی تو اس کی مخالفت میں بھی وارد نہیں۔ اگر کوئی دعویٰ کرتا ہے تو دلیل پیش کرے، اسی لیے محقق حلبی نے حلیہ میں فرمایا، ہم نے جو یہ کہا کہ عورت اپنا دایاں ہاتھ بایں ہاتھ پر اپنے سینے پر باندھے یہ اس لیے کہ عورت کے لئے اس میں زیادہ ستر ہے لہٰذا یہ اس کے حق میں اولیٰ ہے کیونکہ یہ بات معلوم ہے کہ عورت کے حق میں جتنے بھی امور جائز ہیں ان میں سے اسی کو اختیار کرنا بہتر ہے جو سب سے زیادہ ستر کا سبب ہو خصوصاً حالتِ نماز میں زیادہ خیال رکھنا چاہئے، یہ تو وہ ہے جو ظاہر نظر میں آیا ہے۔

نماز میں ہاتھ باندھنے کی دو صورتیں اور ان میں ترجیح کا بیان

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہاتھ باندھنے کی دو صورتیں مروی ہیں ایک صورت زیر ناف کی ہے اور اس بارے میں متعدد احادیث وارد ہیں سب سے اہم روایت وہ ہے جسے ابو بکر بن ابی شیبہ نے اپنے مصنّف میں ذکر کیا کہ ہمیں وکیع نے موسیٰ بن عمیر سے علقمہ بن وائل بن حجر نے اپنے والد گرامی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حدیث بیان کی ہے کہ میں نے دورانِ نماز نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر ناف کے نیچے باندھے دیکھا ہے۔ امام علامہ قاسم بن قطلو بغا حنفی رحمہ اللہ تعالیٰ اختیار شرح مختار کی احادیث کی تخریج کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس کی سند جیّد اور تمام راوی ثقہ ہیں۔

(مصنف ابن ابی شیبہ وضع الیمین علی الشمال من کتاب الصلوٰۃ مطبوعہ ادرۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی)

ثناء کے ساتھ دوسری دعائیں پڑھنے پر مذاہب اربعہ

نماز کے شروع میں جن دعاؤں اور اذکار کا پڑھنا صحیح احادیث سے ثابت ہے مثلاً انی و جهت الخ یا سبحانك

اللھم الخ یا ان کے علاوہ دیگر دعائیں ان سب کو یا بعض کو فرائض و نوافل میں پڑھنا امام شافعی کے نزدیک مستحب ہے، امام اعظم، امام مالک، اور امام احمد فرماتے ہیں کہ صرف سبحانك اللّٰھم الح پڑھا جائے اور اس کے علاوہ جو دعائیں ثابت ہیں وہ سب نوافل پر محمول ہیں یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان دعاؤں کو نفلوں میں پڑھا کرتے تھے۔

حضرت امام ابو یوسف کے نزدیک سبحانك اللّٰھم الخ اور انی وجھت الخ دونوں دعاؤں کو پڑھنا چاہیے۔ امام طحاوی نے بھی اس کو اختیار کیا ہے ان دونوں دعاؤں کی ترتیب میں نمازی کو اختیار ہے خواہ وہ پہلے سبحانك اللّٰھم پڑھے یا انی وجھت کو پہلے پڑھ لے ویسے مشہور یہی ہے کہ انی وجھت، سبحانك اللّٰھم کے بعد پڑھا جائے۔

نماز میں ثناء پڑھنے کے سنت ہونے کا بیان

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز شروع کرتے تو (تکبیر تحریمہ کے بعد) یہ پڑھا کرتے تھے۔ سُبْحَانَكَ اللّٰھُمَّ وَ بِحَمْدِكَ وَتَبَارَكَ اسْمُكَ وَ تَعَالٰی جَدُّكَ وَلَا اِلٰهَ غَيْرُكَ، اللہ تو پاک ہے اور ہم تیری پاکی تیری تعریف کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ تیرا نام بابرکت ہے، تیری شان بلند و برتر ہے اور تیرے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ یہ حدیث ترمذی اور ابوداؤد نے نقل کی ہے نیز ابن ماجہ نے (بھی) اس روایت کو ابو سعید سے نقل کیا ہے اور ترمذی نے کہا ہے کہ اس حدیث کو ہم سوائے (بواسطہ) حارثہ راوی کے نہیں جانتے اور اس میں قوت حافظہ کے فقدان کی وجہ سے کلام کیا گیا ہے۔ (مشکوۃ شریف، جلد اول، رقم الحدیث، 780)

علامہ طیبی شافعی نے اس حدیث کے بارے میں کہا ہے کہ یہ حدیث حسن مشہور ہے اور اس حدیث پر خلفائے راشدین میں سے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عمل کیا ہے نیز یہ حدیث مسلم میں بھی منقول ہے۔

ثناء کے لئے امام و مقتدی کی خاموشی پر فقہاء کے متفق ہونے کا بیان

حضرت سمرۃ بن جندب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم سے دو سکتے (یعنی چپ رہنا) یاد رکھے ہیں۔ ایک سکتہ تو تکبیر تحریمہ کہہ لینے کے بعد اور ایک سکتہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت کرتے تھے جب آیت (غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ) پڑھ کر فارغ ہوتے تھے۔ حضرت ابی ابن کعب نے (بھی سمرہ کے) اس قول کی تصدیق کی ہے۔ (سنن ابوداؤد، جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ، دارمی)

تکبیر تحریمہ کے بعد خاموشی اختیار کرنے سے مراد یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت باآواز بلند نہیں پڑھتے تھے چنانچہ اس موقعہ پر دعائے استفتاح (یعنی سُبْحَانَكَ اللّٰھُمَّ الخ) پڑھنے کے لیے خاموشی اختیار کرنا تمام آئمہ کے نزدیک متفق علیہ مسئلہ ہے۔ دوسری جگہ یعنی سورت فاتحہ ختم کرنے کے بعد خاموشی اختیار کرنا حضرت امام شافعی رحمہ اللہ علیہ کے نزدیک سنت ہے تاکہ مقتدی اس عرصے میں سورت فاتحہ پڑھ لیں اور امام کے ساتھ منازعت لازم نہ آئے جو ممنوع ہے حنفیہ اور مالکیہ مسلک میں سورت فاتحہ پڑھنے کے بعد خاموشی اختیار کرنا مکروہ ہے۔

نماز میں تعوذ پڑھنے کا سنن میں بیان

امام ابن ماجہ علیہ الرحمہ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں۔ کہ حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز میں داخل ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین بار کہا "اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ مِنْ هَمْزِهٖ وَنَفْخِهٖ وَنَفْثِهٖ" حضرت عمرو بن مرہ فرماتے ہیں۔ ہمزہ جنون اور دیوانگی کو کہتے ہیں اور نفث شعر کو اور نفخ تکبر کو۔ (سنن ابن ماجہ، ج۱، ص ۵۸، قدیمی کتب خانہ کراچی)

بسم اللہ کا فاتحہ کا حصہ ہونے یا نہ ہونے میں اسلاف فقہاء کے اختلاف کا بیان

حافظ ابن کثیر شافعی لکھتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اللہ کی کتاب کو اسی سے شروع کیا۔ علماء کا اتفاق ہے کہ آیت (بسم اللہ الرحمٰن الرحیم) سورۃ نمل کی ایک آیت ہے۔

البتہ اس میں اختلاف ہے کہ وہ ہر سورت کے شروع میں خود مستقل آیت ہے؟ یا ہر سورت کی ایک مستقل آیت ہے جو اس کے شروع میں لکھی گئی ہے؟ اور ہر سورت کی آیت کا جزو ہے؟ یا صرف سورۃ فاتحہ ہی کی آیت ہے اور دوسری سورتوں کی نہیں؟ صرف ایک سورت کو دوسری سورت سے علیحدہ کرنے کے لئے لکھی گئی ہے؟ اور خود آیت نہیں ہے؟

سنن ابوداؤد میں صحیح سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سورتوں کی جدائی نہیں جانتے تھے جب تک آپ پر (بسم اللہ الرحمٰن الرحیم) نازل نہیں ہوئی تھی۔ یہ حدیث مستدرک حاکم میں بھی ہے ایک مرسل حدیث میں یہ روایت حضرت سعید بن جبیر سے بھی مروی ہے۔

چنانچہ صحیح ابن خزیمہ میں حضرت ام سلمہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بسم اللہ کو سورۃ فاتحہ کے شروع میں نماز میں پڑھا اور اسے ایک آیت شمار کیا لیکن اس کے ایک راوی عمر بن ہارون بلخی ضعیف ہیں اسی مفہوم کی ایک روایت حضرت ابوہریرہ سے بھی مروی ہے۔

حضرت علی، حضرت ابن عباس، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت عبداللہ بن زبیر، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہم، حضرت عطاء، حضرت طاؤس، حضرت سعید بن جبیر، حضرت مکحول اور حضرت زہری رحمہم اللہ کا یہی مذہب ہے کہ بسم اللہ ہر سورت کے آغاز میں ایک مستقل آیت ہے جبکہ سورت برأت میں نہیں ہے

بسم اللہ کا جز فاتحہ نہ ہونے یا ہونے کا بیان

حضرت عبداللہ بن مبارک، امام شافعی، امام احمد اور اسحٰق بن راہویہ اور ابوعبیدہ قاسم بن سلام رحمہم اللہ کا بھی یہی مذہب ہے۔ کہ بسم اللہ سورت فاتحہ کا جز ہے۔ البتہ امام مالک، امام ابوحنیفہ اور ان کے ساتھی کہتے ہیں۔ کہ بسم اللہ نہ تو سورۃ فاتحہ کی آیت ہے نہ کسی اور سورت کی آیت ہے۔

حضرت امام شافعی کا ایک قول یہ بھی ہے کہ بسم اللہ سورۃ فاتحہ کی تو ایک آیت ہے لیکن کسی اور سورۃ کی نہیں۔ ان کا ایک قول یہ

بھی ہے کہ ہر سورت کے اول کی آیت کا حصہ ہے لیکن یہ دونوں قول غریب ہیں۔ داؤد کہتے ہیں کہ ہر سورت کے اول میں بسم اللہ ایک مستقل آیت ہے سورت میں داخل نہیں۔

حضرت امام احمد بن حنبل سے بھی یہی روایت ہے ابوبکر رازی نے ابوحسن کرخی کا بھی یہی مذہب بیان کیا ہے جو امام ابوحنیفہ کے بڑے پایہ کے ساتھی تھے۔ (تفسیر ابن کثیر)

نماز میں بسم اللہ کو آہستہ پڑھنے کا بیان

اب اس میں بھی اختلاف ہے کہ آیا اسے با آواز بلند پڑھنا چاہیے یا پست آواز سے؟ جو لوگ اسے سورۃ فاتحہ کی آیت نہیں کہتے وہ تو اسے بلند آواز سے پڑھنے کے بھی قائل نہیں۔ اسی طرح جو لوگ اسے سورۃ فاتحہ سے الگ ایک آیت مانتے ہیں وہ بھی اس کے پست آواز سے پڑھنے کے قائل ہیں۔ رہے وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ یہ ہر سورت کے اول سے ہے۔ ان میں اختلاف ہے۔ شافعی رحمۃ اللہ کا مذہب ہے کہ سورۃ فاتحہ اور ہر سورت سے پہلے اسے اونچی آواز سے پڑھنا چاہیے۔

صحابہ، تابعین اور مسلمانوں کے مقدم و موخر امامین کی جماعتوں کا یہی مذہب ہے صحابہ میں سے اسے اونچی آواز سے پڑھنے والے حضرت ابوہریرہ، حضرت ابن عمر، ابن عباس، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہم ہیں۔ بیہقی، ابن عبدالبر نے حضرت عمر اور حضرت علی سے بھی روایت کیا اور امام خطیب بغدادی نے چاروں خلیفوں سے بھی روایت کیا۔

تابعین میں سے حضرت سعید بن جبیر، حضرت عکرمہ حضرت ابوقلابہ، حضرت زہری، حضرت علی بن حسن ان کے لڑکے محمد، سعید بن میسب، عطا، طاؤس، مجاہد، سالم، محمد بن کعب قرظی، عبید، ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزم، ابووائل ابن سیرین کے مولیٰ زید بن اسلم، عمر بن عبدالعزیز، ارزق بن قیس، حبیب بن ابی ثابت، ابوشعثا، مکحول، عبداللہ بن معقل بن مقرن اور بروایت بیہقی، عبداللہ بن صفوان، محمد بن حنفیہ اور بروایت ابن عبدالبر عمرو بن دینار رحمہم اللہ سب کے سب ان نمازوں میں جن میں قرأت اونچی آواز سے پڑھی جاتی ہے۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم بھی بلند آواز سے پڑھتے تھے۔ ایک دلیل تو اس کی یہ ہے کہ جب یہ آیت سورۃ فاتحہ میں سے ہے تو پھر پوری سورت کی طرح یہ بھی اونچی آواز سے ہی پڑھنی چاہیے۔ علاوہ ازیں سنن نسائی، صحیح ابن خزیمہ، صحیح ابن حبان، مستدرک حاکم میں مروی ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے نماز پڑھائی اور قرأت میں اونچی آواز سے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم بھی پڑھی اور فارغ ہونے کے بعد فرمایا میں تم سب سے زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز میں مشابہ ہوں۔ اس حدیث کو دار قطنی خطیب اور بیہقی وغیرہ نے صحیح کہا ہے۔

ابوداؤد اور ترمذی میں ابن عباس سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے شروع کیا کرتے تھے۔

امام ترمذی فرماتے ہیں یہ حدیث ایسی زیادہ صحیح نہیں۔ مستدرک حاکم میں انہی سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کو اونچی آواز سے پڑھتے تھے۔ امام حاکم نے اسے صحیح کہا ہے۔

صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے سوال کیا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قرأت کس طرح تھی۔ فرمایا

کہ ہر کھڑے لفظ کو آپ لمبا کر کے پڑھتے تھے پھر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھ کر سنائی بسم اللہ پر مد کیا الرحمٰن پر مد کیا الرحیم پر مد کیا۔ مسند احمد، سنن ابوداؤد، صحیح ابن خزیمہ اور مستدرک حاکم میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر ہر آیت پر رکتے تھے اور آپ کی قرأت الگ الگ ہوتی تھی جیسے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پھر ٹھہر کر الحمد للہ رب العالمین پھر ٹھہر کر الرحمٰن الرحیم پھر ٹھہر کر ملک یوم الدین دارقطنی اسے صحیح بتاتے ہیں۔ امام شافعی، امام حاکم نے حضرت انس سے روایت کی ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے مدینہ میں نماز پڑھائی اور بسم اللہ نہ پڑھی تو جو مہاجر اصحاب وہاں موجود تھے انہوں نے ٹوکا۔ چنانچہ پھر جب نماز پڑھانے کو کھڑے ہوئے تو بسم اللہ پڑھی۔ غالباً اتنی ہی احادیث وآثار اس مذہب کی حجت کے لئے کافی ہیں۔

دوسرا مذہب یہ ہے کہ نماز میں بسم اللہ کو زور سے نہ پڑھنا چاہیے۔ خلفاء اربعہ اور عبداللہ بن معقل، تابعین اور بعد والوں کی جماعتوں سے یہی ثابت ہے۔ ابوحنیفہ، ثوری، احمد بن حنبل کا بھی یہی مذہب ہے۔

امام مالک کا مذہب ہے کہ سرے سے بسم اللہ پڑھے ہی نہیں نہ تو آہستہ نہ بلند کیا۔ ان کی دلیل ایک تو صحیح مسلم والی حضرت عائشہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کو تکبیر سے اور قرأت کو الحمد للہ رب العالمین سے ہی شروع کیا کرتے تھے۔ صحیحین میں ہے حضرت انس بن مالک فرماتے ہیں میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر اور حضرت عمر اور حضرت عثمان کے پیچھے نماز پڑھی یہ سب الحمد للہ رب العلمین سے شروع کرتے تھے۔ مسلم میں ہے کہ بسم اللہ نہیں پڑھتے تھے نہ تو قرأت کے شروع میں نہ اس قرأت کے آخر میں۔

سنن میں حضرت معقل رضی اللہ عنہ سے بھی یہی مروی ہے۔ یہ ہے دلیل ان ائمہ کے بسم اللہ آہستہ پڑھنے کی۔ یہ خیال رہے کہ یہ کوئی بڑا اختلاف نہیں ہر ایک فریق دوسرے کی نماز کی صحت کا قائل ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ سنن دارمی میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ جہری قرات کا آغاز الحمد للہ سے فرمایا کرتے تھے صحیح مسلم کے مزید الفاظ یہ ہیں کہ پہلی اور دوسری مرتبہ دونوں قراتوں میں (جہرا) بسم اللہ نہیں پڑھتے تھے۔ (1- صحیح لمسلم، 1, 172، کتاب الصلاۃ، رقم 2،52- مسند احمد بن حنبل، 3, 101، 114، 3- سنن الدارمی، 1, 300 مطبوعہ، دارالقلم دمشق، 4- سنن النسائی، 2, 97، رقم, 902)

سورۃ فاتحہ اور ضم سورۃ کے وجوب کا بیان

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس آدمی نے (نماز میں) سورۃ فاتحہ نہیں پڑھی اس کی نماز پوری نہیں ہوئی۔ (صحیح البخاری، مسلم) اور صحیح مسلم کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں اس آدمی کی نماز نہیں ہوتی جو سورہ فاتحہ اور اس کے بعد قرآن سے کچھ نہ پڑھے۔

صحیح مسلم کی آخری روایت کا مطلب یہ ہے کہ نماز میں سورہ فاتحہ کے ساتھ قرآن کی کوئی اور سورۃ یا اور کچھ آیتیں پڑھنا بھی ضروری ہے۔

نماز میں سورہ فاتحہ پڑھنے کے مسئلے میں آئمہ کے مذاہب کا بیان

اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نماز میں سورہ فاتحہ پڑھنا فرض ہے اگر کوئی آدمی سورہ فاتحہ نہ پڑھے تو اس کی نماز نہیں ہوگی۔ چنانچہ اسی حدیث سے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اور ایک روایت کے مطابق امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے یہ استدلال کیا ہے کہ نماز میں سورہ فاتحہ پڑھنا فرض ہے کیونکہ حدیث نے صراحت کے ساتھ ایسے آدمی کی نماز کی نفی کی ہے جس نے نماز میں سورہ فاتحہ نہیں پڑھی۔

حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک نماز میں سورہ فاتحہ پڑھنا فرض نہیں ہے بلکہ واجب ہے۔ اس حدیث کے بارے میں امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہاں نفی کمال مراد ہے یعنی سورہ فاتحہ کے نماز ادا تو ہو جاتی ہے مگر مکمل طور پر ادا نہیں ہوتی۔ اس کی دلیل قرآن کی یہ آیت ہے آیت (فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ 73۔ المزمل 20,) (یعنی قران میں سے جو پڑھنا آسان ہو وہ پڑھو، اس سے معلوم ہوا کہ نماز میں سورہ فاتحہ پڑھنا فرض نہیں بلکہ مطلق قرآن کی کوئی بھی سورۃ یا آیتیں پڑھنا فرض ہے۔ اس کے علاوہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ایک اعرابی کی نماز کے سلسلے میں یہ تعلیم فرمائی تھی کہ فاقرؤا ما تیسر معك من القران (یعنی تمہارے لیے قرآن میں سے جو کچھ پڑھنا آسان ہو وہ پڑھو)

احناف کے مسلک کے مطابق نماز میں فرض قرأت ہے کہ جس کے بغیر نماز ادا نہیں ہوتی قرآن کی ایک آیت یا تین آیتوں کا پڑھنا ہے خواہ سورہ فاتحہ ہو یا دوسری کوئی سورۃ اور سورہ فاتحہ کا پڑھنا واجب ہے اس کے بغیر نماز ناقص ادا ہوتی ہے۔

نماز میں امام و مقتدی کا آہستہ آواز سے آمین کہنے میں فقہی مذاہب

حضرت وائل ابن حجر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (نماز میں) **غیر المغضوب علیهم ولا الضالین** پڑھا اور پھر دراز آواز سے آمین کہی۔ (ابوداؤد، دارمی، جامع ترمذی)

دراز آواز سے آمین کہنے، کا مطلب یا تو یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آمین بآواز بلند کہی یا پھر اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لفظ آمین میں الف کو مد کے ساتھ یعنی کھینچ کر کہا۔

آمین کہنے کا مسئلہ بھی ائمہ کے یہاں مبحث فیہ ہے۔ اس سلسلہ میں سب سے پہلے یہ بات جاننی چاہیے کہ اس مسئلے میں تو سب ائمہ متفق ہیں کہ سورت فاتحہ کے بعد آمین کہنا ہر نمازی کے لیے سنت ہے خواہ منفرد ہو یا امام کے ساتھ اسی طرح مقتدی کو بھی آمین کہنا سنت ہے خواہ امام کہے یا نہ کہے۔ اب اختلاف اس چیز میں ہے کہ آیا آمین بآواز بلند کہی جائے یا آہستہ آواز سے؟ چنانچہ حضرت امام شافعی اور حضرت امام احمد رحمہما اللہ علیہما کے نزدیک آمین بآواز بلند کہنی چاہیے۔

حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ علیہ کے نزدیک آمین آہستہ آواز سے کہنی چاہیئے چنانچہ وہ ان احادیث کے بارے میں جن سے آمین بآواز بلند کہنا ثابت ہے اور جو شافع وغیرہ کی مستدل ہیں یہ کہتے ہیں کہ یہ تمام احادیث اس بات پر محمول ہیں کہ ابتداء اسلام میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم تعلیم کی خاطر آمین بآواز بلند کہتے تھے تاکہ صحابہ کرام یہ جان لیں کہ سورت فاتحہ کے بعد آمین کہنا چاہئے۔

صحابہ جب یہ سیکھ گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم آمین آہستہ آواز سے کہنے لگے۔

حضرت ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ احمد، ابویعلی، طبرانی، دارمی، اور حاکم نے شعبہ کی یہ حدیث نقل کی ہے کہ علقمہ ابن عائل اپنے والد مکرم حضرت وائل سے نقل کرتے ہیں کہ انھوں نے (یعنی وائل) نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ نماز پڑھی چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب، **غیر المغضوب علیهم ولا الضالین** پر پہنچے تو آہستہ آواز سے آمین کہی۔

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا، چار چیزیں ایسی ہیں جنہیں امام کو آہستہ آواز سے پڑھنا چاہئے۔(۱) اعوذ باللہ (۲) بسم اللہ (۳) سبحانک اللّٰھم (۴) آمین

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے بارے میں منقول ہے کہ وہ بھی آمین آہستہ آواز سے کہتے تھے اس کے علاوہ یہ بات سمجھ لینی چاہئے کہ کلمات دعا کو آہستہ آواز سے پڑھنا ہی اولی اور صحیح ہے کیونکہ خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے آیت (اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً) 7 ۔ **الاعراف , 55**) یعنی اپنے رب سے دعا گڑگڑا کر اور چپکے سے کرو۔

اور اس میں کوئی شک نہیں کہ آمین بھی دعا ہی ہے لہٰذا آمین کو آہستہ سے کہنا اس آیت عمل پر کرنا ہے۔ نیز یہ کہ اس بات پر اتفاق ہے کہ آمین قرآن کا لفظ نہیں ہے اس لیے مناسب یہی ہے کہ اس کی آواز قرآن کے الفاظ کی آواز سے ہم آہنگ نہ ہو جس طرح کی مصحف (یعنی اوراق قرآن) میں لکھنا جائز نہیں ہے۔

دعا میں اصل آہستہ ہونے میں احادیث وآثار سے دلائل کا بیان

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو دعا کی ہدایت کرتا ہے جس میں ان کی دنیا اور آخرت کی بھلائی ہے۔ فرماتا ہے کہ اپنے پروردگار کو عاجزی، مسکینی اور آہستگی سے پکارو جیسے فرمان ہے آیت (**واذكر ربك في نفسك**) الخ، اپنے رب کو اپنے نفس میں یاد کر

بخاری ومسلم میں حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ لوگوں نے دعا میں اپنی آوازیں بہت بلند کر دیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگو اپنی جانوں پر رحم کرو تم کسی بہرے کو یا غائب کو نہیں پکار رہے جسے تم پکار رہے ہو وہ بہت سننے والا اور بہت نزدیک ہے۔ ابن عباس سے مروی ہے کہ پوشیدگی مراد ہے،

امام ابن جریر فرماتے ہیں (تضرعا) کے معنی ذلت مسکینی اور اطاعت گذاری کے ہیں اور (خفیۃ) کے معنی دلوں کے خشوع خضوع سے، یقین کی صحت سے، اس کی وحدانیت اور ربوبیت کا اس کے اور اپنے درمیان یقین رکھتے ہوئے پکارو نہ کہ ریا کاری کے ساتھ بہت بلند آواز سے۔

حضرت حسن رحمتہ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ لوگ حافظ قرآن ہوتے تھے اور کسی کو معلوم بھی نہیں ہوتا تھا، لوگ بہت بڑے فقیہہ ہو جاتے تھے اور کوئی جانتا بھی نہ تھا لوگ لمبی لمبی نمازیں اپنے گھروں میں پڑھتے تھے اور مہمانوں کو بھی پتہ نہ چلتا تھا۔ یہ وہ لوگ تھے کہ جہاں تک ان کے بس میں ہوتا تھا اپنی کسی نیکی کو لوگوں پر ظاہر نہیں ہونے دیتے تھے۔ پوری کوشش سے دعائیں کرتے تھے لیکن اس طرح جیسے کوئی سرگوشی کر رہا ہو یہ نہیں کہ چیخیں چلائیں۔ یہی فرمان رب ہے کہ اپنے رب کو عاجزی اور آہستگی سے پکارو۔ دیکھو اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک نیک بندے کا ذکر کیا جس سے وہ خوش تھا کہ اس نے اپنے رب کو خفیہ طور پر پکارا۔

امام ابن جریج فرماتے ہیں دعا میں بلند آواز، ندا اور چیخنے کو مکروہ سمجھا جاتا تھا بلکہ گریہ وزاری اور آہستگی کا حکم دیا جاتا تھا۔ ابن عباس فرماتے ہیں دعا وغیرہ میں حد سے گذر جانے والوں کو اللہ دوست نہیں رکھتا۔ ابو مجاز کہتے ہیں مثلاً اپنے لئے نبی بن جانے کی دعا کرنا وغیرہ۔

حضرت سعد نے سنا کہ ان کا لڑکا اپنی دعا میں کہہ رہا ہے کہ اے اللہ میں تجھ سے جنت اور اس کی نعمتیں اور اس کے ریشم وحریر وغیرہ وغیرہ طلب کرتا ہوں اور جہنم، اس کی زنجیروں اور اس کے طوق وغیرہ سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔ تو آپ نے فرمایا تو نے اللہ سے بہت سی بھلائیاں طلب کیں اور بہت سی برائیوں سے پناہ چاہی، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے آپ فرماتے تھے کہ عنقریب کچھ لوگ ہوں گے جو دعا میں حد سے گذر جایا کریں گے۔ ایک سند سے مروی ہے کہ وہ دعا مانگنے میں اور وضو کرنے میں حد سے نکل جائیں گے پھر آپ نے یہی آیت تلاوت فرمائی اور فرمایا تجھے اپنی دعا میں یہی کہنا کافی ہے کہ اے اللہ میں تجھ سے جنت اور جنت سے قریب کرنے والے قول وفعل کی توفیق طلب کرتا ہوں اور جہنم اور اس سے نزدیک کرنے والے قول وفعل سے تیری پناہ چاہتا ہوں (ابوداؤد)

ابن ماجہ وغیرہ میں ہے ان کے صاحبزادے اپنی دعا میں یہ کہہ رہے تھے کہ یا اللہ جنت میں داخل ہونے کے بعد جنت کی دائیں جانب کا سفید رنگ کا عالیشان محل مین تجھ سے طلب کرتا ہوں۔ پھر زمین پر امن وامان کے بعد فساد کرنے کو منع فرما رہا ہے کیونکہ اس وقت کا فساد خصوصیت سے زیادہ برائیاں پیدا کرتا ہے۔ پس اللہ اسے حرام قرار دیتا ہے اور اپنی عبادت کرنے کا، دعا کرنے کا، مسکینی اور عاجزی کرنے کا حکم دیتا ہے کہ اللہ کو اس کے عذابوں سے ڈر کر اور اس کی نعمتوں کے امیدوار بن کر پکارو۔ اللہ کی رحمت نیکوکاروں کے سروں پر منڈلا رہی ہے۔ جو اس کے احکام بجالاتے ہیں اس کے منع کردہ کاموں سے باز رہتے ہیں۔

جب امام نماز میں قرآن پڑھے تو مقتدی خاموش ہو جائیں

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا امام اس لیے مقرر کیا گیا ہے کہ اس کی پیروی کی جائے، لہٰذا جب امام اللہ اکبر کہے تو تم بھی اللہ اکبر کہو اور جب امام قرأت کرے تو تم خاموش رہو۔

(سنن ابوداؤد، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ)

فاذا اکبر فکبروا کی وضاحت کرتے ہوئے علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ مقتدی تکبیر، امام کے تکبیر کہنے کے بعد کہیں۔ نہ تو اس کے ساتھ ساتھ کہیں اور نہ اس سے پہلے کہیں اور یہ حکم تکبیر تحریمہ میں تو واجب ہے البتہ دوسری تکبیرات میں مستحب ہے۔

رکوع وسجود میں کمر سیدھی رکھنے کا بیان

امام ابن ماجہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ فرماتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب رکوع میں جاتے تو چہرہ اور سر کو اونچا رکھتے نہ نیچا بلکہ درمیان میں (کمر کے برابر) رکھتے۔

حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ نماز کافی نہیں جس میں مرد اپنی کمر رکوع سجدہ میں سیدھی بھی نہ کرے۔

حضرت علی بن شیبان جو اپنی قوم کی طرف سے وفد میں آئے تھے فرماتے ہیں کہ ہم چلے حتیٰ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ سے بیعت اور آپ کے پیچھے نماز ادا کی تو آپ نے گوشۂ چشم سے ایک صاحب کو دیکھا کہ رکوع سجدہ میں ان کی کمر سیدھی نہیں ہوتی، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز ادا فرمائی فرمایا اے مسلمانوں کی جماعت اس شخص کی نماز نہیں ہوتی جو رکوع سجدے میں اپنی کمر سیدھی نہ کرے۔

حضرت وابصہ بن معبد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز پڑھتے دیکھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب رکوع میں جاتے تو اپنی پشت بالکل سیدھی رکھتے حتیٰ کہ اگر پانی ڈال دیا جائے تو وہیں ٹھہر جائے۔ (سنن ابن ماجہ)

رکوع میں پڑھی جانے والی تسبیحات کا بیان

حضرت عون بن عبد اللہ حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی رکوع کرے تو اس کو رکوع میں سبحان ربی العظیم تین مرتبہ کہنا چاہئے تب اس کا رکوع پورا ہوگا اور یہ ادنی درجہ ہے اور جب تم میں سے کوئی سجدہ کرے تو اسے سجدے میں سبحان ربی الاعلی تین مرتبہ کہنا چاہئے تب اس کا سجدہ پورا ہوگا اور یہ ادنیٰ درجہ ہے۔ (جامع ترمذی، سنن ابوداؤد، ج ا، ص ۱۲۷، دار الحدیث ملتان، سنن ابن ماجہ)

قومہ کرنے کے سنت طریقے کا بیان

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز کا ارادہ کرتے تو کھڑے ہونے کے وقت تکبیر کہتے پھر رکوع میں جانے کے وقت تکبیر کہتے اور جب رکوع سے اپنی پشت اٹھاتے تو "سمع اللہ لمن حمدہ" کہتے پھر کھڑے ہی کھڑے "ربنا لک الحمد" کہتے پھر جب (سجدے کے لیے) جھکتے تو تکبیر کہتے اور (سجدے سے) سر اٹھاتے تو تکبیر کہتے۔ پھر نماز پوری کرنے تک ساری نماز میں یہی کرتے تھے اور جب دو رکعتیں پڑھنے کے بعد اٹھتے تو تکبیر کہتے۔

(صحیح البخاری وصحیح مسلم، ج ا، ص ۱۰۹، قدیمی کتب خانہ کراچی)

حضرت علی بن حسین ابن علی بطریق مرسل روایت فرماتے ہیں کہ۔ آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں جب جھکتے (یعنی رکوع وسجود میں جاتے) اور جب (قومہ، جلسہ اور قیام کے وقت) اٹھتے تو تکبیر کہتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ اسی طرح نماز پڑھتے رہے یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تبارک وتعالیٰ سے ملاقات فرمائی (یعنی وفات پائی)۔ (مالک)

ربنا لک الحمد آہستہ آواز کہنے میں اتفاق مذاہب اربعہ

"ربنا لک الحمد" کو بالجہر پڑھنے کا رواج ماضی قریب میں ہوا ہے، اور وہ بھی صرف ایک جماعت اور ان میں بھی صرف چند ہی لوگوں کے بیچ، اس کے برخلاف حنفیہ، شافعیہ، مالکیہ، حنابلہ، اور دیگر تمام فرقوں کے یہاں اس مسئلہ کا نام ونشان تک نہیں ہے، سلف

صالحین، صحابہ وتابعین کے ادوار میں اس مسئلہ کا کوئی سراغ نہیں ملتا، عہد صحابہ سے لے کر عصر حاضر تک حدیث وفقہ اور تفسیر قرآن کا جتنا مطبوعہ اور غیر مطبوعہ ذخیرہ موجود ہے کسی میں بھی اس مسئلہ کی جانب ادنیٰ اشارہ تک نہیں، قرآن کے بعد سب سے معتبر کتاب " صحیح بخاری" ہے، اس میں ہمیں یہ ابواب تو نظر آتے ہیں, "باب جهر الامام بالتا مين "، "باب جهر المامو م بالتامين " مگر "باب الجهر بـاللهم ربنا لك الحمد" یعنی دعاء قومہ کو بلند آواز سے پڑھنا، اس کے اثبات میں کوئی باب نظر نہیں آتا، حالانکہ دعائے قومہ میں جہر کے قائلین جن احادیث سے استدلال کرتے ہیں وہ صحیح بخاری میں موجود ہیں۔

حیرت ہے کہ امام بخاری جن کے بارے میں "امام الدنیا فی فقه الحدیث "اور "فقہ البخاری فی تراجمہ " کہا گیا ہے، ان کے ذہن کی رسائی بھی اس مسئلہ تک نہ ہوسکی جسے آج پیدا کیا جارہا ہے، امام بخاری پر کیا موقوف دنیا کے کسی محدث نے بھی دعاء قومہ میں جہر کا فتویٰ نہیں دیا ہے، عصر حاضر کے ناصر الدین الالبانی ہیں انہوں نے صفۃ صلوٰۃ پر ایک مستقل کتاب لکھی ہے، اس کتاب میں یہ مسئلہ تو مل جائے گا کہ "آمین بآواز بلند کہنا چاہئے" مگر "ربنا لک الحمد" بلند آواز سے پڑھنا، اس کا بیان کیا نام ونشان تک نہ ملے گا، بلکہ "اصل صفۃ الصلوٰۃ" کی بعض کی عبارات سے لگتا ہے کہ علامہ البانی کے نزدیک ربنا لک الحمد کا آہستہ پڑھنا متفق علیہ مسئلہ ہے۔ (اصل صفۃ الصلوٰۃ، ج ۲ ص ۶۷۸)

سجدہ کرنے کا لغوی مفہوم

زمین پر سر ٹیکنا اور عاجزی کا اظہار کرنا، سجدہ کے لغوی معنیٰ ہیں۔ اصطلاح شریعت میں سجدہ کہتے ہیں، اللہ کے سامنے اپنی عبودیت اور کمال عجز وانکساری کے اظہار کے طور پر بندے کا اپنے سر کو زمین پر ٹیک دینا۔

سجدے میں جانے کے سنت طریقے کا بیان

حضرت وائل ابن حجر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ کرنے کا ارادہ کرتے تو پہلے اپنے دونوں گھٹنے (زمین پر) ٹیکتے اور پھر دونوں ہاتھ رکھتے اور جب سجدے سے اٹھنے کا ارادہ کرتے تو پہلے اپنے دونوں ہاتھ اٹھاتے پھر دونوں گھٹنے اٹھاتے۔ (ابوداؤد، جامع ترمذی، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ، دارمی)

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ اور حضرت امام شافعی رحمہما اللہ تعالیٰ علیہما کا مسلک بھی یہی ہے کہ سجدہ کرتے وقت پہلے دونوں گھٹنے زمین پر ٹیکنے چاہئیں اس کے بعد دونوں ہاتھ رکھے جائیں اسی طرح سجدے سے اٹھتے وقت پہلے دونوں ہاتھ اور پھر دونوں گھٹنے اٹھانے چاہئیں ابوداؤد کی ایک روایت میں یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (سجدے سے) گھٹنوں کے بل اٹھتے تھے اور اپنے دونوں ہاتھ رانوں پر ٹیکتے تھے۔

علماء نے اعضاء سجدہ کو زمین پر رکھنے کے سلسلے میں ایک اصول متعین کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ اعضاء سجدہ کو زمین پر ٹیکنا زمین کے قرب کے اعتبار سے ہے یعنی جو عضو زمین سے زیادہ قریب ہو اسے پہلے زمین پر رکھا جائے اسی ترتیب سے تمام عضو رکھے جائیں اور سجدے سے اٹھتے وقت اس کا عکس ہونا چاہئے۔ یعنی جو عضو زمین سے سے زیادہ قریب ہو اسے سب سے بعد میں اٹھانا چاہئے۔

زمین پر ناک اور پیشانی ٹیکنے کے سلسلے میں مسئلہ تو یہ ہے کہ ناک اور پیشانی یہ دونوں عضو کے حکم ہیں کہ دونوں عضو ایک ساتھ زمین پر ٹیکنے چاہئیں لیکن بعض حضرات کا قول یہ بھی ہے کہ ناک زمین سے زیادہ قریب ہے اس لیے پہلے ناک رکھی جائے اس کے بعد پیشانی ٹیکی جائے۔

علامہ شمنی رحمہ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ سجدے میں جاتے وقت اگر کسی عذر مثلاً موزے وغیرہ کی بناء پر گھٹنوں کو دونوں ہاتھوں سے پہلے رکھنا دشوار ہو تو پہلے دونوں ہاتھ زمین پر ٹیک لیے جائیں اس کے بعد دونوں گھٹنے رکھے جائیں۔

سجدے میں پہلے ہاتھ یا گھٹنے زمین پر رکھنے کا بیان

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تم میں سے کوئی جب سجدہ کرے تو وہ اونٹ کے بیٹھنے کی طرح نہ بیٹھے بلکہ اسے چاہئے کہ اپنے دونوں گھٹنوں سے پہلے دونوں ہاتھ زمین پر رکھے۔

(ابوداؤد، سنن نسائی، داری، مشکوۃ شریف، جلد اول، رقم الحدیث، 863)

اور ابو سلیمان خطابی نے کہا ہے کہ حضرت وائل ابن حجر رضی اللہ عنہ کی حدیث اس حدیث سے زیادہ (صحیح) ثابت ہے چنانچہ کہا گیا ہے کہ یہ حدیث منسوخ ہے۔

اونٹ کے بیٹھنے کی طرح نہ بیٹھنے کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح اونٹ زمین پر بیٹھنے کے وقت اپنے دونوں گھٹنے زمین پر پہلے رکھتا ہے۔ اس طرح سجدہ میں جاتے وقت پہلے دونوں گھٹنے زمین پر نہ ٹیکے جائیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اونٹ کی بیٹھک سے مشابہت دی ہے باوجود یہ کہ اونٹ بیٹھتے وقت زمین پر پاؤں رکھنے سے پہلے ہاتھ رکھتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان کا گھٹنا پاؤں میں ہوتا ہے اور جانور کا گھٹنا ہاتھ میں ہوتا ہے لہٰذا جب کوئی آدمی سجدے میں جاتے وقت زمین پر پہلے گھٹنے رکھے گا تو اونٹ کے بیٹھنے سے مشابہت ہوگی۔

بہر حال۔ یہ حدیث اوپر کی حدیث کے مخالف ہے کیونکہ پہلی حدیث تو اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ پہلے گھٹنے زمین پر ٹیکے جائیں اور اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ پہلے ہاتھ زمین پر رکھے جائیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس مسئلہ میں علماء کے ہاں اختلاف ہے چنانچہ جیسا کہ اوپر کی حدیث کی تشریح میں بتایا جا چکا ہے جمہور علماء حضرت امام اعظم ابوحنیفہ اور حضرت امام شافعی اور حضرت امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ علیہم اوپر کی حدیث پر جو حضرت وائل ابن حجر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے عمل کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ پہلے دونوں گھٹنے زمین پر ٹیکے جائیں۔

حضرت امام مالک اور اوزاعی رحمہما اللہ علیہم اور کچھ دوسرے علماء حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث پر عمل کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ پہلے زمین پر دونوں ہاتھ ٹیکے جائیں۔

ان دونوں احادیث کے بارے میں علماء لکھتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس روایت سے حضرت وائل ابن حجر رضی اللہ عنہ کی اوپر والی حدیث زیادہ صحیح، قوی تر اور مشہور تر ہے اور حفاظ حدیث کی ایک جماعت نے اس حدیث کو مرتبہ صحت پر پہنچا کر اسے ترجیح دی ہے اور فن حدیث کا یہ قاعدہ ہے کہ جب دو حدیثیں ایک دوسرے کے مخالف ہوتی ہیں تو عمل قوی تر اور صحیح تر پر کیا جاتا

ہے۔یہی وجہ ہے کہ بعض علماء نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کو حضرت وائل کی روایت سے منسوخ قرار دیا ہے۔

نیز ایک روایت میں حضرت ابن خزیمہ سے بھی مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب سجدے میں جاتے تھے تو (سجدے کی) ابتدا گھٹنے سے کرتے تھے یعنی پہلے گھٹنوں کو زمین پر ٹیکتے تھے۔ انہی وجوہات کی طرف مولف مشکوٰۃ نے قال ابوسلیمان الخ کہہ کر اشارہ کیا ہے۔

سجدے کے اعضاء کا بیان

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، مجھے (جسم کی) سات ہڈیوں یعنی پیشانی، دونوں ہاتھ، گھٹنے اور دونوں پاؤں کے پنجوں پر سجدے کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور یہ ممنوع ہے کہ ہم کپڑوں اور بالوں کو سمیٹیں۔(صحیح البخاری وصحیح مسلم، مشکوٰۃ شریف، جلد اول، رقم الحدیث، 851)

اس حدیث کے ذریعے بتایا گیا ہے کہ سجدے میں جسم کے کس کس عضو کو زمین پر ٹیکنا چاہئے چنانچہ حکم دیا گیا ہے کہ سجدے کے وقت پیشانی، دونوں ہاتھ، دونوں گھٹنے اور دونوں پاؤں کے پنجوں کو زمین پر ٹیکنا چاہئے۔اکثر ائمہ کے نزدیک سجدہ ناک اور پیشانی دونوں سے کرنا چاہیے بغیر ان دونوں کو زمین پر لگائے سجدہ جائز نہیں ہے مگر حضرت امام اعظم ابوحنیفہ اور صاحبین رحمہم اللہ علیہم فرماتے ہیں کہ اگر محض پیشانی ہی ٹیک کر سجدہ کرلیا جائے تو جائز ہے البتہ بغیر عذر کے ایسا کرنا مکروہ ہے۔حضرت امام شافعی اور صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک محض ناک کو زمین پر ٹیک کر سجدہ کرنا جائز نہیں ہے ہاں اگر کوئی ایسا عذر پیش ہو کہ پیشانی کو زمین پر ٹیکنا ممکن نہ ہو تو جائز ہے، اس سلسلے میں حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے دو قول ہیں۔ایک قول تو یہ ہے کہ جائز نہیں ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ جائز ہے لیکن کراہت کے ساتھ۔

سجدے میں دونوں پاؤں کو زمین پر رکھنا ضروری ہے۔اگر کوئی آدمی سجدے میں دونوں پاؤں زمین سے اٹھالے گا تو اس کی نماز فاسد ہوجائے گی اور ایک پاؤں اٹھالے گا تو سجدہ مکروہ ہوگا۔سجدے میں پاؤں کی انگلیوں کو قبلے کی طرف رکھنا فرض ہے خواہ ایک ہی انگلی رکھی جائے۔اگر انگلیاں قبلہ کی سمت نہ ہوں گی تو جائز نہیں ہوگا۔

درمختار میں ایک جگہ مذکور ہے کہ، پیشانی اور دونوں پاؤں کے ساتھ سجدہ کرنا فرض ہے اور دونوں پیروں میں کم سے کم ایک انگلی زمین پر رکھنا شرط ہے اور ہاتھوں اور زانوؤں کو زمین پر رکھنا سنت ہے، حنفیہ اور شافعیہ کا مسلک یہی ہے۔

سجدے میں ہاتھ زمین پر جبکہ کہنیوں کو اٹھا رکھنے کا بیان

حضرت براء ابن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جب تم سجدہ کرو تو اپنے دونوں ہاتھ زمین پر رکھو اور کہنیوں کو زمین سے اونچا رکھو۔(صحیح مسلم، مشکوٰۃ شریف، جلد اول، رقم الحدیث، 853)

سجدہ میں ہاتھوں کو رکھنے کا طریقہ یہ ہے کہ دونوں ہاتھوں کی ہتھیلیاں زمین پر کانوں کے سامنے رکھی رہیں۔انگلیاں آپس میں ملی ہوں، اور یہ کہ ہاتھ کھلے رہیں کسی کپڑے وغیرہ کے اندر انہیں چھپانا مکروہ ہے۔

کہنیوں کو اونچا رکھنے، کے دو ہی معنی ہوسکتے ہیں یا تو یہ کہ دونوں کہنیاں زمین سے اونچی رہیں یا پھر یہ کہ دونوں پہلوؤں سے

اونچی رہیں۔ بہرصورت یہ حکم خاص طور پر مردوں کے لیے ہے عورتیں اس حکم میں شامل نہیں ہیں کیونکہ عورتوں کو تو سجدے میں کہنیوں کو زمین پر پہلوؤں سے ملی ہوئی رکھنے کا حکم ہے اس لیے کہ اس طرح جسم کی نمائش نہیں ہوتی اور پردہ اچھی طرح ہوتا ہے۔

دوسری رکعت کو الحمدللہ سے شروع کرنے کا بیان

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم جب دوسری رکعت پڑھنے کے بعد اٹھتے تو الحمد للہ رب العالمین شروع کر دیتے تھے اور خاموش نہ رہتے تھے (صحیح مسلم) اس روایت کو حمیدی نے اپنی کتاب افراد میں ذکر کیا ہے۔ نیز صاحب جامع الاصول نے بھی اس روایت کو مسلم سے نقل کیا ہے۔

چونکہ یہ وہم ہوسکتا تھا کہ دوسری رکعت کے بعد دوسرا شفعہ شروع ہونے کے وقت شاید سُبْحَانَكَ اللّٰهُم پڑھنے کے لیے خاموشی اختیار کرتے ہوں اس لیے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے اس کی وضاحت کر دی کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم دوسری رکعت کے بعد دوسرے شفعہ کے لیے اٹھتے تھے تو سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ نہیں پڑھتے تھے بلکہ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ شروع کر دیتے تھے۔

رفع یدین کے منسوخ ہونے کا بیان

ہم احناف یہ نہیں کہتے کہ رفع یدین والی حدیث صحیح نہیں ہے بلکہ ہم کہتے ہیں کہ اوائل اسلام میں رفع یدین کیا جاتا تھا پھر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے منسوخ کر دیا۔ دین اسلام میں یہ ایک بڑی خوبی ہے کہ حالات کے مطابق اور لوگوں کے احوال کے مطابق حکم دیا جاتا ہے قرآن مجید میں بھی ناسخ آیات اور منسوخ آیات موجود ہیں، اس طرح حدیث مبارکہ میں بھی ناسخ ومنسوخ موجود ہیں لیکن یہ ہر کسی کا کام نہیں، ماہر علما کرام یہ پہچان کر سکتے ہیں کہ فلاں حدیث منسوخ ہے اور فلاں نہیں۔ رفع یدین کو مندرجہ ذیل حدیث مبارکہ سے منسوخ کہتے ہیں، امام مسلم یہ روایت کرتے ہیں۔

عن جابر بن سمرة قال خرج علینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال مالی اراکم رفعی یدیکم کانھا اذناب خیل شمس اسکنوا فی الصلوٰة الخ

(صحیح مسلم، 1، 201، طبع ملک سراج الدین لاہور)

جابر بن سمرۃ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام ہماری طرف تشریف لائے۔ (ہم نماز پڑھ رہے تھے) فرمایا کیا وجہ ہے کہ میں تمہیں شمس قبیلے کے سرکش گھوڑوں کی دموں کی طرح ہاتھ اٹھاتے ہوئے دیکھتا ہوں۔ نماز میں سکون سے رہا کرو۔

اس حدیث پاک میں رفع یدین سے منع کیا گیا اور تشبیہ دی کہ شمس قبیلہ کے گھوڑوں کی دموں کی طرح ہاتھ نہ اٹھاؤ۔ یہ حدیث امام احمد بن حنبل نے بھی روایت کی ہے، امام ابوداؤد نے بھی روایت کی ہے، مسند ابی عوانہ میں بھی روایت کی گئی، امام بیہقی نے سنن کبریٰ میں روایت کی ہے، امام ترمذی اور امام ابوداؤد حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت کرتے ہیں۔

قال ابن مسعود الا اصلی بکم صلوٰۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فصلی فلم یرفع یدیہ الا فی اول مرۃ

ابن مسعود رضی اللہ عنہ جلیل القدر صحابی اور تمام صحابہ سے فقہی ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ لوگوں کیا میں تمہیں وہ نماز پڑھاؤں جو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز ہے؟ تو نماز پڑھائی اور رفع یدین نہیں کیا سوائے پہلی مرتبہ کے۔

اگر رفع یدین منسوخ نہ ہوتا تو آپ ضرور کرتے چونکہ ان کے نزدیک منسوخ تھا۔ اس لیے فرمایا کہ وہ نماز پڑھاؤں جو آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نماز ہے، حالانکہ تمام عمر صحابہ کرام آپ ہی کی طرح نماز ادا کرتے۔ معلوم ہوا جب رفع یدین منسوخ ہوا تو آپ نے محسوس کیا کہ صحابہ کو بتا دوں۔

رفع یدین کی فقہی تصریحات میں مذاہب اربعہ

احناف کے نزدیک رکوع میں جاتے وقت اور رکوع سے اٹھتے وقت رفع یدین خلاف اولی ہے یعنی بہتر نہیں ہے فتاوی شامی میں ہے

قوله إلا فی سبع) أشار إلی أنه لا یرفع عند تکبیرات الانتقالات، خلافا للشافعی وأحمد، فیکره عندنا ولا یفسد الصلاة الخ رد المحتار علی الدر المختار، کتاب الصلاة، فصل فی بیان تألیف الصلاة إلی انتهائها ۔

مالکیہ کے نزدیک بھی رکوع میں جاتے وقت اور رکوع سے اٹھتے وقت رفع یدین مکروہ وخلاف اولی ہے، مذہب مالکیہ کی مستند کتاب المدونۃ الکبری میں ہے،

ففی المدونة الکبری قال الإمام مالك , (لا أعرف رفع الیدین فی شیء من تکبیر الصلاة، لا فی خفض ولا فی رفع إلا فی افتتاح الصلاة، یرفع یدیه شیئا خفیفا، والمرأة فی ذلك بمنزلة الرجل)، قال ابن القاسم , (کان رفع الیدین ضعیفا إلا فی تکبیرة الإحرام)

المدونۃ الکبری للامام مالک ص 107 دار الفکر بیروت

امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نماز کی تکبیرات میں کسی جگہ رفع الیدین نہیں جانتا نہ رکوع میں جاتے وقت اور نہ رکوع سے اٹھتے وقت مگر صرف نماز کے شروع میں تکبیر تحریمہ کے وقت، امام مالک کے صاحب وشاگرد ابن القاسم فرماتے ہیں کہ رفع الیدین کرنا ضعیف ہے مگر صرف تکبیر تحریمہ میں۔ امام مالک رحمہ اللہ کے الفاظ پر ذرا غور کریں لا اعرف یعنی میں نہیں جانتا تکبیر تحریمہ کے علاوہ رفع یدین کرنا الخ

یاد رہے کہ کتاب المدونۃ الکبری فقہ مالکی کی اصل و بنیاد ہے دیگر تمام کتابوں پر مقدم ہے اور موطا الامام مالک کے بعد اس کا دوسرا نمبر ہے اور اکثر علماء المالکیۃ کی جانب سے اس کتاب المدونۃ کو تلقی بالقبول حاصل ہے اور فتاوی کے باب میں بھی علماء المالکیۃ

کا اسی پر اعتماد ہے اور روایت و درجہ کے اعتبار سے سب سے اُصدق و اعلیٰ کتاب ہے

علامہ ابن رشد المالکی نے بھی یہی تصریح کی ہے اور فرمایا کہ رفع یدین میں اختلاف کا سبب دراصل اس باب میں واردشدہ مختلف روایات کی وجہ سے ہے یعنی چونکہ روایات مختلف ہیں لہٰذا ائمہ مجتہدین کا عمل بھی ہوگا - اہ لہٰذا جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ رفع یدین نہ کرنے والوں کی نماز غلط ہے تو ایسے لوگ جاہل و کاذب ہیں۔

وأما اختلافهم فى المواضع التى ترفع فيها فذهب أهل الكوفة أبو حنيفة وسفيان الثورى وسائر فقهائهم إلى أنه لا يرفع المصلي يديه إلا عند تكبيرة الإحرام فقط، وهى رواية ابن القاسم عن مالك، الى ان قال، والسبب فى هذا الاختلاف كله اختلاف الآثار الواردة فى ذلك الخ

بداية المجتهد، كتاب الصلاة، للعلامه ابن رُشد المالكى

علامہ عبدالرحمٰن الجزیری نے بھی یہی تصریح کی ہے کہ مالکیہ کے نزدیک رفع یدین دونوں کندھوں تک تکبیر تحریمہ کے وقت مستحب ہے اس کے علاوہ مکروہ ہے۔

المالكية قالوا , رفع اليدين حذو المنكبين عند تكبيرة الاحرام مندوب، وفيما عدا ذلك مكروه الخ الفقه على المذاهب الاربعة 'لعبد الرحمن الجزيرى ' الجزء الاول، كتاب الصلاة باب رفع اليدين

شافعیہ کے نزدیک رکوع میں جاتے وقت اور رکوع سے اٹھتے وقت رفع یدین سنت ہے، امام شافعی کی کتاب الأم میں یہی تصریح موجود ہے اور دیگر علماء شافعیہ کا بھی یہی مذہب ہے

قال سألت الشافعى , أين ترفع الأيدى فى الصلاة؟ قال , يرفع المصلي يديه فى أول ركعة ثلاث مرات، وفيما سواها من الصلاة مرتين مرتين يرفع يديه حين يفتتح الصلاة مع تكبيرة الافتتاح حذو منكبيه ويفعل ذلك عند تكبيرة الركوع وعند قوله، سمع الله لمن حمده، حين يرفع رأسه من الركوع ولا تكبيرة للافتتاح إلا فى الأول وفى كل ركعة تكبير ركوع، وقول سمع الله لمن حمده عند رفع رأسه من الركوع فيرفع يديه فى هذين الموضعين فى كل صلاة الخ

كتاب الأم، باب رفع اليدين فى الصلاة

قال الشافعى) وبهذا نقول فنأمر كل مصل إماما، أو مأموما، أو منفردا ؛ رجلا، أو امرأة ؛ أن يرفع يديه إذا افتتح الصلاة ؛ وإذا كبر للركوع ؛ وإذا رفع رأسه من الركوع ويكون

رفعه فی کل واحدة من هذه الثلاث حذو منكبيه ؛ ويثبت يديه مرفوعتين حتى يفرغ من التكبير كله ويكون مع افتتاح التكبير، ورد يديه عن الرفع مع انقضائه – كتاب الأم، باب رفع اليدين فی التكبير فی الصلاة

حنابلہ کے نزدیک بھی رکوع میں جاتے وقت اور رکوع سے اٹھتے وقت رفع یدین سنت ہے۔

مسألة , قال , (ويرفع يديه كرفعه الأول) يعني يرفعهما إلى حذو منكبيه، أو إلى فروع أذنيه، كفعله عند تكبيرة الإحرام، ويكون ابتداء رفعه عند ابتداء تكبيره، وانتهاؤه عند انتهائه –

كتاب المُغنی لإبن قدامة الحنبلی، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة

شارحین حدیث کے مطابق رفع یدین کی ممانعت کا بیان

شارح بخاری امام ابن حجر عسقلانی نے دوٹوک لکھا ہے۔ تمسكوا بحديث جابر بن سمرة اسكنوا فی الصلوٰة لترك رفع اليدين عندالركوع .(فتح الباری كتاب النفقات،باب وجوب النفقة علی الاهل والعيال)

انہوں (محدثین) نے سیدنا جابر بن سمرہ ص کی حدیث اسکنوفی الصلوٰۃ سے دلیل پکڑی ہے اور اسے رکوع کے وقت رفع یدین نہ کرنے کی دلیل بنایا ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس حقیقت سے خوب پردہ اٹھادیا ہے کہ محدثین کی ایک جماعت نے اس حدیث کو رکوع کے وقت رفع یدین نہ کرنے کی دلیل کے طور پر پیش کرتے ہوئے اس سے استدلال کیا ہے۔ والحمدللہ علیٰ ذلک۔

امام بدرالدین عینی کا فیصلہ, شارح بخاری حضرت امام عینی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔

قلت فی الحديث الاول انكار لرفع اليد فی الصلوٰة وامر بالسكون فيها .(البنيايه فی شرح الهدايه)

میں کہتا ہوں کہ پہلی حدیث (سیدنا جابر بن سمرہ ص والی روایت) میں نماز میں رفع یدین کرنے کا انکار ہے اور سکون یعنی رفع یدین نہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ علامہ قاضی عیاض مالکی علیہ الرحمۃ نے لکھا ہے۔

قد ذكر ابن القصارهذا الحديث حجة فی النهی عن رفع الا يدی علی رواية المنع من ذالك جملة .(الاكمال المعلم بفوائد المسلم)

۔ابن قصار نے ذکر کیا ہے کہ رفع یدین منع کرنے والی روایتوں میں سب سے واضح طور پر یہ حدیث حجت اور دلیل ہے رفع یدین روکنے پر۔ یعنی اس حدیث میں دوٹوک کھلے لفظوں کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انے رفع یدین کرنے سے منع فرمادیا ہے۔

سجدے میں ناک یا پیشانی میں سے کسی ایک پر اکتفاء کرنے میں فقہی مذاہب

سجدے کے وقت پیشانی، دونوں ہاتھ، دونوں گھٹنے اور دونوں پاؤں کے پنجوں کو زمین پر ٹیکنا چاہئے۔ اکثر ائمہ کے نزدیک سجدہ ناک اور پیشانی دونوں سے کرنا چاہیے بغیر ان دونوں کو زمین پر لگائے سجدہ جائز نہیں ہے مگر حضرت امام اعظم ابو حنفیہ اور صاحبین رحمہم اللہ علیہم فرماتے ہیں کہ اگر محض پیشانی ہی ٹیک کر سجدہ کر لیا جائے تو جائز ہے البتہ بغیر عذر کے ایسا کرنا مکروہ ہے۔ حضرت امام شافعی اور صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک محض ناک کو زمین پر ٹیک کر سجدہ کرنا جائز نہیں ہے ہاں اگر کوئی ایسا عذر پیش ہو کہ پیشانی کو زمین پر ٹیکنا ممکن نہ ہو تو جائز ہے، اس سلسلے میں حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے دو قول ہیں۔ ایک قول تو یہ ہے کہ جائز نہیں ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ جائز ہے لیکن کراہت کے ساتھ۔

سجدے میں دونوں پاؤں کو زمین پر رکھنا ضروری ہے۔ اگر کوئی آدمی سجدے میں دونوں پاؤں زمین سے اٹھالے گا تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی اور ایک پاؤں اٹھالے گا تو سجدہ مکروہ ہوگا۔ سجدے میں پاؤں کی انگلیوں کو قبلے کی طرف رکھنا فرض ہے خواہ ایک ہی انگلی رکھی جائے۔ اگر انگلیاں قبلہ کی سمت نہ ہوں گی تو جائز نہیں ہوگا۔

درمختار میں ایک جگہ مذکور ہے کہ پیشانی اور دونوں پاؤں کے ساتھ سجدہ کرنا فرض ہے اور دونوں پیروں میں کم سے کم ایک انگلی زمین پر رکھنا شرط ہے اور ہاتھوں اور زانوؤں کو زمین پر رکھنا سنت ہے، حنفیہ اور شافعیہ کا مسلک یہی ہے۔

تشہد میں بیٹھنے کے سنت طریقے کا بیان

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم تشہد (یعنی التحیات) میں بیٹھتے تو اپنا بایاں ہاتھ اپنے بائیں گھٹنے پر رکھتے اور اپنا داہنا ہاتھ اپنے داہنے گھٹنے پر رکھتے تھے اور اپنا (داہنا) ہاتھ مثل عدد ترپین کے بند کر کے شہادت کی انگلی سے اشارہ کرتے تھے۔

اور ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز (کے قعدہ) میں بیٹھتے تو دونوں ہاتھوں کو اپنے گھٹنوں پر رکھ لیتے تھے اور داہنے ہاتھ کی اس انگلی کو جو انگوٹھے کے قریب ہے۔ (یعنی شہادت کی انگلی کو) اٹھاتے اور اس کے ساتھ دعا مانگتے (یعنی) اس کو اٹھا کر اشارہ وحدانیت کرتے) اور بایاں ہاتھ اپنے زانو پر کھلا ہوا رکھتے۔

(صحیح مسلم، مشکوۃ شریف، جلد اول، رقم الحدیث، 871)

مثل عدد ترپین، کا مطلب یہ ہے کہ اہل حساب گنتی کے وقت انگلیوں کو جس طرح بند کرتے جاتے ہیں کہ انہوں نے ہر انگلی کو ایک عدد متعین کے لیے مقرر کیا ہوا ہے کہ انہیں اکائیوں کے لیے یہاں رکھا جائے اور دہائی، سینکڑہ اور ہزار کے لیے فلاں فلاں جگہ۔ لہٰذا راوی کے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شہادت کی انگلی کو اشارے کے لیے اٹھاتے وقت بقیہ انگلیوں کو اس طرح بند کیا جس طرح ترپین کے عدد کے لیے انگلیوں کو بند کرتے ہیں اور صورت اس کی یہ ہوتی ہے کہ چھنگلیا، اس کے قریب والی انگلی اور بیچ کی انگلی کو بند کر لیا جائے۔

تشہد میں انگلی کو بلند کرنے کا بیان

شہادت کی انگلی کھلی رکھی جائے اور انگوٹھے کے سرے کو شہادت کی انگلی کی جڑ میں رکھا جائے۔ یہ عدد ترپین (۵۳) کہلاتا ہے۔ چنانچہ حضرت امام شافعی اور ایک روایت کے مطابق حضرت امام احمد نے اس حدیث پر عمل کرتے ہوئے اسی طریقے کو اختیار کیا ہے۔

حنفیہ کے نزدیک شہادت کی انگلی اٹھانے کا طریقہ، ابھی آپ نے عدد ترپین کی وضاحت پڑھی اسی طرح ایک عدد تسعین (۹۰) ہوتا ہے اس کی شکل یہ ہوتی ہے کہ چھنگلیا اور اس کے قریب والی انگلی کو بند کر لیا جائے اور شہادت کی انگلی کو کھول دیا جائے اور انگوٹھے کا سرا بیچ کی انگلی کے سرے پر رکھ کر حلقہ کی شکل دے دی جائے۔ حضرت امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ شہادت کی انگلی اٹھانے کے لیے یہی طریقہ اختیار کرنا چاہئے۔ اور حضرت امام احمد کا ایک قول بھی یہی ہے نیز حضرت امام شافعی کا قول قدیم بھی یہی ہے اور یہی طریقہ آگے آنے والی صحیح مسلم کی روایت سے بھی ثابت ہے جو حضرت عبداللہ ابن زبیر سے مروی ہے، اسی طرح احمد، وابوداؤد نے بھی حضرت وائل ابن حجر سے نقل کیا ہے۔

حضرت امام مالک کا مسلک یہ ہے کہ داہنے ہاتھ کی تمام انگلیاں بند کر لی جائیں اور شہادت کی انگلی کھلی رکھی جائے۔

بعض احادیث میں انگلیوں کو بند کئے بغیر شہادت کی انگلی سے اشارہ کرنا بھی ثابت ہے چنانچہ بعض حنفی علماء کا مختار مسلک یہی ہے اور معلوم ایسا ہوتا ہے کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل بھی مختلف رہا ہوگا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی تو اشارہ بغیر عقد کے کرتے ہوں گے اور کبھی عقد کے ساتھ کرتے ہوں گے۔ اسی بنا پر ان مختلف احادیث کی توجیہ کہ جن سے یہ دونوں طریقے ثابت ہوتے ہیں یہی کی جاتی ہے۔

علامہ شیخ ابن الہمام رحمہ اللہ علیہ نے جن کا شمار محققین حنفیہ میں ہوتا ہے فرمایا ہے کہ، اول تشہد (التحیات) میں شہادتین تک تو ہاتھ کھلا رکھنا چاہئے اور تہلیل کے وقت انگلیوں کو بند کر لینا چاہئے نیز (شہادت کی انگلی سے) اشارہ کرنا چاہئے۔ موصوف لکھتے ہیں کہ، اشارہ کرنے کو منع کرنا روایت اور درایت کے خلاف ہے۔

محیط میں مذکور ہے کہ دائیں ہاتھ کی شہادت کی انگلی کو اٹھانا حضرت امام ابوحنیفہ اور حضرت امام محمد رحمہما اللہ علیہما کے نزدیک سنت ہے اور حضرت امام ابو یوسف رحمہ اللہ علیہ سے بھی اسی طرح ثابت ہے۔ علامہ نجم الدین زاہدی رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ، ہمارے علماء کا متفقہ طور پر یہ قول ہے کہ عمل اشارت سنت ہے۔

لہٰذا جب صحابہ کرام تابعین، ائمہ دین، محدثین عظام، فقہائے امت اور علمائے کوفہ و مدینہ سب ہی کا مذہب و مسلک یہ ہے کہ التحیات میں شہادتین کے وقت دائیں ہاتھ کی شہادت کی انگلی کو اٹھانا یعنی اشارہ وحدانیت کرنا چاہئے اور یہ کہ اس کے ثبوت میں بہت زیادہ احادیث اور اقوال صحابہ وارد ہیں تو پھر اس پر عمل کرنا ہی اولیٰ وارجح ہوگا۔

اشارہ کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ جب کلمہ شہادت پر پہنچے تو شافعیہ کے نزدیک الا اللہ کہتے وقت شہادت کی انگلی اٹھالی جائے

اور حنفیہ کے نزدیک جس وقت لا الہ کہے تو انگلی اٹھائے اور جب الا اللہ کہے تو انگلی رکھ دے۔ اس سلسلہ میں اتنی بات بھی یاد رکھنی چاہئے کہ انگلی سے اوپر کی جانب اشارہ نہ کیا جائے تا کہ جہت کا وہم پیدا نہ ہو جائے۔

حدیث کے الفاظ یدعو بھا) (اس کے ساتھ دعا مانگتے) کا مطلب یہی ہے کہ, آپ صلی اللہ علیہ وسلم شہادت کی انگلی اٹھا کر اشارہ وحدانیت کرتے جس کی طرف ترجمہ میں یہ بھی اشارہ کر دیا گیا ہے یا پھر دعا سے مراد ذکر ہے کو دعا بھی کہتے ہیں کیونکہ ذکر کرنے والا بھی مستحق انعام واکرام ہوتا ہے۔

حدیث کے آخری جملے، بایاں ہاتھ اپنے زانو پر کھلا ہوا رکھتے تھے، کا مطلب یہ ہے کہ بائیں ہاتھ کو زانو کے قریب یعنی ران پر کھلا ہوا قبلہ رخ رکھتے تھے۔

کلمات تشہد کا بیان

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں قرآن کی سورت کی طرح احتیاط اور اہتمام سے تشہد سکھایا کرتے تھے (سنن ابن ماجہ)

اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوَاتُ وَالطَّيِّبَاتُ، السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ، السَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلَى عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِينَ، أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللّٰهُ، وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ ۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب ہم رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز میں بیٹھتے تو ہم کہتے السَّلَامُ عَلَى اللّٰهِ قِبَلَ عِبَادِهِ السَّلَامُ عَلَى فُلَانٍ وَفُلَانٍ (یعنی سلام ہو اللہ پر اس کے بندوں کی طرف سے اور سلام ہو فلاں پر اور فلاں پر) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ نہ کہو کہ سلام ہو اللہ پر کیونکہ سلام تو اللہ ہی ہے، جب تم میں سے کوئی نماز میں بیٹھے تو یہ کہے التَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوَاتُ وَالطَّيِّبَاتُ السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ السَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلَى عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِين جب تم یہ کہو گے تو اس کا ثواب ہر نیک بندہ کو ملے گا خواہ وہ آسمان میں ہو یا زمین میں ہو یا اس کے درمیان میں ہو پھر یہ کہو أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ پھر جو دعا تمہیں سب سے زیادہ پسند ہو وہ اللہ سے کرو۔
(سنن ابوداؤد)

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم جس طرح ہمیں قرآن کی کوئی سورت سکھاتے تھے اسی طرح تشہد سکھایا کرتے تھے چنانچہ کہا کرتے تھے۔

التَّحِيَّاتُ الْمُبَارَكَاتُ الصَّلَوَاتُ الطَّيِّبٰتُ لِلّٰهِ السَّلَامُ عَلَيكَ ايها النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُه اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِينَ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰه،

تمام بابرکت تعریفیں اور تمام مالی و بدنی عبادتیں اللہ ہی کے لیے ہیں، اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! تم پر سلام اور اللہ کی برکت

رحمتیں، ہم پر بھی سلام اور اللہ کے نیک بندوں پر سلام اور میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور گواہی دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔ (صحیح مسلم)

اور مولف مشکوٰۃ فرماتے ہیں کہ میں نے نہ تو صحیحین (یعنی صحیح البخاری و صحیح مسلم میں) اور نہ جمع بین صحیحین میں لفظ، سلام علیک، اور، سلام علینا، بغیر الف لام کے پایا ہے البتہ اس طرح اس کو صاحب جامع الاصول نے جامع ترمذی (کے حوالہ) سے نقل کیا ہے۔

اس روایت میں حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے تشہد یعنی التحیات کے جو الفاظ نقل کیے گئے ہیں اس پر حضرات شافعیہ عمل کرتے ہیں اور التحیات میں انہی الفاظ کو پڑھتے ہیں لیکن حنفیہ حضرات کے ہاں حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے روایت کردہ تشہد کے الفاظ پر جو اس سے پہلی روایت میں گذرے ہیں عمل کیا جاتا ہے۔ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے روایت کردہ تشہد کے بارے میں محدثین صراحت کرتے ہیں کہ یہ صحیح تر ہے۔

چنانچہ حضرت علامہ ابن حجر شافعی رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ، تشہد کے سلسلے میں جتنی احادیث مروی ہیں ان سب میں سے حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ حدیث سب سے زیادہ صحیح تر ہے۔

حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ علیہ بھی عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث پر عمل کرتے ہیں اور صحابہ و تابعین میں سے اکثر اہل علم کا معمول بھی انہیں کی حدیث کے مطابق تھا۔ پھر یہ کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں منقول ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ تشہد کے لیے حکم فرمایا تھا کہ اسے لوگوں کو سکھایا جائے، چنانچہ مسند امام احمد ابن حنبل میں منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابن مسعود کو رضی اللہ عنہ کو حکم دیا تھا کہ وہ اسی تشہد کو لوگوں کو سکھائیں۔

ایک دوسری روایت میں مذکور ہے کہ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا ہاتھ پکڑا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم جس طرح مجھے قرآن کی تعلیم دیتے تھے اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے تشہد سکھایا۔

پھر حضرت عبداللہ ابن مسعود اور حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایتوں میں یہ بھی بڑا فرق ہے کہ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت کو تو بخاری و مسلم دونوں نے نقل کیا ہے جبکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت کو صرف مسلم نے نقل کیا ہے۔

حضرت امام مالک رحمہ اللہ علیہ کے بارہ میں کہا جاتا ہے کہ آپ نے وہ تشہد اختیار فرمایا ہے جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے یعنی، التحیات للہ الذا کیات للہ الطیبات للہ السلام علیک ایھا النبی الخ۔

بہر حال علماء لکھتے ہیں کہ یہ پوری بحث صرف اولیت و افضلیت سے متعلق ہے یعنی حضرت امام اعظم رحمہ اللہ علیہ کے نزدیک حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی تشہد پڑھنا افضل ہے اور حضرت امام شافعی رحمہ اللہ علیہ کے ہاں حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی تشہد پڑھنا افضل ہے۔ لیکن جہاں تک جواز کا سوال ہے تو مسئلہ یہ ہے کہ ان میں سے جو تشہد بھی چاہے

پڑھ لیا جائے جائز ہوگا۔

تشہد میں بیٹھنے کے طریقے کا بیان

وکان یفرش رجله ایسر وینصب رجله الیمنی (یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھنے کے لیے اپنا بایاں پاؤں بچھاتے اور دایاں پاؤں کھڑا رکھتے تھے) اس عبارت سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دونوں قعدوں میں اسی طرح بیٹھتے تھے چنانچہ حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا یہی مسلک ہے کہ دونوں قعدوں میں اسی طرح بیٹھنا چاہیے۔

آئندہ آنے والی حدیث جو حضرت ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پہلے قعدے میں افتراش (یعنی پاؤں بچھانا ہی اختیار کرتے تھے مگر دوسرے قعدے میں تورک یعنی (کولھوں پر بیٹھنا) اختیار فرماتے تھے چنانچہ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک یہی ہے کہ پہلے قعدے میں تو افتراش ہونا چاہیے اور دوسرے قعدے میں تورک۔

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک دونوں قعدوں میں تورک ہی ہے اور حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک یہ ہے کہ جس نماز میں دو تشہد ہوں اس کے آخری تشہد میں تورک ہونا چاہیے اور جس نماز میں ایک ہی تشہد ہے اس میں افتراش ہونا چاہیے۔

قعدہ اولی میں جلدی اٹھنے سے صرف تشہد پڑھنے کا استدلال

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم پہلی دو رکعتوں میں (یعنی پہلے قعدے میں) تشہد کے لیے اس قدر بیٹھتے تھے گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم گرم پتھر پر بیٹھے ہیں اور (جلد ہی) کھڑے ہو جاتے تھے۔

(جامع ترمذی، سنن نسائی، مشکوۃ المصابیح، ج۱ ص۸۵، قدیمی کتب خانہ کراچی)

اس کا معنی یہ ہے کہ جس طرح کوئی آدمی گرم پتھر پر زیادہ دیر تک نہیں بیٹھ سکتا بلکہ جلد ہی اٹھ کھڑا ہوتا ہے اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم پہلے قعدے میں چونکہ صرف التحیات پڑھتے تھے دیگر دعا و درود وغیرہ نہیں پڑھتے تھے اس لیے التحیات پڑھتے ہی کھڑے ہو جاتے تھے اس کے برعکس آخری قعدہ میں چونکہ التحیات کے ساتھ درود اور دوسری دعائیں بھی پڑھی جاتی ہیں اس لیے اس میں بیٹھنے کی مقدار پہلے قعدے میں بیٹھنے کی مقدار سے زیادہ ہوتی تھی۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا وقت قیام سے استدلال قرأت کا بیان

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم ظہر اور عصر کی نماز میں آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کے قیام کا اندازہ کرتے، چنانچہ ہم نے اندازہ کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ظہر کی پہلی دو رکعتوں میں الم تنزیل السجدہ پڑھنے کے بقدر قیام کرتے تھے۔

اور ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ ہر رکعت میں تیس آیتیں پڑھنے کے بقدر قیام کرتے تھے اور (ظہر کی) آخری دو

رکعتوں میں اس کے نصف کے بقدر قیام کا ہم نے اندازہ کیا۔ (صحیح مسلم، مشکوۃ شریف، جلد اول، رقم الحدیث، 793)

الم تنزیل السجدہ کے بقدر کا مطلب یا تو یہ ہے کہ دونوں رکعتوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مجموعی قیام کی مقدار سورت الم تنزیل السجدہ ہوتی تھی یا اس کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر رکعت میں الم السجدہ پڑھنے کے بقدر قرات کرتے تھے اس آخری مطلب کی تائید دوسری روایت بھی کرتی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ہر رکعت میں تیس آیتوں کے بقدر قرات کرتے تھے اور الم تنزیل السجدہ میں انتیس آیتیں ہیں، اگر پہلے مطلب کو صحیح مانا جائے تو یہ دوسری روایت کے خلاف ہوگا لہٰذا بہتر یہی ہوگا کہ یہ کہا جائے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر رکعت میں سورت الم تنزیل السجدہ کی بقدار قرات کرتے تھے۔

آخری رکعتوں میں قرات نہ کرنے کا بیان

حدیث کی ان الفاظ و حزرنا قیامه فی الا خرین یعنی (ظہر) کی آخری دو رکعتوں میں اس سے نصف کا ہم نے انداز کیا ہے۔ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ظہر کی آخری دونوں رکعتوں میں بھی سورت فاتحہ کے ساتھ کوئی دوسری سورت جو پہلی دونوں رکعتوں کی سورتوں سے مختصر ہوتی تھی پڑھتے تھے چنانچہ امام شافعی رحمہ اللہ علیہ کا مسلک قول جدید کے مطابق یہی ہے لیکن ان کے ہاں فتوے ان کے قول قدیم پر ہے جو حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ علیہ کے مسلک کے مطابق ہے کہ آخری دونوں رکعتوں میں سورت فاتحہ کے ساتھ کوئی دوسری سورت پڑھنا ضروری نہیں ہے۔

لہٰذا اس حدیث کی تاویل یہ ہوگی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فعل سنت پر محمول نہیں بلکہ بیان جواز پر محمول ہے یعنی اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم آخری دونوں رکعتوں میں سورت فاتحہ کے ساتھ کبھی کبھی کوئی اور سورت بھی ملا کر قرات کرتے تھے تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ اس طرح پڑھنا بھی جائز ہے لیکن اتنی بات جان لینی چاہئے کہ تمام ائمہ اس بات پر متفق ہیں کہ آخری دونوں رکعتوں میں صرف سورت فاتحہ پڑھنا ہی سنت ہے بلکہ حنفیہ کا کہنا تو یہ کہ اگر کوئی آدمی سورت فاتحہ بھی نہ پڑھے بلکہ صرف تسبیح یعنی سبحان اللہ وغیرہ کہہ لے تو بھی جائز ہے لیکن قرات افضل ہے، امام نخعی، امام ثوری اور کوفہ کے تمام علماء کرام کا قول بھی یہی ہے۔

محیط میں یہ لکھا کہ اگر کوئی آدمی آخری دونوں رکعتوں میں سورت فاتحہ پڑھنے کے بجائے قصداً سکوت اختیار کرے تو یہ خلاف سنت ہونے کی وجہ سے ایک غلط فعل ہوگا۔ حسن بن زیاد نے حضرت امام اعظم رحمہ اللہ علیہ کی یہ روایت بھی نقل کی ہے کہ آخری دونوں رکعتوں میں قرات کرنا واجب ہے۔ ابن شیبہ نے حضرت علی المرتضیٰ اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما کا یہ قول نقل کیا ہے کہ پہلی دونوں رکعتوں میں قراءت کرو اور آخری دونوں رکعتوں میں تسبیح پر اکتفاء کرو، اور یہ بھی کہا ہے کہ اگر کوئی آدمی آخری دونوں رکعتوں میں سورت فاتحہ کے ساتھ کوئی اور سورت بھی پڑھ لے تو سجدہ سہو واجب نہیں ہوگا، اور یہی صحیح بھی ہے کیونکہ آخری دونوں رکعتوں میں سورت فاتحہ کا پڑھنا سنت ہے اور کسی دوسری سورت کا ترک کرنا واجب نہیں ہے اور ظاہر

ہے کہ سجدہ سہو کسی واجب کو چھوڑ دینے یا واجب پر عمل نہ کرنے ہی کی وجہ سے ضروری ہوتا ہے۔

حضرت امام احمد رحمہ اللہ علیہ کے ہاں اولیٰ اور صحیح یہ ہے کہ آخری دونوں رکعتوں میں سورت فاتحہ کے ساتھ کسی دوسری سورت کا پڑھنا مکروہ نہیں ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارہ میں منقول ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم آخری دونوں رکعتوں میں کبھی کبھی سورت فاتحہ کے علاوہ اور کوئی سورت یا کچھ آیتیں بھی پڑھ لیا کرتے تھے لیکن سورت فاتحہ کے ساتھ کسی دوسری سورت کا نہ پڑھنا ہی مستحب ہے۔

رکعات کی تعداد جن میں قرأت ہے اس کا بیان

نماز میں قرأت یعنی قرآن کریم پڑھنا تمام علماء کے نزدیک متفقہ طور پر فرض ہے البتہ اس میں اختلاف ہے کہ کتنی رکعتوں میں پڑھنا فرض ہے؟ چنانچہ حضرت امام شافعی رحمہ اللہ علیہ کے نزدیک پوری نماز میں قرائت فرض ہے۔ حضرت امام مالک رحمہ اللہ علیہ کے ہاں اکثر کل کے حکم میں ہے۔ اس کلیہ کے مطابق تین رکعت میں فرض ہے۔ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ علیہ کے مسلک کے مطابق دو رکعتوں میں قرات فرض ہے۔ حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ علیہ کا مسلک قول مشہور ہے کے مطابق امام شافعی رحمہ اللہ علیہ کے مسلک کے موافق ہے۔ حضرت حسن بصری اور حضرت زفر رحمہما اللہ علیہما کے نزدیک صرف ایک رکعت میں قرات فرض ہے۔

نماز میں درود شریف پڑھنے کا بیان

حضرت عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ رحمہ اللہ علیہ (تابعی) فرماتے ہیں کہ حضرت کعب ابن عجرہ (صحابی) سے میری ملاقات ہوئی تو انھوں نے فرمایا کہ میں تمہیں وہ چیز بطور ہدیہ پیش نہ کروں جس کو میں نے رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے؟ میں نے عرض کیا، جی ہاں! مجھے وہ ہدیہ ضرور عنایت فرمایئے، انہوں نے فرمایا کہ، ہم چند صحابہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) اور اہل بیت نبوت پر ہم درود کس طرح بھیجیں؟ اللہ نے ہمیں یہ تو بتا دیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام کس طرح بھیجا جائے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس طرح کہو! اللّٰهم صل على محمد وعلى ال محمد كما صليت على ابراهيم وعلى ال ابراهيم انك حميد مجيد اللّٰهم بارك على محمد وعلى ال محمد كما باركت على ابراهيم وعلى ال ابراهيم انك حميد مجيد ۔ اے اللہ! محمد پر آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر رحمت نازل کر جیسا کہ تو نے ابراہیم اور آل ابراہیم پر رحمت نازل فرمائی بیشک تو بزرگ و برتر ہے۔ اے اللہ! محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر برکت نازل کر جیسا کہ تو نے ابراہیم اور آل ابراہیم پر برکت نازل کی بیشک تو بزرگ و برتر ہے۔ (صحیح البخاری وصحیح مسلم، مشکوٰۃ شریف، جلد اول، رقم الحدیث، 884)

صحابہ کے سوال کا حاصل یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں جو حکم دیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود اور سلام بھیجیں تو سلام بھیجنے کا طریقہ تو ہمیں معلوم ہو گیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں سکھایا۔ کہ التحیات میں ہم، السلام علیک ایھا النبی، کہا

کریں۔اب یہ بھی بتادیجئے کہ درود کس طرح بھیجیں؟

صحابہ کے قول، اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ بتادیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام کس طرح بھجیں، کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی لسان اقدس کے ذریعے ہمیں سلام بھیجنے کی تعلیم دی۔ اسے اللہ تعالیٰ کی جانب سے تعلیم اس لیے کہا گیا ہے کہ حقیقت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم اللہ تعالیٰ نے جو بھی احکام بیان فرمائے ہیں وہ از خود اور اپنے ذہن وفکر سے نہیں بیان فرمائے ہیں بلکہ وہ احکام بذریعہ وحی اللہ تعالیٰ کی جانب سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیئے گئے اس کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی لسان اقدس کے ذریعہ نافذ فرمایا۔

نماز میں سلام پھیرنے کے سنت طریقے کا بیان

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دائیں اور بائیں سلام پھیرتے حتیٰ کہ گالوں کی سفیدی دکھائی دیتی (فرماتے)۔(سنن ابن ماجہ) اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ ۔

(مشکوٰۃ المصابیح، ج ا،ص ۸۸، قدیمی کتب خانہ کراچی)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بائیں اور دائیں طرف سلام پھیرتے تھے یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رخسار کی سفیدی نظر آتی تھی (آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان الفاظ کے ساتھ سلام پھیرتے تھے) اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ ،ابوداؤد کہتے ہیں کہ یہ الفاظ سفیان کی بیان کردہ حدیث کے ہیں اور اسرائیل نے اپنی حدیث میں اس کی تصریح نہیں کی ہے۔ابوداؤد کہتے ہیں کہ اس کو زہیر نے ابواسحاق سے اور یحییٰ بن آدم نے بواسطہ اسرائیل ابواسحاق سے یوں روایت کیا ہے عن عبدالرحمٰن بن الاسود عن ابیہ وعلقمۃ عن عبداللہ، ابوداؤد کہتے ہیں کہ شعبہ ابواسحاق کی اس حدیث کے مرفوع ہونے کا انکار کرتے ہیں۔(سنن ابوداؤد)

باب الامامة

﴿یہ باب امامت کے بیان میں ہے﴾

اقتداء کے صحیح ہونے کے لئے شرائط کا بیان

حكمها هى أفضل من الأذان والصلاة بالجماعة سنة للرجال الاحرار بلا عذر شروط صحتها وشروط صحة الإمامة للرجال الأصحاء ستة أشياء الإسلام والبلوغ والعقل والذكورة والقرء اة والسلامة من الأعذار كالرعاف والفأفأة والتمتمة واللثغ وفقد شرط كطهارة وستر عورة شروط صحة الاقتداء وشروط صحة الإقتداء أربعة عشر شيئا نية المقتدى المتابعة مقارنة لتحريمته ونية الرجل الإمامة شرط لصحة اقتداء النساء به وتقدم الإمام بعقبه عن المأموم وألا يكون أدنى حالا من المأموم وألا يكون الإمام مصليا فرضا غير فرضه وألا يكون مقيما لمسافر بعد الوقت فى رباعية ولا مسبوقا وألا يفصل بين الامام والمأموم صف من النساء وألا يفصل نهر يمر فيه الزورق ولا طريق تمر فيه العجلة ولا حائط يشتبه معه العلم بانتقالات الإمام فإن لم يشتبه لسماع أو رؤية صح الاقتداء فى الصحيح وألا يكون الإمام راكبا والمقتدى راجلا أو راكبا غير دابة إمامه وألا يكون فى سفينة والإمام فى أخر غير مقترنة بها وألا يعلم المقتدى من حال إمامه مفسدا فى زعم المأموم كخروج دم وقىء لم يعد بعده وضوء ه متفرقات فى الاقتداء وصح اقتداء متوضىء بمتيمم وغاسل بماسح وقائم بقاعد وبأحدب وموم بمثله ومتنفل بمفترض وإن ظهر بطلان صلاة إمامه أعاد ويلزم الإمام إعلام القوم بإعادة صلاتهم بالقدر الممكن فى المختار فصل فى مسقطات الجماعة يسقط حضور الجماعة بواحد من ثمانية عشر شيئا مطر وبرد وخوف وظلمة وحبس وعمى وفلج وقطع يد ورجل وسقام وإقعاد ووحل وزمانة وشيخوخة وتكرار فقه بجماعة تفوته وحضور طعام تتوقه نفسه وإرادة سفر وقيامه بمريض وشدة ريح ليلا لا نهارا وإذا انقطع عن الجماعة لعذر من

أعذارها المبيحة للتخلف يحصل له ثوابها،

ترجمہ

امامت اذان سے افضل ہے اور آزاد مردوں کے لیے جماعت سنت ہے جبکہ کوئی عذر نہ ہو غیر معذور مردوں کی امامت کے صحیح ہونے کے لیے چھ باتیں شرط ہیں۔(۱) اسلام (۲) بلوغت (۳) عقل (۴) مرد ہونا (۵) قراءت (۶) عذروں سے سلامت ہونا مثلاً نکسیر، گفتگو میں فاء کلمے کا زیادہ نکلنا، بات کرتے ہوئے تاء کا زیادہ نکلنا، سین کی جگہ ثاء اور راء کی جگہ غین پڑھنا۔ کسی شرط کا نہ پایا جانا۔ مثلاً طہارت اور ستر عورت۔ اقتداء کے صحیح ہونے کے لیے چودہ شرطیں ہیں۔

۱-مقتدی کا متابعت کی نیت کرنا جو تحریمہ سے ملی ہو۔۲-مرد کا امامت کی نیت کرنا اس کے پیچھے عورتوں کی اقتداء صحیح ہونے کے لیے شرط ہے۔۳-امام کا اپنی ایڑیوں کے ساتھ مقتدی سے آگے ہونا۔۴-امام کا مقتدی سے گھٹیا حالت میں نہ ہونا۔۵-امام ایسی فرض نماز پڑھ رہا ہو جو مقتدی کی فرض نماز کا غیر ہو۔۶-چار رکعت والی نماز میں وقت کے بعد مقیم اور مسبوق، مسافر کا امام نہ ہو۔۷-درمیان میں ایسی نہر نہ ہو جس میں کشتیاں چلتی ہوں۔۸-اور نہ ایسا راستہ ہو جس میں گاڑیاں گزرتی ہوں ۹-امام اور مقتدی کے درمیان ایسی دیوار بھی نہ ہو جس سے امام کے (ارکان کی طرف) منتقل ہونے کا علم مشتبہ ہو جائے اگر سننے یا دیکھنے کی وجہ سے مشتبہ نہیں ہوتا تو صحیح قول کے مطابق اقتداء صحیح ہے۔۱۰-امام سوار اور مقتدی پیدل نہ ہو۔۱۱-امام سے الگ دوسری سواری پر نہ سوار ہو۔۱۲-امام ایک کشتی میں اور مقتدی دوسری کشتی میں جو آپس میں بندھی ہوئی نہیں۔۱۴-مقتدی کو امام کے بارے میں کوئی خاص ایسی بات معلوم نہ ہو جو مقتدی کے خیال میں وضو کو توڑنے والی ہے مثلاً خون کا نکلنا یا قے کا آنا کہ اس کے بعد اس نے وضو نہیں لوٹایا۔ وضو کرنے والے کی تیمم کرنے والے کے پیچھے پاؤں دھونے والے کی مسح کرنے والے کے پیچھے کھڑے ہونے والے کی بیٹھنے والے کبڑے کے پیچھے اشارہ کرنے والے کی اپنی مثل کے پیچھے اور نفل پڑھنے والے کی فرض پڑھنے والے کے پیچھے اقتداء صحیح ہے۔ اگر امام کی نماز کا باطل ہونا ظاہر ہو جائے تو وہ نماز کو لوٹائے اور اس پر لازم ہے کہ ممکن حد تک لوگوں کو مطلع کرے کہ وہ اپنی نمازیں لوٹائیں یہ مختار مذہب ہے۔ اٹھارہ چیزوں میں سے ایک کے ساتھ جماعت کی حاضری ساقط ہو جاتی ہے۔

۱-بارش۔۲-سردی۔۳-خوف۔۴-سخت اندھیرا۔۵-قید۔۶-اندھاپن۔۷-فالج۔۸-ہاتھ اور پاؤں کا کٹا ہونا۔ ۹-بیماری۔۱۰-چلنے پھرنے سے معذور ہونا۔۱۱-سخت کیچڑ۔۱۲-شل ہونا۔۱۳-بڑھاپا۔۱۴-ایسی جماعت کے ساتھ فقہ کا تکرار جس کے اٹھ جانے کا خطرہ ہو۔۱۵-کھانے کا حاضر ہونا جب کے اس کا دل چاہتا ہو۔۱۶-سفر کا ارادہ کرنا۔۱۷-کسی مریض کے پاس ٹھہرنا۔۱۸-رات کے وقت سخت ہوا کا چلنا دن کو نہیں۔

اگر ان عذروں میں سے جن کی وجہ سے جماعت سے پیچھے رہنا جائز ہے کسی عذر کے باعث جماعت میں شامل نہ ہو تو بھی جماعت کا ثواب پائے گا۔

جماعت کے واجب یا سنت ہونے کا بیان

اس بارے میں علماء کے ہاں اختلاف ہے کہ آیا جماعت سنت ہے یا واجب اور یا فرض عین ہے یا فرض کفایہ؟ چنانچہ بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ جماعت فرض عین ہے الا کسی عذر کی وجہ سے، یہ قول امام احمد بن حنبل، داؤد، عطاء اور ابوثور رحمہم اللہ علیہم کا ہے بعض علماء کا قول یہ ہے کہ جو کوئی نماز کے لیے اذان سنے اور مسجد میں حاضر نہ ہو تو اس کی نماز درست نہیں، حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جماعت فرض کفایہ ہے۔ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ اور ان کے متبعین رحمہم اللہ علیہم کا مسلک یہ ہے کہ جماعت سنت موکدہ واجب کے قریب ہے لیکن فقہ کی کتابوں کو دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ جماعت کے بارے میں حنفی فقہاء کے دو قول ہیں بعض کتابوں میں جماعت کو واجب لکھا گیا ہے اور بعض میں سنت موکدہ اور وجوب ہی کا قول راجح اور اکثر محققین حنفیہ کا مسلک بیان کیا گیا ہے۔ چنانچہ مشہور محقق حضرت ابن ہمام لکھتے ہیں کہ ہمارے اکثر مشائخ کا مسلک یہی ہے کہ جماعت واجب ہے لیکن اس کو سنت اس لیے کہا جاتا ہے کہ جماعت کا ثبوت سنت یعنی حدیث سے ہے نہ یہ کہ خود جماعت سنت ہے جیسا کہ نماز عیدین، وہ واجب ہے مگر اسے سنت اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس کا ثبوت حدیث سے ہے۔

امام اور مقتدی سے متعلق بعض مسائل کا بیان

۱- جو شخص اکیلا نماز پڑھتا ہے اس کو تین چیزوں کی نیت ضروری ہے تا کہ باتفاق علماء نماز جائز ہو جائے، اول یہ کہ وہ نماز اللہ تعالیٰ کے واسطے پڑھتا ہے، دوم وقتی فرض ظہر عصر وغیرہ کی نیت کرنا سوم قبلہ کی سمت کی نیت کرنا (لیکن یہ مستحب ہے واجب نہیں) پس نیت کے الفاظ مختصر کہے مثلاً یہ کہے کہ "میں خالص اللہ تعالیٰ کے لئے دو رکعت نماز فرض فجر کی نیت کرتا ہوں اور میرا منھ قبلے کی طرف ہے۔ ۲- امام بھی وہی نیت کرے جو تنہا نماز پڑھنے والا کرتا ہے اور امامت کی نیت کرنا ضروری نہیں البتہ جماعت کا ثواب حاصل کرنے کے لئے امامت کی نیت کرنی چاہئے اس کے بغیر اس کو جماعت کا ثواب نہیں ملے گا، عورتوں کی امامت کے لئے شروع نماز میں ان کی امامت کی نیت کرنا ضروری ہے ورنہ عورتوں کی نماز درست نہ ہو گی لیکن نماز جمعہ وعیدین ونماز جنازہ میں ضروری نہیں اگر ان میں امام عورتوں کی امامت کی نیت نہ کرے تب بھی نماز جمعہ وعیدین ونماز جنازہ درست ہو جائے گی۔

۳- مقتدی یعنی امام کے پیچھے نماز پڑھنے والا بھی تنہا نماز پڑھنے والے کی طرح نیت کرے اور اس کے ساتھ ہی اقتدا کی نیت بھی کرے اس لئے کہ اقتدا کی نیت کے بغیر اقتدا جائز نہیں ہے مگر جمعہ اور عیدین ونماز جنازہ میں مختار یہ ہے کہ اقتدا کی نیت ضروری نہیں ہے۔ ۴- اگر امام کو نماز میں پایا اور وہ یہ نہیں جانتا کہ امام فرض پڑھتا ہے یا تراویح تو ایسے موقع پر چاہئے کہ فرض نماز کی نیت سے اس کے ساتھ شامل ہو جائے اگر وہ فرض ہوں گے تو اس کا بھی فرض پڑھنا درست ہو جائے گا ورنہ اس کی نماز نفل ہو جائے گی اور تراویح نہ ہو گی کیونکہ تراویح فرض عشاء کے بعد ہوتی ہے۔ ۵- اگر مقتدی اپنے واسطے آسانی چاہے تو یہ نیت کرے کہ امام کے پیچھے وہی نماز پڑھتا ہوں جو امام پڑھتا ہے۔

فصل فی الأحق بالإمامة

﴿یہ فصل حقدار امامت کے بیان میں ہے﴾

حقدار امامت اور صفوں کی ترتیب کا بیان

وترتيب الصفوف من الأحق بها إذا لم يكن بين الحاضرين صاحب منزل ولا وظيفة ولا ذو سلطان فالأعلم أحق بالإمامة ثم الأقرأ ثم الأورع ثم الأسن ثم الأحسن خلقا ثم الأحسن وجها ثم الأشرف نسبا ثم الأحسن صوتا ثم الأنظف ثوبا فإن استووا يقرع أو الخيار إلى القوم فإن اختلفوا فالعبرة بما اختراه الأكثر وإن قدموا غير الأولى فقد أساء وا من تكره إمامتهم وكره إمامة العبد والأعمى والأعرابى وولد الزنا والجاهل والفاسق والمبتدع وتطويل الصلاة وجماعة العراة والنساء فإن فلعن يقف الإمام وسطهن كالعراة ترتيب الصفوف ويقف الواحد عن يمين الإمام والأكثر خلفه ويصف الرجال ثم الصبيان ثم الخناثى ثم النساء،

ترجمہ

اگر حاضرین میں صاحب خانہ اور مقرر امام نہ ہو اور نہ ہی حکمران ہو تو امامت کا زیادہ حق دار سب سے بڑا عالم ہے پھر سب سے بڑا قاری پھر زیادہ پرہیز گار پھر جس کی عمر زیادہ ہو پھر جس کا اخلاق سب سے اچھا ہو اس کے بعد وہ جس کی صورت اچھی ہو پھر وہ جس کا نسب زیادہ معزز ہو اس کے بعد جس کی آواز اچھی ہو اور پھر وہ جس کے کپڑے زیادہ صاف ستھرے ہوں۔

اگر تمام برابر ہوں تو قرعہ اندازی کی جائے یا قوم کو اختیار دیا جائے۔ اگر اختلاف پیدا ہو جائے تو اس کا اعتبار کیا جائے جس کو زیادہ لوگ پسند کریں اگر انہوں نے اس کو آگے کیا جو زیادہ حق نہیں رکھتا تو انہوں نے برا کیا۔

غلام، اندھے، دیہاتی، ولد زنا، جاہل، فاسق اور بدعتی کی امامت مکروہ ہے، نماز کو لمبا کرنا اور ننگوں نیز عورتوں کی جماعت بھی مکروہ ہے۔ اگر عورتیں ایسا کریں تو ان کی امام درمیان میں کھڑی ہو جیسے ننگوں کی جماعت میں ہوتا ہے۔ ایک آدمی ہو تو امام کی دائیں جانب اور زیادہ لوگ ہوں تو پیچھے کھڑے ہوں پہلے مرد صفیں باندھیں پھر بچے اس

کے بعد ہجڑے اور پھر عورتیں۔

امامت کے زیادہ حقدار ہونے کا فقہی مفہوم

حضرت ابو مسعود بن انصاری نے سنا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قول کی امامت ان میں بہتریں قرآن پڑھنے والا کرے اگر قرات میں برابر ہوں تو جو سنت کے متعلق زیادہ علم رکھتا ہو اگر اس میں بھی برابر ہوں تو جس نے پہلے ہجرت کی ہو اگر ہجرت میں بھی برابر ہوں تو جو زیادہ عمر رسیدہ ہو وہ امامت کرے اور کسی کی اجازت کے بغیر اس کی امامت کی جگہ پر امامت نہ کی جائے اور کوئی شخص گھر والے کی اجازت کے بغیر اس کی مسند پر نہ بیٹھے محمود نے اپنی حدیث میں (اَکْبَرُهُمْ سِنًّا) کی جگہ (أَقْدَمُهُمْ سِنًّا) کے الفاظ کہے ہیں اور اس باب میں ابو سعید انس بن مالک مالک بن حویرث اور عمرو بن ابی سلمہ سے بھی روایات مروی ہیں ابو عیسیٰ فرماتے ہیں حدیث ابو مسعود حسن صحیح ہے۔

اور اہل علم کا اس پر عمل ہے کہ جو قرات میں افضل اور سنت سے زیادہ واقفیت رکھتا ہو وہ امامت کا زیادہ مستحق ہے بعض حضرات نے کہا ہے کہ اگر اس نے کسی اور کو امامت کی اجازت دے دی تو اس کے لئے اس میں کوئی حرج نہیں اور بعض نے اسے مکروہ کہا ہے وہ کہتے ہیں کہ گھر والے کا نماز پڑھنا سنت ہے امام احمد بن حنبل کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا قول کہ کوئی شخص آپ نے غلبہ کی جگہ پر ماموم نہ بنایا جائے اور نہ کوئی شخص کسی کے گھر میں اس کی باعزت جگہ پر اس کی اجازت کے بغیر بیٹھے لیکن اگر کوئی اس کی اجازت دے تو مجھے امید ہے کہ یہ ان تمام باتوں کی اجازت ہوگی اور ان کے نزدیک صاحب خانہ کی اجازت سے نماز پڑھانے میں کوئی حرج نہیں۔ (جامع ترمذی، جلد اول، رقم الحدیث، 227)

امامت کے زیادہ حقدار ہونے کا بیان

علامہ طیبی فرماتے ہیں کہ حدیث کے الفاظ فَاَعْلَمُهُمْ بِالسُّنَّةِ میں سنت سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث ہیں عہد صحابہ میں جو آدمی احادیث زیادہ جانتا تھا وہ بڑا فقیہ مانا جاتا تھا حضرت امام احمد اور امام ابو یوسف کا عمل اسی حدیث پر ہے، یعنی ان حضرات کے نزدیک امامت کے سلسلہ میں قاری عالم پر مقدم ہے۔

حضرت امام اعظم ابو حنیفہ، حضرت امام محمد، حضرت امام مالک اور حضرت امام شافعی رحمہم اللہ علیہم کا مسلک یہ ہے کہ زیادہ علم جاننے والا اور فقیہ امامت کے سلسلے میں بڑے قاری پر مقدم ہے کیونکہ علم قرأت کی ضرورت تو نماز کے صرف ایک ہی رکن میں (یعنی قرأت کے وقت ہوتی ہے، برخلاف اس کے کہ علم کی ضرورت نماز کے تمام ارکان میں پڑتی ہے۔

جن احادیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ عالم پر سب سے اچھا قرآن پڑھنے والا مقدم ہے اس کا جواب ان حضرات کی طرف سے یہ دیا جاتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں جو لوگ قاری ہوتے تھے وہی سب سے زیادہ علم والے بھی ہوتے تھے کیونکہ وہ لوگ قرآن کریم مع احکام کے سیکھتے تھے اسی وجہ سے احادیث میں قاری کو عالم پر مقدم رکھا گیا ہے اور اب ہمارے زمانے میں چونکہ ایسا نہیں ہے بلکہ اکثر قاری مسائل سے ناواقف ہوتے ہیں، اس لیے ہم عالم کو قاری پر مقدم رکھتے ہیں۔

اس کے علاوہ ان حضرات کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مرض الموت میں حضرت ابوبکر صدیق سے لوگوں کو نماز پڑھوائی باوجود اس کے وہ قاری نہ تھے بلکہ سب سے زیادہ علم والے تھے حالانکہ اس وقت ان سے زیادہ بڑے بڑے موجود قاری تھے۔ فاقدمھم ہجرۃ کے بارے میں ابن مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آج کل ہجرت چونکہ متروک ہے اس لیے اب یہاں حقیقی ہجرت کے بجائے معنوی ہجرت (یعنی گناہوں اور برائیوں سے ترک) کا اعتبار ہوگا یہی وجہ ہے کہ فقہاء نے علم اور قرأت میں برابری کے بعد پرہیز گاری کو مقدم رکھا ہے یعنی اگر وہ آدمی ایسے جمع ہوں جو عالم بھی ہوں اور قاری بھی ہوں تو ان دونوں میں سے امامت کا مستحق وہ آدمی ہوگا جو دوسرے کی بہ نسبت زیادہ پرہیز گاری کے وصف کا حامل ہوگا۔

اس حدیث میں امامت کے صرف اتنے ہی مراتب ذکر کئے گئے ہیں لیکن علماء نے کچھ اور مراتب ذکر کیے ہیں چنانچہ اگر عمر میں بھی سب برابر ہوں تو وہ آدمی امامت کرے جو سب سے زیادہ اچھے اخلاق والا ہو اگر اخلاق میں بھی سب برابر ہوں تو وہ آدمی امامت کرے جو اچھے چہرے والا ہو یعنی خوبصورت ہو اگر خوبصورتی میں سب برابر ہوں تو وہ آدمی امامت کرے جو سب سے عمدہ لباس پہنے ہوئے ہو یا سب سے زیادہ شریف النسب ہو اگر تمام اوصاف میں سب برابر ہوں تو اس صورت میں بہتر شکل یہ ہے کہ قرعہ ڈالا جائے جس کا نام نکل آئے وہ امامت کرے یا پھر قوم جسے چاہیے اپنا امام مقرر کرے اور اس کے پیچھے نماز پڑھے۔

حدیث کے آخری الفاظ کا مطلب یہ ہے کہ کوئی آدمی کسی دوسرے آدمی کی سلطنت وعلاقے میں امامت نہ کرے اسی طرح ایسی جگہ بھی امامت نہ کرے جس کا مالک کوئی دوسرا آدمی ہو جیسا کہ دوسری روایت کے الفاظ فی اھلہ سے ثابت ہوا۔

لہٰذا اس سے معلوم ہوا کہ اگر کسی مقام پر حاکم وقت امامت کرتا ہے یا حاکم وقت کی جانب سے مقرر شدہ اسی کا نائب جو امیر اور خلیفہ کے ہی حکم میں ہوتا ہے امامت کے فرائض انجام دیتا ہے تو کسی دوسرے آدمی کے لیے یہ مناسب نہیں ہے کہ وہ سبقت کر کے امامت کرے خاص طور پر عیدین اور جمعہ کی نماز میں تو یہ بالکل ہی مناسب نہیں ہے۔

اسی طرح جس مسجد میں امام مقرر ہو یا کسی مکان میں صاحب خانہ کی موجودگی میں مقررہ امام اور صاحب خانہ کی اجازت کے بغیر امامت کی طرف سبقت کرنا کسی دوسرے آدمی کا حق نہیں ہے کیونکہ اس طرح امور سلطنت میں انحطاط آپس میں بغض وعناد ترک ملاقات، افتراق واختلاف اور فتنہ وفساد کا دروازہ کھلتا ہے اور جب کہ جماعت کی مشروعیت ہی انہیں غیر اخلاقی چیزوں کے سد باب کے لیے ہوئی ہے چنانچہ اس سلسلے میں حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کا یہ رویہ قابل تقلید ہے کہ وہ اپنے فضل وشرف اور علم و تقویٰ کے باوجود حجاج بن یوسف جیسے ظالم وفاسق کے پیچھے نماز پڑھتے تھے۔

شرف علم کی بنیاد پر امامت کا حقدار ہونا

سیدنا ابومسعود انصاریؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قوم کی امامت وہ شخص کرے جو قرآن زیادہ جانتا ہو۔ اگر قرآن میں برابر ہوں تو جو سنت زیادہ جانتا ہو اگر سنت میں سب برابر ہوں تو جس نے پہلے ہجرت کی ہو۔ اگر ہجرت میں بھی سب برابر ہوں تو جو اسلام پہلے لایا ہو اور کسی کی حکومت کی جگہ میں جا کر اس کی امامت نہ کرے (یعنی مقرر شدہ امام کے ہوتے

ہوئے اس کی اجازت کے بغیر امامت نہ کرائے) اور نہ اس کے گھر میں اس کی مسند پر بیٹھے مگر اس کی اجازت سے۔

شرف قرأت کی وجہ سے امامت کا حقدار ہونا

سیدنا ابو مسعود انصاریؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قوم کی امامت وہ شخص کرے جو قرآن زیادہ جانتا ہو۔ اگر قرآن میں برابر ہوں تو جو سنت زیادہ جانتا ہو اگر سنت میں سب برابر ہوں تو جس نے پہلے ہجرت کی ہو۔ اگر ہجرت میں بھی سب برابر ہوں تو جو اسلام پہلے لایا ہو اور کسی کی حکومت کی جگہ میں جا کر اس کی امامت نہ کرے (یعنی مقرر شدہ امام کے ہوتے ہوئے اس کی اجازت کے بغیر امامت نہ کرائے) اور نہ اس کے گھر میں اس کی مسند پر بیٹھے مگر اس کی اجازت سے۔

شرف تقویٰ کی وجہ سے امامت کا حقدار ہونا۔

شرف عمر کی وجہ سے امامت کا حقدار ہونا

عَنْ مَالِكِ بْنِ الْحُوَيْرِثِ، قَالَ : أَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَا وَصَاحِبٌ لِي، فَلَمَّا أَرَدْنَا الانْصِرَافَ، قَالَ لَنَا : إِذَا حَضَرَتِ الصَّلاةُ فَأَذِّنَا وَأَقِيمَا، وَلْيَؤُمَّكُمَا أَكْبَرُكُمَا۔

(سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث ۹۷۹)

حضرت مالک ابن حویرث رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں اور میرے چچا کے صاحبزادے (ہم دونوں) سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ، جب تم سفر میں جاؤ تو (نماز کے لیے) اذان وتکبیر کہا کرو اور تم میں سے جو بڑا ہو وہ امامت کرائے۔ (صحیح البخاری) (ابن ماجہ رقم الحدیث، ۹۷۹)

غالباً یہ دونوں حضرات علم وورع میں ہم پلہ ہوں گے اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے امام بننے کا حقدار اسے قرار دیا جو عمر میں بڑا ہو، یا پھر اکبر (یعنی بڑے) سے مراد افضل ہے کہ دونوں میں سے جو افضل ہو وہ امامت کرے۔ اس سے معلوم ہوا کہ افضلیت کی شرط اذان میں نہیں ہے، تاہم چاہیے یہی کہ اذان وہ آدمی دے جو اقامت نماز کا علم رکھتا ہو، نیک اور دیندار ہو، بلند آواز اور خوش گلو ہو اور اذان کے کلمات صحیح صحیح ادا کر سکتا ہو۔ (صحیح مسلم، ۳۱۶)

نابینا آدمی کی امامت میں جواز وکراہت کا بیان

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو اپنا قائم مقام مقرر کیا کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں اور وہ نابینا تھے۔ (سنن ابوداؤد، ج۱، ص، ۸۸، دارالحدیث ملتان)

اس حدیث سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ نابینے کی امامت بلا کراہت جائز ہے اس سلسلے میں حنفی مسلک میں یہ فقہی روایتیں بھی وارد ہیں کہ اگر نابینا قوم کا سردار ہو تو اس کی امامت جائز ہے بلکہ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ اگر نابینا بہت زیادہ علم کا حامل ہو تو امامت کے سلسلے میں وہ اولیٰ ہے۔ (شرح کنز، اشباہ والنظائر)

اندھا اگر تمام موجودین میں سب سے زیادہ مسائل کا جاننے والا نہ ہو اور اس کے سوا دوسرا صحیح القرأت صحیح العقیدہ غیر فاسق معلن حاضر جماعت ہے تو اندھے کی امامت مکروہ تنزیہی ہے اور اگر وہی سب سے زیادہ علم نماز رکھتا ہے تو اسی کی امامت افضل ہے، اگر حاضرین میں دوسرا صحیح خواں بدمذہب یا فاسق معلن ہے اور اندھا ان سب عیبوں سے پاک ہے تو اسی کی امامت ضرور ہے، اور اگر صحیح خواں صرف وہی ہے جب تو اصلاً دوسرا قابلِ امامت ہی نہیں۔

دُرمختار میں ہے، یکرہ تنزیھا امامۃ اعمی الا ان یکون اعلم القوم فھو اولی اہ ۔ نابینے شخص کی امامت مکروہ تنزیہی ہے البتہ اس صورت میں اس کی امامت اولٰی ہوگی جب وہ دوسروں سے زیادہ صاحب علم ہو۔

(درمختار باب الامامۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی)

فاسق اگر امام بنا دیا جائے تو امامت جائز ہے

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارے اوپر جہاد ہر سردار کے ہمراہ خواہ وہ نیک ہو یا بد واجب ہے اگرچہ وہ (سردار) گناہ کبیرہ کرتا ہو اور تم پر نماز ہر مسلمان کے پیچھے واجب ہے خواہ وہ (نماز پڑھانے والا) نیک ہو یا بد واجب ہے اگرچہ گناہ کبیرہ کرتا ہو اور نماز جنازہ ہر مسلمان پر واجب ہے خواہ نیک ہو یا بد اگرچہ گناہ کبیرہ کرتا ہو۔

(ابوداؤد)

جہاد واجب ہے کا مطلب یہ ہے کہ بعض صورتوں میں تو جہاد فرض عین ہے اور بعض صورتوں میں فرض کفایہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ہر مسلمان کے پیچھے نماز پڑھی جا سکتی ہے خواہ وہ فاسق ہی کیوں نہ ہو بشرطیکہ اس کا فسق کفر کی حد تک نہ پہنچ چکا ہو فاسق کے پیچھے نماز ادا تو ہو جاتی ہے لیکن اس کے پیچھے نماز پڑھنا بہر حال مکروہ ہے۔ علماء لکھتے ہیں کہ نیک بخت کی موجودگی میں فاسق کو امامت نہیں کرنی چاہیے۔ نماز جنازہ کے واجب ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ہر مسلمان پر جنازہ کی نماز پڑھنا فرض کفایہ ہے۔

صفوں کی ترتیب کا بیان

حضرت عبدالرحمٰن بن غنم سے روایت ہے کہ حضرت ابو مالک اشعری نے کہا کہ کیا میں تم کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کا طریقہ نہ بتاؤں؟ پھر فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے لیے کھڑے ہوئے پہلے مردوں کی صف بنائی، پھر ان کے پیچھے نابالغ لڑکوں کی تب آپ نے نماز پڑھائی۔ ابو مالک نے آپ کی نماز کا تذکرہ کر کے کہا کہ آپ نے فرمایا نماز اس طرح ہوتی ہے، عبدالاعلی نے کہا میرا خیال ہے آپ نے یہ فرمایا کہ میری امت کی نماز یہی ہے۔ (سنن ابوداؤد، ج ۱، ص ۹۸، دار الحدیث ملتان)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مردوں کے لیے سب سے بہتر صف پہلی صف ہے اور سب سے بری صف ان کی صف آخری صف ہے) کیونکہ وہ عورتوں کی صف سے متصل ہوتی ہے (اور عورتوں کے لئے بہتر صف ان کی آخری صف ہے اور بری صف ان کی پہلی صف ہے) کیونکہ وہ مردوں کے قریب ہے۔

(سنن ابوداؤد ج ۱ ص ۹۹، دار الحدیث ملتان)

فصل فيما يفعله المقتدى

﴿یہ فصل امام کی فراغت پر مقتدی کے بیان میں ہے﴾

امام کے فارغ ہونے پر مقتدی کو کیا کرنا چاہیے

فراغ إمامه من واجب وغيره لو سلم الإمام قبل فراغ المتقدى من التشهد يتمه ولو رفع الإمام رأسه قبل تسبيح المقدى ثلاثا فى الركوع أو السجود يتابعه ولو زاد الإمام سجدة أو قام بعد العقود الأخير ساهيا لا يتعبه المؤتم وإن قيدها سلم وحده وإن قام الإمام قبل العقود الأخير ساهيا انتظره المأموم فإن سلم المقتدى قبل أن يقيد إمامه الزائدة بسجدة فسد فرضه وكره سلام المقتدى بعد تشهد الإمام قبل سلامه فصل فى الأذكار الواردة بعد الفرض القيام الى السنة متصلا بالفرض مسنون وعن شمس الأئمة الحلوانى لا بأس بقراءة الأوراد بين الفريضة والسنة ويستحب للإمام بعد سلامه أني يتحول الى يساره لتطوع بعد الفرض وأن يستقبل بعده الناس ويستغفرون الله ثلاثا ويقرء ون آية الكرسى والمعوذات ويسبحون الله ثلاثا وثلاثين ويحمدونه كذلك ويكبرونه كذلك ثم يقولون لا إله إلا الله وحده لا شريك له له الملك وله الحمد وهو على كل شيء قدير ثم يدعون لأنفسهم وللمسلمين رافعي أيديهم ثم يمسحون بها وجوههم فى آخره

ترجمہ

امام کے فارغ ہونے کے بعد مقتدی پر کیا کام کرنا واجب ہے اور کیا نہیں کرنا چاہیے اگر امام نے مقتدی کے تشہد مکمل کرنے سے پہلے سلام پھیر دیا تو وہ اسے پورا کرے اور اگر رکوع یا سجدے میں مقتدی کے تین بار تسبیح کہنے سے پہلے امام نے سر اٹھا لیا تو اس کی اتباع کرے۔ اگر امام نے زائد سجدہ کیا یا آخری قعدہ کے بعد بھول کر کھڑا ہو گیا تو مقتدی اس کی پیروی نہ کرے اور اگر امام نے زائد رکعت کا سجدہ بھی کر لیا تو مقتدی تنہا سلام پھیرے۔ اگر امام آخری قعدہ سے پہلے بھول کر کھڑا ہو گیا تو مقتدی اس کا انتظار کرے۔ اگر مقتدی نے امام کے زائد رکعت کا سجدہ کرنے سے پہلے سلام پھیر لیا تو اس کی فرض نماز فاسد ہو جائے گی۔ امام کے تشہد

پڑھنے کے بعد اور سلام پھیرنے سے پہلے مقتدی کا سلام پھیرنا مکروہ (تحریمی) ہے۔

فرض نماز کے فوراً بعد سنتوں کے لیے کھڑا ہونا مسنون ہے۔حضرت شمس الائمہ حلوانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں فرضوں اور سنتوں کے درمیان وظائف پڑھنے میں کوئی حرج نہیں۔امام کے لیے مستحب ہے کہ سلام پھیرنے کے بعد نوافل پڑھنے کے لیے اپنی بائیں جانب ہو جائے۔اور اس کے بعد (سنتوں اور نوافل کے بعد دعا کے لیے) لوگوں کی طرف متوجہ ہو۔

نماز کے بعد استغفار کریں، آیت الکرسی اور معوذات پڑھیں۔تینتیس بار سبحان اللہ اتنی بار الحمد للہ اور اتنی ہی بار اللہ اکبر کہیں۔اس کے بعد پڑھیں۔ لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ الملک ولہ الحمد وھو علیٰ کل شی قدیر۔اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ ایک ہے اس کا کوئی شریک نہیں اسی کی بادشاہی ہے اور اسی کے لیے تعریف ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔اس کے بعد ہاتھ اٹھا کر اپنے لیے اور تمام مسلمانوں کے لیے دعا مانگیں اور پھر آخر میں ان کو اپنے چہروں پر ملیں۔

نماز کے بعد ذکر کرنے کا بیان

امام بخاری علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں لوگ جب فرض نماز سے فارغ ہوتے تو بلند آواز سے ذکر کرتے تھے حتیٰ کہ میں جب ذکر سنتا تو پہچان جاتا کہ اب وہ نماز سے فارغ ہوئے ہیں۔(صحیح بخاری، ج۱،ص۱۱۶،قدیمی کتب خانہ کراچی)

اس حدیث میں فرض نماز کے بعد ذکر کرنے کا بیان ہوا ہے ہم نے صحیح بخاری کی اس روایت کو اس لئے پیش کیا ہے کہ نام نہاد اسلام کی تبلیغ کرنے والے اور بخاری کا صرف نام استعمال کر کے لوگوں کو اپنی ذاتی خواہشات کی طرف ورغلانے والوں کو یہ پتہ چل جائے کہ وہ اپنے آپ کو دھوکا دے رہے ہیں۔اور بغیر علم کے فرض نمازوں کے بعد والے ذکر کو بدعت کہہ دیتے ہیں۔

نماز کے بعد استغفار کرنے کا بیان

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قسم ہے اللہ کی میں دن میں ستر بار سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتا ہوں اور توبہ کرتا ہوں۔(بخاری، مشکوٰۃ شریف: جلد دوم: رقم الحدیث، 856)

نماز کے بعد دعا مانگنے کا بیان

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ عرض کیا گیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کس وقت دعا زیادہ قبول ہوتی ہے؟ آپ نے فرمایا: رات کے آخری حصہ میں اور فرض نمازوں کے بعد۔(جامع ترمذی،ص۵۰۴،نور محمد اصح المطابع کراچی)

حضرت سعد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے بعد ان کلمات سے اللہ کی پناہ مانگتے تھے۔اے اللہ! میں بزدلی سے تیری پناہ میں آتا ہوں، میں بخل سے تیری پناہ میں آتا ہوں میں ارزل عمر سے تیری پناہ میں آتا ہوں اور دنیا کے فتنہ اور عذاب قبر سے تیری پناہ میں آتا ہوں۔(جامع ترمذی،ص۵۱۳،نور محمد اصح المطابع کراچی)

باب ما يفسد الصلاة

﴿یہ باب مفسدات نماز کے بیان میں ہے﴾

مفسدات نماز کے اسباب کی دلیل شرعی کا بیان

حضرت سیدنا زید بن ارقمؓ کہتے ہیں کہ ہم لوگ نماز میں باتیں کیا کرتے تھے، ہر شخص اپنے پاس والے سے نماز پڑھتے پڑھتے بات کرتا تھا۔ یہاں تک کہ یہ آیت اللہ کے سامنے چپ چاپ (فرمانبردار ہوکر) کھڑے ہونا نازل ہوئی تب سے ہمیں خاموش رہنے کا حکم ہوا اور بات کرنا منع ہو گیا۔ (صحیح مسلم، رقم ۳۳۴)

نماز کے مفسدات کا بیان

وهو ثمانية وستون شيئا الكلمة ولو سهوا أو خطأ والدعاء بما يشبه كلامنا والسلام بنية التحية ولو ساهيا ورد السلام بلسانه أبو بالمصافحة والعمل الكثير وتحويل الصدر عن القبلة وأكل شيء من خارج فمه ولو قل وأكل ما بين أسنانه وهو قدر الحمصة وشربه والتنحنح بلا عذر والتأفيف والأنين والتأوه وارتفاع بكائه من وجع أو مصيبة لا من ذكر جنة أو نار وتشميت عاطس بيرحمك الله وجواب مستفهم عن ند بلا إله إلا الله وخبر سوء بالاسترجاع وسار بالحمد لله وعجب بلا إله إلا الله أو سبحان الله وكل شيء قصد به الجواب كيا يحيىٰ خذ الكتاب ورؤية متيمم ماء وتمام مدة ماسح الخف ونزعه وتعلم الأمي آية ووجدان العارى ساترا وقدرة المومى على الركوع والسجود وتذكر فائتة لذى ترتيب واستخلاف من لا يصلح إماما وطلوع الشمس فى الفجر وزوالها فى العيدين ودخول وقت العصر فى الجمعة وسقوط الجبيرة عن برء وزوال عذر المعذور والحدث عمدا أو بصنع غيره والإغماء والجنون والجنابة بنظر أو احتلام ومحاذاة المشتهاة فى صلاة مطلقة مشتركة تحريمه فى مكان متحد بلا حائل ونوى إمامتها وظهور عورة من سبقه الحدث ولو اضطر اليه ككشف المرأة ذراعها للوضوء وقراءته ذاهبا أو عائدا للوضوء،

ترجمہ

جو چیزیں نماز کو توڑ دیتی ہیں وہ ۶۸ ہیں :۱- گفتگو کرنا اگرچہ بھول کر یا غلطی سے ہو۔۲-ایسے کلمات کے ساتھ دعا مانگنا جو ہمارے کلام سے مشابہ ہو۔۳-سلام کرنے کی نیت سے لفظ سلام کہنا اگرچہ بھول کر ہو۔۴-زبان یا (ہاتھ سے) مصافحہ کرتے ہوئے سلام کا جواب دینا۔۵-عمل کثیر۔۶-قبلہ سے سینہ پھیرنا۔۷-کوئی چیز منہ کے اندر باہر سے لے کر کھانا اگرچہ کم ہو۔۸-دانتوں کے درمیان جو کچھ ہے اسے کھانا جب وہ (کم از کم) چنے کے برابر ہو۔۹-(کچھ) پینا۔۱۰-کسی عذر کے بغیر کھانسنا ۱۱-اُف اُف کرنا۔۱۲-آہ کرنا۔۱۳-کراہنا۔۱۴-درد یا مصیبت کی وجہ سے بلند آواز سے رونا جنت اور دوزخ کے ذکر سے نہیں۔۱۵-چھینکنے والے کو یرحمک اللہ (اللہ تجھ پر رحم فرمائے) کے ساتھ جواب دینا۔۱۶ شریک باری تعالیٰ کے بارے میں پوچھنے والے کو لا الہ الا اللہ کے ساتھ جواب دینا۔ بری خبر سن کر انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھنا، خوشخبری سن کر الحمد للہ کہنا، تعجب خیز خبر سن کر لا الہ الا اللہ یا سبحان اللہ کہنا۔۱۷-ہر وہ کلام جس کے ساتھ جواب دینا مقصود ہو جیسے یحیٰ خذ الکتاب۔۱۸-تیمّم والے کا پانی کو دیکھ لینا۔۱۹-موزوں پر مسح کرنے والے کی مدت مسح کا ختم ہو جانا۔۲۰-موزہ اتار لینا۔۲۱-ان پڑھ کا کوئی آیت سیکھ لینا۔۲۲-ننگے کو کپڑا مل جانا جس سے وہ ستر ڈھانپ سکے۔۲۳-اشارے سے نماز پڑھنے والے کا رکوع اور سجدے پر قادر ہو جانا۔۲۴-صاحب ترتیب کو فوت شدہ نماز کا یاد آ جانا۔۲۵-ایسے ادمی کو خلیفہ بنانا جو امامت کی صلاحیت نہیں رکھتا۔۲۶-فجر کی نماز میں سورج کا طلوع ہو جانا۔۲۷-عیدین کی نماز میں زوال کا وقت داخل ہو جانا۔۲۸-جمعہ کی نماز میں وقت عصر کا داخل ہو جانا۔۲۹-زخم ٹھیک ہونے پر پٹی کا گر جانا۔۳۰-معذور کے عذر کا زائل ہو جانا۔۳۱-جان بوجھ کر یا دوسرے کے عمل سے بے وضو ہو جانا۔۳۲-بیہوش ہو جانا ۳۳-پاگل ہو جانا۔۳۴-دیکھنے سے جنبی ہو جانا یا احتلام سے۔۳۵-مطلق نماز میں جس کی تحریمہ مشترک ہو یا ایک جگہ میں کسی رکاوٹ کے بغیر قابل شہوت عورت کے ساتھ کھڑا ہونا جب کہ امام اس عورت کی امامت کی نیت کرے۔۳۶-جو آدمی بے وضو ہو گیا اس کے کسی ستر کا ننگا ہونا اگرچہ مجبوری سے ہو مثلاً عورت کا وضو کے لیے اپنے بازوؤں کو ننگا کرنا۔۳۷-وضو کے لیے جاتے یا آتے ہوئے قراءت کرنا۔

ومكثه قدر أداء ركن بعد سبق الحدث مستيقظا ومجاوزته ماء قريبا لغيره وخروجه من المسجد يظن الحدث ومجاوزته الصفوف في غيره بظنه وانصرافه ظانا أنه غير متوضيء أو أن مدة مسحه انقضت أو أن عليه فائتة أو نجاسة وإن لم يخرج من المسجد والأفضل الاستئناف وفتحه على غير إمامه والتكبير بنية الانتقال لصلاة أخرى غير صلاته إذا حصلت هذه المذكورات قبل الجلوس الأخير مقدار التشهد ويفسدها أيضا مد الهمزة في التكبيرة وقراءة ما لا يحفظه من مصحف وأداء ركن أو إمكانه مع كشف العورة أو مع نجاسة مانعة ومسابقة المقتدي بركن لم يشاركه فيه إمامه ومتابعة الإمام في سجود

السهو للمسبوق وعدم إعادة الجلوس الأخير بعد أداء سجدة صلبية تذكرها بعد الجلوس وعدم إعادة ركن أداة نائما وقهقهة إمام المسبوق وحدثه العمد بعد الجلوس الأخير والسلام على رأس ركعتين في غير الثنائية ظانا أنه مسافر أو أنها الجمعة أو أنها التراويح وهي العشاء أو كان قريب عهد بالإسلام فظن الفرض ركعتين فصل فيما لا يفسد الصلاة لو نظر المصلي الى مكتوب وفهمه أو أكل ما بين أسنانه وكان دون الحمصة بلا عمل كثير أو مر مار في موضع سجوده لا تفسد وإن أثم المار ولا تفسد بنظره الى فرج المطلقة بشهوة في المختار وإن ثبت به الرجعة،

ترجمہ

بے وضو ہونے کی حالت میں ایک رکن کی ادائیگی کے برابر ٹھہرے رہنا۔۳۹-قریب پڑے ہوئے پانی سے دوسرے کی طرف گزر جانا۔۴۰-بے وضو ہونے کے خیال میں مسجد سے نکل جانا۔۴۱-غیر مسجد میں بے وضو ہونے کے گمان میں صفوں سے نکل جانا۔۴۲-یہ خیال کرتے ہوئے نماز سے پھر جانا کہ وہ بے وضو ہے۔۴۳-یا مسح کی مدت پوری ہوگئی۔۴۴-اس کے ذمہ کوئی فوت شدہ نماز ہے۔۴۵-اس پر نجاست لگی ہوئی ہے۔۴۶-اگر چہ مسجد سے نہ نکلے۔۴۷-غیر امام کو لقمہ دینا۔۴۸-اس نماز سے کسی دوسری نماز کی طرف منتقل ہونے کے لیے تکبیر کہنا۔۴۹-اس وقت نماز فاسد ہوگی جب یہ تمام باتیں تشہد کی مقدار آخری قعدہ بیٹھنے سے پہلے پائی جائیں۔۵۰-تکبیر میں ہمزہ کو کھینچ کر کر پڑھنا۔۵۱-جو کچھ یاد نہیں اسے قرآن سے دیکھ کر پڑھنا۔۵۲-ستر کے ننگا ہونے یا رکاوٹ بننے والی نجاست کے ساتھ ایک رکن ادا کرنا یا اتنی ہی دیر ٹھہرنا۔۵۳-مقتدی کا امام سے پہلے کوئی رکن ادا کرنا جس میں امام شریک نہیں ہوا۔۵۴-مسبوق کا سجدہ سہو میں امام کی پیروی کرنا۔۵۵-قعدہ کرنے کے بعد اصلی سجدہ یاد آجائے تو اسے یاد کرنے کے بعد آخری قعدہ نہ لوٹانا۔۵۶-سونے کی حالت میں ادا کیے گئے رُکن کو نہ لوٹانا۔۵۷-مسبوق کے امام کا آخری قعدہ کے بعد زور زور سے ہنسنا اور جان بوجھ کر بے وضو ہو جانا۔۵۸-دو سے زائد رکعتوں والی نماز میں دو رکعتوں کے بعد سلام پھیر لینا۔۵۹-یہ خیال کرتے ہوئے کہ وہ مسافر ہے۔۶۰-یا یہ نماز جمعہ ہے۔۶۱-یا نماز تراویح ہے حالانکہ وہ عشاء کی نماز تھی یا وہ قریب کے زمانہ میں مسلمان ہوا اور اس کے خیال میں فرض دو ہی رکعتیں ہیں۔

اگر دیکھا نمازی نے لکھی ہوئی چیز کی طرف اور اسے سمجھ بھی لیا یا کثیر عمل کے بغیر اس چیز کو کھایا جو دانتوں کے درمیان تھی اور چنے سے کم تھی یا کوئی گزرنے والا سجدے کی جگہ سے گزرا۔ اگر چہ گزرنے والا گنہگار ہوگا نیز مطلقہ عورت کی شرمگاہ کی طرف شہوت کے ساتھ دیکھنے سے بھی مختار مذہب کے مطابق نماز فاسد نہیں ہوتی اگر چہ اس کے ساتھ رجوع ثابت ہو جائے۔

نماز میں تشبیک کی کراہت کا بیان

حضرت کعب ابن عجرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی وضو کرے تو

اچھی طرح وضو کرے پھر نماز کا ارادہ کر کے مسجد کی طرف چلے (تو اسے چاہیے کہ راستے میں انگلیوں کے درمیان تشبیک نہ کرے کیونکہ وہ اس وقت سے گویا نماز میں ہے۔ (مسند احمد بن حنبل، جامع ترمذی، ابوداؤد، سنن نسائی، دارمی)

حدیث کے پہلے جزء کا مطلب یہ ہے کہ جب کوئی آدمی وضو کرے تو اسے چاہئے کہ وہ وضو کی تمام شرائط وآداب کو ملحوظ رکھے اور حضور قلب کے ساتھ وضو کرے تا کہ وضو پورے کمال اور حسن کے ساتھ ادا ہو۔ چنانچہ علماء لکھتے ہیں کہ جس قدر توجہ اور حضور قلب وضو میں حاصل ہوگا اسی قدر نماز میں خشوع وخضوع اور توجہ پیدا ہوگی۔

تشبیک کیا ہے؟ حدیث کے دوسرے جزو کا مطلب یہ ہے کہ جب کوئی وضو کے بعد نماز کے ارادے سے مسجد کی طرف چلے تو راستے میں انگلیوں کے درمیان تشبیک نہ کرے یعنی ایک ہاتھ کی انگلیوں کو دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں ڈال کر کھیلتا ہوا نہ چلے کیونکہ جب وہ نماز کی نیت سے گھر سے نکلا ہے تو گویا وہ نماز ہی میں ہے اور خشوع وخضوع کے منافی ہونے کی وجہ سے تشبیک چونکہ نماز میں ممنوع ہے اس لیے نماز کے راستے میں بھی یہ ممنوع ہے اسی پر قیاس کیا جا سکتا ہے کہ جو چیز نماز میں ممنوع ہے وہ نماز کے لیے مسجد آتے ہوئے راستے میں بھی ممنوع ہوگی۔

اس حدیث سے اس بات پر تنبیہ مقصود ہے کہ بندے کو چاہئے کہ وہ نماز کے راستے میں حضور اور خشوع وادب اور وقار کے ساتھ چلے محمد بن اسماعیل بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب صحیح البخاری میں ایک باب مسجد میں تشبیک کے موضوع پر قائم کیا ہے جس کے تحت انہوں نے دو حدیثیں نقل کی ہیں دونوں حدیثیں اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ مسجد میں انگلیوں کے درمیان تشبیک جائز ہے لہٰذا علماء کرام نے لکھا ہے کہ اس حدیث سے ثابت شدہ ممانعت کا تعلق اس صورت میں ہے کہ جب کوئی آدمی انگلیوں کے درمیان تشبیک محض کھیل اور تفریح طبع کی خاطر کرے اور کوئی آدمی بطریق تمثیل کرے تو جائز ہے یا پھر صحیح البخاری کی روایت کردہ احادیث کی یہ توجیہ بھی کی جاسکتی ہے کہ ان احادیث کا تعلق اس وقت سے ہے جب کہ انگلیوں کے درمیان تشبیک کی ممانعت کا حکم نہیں ہوا تھا۔ واللہ اعلم۔

نماز میں اختصار کے منع ہونے کا بیان

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نماز میں اختصار (یعنی کوکھ پر ہاتھ رکھنا) دوزخیوں کے آرام لینے کی صورت ہے۔ (ابوداؤد)

سعید بن زیاد بن صبیح سے روایت ہے کہ میں نے ایک مرتبہ ابن عمر کے پہلو میں نماز پڑھی تو میں نے اپنا ہاتھ کمر پر رکھ لیا۔ جب نماز ہو چکی تو فرمایا یہ تو نماز میں صلب ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے منع فرمایا کرتے تھے۔ (ابوداؤد)

وہاں یہ بھی بتایا جا چکا ہے کہ میدان حشر میں جب دوزخی کھڑے کھڑے بہت زیادہ تکلیف محسوس کریں گے تو وہ اپنے کوکھ پر ہاتھ رکھ کر کھڑے ہو جائیں گے اور اس طرح وہ کچھ دیر کے لیے آرام اور سکون کی خواہش کریں گے اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں کوکھ پر ہاتھ رکھ کر کھڑے ہونے کو منع فرمایا ہے کہ دوزخیوں کے ساتھ مشابہت نہ ہو۔

نماز میں اقعاء کرنے کی ممانعت

حضرت طاؤس کہتے ہیں کہ ہم نے سیدنا ابن عباسؓ سے کہا کہ اقعاء کی بیٹھک کے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں؟ انہوں نے کہا کہ یہ سنت ہے۔ ہم نے کہا کہ ہم تو اس بیٹھک کو آدمی پر (یا پاؤں پر) ستم سمجھتے ہیں۔ انہوں نے کہا (نہیں) بلکہ وہ تو تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔ (اقعاء یہ ہے کہ دونوں پاؤں کھڑے کر کے ایڑیوں پر بیٹھنا)۔ (صحیح مسلم 303)

نماز میں نظر پھیرنے والی روایت کی سند کا بیان

علامہ بدرالدین عینی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ کہ یہ حدیث'' **لَوْ عَلِمَ الْمُصَلِّی مَنْ یُنَاجِیْ مَا الْتَفَتَ** ''اسی طرح روایت نہیں کی گئی۔ بلکہ اس کا سنن ابن ماجہ میں امام ابن ماجہ نے اس طرح بیان کیا ہے۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جب کوئی بندہ نماز میں ہوتا ہے تو اللہ عز وجل اس بندے کی طرف اس وقت تک متوجہ رہتا ہے جب تک وہ ادھر ادھر (گردن پھیر کر نہیں دیکھتا چنانچہ جب بندہ ادھر ادھر دیکھتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اس سے منہ پھیر لیتا ہے۔ (مسند احمد بن حنبل، سنن ابوداؤد، سنن نسائی، دارمی)

ابن مالک رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے منہ پھیرنے سے مراد یہ ہے کہ جب کوئی نمازی حالت نماز میں گردن پھیر کر ادھر ادھر دیکھتا ہے تو اس کے ثواب میں کمی ہو جاتی ہے۔

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ایک صحیح روایت نقل کی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں کہ جب بندہ نماز میں کھڑا ہوتا ہے۔ تو پروردگار اپنی بزرگ و برتر ذات کے ساتھ اس طرف متوجہ ہوتا ہے (مگر) جب وہ بندہ (نماز میں) ادھر ادھر دیکھتا ہے اور اپنی نظر کو غیر کی طرف متوجہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے ابن آدم تو کس کی طرف دیکھ رہا ہے کیا تیرے لیے مجھ سے بھی کوئی بہتر ہے کہ جس کی طرف تیری نظر متوجہ ہو رہی ہے؟ میری طرف اپنا منہ پھیر جب بندہ دوبارہ ادھر ادھر دیکھتا ہے تو پروردگار پھر یہی فرماتا ہے اور جب تیسری مرتبہ ادھر ادھر دیکھتا ہے تو اللہ جل شانہ اپنے روئے مبارک جیسا کہ اس کی شان کے لائق ہے اس بندے کی طرف سے پھیر لیتا ہے۔

نماز میں ادھر ادھر دیکھنا کیسا ہے؟

حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ نماز میں ادھر ادھر دیکھنا کیسا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ شیطان کی جھپٹ ہے وہ آدمی کی نماز پر ایک جھپٹ مارتا ہے۔ (بخاری، ۴۳۴)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہ فرماتی ہیں کہ میں نے سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم سے نماز میں ادھر ادھر دیکھنے کے بارے میں پوچھا کہ آیا یہ مفسد نماز ہے یا نہیں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ اچک لینا ہے کہ شیطان بندے کی نماز میں سے اچک لیتا ہے۔ (صحیح البخاری وصحیح مسلم)

مطلب یہ ہے کہ جب کوئی آدمی نماز میں پوری توجہ اور پورے آداب کی ساتھ نہیں کھڑا رہتا بلکہ ادھرادھر دیکھتا ہے تو شیطان مردود ایسے نمازی کی نماز کے کمال کو اچک لیتا ہے یعنی اس طرح نماز کا کمال باقی نہیں رہتا یہاں ادھر ادھر دیکھنے سے مراد یہ ہے کہ نماز میں کوئی آدمی گردن گھما کر ادھر ادھر اس طرح دیکھے کہ منہ قبلے کی طرف سے پھر جائے تو اس کا مسئلہ یہ ہے کہ ایسے آدمی کی نماز مکروہ ہو جاتی ہے۔

اور اگر کوئی آدمی نماز میں ادھر ادھر اس طرح دیکھے کہ منہ کے ساتھ ساتھ سینہ بھی قبلے کی طرف بالکل پھر جائے تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی۔ کن انکھیوں سے ادھر ادھر دیکھنے سے نہ تو نماز فاسد ہوتی ہے اور نہ مکروہ ہوتی ہے البتہ یہ بھی خلاف اولیٰ ہے۔

نماز میں سلام وکلام کا ممنوع ہونا ثابت ہے

امام بخاری علیہ الرحمہ اپنی سند کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ حضرت سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کرتے تھے حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں ہوتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں جواب بھی دے دیا کرتے تھے۔ پھر جب ہم نجاشی (بادشاہ حبش) کے پاس سے لوٹ کر آئے تو ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز میں سلام کیا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں جواب نہ دیا اور نماز مکمل کرنے کے بعد فرمایا، نماز میں (اللہ کے ساتھ) مشغولیت ہوتی ہے۔ اس لیے نماز میں اور کسی طرف مشغول نہ ہونا چاہیے۔ (بخاری، رقم ۶۲۴)

امام ابوداؤد علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ (ابتداء میں) ہم میں سے ایک آدمی اپنے برابر والے سے نماز میں (ضرورت کی) بات کر لیتا پس یہ آیت نازل ہوئی وَقُومُوا لِلّٰهِ قَانِتِينَ یعنی اللہ کے آگے خاموش کھڑے رہو پس اس طرح ہمیں سکوت کا حکم ہوا اور گفتگو کی ممانعت ہوئی۔ (سنن ابوداؤد)

حضرت سیدنا جابر بن سمرہؓ کہتے ہیں کہ جب ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھتے تو نماز کے اختتام پر دائیں بائیں السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہتے ہوئے ہاتھ سے اشارہ بھی کرتے تھے۔ تو (یہ دیکھ کر) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم لوگ اپنے ہاتھ سے اس طرح اشارہ کرتے ہو جیسے شریر گھوڑوں کی دُمیں ہلتی ہیں، تمہیں یہی کافی ہے کہ تم قعدہ میں اپنی رانوں پر ہاتھ رکھے ہوئے دائیں اور بائیں منہ موڑ کر السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہا کرو۔ (صحیح مسلم، رقم ۳۱۱)

نماز میں سلام پھیرتے وقت جس طرح ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے سلام کرنا منع ہوا تو داخل نماز میں زبان سے یا اشارے سلام کرنا بدرجہ اولیٰ منع ہے۔

فصل فيما يكره للمصلى

﴿یہ فصل نمازی کے لئے مکروہ اشیاء کے بیان میں ہے﴾

نماز پڑھنے والے کے لئے مکروہ افعال کا بیان

يكره للمصلى سبعة وسبعون شيئا ترك واجب أو سنة عمدا كعبثه بثوبه وبدنه وقلب الحصا إلا للسجود مرة وفرقعة الأصابع وتشبيكها والتخصر والالتفات بعنقه والاقعاء وافتراش ذراعيه وتشمير كميه عنهما وصلاته في السراويل مع قدرته على لبس القميص ورد السلام بالإشارة والتربع بلا عذر وعقص شعره والاعتجار وهو شد الرأس بالمنديل وترك وسطها مكشوفا وكف ثوبه وسدله والاندراج فيه بحيث لا يخرج يديه وجعل الثوب تحت إبطه الأيمن وطرح جانبيه على عاتقه الأيسر والقراءة في غير حالة القيام وإطالة الركعة الأولى في التطوع وتطويل الثانية على الأولى في جميع الصلوات وتكرار السورة في ركعة واحدة من الفرض وقراءة سورة فوق التي قرأها وفصله بسورة بين سورتين قرأهما في ركعتين وشم طيب وترويحه بثوبه أو مروحه مرة أو مرتين وتحويل أصابع يديه أو رجليه عن القبلة في السجود وغيره و ترك وضع اليدين على الركبتين في الركوع والتثاؤب وتغميض عينيه ورفعهما للسماء والتمطى والعمل القليل وأخذ قملة وقتلها وتغطية أنفه وفمه ووضع شيء في فمه يمنع القراءة المسنونة والسجود على كور عمامته وعلى صور والاقتصار على الجبهة بلا عذر بالأنف والصلاة في الطريق والحمام وفي المخرج وفي المقبرة وارض الغير بلا رضاه وقريبا من نجاسة ومدافعا لأحد الأخبثين أو الريح ومع نجاسة غير مانعة إلا إذا خاف فوقت الوقت أو الجماعة وإلا ندب قطعها والصلاة في ثياب البذلة،

ترجمہ

نمازی کے لیے ستتر ۷۷ چیزیں مکروہ ہیں۔ ا۔کسی واجب کو جان بوجھ کر چھوڑ دینا۔ ۲۔کسی سنت کو جان بوجھ کر چھوڑ دینا مثلاً

اپنے کپڑے اور بدن کے ساتھ بے مقصد کھیلنا۔۳-کنکریاں الٹنا ہاں سجدہ کے لیے ایسا کرنا جائز ہے۔۴-انگلیاں چٹخانا۔۵-ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں داخل کرنا۔۶-کولہوں کر ہاتھ رکھ کر کھڑا ہونا۔۷-گردن پھیر کر ادھر ادھر متوجہ ہونا۔۸-اقعاء یعنی سرین پر اس طرح بیٹھنا کہ رانیں کھڑی ہوں، گھٹنے سینے کے ساتھ ملے ہوں اور ہاتھ زمین پر رکھے ہوں۔۹-مرد کا بازوؤں کو بچھانا (حالت سجدہ میں)۔۱۰-آستینیں چڑھا کر نماز پڑھنا۔۱۱-قمیص پر قدرت ہونے کے باوجود صرف شلوار میں نماز پڑھنا۔۱۲-اشارہ کے ساتھ سلام کا جواب دینا۔۱۳-بلا عذر چوکڑی مار کر بیٹھنا۔۱۴-اپنے بالوں کو گوندھ لینا۔۱۵-اعتجار یعنی سر پر اس طرح رومال باندھنا کہ سر کا درمیانی حصہ ننگا رہ جائے۔۱۶-اپنے کپڑے سمیٹنا۔۱۷-سدل کرنا یعنی سر یا کندھوں پر کپڑا رکھ کر اس کی دونوں طرفیں لٹکا دینا۔۱۸-کپڑے میں اس طرح داخل ہونا کہ ہاتھ باہر نہ نکال سکے۔۱۹-۲۰-کپڑے کو دائیں بغل سے نکال کر اس کے دونوں کنارے بائیں کندھے پر ڈال دینا۔۲۱-قیام کے علاوہ کسی اور حالت میں قراءت کرنا۔۲۲-نفل نماز میں پہلی رکعت کو لمبا کرنا۔۲۳-تمام نمازوں میں دوسری رکعت کو پہلی رکعت کی بہ نسبت لمبا کرنا۔۲۴-فرض نماز کی ایک ہی رکعت میں کسی سورت کو بار بار پڑھنا۔۲۵-(ایک رکعت میں) جو سورت پڑھ لی ہو (اگلی رکعت میں) اس سے پچھلی سورت پڑھنا۔۲۶-ایک رکعت میں ایک سورت پڑھ کر دوسری رکعت میں اس کے ساتھ والی سورت چھوڑ کر اگلی سورت پڑھنا۔۲۷-خوشبو سونگھنا۔۲۸-۲۹-کپڑے یا پنکھے کے ذریعے ایک یا دو بار ہوا لینا۔۳۰-۳۱-سجدہ وغیرہ میں ہاتھ یا پاؤں کی انگلیاں قبلہ سے پھیر دینا۔۳۲-رکوع میں گھٹنوں پر ہاتھ نہ رکھنا۔۳۳-جمائی لینا۔۳۴-آنکھیں بند رکھنا۔۳۵-آسمان کی طرف نگاہیں اٹھانا۔۳۶-انگڑائی لینا۔۳۷-عمل قلیل کرنا۳۸-۳۹-جوں پکڑنا اور اسے مار ڈالنا۔۴۰-ناک کو ڈھانپنا۔۴۱-منہ کو ڈھانپنا۔۴۲-منہ میں کوئی ایسی چیز رکھنا جو قراءت مسنونہ میں رکاوٹ بنتی ہو۔۴۳-پگڑی کے کنارے پر سجدہ کرنا۔۴۴-تصویر پر سجدہ کرنا۔۴۵-ناک میں کوئی عذر نہ ہونے کے باوجود صرف پیشانی کے ساتھ سجدہ کرنا۔۴۶ تا ۶۰-راستے پر، حمام، گزرگاہ قبرستان اور دوسرے کی زمین میں اس کی مرضی کے بغیر نماز پڑھنا۔ نجاست کے قریب نماز پڑھنا، پیشاب پاخانے یا ہوا کی شدت کے وقت نماز پڑھنا، اتنی نجاست کے ساتھ نماز پڑھنا جو مانع نہیں ہے، مگر جب نماز کے وقت یا جماعت کے نکلنے کا خوف ہو ورنہ ان کو دور کرنا مستحب ہے کام کاج کے کپڑوں میں نماز پڑھنا۔

نماز کے مکروہات کا بیان

امام ابوداؤد علیہ الرحمہ روایت کرتے ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ظلم یا جہالت اور گنوار پن کی بات ہے کہ مرد نماز سے فارغ ہونے سے پہلے بار بار پیشانی کو پونچھے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا نماز میں اپنی انگلیاں مت چٹخاؤ۔ (کہ دیکھنے والے کو ایسا محسوس ہو جیسے تم زبردستی قیام کر رہے ہو)۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں منہ ڈھانپنے سے منع فرمایا۔

حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صاحب کو نماز میں ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں ڈالے ہوئے دیکھا تو آپ نے اس کے دونوں ہاتھوں کی انگلیاں کھول (کرالگ الگ کر) دیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی جمائی لے تو اپنا ہاتھ منہ پر رکھ لے اور آواز نہ نکالے اس لئے کہ اس پر شیطان (خوش ہوکر) ہنستا ہے۔

حضرت عدی بن ثابت اپنے والد سے وہ دادا سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نماز میں تھوکنا، رینٹ نکالنا، حیض اور نفاس شیطان کی طرف سے ہیں۔ (سنن ابوداؤد)

نماز کے بعض مکروہات کا بیان

ومكشوف الرأس إلا للتذلل والتضرع وبحضرة طعام يميل إليه وما يشغل البال ويخل بالخشوع وعد الآى والتسبيح باليد وقيام الإمام فى المحراب أو على مكان أو الأرض وحده والقيام خلف صف فيه فرجة ولبس ثوب فيه تصاوير وأن يكون فوق رأسه أو خلفه أو بين يديه أو بحذائه صورة إلا أن تكون صغيرة أو مقطوعة الرأس أو لغير ذى روح وأن يكون بين يديه تنور أو كانون فيه جمر أو قوم نيام ومسح الجبهة من تراب لا يضره فى خلال الصلاة وتعيين سورة لا يقرأ غيرها إلا ليسر عليه أو تبركا بقراءة سيدنا النبى صلى الله عليه وسلم وترك اتخاذ سترة فى محل يظن المرور فيه بين يدى المصلى،

ترجمہ

ننگے سر نماز پڑھنا مگر جب کہ عجز وانکساری کے لیے سر ننگا نہ کیا ہو، کھانے کی موجودگی میں جب کہ دل کھانے کو چاہ رہا ہو اور ہر ایسی چیز کی موجودگی میں جو نمازی کی توجہ نماز سے ہٹا دے اور خشو میں خلل ڈالے۔۶۱-ہاتھ کے ساتھ آیات کو شمار کرنا۔۶۲-تسبیحات کو شمار کرنا۔۶۳-۶۴-۶۵-امام کا محراب میں یا کسی الگ مکان میں یا زمین میں تنہا کھڑا ہونا۔۶۶-اگلی صف میں خالی جگہ ہونے کے باوجود پچھلی صف میں کھڑا ہونا۔۶۷-ایسا کپڑا پہن کر نماز پڑھنا جس پر (ذی روح چیزوں کی) تصاویر ہوں۔۶۸-نمازی کے سر کے اوپر تصویر ہونا یا۔۶۹-اس کے پیچھے تصویر ہونا یا۔۷۰-سامنے تصویر ہونا۔۷۱-یا دائیں بائیں تصویر ہونا۔ مگر جب تصویر بہت چھوٹی ہو یا اس کا سر کٹا ہوا ہو یا غیر ذی روح کی تصویر ہو (تو نماز مکروہ نہیں) ۷۲-نمازی کے سامنے تنور ہونا یا۔۷۳-چولہا ہونا جس میں انگارے دہک رہے ہوں۔۷۴-سوئے ہوئے آدمیوں کا سامنے ہونا۔۷۵-دوران نماز پیشانی سے ایسی مٹی جھاڑنا جو تکلیف کو باعث نہ بن رہی ہو۔۷۶-کسی خاص سورت کو متعین کر لینا کہ دوسری سورت بالکل نہ پڑھے البتہ آسانی کے لیے یا قراءت نبوی سے برکت حاصل کرنے کے لیے ایسا کرے تو جائز ہے۔۷۷-جہاں نمازی کے سامنے سے لوگوں کے گزرنے کا گمان ہو وہاں سترہ نہ بنانا۔

فصل فی اتخاذ السترة

﴿یہ فصل سترہ بنانے کے بیان میں ہے﴾

نمازی کے لئے سترہ ہونے کا بیان

ودفع المارة بين يدى المصلى إذا ظن مروره يستحب له أن يغرز سترة تكون طول ذراع فصاعدا فى غلظ الإصبع والسنة أن يقرب منها ويجعلها على أحد حاجبيه ولا يصمد إليها صمدا وإن لم يجد ما ينصبه فليخط خطا طولا وقالوا بالعرض مثل الهلال دفع المار أمامه والمستحب ترك دفع المار ورخص دفعه بالإشارة أو بالتسبيح وكره الجمع بينهما ويدفعه برفع الصوت بالقراءة وتدفعه بالإشارة أو التصفيق بظهر أصابع اليمنى على صفحة كف اليسرى ولا ترفع صوتها لأنه فتنة ولا يقاتل المار وما ورد مؤول بأنه كان والعمل مباح وقد نسخ،

ترجمہ

سترہ اختیار کرنا اور نمازی کے آگے سے گزرنے والے کو دور کرنا۔ جب کسی کے گزرنے کا گمان ہو تو مستحب ہے کہ سترہ گاڑے جس کی لمبائی ایک گز یا اس سے زیادہ ہو اور ایک انگلی کے برابر موٹا ہو سنت یہ ہے کہ سترہ قریب ہو اور اسے کسی ایک ابرو کے برابر رکھے بالکل اس کے مقابل نہ ہو۔ اگر نصب کرنے کے لیے کوئی چیز نہ ہو تو لمبائی میں ایک لکیر کھینچے۔ بعض فقہاء نے فرمایا چاندی کی طرح چوڑائی میں کھینچے مستحب تو گزرنے والے کو دور کرنے کا ترک ہے۔ اشارے اور تسبیح کے ساتھ ہٹانے کی اجازت دی گئی ہے لیکن دونوں کو جمع کرنا مکروہ ہے بلند آواز سے قراءت کر کے بھی ہٹا سکتا ہے۔ عورت اشارے کے ساتھ یا دائیں ہاتھ کی انگلیوں کو بائیں ہاتھ کی پیٹھ پر مارنے کے ذریعے ہٹائے۔ اپنی آواز بلند نہ کرے کیوں کہ یہ فتنہ ہے۔ نمازی گزرنے والے سے لڑائی بھی نہ کرے اور اس کے بارے میں جو روایت آئی ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ کبھی ایسا تھا جب نماز میں حرکت جائز تھی اور تحقیق وہ منسوخ ہو گئی۔

احکام سترہ سے متعلق احادیث کا بیان

حضرت سیدنا ابوذرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جب تم میں سے کوئی نماز پڑھنے کے لئے کھڑا ہو اور اس

کے سامنے پالان کی پچھلی لکڑی کے برابر کوئی شے ہو، تو وہ آڑ کے لئے کافی ہے۔ اگر اتنی بڑی (یا اس سے اونچی) کوئی شے اس کے سامنے نہ ہو اور گدھا یا عورت یا سیاہ کتا سامنے سے گزر جائے تو اس کی نماز ٹوٹ جائے گی۔ میں نے کہا کہ اے ابوذرؓ! یہ سیاہ کتے کی کیا خصوصیت ہے اگر لال کتا ہو یا زرد ہو؟ انہوں نے کہا کہ اے میرے بھتیجے! میں نے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسے ہی پوچھا جیسے تو نے مجھ سے پوچھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، سیاہ کتا شیطان ہوتا ہے۔ (صحیح مسلم ,258)

سترے کو قریب کھڑا کرنا چاہئے

حضرت سہل ابن حثمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی آدمی سترے کی طرف منہ کر کے نماز پڑھے تو اسے چاہئے کہ وہ سترے کے قریب رہے تا کہ شیطان اس کی نماز نہ توڑے۔ (سنن ابوداؤد)

سترے کے قریب رہنے کا مطلب یہ ہے کہ سترا اتنا نزدیک کھڑا کیا جائے کہ سجدہ اس کے پاس ہو سکے تا کہ شیطان اس کی نماز میں کوئی خلل نہ ڈال سکے۔ کیونکہ نمازی اگر سترے سے دور کھڑا ہو گا تو اس کے سامنے سے کسی کے گزرنے کا احتمال ہو گا۔ چنانچہ شیطان ایسی صورت میں اس کے دل میں وسواس وشبہات کے بیج بوئے گا جس سے حضوری قلب میں فرق آ جائے گا۔ اور نماز میں حضوری قلب کی دولت میسر نہیں رہی تو گویا اس کی نماز ٹوٹ گئی اس لیے کہ نماز کا کمال اور ثواب بغیر حضوری قلب کے حاصل نہیں ہوتا لہٰذا سترے کے قریب کھڑا ہونے کی وجہ سے اس آفت سے حفاظت حاصل ہو گی۔

سترہ پیشانی کے عین سامنے کھڑا نہیں کرنا چاہئے

حضرت مقداد ابن اسود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی نہیں دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم لکڑی، ستون یا درخت کی طرف (منہ کر کے) نماز پڑھتے ہوں اور یہ چیزیں ٹھیک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کھڑی ہوں بلکہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی داہنی یا بائیں بھوؤں (ابروں کے سامنے ہوتی تھیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی سیدھ کا قصد نہ کرتے تھے۔ (سنن ابوداؤد)

مطلب یہ ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سترہ کھڑا کرتے تھے تو اس بات کا بطور خاص خیال رکھتے تھے کہ سترہ پیشانی کے عین سامنے نہ ہو بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سترے کو دائیں یا بائیں بھوؤں کے سامنے کھڑا کرتے تھے اور اس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد یہ ہوتا تھا کہ بت پرستی کی مشابہت نہ ہو۔

فصل فيما لايكره للمصلى لايكره

﴿یہ فصل ان چیزوں کے بیان میں جو نمازی کے لیے مکروہ نہیں﴾

لـه شـد الـوسـط ولا تـقـلـد بسيف ونحوه اذا لم يشتغل بحركته ولا عدم إدخال يديه فى فـرجيـه وشـقـه عـلـى المختار ولا التوجه لمصحف أو سيف معلق أو ظهر قاعد يتحدث أوشـمـع أو سراج على الصحيح والسجود على بساط فيه تصاوير لم يسجد عليها وقتل حية وعـقـرب خـاف أذاهـما ولو بضربات وانحراف عن القبلة فى الأظهر ولا بأس بنفض ثـوبـه كيـلا يـلـتـصـق بجسده فى الركوع ولا بمسح جبهته من التراب أو الحشيش بعد الـفـراغ مـنالصلاة ولا قبل الفراغ اذا ضره أوشغله عن الصلاة ولا بالنظر بموق عينيه من غيـر تـحـويل الوجه ولا بأس بالصلاة على الفرش والبسط واللبود والأفضل الصلاة على الأرض أو على ما تنبته ولا بأس بتكرار السورة فى الركعتين من النفل،

ترجمہ

نمازی کے لیے کمر باندھنا مکروہ نہیں اور نہ تلوار وغیرہ لٹکانا مکروہ ہے جب کہ اس کی حرکت سے دل ادھر متوجہ نہ ہو ہاتھوں کو فرجی اور شق میں داخل کرنا بھی مختار مذہب پر مکروہ نہیں۔ قرآن پاک، لٹکی ہوئی تلوار، بیٹھے ہوئے باتیں کرنے والے کی پیٹھ، موم بتی یا چراغ وغیرہ کی طرف دیکھنا صحیح قول میں مکروہ نہیں، ایسے بچھونے پر سجدہ کرنا جس میں تصویریں ہوں لیکن تصویروں پر سجدہ نہ کرے، سانپ اور بچھو مارنا جب ان کے نقصان پہنچانے کا ڈر ہو اگر چہ کئی ضربوں اور قبلہ سے پھر جانے کے ساتھ ہو یہ اظہر قول کے مطابق ہے۔ کپڑے کو جھاڑنے میں تاکہ وہ رکوع میں جسم کیساتھ نہ مل جائے کوئی حرج نہیں۔ نماز سے فارغ ہونے کے بعد یا فراغت سے پہلے پیشانی سے مٹی یا گھاس صاف کرنے میں کوئی حرج نہیں جب کہ اسے تکلف دیتا ہو یا نماز سے غافل کرتا ہو چہرہ پھیرے بغیر محض آنکھ کے کنارے سے دیکھنے میں بھی کوئی حرج نہیں۔ بچھونوں اور نمدوں پر بھی نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں زمین یا اس سے اگنے والی چیز پر نماز پڑھنا افضل ہے۔ نوافل کی دو رکعتوں میں ایک سورت کے تکرار میں کوئی حرج نہیں۔

شرح

حضرت سیدنا انسؓ کہتے ہیں کہ ام المومنین عائشہ صدیقہؓ کے پاس ایک پردہ تھا کہ انھوں نے اس سے اپنے گھر کے ایک گوشے کو ڈھانپا تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ہمارے پاس سے اپنا یہ پردہ ہٹا دو اس لیے کہ نماز میں اس کی تصویریں برابر میرے سامنے آتی ہیں۔ (بخاری)

فصل فيما يوجب قطع الصلاة

﴿یہ فصل نماز کو توڑنے والے اسباب کے بیان میں ہے﴾

نماز تڑوانے والے اسباب کا بیان

وما يجيزه وغير ذلك متى يجب ومتى يجوز يجب قطع الصلاة باستغاثة ملهوف بالمصلى لا بنداء أحد أبويه ويجوز قطعها بسرقة ما يساوى درهما ولو لغيره وخوف ذئب على غنم أو خوف تردى أعمى فى بئر ونحوه واذا خافت القابلة موت الولد وإلا فلا بأس بتأخيرها الصلاة وتقبل على الولد وكذا المسافر اذا خاف من اللصوص أو قطاع الطريق جاز له تأخير الوقتية جزاء تارك الصلاة والصوم وتارك الصلاة عمدا كسلا يضرب ضربا شديدا حتى يسيل منه الدم ويحبس حتى يصليها وكذا تارك صوم رمضان ولا يقتل إلا اذا جحد أو استخف بأحدهما،

ترجمہ

یہ فصل ان چیزوں کے بارے میں ہے جن کی وجہ سے نماز کا توڑنا واجب یا جائز ہے یا اس کے علاوہ حکم ہے مظلوم نمازی سے فریاد کرے تو نماز توڑنا واجب ہے ماں باپ میں سے کسی کے بلانے پر واجب نہیں۔ ایک درھم کے برابر چوری پر نماز توڑنا جائز ہے اگرچہ کسی دوسرے کا مال ہو۔ بکریوں پر بھیڑیے کے خوف اور اندھے کے کنویں وغیرہ میں گرنے کے خوف سے بھی نماز توڑنا جائز ہے۔ جب دایہ کو بچے کی موت کا ڈر ہو تو نماز کا توڑنا جائز ہے ورنہ نماز کو موخر کرنے میں کوئی حرج نہیں اور وہ بچے کی طرف متوجہ ہو اسی طرح جب مسافر کو چوروں کا ڈاکوؤں کا ڈر ہو تو وقتی نماز میں تاخیر کرنا جائز ہے۔

جان بوجھ کر سستی سے نماز چھوڑنے والے کو سخت مار ماری جائے یہاں تک کہ اس سے خون بہنے لگے اور اسے قید کر دیا جائے یہاں تک کہ نماز پڑھنے لگے اسی طرح رمضان المبارک کے روزے چھوڑنے والے کا حکم ہے اور جب تک وہ ان کا انکار نہ کرے یا ہلکا نہ جانے قتل نہ کیا جائے۔

دو کالوں کو مارنے کا حکم اور اس کا فقہی مفہوم

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نماز میں دو کالوں یعنی سانپ اور بچھو کو مار

ڈالو۔ (احمد، ترمذی اور نسائی)

ابن مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایسی حالت میں نماز پڑھتے ہوئے سانپ یا بچھو سامنے آ جائے تو ان کو ایک چوٹ یا دو چوٹ کے ساتھ مارنا چاہیے اس سے زیادہ چوٹ نہ مارنی چاہیے کیونکہ یہ عمل کثیر ہو جائے گا جس سے نماز فاسد ہو جائے گی۔ شرح منیہ میں بعض مشائخ کا قول مذکور ہے کہ یہ (یعنی نماز میں سانپ بچھو مارنے کا حکم) اس صورت میں ہے جب کہ نمازی کو بہت زیادہ یعنی تین قدم پے در پے چلنا نہ پڑے اور نہ زیادہ مشغولیت ہو یعنی تین چوٹ پے در پے مارنے کی ضرورت پیش نہ آئے اور اگر کوئی نمازی سانپ یا بچھو مارنے کی غرض سے پے در پے تین قدم چلے گا یا پے در پے چوٹیں مارے گا تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی۔ کیونکہ اتنا زیادہ چلنا یا اتنی مقدار مشغولیت اختیار کرنا عمل کثیر ہے۔ سرخسی نے اسے مبسوط میں ذکر کیا ہے اور پھر کہا ہے کہ بہتر یہ ہے کہ اس سلسلے میں یہ فرق نہ کیا جائے کہ تین قدم چلنے سے یا تین چوٹیں مارنے سے نماز فاسد ہو جائے گی کیونکہ جس طرح حدیث پیش آ جانے (یعنی وضو ٹوٹ جانے کی شکل میں زیادہ چلنے کی سہولت دی گئی ہے اسی طرح اس مسئلے میں بھی سہولت دی گئی ہے۔ لیکن تحقیقی طور پر صحیح بات یہی ہے کہ تین قدم چلنے یا تین چوٹ مارنے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے۔

البتہ اتنی سہولت ہے کہ ایسے موقع پر جب کہ سانپ یا بچھو نماز میں سامنے آ جائے اور اس کا مارنا ضروری ہو تو ایسی صورت میں ان کو مارنے کے لیے نماز توڑ دینا مباح ہے جیسا کہ کسی مظلوم کی فریاد رسی یا کسی کو ڈوبنے اور ہلاکت سے بچانے کی خاطر نماز توڑ دینا مباح ہے یعنی اگر کسی کے چھت سے گر جانے یا آگ میں جل جانے یا کنویں وغیرہ میں ڈوب جانے کا قوی خطرہ ہو اور قریب ہی ایک آدمی نماز میں ہو تو اس نمازی کو چاہئے کہ نماز کو توڑ دے اور انہیں بچانے کی کوشش کرے یا اسی طرح کسی نمازی کو حالت نماز میں اپنی یا غیر کی کسی چیز کے ضائع ہو جانے کا خوف ہو اور اس کی قیمت ایک درہم تک ہو تو اسے اس چیز کو بچانے کے لیے نماز توڑ دینا جائز ہے۔ اس حدیث سے بظاہر تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ صرف کالے سانپ ہی کو مارا جا سکتا ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ حدیث میں کالے سانپ کی تخصیص محض تغلیباً کی گئی ہے چنانچہ ہدایہ میں لکھا ہے کہ ہر قسم کے سانپوں کو مارنا جائز ہے کالے سانپوں ہی کی تخصیص نہیں ہے۔

باب الوتر

﴿یہ باب نماز وتر کے بیان میں ہے﴾

لفظ وتر کے لغوی و اصطلاحی معنی کا بیان

وتر (لفظ وتر میں واؤ کو زیر اور زبر دونوں کے ساتھ پڑھ سکتے ہیں مگر زیر کے ساتھ پڑھنا زیادہ مشہور ہے۔ (ہر اس نماز کو کہہ سکتے ہیں جس میں طاق رکعتیں ہوں مگر فقہا کے ہاں وتر اسی خاص نماز کو کہتے ہیں جس کا وقت عشاء کی نماز کے بعد ہے جو عام طور پر عشاء کے فورا بعد ہی پڑھی جاتی ہے اور اس باب میں اسی نماز وتر کا بیان ہوگا۔

نماز وتر کے وجوب کی دلیل شرعی کا بیان

حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہا بیان کرتے ہیں کہ سرو کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وتر کی نماز ہر مسلمان پر حق یعنی لازم ہے لہٰذا جو آدمی وتر پانچ رکعتیں پڑھنا چاہے وہ پانچ رکعتیں پڑھ لے، جو آدمی تین رکعتیں پڑھنا چاہیے وہ تین رکعتیں پڑھ لے اور جو آدمی ایک ہی رکعت پڑھنا چاہے وہ ایک ہی رکعت پڑھ لے۔

(ابوداؤد، سنن نسائی، ابن ماجہ، مشکوۃ شریف، جلد اول، رقم الحدیث، 1241)

حق، کے معنی ہیں واجب اور ثابت، لہٰذا حضرت امام ابوحنیفہ تو حق کے معنی واجب مراد لیتے ہیں، اس لئے وہ فرماتے ہیں کہ وتر کی نماز واجب ہے، حضرت امام شافعی حق کے معنی ثابت مراد لیتے ہیں یعنی وتر کی نماز سنت سے ثابت ہے لہٰذا وہ فرماتے ہیں کہ وتر کی نماز سنت ہے چونکہ اس حدیث میں وتر کی رکعتوں کی تعداد پانچ بھی ثابت ہے اور تین اور ایک بھی، اس لئے حضرت سفیان ثوری اور دیگر ائمہ نے تو پانچ کے عدد کو اختیار کیا ہے۔ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ نے تین کے عدد کو قبول کیا ہے اور حضرت امام شافعی نے ایک کے عدد کو اختیار کرتے ہوئے کہا ہے کہ وتر کی ایک ہی رکعت ہے۔

نماز وتر کا بیان

حکمه و کیفیته الوتر واجب وهو ثلاث رکعات بتسلیمة ویقرأ فی کل رکعة منه الفاتحة وسورة ویجلس علی رأس الأولیین منه ویقتصر علی التشهد ولا یستفتح عند قیامه للثالثة واذافرغ من قراءة السورة فیها رفع یدیه حذاء أذنیه ثم کبر وقنت قائما قبل الرکوع فی

جمیع السنة ولا یقنت فی غیر الوتر معنی القنوت وصیغته والقنوت معناه الدعاء وهو أن یقول اللّٰهم إنا نستعینك ونستهدیك ونستغفرك ونتوب الیك ونؤمن بك ونتوكل علیك ونثنی علیك الخیر كله نشكرك ولا نكفرك ونخلع ونترك من یفجرك اللہ إیاك نعبد ولك نصلی ونسجد والیك نسعی ونحفد نرجو رحمتك ونخشی عذابك إن عذابك الجد بالكفار ملحق وصلی اللہ علی سیدنا النبی وسلم والمؤتم یقرأ القنوت كالإمام الدعاء واذا شرع الإمام فی الدعاء بعد ما تقدم قال أبو یوسف رحمه اللہ یتابعونه ویقرءونه معه وقال محمد لا یتابعونه ولكن یؤمنون

ترجمہ

وتر واجب ہیں اور وہ ایک سلام کے ساتھ تین رکعتیں ہیں ہر رکعت میں سورت فاتحہ اور اس کے ساتھ کوئی سورت پڑھے۔ پہلی دو رکعتوں کے آخر میں بیٹھے اور صرف تشہد پڑھے اور تیسری رکعت کے لیے کھڑا ہو تو ثناء نہ پڑھے۔ اور جب تیسری رکعت میں سورت پڑھ کر فارغ ہو تو ہاتھوں کو کانوں کے برابر اٹھائے پھر تکبیر کہے اور رکوع میں جانے سے پہلے کھڑے ہونے کی حالت میں دعائے قنوت پڑھے اور سارا سال ایسا ہی کرے وتروں کے علاوہ قنوت نہ پڑھے۔ قنوت کا معنی دعا ہے اور اس کے الفاظ یہ ہیں۔ اللھم انا نستعینك الخ۔ یا اللہ ہم تجھ سے مدد مانگتے ہیں تجھ سے ہدایت چاہتے ہیں۔ تجھ سے بخشش کے طالب ہیں۔ تجھ پر ایمان لاتے ہیں تجھ پر بھروسہ کرتے ہیں، ہر بھلائی پر تیری حمد وثناء کرتے ہیں، تیرا شکر ادا کرتے ہیں اور تیری ناشکری نہیں کرتے تیری نافرمانی کرنے والے سے الگ ہوتے ہیں اور اسے چھوڑ دیتے ہیں۔ یا اللہ ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں تیرے لیے ہی نماز پڑھتے اور سجدہ کرتے ہیں، تیری طرف ہی چلتے اور دوڑتے ہیں، تیری رحمت کی امید رکھتے اور تیرے عذاب سے ڈرتے ہیں۔ بے شک تیرا عذاب کافروں کو پہنچنے والا ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی آل پر اللہ تعالیٰ کی رحمت اور سلام ہو۔

مقتدی بھی امام کی طرح دعائے قنوت پڑھے۔ اور جب امام اس مذکورہ بالا دعا کے بعد دوسری دعا پڑھنے لگے تو امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں مقتدی اس کی پیروی کریں اور اس کے ساتھ پڑھیں اور امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس کی اتباع نہ کریں البتہ آمین کہیں۔

نماز وتر واجب ہے یا سنت

نماز وتر کے سلسلہ میں ائمہ کے ہاں دو چیزوں میں اختلاف پایا جاتا ہے پہلی چیز تو یہ کہ آیا نماز وتر واجب ہے یا سنت؟ چنانچہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ وتر کی نماز واجب ہے حضرت امام شافعی اور حضرت قاضی ابو یوسف فرماتے ہیں کہ سنت ہے۔

نماز وتر کی ایک رکعت ہے یا تین رکعتیں

علماء کے نزدیک دوسرا اختلاف یہ ہے کہ نماز وتر کی ایک رکعت ہے یا تین؟ حنفیہ کے ہاں وتر کی تین رکعتیں ہیں جب کہ اکثر ائمہ کا مسلک یہ ہے کہ نماز وتر صرف ایک ہی رکعت ہے تاہم ان حضرات کے نزدیک بھی وتر کے لیے صرف ایک رکعت پڑھنا مکروہ ہے بلکہ ان حضرات کا کہنا ہے کہ پہلے دو رکعت پڑھ کر سلام پھیرا جائے اس کے بعد ایک وتر پڑھی جائے۔

نماز وتر کا طریقہ

وتر کی نماز مغرب کی نماز کی طرح حنفیہ کے مسلک کے مطابق تین رکعت پڑھی جاتی ہے، اس کے پڑھنے کا وہی طریقہ ہے جو فرض نمازوں کا ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ محض دو رکعتوں میں سورت فاتحہ کے بعد دوسری سورت ملائی جاتی ہے جب کہ وتر کی نماز میں تینوں رکعتوں میں دوسری سورت پڑھنے کا حکم ہے اور تیسری رکعت میں دوسری سورت کے بعد دونوں ہاتھ تکبیر کے ساتھ کانوں تک اٹھا کر جس طرح کہ تکبیر تحریمہ کے وقت اٹھاتے ہیں پھر باندھے جائیں اور بآواز آہستہ دعا قنوت پڑھی جائے۔

نماز وتر کی رکعات کی تعداد کا بیان

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا رات کی نماز دو دو رکعت ہے اور جب کسی کو صبح ہونے کا اندیشہ ہونے لگے تو ایک رکعت پڑھ لے، یہ (ایک رکعت) پہلی پڑھی ہوئی نماز کو طاق کر دے گی۔ (صحیح البخاری وصحیح مسلم، مشکوٰۃ شریف، جلد اول، رقم الحدیث، 1230)

حدیث کے پہلے جزو کا مطلب یہ ہے کہ رات کو پڑھی جانے والی نفل نمازیں دو دو رکعت کر کے پڑھی جائیں چنانچہ حضرت امام شافعی، حضرت امام ابو یوسف اور حضرت امام محمد نے اس حدیث کے پیش نظر کہا ہے کہ افضل یہی ہے کہ رات میں نفل نمازیں اس طرح پڑھی جائیں کہ ہر دو رکعت کے بعد سلام پھیرا جائے یعنی دو دو رکعت کر کے پڑھی جائیں۔ حدیث کے دوسرے جزء کا مطلب یہ ہے کہ رات کو نماز میں مشغول رہنے والا آدمی جب یہ دیکھے کہ رات ختم ہو رہی ہے اور صبح نمودار ہونے والی ہے تو وہ ان نمازوں کے بعد ایک رکعت پڑھ لے تاکہ یہ ایک رکعت پہلی پڑھی ہوئی نمازوں کو طاق کر دے، اس طرح یہ حدیث امام شافعی کی دلیل ہے کیونکہ ان کے نزدیک وتر کی ایک ہی رکعت ہے۔

اور تین اور ایک بھی، اس لیے حضرت سفیان ثوری اور دیگر ائمہ نے تو پانچ کے عدد کو اختیار کیا ہے۔ حضرت امام اعظم ابو حنیفہ نے تین کے عدد کو قبول کیا ہے اور حضرت امام شافعی نے ایک کے عدد کو اختیار کرتے ہوئے کہا ہے کہ وتر کی ایک ہی رکعت ہے۔

امام طحاوی حنفی نے صلی رکعۃ واحدۃ الخ کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ ایک رکعت اس طرح پڑھے کہ اس سے پہلے دو رکعتیں پڑھ لے تاکہ یہ رکعت شفع یعنی اس ایک رکعت سے پہلے پڑھی گئی دونوں رکعتوں کو طاق کر دے۔ گویا ایک رکعت علیحدہ نہ پڑھی جائے بلکہ دو رکعتوں کے ساتھ ملا کر پڑھی جائے۔ علامہ ابن ہمام فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے تو یہ کہیں ثابت ہی نہیں

ہوتا کہ وتر کی ایک رکعت علیحدہ تکبیر تحریمہ کے ساتھ پڑھی جائے، لہٰذا اس کے ذریعے وتر کی ایک رکعت ہونے پر استدلال کرنا درست نہیں ہے۔

پھر وتر کی تین ہی رکعتیں ہونے کے سلسلہ میں حنفیہ کی ایک بڑی دلیل یہ بھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صلوٰۃ بتیرا یعنی تنہا ایک رکعت نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے۔

جہاں تک صحابہ اور سلف کے عمل کا تعلق ہے تو اس کے بارے میں وثوق کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ اکثر فقہا صحابہ اور سلف کا معمول وتر کی تین رکعتیں ہی پڑھنا تھا۔ چنانچہ حضرت عمر فاروق کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے ان کو تو اس سلسلے میں بہت زیادہ اہتمام تھا۔ انہوں نے ایک مرتبہ حضرت سعید بن مسیّب کو وتر ایک رکعت پڑھتے ہوئے دیکھا تو فرمایا کہ، کیسی ناقص نماز پڑھتے ہو؟ دو رکعت اور پڑھو ورنہ تمہیں سزا دوں گا۔

جامع ترمذی نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے وتر کی تین رکعتیں نقل کی ہیں اور اسی کو عمران بن حصین، حضرت عائشہ، عبداللہ ابن عباس اور ابوایوب کی طرف منسوب کیا ہے اور آخر میں انہوں نے صراحت کر دی ہے کہ صحابہ اور تابعین کی ایک جماعت اسی طرف ہے۔

حضرت عمر فاروق اور حضرت عبداللہ ابن مسعود کے بارے میں موطا امام محمد میں مذکور ہے کہ ان کے نزدیک بھی وتر کی تین ہی رکعتیں ہیں۔ حضرت امام حسن بصری فرماتے ہیں کہ سلف کا اسی پر معمول تھا۔

تین رکعت کی وتر صحابہ میں مشہور تھی، ایک رکعت کی وتر تو عام طور پر لوگ جانتے بھی نہ تھے چنانچہ حضرت معاویہ کو عبداللہ ابن عباس کے مولی نے ایک رکعت وتر پڑھتے ہوئے دیکھا تو ان کو بہت تعجب ہوا انہوں نے حضرت عباس کی خدمت میں حاضر ہو کر اس کو بڑے اہتمام کے ساتھ بیان کیا۔ حضرت عبداللہ ابن عباس نے ان کی وحشت و حیرت یہ کہہ کر ختم کر دی کہ معاویہ فقیہ ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت سے مشرف ہو چکے ہیں ان پر اعتراض نہ کرو۔ (صحیح البخاری)

بہرحال ان تمام باتوں کو دیکھتے ہوئے فیصلہ کرنا پڑتا ہے کہ وتر کی تین ہی رکعتیں ہیں جن احادیث سے وتر کی ایک رکعت ثابت ہوتی ہے وہ سب قابل تاویل ہیں۔ یا یہ کہ ان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پہلی حالتوں کا ذکر ہے آخر فعل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی تین ہی رکعت پر تھا جو صحابہ میں مشہور ہوا اور ظاہر ہے کہ امت کے لیے آپ کا وہی فعل حجت اور دلیل بن سکتا ہے جس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آخر میں عمل اختیار فرمایا ہو۔

حضرت انس بن سیرین سے روایت ہے کہ میں نے ابن عمر سے پوچھا کیا میں فجر کی دو رکعتوں میں قرات لمبی کروں تو انہوں نے فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم رات کو دو دو رکعت کر کے نماز پڑھتے اور پھر آخر میں ایک رکعت وتر پڑھتے اور فجر کی دو رکعتیں اس وقت پڑھتے جب فجر کی اذان سنتے۔

اس باب میں حضرت عائشہ جابر فضل بن عباس ابوایوب اور ابن عباس سے بھی روایت ہے کہ امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے

ہیں ابن عمر کی حدیث حسن صحیح ہے اور بعض صحابہ اور تابعین کا اسی پر عمل ہے کہ دو رکعتوں اور تیسری رکعت کے درمیان فصل کرے اور تیسری رکعت وتر کی پڑھے امام مالک، شافعی، احمد اور اسحاق کا یہی قول ہے۔ (جامع ترمذی، جلد اول، رقم الحدیث، 448)

نماز وتر کی دعا کا بیان

والدعاء هو هذا اللّٰهم اهدنا بفضلك فيمن هديت وعافنا فيمن عافيت وتولنا فيمن توليت وبارك لنا فيما أعطيت وقنا شر ما قضيت إنك تقضي ولا يقضى عليك إنه لا يذل من واليت ولا يعز من عاديت تباركت ربنا وتعاليت وصلى الله على سيدنا محمد وآله وصحبه وسلم متفرقات في احكام القنوت ومن لم يحسن القنوت يقول اللّٰهم اغفر لي ثلاث مرات أو ربنا آتنا في الدنيا حسنة وفي الآخرة حسنة وقنا عذاب النار أو يا رب يا رب يا رب واذا اقتدى بمن يقنت في الفجر قام معه في قنونته ساكتا في الأظهر ويرسل يديه في جنبيه واذا نسي القنوت في الوتر وتذكره في الركوع أو الرفع منه لا يقنت ولو قنت بعد رفع رأسه من الركوع لا يعيد الركوع ويسجد للسهو لزوال القنوت عن محله الأصلي ولو ركع الإمام قبل فراغ المقتدي من قراءة القنوت أو قبل شروعه فيه وخاف فوت الركوع تابع إمامه ولو ترك الإمام القنوت يأتي به المؤتم إن أمكنه مشاركة الإمام في الركوع وإلا تابعه ولو أدرك الإمام في ركوع الثالثة من الوتر كان مدركا للقنوت فلا يأتي فيما سبق به ويوتر بجماعة في رمضان فقط وصلاتة مع الجماعة في رمضان أفضل من أدائه منفردا آخر الليل في اختيار قاضيخان قال هو الصحيح وصحح غيره خلافه ۔

ترجمہ

وہ دعا یہ ہے اللهم اهدنا الخ۔ یا اللہ ہمیں اپنے فضل سے ان لوگوں کے ساتھ ہدایت عطاء فرما جن کو تو نے ہدایت بخشی اور جن کو تو نے عافیت عطا فرمائی ان کے ساتھ ہمیں بھی عافیت عطا فرما۔ ان لوگوں میں میری نگہبانی فرما اور جو کچھ تو نے عطا فرمایا اس میں ہمیں برکت دے اور اپنے فیصلے کے شر سے ہمیں محفوظ فرما بے شک تو فیصلہ فرماتا ہے اور تیرے خلاف فیصلہ نہیں ہوتا۔ بلاشبہ جس کا تو والی ہو وہ ذلیل نہیں ہوتا اور تیرا دشمن عزت نہیں پاتا۔ اے ہمارے رب تو برکت والا اور بلند ہے ہمارے سردار محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی آل پر رحمت وسلام ہو۔ جو شخص اچھی طرح دعائے قنوت نہ پڑھ سکتا ہو وہ یہ دعا تین بار پڑھے۔ ربنا آتنا في الدنيا حسنة وفي الآخرة حسنة وقنا عذاب النار ۔ اے ہمارے رب ہمیں دنیا میں بھلائی اور آخرت میں بہتری عطاء فرما اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچا۔

یا یوں کہے۔ یارب۔ یارب۔ یارب۔ اگر کسی ایسے امام کی اقتداء کرے جو فجر کی نماز میں دعائے قنوت پڑھتا ہے تو اس کے ساتھ قنوت کے وقت خاموش کھڑا رہے یہ زیادہ ظاہر روایت میں ہے اور ہاتھوں کو پہلوؤں میں لٹکا دے۔ جب وتر نماز میں دعائے قنوت بھول جائے اور رکوع میں یا اس سے اٹھتے ہوئے یاد آئے تو قنوت نہ پڑھے۔ اور اگر رکوع سے سر اٹھانے کے بعد قنوت پڑھا تو رکوع نہ لوٹائے اور قنوت کے اپنی اصلی جگہ سے ہٹ جانے کی وجہ سے سجدہ سہو کرے۔

اگر امام، مقتدی کے قنوت پڑھنے سے فارغ ہونے سے پہلے یا اسے شروع کرنے سے پہلے فارغ ہو جائے اور رکوع نکل جانے کا ڈر ہو تو امام کی اتباع کرے اور اگر امام قنوت چھوڑ دے اور اگر امام قنوت چھوڑ دے تو مقتدی اسے پڑھے۔ بشرطیکہ رکوع میں امام کے ساتھ شرکت ممکن ہو ورنہ اس کی اتباع کرے۔ اگر مقتدی نے امام کو وتروں کی تیسری رکعت کے رکوع میں پایا تو اس نے قنوت کو پالیا۔ لہٰذا جو رکعت نکل چکی ہیں ان کو ادا کرتے وقت قنوت نہ پڑھے۔

وتر صرف رمضان المبارک میں با جماعت ادا کیے جائیں رمضان شریف میں جماعت کے ساتھ وتر پڑھنا رات کے آخری حصے میں تنہا پڑھنے سے افضل ہے قاضی خان نے اسے پسند کیا اور فرمایا یہی صحیح ہے البتہ ان کے غیر فقہاء نے اس کے خلاف کو صحیح قرار دیا ہے۔

دعائے قنوت کو وتر میں رکوع سے پہلے پڑھنے کا بیان

حضرت امام حسن بن علی نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے کچھ کلمات سکھائے تاکہ میں انہیں وتر میں پڑھا کروں اَللّٰھُمَّ اھْدِنِی اس باب میں حضرت علی سے بھی روایت ہے امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے ہم اسے صرف اسی سند یعنی ابوحورا اسعدی کی روایت کے علاوہ نہیں جانتے ابوحورا کا نام ربیعہ بن شیبان ہے قنوت کے بارے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی روایات میں سے اس سے بہتر روایت کا ہمیں علم نہیں اہل علم کا قنوت کے بارے میں اختلاف ہے عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ پورا سال قنوت پڑھے اور ان کے نزدیک قنوت کی دعا رکوع سے پہلے پڑھنا مختار ہے یہ بعض علماء کو بھی قول ہے سفیان ثوری، ابن مبارک، اسحاق اور اہل کوفہ کا بھی یہی قول ہے حضرت علی سے مروی ہے کہ وہ صرف رمضان کے دوسرے پندرہ دنوں میں رکوع کے بعد قنوت پڑھتے تھے بعض اہل علم نے یہی مسلک اختیار کیا ہے امام شافعی اور احمد کا بھی یہی قول ہے۔ (جامع ترمذی، جلد اول، رقم الحدیث، 451)

وتر کے سوا کسی نماز میں قنوت نہ ہونے کا بیان

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مہینہ تک (رکوع کے بعد) دعاء قنوت پڑھی ہے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (مطلقاً فرض نمازوں میں یا یہ کہ رکوع کے بعد قنوت پڑھنے کو ترک کر دیا)۔

(ابوداؤد، سنن نسائی، مشکوٰۃ شریف، جلد اول، رقم الحدیث، 1264)

اکثر اہل علم یہی فرماتے ہیں کہ دعاء قنوت نہ تو فجر کی نماز میں مشروع ہے اور نہ وتر کے علاوہ کسی دوسری نماز میں، چنانچہ یہ

حضرات اسی حدیث سے استدلال کرتے ہیں۔ یہ مذہب احناف کا ہے۔

اس کے علاوہ اور بہت سی احادیث بھی ہیں جو فرض نمازوں میں ترک قنوت پر دلالت کرتی ہیں، اہل علم اور محققین اس کی تفصیل مرقاۃ میں ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔

حضرت امام مالک اور حضرت امام شافعی رحمہما اللہ علیہما فرماتے ہیں کہ فجر کی نماز میں تو دعاء قوت ہمیشہ پڑھنی چاہیے اور نمازوں میں کسی حادثے اور وبا کے وقت پڑھی جائے۔

حضرت براء بن عازب سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فجر اور مغرب کی نماز میں قنوت پڑھا کرتے تھے اس باب میں حضرت علی انس ابو ہریرہ ابن عباس اور حفاف بن ایماء بن رحصہ غفاری سے بھی روایت ہے۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں حضرت براء کی حدیث حسن صحیح ہے اہل علم کا فجر کی نماز میں قنوت پڑھنے میں اختلاف ہے بعض صحابہ وتابعین فجر میں دعائے قنوت پڑھنے کے قائل ہیں امام شافعی بھی اسی کے قائل ہیں امام احمد اور اسحاق کہتے ہیں کہ صبح کی نماز میں قنوت نہ پڑھی جائے البتہ جب مسلمانوں پر کوئی مصیبت نازل ہو تو امام کو چاہئے کہ وہ مسلمانوں کے لشکر کے لئے دعا کرے۔ (جامع ترمذی، جلد اول، رقم الحدیث، 388)

فصل فی النوافل

﴿یہ فصل نوافل کے بیان میں ہے﴾

فرائض سے پہلے یا بعد میں سنن کا بیان

السنن المؤكدة سن سنة مؤكدة ركعتان قبل الفجر وركعتان بعد الظهر وبعد المغرب وبعد العشاء وأربع قبل الظهر وقبل الجمعة وبعدها بتسليمة المندوبات وندب أربع قبل العصر والعشاء وبعده وست بعد المغرب أحكام متفرقة ويقتصر في الجلوس الأول من الرباعية المؤكدة على التشهد ولا يأتي في التالية بدعاء الاستفتاح بخلاف المندوبة وإذا صلى نافله أكثر من ركعتين ولم يجلس إلا في آخرها صح استحبابا لأنها صارت صلاة واحدة وفيها الفرض الجلوس آخرها وكره الزيادة على أربع بتسليمة في النهار وعلى ثمان ليلا والأفضل فيهما رباع عند أبي جنيفة وعندهما الأفضل في الليل مثنى مثنى وبه يفتي وصلاة الليل أفضل من صلاة النهار وطول القيام أحب من كثرة السجود،

ترجمہ

فجر سے پہلے دو رکعتیں، ظہر کے بعد، مغرب کے بعد، اور عشاء کے بعد دو رکعتیں، ظہر سے پہلے اور جمعہ سے پہلے اور جمعہ کے بعد چار چار رکعتیں ایک سلام کے ساتھ سنت موکدہ ہیں۔ عصر سے پہلے چار، عشاء سے پہلے چار اور بعد میں دو اور مغرب کے بعد چھ رکعتیں مستحب ہیں۔

چار موکدہ سنتوں میں پہلے قعدہ میں صرف تشہد پر اکتفاء کرے اور تیسری رکعت میں ثناء بھی نہ پڑھے بخلاف مستحب نماز کے اگر دو رکعتوں سے زیادہ نفل (ایک سلام کے ساتھ) پڑھے اور صرف آخر میں قعدہ کرے تو استحساناً صحیح ہوگا کیوں کہ یہ ایک ہی نماز ہوگی اور اس میں آخری قعدہ فرض ہے۔ دن کے وقت ایک سلام کے ساتھ چار رکعتوں سے زیادہ اور رات کو آٹھ رکعتوں سے زیادہ پڑھنا مکروہ ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک (دن اور رات) دونوں میں (ایک سلام کے ساتھ) چار رکعتیں پڑھنا افضل ہے جب کہ صاحبین کے نزدیک رات کے وقت دو رکعتیں پڑھنا زیادہ بہتر ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔ رات کی (نفل) نماز دن کی نماز سے اور

زیادہ سجدوں کی بجائے لمبا قیام افضل ہے۔

دن رات میں بارہ رکعات پڑھنے والے کے لئے خوشخبری کا بیان

حضرت ام حبیبہ روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص دن رات میں بارہ رکعتیں ادا کرے اس کے لئے جنت میں ایک گھر بنایا جائے گا چار رکعتیں ظہر سے پہلے اور دو ظہر کے بعد اور دو مغرب کے بعد اور دو رکعتیں عشاء کے بعد اور دو رکعتیں فجر کے نماز سے پہلے جو نماز ہے۔

اول روز کی امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں عنبسہ کی ام حبیبہ سے مروی حدیث اس باب میں حسن صحیح ہے اور یہ حدیث کئی سندوں سے عنبسہ ہی سے مروی ہے۔ (جامع ترمذی, جلد اول, رقم الحدیث، 402)

نماز مغرب کے بعد دو سنتوں کا بیان

حضرت عائشہ صدیقہ بیان فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مغرب (مسجد میں) پڑھ کر میرے گھر تشریف لاتے اور دو رکعتیں پڑھتے۔ (سنن ابن ماجہ)

حضرت رافع بن خدیج فرماتے ہیں کہ ہمارے پاس بنو عبد الاشہل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے ہمیں ہماری مسجد میں نماز مغرب پڑھا کر فرمایا وہ دو رکعتیں اپنے اپنے گھروں میں پڑھ لو۔ (سنن ابن ماجہ)

فقہ حنفی کے مطابق سنتوں کی تفصیلی تعداد کا بیان

فجر کے وقت فرض سے پہلے دو رکعت سنت مؤکدہ ہیں ان کی تاکید تمام مؤکدہ سنتوں سے زیادہ ہے یہاں تک کہ بعض روایات میں امام ابوحنیفہ سے ان کا وجوب منقول ہے اور بعض علماء نے لکھا ہے کہ ان کے انکار سے کفر کا خوف رہتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ فجر کی سنتیں نہ چھوڑو چاہے تمہیں گھر کچل ڈالیں یعنی جان جانے کا خوف ہو تب بھی نہ چھوڑو، اس سے مقصود صرف تاکید اور ترغیب ہے ورنہ جان کے خوف سے تو فرائض کو چھوڑنا بھی جائز ہے۔ ظہر کے وقت فرض سے پہلے چار رکعت ایک سلام سے اور فرض کے بعد دو رکعت سنت مؤکدہ ہیں۔

جمعہ کے وقت فرض سے پہلے چار رکعتیں ایک سلام سے سنت مؤکدہ ہیں اور فرض کے بعد بھی ایک ہی سلام سے چار رکعتیں سنت ہیں۔ عصر کے وقت کوئی سنت مؤکدہ نہیں، ہاں فرض سے پہلے چار رکعتیں ایک سلام سے مستحب ہیں۔ مغرب کے وقت فرض کے بعد دو رکعت سنت مؤکدہ ہیں۔ عشاء کے وقت فرض کے بعد دو رکعت سنت مؤکدہ ہیں اور فرض سے پہلے کی چار رکعتیں ایک سلام سے مستحب ہیں۔ وتر کے بعد بھی دو رکعتیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہیں لہٰذا وتر کے بعد کی دو رکعت مستحب ہیں۔

رات کی نماز یعنی تہجد وغیرہ کے سلسلے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو روایات ان کے پڑھنے کے طریقے وغیرہ کے بارے میں منقول ہیں اس باب کے تحت نقل کی جائیں گی۔

رات کی نماز پڑھنے کے سلسلے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مختلف روایتیں منقول ہیں ان میں سے جس روایت کے

مطابق بھی نماز پڑھی جائے گی اتباع نبوی کی فضیلت اور سنت کی ادائیگی کی سعادت حاصل ہوگی ہاں اگر تمام روایات کی اتباع کے پیش نظر یہ طریقہ اختیار کیا جائے کہ کبھی تو کسی روایت کے مطابق پڑھی جائے اور کبھی کسی روایت کے مطابق، تو یہ طریقہ نہ صرف یہ کہ انتہائی مناسب اور بہتر بلکہ سنت کے عین مطابق ہوگا۔ رات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کی رکعتوں کی تعداد کے بارے میں مختلف روایتیں منقول ہیں، چنانچہ تیرہ گیارہ نو اور سات رکعتیں منقول ہیں، بعض علماء نے پانچ رکعتیں بھی روایت کی ہیں، تاہم تیرہ سے زیادہ ثابت نہیں ہے، پھر یہ کہ بعض علماء نے یہ تعداد فجر کی سنت کے ساتھ ذکر کی ہے اور بعض نے فجر کی سنتوں کے علاوہ اور صحیح قول یہی ہے، اسی طرح وتر کی تعداد کے بارے میں مختلف روایتیں ہیں، بعض روایتوں میں تو وتر ایک رکعت کے ساتھ منقول ہے اور بعض میں تین رکعتوں کے ساتھ، نیز بعض روایات میں وتر کی رکعت کو بھی نماز تہجد کی رکعتوں میں شامل کر کے انہیں شمار کیا گیا ہے اور بعض روایات میں وتر کی رکعتوں کو ان سے الگ شمار کیا گیا ہے اسی طرح بعض روایات میں وتر کا اطلاق ایک رکعت پر کیا گیا ہے۔ اور بعض میں تین پانچ اور سات تک پر کیا گیا ہے بلکہ بعض روایات میں تو رات کی تمام نماز کو وتر کہا گیا ہے۔

دن رات کے نوافل میں فقہی مذاہب کا بیان

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دن اور رات کی نماز دو، دو (رکعتیں) ہے۔ امام ترمذی فرماتے ہیں کہ اصحاب شعبہ نے حدیث ابن عمر کے بارے میں اختلاف کیا ہے بعض نے کہا ہے یہ مرفوع ہے اور بعض نے اسے موقوف کہا ہے۔ جبکہ عبداللہ عمری نے نافع سے اور انہوں نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے اسی طرح حدیث بیان کی ہے۔

جبکہ صحیح روایت وہ ہے جو ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے رات کی نماز کو دو، دو (رکعتیں) کہا ہے اور جو ثقاف نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے اس میں صلوٰۃ النہار کا ذکر نہیں ہے۔ اور جو روایت عبیداللہ نے نافع سے اور انہوں نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے اس میں یہ ہے کہ آپ رات کو دو، دو اور دن کو چار رکعات پڑھتے تھے۔

تحقیق اہل علم نے اس میں اختلاف کیا ہے ان میں بعض نے کہا کہ دن رات کی نماز دو، دو رکعتیں ہیں۔ یہی قول امام شافعی اور امام احمد کا ہے۔ اور بعض نے کہا ہے کہ رات کی نماز دو، دو رکعتیں ہے۔ (جیسا کہ صاحبین کا مؤقف ہے) اور ان کے سوا نے کہا ہے کہ دن کے نوافل ظہر کی چار سنتوں کی طرح چار رکعات ہیں۔ (جیسا کہ امام اعظم علیہ الرحمہ کا مؤقف ہے)۔ اور اس کے علاوہ سفیان ثوری، ابن مبارک اور اسحاق نے کہا ہے نفلی نماز جائز ہے۔ (جامع ترمذی)

فصل فی تحیة المسجد

﴿یہ فصل تحیت المسجد نماز کے بیان میں ہے﴾

نماز تحیت المسجد کا بیان

وصلاة الضحى وإحياء الليالي تحية المسجد سن تحية المسجد بركعتين قبل الجلوس وأداء الفرض ينوب عنها وكل صلاة أداها عند الدخول بلا نية التحية وندب ركعتان بعد الوضوء قبل جفافه وأربع فصاعدا في الضحى وندب صلاة الليل وصلاة الاستخارة وصلاة الحاجة إحياء الليالي وندب إحياء ليالي العشر الأخير من رمضان وإحياء ليلتي العيدين وليالي عشر ذي الحجة وليلة النصف من شعبان ويكره الاجتماع على إحياء ليلة من هذه الليالي في المساجد

ترجمہ

(مسجد میں) بیٹھنے سے پہلے دو رکعتیں پڑھنا سنت ہے اور فرض نماز کی ادائیگی نیز ہر وہ نماز جو تحیت کی نیت کیے بغیر مسجد میں داخل ہوتے وقت پڑھی جائے۔ ان دو رکعتوں کے قائم مقام ہو جاتی ہے۔ وضو کے بعد جسم خشک ہونے سے پہلے دو رکعتیں ادا کرنا مستحب ہے چاشت کے وقت چار رکعتیں یا اس سے زیادہ پڑھنا مستحب ہے رات کو نماز پڑھنا نماز استخارہ اور نماز حاجت مستحب ہے۔ رمضان المبارک کی آخری دس راتیں، عیدین کی راتیں، ذوالحجہ کی (پہلی) دس راتیں اور شب برات کو (عبادت کے ساتھ) زندہ رکھنا مستحب ہے۔ (البتہ) ان راتوں کو زندہ رکھنے کے لیے مساجد میں اجتماع مکروہ ہے۔

نماز تحیت المسجد کا بیان

نماز تحیۃ المسجد ایک نفلی نماز ہے۔ جو شخص مسجد میں درس و ذکر وغیرہ کے لیے آئے اور وقت مکروہ نہ ہو اسے دو رکعت پڑھنا سنت ہے اور فرض یا سنت یا کوئی نماز مسجد میں پڑھ لی یا فرض یا اقتداء کی نیت سے مسجد میں گیا تو تحیۃ المسجد ادا ہو گئی۔ اگرچہ تحیۃ المسجد کی نیت نہ کی ہو بشرطیکہ داخل ہونے کے بعد ہی پڑھے اور اگر کچھ عرصہ کے بعد فرض وغیرہ پڑھے گا تو تحیۃ المسجد پڑھے۔

نماز استخارہ کا بیان

نماز استخارہ کا طریقہ جابر بن عبد اللہ تعالی عنہما کی مندرجہ ذیل حدیث میں بیان کیا گیا ہے۔ جابر بن عبد اللہ السلمی رضی اللہ

تعالی عنہما بیان کرتے ہیں کہ": رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کرام کو سارے معاملات میں استخارہ کرنے کی تعلیم اس طرح دیا کرتے تھے جس طرح انہیں قرآن مجید کی سورۃ کی تعلیم دیتے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے": جب تم میں سے کوئی ایک شخص کام کرنا چاہے تو وہ فرض کے علاوہ دو رکعت ادا کر کے یہ دعاء پڑھے۔

" اللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْتَخِيرُكَ بِعِلْمِكَ وَأَسْتَقْدِرُكَ بِقُدْرَتِكَ وَأَسْأَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ، فَإِنَّكَ تَقْدِرُ وَلَا أَقْدِرُ وَتَعْلَمُ وَلَا أَعْلَمُ وَأَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوبِ اللّٰهُمَّ فَإِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ هٰذَا الْأَمْرَ ثُمَّ تُسَمِّيهِ بِعَيْنِهِ خَيْرًا لِي فِي عَاجِلِ أَمْرِي وَآجِلِهِ قَالَ أَوْ فِي دِينِي وَمَعَاشِي وَعَاقِبَةِ أَمْرِي فَاقْدُرْهُ لِي وَيَسِّرْهُ لِي ثُمَّ بَارِكْ لِي فِيهِ اللّٰهُمَّ وَإِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ أَنَّهُ شَرٌّ لِي فِي دِينِي وَمَعَاشِي وَعَاقِبَةِ أَمْرِي أَوْ قَالَ فِي عَاجِلِ أَمْرِي وَآجِلِهِ فَاصْرِفْنِي عَنْهُ (واصرفه عني) وَاقْدُرْ لِي الْخَيْرَ حَيْثُ كَانَ ثُمَّ رَضِّنِي بِهِ "

اے اللہ میں میں تیرے علم کی مدد سے خیر مانگتا ہوں اور تجھ سے ہی تیری قدرت کے ذریعہ قدرت طلب کرتا ہوں، اور میں تجھ سے تیرا فضل عظیم مانگتا ہوں، یقیناً تو ہر چیز پر قادر ہے، اور میں (کسی چیز پر) قادر نہیں، تو جانتا ہے، اور میں نہیں جانتا، اور تو تمام غیبوں کا علم رکھنے والا ہے، الٰہی اگر تو جانتا ہے کہ یہ کام (جس کا میں ارادہ رکھتا ہوں) میرے لیے میرے دین اور میری زندگی اور میرے انجام کار کے لحاظ سے بہتر ہے تو اسے میرے مقدر میں کر اور آسان کر دے، پھر اس میں میرے لیے برکت عطا فرما، اور اگر تیرے علم میں یہ کام میرے لیے اور میرے دین اور میری زندگی اور میرے انجام کار کے لحاظ سے برا ہے تو اس کام کو مجھ سے اور مجھے اس سے پھیر دے اور میرے لیے بھلائی مہیا کر جہاں بھی ہو، پھر مجھے اس کے ساتھ راضی کر دے۔ صحیح بخاری رقم الحدیث، (6841) ترمذی اور نسائی اور ابوداود اور ابن ماجہ اور مسند احمد میں اور بھی احادیث ہیں۔

ابن حجر رحمہ اللہ تعالی اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے کہتے ہیں۔ الاستخارۃ: اسم ہے، اور استخار اللہ کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالی سے اس نے بہتر چیز اور خیر طلب کی، اس سے مراد یہ ہے کہ ضرورت کے وقت دو کاموں میں سے بہتر اور اچھا کام طلب کرنا۔

ہمیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سب معاملات میں استخارہ کرنا سکھاتے تھے۔ ابن ابی جمرہ کہتے ہیں: عام کہہ کر خاص مراد لیا گیا ہے، کیونکہ کسی واجب اور مستحب کام کرنے کے لیے استخارہ نہیں کیا جائیگا اور نہ ہی کسی حرام اور مکروہ کام کو ترک کرنے کے لیے استخارہ ہوگا، بلکہ جب کوئی مباح اور مستحب کام میں سے دو معاملے ایک دوسرے کے معارض ہوں کہ اسے کونسے عمل سے ابتدا کرنی چاہیے اور کس کام پر اقتصار کرنے کے لیے استخارہ ہوگا۔

نماز چاشت کا بیان

نماز چاشت کا وقت آفتاب کے خوب طلوع ہو جانے پر شروع ہوتا ہے۔ جب طلوع آفتاب اور آغازِ ظہر کے درمیان کل وقت کا آدھا حصہ گزر جائے تو یہ چاشت کے لیے افضل وقت ہے۔ نماز چاشت کی کم از کم چار 4) اور زیادہ سے زیادہ بارہ 12))

رکعات ہیں۔

اُم المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم چاشت کی چار رکعت پڑھتے تھے اور اللہ تعالیٰ جس قدر زیادہ چاہتا اتنی پڑھ لیتے تھے۔ (مسلم 719)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص چاشت کی بارہ رکعتیں پڑھے گا اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت میں سونے کا محل بنائے گا۔ (ترمذی، 473)

نماز تحیت الوضو پڑھنے کا بیان

وضو کے بعد اعضاء خشک ہونے سے پہلے دو رکعت نماز پڑھنا مستحب ہے۔ اسے تحیۃ الوضوء کہتے ہیں۔ حدیث میں اس کی بڑی فضلیت آئی ہے اور اگر وضو یا غسل کے بعد فرض وغیرہ پڑھے تو یہ قائم مقام تحیۃ الوضو کے ہو جائیں گے۔ غسل کے بعد بھی دو رکعت نماز مستحب ہے۔

نماز حاجت پڑھنے کا بیان

جب کسی کو کوئی حاجت درپیش ہو تو دو یا چار رکعت نفل بعد نماز عشاء پڑھے۔ حدیث میں ہے پہلی رکعت میں سورۃ الفاتحہ اور تین بار آیت الکرسی پڑھے اور باقی تین رکعتوں میں سورۃ الفاتحہ اور قل ھو اللہ احد، قل اعوذ برب الفلق، قل اعوذ برب الناس ایک ایک بار پڑھے تو یہ ایسی ہیں جیسے شب قدر میں چار رکعتیں پڑھیں۔ پھر اپنی حاجت کا سوال کرے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ اس کی حاجت روا ہوگی۔ مشائخ کرام فرماتے ہیں۔ ہم نے یہ نماز پڑھی اور ہماری حاجتیں پوری ہوئیں۔

گناہوں سے توبہ کے لئے نماز پڑھنے کا بیان

اگر کسی سے کوئی گناہ صادر ہو جائے تو اسے چاہیے کہ جس قدر جلد ہو سکے وضو کر کے نماز پڑھے اور اللہ کی بارگاہ میں استغفار کرے اور اس گناہ سے توبہ کرے اور پشیمان ہو اور یہ عزم کرے کہ آئندہ اس کا مرتکب نہ ہوں گا۔ اسی نماز کو نماز توبہ کہا جاتا ہے۔

نماز اشراق پڑھنے کا بیان

نماز اشراق کی کم از کم دو اور زیادہ سے زیادہ بارہ رکعتیں ہیں اور افضل بارہ ہیں۔ اس کا وقت آفتاب بلند ہونے سے زوال تک ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ جو اشراق کی دو رکعتوں پر محافظت کرے اس کے (صغیرہ) گناہ بخش دیئے جائیں گے اگرچہ سمندر کی جھاگ کے برابر ہوں۔ (جامع ترمذی)

فصل فی صلاة النفل

﴿یہ فصل نفلی نماز کے بیان میں ہے﴾

بیٹھ کر نفلی نماز پڑھنے کا بیان

جالسا والصلاة على الدابة التنفل قاعدا يجوز النفل قاعدا مع القدرة على القيام لكن له نصف أجر القائم إلا من عذر ويقعد كالمتشهد في المختار وجاز إتمامه قاعدا بعد افتتاحه قائما بلا كراهة على الأصح التنفل على الدابة ويتنفل راكبا خارج المصر موميا الى أي جهة توجهت دابته وبنى بنزوله لا ركوبه ولو كان بالنوافل الراتبة وعن أبي حنيفة رحمه الله تعالى أنه ينزل لسنة الفجر لأنها آكد من غيرها الانكاء وجاز اللمتطوع الانكاء على شيء إن تعب بلا كراهة وإن كان بغير عذر كره في الأظهر لإساءة الأدب ولا يمنع صحة الصلاة على الدابة نجاسة عليها ولو كانت في السرج والركابين على الأصح ولا تصح صلاة الماشي بالإجماع

ترجمہ

کھڑے ہو کر نماز پڑھنے کی طاقت کے باوجود نوافل بیٹھ کر پڑھنا جائز ہے لیکن ایسے شخص کو کھڑے ہو کر پڑھنے والے کی نسبت آدھا ثواب ملتا ہے مگر عذر کی وجہ سے مختار مذہب کے مطابق تشہد پڑھنے والے کی طرح بیٹھے۔ اصح مذہب کے مطابق (نفل) کھڑے ہو کر شروع کرنے کے بعد بیٹھ کر مکمل کرنا بلا کراہت جائز ہے اور شہر سے باہر سواری پر اشارے کے ساتھ نفل پڑھ سکتا ہے سواری جس طرف چاہے متوجہ ہو۔ اترنے کی صورت میں بنا کر سکتا ہے۔ سواری کی صورت میں نہیں اگرچہ سنت موکدہ ہوں۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ فجر کی سنتوں کے لیے اترے کیوں کی دوسرے نوافل سے ان کی تاکید زیادہ ہے۔ نفل پڑھنے والا اگر تھک جائے تو بلا کراہت تکیہ لگانا جائز ہے اور اگر کسی عذر کے بغیر ہو تو اظہر قول کے مطابق مکروہ ہے کیوں کہ یہ بے ادبی ہے۔ سواری پر نجاست کا لگا ہونا نماز کی صحت کو منع نہیں کرتا اگرچہ زین یا رکابوں میں ہو یہ اصح قول کے مطابق ہے۔ پیدل چلتے ہوئے نماز پڑھنا صحیح نہیں اس پر اجماع ہے۔

کھڑے ہو کر نفل پڑھنے میں زیادہ ثواب ہونے کا بیان

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کے بارے میں مروی ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس آدمی کے بارے میں پوچھا جو (کھڑے ہونے کی طاقت رکھنے کے) باوجود نفل نماز بیٹھ کر پڑھتا ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" بہتر تو وہی ہے جو کھڑے ہو کر نماز پڑھے لیکن جو آدمی (نفل) نماز (بغیر عذر) کے بیٹھ کر پڑھے گا تو اسے کھڑے ہو کر نماز پڑھنے والے کی بہ نسبت نصف ثواب ملے گا۔" (صحیح البخاری، مشکوۃ شریف: جلداول: رقم الحدیث، 1224)

یہ حدیث نفل نماز پر محمول ہے کیونکہ فرض نماز بغیر عذر کے بیٹھ کر پڑھنا درست نہیں ہے ہاں اگر کوئی عذر ہو تو قیام ساقط ہو جاتا ہے اور معذور بیٹھ کر فرض نماز بھی پڑھ سکتا ہے۔ بہر حال حدیث کا مطلب یہ ہے کہ نفل نماز بغیر عذر کے بیٹھ کر پڑھنے والے کو نماز کا پورا ثواب نہیں ملتا بلکہ جتنا ثواب کھڑے ہو کر نماز پڑھنے والے کو ملتا ہے اس کا نصف ثواب اسے ملتا ہے ہاں اگر کوئی عذر ہو کہ کھڑے ہونے پر قادر نہ ہو تو پھر بیٹھ کر نماز پڑھنے والے کو کھڑے ہو کر نماز پڑھنے والے کی بہ نسبت آدھا ثواب نہیں ملے گا بلکہ اسے بھی پورا ثواب ملے گا۔ بغیر عذر لیٹ کر نفل نماز پڑھنی جائز ہے یا نہیں۔

حضرت علامہ طیبی فرماتے ہیں کہ "جو آدمی کھڑے ہو کر یا بیٹھ کر نفل نماز پڑھ سکتا ہے اور اسے قیام وقعود کی قدرت نہیں ہے تو آیا اس آدمی کے لئے نفل نماز لیٹ کر پڑھنا جائز ہے یا نہیں چنانچہ بعض علماء تو کہتے ہیں کہ بغیر عذر کے لیٹ کر نفل نماز جائز نہیں۔ مگر علماء کی ایک جماعت کی رائے یہ ہے کہ بغیر عذر لیٹ کر نفل نماز پڑھنا جائز ہے۔

نیز اس جماعت کا یہ قول بھی ہے کہ بغیر عذر لیٹ کر نفل نماز پڑھنے والے کو بیٹھ کر نماز پڑھنے والے کی بہ نسبت آدھا ثواب ملتا ہے جیسا کہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے چنانچہ حسن بصری رحمہ اللہ علیہ کا قول بھی یہی ہے اور حدیث سے ثابت ہونے کی وجہ سے یہی قول صحیح تر اور اولی ہے۔ مگر حضرت امام اعظم ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ جائز نہیں ہے اور اس حدیث کے بارے میں ان کی طرف سے کہا گیا ہے کہ یہ حدیث فرض نماز کے بارے میں ہے کہ اگر کوئی آدمی اس درجے بیمار ہو کہ مرض کی زیادتی اور شدت کے باوجود کھڑے ہو کر یا بیٹھ کر نماز پڑھنا اس کے لئے ممکن ہو تو اسے لیٹ کر نماز پڑھنے کی صورت میں بیٹھ کر نماز پڑھنے والے کی بہ نسبت آدھا ثواب ملے گا۔

فصل فی الصلاۃ الفرض والواجب علی الدابة

﴿یہ فصل فرض اور واجب نماز سواری پر ہونے کے بیان میں ہے﴾

نماز فرض اور واجب کا سواری پر جائز نہ ہونے کا بیان

لا یصح علی الدابة صلاة الفرائض ولا الواجبات کالوتر والمنذور وما شرع فیه نفلا فأفسده ولا صلاة الجنازة وسجدة تلیت آیتها علی الأرض إلا لضرورة کخوف لص علی نفسه أو دابته أو ثیابه لو نزل وخوف سبع وطین المکان وجموح الدابة وعدم وجدان من یرکبه لعجزه الصلاة فی المحمل والصلاة فی المحمل علی الدابة کالصلاة علیها سواء کانت سائرة أو واقفة ولو جعل تحت المحمل خشبة حتی بقی قراره الی الأرض کان بمنزلة الأرض فتصح الفریضة فیه قائما،

ترجمہ

فرض اور واجب نماز سواری پر پڑھنا جائز نہیں ہے۔ فرض اور واجب نماز مثلاً وتر اور نذر مانی ہوئی نماز اور وہ نفل نماز جسے شروع کر کے توڑ دیا۔ نماز جنازہ اور اس آیت کا سجدہ جو زمین پر تلاوت کی گئی سواری پر ادا کرنا صحیح نہیں البتہ ضرورت کے تحت جائز ہے مثلاً اترنے کی صورت میں اپنی ذات یا جانور یا کپڑوں کے بارے میں چور کا ڈر ہو، درندے کا خوف ہو جگہ کیچڑ والی ہو جانور سرکش ہو سوار ہونے سے عاجز ہو اور سوار کرانے والا کوئی نہ ہو۔ کجاوے میں نماز پڑھنا سواری پر نماز پڑھنے کی طرح ہے سواری چل رہی ہو یا کھڑی ہو۔ اور اگر کجاوے کے نیچے لکڑی رکھ دے یہاں تک کہ زمین پر قرار باقی رہے تو وہ زمین کے قائم مقام ہو جائے گی۔ پس اس میں کھڑے ہو کر فرض نماز پڑھنا صحیح ہوگا۔

سواری پر نماز پڑھنے کے متعلق احادیث کا بیان

امام ابوداؤد علیہ الرحمہ اپنی سند سے بیان کرتے ہیں۔ حضرت ابن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اونٹ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھ لیتے تھے۔ (سنن ابوداؤد)

سیدنا جابر بن عبداللہؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نفل نماز سوار ہونے کی حالت میں ہی پڑھ لیتے تھے حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم قبلہ کی بجائے کسی اور سمت جاتے ہوتے۔ (بخاری، ۵۸۲)

سیدنا انس ؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے گدھے پر سوار ہو کر نماز پڑھی اور ان کا منہ قبلہ کے بائیں طرف تھا (جب وہ نماز پڑھ چکے) تو پوچھا گیا کہ آپ نے خلاف قبلہ نماز پڑھی ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ اگر میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسا کرتے ہوئے نہ دیکھا ہوتا تو میں (کبھی) ایسا نہ کرتا۔ (بخاری،۵۸۳)

سواری پر نفل نماز پڑھنے میں فقہاء احناف کا نظریہ

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب سفر میں ہوتے تو رات کی نماز علاوہ فرض نماز کے اپنی سواری پر اشارے سے پڑھتے اور سواری کا منہ جس سمت ہوتا اسی سمت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی منہ ہوتا نیز نماز وتر بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سواری ہی پر پڑھ لیتے تھے۔ (صحیح البخاری وصحیح مسلم)

حَیْثُ تَوَجَّهَتْ بِهٖ کا مطلب یہ ہے کہ جدھر سواری کا منہ ہوتا ادھر ہی کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی منہ کئے ہوئے نماز پڑھتے رہتے تھے لیکن تکبیر تحریمہ کے وقت اپنا روئے مبارک بہر صورت قبلے ہی کی طرف رکھتے تھے۔ جیسا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت سے معلوم ہوگا اشارے سے نماز پڑھنے کا مطلب یہ ہے کہ رکوع اور سجدہ اشارہ سے کرتے تھے نیز یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ کا جو اشارہ کرتے وہ رکوع کے اشارے سے پست ہوتا تھا۔

اس حدیث سے دو مسئلے مستنبط ہوتے ہیں اول تو یہ کہ سواری پر نفل نماز پڑھنی جائز ہے لیکن فرض نہیں اس حدیث میں اگر چہ رات کی نماز کا ذکر کیا گیا ہے لیکن دوسری روایتوں میں عام نفل نمازوں کا ذکر موجود ہے لہٰذا یہ حکم سنت موکدہ اور اس کے علاوہ دیگر سنن ونوافل نمازوں کو بھی شامل ہے مگر حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے ایک روایت میں ثابت ہے کہ فجر کی سنتوں کے لیے سواری سے اتر جانا مستحب ہے بلکہ ایک دوسری روایت سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ فجر کی سنتوں کو سواری سے اتر کر پڑھنا واجب ہے۔ اسی لیے اس نماز کو بغیر کسی عذر کے بیٹھے بیٹھے پڑھنا جائز نہیں ہے فرض نماز سواری پر پڑھنا جائز نہیں ہے لیکن مندرجہ ذیل اعذار کی صورت میں فرض نماز بھی سواری پر پڑھ لینا جائز ہے۔

(۱) کوئی آدمی جنگل میں ہو اور اپنے مال یا اپنی جان کی ہلاکت کا خوف غالب ہو مثلاً یہ ڈر ہو کہ اگر سواری سے اتر کر نماز پڑھنے لگوں گا تو کوئی چور یا راہزن مال واسباب لے کر چلتا بنے گا یا کوئی درندہ نقصان پہنچائے گا یا قافلے سے بچھڑ جاؤں گا یا راستہ بھول جاؤں (۲) سواری میں کوئی ایسا سرکش جانور ہو یا کوئی ایسی چیز ہو جس پر اترنے کے بعد پھر چڑھنا ممکن نہ ہو۔ (۳) نماز پڑھنے والا اتنا ضعیف اور بوڑھا ہو کہ خود نہ تو سواری سے اتر سکتا ہو اور سواری پر چڑھنے پر قادر ہو اور نہ کوئی ایسا آدمی پاس موجود ہو جو سواری سے اتار سکے اور اس پر چڑھا سکے۔ (۴) زمین پر اتنا کیچڑ ہو کہ اس پر نماز پڑھنا ممکن نہ ہے۔ (۵) یا بارش کا عذر ہو۔

جہاں تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس عمل کا تعلق ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم وتر کی نماز بھی سواری پر پڑھ لیتے تھے تو اس کے بارے میں امام طحاوی فرماتے ہیں کہ ہمارے نزدیک اس کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پہلے نماز وتر کے حکم کی تاکید کے پیش نظر اور اس کی اہمیت کا احساس دلانے کے لیے سواری پر وتر کی نماز پڑھ لیتے تھے مگر جب لوگوں کے ذہن میں اس نماز

کی تاکید واہمیت بیٹھ گئی اوراس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی اتنی تاکید فرمادی کہ اس کے چھوڑنے کو روانہیں رکھا تو بعد میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم وتر کی نماز بھی سواری سے اتر کر زمین پر پڑھتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح کرتے تھے۔

حضرت امام محمد نے اپنی کتاب مؤطا میں صحابہ وتابعین کے ایسے بہت آثار نقل کئے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ حضرات وتر کی نماز پڑھنے کے لیے اپنی سواریوں سے اتر جاتے تھے۔

علامہ شمنی فرماتے ہیں کہ نماز فرض کی طرح جنازہ کی نماز، منت مانی ہوئی نماز نذر اور وہ سجدہ تلاوت کہ جس کی آیت سجدہ کی تلاوت زمین پر کی گئی سواری پر جائز نہیں ہے۔

حدیث سے دوسرا مسئلہ یہ مستنبط ہوتا ہے کہ سواری پر نماز پڑھنا سفر کے ساتھ مشروط ہے چنانچہ ائمہ جمہورؒ کا یہی مسلک ہے اور حضرت امام ابوحنیفہ وحضرت امام ابو یوسف رحمہما اللہ علیہما سے بھی ایک روایت میں یہی منقول ہے لیکن حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا محقق اور صحیح مسلک یہ ہے کہ سواری پر نماز کا جواز نمازی کے شہر سے باہر ہونے کے ساتھ مشروط ہے خواہ مسافر ہو یا نہ ہو، چنانچہ اگر کوئی مسافر بھی شہر کے اندر ہو تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس کے لیے سواری پر نفل نماز پڑھنا جائز نہیں ہے لیکن حضرت امام محمد کے نزدیک جائز ہے اگرچہ مکروہ ان کے نزدیک بھی ہے حضرت امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ مسافر شہر کے اندر بھی سواری پر نفل پڑھے تو کوئی مضائقہ نہیں۔ اب اس کے بعد اس میں اختلاف ہے کہ شہر سے کتنے فاصلے پر ہونے کی صورت میں سواری پر نماز پڑھنا جائز ہے۔

چنانچہ بعض حضرات کے نزدیک کم سے کم دو فرسخ (چھ میل) شہر سے باہر ہونا ضروری ہے بعض حضرات نے تین فرسخ اور بعض حضرات نے ایک کوس متعین کیا ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ شہر وآبادی کے مکانات سے باہر ہوتے ہی سواری پر نماز نفل پڑھنا جائز ہے جیسا کہ قصر نماز کے جواز کے سلسلے میں قاعدہ ہے۔

سواری پر نماز پڑھنے کے مسائل کا بیان

۱- شہر یا بستی سے باہر گھوڑے وغیرہ جانور پر سوار ہو کر نفل نماز پڑھنا جائز ہے، خواہ کوئی عذر ہو یا نہ ہو، اور جدھر کو جانور جاتا ہو اُدھر ہی کو نماز پڑھے کیونکہ سواری پر نماز میں قبلے کی طرف منہ کرنا شرط نہیں ہے لیکن اگر شروع کرتے وقت ممکن ہو تو استقبالِ قبلہ مستحب ہے جانور کے رخ کے خلاف سمت کو نماز پڑھنا جائز نہیں ہے۔

۲- شہر (آبادی) کے اندر جانور پر سوار ہو کر نفل نماز پڑھنا امام ابوحنیفہ کے نزدیک جائز نہیں، امام ابو یوسف کے نزدیک بلا کراہت جائز ہے اور امام محمد کے نزدیک کراہت کے ساتھ جائز ہے۔

۳- شہر سے باہر نکلنے کے بعد مسافر اور غیر مسافر اس حکم میں برابر ہیں اس لئے اگر کوئی شخص اپنی کھیتوں وغیرہ کی طرف یا گردونواح میں جاتا ہو اور سفر شرعی نہ ہو تب بھی سواری پر نفل نماز پڑھنا جائز ہے۔

۴-سنتِ مئوکدہ وغیر مئوکدہ سب نفل کے حکم میں ہیں لیکن سنتِ فجر امام ابوحنیفہ کے نزدیک بلاعذر سواری پر پڑھنا جائز نہیں۔

۵-سواری پر نماز پڑھنے کا طریقہ یہ ہے کہ اشاروں سے نماز پڑھے یعنی جس طرح سواری پر بیٹھا ہو نیت باندہ کر قرآت وغیرہ بدستور پڑھ کر رکوع وسجدہ اشارہ سے کرے اور سجدے کا اشارہ رکوع سے زیادہ جھکا ہوا ہو اور بدستور قعدے میں تشہد وغیرہ پڑھ کر سلام پھیرے اور سجدہ میں کسی چیز پر اپنا سر نہ رکھے خواہ جانور چلتا ہو یا کھڑا ہو اس لئے کہ ایسا کرنا مکروہ ہے۔

۶-شہر سے باہر سواری پر نماز پڑھنے میں اگر جانور اپنے آپ چلتا ہو تو ہانکنا جائز نہیں اور اگر اپنے آپ نہ چلتا ہو تو عملِ قلیل سے ہانکنے میں نماز فاسد نہیں ہوگی اور عمل کثیر سے ہانکنے میں نماز فاسد ہو جائے گی۔

۷-اگر نفل نماز زمین پر شروع کی پھر جانور پر سوار ہو کر اس کو پورا کیا تو جائز نہیں اور اگر سواری پر شروع کی اور زمین پر اتر کر پورا کیا تو جائز ہے اور یہ حکم اس وقت ہے جبکہ عملِ قلیل سے اُترا ہو مثلاً پاؤں ایک طرف کو لٹکا کر پھسل جائے۔

۸-اگر سواری کے جانور پر نجاست ہو تو وہ مانع نماز نہیں، خواہ قلیل ہو یا کثیر لیکن نمازی کے بدن یا لباس پر ناپاکی ہوگی تو نماز جائز نہ ہوگی۔ ۹-ہر شخص کو اپنی اپنی سواری پر اکیلے اکیلے نماز پڑھنے چاہئے اگر وہ جماعت سے پڑھیں گے تو امام کی نماز جائز ہوگی جماعت کی جائز نہ ہوگی اور اگر مقتدی سب ایک ہی جانور پر سوار ہوں تو سب کی نماز جائز ہو جائے گی۔

۱۰-جانور پر محمل (عماری) میں اور گاڑی میں نفل نماز پڑھنے کا وہی حکم ہے جو جانور پر پڑھنے کا بیان ہوا۔

۱۱-پیدل چلنے کی حالت میں بالاجماع نماز پڑھنا جائز نہیں ہے۔

سواری سے اتر کر بناء کرنے کا بیان

علامہ ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ یہ مسئلہ ظاہر الروایت سے لیا گیا ہے اور امام محمد علیہ الرحمہ سے روایت ہے کہ جب کوئی شخص سواری سے اترے گا اور بناء کرتے ہوئے رکوع سجود کے ساتھ نماز پڑھے گا تو اس صورت میں اس نماز کے بعض ارکان رکوع وسجود کے ساتھ ادا ہوئے اور بعض اشارے کے ساتھ ادا ہوئے۔ لہٰذا اس کے لئے حکم یہ ہے کہ وہ نئے سرے سے نماز پڑھے۔

اور اسی طرح اگر نازل سوار ہوا تو وہ نئے سے نماز پڑھے اور اگر اس نے بناء کی تو اس نے بعض نماز کو رکوع وسجود کے ساتھ پڑھا اور بعض کو اشارے سے پڑھا جبکہ وہی اولیٰ ہے۔ جبکہ امام زفر علیہ الرحمہ اس مسئلہ کے بارے میں بیان کرتے ہیں کہ مذکورہ دونوں صورتوں میں اس شخص کا بناء کرنا صحیح ہے اور ان کی دلیل یہ ہے کہ رکوع وسجود کرنے والے کا اشارے سے پڑھی ہوئی نماز پر بناء کرنا جائز ہے۔ اسی مسئلہ کے بارے میں امام ابو یوسف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ دونوں صورتوں میں نئے سرے سے نماز پڑھے گا اور اس کی دلیل میں وہ ظاہر الروایت والا اسلوب اپناتے ہیں۔ (فتح القدیر، ج ۲، ص ۴۴۳، بیروت)

فصل فی الصلاة فی السفینة

﴿یہ فصل کشتی میں نماز پڑھنے کے بیان میں ہے﴾

کشتی میں نماز پڑھنے کا بیان

صلاة الفرض فيها وهي جارية قاعدا بلا عذر صحيحة عند أبي حنيفة بالركوع والسجود وقالا لا تصح إلا من عذر وهو الأظهر والعذر كدوران الرأس وعدم القدرة على الخروج ولا تجوز فيها بالإيماء اتفاقا والمربوطة في لجة البحر وتحركها الريح شديدا كالسائرة وإلا فكالواقفة على الأصح وإن كانت مربوطة بالشط لا تجوز صلاته قاعدا بالإجماع فإن صلى قائما وكان شيء من السفينة على قرار الأرض صحت الصلاة وإلا فلا تصح على المختار إلا إذا لم يمكنه الخروج قبلته ويتوجه المصلي فيها الى القبلة عند افتتاح الصلاة وكلما استدارت عنها يتوجه إليها في خلال الصلاة حتى يتمها مستقبلا،

ترجمہ

چلتی ہوئی کشتی میں فرض نماز بیٹھ کر رکوع اور سجدہ کے ساتھ پڑھنا امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک بلا عذر صحیح ہے۔ صاحبین فرماتے ہیں کسی عذر کے بغیر صحیح نہیں یہی بات زیادہ ظاہر ہے۔ عذر سر کا چکرانا اور نکلنے پر قادر نہ ہونا ہے۔ کشتی میں اشارے کے ساتھ نماز پڑھنا سب کے نزدیک جائز نہیں۔ سمندر کے وسیع پانی میں باندھی ہوئی کشتی جس کو ہوا بہت زیادہ حرکت دیتی ہے چلتی ہوئی کشتی کی طرح ہے ورنہ کھڑی کشتی کی طرح ہوگی۔ اصح بات یہی ہے اور اگر کنارے پر باندھی ہوئی ہو تو سب کے نزدیک اس میں بیٹھ کر نماز پڑھنا جائز نہیں اور اگر وہ کھڑا ہو کر نماز پڑھے اور کشتی کا کچھ حصہ زمین کے اوپر ٹھہرا ہوا ہو تو نماز صحیح ہوگی ورنہ نہیں۔ مختار مذہب یہی ہے البتہ جب نکلنا ممکن نہ ہو تو جائز ہے۔

(چلتی ہوئی کشتی میں) نمازی نماز شروع کرتے ہوئے اپنا رخ قبلہ کی طرف کرے اور جب نماز کے دوران کشتی پھر جائے تو یہ بھی اپنا رخ پھیر لے یہاں تک کہ قبلہ رخ ہونے کی صورت میں نماز مکمل کرے۔

کشتی اور ہوائی جہاز وغیرہ میں نماز کیسے پڑھی جائے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم سے کشتی میں نماز ادا کرنے کے بارے میں دریافت کیا گیا تو فرمایا۔ صَلِّ فیها قائماً إلا

أن تخاف الغرق،

اس میں کھڑے ہو کر نماز پڑھ، سوائے اس کے کہ تجھے غرق ہونے کا ڈر ہو۔ (صحیح الجامع الصغیر رقم الحدیث، 7225، سنن الدار القطنی کتاب الصلاۃ) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو شخص قیام کر سکتا ہو اس کے لیے کشتی یا ہوائی جہاز وغیرہ میں بیٹھ کر نماز ادا کرنا درست نہیں ہے۔

کشتی و جہاز میں نماز پڑھنے کے مسائل

۱- اگر کشتی یا جہاز پانی پر چل رہا ہو تو فرض و واجب نماز عذر کے ساتھ بیٹھ کر پڑھنا بالاتفاق جائز ہے اور صاحبین کے نزدیک بلا عذر جائز نہیں یہی مختار و معتبر ہے، عذرات یہ ہیں سر چکرانا، گر پڑنا اور قدم نہ جمنا، کشتی سے باہر نکلنے پر قادر نہ ہونا۔

۲- اگر کشتی پانی پر چل نہ رہی ہو بلکہ کنارے پر بندھی ہوئی ہو تو اس میں قیام پر قادر ہوتے ہوئے بیٹھ کر نماز پڑھنا بالاجماع جائز نہیں کیونکہ یہ زمین کی مثل ہے لیکن جس عذر کی وجہ سے زمین پر بیٹھ کر نماز پڑھنا جائز ہے اسی عذر سے کشتی و جہاز میں بیٹھ کر پڑھنا جائز ہے۔

۳- کشتی و جہاز میں نماز شروع کرتے وقت قبلے کی طرف منہ کرنا لازمی ہے خواہ وہ نماز فرض و واجب ہو یا سنت و نفل ہو اور جب کشتی گھومے تو نماز پڑھنے والا بھی اپنا منہ قبلے کی طرف پھیر لے اور ہر دفعہ کشتی کے گھومنے کے ساتھ قبلے کی طرف گھومتا جائے یہاں تک کہ تمام نماز قبلے کی طرف پوری کر لے، اگر قدرت کے باوجود قبلے کی طرف نہیں گھومے گا تو اس کی نماز بالاتفاق جائز نہ ہو گی۔

۴- کشتی میں بیٹھ کر نماز پڑھنے کی صورت میں رکوع و سجود پر قادر ہوتے ہوئے اشاروں سے نماز پڑھنا بالاجماع جائز نہیں، اور اگر رکوع و سجود پر قادر نہ ہو تو اشارہ سے نماز پڑھنا جائز ہے۔

۵- ایک کشتی میں جماعت سے نماز پڑھنے کے وہی مسائل ہیں جو زمین پر جماعت کرنے کے ہیں، ایک کشتی میں سوار آدمی کی اقتدا دوسری کشتی میں سوار آدمی کے پیچھے جائز نہیں یعنی امام کی نماز ہو جائے گی مقتدی کی جائز نہیں ہو گی لیکن دونوں کشتیاں ملی ہوئی ہوں خواہ بندھی ہوں یا ویسے ہی قریب قریب ہوں تو اقتدا جائز ہے۔

فصل فی التراویح

﴿یہ فصل نماز تراویح کے بیان میں ہے﴾

تراویح کے لغوی مفہوم کا بیان

تراویح، ترویحۃ کی جمع ہے اور آرام واستراحت کے واسطے ایک مرتبہ بیٹھنے کیلیے استعمال ہوتا ہے۔علامہ ابن منظور علم لغت کی عظیم کتاب لسان العرب میں تحریر فرماتے ہیں۔(التراویح، جمع ترویحة و هی المرة الواحدة من الراحة تفعیلة منها مثل تسلیمة من السلام، والترویحة فی شهر رمضان سمیت بذالك لاستراحةالقوم بعد كل اربع ركعات) تراویح، ترویحۃ کی جمع ہے۔

اور ایک مرتبہ آرام کرنے کا نام ہے مادہ راحت سے بروزن تفعیلہ جیسے مادہ سلام سے وزن تسلیمہ،اور ماہ رمضان کی نماز تراویح کو بھی اسلیئے تراویح کہتے ہیں کہ لوگ ہر چار رکعت کے بعد آرام کرتے ہیں۔(لسان العرب،ج5مادہ روح،ص360)

تراویح کے سنت ہونے کا بیان

حكمها التراويح سنة للرجال والنساء وصلاتها بالجماعة سنة كفاية وقتها بعد صلاة العشاء ويصح تقديم الوتر على التراويح وتأخيره عنها ويستحب تأخير التراويح إلى ثلث الليل أو نصفه ولا يكره تأخيرها إلى ما بعده على الصحيح عددها واداؤها وهي عشرون ركعة بعشر تسليمات ويستحب الجلوس بعد كل أربع بقدرها وكذا بين الترويحة الخامسة والوتر وسن ختم القرآن فيها مرة في الشهر على الصحيح وإن مل به القوم قرأ بقدر ما لا يؤدى الى تنفيرهم في المختار ولا يترك الصلاة على سيدنا النبي صلى الله عليه وسلم في كل تشهد منها ولو مل القوم على المختار ولا يترك الثناء وتسبيح الركوع والسجود ولا يأتي بالدعاء إن مل القوم ولا تقضى التراويح بفواتها منفردا ولا بجماعة،

ترجمہ

تراویح مردوں اور عورتوں کے لیے سنت ہیں اور ان کی جماعت سنت کفایہ ہے تراویح کا وقت نماز عشاء کے بعد ہے وتروں کو

نمازتراویح پرمقدم کرنا بھی صحیح ہےاور بعد میں پڑھنا بھی۔تراویح کی نمازرات کےتہائی یانصف تک موخرکرنامستحب ہے۔اس سے زیادہ دیرکرنا مکروہ نہیں ہے یہ صحیح مذہب کے مطابق ہے۔تراویح بیس رکعات ہیں اور ہر چار رکعتوں کے بعد اتنا ہی وقت بیٹھنا مستحب ہے اسی طرح پانچویں ترویحہ اور وتروں کے درمیان بیٹھنا بھی مستحب ہے صحیح قول کے مطابق مہینے میں ایک بار تراویح میں قرآن پاک ختم کرنا سنت ہے۔اور اگر قوم تھکاوٹ محسوس کرے تو مختار بات یہ ہے کہ اس قدر پڑھے جس سے وہ متنفر نہ ہوں۔ہر تشہد میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف بھیجنا نہ چھوڑے اگرچہ قوم اکتا جائے یہ مختار مذہب کے مطابق ہے۔ثناءاور رکوع وسجود کی تسبیح بھی نہ چھوڑے اور اگر قوم اکتاہٹ محسوس کرے تو دعا نہ مانگے۔اگر تراویح نہ پڑھ سکے تو ان کی قضاء تنہا اور جماعت کے ساتھ (کسی صورت میں) نہ کی جائے۔

نمازتراویح کی بیس رکعات ہونے کا بیان

حضرت ابوعبدالرحمٰن سلمی سے مروی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے رمضان المبارک میں قاریوں کو بلایا اور ان میں سے ایک شخص کو بیس رکعت تراویح پڑھانے کا حکم دیا اور خود حضرت علی رضی اللہ عنہ انہیں وتر پڑھاتے تھے۔یہ حدیث حضرت علی رضی اللہ عنہ سے دیگر سند سے بھی مروی ہے۔

(البیهقی فی السنن الکبری، 2 / 496، الرقم , 4396، والمبارکفوری فی تحفة الأحوذی، 3 / 444-)

حضرت ابوالحسناء بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو رمضان میں پانچ ترویحوں میں بیس رکعت تراویح پڑھانے کا حکم دیا ۔(وابن قدامة فی المغنی، 1 / 456، وقال , هذا كالإجماع-)

حضرت عبدالعزیز بن رفیع نے بیان کیا کہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ میں لوگوں کو رمضان المبارک میں بیس رکعت تراویح اور تین رکعت وتر پڑھاتے تھے۔

حضرت حسن (بصری) رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو حضرت ابی ابن بن کعب رضی اللہ عنہ کی اقتداء میں قیام رمضان کے لئے اکٹھا کیا تو وہ انہیں بیس رکعت تراویح پڑھاتے تھے۔

(ابن تيمية فی مجموع فتاوی، 2 / 401-)

حضرت زعفرانی امام شافعی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا, میں نے لوگوں کو مدینہ منورہ میں انتالیس (39) اور مکہ مکرمہ میں تئیس (23) رکعت (بیس تراویح اور تین وتر) پڑھتے دیکھا ۔

(العسقلانی فی فتح الباری، 4 / 253، والشوكانی فی نيل الأوطار، 3 / 64-)

ابن رشد قرطبی مالکی نے فرمایا کہ امام مالک رضی اللہ عنہ نے اپنے دو اقوال میں سے ایک میں اور امام ابوحنیفہ، امام شافعی، امام احمد اور امام داود ظاہری رضی اللہ عنہم نے بیس تراویح کا قیام پسند کیا ہے اور تین وتر اس کے علاوہ ہیں۔۔۔اسی طرح امام مالک رضی اللہ عنہ نے یزید بن رومان سے روایت بیان کی فرمایا کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں لوگ تئیس (23) رکعت (تراویح بشمول تین وتر) کا قیام کیا کرتے تھے۔(ابن رشد فی بداية المجتهد، 1 / 152-)

باب الصلاۃ فی الکعبۃ

﴿یہ باب کعبہ میں نماز پڑھنے کے بیان میں ہے﴾

کعبہ میں فرض اور نفلی نماز پڑھنے کا بیان

صح فرض ونفل فيها وكذا فوقها وإن لم يتخذ سترة لكنه مكروه لإساءة الأدب باستعلائه عليها ومن جعل ظهره الى غير وجه إمامه فيها أو فوقها صح وإن جعل ظهره الى وجه إمامه لا يصح وصح الاقتداء خارجها بإمام فيها والباب مفتوح وإن تحلقوا حولها والإمام خارجها صح إلا لمن كان أقرب إليها فى جهة إمامه،

ترجمہ

کعبہ میں فرض اور نفل پڑھنا صحیح ہے۔اسی طرح اس کے اوپر بھی اگر چہ سترہ نہ رکھے لیکن ایسا کرنا مکروہ ہے کیوں کہ کعبۃ اللہ سے بلند ہونا بے ادبی ہے۔کعبۃ اللہ میں یا اس کے اوپر جس شخص کی پیٹھ امام کے چہرے کی طرف نہ ہو اس کی نماز صحیح ہے اور اگر وہ اپنی پیٹھ امام کے چہرے کی طرف کرے تو نماز صحیح نہ ہوگی۔کعبہ سے باہر ایسے امام کی اقتداء کرنا جو اس کے اندر ہے صحیح ہے بشرطیکہ دروازہ کھلا ہو۔اگر کعبہ کی عمارت کے گرد نماز پڑھیں اور امام بھی باہر ہو تو نماز صحیح ہوگی سوائے اس کے جو امام کی جہت میں کعبۃ اللہ کے زیادہ قریب ہے۔

کعبہ میں نماز پڑھنے کی اباحت کا بیان

حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وسط کعبہ میں نماز پڑھی حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز نہیں پڑھی بلکہ صرف تکبیر کہی اس باب میں حضرت اسامہ بن زید فضل بن عباس عثمان بن طلحہ اور شیبہ بن عثمان سے بھی روایت ہے امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں کہ حضرت بلال کی حدیث حسن صحیح ہے۔اکثر اہل علم کا اسی پر عمل ہے کہ خانہ کعبہ میں نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں۔

امام مالک بن انس فرماتے ہیں کہ خانہ کعبہ میں نوافل پڑھنے میں بھی کوئی حرج نہیں البتہ فرض نماز پڑھنا مکروہ ہے،امام شافعی فرماتے ہیں کہ نفل نماز ہو یا فرض نماز دونوں کے پڑھنے میں کوئی حرج نہیں اس لئے کہ طہارت اور قبلہ کا حکم فرض اور نفل

دونوں کے لئے ایک جیسا ہے۔ (جامع ترمذی، جلد اول، رقم الحدیث، 863)

فتح مکہ کے دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کعبہ میں نماز پڑھنے کا بیان

امام بخاری و مسلم اپنی اسناد کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ (فتح مکہ کے روز) سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم، اسامہ ابن زید، عثمان ابن طلحہ جحبی اور بلال ابن رباح رضی اللہ عنہم خانہ کعبہ کے اندر داخل ہوئے اور حضرت بلال یا حضرت عثمان رضی اللہ عنہما نے اندر سے دروازہ بند کر لیا (تاکہ لوگ ہجوم نہ کریں) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھوڑی دیر تک اندر (دعا وغیرہ میں مشغول رہے۔ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے جب کہ وہ یا (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) خانہ کعبہ سے باہر آئے تو پوچھا کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم (خانہ کعبہ کے اندر) کیا کر رہے تھے؟ بلال رضی اللہ عنہ نے کہا کہ آپ نے کھڑے ہو کر نماز پڑھی ایک ستون آپ کے بائیں طرف تھا، دو داہنی طرف تھے تین پیچھے تھے ان دنوں خانہ کعبہ میں چھ ستون تھے (اور اب تین ستون ہیں)۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

اس حدیث سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خانہ کعبہ کے اندر نماز پڑھی تھی مگر اس سے پہلے اس مضمون کی حضرت اسامہ ابن زید رضی اللہ عنہ سے حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ جو حدیث گزری ہے اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خانہ کعبہ کے اندر نماز نہیں پڑھی تھی۔ لہٰذا ان دونوں حدیثوں میں تطبیق اسی طرح ہوگی کہ یہ کہا جائے گا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ یہ حضرات خانہ کعبہ کے اندر داخل ہوئے اور دروازہ بند کر لیا گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دعا مانگتے ہوئے دیکھ کر حضرت اسامہ بھی کسی دوسرے کونہ میں جا کر دعا میں مشغول ہو گئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس کونہ میں کھڑے تھے وہاں سے حضرت اسامہ تو دور تھے مگر حضرت بلال آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ہی تھے اس لیے حضرت بلال نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا اور چونکہ حضرت اسامہ اول تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے فاصلہ پر تھے دوسرے وہ خود بھی نماز میں مشغول تھے، پھر یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ نماز بھی جلد ہی پڑھ لی تھی۔ اس لیے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز پڑھتے ہوئے نہ دیکھ سکے۔

پھر اس کے علاوہ یہ بھی منقول ہے کہ بیت اللہ کی دیواروں سے تصویریں مٹانے کے واسطے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اسامہ کو پانی لانے کے لیے باہر بھیج دیا تھا اس لیے ہوسکتا ہے کہ جس وقت وہ باہر گئے ہوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عرصے میں نماز پڑھ لی ہو۔ بہر حال حضرت اسامہ اور حضرت بلال دونوں نے اپنے علم و مشاہدہ کے مطابق خبر دی ہے اور بہر صورت ادائیگی نماز کو ثابت کرنا ہی مختار ہے اس کی نفی نہیں۔

حضرت سیدنا ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں تشریف لائے تو عثمان بن طلحہؓ کو بلایا، انھوں نے (کعبہ کا) دروازہ کھول دیا، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور بلال اور اسامہ بن زید اور عثمان بن طلحہؓ اندر گئے، اس کے بعد دروازہ بند کر لیا گیا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس میں تھوڑی دیر رہے، اس کے بعد سب لوگ نکلے۔ ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ میں کعبہ کی طرف جلدی سے

بھاگا اور بلالؓ سے پوچھا تو انھوں نے بتایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کعبہ کے اندر نماز پڑھی ہے۔ میں نے کہا کس مقام میں؟ انھوں نے کہا دونوں ستونوں کے درمیان۔ ابن عمرؓ کہتے ہیں مجھ سے یہ بات رہ گئی کہ ان سے پوچھتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کس قدر نماز پڑھی۔ (بخاری، رقم، ۲۹۶)

کعبہ میں ہر وقت نماز پڑھنے میں فقہی اختلاف کا بیان

البتہ اس بارے میں علماء کا یہاں اختلاف ہے کہ خانہ کعبہ میں رات و دن کے کسی بھی حصہ میں خواہ اوقات مکروہہ کیوں نہ ہوں نماز پڑھی جاسکتی ہے یا نہیں؟ چنانچہ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس حدیث کی بناء پر خانہ کعبہ میں ہر وقت کوئی بھی نماز خواہ وہ طواف کی دو رکعتیں ہوں یا دوسری نماز ہو پڑھی جاسکتی ہے۔

حضرت امام احمد کا مسلک یہ ہے کہ خانہ کعبہ میں صرف طواف کی دو رکعتیں کسی وقت بھی پڑھی جاسکتی ہیں۔ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کے نزدیک خانہ کعبہ کے اندر اوقات مکروہ میں کوئی بھی نماز جائز نہیں ہے اوقات کی حرمت اور کراہت کے سلسلے میں مکہ کا حکم بھی دیگر شہروں کی طرح ہے۔ اور ظاہر ہے کہ اوقات کی حرمت و کراہت کا حکم اور ان میں نماز پڑھنے کی ممانعت کے سلسلے میں جو احادیث منقول ہیں وہ سب عام ہیں ان میں کسی جگہ اور کسی شہر کی کوئی تخصیص نہیں ہے کہ فلاں جگہ تو ان اوقات میں نماز پڑھنی جائز ہے اور فلاں جگہ ناجائز ہے۔ جہاں تک اس حدیث کا تعلق ہے تو اس کے بارے میں کہا جائے گا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کی مراد یہ ہے کہ خانہ کعبہ میں جس وقت چاہے نماز پڑھی جاسکتی البتہ اوقات مکروہ میں وہاں بھی نماز نہیں پڑھی جاسکتی۔ اس تاویل سے تمام احادیث میں موافقت اور مطابقت بھی ہو جاتی ہے جو ایک ضروری چیز ہے۔

کعبہ میں نماز پڑھنے سے متعلق فقہی مذاہب کا بیان

علامہ یحییٰ بن شرف نووی شافعی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ کعبہ کے اندر نماز پڑھنے میں فقہاء نے اختلاف کیا ہے۔ لیکن جب وہ کعبہ کی کسی دیوار کی طرف چہرہ کر کے نماز پڑھے۔ لہٰذا سیدنا امام اعظم، امام شافعی، امام احمد اور جمہور فقہاء نے یہ کہا ہے کہ کعبہ کے اندر نماز پڑھنا صحیح ہے۔ چاہے وہ فرض نماز ہو یا وہ نفل نماز ہو۔ جبکہ امام مالک علیہ الرحمہ کے نزدیک کعبہ میں صرف نفل نماز صحیح ہے۔ جبکہ فرض و واجب اور فجر کی سنتیں پڑھنا صحیح نہیں۔ اور اسی طرح طواف کی دو رکعتیں بھی صحیح نہیں۔

بعض غیر مقلدین کا موقف یہ ہے کہ کعبہ میں کوئی فرض و نفل صحیح نہیں۔ جبکہ جمہور کے نزدیک حضرت بلال رضی اللہ عنہ والی روایت دلیل ہے کہ جب اس میں نفل پڑھنا صحیح ہے تو فرض پڑھنا بھی صحیح ہوگا۔

کیونکہ حالت سواری میں فرض و نفل کے جائز ہونے یا نہ ہونے میں فرق ہے۔ لیکن جب نماز زمین پر پڑھی جائے تو اس کے فرض و نفل میں کوئی فرق نہیں کیا جائے گا۔ (شرح صحیح مسلم، ج ۱، ص ۴۴۹، قدیمی کتب خانہ کراچی)

باب صلاۃ المسافر

﴿یہ باب مسافر کی نماز کے بیان میں ہے﴾

سفر میں قصر کرنے کی دلیل شرعی کا بیان

وَاِذَا ضَرَبْتُمْ فِی الْاَرْضِ فَلَیْسَ عَلَیْکُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوۃِ اِنْ خِفْتُمْ اَنْ یَّفْتِنَکُمُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا اِنَّ الْکٰفِرِیْنَ کَانُوْا لَکُمْ عَدُوًّا مُّبِیْنًا ۔(۱۰۱)

اور جب تم زمین میں سفر کرو تو تم پر کوئی گناہ نہیں کہ تم نماز میں قصر کرو (یعنی چار رکعت فرض کی جگہ دو پڑھو) اگر تمہیں اندیشہ ہے کہ کافر تمہیں تکلیف میں مبتلا کر دیں گے۔ بیشک کفار تمہارے کھلے دشمن ہیں۔

قصر کے وجوب یا رخصت ہونے کا بیان

علمائے سلف وخلف میں سے بہت سے وجوب قصر کے قائل ہیں، خطابی رحمہ اللہ معالم میں فرماتے ہیں اکثر علماء سلف اور فقہاء عصر کا خیال ہے کہ یہ واجب ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ، عمر رضی اللہ عنہ، ابن عمر رضی اللہ عنہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہ کے علاوہ عمر بن عبدالعزیز قتادہ رحمہ اللہ وحسن رحمہ اللہ سے بھی یہی مروی ہے۔ حماد بن سلیمان رحمہ اللہ تو اس قدر فرماتے ہیں اگر سفر میں کوئی چار رکعت پڑھ لے تو وہ دوبارہ نماز پڑھے۔ امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں اگر وقت باقی ہے تو دھرا لے۔ نووی نے بھی بہت سے اہل علم کی طرف اسے منسوب کیا ہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اس کی رخصت کے قائل ہیں، ابن عباس رضی اللہ عنہ (ایک روایت میں) شافعی رحمہ اللہ اور احمد رحمہ اللہ کا بھی یہی خیال ہے نووی نے اس فعل کو بھی اہل علم کے ایک گروہ کی طرف منسوب کیا ہے۔

قائلین وجوب کے دلائل میں سے صحیحین کی یہ حدیث ہے ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں صحبت النبی صلی اللہ علیہ وسلم وکان لا یزید فی السفر علی رکعتین وابا بکر وعمر وعثمان یعنی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم سفر میں دو رکعت سے زیادہ نہ پڑھتے تھے اسی طرح ابوبکر رضی اللہ عنہ، عمر رضی اللہ عنہ وعثمان رضی اللہ عنہ کا عمل تھا۔ لیکن اس حدیث سے استدلال درست نہیں صرف مداومت سے وجوب ثابت نہیں ہوتا۔

جیسا کہ پہلے صرف دو رکعت نماز فرض ہوئی، پھر حضر میں چار رکعتیں کر دی گئیں لیکن سفر میں وہی دو رکعت ہی فرض رہی، یہ استدلال یوں ہے کہ حضر میں چار رکعت سے زیادہ پڑھنا جس طرح ناجائز ہے اسی طرح سفر میں دو رکعت سے زیادہ پڑھنا ناجائز ہے۔ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ یہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول ہے اور وہ فرضیت نماز کے وقت حاضر نہ تھیں۔ یہ جواب اتنا

عمدہ نہیں ہے اس لیے کہ یہ ایسا معاملہ ہے جس میں اجتہاد کو دخل نہیں، لہٰذا یہ مرفوع حکمی میں داخل ہے۔ نیز حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بوقتِ فرضیت نماز حاضر نہ ہونا قادح نہیں اس لیے کہ انہوں نے کسی صحابی ہی سے سنا ہوگا۔ اور مراسیل صحابہ باجماع اہل اصول حجت ہیں۔ اسی دلیل پر یہ اعتراض بھی ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت سے متعارض ہے۔ روایت یوں ہے، حضر میں چار اور سفر میں دو رکعتیں فرض ہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث اور اس سے پہلی حدیث میں تطبیق ممکن ہے کہ شبِ معراج تو دو رکعت ہی فرض ہوئی لیکن بعد میں زیادہ کردی گئی۔ چنانچہ ابن حبان ابن خزیمہ اور بیہقی میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے،

یعنی سفر و حضر میں دو رکعتیں فرض تھیں جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں تشریف لائے اور امن ہوگیا تو حضر میں نماز کی رکعتیں بڑھادی گئیں، نماز فجر اسی طرح رہی کیوں کہ اس کی قراۃ لمبی ہوتی ہے اور نماز مغرب دن کے وتر ہیں۔

رخصت کے قائلین اس حدیث کا معنی یہ کرتے ہیں، فرضت بمعنی قدرت یہ لیکن یہ تاویل تکلف محض ہے، نیز حدیث کا دوسرا حصہ **فاقرت فی السفر وزیدت فی الحضر** اس کی نفی کرتا ہے۔ نووی کہتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ جو قصر کرنا چاہے اس پر یہی فرض ہے لیکن یہ پہلے سے بھی زیادہ تکلف ہے۔

قائلین وجوب کی تیسری دلیل مسلم کی یہ روایت ہے، اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کے ذریعے سے مسافر پر دو رکعتیں فرض کی ہیں اور مقیم پر چار اور بحالت خوف صرف ایک رکعت۔

اس حدیث میں تصریح ہے کہ بحالت سفر فرض ہی دو رکعت ہے اللہ کی فرض کی ہوئی رکعات پر زیادتی درست نہیں۔

چوتھی دلیل ان کی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جو نسائی میں ہے، اس حدیث کے رجال صحیح بخاری کے ہیں اس میں تصریح ہے کہ مسافر کی نماز دو رکعت ہی ہے اور یہ قصر نہیں بلکہ مکمل ہے۔

پانچویں دلیل ابن عمر رضی اللہ عنہما کی یہ روایت ہے، **ارنا ان نصلی رکعتین فی السفر** (النسائی) یعنی ہمیں سفر میں دو رکعت پڑھنے کا ہی حکم ہے۔ اور قصر کو جو واجب نہیں سمجھتے ان کی پہلی دلیل یہ آیت ہے، (لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تقصرُوْ مِنَ الصَّلٰوةِ) تم پر گناہ نہیں اگر تم نماز قصر کرلو۔ یہ الفاظ رخصت پر دلالت کرتے ہیں وجوب پر نہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ آیت صلوٰۃ الخوف سے متعلق ہے، قصر دو چیزوں میں ہے۔ تعداد رکعات میں اور ارکان میں اسی طرح اس کا نقص بھی دو چیزوں سے ہے ضرب فی الارض (سفر) اور خوف ہونگے تو ارکان میں بھی قصر ہوگا اور تعداد رکعات میں بھی۔ اگر خوف بحالت اقامت ہو تو تعداد مکمل رہے گی۔ لیکن ارکان میں قصر ہوگا۔ اسی طرح جب سفر ہو لیکن خوف نہ ہو اس وقت قصرِ تعداد ہوگا، لیکن ارکان مکمل ادا کئے جائیں گے۔

سفر شرعی کا بیان

السفر الشرعی أقل سفر تتغير به الأحكام مسيرة ثلاثة أيام من أقصر أيام السنة بسير وسط مع الاستراحات والوسط سير الإبل ومشى الأقدام فى البر وفى الجبل بما يناسبه

وفـي البـحـر اعتـدال الريح قصر الصلاة فيقصر الفرض الرباعي من نوى السفر ولو كان عـاصيـا بسـفـره إذا جاوز بيوت مقامه وجاوز أيضا ما اتصل به من فنائه وإن انفصل الفناء بـمـزرعة أو قـدر غـلـوة لا يشتـرط مجاوزته الفناء والفناء المكان المعد لمصالح البلد كـركـض الـدواب ودفـن الـمـوتـى شروط السفر ويشترط لصحة نية السفر ثلاثة أشياء الاستقلال بالحكم والبلوغ وعدم نقصان مدة السفر عن ثلاثة أيام

فـلا يـقـصـر مـن لم يجاوز عمران مقامه أو جاوز وكان صبيا أو تابعا لم ينو متبوعة السفر كـالـمـرأة مـع زوجها والعبد مع مولاه والجندى مع أميره أو ناويا دون الثلاثة وتعتبر نية الإقـامة والسفر من الأصل دون التبع إن علم نية المتبوع فى الأصح حكم القصر والقصر عـزيـمة عـنـدنـا فـإذا أتم الرباعية وقعد القعود الأول صحت صلاته مع الكراهة وإلا فلا تصح إلا إذا نوى الإقامة لما قام للثالثة مدة القصر ونية الإقامة ولا يزال يقصر حتى يدخل مـصره أو ينوى إقامته نصف شهر ببلد أو قرية وقصر إن نوى أقل منه أو لم ينو وبقى سنين ولا تصح نية الإقامة ببلدتين لم يغين المبيت بإحداهما ولا فى مفازة لغير أهل الأخبية ولا لـعسـكرنا بدار الحرب ولا بدارنا فى محاصرة أهل البغى اقتداء المسافر بمقيم وعكسه وإن اقتـدى مسافر بمقيم فى الوقت صح وأتمها أربعا وبعده لا يصح وبعكسه صح فيهما ونـدب لـلإمـام أن يقول أتموا صلاتكم فإنى مسافر وينبغى أن يقول ذلك قبلْ شروعه فى الصلاة ولا يقرأ المقيم فيما يتمه بعد فراغ إمامه المسافر فى الأصح قضاء الفوائت وفائته السفر والحضر تقضى ركعتين وأربعا والمعتبر فيه آخر الوقت،

ترجمہ

کم ازکم سفر جس کے ساتھ احکام بدلتے ہیں سال کے چھوٹے دنوں میں اوسط چال کے ساتھ آرام کے اوقات کے ساتھ تین دن کی مسافت ہے۔درمیانی چال سے مراد اونٹ کی چال اور میدان میں پیدل چلنا ہے پہاڑ میں اس کی مناسبت سے ہے اور دریا میں ہوا کا معتدل ہونا شرط ہے۔پس جو شخص سفر کی نیت کرے اگر چہ اس سفر کے باعث گنہگار ہی ہو وہ چار رکعات فرض میں قصر کرے جب اپنی جائے سکونت کی آبادی اور اس کے ساتھ جو فناء ملی ہوئی ہے گزر جائے اگر فناء ایک کھیتی یا تیر پھینکنے کی مقدار (بستی سے) جدا ہو تو اس سے گزرنا شرط نہیں۔فناء وہ مکان ہے جو شہر (والوں) کی بہتری (اور ضرورتوں) کے لیے بنایا جاتا ہے مثلاً گھوڑے دوڑانا اور مردوں کو دفن کرنا۔

سفر کی نیت صحیح ہونے کے لیے تین شرطیں ہیں۔

(۱) فیصلہ کرنے میں مستقل (حیثیت کا مالک) ہونا (۲) بالغ ہونا (۳) سفر کی مدت تین دن سے کم نہ ہو۔

پس وہ شخص جو اپنی رائے سکونت کی آبادی سے آگے نہ بڑھایا آگے چلا گیا لیکن بچہ تھا یا کسی کے تابع تھا اور اس کے متبوع نے سفر کی نیت نہیں کی۔ مثلاً عورت اپنے خاوند کے ساتھ، غلام اپنے آقا کے ساتھ یا سپاہی اپنے امیر کے ساتھ ہو۔ یا اس نے تین دن سے کم (مسافت) کی نیت کی وہ قصر نہ کرے اقامت اور سفر کی نیت اصل سے معتبر ہوگی تابع سے اس کا اعتبار نہ ہوگا اگر متبوع کی نیت کا علم ہو جائے اصح قول یہی ہے۔

قصر ہمارے نزدیک عزیمت ہے اگر کسی مسافر نے چار رکعتیں پوری کر دیں اور پہلا قعدہ بھی کیا تو اس کی نماز کراہت کے ساتھ صحیح ہو جائے گی ورنہ صحیح نہ ہوگی البتہ تیسری رکعت کے لیے کھڑا ہوتے وقت اقامت کی نیت کرے تو ہو جائے گی۔ اور اس وقت تک قصر کرتا رہے جب تک اپنے شہر میں داخل نہ ہو یا کسی شہر یا بستی میں نصف مہینہ ٹھہرنے کی نیت کرے۔ اگر اس سے کم (مدت ٹھہرنے) کی نیت کی یا بالکل نیت نہیں کی اور کئی سال وہاں رہا تو وہ قصر کرے۔ ایسے دو شہروں میں اقامت کی نیت صحیح نہ ہوگی جن میں سے کسی ایک میں رات گزارنے کا تعین نہیں کیا خانہ بدوش لوگوں کے علاوہ کسی کے لیے جنگل میں لشکر اسلام کے لیے دارالحرب میں اور باغیوں کا محاصرہ کرتے ہوئے اپنے ملک میں اقامت کی نیت صحیح نہیں۔

اگر مسافر، وقتی نماز میں مقیم کی اقتداء کرے تو صحیح ہے اور وہ چار رکعتیں پوری کرے اور اس کے بعد اقتداء صحیح نہیں اس کے برعکس دونوں صورتوں میں اقتداء صحیح ہے امام کے لیے مستحب ہے کہ کہے اپنی نماز مکمل کرو بے شک میں مسافر ہوں اور یہ بات نماز شروع کرنے سے پہلے کہنا مناسب ہے۔ اصح قول کے مطابق مقیم مقتدی مسافر امام کے فارغ ہونے پر باقی نماز میں قراءت نہ کرے سفر اور حضر کی فوت شدہ نماز دو اور چار رکعتوں میں قضا کی جائے۔ اس میں آخری وقت کا اعتبار ہوگا۔

مسافت سفر کا فقہی بیان

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک روایت کے مطابق ایک روز کی مسافت اور دوسری روایت کے مطابق دو روز کی مسافت کو مقرر کیا ہے لیکن ان کے مسلک کی کتاب حاوی میں سولہ فرسخ کا تعین کیا گیا ہے اور یہی مسلک حضرت امام مالک و حضرت امام احمد رحمہما اللہ علیہما کا ہے۔

حضرت امام ابوحنیفہ نے مسافت قصر کے سلسلے میں تین منزلیں کی حد مقرر کی ہیں اور ایک منزل اتنی مسافت پر ہو کہ چھوٹے دنوں میں قافلہ صبح کو چل کر دو پہر کے بعد منزل پر پہنچ جائے۔ حضرت امام ابو یوسف دو روز اور تیسرے روز کے اکثر حصہ کی مسافت کو مسافت قصر قرار دیا ہے۔

اصحاب ظواہر (وہ جماعت جو صرف حدیث کے ظاہری الفاظ پر عمل پیرا ہوتی ہے) نے مطلقاً سفر کا اعتبار کیا ہے یعنی ان کے نزدیک مسافت قصر کی کوئی حد مقرر نہیں ہے خواہ سفر لمبا ہو یا چھوٹا ہو ہر صورت میں نماز قصر ادا کی جائے گی۔

اس سلسلے میں اگر چاروں ائمہ کے مسلک کو دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ حقیقت اور نتیجے کے اعتبار سے سب کا یکساں ہی مسلک ہے کیونکہ حنفیہ کے نزدیک مشہور مسلک کے مطابق مسافت قصر (۴۸) میل مقرر ہے، حاوی قول کے مطابق شوافع کے ہاں سولہ فرسخ مقرر ہے اور سولہ فرسخ حساب کے اعتبار سے (۴۷) میل ⅘ کے برابر ہے اسی طرح حضرت امام مالک وحضرت امام احمد کا یہی مسلک ہے لہٰذا چاروں مسلک میں مسافت قصر (۴۸) میل ہوئی۔

میل کی مسافت کا بیان

میل تین فرسخ کا ہوتا ہے اور ہر فرسخ بارہ ہزار قدموں کا ہوتا ہے۔ ابن شجاع نے کہا ہے کہ میل تین ہزار پانچ سو گز سے لے کر چار ہزار گزوں کا ہوتا ہے۔ اور میل کو اختیار کرنے کی وجہ یہ ہے اس کی وجہ سے حرج لازم آتا ہے۔ جو کہ اٹھالیا گیا ہے۔ (عنایہ شرح الہدایہ، ج ا،ص ۱۸۵، بیروت)

قصر صرف چار رکعتوں والی نمازوں ہی میں جائز ہے

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے سفر کی حالت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ ظہر کی دو رکعتیں اور اس کے بعد (یعنی سنت کی) دو رکعتیں پڑھی ہیں۔ ایک اور روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ سفر میں بھی نماز پڑھی ہے اور شہر (یعنی حضر) میں بھی، چنانچہ میں نے شہر میں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ ظہر کی چار رکعتیں اور اس کے بعد (سنت کی) دو رکعتیں پڑھی ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس نماز میں سفر و شہر میں کوئی (زیادتی) نہیں کرتے تھے اور مغرب ہی کی نماز دن کے وتر (کہلاتے) ہیں اور اس کے بعد (سنت کی) دو رکعتیں پڑھتے تھے۔ (جامع ترمذی)

اس حدیث سے یہ بات بصراحت معلوم ہوئی کہ سفر کی حالت میں قصر ان ہی نمازوں میں جائز ہے جو چار رکعتوں والی ہیں جیسے ظہر، عصر اور عشاء جو نماز چار رکعت والی نہیں ہیں جیسے مغرب اور فجر ان میں قصر جائز نہیں ہے۔ یہ نمازیں جس طرح حضر میں پڑھی جاتی ہیں اسی طرح انہیں سفر میں پڑھنا چاہیے۔

وھی وتر النھار کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح نماز وتر رات کے وتر ہیں اسی طرح مغرب کی نماز دن کے وتر ہیں گویا اس قول سے حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کے قول کی تائید ہوتی ہے کہ وتر کی نماز ایک سلام کے ساتھ تین رکعتیں ہیں۔

ابن ملک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ سنت مؤکدہ حضر کی طرح سفر میں پڑھنی چاہیے۔ مگر حنفیہ کے ہاں معتمد اور صحیح قول یہ ہے کہ جب مسافر کسی جگہ منزل کرے تو وہاں سنتیں پڑھ لے مگر راستے میں چھوڑ دے نہ پڑھے۔

سفر میں نوافل پڑھنے میں فقہی مذاہب کا بیان

حضرت براء بن عازب سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اٹھارہ سفر کئے میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو زوال آفتاب کے وقت ظہر سے پہلے دو رکعتیں چھوڑتے ہوئے کبھی نہیں دیکھا اس باب میں حضرت ابن عمر سے بھی

روایت ہے کہ امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں کہ حدیث براء غریب ہے میں نے امام بخاری سے اس کے متعلق پوچھا تو انہوں نے لیث بن سعد کی روایت کے علاوہ اسے نہیں پہچانا انہیں ابوبسرہ غفاری کا نام معلوم نہیں لیکن انہیں اچھا سمجھتے ہیں حضرت ابن عمر سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سفر کے دوران نماز سے پہلے یا بعد نوافل نہیں پڑھتے تھے انہیں سے یہ بھی مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سفر میں نفل نماز پڑھتے تھے۔

اہل علم کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے بعض صحابہ سفر میں نوافل پڑھنے کے قائل ہیں امام احمد اور اسحاق کا بھی یہی قول ہے جبکہ اہل علم کی ایک جماعت کا قول ہے کہ نماز سے پہلے یا بعد کوئی نوافل نہ پڑھے جائیں چنانچہ جو لوگ ممانعت کرتے ہیں وہ حضرات رخصت پر عمل پیرا ہیں اور جو پڑھ لے اس کے لئے بہت بڑی فضیلت ہے اور یہی اکثر اہل علم کا قول ہے کہ سفر میں نوافل پڑھے جاسکتے ہیں۔(جامع ترمذی، جلد اول، رقم الحدیث، 538)

وطن اور اس کی اقسام کا بیان

الوطن واقسامه وبطلانه ويبطل الوطن الأصلي بمثله فقط ويبطل وطن الإقامة بمثله و بالسفر وبالأصلي والوطن الأصلي هو الذى ولد فيه أو تزوج أو لم يتزوج وقصد التعيش لا الارتحال عنه ووطن الإقامة موضع نوى الإقامة فيه نصف شهر فما فوقه ولم يعتبر المحققون وطن السكنى وهو ما ينوى الإقامة فيه دون نصف شهر،

ترجمہ

وطن اصلی صرف اس کی مثل کے ساتھ باطل ہوتا ہے۔اور وطن اقامت اپنی مثل کے ساتھ سفر کے ساتھ اور وطن اصلی کے ساتھ باطل ہوتا ہے وطن اصلی وہ ہے جہاں کوئی شخص پیدا ہوا یا اس نے شادی کی یا شادی نہیں کی لیکن وہاں سکونت پذیر ہونے کا ارادہ کیا وہاں سے جانے کا ارادہ نہیں کیا۔اور وطن اقامت وہ ہے جہاں نصف مہینہ یا اس سے زیادہ ٹھہرنے کا ارادہ کیا محققین نے وطن سکنیٰ کا اعتبار نہیں کیا اور یہ وہ جگہ ہے جہاں پندرہ دن سے کم ٹھہرنے کا ارادہ کیا۔

حدود شہر سے باہر جانے پر حکم قصر کا بیان

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں ظہر کی نماز چار رکعت پڑھی اور ذی الحلیفہ میں عصر کی نماز دو رکعت پڑھی۔(صحیح البخاری وصحیح مسلم، مشکوۃ شریف، جلد اول، رقم الحدیث، 1306)

اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سفر کا حال بیان کیا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حج کے لیے مکہ کے سفر کا ارادہ فرمایا تو مدینہ میں ظہر کی نماز چار رکعت پڑھی پھر جب مدینہ سے نکلے اور ذوالحلیفہ پہنچے۔تو وہاں قصر فرمایا اور عصر کی نماز دو رکعت پڑھی ذوالحلیفہ ایک جگہ کا نام ہے جو مدینہ منورہ سے تین کوس کے فاصلے پر واقع ہے۔

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ اور حضرت امام شافعی کا بھی یہی مسلک ہے کہ جب مسافر شرعی اپنے شہر یا گاؤں کے مکانات

سے باہر نکل جائے تو قصر نماز پڑھنے لگے۔

مسافر جب اپنے گاؤں یا شہر کی آبادی سے باہر نکل جائے تو اس پر قصر واجب ہے، پوری چار رکعت والی فرض نماز کی دو رکعتیں ہی پڑھنا واجب ہے اگر کوئی آدمی سفر کی حالت میں جب کہ اس پر قصر واجب ہے، پوری چار رکعتیں پڑھے گا تو گنہگار ہوگا اور دو واجب کو چھوڑنے والا ہوگا یعنی ایک واجب تو قصر کا ترک ہوگا اور دوسرے قعدہ اخیرہ کے بعد فوراً اسلام پھیرنا، کیونکہ مسافر کے حق میں پہلا قعدہ ہی قعدہ اخیرہ ہوتا ہے اس کے بعد اسے فوراً سلام پھیر دینا چاہیے اگر اس نے نہیں پھیرا بلکہ کھڑا ہو گیا اس طرح اس نے دوسرے واجب کو ترک کیا۔

اس موقع پر اتنی بات بھی جاننے چلئے کہ مسافر کے لیے قصر کے جواز میں کسی بھی عالم اور کسی بھی امام کا اختلاف نہیں ہے صرف اتنی بات ہے کہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک تو قصر واجب ہے لیکن امام شافعی کے ہاں قصر اولیٰ ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی مسافر قصر نہیں کرے گا تو وہ امام صاحب کے مسلک کی رو سے گنہگار ہوگا، مگر حضرت شافعی کا مسلک اسے گنہگار نہیں قرار دے گا۔ بلکہ اولیٰ وافضل چیز کو ترک کرنے والا کہلائے گا۔

مدت اقامت میں فقہاء احناف وشوافع کا فقہی استدلال

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ حجۃ الوداع کے موقع پر مدینہ سے مکہ گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (چار رکعتوں والی نماز کی) دو دو رکعتیں پڑھیں یہاں تک کہ ہم مدینہ واپس آئے۔ حضرت انس سے پوچھا گیا کہ کیا آپ لوگ مکہ میں کچھ دن ٹھہرے تھے؟ حضرت انس نے فرمایا کہ (ہاں) ہم لوگ مکہ میں دس دن ٹھہرے تھے۔

(بخاری وصحیح مسلم)

حجۃ الوداع کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے رفقاء صحابہ کا قیام مکہ میں دس دن اس طرح رہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں ذی الحجہ کی چار تاریخ کو پہنچے تھے اور ارکان حج وغیرہ سے فراغت کے بعد چودہویں ذی الحجہ کی صبح کو وہاں سے مدینہ کے لیے روانہ ہوگئے۔

بہر حال اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حالت سفر میں کسی جگہ دس دن ٹھہرنے سے کوئی آدمی مقیم نہیں ہوتا اس کے لیے قصر نماز پڑھنی جائز ہے جب کہ یہ حدیث بظاہر حضرت امام شافعی کے مسلک کے خلاف معلوم ہوتی ہے کیونکہ ان کے نزدیک اگر کوئی آدمی کہیں چار دن سے زیادہ ٹھہرے گا تو پھر اس کے لئے قصر جائز نہیں اسے پوری نماز پڑھنی ضروری ہوگی اس کی پوری تفصیل اگلی حدیث میں آرہی ہے۔

حضرت عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (کہیں) سفر پر تشریف لے گئے اور وہاں انیس دن قیام فرمایا (دوران قیام) آپ صلی اللہ علیہ وسلم دو دو رکعتیں نماز پڑھتے رہے۔ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ بھی جب مکہ اور اپنے (یعنی مدینہ) کے درمیان کہیں انیس دن قیام کرتے ہیں تو دو دو رکعتیں نماز پڑھتے ہیں

اور جب اس سے زیادہ ٹھہرتے ہیں تو چار رکعت نماز پڑھتے ہیں۔ (صحیح البخاری)

فاقام تسعة عشر یوما کا مطلب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم انیس دن بغیر اقامت کے اس طرح ٹھہرے کہ امروز فردا میں وہاں سے روانہ ہوجانے کا ارادہ فرماتے رہے مگر بلا قصد وارادہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا قیام وہاں انیس دن ہوگیا۔ مگر اس سے حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ اگر کوئی آدمی حالت سفر میں کہیں انیس دن ٹھہر جائے تو وہ قصر نماز پڑھ سکتا ہے۔ ہاں انیس دن بعد اس کے لیے قصر جائز نہیں ہوگا اس مسئلے میں حضرت عبداللہ ابن عباس منفرد ہیں اور کسی کا بھی یہ مسلک نہیں ہے۔

مدت اقامت کے سلسلے میں ابتداء باب میں تفصیل کے ساتھ مسئلہ بیان کیا جاچکا ہے۔ اس موقع پر پھر جان لیجئے کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک یہ ہے کہ اگر کوئی آدمی حالت سفر میں کسی جگہ پندرہ دن سے زیادہ ٹھہرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ تو اس کے لیے قصر جائز نہیں ہے بلکہ وہ پوری نماز پڑھے اور اگر کوئی آدمی پندرہ دن یا پندرہ دن سے کم ٹھہرنے کا ارادہ رکھتا ہے تو قصر نماز پڑھے بلکہ اگر وہ اقامت کی نیت نہ کرے اور آج کل میں وہاں سے روانہ ہونے کا ارادہ کرتا رہے اور اس طرح بلا قصد ارادہ اس کے قیام کا سلسلہ برسوں تک بھی دراز ہوجائے تب بھی وہ قصر نماز پڑھتا رہے امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہی مسئلہ جلیل القدر صحابہ مثلاً حضرت عبداللہ ابن عمر وغیرہ سے نقل کیا ہے۔

حضرت امام محمد نے کتاب الآثار میں نقل کیا ہے کہ حضرت عبداللہ ابن عمر آذربائیجان میں چھ مہینے اس طرح ٹھہرے رہے کہ آج کل میں وہاں سے چلنے کا ارادہ کرتے رہے مگر بلا قصد وارادہ ان کا قیام اس قدر طویل ہوگیا چنانچہ وہ اس مدت میں برابر قصر نماز پڑھتے رہے اس موقع پر دیگر صحابہ بھی ان کے ہمراہ تھے اسی طرح حضرت انس بھی مروان کے بیٹے عبدالملک کے ہمراہ شام میں دو مہینے تک بلا قصد ارادہ ٹھہرے رہے اور وہاں دو دو رکعت نماز پڑھتے رہے۔

اس مسئلے میں حضرت امام شافعی کا مسلک یہ ہے کہ اگر کوئی آدمی کسی جگہ علاوہ دو دن آنے اور جانے کے چار روز سے زیادہ قیام کا ارادہ رکھتا ہے تو وہ مقیم ہوجاتا ہے اس کے لیے قصر جائز نہیں ہے وہ پوری نماز پڑھے اسی طرح اقامت کی نیت کے بغیر امروز و فردا میں چلنے کا ارادہ کرتے کرتے بلا قصد وارادہ اٹھارہ دن سے زیادہ ٹھہر جائے تو تب بھی اس کے لیے قصر جائز نہیں ہوگا وہ پوری نماز پڑھے امام شافعی کی فقہ میں یہی معتمد اور صحیح قول ہے۔

سفر کی مدت اقامت کا فقہی بیان

حضرت انس بن مالک فرماتے ہیں کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مدینہ سے مکہ کے لئے روانہ ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو رکعتیں پڑھیں بیان کرتے نے انس سے پوچھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کتنے دن مکہ میں قیام کیا انہوں نے فرمایا دس دن اس باب میں ابن عباس اور جابر سے بھی روایت ہے امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں حدیث انس حسن صحیح ہے ابن عباس سے مروی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض اسفار میں انیس دن تک قیام کیا اور دو رکعتیں ہی پڑھتے رہے چنانچہ اگر ہمارا قیام انیس دن یا اس سے کم مدت کا ہوتا تو ہم بھی قصر ہی پڑھتے اور اگر اس سے زیادہ رہتے تو پوری نماز پڑھتے حضرت

علی سے مروی ہے کہ جو دس دن قیام کرے وہ پوری نماز پڑھے ابن عمر پندرہ دن اور دوسری روایت میں بارہ دن قیام کرنے والے کے متعلق پوری نماز کا حکم دیتے تھے قتادہ اور عطاء خراسانی سعید بن مسیّب سے روایت ہیں کہ جو شخص چار دن تک قیام کرے وہ چار رکعتیں ادا کرے داؤد بن ابی ہندان سے اس کے خلاف روایت کرتے ہیں اس مسئلہ میں علماء کا اختلاف ہے سفیان ثوری اور اہل کوفہ پندرہ دن قیام کی نیت ہو تو پوری نماز پڑھے۔

امام اوزاعی بارہ دن قیام کی نیت پر پوری نماز پڑھنے کے قائل ہیں امام شافعی، امام مالک اور احمد کا یہ قول ہے کہ اگر چار دن رہنے کا ارادہ ہو تو پوری نماز پڑھے اسحاق کہتے ہیں کہ اس باب میں قوی ترین مذہب ابن عباس کی حدیث کا ہے کیونکہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی اسی پر عمل پیرا ہیں کہ اگر انیس دن قیام کا ارادہ ہو تو پوری نماز پڑھے۔ پھر اس پر علماء کا اجماع ہے کہ اگر رہنے کی مدت متعین نہ ہو تو قصر ہی پڑھنی چاہئے اگر چہ سال گزر جائیں۔ (جامع ترمذی، جلد اول، رقم الحدیث،536)

باب صلاة المريض

﴿یہ باب مریض کی نماز کے بیان میں ہے﴾

مریض کے لئے نماز پڑھنے کا طریقہ

كيف يصلي المريض إذا تعذر على المريض كل القيام أو تعسر بوجود ألم شديد أو خاف زيادة المرض أو بطأه به صلى قاعدا بركوع وسجود ويقعد كيف شاء في الأصح وإلا قام بقدر ما يمكنه وإن تعذر الركوع والسجود صلى قاعدا بالإيماء وجعل إيماءه للسجود أخفض من إيمائه للركوع فإن لم يخفضه عنه لا تصح ولا يرفع لوجهه شيء يسجد عليه فإن فعل وخفض رأسه صح وإلا لا وإن تعسر القعود أومأ مستلقيا أو على جنبه والأول أولى ويجعل تحت رأسه وسادة ليصير وجهه الى القبلة لا السماء وينبغي نصب ركبتيه إن قدر حتى لا يمدهما الى القبلة وإن تعذر الإيماء أخرت عنه ما دام يفهم الخطاب قال في الهداية هو الصحيح وجزم صاحب الهداية في التجنيس والمزيد بسقوط القضاء إذا دام عجزه عن الإيماء أكثر من خمس صلوات وإن كان يفهم الخطاب وصححه قاضيخان ومثله في المحيط واختراه شيخ الإسلام وفخر الإسلام وقال في الظهيرية هو ظاهر الرواية وعليه الفتوىٰ وفي الخلاصة هو المختار وصححه في الينابيع والبدائع وجزم به الولو الجي رحمهم الله متفرقات ولم يوم بعينه وقلبه وحاجبه وإن قدر على القيام وعجز عن الركوع والسجود صلى قاعدا بالإيماء وإن عرض له مرض يتمها بما قدر ولو بالإماء في المشهور ولو صلى قاعدا يركع ويسجد فصح بنى ولو كان موميا لا ومن جن أو أغمي عليه خمس صلوات قضى ولو أكثر لا،

ترجمہ

جب مریض کے لیے مکمل طور پر کھڑا ہونا ناممکن ہو یا سخت درد کی وجہ سے مشکل ہو یا بیماری کے بڑھ جانے اور لمبا ہو جانے کا ڈر ہو تو رکوع وسجود کے ساتھ بیٹھ کر پڑھے اور جیسے چاہے بیٹھے یہ اصح قول کے مطابق ہے ورنہ جس حد تک ممکن ہو کھڑا ہو۔ اور اگر

رکوع وسجود ممکن نہ ہو تو بیٹھ کر اشارے کے ساتھ پڑھے اور سجدے کے اشارے کو رکوع کے اشارے سے پست رکھے۔ اگر پست نہ کیا تو صحیح نہیں ہوگا۔ سجدہ کرنے کے لیے اس کے چہرے کی طرف کوئی چیز نہ اٹھائی جائے اگر ایسا کیا اور ساتھ ساتھ سر کو بھی جھکا دیا تو صحیح ہے ورنہ نہیں۔

اگر بیٹھنا بھی مشکل ہو جائے تو پیٹھ کے بل یا پہلو پر لیٹ کر اشارہ کرے پہلی صورت زیادہ بہتر ہے سر کے نیچے تکیہ رکھے تاکہ اس کا چہرہ قبلہ کی طرف ہو آسمان کی طرف نہ ہو اگر طاقت ہو تو گھٹنوں کو کھڑا کرنا مناسب ہے تاکہ انہیں قبلہ کی طرف نہ بڑھائے۔ اگر اشارہ کرنا بھی مشکل ہو تو اس وقت تک نماز موخر ہو جائے گی جب تک خطاب کو سمجھتا ہے ہدایہ میں اس کو صحیح قرار دیا ہے۔

صاحب ہدایہ نے تجنیس اور مزید میں قطعی طور پر فرمایا ہے کہ اگر اشارے سے اس کا عاجز ہونا پانچ نمازوں سے بڑھ جائے تو قضاء ساقط ہو جائے گی اگرچہ خطاب کو سمجھتا ہو قاضی خان نے اس کو صحیح قرار دیا ہے۔ اسی کی مثل محیط میں ہے شیخ الاسلام اور فخر الاسلام کے نزدیک یہی مختار ہے ظہیر میں کہا گیا ہے کہ یہ ظاہر روایت میں ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔ خلاصہ میں ہے کہ یہی مختار ہے۔ ینابیع اور بدائع میں اسے صحیح قرار دیا گیا ہے ولوالجی نے بھی اس کی قطعیت کا قول کیا ہے۔

آنکھ دل اور ابروؤں کے ساتھ اشارہ نہ کرے۔ اور اگر کھڑا ہونے پر قادر ہو لیکن رکوع اور سجدہ سے عاجز ہو تو بیٹھ کر اشارے سے نماز پڑھے۔ اگر (نماز کے دوران) بیماری لاحق ہو جائے تو جس طرح ہو سکے اسے پورا کرے اگرچہ اشارے کے ساتھ ہو یہ مشہور قول ہے۔ اگر بیٹھ کر رکوع اور سجدے کے ساتھ پڑھ رہا تھا کہ صحیح ہو گیا تو بناء کرے۔ اگر اشارے سے پڑھ رہا تھا تو نہ کرے جو آدمی پانچ نمازوں میں پاگل یا بیہوش رہا وہ قضا کرے اگر زیادہ ہوں تو نہ کرے۔

مرض کے سبب عذر اباحت کا بیان

حضرت عمران بن حصین بیان کرتے ہیں کہ سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، نماز کھڑے ہو کر پڑھو، اور اگر (کسی عذر کی وجہ سے کھڑے ہو کر نماز پڑھنے پر) قادر نہ ہو سکو تو بیٹھ کر پڑھو، اور اگر بیٹھ کر نماز پڑھنے پر بھی) قادر نہ ہو سکو تو (پھر) کروٹ پر پڑھو۔ (صحیح البخاری، مشکوۃ شریف، جلد اول، رقم الحدیث، 1223)

اگر کوئی آدمی کسی عذر شدید مثلاً سخت بیماری وغیرہ کی وجہ سے کھڑے ہو کر نماز نہ پڑھ سکتا ہو تو بیٹھ کر اپنی نماز ادا کرے اور اگر عذر اتنا شدید ہو کہ بیٹھ کر بھی قدرت سے باہر ہو تو پھر آخری مرحلہ یہ ہے کہ (لیٹے لیٹے) کروٹ سے بقبلہ ہو کر پڑھ لے پھر اس میں بھی اتنی آسانی کہ اگر کوئی آدمی قبلے کی طرف منہ نہ کر سکے یا یہ کہ کوئی آدمی ایسا پاس موجود نہ ہو جو معذور کا منہ قبلے کی طرف کر سکے تو جس طرف بھی منہ ہو ادھر ہی کی طرف پڑھ لے، ایسے موقع پر کسی بھی سمت منہ کر کے نماز پڑھ لینا جائز ہے۔

حنفیہ فرماتے ہیں کہ لیٹ کر نماز پڑھنے کے سلسلے میں افضل یہ ہے کہ رو بقبلہ ہو کر چت لیٹے کندھے کے نیچے تکیہ رکھ کر سر کو اونچا کرے اور اشاروں سے نماز پڑھے۔ چنانچہ دار قطنی نے ایک حدیث نقل کی ہے کہ اس سے چت لیٹ کر ہی نماز پڑھنے کا اثبات ہوتا ہے یہاں جو حدیث ذکر کی گئی ہے اس کے بارہ میں حنفیہ کی طرف سے کہا جاتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

یہ حکم بطور خاص حضرت عمران کے لیے فرمایا تھا کیونکہ وہ بواسیر کے مرض میں مبتلا تھے اور چت نہیں لیٹ سکتے تھے لہٰذا یہ حدیث دوسروں کے لیے حجت نہیں ہوسکتی۔

آخر میں اتنی بات اور جان لیجئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم فرض نماز کے لیے ارشاد فرمایا ہے اس لیے نفل نمازوں میں یہ بطریق اولی جائز ہوگا۔

مریض ومعذور کی نماز کا بیان

۱-نماز کسی حالت میں ترک نہ کرے جب تک کھڑا ہوکر نماز پڑھنے کی قوت ہے کھڑے ہوکر نماز پڑھے اور جس شخص کو بیماری یا کسی اور عذر کی وجہ سے بلکل کھڑے ہونے کی طاقت نہ ہو یا کھڑے ہونے سے سخت تکلیف ہو یا مرض کے بڑھ جانے کا اندیشہ ہو یا سر میں چکر آ کر گر جانے کا خوف ہو تو ان سب صورتوں میں فرض وواجب نماز بیٹھ کر رکوع وسجود کے ساتھ پڑھنا چاہئے اور رکوع کے لئے اتنا جھکے کہ پیشانی گھٹنوں کے مقابل ہوجائے

۲-اگر کسی شخص کو قیام کی طاقت تو ہے لیکن رکوع وسجود سے عاجز ہے یا قیام ورکوع وسجود تینوں کی طاقت نہیں ہے اور بیٹھنے پر قادر ہے تو بیٹھ کر اشارہ سے نماز پڑھے سجدے کا اشارہ رکوع سے زیادہ نیچے تک کرے یعنی رکوع کے لئے تھوڑا جھکے اور سجدے میں اس سے زیادہ جھکے۔اگر دونوں برابر کرے گا تو نماز صحیح نہیں ہوگی

۳-اگر کوئی شخص قیام کے پورے وقت قیام نہیں کرسکتا لیکن تھوڑی دیر۔ کھڑا ہوسکتا ہے تو جس قدر قیام کرسکتا ہے اسی قدر قیام کرنا فرض ہے

۴-اگر دیوار وغیرہ کا سہارا لگا کر کھڑا ہونے پر قادر ہے تو صحیح یہ ہے کہ سہارا لگا کر کھڑا ہوکر نماز پڑھے ورنہ درست نہ ہوگی۔اگر کوئی شخص طویل قرآت کے سبب سے کھڑا ہوا تھک جائے اور تکلیف ہونے لگے تو اس کو کسی دیوار یا درخت یا لکڑی وغیرہ کا سہارا لینا مکروہ نہیں ہے لیکن بلا ضرورت ایسا کرنا مکروہِ تنزیہی ہے

۵-اگر گھر میں قیام کرکے نماز پڑھ سکتا ہو اور مسجد میں جماعت کے لئے جانے کے بعد قیام پر قادر نہیں رہتا تو اپنے گھر میں کھڑے ہوکر نماز پڑھے پس اگر گھر میں جماعت میسر ہو تو جماعت سے پڑھے ورنہ اکیلا پڑھ لے اگر رمضان المبارک کے روزے رکھنے کی صورت میں کھڑا ہونے پر قادر نہیں رہتا اور روزہ نہ رکھنے کی صورت میں قیام کرسکتا ہے تو رمضان المبارک کے روزے رکھے اور بیٹھ کر نماز پڑھے

۶- بیٹھ کر نماز پڑھنے کی صورت میں کسی خاص وضع پر بیٹھنا ضروری نہیں بلکہ جس طرح پر آسانی ہو اسی طرح بیٹھے لیکن اگر دوزانو یعنی تشہد میں بیٹھنے کی طرح بیٹھنا آسان ہو یا دوسری طرح بیٹھنے کے برابر ہو تو دوزانو بیٹھنا بہتر ہے

۷-سجدے کے لئے تکیہ یا اینٹ یا تختی وغیرہ کوئی چیز پیشانی کے قریب تک اٹھا کر اس پر سجدہ کرنا مکروہِ تحریمی ہے خواہ خود اٹھائی ہو یا کسی دوسرے نے اس کے لئے اٹھائے ہو اگر تکیہ یا اینٹ وغیرہ کوئی اونچی چیز زمین یا چوکی وغیرہ پر رکھی ہو اس پر سجدہ کرے اور رکوع کے لئے بھی صرف اشارہ نہ ہو بلکہ پیٹھ جھکائی ہو تو رکوع وسجود کرنے والے کی نماز صحیح ہے۔

فصل في إسقاط الصلاة

﴿یہ فصل اسقاط نماز کے بیان میں ہے﴾

مریض جب اشارے پر بھی قادر نہ ہوتو حکم نماز وغیرہ کا بیان

والصوم متى لايلزم الإيصاء اذا مات المريض ولم يقدر على الصلاة بالإيماء لا يلزمه الإيصاء بها وإن قلت وكذا الصوم إن أفطر فيه المسافر والمريض وماتا قبل الإقامة والصحة متى يوصى وعليه الوصية بما قدر عليه وبقي بذمته كيفية الإسقاط فيخرج عنه وليه من ثلث ما ترك لصوم كل يوم ولصلاة كل وقت حتى الوتر نصف صاع من بر أو قيمته وإن لم يوص وتبرع عنه وليه جاز ولا يصح أن يصوم ولا أن يصلى عنه الحيلة لإبراء ذمة الميت وإن لم يف ما أوصى به عما عليه يدفع ذلك المقدار للفقير فيسقط عن الميت بقدره ثم يهبه الفقير للولي ويقبضه ثم يدفعه للفقير فيسقط بقدره ثم يهبه الفقير للولي ويقبضه ثم يدفعه الولي للفقير وهكذا حتى يسقط ما كان على الميت من صلاة وصيام لمن تعطى الفدية ويجوز إعطاء فدية صلوات لواحد جملة بخلاف كفارة اليمين والله سبحانه وتعالى أعلم،

ترجمہ

مریض جب مر جائے اور وہ اشارے سے نماز پڑھنے پر بھی قادر نہ تھا تو اس پر وصیت کرنا لازم نہیں اگر چہ نمازیں کم ہوں۔ روزے کا بھی یہی حکم ہے اگر مسافر یا مریض نے روزہ نہ رکھا اور وہ مقیم یا صحت مند ہونے سے پہلے انتقال کر گیا اور اگر وہ ادیگی پر قادر تھا تو اس پر وصیت کرنا لازم ہے اور یہ اس کے ذمہ باقی ہوئیں اس کا ولی اس کے ترکہ کے تہائی حصہ میں سے ہر دن کے روزے اور ہر نماز یہاں تک کہ وتروں کا (بھی) فدیہ نصف صاع گندم یا اس کی قیمت ادا کرے اور اگر اس نے وصیت نہیں کی بلکہ ولی نے اپنی طرف سے ادا کر دیا تو بھی جائز ہے میت کی طرف سے روزہ رکھنا اور نماز پڑھنا صحیح نہیں ہے۔

اگر وہ مال جس کی وصیت کی ہے اس عبادت کا پورا فدیہ نہ ہو سکے جو اس کے ذمہ ہے تو یہ مقدار کسی فقیر کو دے پس میت سے اس کا اندازہ ساقط ہو جائے گا۔ پھر فقیر ولی کو ہبہ کرے وہ قبضہ کر کے پھر فقیر کو دے تو اتنا اندازہ مزید ساقط ہو جائے گا۔ فقیر پھر ولی کو

دے وہ اس پر قبضہ کر کے دوبارہ فقیر کو دے اسی طرح کرتے رہیں یہاں تک کہ جو کچھ نمازیں اور روزے میت کے ذمہ ہیں وہ ساقط ہو جائیں چند نمازوں (اور روزوں) کا فدیہ کسی ایک فقیر کو بھی دے سکتا ہے جب کہ کفارہ قسم کا حکم اس کے برعکس ہے اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

شرح

جب مریض سر کے ساتھ اشارہ کرنے سے بھی عاجز ہو جائے تو اس وقت نماز پڑھنا اس پر فرض نہیں ہے اور اس کو آنکھ یا ابرو یا دل کے اشارہ سے نماز پڑھنا ضروری نہیں ہے کیونکہ ان چیزوں کے اشارہ کا کچھ اعتبار نہیں ہے، ان نمازوں کی قضا واجب ہونے یا نہ ہونے کے متعلق چار صورتیں ہیں۔

اول: اگر ایسا مرض ایک دن رات یعنی پانچ نمازوں سے زیادہ رہا ہو اور عقل بھی قائم نہ رہی تو بالاتفاق حالتِ مرض کی نمازوں کی قضا نہیں ہے

دوم: اگر ایک دن رات سے کم مرض رہا اور عقل قائم رہی تو ان نمازوں کی قضا بالاجماع لازمی ہے، پس اگر ایک دن رات میں پھر اس قدر صحت ہوگئی کہ سر کے اشارہ سے ادا کر سکتا ہے تو ان نمازوں کو اشارہ سے ادا کر لے اور یہ خیال نہ کرے کہ جب بلکل اچھا ہو جاؤں گا تب پڑھ لوں گا کہ شاید مر جائے گا تو گنا ہگار ہوگا اور ان نمازوں کے فدیہ کی وصیت کرنی لازمی ہوگی۔

سوم: اگر ایک دن رات سے زیادہ مرض رہا اور عقل قائم رہی اور

چہارم: اگر مرض دن رات سے کم رہا لیکن عقل قائم نہ رہی تو ان دونوں صورتوں میں اختلاف ہے ظاہر الروایۃ یہ ہے کہ ان کی قضا لازم ہے

۱۴- اگر کوئی شخص پان چ نمازوں کے وقت تک بیہوش رہا تو ان نمازوں کو قضا کرے، اگر بیہوشی پانچ نمازوں سے بڑھ جائے اور درمیان میں کچھ افاقہ نہ ہو تو اب ان نمازوں کی قضا نہ کرے کیونکہ اب نماز اس سے ساقط ہوگئی، جنون کا حکم بھی بیہوشی کی مانند ہے اور اگر کسی کو نشہ آور چیز کے استعمال سے ایک دن رات سے زیادہ عقل جاتی رہی تو اس سے نماز ساقط نہیں ہوگی خواہ اپنی مرضی سے استعمال کرے یا کوئی مجبور کر کے استعمال کرادے کیونکہ بندوں کے فعل سے اللہ تعالیٰ کا حق ساقط نہیں ہوتا

۱۵- جو نمازیں حالتِ مرض میں قضا ہوگئیں جب صحت ہونے پر ان کو قضا کرے تو صحت کی حالت کی طرح ادا کرے بیماری کی حالت کی طرح بیٹھ کر یا اشارہ سے ادا کرے گا تو ادا نہ ہوگی اور اگر صحت کی حالت میں کچھ نمازیں قضا ہوگئیں تھیں پھر بیمار ہو گیا اور ان کو بیماری کی حالت میں قضا کرنا چاہتا ہے تو بیٹھ کر یا اشارے سے اس طرح پڑھے جس طرح پڑھنے پر اب قادر ہو اور یہ انتظار نہ کرے کہ جب قیام یا قعود اور رکوع وسجود کی طاقت آجائے گی تب پڑھوں گا یہ سب شیطانی خیالات ہیں، قضا کرنے میں دیر نہ کرنے ایسا نہ ہو کہ موت آجائے اور یہ توفیق نہ ہو سکے۔

باب قضاء الفوائت

یہ باب فوت ہوجانیوالی نمازوں کی قضاء کے بیان میں ہے

قضاء نمازوں کی ترتیب سے متعلق دلیل شرعی کا بیان

حضرت ابوعبیدہ بن عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ عبداللہ نے فرمایا کہ مشرکوں نے غزوہ خندق کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو روک دیا چار نمازوں سے یہاں تک کہ رات گذر گئی جتنی اللہ نے چاہی پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا بلال کو انہوں نے اذان دی پھر تکبیر کہی اور ظہر پڑھی پھر تکبیر کہی پھر عصر پڑھی پھر تکبیر کہی اور مغرب کی نماز پڑھی اور پھر اقامت کہی اور عشاء کی نماز پڑھی اس باب میں ابوسعید اور جابر سے بھی روایت ہے۔

امام ابوعیسیٰ فرماتے ہیں کہ عبداللہ کی حدیث کی سند میں کوئی مضائقہ نہیں لیکن ابوعبیدہ نے عبداللہ سے نہیں سنا اور بعض اہل علم نے اس کو اختیار کیا ہے کہ فوت شدہ نمازوں کے لئے ہر نماز کے لئے تکبیر کہی جائے اور اگر ہر نماز کے لئے تکبیر نہ بھی کہے تب بھی جائز ہے اور امام شافعی کا بھی یہی قول ہے۔ (جامع ترمذی، جلد اول، رقم الحدیث، 171)

حضرت ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن جابر بن عبداللہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطاب نے خندق کے دن کفار کو گالیاں دیتے ہوئے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نماز عصر ادا نہیں کر سکا یہاں تک کہ سورج ڈوب رہا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کی قسم میں نے بھی نہیں پڑھی راوی نے کہا پھر ہم بطحان میں اترے پھر وضو کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور وضو کیا ہم نے بھی پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عصر کی نماز پڑھی اس وقت سورج ڈوب چکا تھا پھر اس کے بعد مغرب کی نماز پڑھی یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ (جامع ترمذی، جلد اول، رقم الحدیث، 172)

فوت شدہ نمازوں کی ترتیب سے متعلق احکام کا بیان

حکم الترتیب الترتیب بین الفائتة والوقتیة وبین الفوائت مستحق مسقطاته ویسقط بأحد ثلاثة أشیاء ضیق الوقت المستحب فی الأصح والنسیان وإذا صارت الفوائت ستا غیر الوتر فإنه لا یعد مسقطا وإن لزم ترتیبه متفرقات ولم یعد الترتیب بعودها الی القلة ولا بفوت حدیثة بعد ست قدیمة علی الأصح فیهما فلو صلی فرضا ذاکرا فائتة ولو وترافسد فرضه فسادا موقوفا فإن خرج وقت الخامسة مما صلاه بعد المتروکة ذاکرا لها صحت جمیعها فلا تبطل بقضاء المتروکة بعده وإن قضی المتروکة قبل خروج وقت الخامسة

بطل وصف ما صلاه متذكرا قبلها وصار نفلا وإذا كثرت الفوائت يحتاج لتعيين كل صلاة فإن أراد تسهيل الأمر عليه نوى أول ظهر عليه أو آخره وكذا الصوم من رمضانين على أحد تصحيحين مختلفين ويعذ من أسلم بدار الحرب بجهله الشرائع،

ترجمہ

فوت شدہ نمازوں اور وقتی نماز میں نیز فوت شدہ نمازوں کے درمیان ترتیب ضروری ہے اور تین باتوں میں سے ایک کے ساتھ ترتیب ساقط ہو جاتی ہے اصح قول کے مطابق مستحب وقت کا تنگ ہو جانا بھول جانا اور جب وتروں کے علاوہ فوت شدہ نمازیں چھ ہو جائیں کیوں کہ وتر ترتیب کو ساقط کرنے والے امور میں شمار نہیں ہوتے اگر چہ ان کی ترتیب بھی لازمی ہے۔

نمازوں کی تعداد کم ہونے سے ترتیب نہیں ٹوٹے گی اور نہ ہی چھ قدیم نمازوں کے بعد کسی نئی نماز کے فوت ہونے سے ترتیب لازم ہوگی۔ان دونوں (مسئلوں) میں زیادہ صحیح قول یہی ہے۔اگر کسی شخص نے فوت شدہ نماز یاد ہوتے ہوئے فرض نماز پڑھی اگر چہ وتر ہی ہوں تو اس کی فرض نماز فاسد ہوگی۔لیکن یہ فساد موقوف ہوگا فوت شدہ نماز یاد ہوتے ہوئے اس کے بعد پڑھی جانے والی نمازوں میں سے پانچویں نماز کا وقت نکل جائے تو تمام نمازیں صحیح ہو جائیں گی۔اس کے بعد فوت شدہ نماز کو قضا کرے تو یہ باطل نہ ہوں گی۔

اور اگر پانچویں نماز کا وقت نکلنے سے پہلے چھوڑی ہوئی نماز پڑھ لے تو ان پڑھی ہوئی نمازوں کا وصف باطل ہو جائے گا جو فوت شدہ نماز کے یاد ہوتے ہوئے اس سے پہلے پڑھی ہیں اور یہ نمازیں نفل بن جائیں گی۔جب فوت شدہ نمازیں زیادہ ہوں تو ہر نماز کا تعین ضروری ہوگا۔پس اگر آسانی چاہتا ہو تو اس طرح نیت کرے کہ پہلی ظہر یا آخری ظہر جو اس کے ذمہ ہے۔

دو مختلف تصحیحوں میں سے ایک کے مطابق دو رمضانوں کے روزوں کا بھی یہی حکم ہے۔جو شخص دار الحرب میں مسلمان ہوا شرعی احکام سے لاعلمی کی بنیاد پر اسے معذور سمجھا جائے گا۔

قضا نمازوں کا حکم اور پڑھنے کا طریقہ

۱-قضا نمازوں کا حکم یہ ہے کہ جس صفت کی نماز قضا ہوئی ہے اس صفت کے ساتھ ادا کی جائے پس فرض کی قضا فرض ہے اور واجب کی قضا واجب ہے اور بعض سنتوں کی قضا سنت ہے، فجر کی سنتیں اگر فرضوں کے ساتھ قضا ہو جائیں اور دوپہر شرعی سے پہلے قضا کرے تو ان سنتوں کو قضا کرنا سنت ہے، حالت اقامت کی قضا حالت اقامت کی طرح ہے پس خواہ اس کو حالت اقامت میں قضا کرے یا حالت سفر میں، چار رکعت والی نماز پوری یعنی چار رکعت پورا کرے اور حالت سفر کی قضا حالت سفر کی طرح ہے پس خواہ اس کو حالت سفر میں قضا کرے یا حالت اقامت میں وہ چار رکعت والی نماز کو قصر یعنی دو رکعت ہی قضا کرے۔

۲-قضا نماز کی ادائگی کے وقت اگر کوئی عذر ہوگا تو اس کا اعتبار نہیں ہوگا پس جس وقت کی نماز قضا ہوئی اگر اس وقت کھڑا

ہو کر نماز پڑھ سکتا تھا اور جب اس کو قضا کرنے کا ارادہ کیا تو وہ کھڑا ہو کر پڑھنے پر قادر نہیں ہے تو بیٹھ کر پڑھ لے اور اگر بیٹھ کر پڑھنے پر قادر نہیں ہے اور اشارہ سے پڑھ سکتا ہے تو اشارہ ہی سے قضا کر لے اس کے بعد جب صحت و قیام پر قدرت حاصل ہو جائے اس نماز کو لوٹانے کی ضرورت نہیں ہے لیکن اگر نماز قضا ہونے کے وقت قیام پر قادر نہیں تھا اور جب اس کو قضا کرنے کا ارادہ کیا تو قیام پر قادر ہو چکا ہے تو اب اس کے کھڑے ہو کر نماز قضا ادا کرنا واجب ہے۔

۳- اگر جہری قضا نمازوں کو جماعت سے پڑھے تو امام کو چاہئے کہ نماز میں جہر کرے اور اگر ان کو تنہا پڑھے تو جہر و آہستہ پڑھنے میں اختیار ہے مگر جہر افضل ہے اور آہستہ قرآت کی نمازوں کو امام و منفرد دونوں کے لئے آہستہ پڑھنا واجب ہے جیسا کہ وقت کے اندر حکم ہے۔

۴- زندگی میں جب چاہے قضا نماز پڑھ سکتا ہے لیکن تین اوقات مکروہہ یعنی طلوع آفتاب و نصف نہار شرعی سے زوال تک اور غروب آفتاب کے وقت میں نہ پڑھے قضا نمازوں کے ادا کرنے میں جلدی کرنا چاہئے بلا عذر تاخیر کرنا مکروہ و گناہ ہے، اگر بہت زیادہ قضا نمازیں جمع ہو گئی ہوں تو جس قدر فرصت ملے پڑھ لیا کرے ایک وقت میں دو یا تین یا چار یا جس قدر قضا نمازیں پڑھ سکے پڑھ لیا کرے ایک وقت میں کم از کم ایک ہی قضا نماز پڑھ لیا کریں، نوافل پڑھنے کی بجائے قضا نماز میں مشغول ہونا اولیٰ و افضل ہے بلکہ اہم ہے لیکن وہ مشہور مؤکدہ وغیرہ مؤکدہ سنتیں جو فرضوں کے ساتھ ہیں اور نماز تراویح و نماز تہجد و اشراق و چاشت و اوابین و صلوٰۃ تسبیح و تحیۃ المسجد و تحیۃ الوضو جن کا ذکر احادیث میں ہیں اس سے مستثنیٰ ہیں۔

۵- اگر قضا نمازوں کو ادا کی نیت سے پڑھ لیا تب بھی درست ہے قضا نمازوں کی نیت اس طرح کرنی چاہئے کہ میں فلاں دن کی فلاں نماز کی قضا پڑھتا ہوں، قضا کے وقت و دن کا تعین ضروری ہے صرف یہ نیت کر لینا کہ ظہر یا فجر کی قضا پڑھتا ہوں کافی نہیں ہے، اور اگر مہینے و دن کا تعین یاد نہ ہو تو سہولت کے لئے اس طرح نیت کریں کہ مثلاً میرے ذمہ جس قدر فجر کی نمازیں باقی ہیں ان میں سے پہلی فجر کی نماز پڑھتا ہوں اسی طرح ہر نماز کے وقت کے ساتھ یہ الفاظ دل میں خیال کرے اور زبان سے بھی کہہ لے یا یوں نیت کرے کہ میرے ذمہ جس قدر فجر کی نمازیں ہیں ان میں سے آخری فجر کی نماز پڑھتا ہوں ہر دفعہ اسی طرح نیت کر لیا کرے۔

قضاء نمازوں کی ترتیب کا بیان

جمہور اہل علم کے مسلک کے مطابق نمازوں کی قضاء میں ترتیب واجب ہے۔ ابن قدامہ رحمہ اللہ تعالی، المغنی، میں لکھتے ہیں۔

اور بالجملہ یہ کہ قضاء میں ترتیب واجب ہے۔

امام احمد نے کئی ایک جگہ یہی بیان کیا ہے۔ اور نخعی، زھری، ربیعہ، یحی انصاری، امام مالک، لیث، اور امام ابو حنیفہ اور اسحاق رحمہم اللہ جمیعا سے اسی طرح منقول ہے۔

اور امام شافعی رحمہ اللہ کہتے ہیں، واجب نہیں؛ کیونکہ فرض فوت شدہ ہے چنانچہ اس میں ترتیب واجب نہیں، جس طرح

روزے ہیں۔ جب یہ ثابت ہو گیا تو تو اس میں ترتیب واجب ہے، چاہے کتنی بھی زیادہ ہوں، امام احمد نے یہی بیان کیا ہے۔

اور امام مالک اور ابوحنیفہ رحمہما اللہ کہتے ہیں۔ ایک دن اور رات کی نمازوں سے زیادہ میں ترتیب واجب نہیں؛ کیونکہ اس سے زیادہ میں ترتیب کا معتبر ہونا اس کے لیے مشقت ہے، اور یہ تکرار میں داخل ہونے کا باعث ہے، چنانچہ روزوں کی قضاء میں عدم ترتیب کی طرح ساقط ہو جائیگی۔ (المغنی لابن قدامہ المقدسی (1/352(-)

چنانچہ اس سے حاصل یہ ہوا کہ احناف، مالکیہ، حنابلہ میں سے جمہور اہل علم کے ہاں ترتیب واجب ہے، لیکن اتنا ہے کہ مالکی اور احناف کے ہاں ایک دن اور رات سے زیادہ ہونے کی صورت میں ترتیب واجب نہیں۔

ترتیب کی صورت یہ ہوگی کہ جس طرح معروف نماز ادا کی جاتی ہے اسی طرح قضاء بھی ادا کی جائیگی، چنانچہ مثلا جس کی ظہر، عصر کی نماز رہ گئی تو وہ پہلے ظہر اور پھر عصر کی نماز ادا کرے گا۔

لیکن بھولنے اور جہالت کی بنا پر ترتیب ساقط ہو جائیگی، اور اسی طرح موجودہ نماز کا وقت نکل جانے اور جماعت رہ جانے کا خدشہ ہو تو پہلے حاضر نماز ادا ہوگی اور پھر فوت شدہ، راجح یہی ہے۔

اس لیے جس کی دو نمازیں رہ گئی ہوں مثلا ظہر اور عصر اور اس نے بھول کر پہلے عصر کی نماز ادا کر لی یا ترتیب کے وجوب سے جاہل ہونے کی بنا پر تو اس کی نماز صحیح ہوگی۔

اور اگر یہ خدشہ ہو کہ قضاء والی نماز ادا کرنے سے موجودہ عصر کی نماز کا اختیاری وقت نکل جائیگا تو وہ عصر کی نماز پہلے ادا کرے، اور پھر اپنی فوت شدہ کی قضاء کرے۔

اور اسی طرح اگر وہ مسجد میں داخل ہو تو کیا وہ جماعت کے ساتھ موجودہ اور حاضر نماز ادا کرے یا کہ فوت شدہ نماز کی قضاء کرے۔ امام احمد ایک روایت میں کہتے ہیں اور ابن تیمیہ نے بھی اسے اختیار کیا ہے کہ جماعت رہ جانے کے خوف سے ترتیب ساقط ہو جاتی ہے۔ (الشرح الممتع (2/138-144(-)

قضاء نمازوں کی ترتیب بھولنے کے بیان میں فقہی مذاہب

ائمہ ثلاثہ امام ابوحنیفہ، امام مالک، اور امام احمد رحمہم اللہ تعالی کا مسلک ہے کہ فوت شدہ نمازیں قضاء کرتے وقت ترتیب واجب ہے، اس کی دلیل خندق والے دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کچھ نمازیں رہ گئیں تو آپ نے ترتیب کے ساتھ انہیں قضاء کر کے ادا کیا تھا۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالی عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ خندق والے روز عصر کی نماز غروب آفتاب کے بعد ادا کی اور اس کے بعد مغرب کی نماز پڑھی، صحیح بخاری رقم الحدیث، (641)

اور ایک دوسری حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے، تم نماز اس طرح ادا کرو جس طرح تم نے مجھے نماز ادا کرتے ہوئے دیکھا ہے، صحیح بخاری رقم الحدیث، (631 (المغنی ابن قدامہ (2/336))

اگر ترتیب بھول جائے تو کیا ساقط ہو جائیگی؟ اس کا جواب یہ ہے جی ہاں بھول جانے کی صورت میں ترتیب ساقط ہو جائیگی، کیونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے، یقیناً اللہ تعالی نے میری امت سے خطا اور بھول، اور جس پر انہیں مجبور کیا گیا ہو

معاف کردیا گیا ہے۔ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث،(2043) نے صحیح ابن ماجہ رقم الحدیث،(1662) میں اسے صحیح قرار دیا ہے۔
اور امام ابوحنیفہ، اور امام احمد بن حنبل رحمہما اللہ دونوں کا مسلک بھی یہی ہے۔

(فتح القدیر(1/424) اور المغنی ابن قدامہ(2/340) اور الشرح الممتع (2/139)-)

اور اگر کوئی شخص نماز بھول جائے اور دوسری نماز کا وقت شروع ہو جانے کے بعد اسے یاد آئے تو اس کی تین حالتیں ہیں۔

موجودہ نماز شروع کرنے سے پہلے رہ جانے والی نماز یاد آجائے تو اس وقت اسے فوت شدہ نماز پہلے ادا کرنا ہو گی اور پھر موجودہ نماز ادا کرے گا۔

موجودہ نماز مکمل کرنے کے بعد فوت شدہ نماز یاد آئے کہ اس نے تو وہ نماز ادا ہی نہیں کی، چنانچہ اس کی موجودہ نماز صحیح ہو گی اور وہ صرف فوت شدہ نماز ہی ادا کرے گا، بھول جانے کی بنا پر ترتیب کے ساتھ ادائیگی میں معذور ہو گا۔

اسے موجودہ نماز ادا کرنے کے دوران یاد آئے کہ اس نے تو اس سے قبل والی نماز ادا نہیں کی، تو اس حالت میں وہ موجودہ نماز مکمل کرے اور یہ اس کے لیے نفل ہو نگے، اور پھر وہ فوت شدہ نماز ادا کرنے کے بعد موجودہ نماز ترتیب کے ساتھ ادا کرے گا، امام احمد رحمہ اللہ تعالی کا مسلک یہی ہے۔ (المغنی ابن قدامہ(2،336-340)

اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالی عنہما کا قول یہی ہے، امام مالک رحمہ اللہ تعالی نے موطا میں روایت کیا ہے کہ نافع بیان کرتے ہیں کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالی عنہما کہا کرتے تھے، جس کی بھی کوئی نماز رہ گئی ہو اور اسے امام کے ساتھ باجماعت نماز ادا کرتے ہوئے یاد آئے، تو امام کی سلام پھیرنے کے بعد رہ جانے والی فوت شدہ نماز ادا کرے، اور پھر اس کے بعد دوسری نماز ادا کرے۔ (موطا امام مالک رقم الحدیث،(408)

اور ابن تیمیہ کہتے ہیں۔ کہ دوران نماز جب بھی فوت شدہ نماز یاد آئے تو یہ ایسے ہی ہو گی جیسے اسے نماز شروع کرنے سے قبل یاد آتی، اور اگر موجودہ نماز کے دوران یاد نہیں آتی بلکہ نماز سے فارغ ہونے کے بعد یاد آئے تو جمہور علماء کرام مثلا امام ابوحنیفہ، امام شافعی، امام احمد، کے ہاں اس کی موجودہ نماز کفائت کر جائیگی۔ (الفتاوی الکبری(1/112)-)

جس نماز میں ہے اسے پوری کرنا بطور استحباب ہے، نہ کہ واجب، چنانچہ اگر وہ اس نماز کو توڑ کر فوت شدہ نماز ادا کرے اور پھر موجودہ نماز اس کے بعد ادا کر لے تو جائز ہو گا۔

میں نے امام احمد رحمہ اللہ تعالی کو کہا، میں عشاء کی نماز ادا کر رہا تھا، مجھے دوران نماز یاد آیا کہ میں نے تو مغرب کی نماز ادا نہیں کی، چنانچہ میں عشاء کی نماز ادا کر لی، اور پھر مغرب کی نماز ادا کرنے کے بعد عشاء کی نماز لوٹائی؟ امام احمد رحمہ اللہ تعالی کہنے لگے، آپ نے صحیح میں نے کہا، جب مجھے دوران نماز یاد آیا تھا تو کیا مجھے نماز توڑ نہیں دینی چاہیے تھی؟ امام احمد رحمہ اللہ کہنے لگے کیوں نہیں۔ میں نے کہا، تو پھر میں نے صحیح کیسے کیا؟ وہ کہنے لگے، یہ سب جائز ہے۔ (المغنی ابن قدامہ(2/339)-)

اور بعض علماء کرام کا کہنا ہے کہ، جو موجودہ نماز ادا کر رہا ہے اسے مکمل کرے، اور پھر بعد میں فوت شدہ نماز ادا کر لے، تو اس پر موجودہ نماز دوبارہ لوٹانی لازم نہیں، امام شافعی رحمہ اللہ تعالی کا مسلک یہی ہے۔ المجموع(3/70)-)

فجر کی سنتوں کی قضاء میں فقہی مذاہب کا بیان

حضرت محمد ابن ابراہیم، قیس ابن عمرو سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا (ایک دن) سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کو دیکھا کہ وہ فجر کی فرض نماز کے بعد دو رکعت نماز پڑھ رہا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا کہ، صبح کی نماز دو رکعت ہے (پھر فرمایا کہ) دو رکعت ہی پڑھو۔ اس آدمی نے عرض کیا کہ، فجر کی فرض نماز سے پہلے دو رکعتیں (سنت) میں نے نہیں پڑھی تھیں انہیں کو میں نے اس وقت پڑھا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (یہ سن کر) خاموش ہو گئے۔ (سنن ابوداؤد) امام ترمذی نے بھی اس طرح نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ اس روایت کی اسناد متصل نہیں ہے کیونکہ محمد بن ابراہیم کا قیس ابن عمرو سے سننا ثابت نہیں ہے، نیز شرح السنہ اور مصابیح کے بعض نسخوں میں قیس ابن فہد سے اسی طرح منقول ہے۔ (مشکوۃ شریف, جلد اول, رقم الحدیث، 1009)

حدیث کے جملہ صَلٰوۃُ الصُّبحِ رکعتین سے پہلے ایک لفظ مقدر ہے یعنی یہ عبارت پوری طرح یوں ہے اِجْعَلُوا صَلٰوۃُ الصُّبحِ رَکْعَتَیْنِ ۔ لفظ رکعتین نفی زیادیت کی تاکید کے لیے مکرر فرمایا گیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ فجر کی فرض دو ہی رکعتیں پڑھو اس کے بعد اور کوئی نماز نہ پڑھو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نمازی کا جواب سن کر خاموش رہے۔ محدثین کی اصطلاح میں اس خاموشی کو تقریر کہا جاتا ہے رسول اللہ کے سامنے کوئی عمل کیا گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر سکوت فرمایا گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس عمل سے راضی ہوئے، لہٰذا اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر فجر کی فرض نماز سے پہلے کی دو سنتیں نہ پڑھی جا سکیں تو فرض پڑھنے کے بعد ان کی قضا پڑھنی چاہیے، چنانچہ حضرت امام شافعی رحمہ اللہ علیہ کا یہی مسلک ہے۔

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ اور حضرت امام ابو یوسف رحمہما اللہ علیہما کے نزدیک اس سلسلے میں یہ ہے کہ فجر کی سنتوں کی قضا نہ تو طلوع آفتاب سے پہلے ہے اور نہ طلوع کے بعد ہے لیکن سنتیں اگر فرض کے ساتھ فوت ہوں گی تو وہ بھی فرض کے ساتھ زوال آفتاب سے پہلے پہلے قضا پڑھی جائیں گی۔

حضرت امام محمد رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ محض سنتوں کی بھی قضا پڑھی جا سکتی ہے مگر طلوع آفتاب کے بعد سے زوال آفتاب تک۔ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ اور حضرت ابو یوسف رحمہما اللہ علیہما کی دلیل یہ ہے کہ سنتوں میں اصل عدم قضا ہے اور قضا واجب کے ساتھ مخصوص ہے اور حدیث جو سنتوں کے قضا کے اثبات میں وارد ہے وہ ان سنتوں کے بارے میں ہے جو فرض کے ساتھ فوت ہو گئی ہوں بقیہ سنتیں اپنی اصل (عدم قضا پر رہیں گی یعنی ان کی قضا نہیں کی جائے گی جہاں تک اس حدیث کا تعلق ہے تو محمد ابن ابراہیم کی یہ حدیث چونکہ ضعیف ہے اس لیے اسے کسی مسلک کی بنیاد اور دلیل بنانا ٹھیک نہیں ہے۔

اسی طرح دوسرے اوقات کی سنتوں کا مسئلہ بھی یہی ہے کہ وقت کے بعد تنہا ان کی قضا نہ کی جائے البتہ وہ سنتیں جو فرض کے ساتھ فوت ہو گئی ہوں فرض کے ساتھ ان کی قضا کے بارے میں اختلاف ہے۔

باب ادراك الفريضة

﴿یہ باب فرض کو پالینے کے بیان میں ہے﴾

جماعت کے ساتھ نماز کو پالینے کا بیان

متى يقطع المصلى الصلاة ومتى لا يقطع إذا شرع فى فرض منفردا فأقيمت الجماعة قطع واقتدى إن لم يسجد لما شرع فيه أو سجد فى غير رباعية وإن سجد فى رباعية ضم ركعة ثانية وسلم لتصير الركعتان له نافلة ثم اقتدى مفترضا وإن صلى ثلاثا أتمها ثم اقتدى متنقلا إلا فى العصر وإن قام لثالثة فأقيمت قبل سجوده قطع قائما بتسليمة فى الأصح وإن كان فى سنة الجمعة فخرج الخطيب أو فى سنة الظهر فأقيمت سلم على رأس ركعتين وهو الأوجه ثم قضى السنة بعد الفرض ومن حضر والإمام فى صلاة الفرض اقتدى به ولا يشتغل عنه بالسنة إلا فى الفجر إن أمن فوته وإن لم يأمن تركها قضاء السنة ولم تقض سنة الفجر إلا بفوتها مع الفرض وقضى السنة التى قبل الظهر فى وقته قبل شفعه الجماعة وفضلها ولم يصل الظهر جماعة بادراك ركعة بل أدرك فضلها واختلف فى مدرك الثلاث متفرقات ويتطوع قبل الفرض إن أمن فوت الوقت وإلا فلاومن أدرك إمامه راكعا فكبر ووقف حتى رفع الإمام رأسه لم يدرك الركعة وأن ركع قبل إمامه بعد قراءة الإمام ما تجوز به الصلاة فأدركه إمامه فيه صح وإلا لا وكره خروجه من مسجد أذن فيه حتى يصلى إلا اذا كان مقيم جماعة أخرى وإن خرج بعد صلاته منفردا لايكره إلا اذا أقيمت الجماعة قبل خروجه فى الظهر والعشاء فيقتدى فيهما متنفلا ولا يصلى بعد صلاة مثلها،

ترجمہ

کسی شخص نے جب تنہا فرض نماز شروع کی پھر جماعت کھڑی ہوگئی تو وہ توڑ کر اقتداء کرے اگر اس نے اس نماز کا سجدہ ادا نہ کیا ہو جس کو شروع کیا تھا یا سجدہ کر لیا لیکن وہ چار رکعت والی نماز نہ تھی اور اگر چار رکعت والی نماز میں سجدہ کیا تو دوسری رکعت بھی ملائے

تا کہ یہ دو رکعتیں نفل بن جائیں پھر فرض کی نیت سے اقتداء کرے۔

اگر تین رکعت پڑھ چکا ہو تو اس نماز کو پورا کر کے نفل کی نیت سے اقتداء کرے البتہ عصر کی نماز میں نہ کرے۔ اگر تیسری رکعت کے لیے کھڑا ہوا تھا اور سجدہ کرنے سے پہلے اقامت کی گئی تو کھڑے کھڑے سلام پھیر کر اسے توڑ دے یہ اصح قول کے مطابق ہے۔

اگر جمعہ کی سنتیں پڑھ رہا ہو اور خطیب نکل آئے یا ظہر کی سنتوں میں ہو اور اقامت ہو جائے تو دو رکعتوں پر سلام پھیر لے یہ زیادہ بہتر ہے پھر فرض پڑھ کر سنتوں کی قضا کرے۔ جو آدمی آیا اور امام فرض نماز میں تھا تو وہ اس کی اقتداء کرے سنتوں میں مشغول نہ ہو البتہ فجر کی سنتیں پڑھ لے اگر جماعت کے نکلنے سے بے خوف ہو اگر بے خوف نہ ہو تو (فجر کی سنتیں بھی) چھوڑ دے فجر کی سنتیں صرف اسی صورت میں قضا کی جائیں جب فرضوں کے ساتھ رہ جائیں۔ ظہر سے پہلے کی سنتیں اپنے وقت پر دو رکعتوں (سنتوں) سے پہلے پڑھے جس نے ظہر کی ایک رکعت (یا دو رکعتیں) جماعت کے ساتھ پائی اس کی نماز با جماعت نہیں ہوئی البتہ اس نے جماعت کی فضیلت حاصل کی ہے تین رکعات پانے والے کے بارے میں اختلاف ہے۔

اگر وقت نکلنے کا خوف نہ ہو تو فرض نماز سے پہلے نفل پڑھے ورنہ نہیں۔ جس شخص نے امام کو رکوع میں پایا پس تکبیر کہہ کر کھڑا ہو گیا یہاں تک کہ امام نے (رکوع سے) سر اٹھایا تو اس (مقتدی) نے یہ رکعت نہیں پائی۔ اگر امام نے اس قدر قراءت کر لی جس سے نماز جائز ہو جاتی ہے لیکن ابھی رکوع نہیں کیا کہ مقتدی رکوع میں چلا گیا اگر امام نے مقتدی کو رکوع میں پالیا تو نماز صحیح ہو گی ورنہ نہیں۔

مسجد میں اذان ہو جائے تو نماز پڑھے بغیر وہاں سے نکلنا مکروہ ہے البتہ یہ کہ اس نے دوسری مسجد میں جماعت کرانی ہو۔ اگر تنہا نماز پڑھ کر چلا جائے تو مکروہ نہیں لیکن ظہر اور عشاء میں اس کے نکلنے سے پہلے جماعت کھڑی ہو جائے تو ان دونوں میں نوافل کی نیت سے (امام کی) اقتداء کرے البتہ جو نماز پڑھی ہے اس کی مثل نہ پڑھے۔

مدرک جماعت کے احکام کا بیان

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس آدمی نے نماز کی ایک رکعت امام کے ساتھ پائی اس نے نماز پالی۔ (صحیح البخاری وصحیح مسلم)

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کو جمعہ کی ایک رکعت ہی (امام کے ساتھ) ملے وہ دوسری (بعد میں) اس کے ساتھ ملا لے۔ (سنن ابن ماجہ)

حضرت ابو ہریرہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس کو نماز کی (صرف) ایک رکعت ملی تو اس کو بھی (گویا کہ) وہ نماز مل گئی۔ (سنن ابن ماجہ)

حضرت ابن عمر فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس کو جمعہ یا کسی اور نماز کی ایک رکعت بھی مل گئی تو وہ اس کو وہ نماز مل گئی۔ (سنن ابن ماجہ)

یہ حکم عام طور پر تمام نمازوں کے لیے ہے جمعہ ہی کے لیے مخصوص نہیں۔ کتاب الصلوٰۃ کے باب ماعلی الماموم میں تقریباً اسی مضمون کی یہ حدیث گزر چکی ہے کہ من ادرك ركعة فقدادرك الصلوٰة اس کی وضاحت وہاں بھی کی جا چکی ہے۔ لیکن اس حدیث کو جو یہاں نقل کی جارہی ہے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے جمعے کی نماز کے ساتھ مخصوص ومقید کیا ہے اور اس کی بنیاد انہوں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس روایت پر رکھی ہے جو اسی باب کے آخر میں آرہی ہے۔

فقہ حنفی کی مشہور کتاب ہدایہ میں لکھا ہے کہ جس آدمی کی نماز میں امام کے ساتھ نماز کا جو حصہ بھی ملے اسے امام کے ساتھ ادا کرے اور اس حصہ پر جمعہ کی بناء کر کے بقیہ نماز پوری کر لے اس کی دلیل یہ حدیث ہے کہ ماادرکتم فصلوا وما فاتکم فاقضوا یعنی نماز کا جو حصہ امام کے ساتھ پاؤ اسے ادا کرو اور جو کچھ رہ جائے اسے پورا کرو۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اگر کوئی آدمی جمعہ کی نماز میں بالکل آخر میں اس حال میں شریک ہوا کہ امام التحیات میں تھا یا سجدہ سہو میں تھا تو اسے چاہیے کہ وہ اسی حالت میں جماعت میں شریک ہو جائے اور امام کے ساتھ اسے نماز جمعہ کا جو بھی حصہ ہاتھ لگا ہے اسی پر جمعہ کی بناء کر کے بقیہ نماز پوری کر لے حضرت امام اعظم ابوحنیفہ اور حضرت امام ابو یوسف رحمہما اللہ کا بھی یہی مسلک ہے۔ البتہ امام محمد فرماتے ہیں کہ اگر کوئی آدمی امام کے ساتھ جمعے کی دوسری رکعت کا اکثر حصہ پائے تو اسے اس حصے پر جمعے کی بناء کرنی چاہیے۔ لیکن جس آدمی کو دوسری رکعت کا اکثر حصہ نہ ملے تو اس پر جمعہ کی بناء نہ کرے بلکہ ظہر کی بناء کرے۔

دوسری رکعت کا اکثر حصہ پانے سے مراد دوسری رکعت کا رکوع پانا ہے۔ یعنی اگر کوئی آدمی دوسری رکعت کے رکوع میں بھی شریک ہو گیا تو اسے اکثر حصہ مل گیا اور اگر امام کے رکوع سے سر اٹھانے کے بعد وہ جماعت میں شریک ہوا تو اسے اکثر حصہ پانا نہیں کہیں گے۔

شیخ ابن ہمام نے فرمایا ہے کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ اور حضرت امام ابو یوسف نے اپنے مذکورہ بالا مسلک کی بنیاد جس حدیث پر رکھی ہے وہ حدیث بھی مطلق ہے جمعہ کے ساتھ اس کی تخصیص نہیں ہے۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ سے قبل چار رکعت ایک سلام سے پڑھتے تھے۔ (سنن ابن ماجہ)

مدرک نماز فجر وعصر کا بیان

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے پالی صبح کی ایک رکعت سورج نکلنے سے پہلے تو اس نے فجر کی نماز پالی اور جس نے عصر کی ایک رکعت پالی سورج غروب ہونے سے پہلے اس نے نماز عصر کو پالیا اس باب میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی روایت ہے ابوعیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں حدیث ابوہریرہ حسن صحیح ہے اور یہی قول ہمارے اصحاب شافعی احمد اور اسحاق کا ہے اور ان کے نزدیک اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ یہ حکم صاحب عذر کے لئے مثلاً کوئی شخص سو گیا ہو یا بھول گیا ہو نماز کو اور اس وقت بیدار ہوا یا اسے یاد آیا نماز فجر یا عصر ابھی ادا کرنی ہے جب سورج طلوع یا غروب ہو رہا تھا۔ (جامع ترمذی، جلد اول، رقم الحدیث، 179)

باب سجود السهو

﴿یہ باب سجود سہو کے بیان میں ہے﴾

سجود سہو کے احکام و اسباب کا بیان

حكمه وسببه يجب سجدتان بتشهد وتسليم لترك واجب سهوا وإن تكرر ترك الواجب عمدا وإن كان تركه عمدا أثم ووجب إعادة الصلاة لجبر نقصها ولا يسجد في العمد للسهو قيل إلا في ثلاث ترك القعود الأول أو تأخيره سجدة من الركعة الأولى الى آخر الصلاة وتفكره عمدا حتى شغله عن ركن وقت السجود ويسن الإتيان بسجود السهو بعد السلام ويكتفي بتسليمه واحدة عن يمينه في الأصح فإن سجد قبل السلام كره تنزيها متى يسقط ويسقط سجود السهو بطلوع الشمس بعد السلام في الفجر واحمرارها في العصر وبوجود ما يمنع البناء بعد السلام من يلزمه السجود ويلزم المأموم بسهو إمامه لا بسهوه ويسجد المسبوق مع إمامه ثم يقوم لقضاء ما سبق به ولو سها المسبوق فيما يقضيه سجد له أيضا لا اللاحق

ترجمہ

بھول کر کسی واجب کو چھوڑنے پر تشہد اور سلام کے ساتھ دو سجدے واجب ہیں اگر چہ بار بار چھوڑے اگر جان بوجھ کر چھوڑا تو گنہگار ہوگا اور نقصان کو پورا کرنے کے لیے نماز کو لوٹانا پڑے گا جان بوجھ کر چھوڑنے (کی صورت) میں سجدہ سہو نہ کرے۔

ایک قول کے مطابق تین باتوں میں سجدہ سہو کرے پہلا قعدہ چھوڑنا۔ پہلی رکعت کا ایک سجدہ نماز کے آخر تک موخر کرنا۔ جان بوجھ کر کچھ سوچنا یہاں تک کہ وہ ایک رکن کی مقدار اسے مشغول رکھے۔

سلام کے بعد سجدہ سہو کرنا سنت ہے اور صرف دائیں طرف سلام پھیرنا کافی ہے یہ اصح قول کے مطابق ہے۔ اگر سلام پھیرنے سے پہلے سجدہ کیا تو مکروہ تنزیہی ہوگا فجر کی نماز میں سلام کے بعد سورج طلوع ہو جائے اور عصر کی نماز میں اس کا رنگ سرخ ہو جائے یا سلام کے بعد ایسی چیز واقع ہو جائے جو بناء کرنے سے مانع ہے تو سجدہ سہو ساقط ہو جائے گا۔ امام کے بھولنے سے مقتدی پر بھی سجدہ لازم آتا ہے مقتدی کے بھولنے سے (کسی پر) نہیں۔ مسبوق امام کے ساتھ سجدہ کرے پھر باقی ماندہ کو پورا کرنے کے لیے کھڑا

ہو۔ اگر چھوٹی ہوئی رکعات کو قضا کرتے ہوئے مسبوق بھول جائے تو اس کے لیے بھی سجدہ سہو کرے لاحق نہ کرے۔

سجدہ سہو کے بعد تشہد و درود شریف پڑھنے کا بیان

حضرت عمران بن حصین فرماتے ہیں کہ سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے (ایک روز) لوگوں کو نماز پڑھائی (درمیان نماز) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سہو ہو گیا، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (سلام پھیر کر) دو سجدے کئے اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے التحیات پڑھی اور سلام پھیرا۔ (سنن ابوداؤد) ترمذی نے اس حدیث کو نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث حسن غریب ہے۔

حضرت عمران کا قول فَسَجَدَ سَجْدَتَيْن کا مطلب یہی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام پھیر کر سہو کے دونوں سجدے کئے جیسا کہ تیسری فصل کی پہلی حدیث سے (جو انہیں سے مروی ہے) بصراحت معلوم ہو جائے گی۔

اس حدیث میں نماز کا وہ رکن ذکر نہیں کیا گیا ہے جس کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سہو ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی ادائیگی کو بھول گئے تھے نیز اس حدیث میں سجدے کے بعد تشہد پڑھنے کا ذکر کیا گیا ہے جب کہ دوسری روایتوں میں تشہد کا ذکر نہیں ہے۔

حضرت عمران کی اس روایت کی روشنی میں حنفیہ کے مسلک کی دلیل ہے کہ پہلے سلام پھیر کر پھر سجدۂ سہو کرنا چاہیے۔ اسی طرح امام احمد کا مسلک بھی یہی ہے بلکہ شوافع و مالکیہ کے بعض حضرات کا بھی یہی مسلک ہے۔ اس مسئلے میں علماء کے ہاں اختلاف ہے کہ درود و دعا جو التحیات میں پڑھی جاتی ہیں اسے تشہد میں پڑھنا چاہیے جو سجدہ سہو سے پہلے ہے یا سجدے کے بعد کے تشہد میں پڑھنا چاہیے؟

چنانچہ امام کرخی نے تو یہ اختیار کیا ہے کہ درود و دعا سجدہ سہو کے بعد کے تشہد میں پڑھے جائیں اور ہدایہ میں بھی اسی کو صحیح کہا گیا ہے۔ البتہ ہدایہ کی بعض شروح میں یہ کہا گیا ہے کہ سجدہ سہو سے پہلے تشہد میں پڑھنا بہتر ہے۔ امام طحاوی کا قول یہ ہے کہ دونوں تشہد میں پڑھنا چاہیے۔ شیخ ابن ہمام نے بھی امام طحاوی کے قول کی تائید کرتے ہوئے کہا ہے کہ احتیاط اسی میں ہے۔ (فتح القدیر)

سہو کے دو سجدوں کے بارے میں فقہی مذاہب کا بیان

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک یہ ہے کہ ہر موقع پر سجدہ سہو سلام سے پہلے کرنا چاہیے۔ اس طرح وہ ان احادیث کو کہ جن سے سلام سے پہلے سجدہ سہو کرنا ثابت ہوتا ہے ان احادیث پر کہ جن سے سلام کے بعد سجدہ سہو کرنا ثابت ہوتا ہے ترجیح دیتے ہیں۔

حضرت امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک یہ ہے کہ جس موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام سے پہلے سجدہ کیا ہے اس موقع پر سلام سے پہلے ہی سجدہ کرنا چاہیے اور جس موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام پھیرنے کے بعد سجدہ کیا ہے اس موقع پر سلام پھیر کر ہی سجدہ کیا جائے علماء لکھتے ہیں کہ حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول سب سے قوی اور بہتر ہے۔

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کا مسلک یہ ہے کہ تمام مواقع پر سلام پھیر کر سجدہ سہو کرنا چاہیے کیونکہ اس کے ثبوت میں بہت زیادہ صحیح

احادیث وارد ہیں۔ نیز کہ ابوداؤد، ابن ماجہ اور عبدالرزاق نے ثوبان کی یہ روایت نقل کی ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر سہو کے لیے سلام پھیرنے کے بعد دو سجدے ہیں لہٰذا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل متضاد مروی ہے کہ کبھی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام پھیرنے سے پہلے سجدہ کیا ہے اور کبھی سلام پھیرنے کے بعد۔ تو ایسی صورت میں امام اعظم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کو بطور دلیل اختیار کیا ہے کیونکہ ان کے نزدیک قول فعل سے قوی ہے جیسا کہ اصول فقہ میں مذکور ہے۔

جمعہ وعیدین میں سجود سہو نہ ہونے کا بیان

ولا يأتي الإمام بسجود السهو في الجمعة والعيدين متفرقات ومن سها عن القعود الأول من الفرض عاد إليه ما لم يستو قائما في ظاهر الرواية وهو الأصح والمقتدى كالمتنفل يعود ولو استتم قائما فإن عاد وهو الى القيام أقرب سجد للسهو وإن كان الى العقود أقرب لا سجود عليه في الأصح وإن عاد بعد ما استتم قائما اختلف التصحيح في فساد صلاته وإن سها عن القعود الأخير عاد ما لم يسجد وسجد لتأخيره فرض القعود فإن سجد صار فرضه نفلا وضم سادسة إن شاء ولو في العصر ورابعة في الفجر ولا كراهة في الضم فيهما على الصحيح ولا يسجد للسهو في الأصح وإن قعد الأخير ثم قام عاد وسلم من غير إعادة التشهد فإن سجد لم يبطل فرضه وضم إليها أخرى لتصير الزائدتان له نافلة وسجد للسهو ولو سجد للسهو في شفع التطوع لم يبن شفعا آخر عليه استحبابا فإن بنى أعاد سجود السهو في المختار ولو سلم من عليه سهو فاقتدى به غيره صح إن سجد للسهو وإلا فلا يصح ويسجد للسهو وإن سلم عامدا للقطع ما لم يتحول عن القبلة أو يتكلم ولو توهم مصل رباعية أو ثلاثية أنه أتمها فسلم ثم علم أنه صلى ركعتين أتمها وسجد للسهو وإن طال تفكره ولم يسلم حتى استيقن إن كان قدر أداء ركن وجب عليه سجود السهو وإلا لا،

ترجمہ

امام جمعہ اور عیدین کی (نمازوں) میں سجدہ سہو نہ کرے، جو شخص فرض میں پہلا قعدہ بھول جائے وہ جب تک سیدھا کھڑا نہ ہو لوٹ آئے یہ ظاہر روایت میں ہے اور یہی زیادہ صحیح ہے۔ اور مقتدی نفل پڑھنے والے کی طرح ہے وہ لوٹ آئے اگرچہ پوری طرح کھڑا ہو گیا ہو پھر اگر وہ اس حال میں لوٹا کہ قیام کے زیادہ قریب تھا تو سجدہ سہو کرے اور اگر بیٹھنے کے زیادہ قریب تھا تو اس پر سجدہ سہو نہیں ہے اصح قول کے مطابق۔

اگر سیدھا کھڑا ہونے کے بعد لوٹ آیا تو نماز کے فاسد ہونے کے بارے میں تصحیح مختلف ہے اور اگر آخری قعدہ سے بھول جائے تو جب تک سجدہ نہیں کیا واپس لوٹ آئے اور فرض قعدہ میں تاخیر کی وجہ سے سجدہ سہو کرے اگر (پانچویں رکعت کا) سجدہ کر لیا تو یہ نماز نفل ہو جائے گی اگر چاہے تو چھٹی رکعت ملائے۔ اگر چہ عصر میں ہو اور فجر کی نماز میں چوتھی رکعت ملائے ان دونوں نمازوں میں (مزید رکعت) ملانے میں کراہت نہیں یہ صحیح قول کے مطابق ہے۔

اصح قول کے مطابق سجدہ سہو نہ کرے۔ اگر آخری قعدہ کرنے کے بعد کھڑا ہوا تو لوٹ آئے اور تشہد کے بغیر سلام پھیرے اور اگر (زائد رکعت) کا سجدہ کر لیا تو فرض باطل نہ ہوں گیلیکن اس کے ساتھ ایک اور رکعت ملائے تا کہ دو زائد رکعتیں نفل بن جائیں اور آخر میں سجدہ سہو کر لے۔

اگر کسی نے دو رکعت نفل کے آخر میں سجدہ سہو کیا تو مستحب یہ ہے کہ اس پر مزید دو رکعتوں کی بناء نہ کرے اگر بناء کر لی تو مختار مذہب کے مطابق سجدہ سہو کا اعادہ کرے۔ جس شخص پر سجدہ سہو تھا اس نے سلام پھیرا اور کسی نے اس کی اقتداء کر لی تو صحیح ہے بشرطیکہ (بھولنے والا) سجدہ سہو کرے ورنہ نہیں۔

اور سجدہ سہو کرے اگر چہ نماز توڑنے کے لیے جان بوجھ کر سلام پھیرا جب تک قبلہ سے نہ پھرے یا کلام نہ کرے۔ اگر چار یا تین رکعتوں والی نماز میں نمازی نے یہ خیال کرتے ہوئے کہ اس نے نماز مکمل کر لی ہے سلام پھیر دیا پھر معلوم ہوا کہ اس نے دو ہی رکعتیں پڑھی تھیں تو نماز کو مکمل کر کے آخر مین سجدہ سہو کرے اگر دیر تک سوچتا رہا اور سلام نہ پھیرا یہاں تک کہ اسے (رکعات چھوٹنے) کا یقین ہو گیا تو اگر یہ تفکر ایک رکن ادا کرنے کی مقدار تھا تو اس پر سجدہ سہو واجب ہے ورنہ نہیں۔

نماز میں سہو ہو جانے کا بیان

حضرت ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ (آپ کا اسم گرامی محمد اور کنیت ابوبکر ہے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام تھے۔ آپ کے تیس بچے تھے جو آپ کی زندگی ہی میں سوائے ایک کے وفات پا گئے صرف ایک صاحبزادے عبداللہ بن محمد بن سیرین بقید حیات تھے۔ ستر سال کی عمر میں ۱۰ھ میں ان انتقال ہوا۔) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا (ایک دن) سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر یا عصر کی نماز جس کا نام ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے تو بتایا تھا مگر میں بھول گیا، ہمیں پڑھائی۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے ساتھ دو رکعت نماز پڑھی اور تیسری رکعت کے لیے اٹھنے کی بجائے سلام پھیر لیا، پھر اس لکڑی کے سہارے جو مسجد میں عرضاً کھڑی تھی کھڑے ہو گئے اور (محسوس ایسا ہوتا تھا) گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم غصہ کی حالت میں ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دایاں ہاتھ اپنے بائیں ہاتھ پر رکھا اور انگلیوں میں انگلیاں ڈال لیں اور اپنا بایاں رخسار مبارک اپنے بائیں ہاتھ کی پشت پر رکھ لیا۔ جلد باز لوگ (جو نماز کی ادائیگی کے بعد ذکر اور دعا وغیرہ کے لیے نہیں ٹھہرتے تھے) مسجد کے دروازوں سے جانے لگے، صحابہ کہنے لگے کہ کیا نماز میں کمی ہو گئی ہے؟ (کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چار رکعت کے بجائے دو ہی رکعتیں پڑھی ہیں؟) صحابہ کے درمیان (جو مسجد میں باقی رہ گئے تھے) حضرت ابوبکر و حضرت عمر رضی اللہ عنہما بھی موجود تھے مگر خوف کی وجہ سے ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کلام کرنے کی جرات نہ

ہوئی صحابہ میں ایک اور آدمی (بھی) تھے جن کے ہاتھ لمبے تھے اور جنہیں (اسی وجہ سے) ذوالیدین (یعنی ہاتھوں والا کے لقب سے) پکارا جاتا تھا انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یارسول اللہ! کیا آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) بھول گئے ہیں یا نماز ہی میں کمی ہوگئی ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہ تو میں بھولا ہوں اور نہ نماز میں کمی ہوئی ہے پھر (صحابہ سے مخاطب ہوئے اور) فرمایا کیا تم بھی یہی کہتے ہو جو ذوالیدین کہہ رہے ہیں؟ صحابہ نے عرض کیا کہ جی ہاں یہی بات ہے اور یہ سن کر) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آگے آئے اور جو نماز (یعنی دو رکعت) چھوٹ گئی تھی اسے پڑھا اور سلام پھیر کر تکبیر کہی اور حسب معمول سجدوں جیسا یا ان سے بھی کچھ طویل سجدہ کیا اور پھر تکبیر کہہ کر سر اٹھایا لوگ ابن سیرین سے پوچھنے لگے کہ پھر اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام پھیر دیا ہوگا؟ انہوں نے کہا کہ مجھے عمران بن حصین سے یہ خبر ملی ہے کہ وہ کہتے تھے کہ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام پھیر دیا اس روایت کو بخاری و مسلم نے نقل کیا ہے مگر الفاظ صحیح البخاری کے ہیں۔

اور صحیح البخاری و مسلم ہی کی ایک اور روایت میں یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (ذوالیدین کے جواب میں) لم انس ولم تقصر (یعنی نہ میں بھولا ہوں اور نہ نماز میں کمی ہوئی ہے) کے بجائے یہ فرمایا کہ جو کچھ تم کہہ رہے ہو اس میں سے کچھ بھی نہیں ہے انہوں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اس میں سے کچھ ضرور ہوا ہے۔

علامہ عسقلانی نے فتح الباری میں اس حدیث کی بہت لمبی چوڑی شرح کی گئی ہے اگر اس کو یہاں نقل کی جائے تو بات بڑی لمبی ہو جائے گی البتہ اتنا بتا دینا ضروری ہے کہ اس حدیث کے بارے میں دو اشکال پیدا ہوتے ہیں۔ پہلا اشکال تو یہ ہے کہ علماء کے نزدیک یہ بات مسلم ہے کہ خبر میں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سہو ہونا ناممکن ہے اور افعال میں بھی اختلاف ہے مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں ذوالیدین کے جواب میں جو یہ فرمایا کہ نہ تو میں بھولا ہوں اور نہ نماز میں کمی ہی ہوئی ہے کیا خلاف واقعہ نہیں ہے؟ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر میں بھی سہو ہوسکتا تھا۔

اس کا جواب مختصر طریقہ پر یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سہو ہونا ان خبروں میں ناممکن ہے جو تبلیغ شرائع، دینی علم اور وحی الٰہی سے متعلق ہیں نہ کہ تمام خبروں میں۔

دوسرا یہ اشکال وارد ہوتا ہے کہ دو رکعت نماز ادا کرنے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے افعال بھی سرزد ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے گفتگو بھی کی مگر اس کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے از سر نو نماز نہیں پڑھی بلکہ جو رکعتیں باقی رہ گئیں تھی انہیں کو پورا کرلیا۔ اس کی کیا وجہ ہے؟

اس کا جواب علماء نے یہ دیا ہے کہ مفسد نماز وہ کلام و افعال ہیں جو قصداً واقع ہوئے ہوں نہ کہ وہ کلام و افعال جو سہواً ہوگئے ہوں جیسا کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک ہے۔ لیکن چونکہ یہ جواب نہ صرف یہ کہ خود اپنے اندر جھول رکھتا ہے بلکہ حنفیہ کے مسلک کے مطابق بھی نہیں ہے کیونکہ ان کے ہاں مطلقاً کلام مفسد صلوٰۃ ہے خواہ قصداً صادر ہوا ہو یا سہواً۔ اس لیے علماء حنفیہ کے نزدیک اس اشکال کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ یہ واقعہ اس وقت کا ہے جب کہ نماز میں کلام اور افعال کا جواز منسوخ نہیں ہوا تھا۔

حضرت امام احمد کا مسلک بھی یہی ہے کہ نماز میں کلام مطلقاً مفسد صلوٰۃ ہے خواہ قصداً ہو یا سہواً مگر ان کے ہاں اتنی گنجائش بھی ہے کہ نماز میں جو کلام امام یا مقتدی سے نماز کی کسی مصلحت کے پیش نظر صادر ہوا ہو گا وہ مفسد نماز نہیں ہوگا جیسا کہ حدیث مذکورہ میں پیش آمدہ صورت ہے۔

چھٹی رکعت ملا کر دو نفل بنانے کا بیان

احناف کے ہاں پانچ رکعت ادا کر لینے کی صورت میں مسئلے کی کچھ تفصیل ہے۔ چنانچہ ان کا مسلک یہ ہے کہ اگر کوئی آدمی قعدہ اخیرہ بھول کر پانچویں رکعت کے لیے کھڑا ہو جائے اور پانچویں رکعت کا سجدہ کرنے سے پہلے اسے یاد آ جائے تو اسے چاہیے کہ فوراً بیٹھ جائے اور التحیات پڑھ کر سجدہ سہو کر لے۔ اور اگر پانچویں رکعت کا سجدہ کر چکا ہو تو پھر نہیں بیٹھ سکتا اور اس کی یہ نماز اگر فرض کی نیت سے پڑھ رہا تھا تو فرض ادا نہیں ہوگا بلکہ نفل ہو جائے گی۔ اور اس کو اختیار ہوگا کہ ایک رکعت کے ساتھ دوسری رکعت اور ملا دے تا کہ یہ رکعت بھی ضائع نہ ہو اور دو رکعتیں یہ بھی نفل ہو جائیں۔ اگر عصر اور فجر میں یہ واقعہ پیش آئے تب بھی دوسری رکعت ملا سکتا ہے اس لیے کہ عصر و فجر کے فرض کے بعد نفل مکروہ ہے اور یہ رکعتیں فرض نہیں رہی بلکہ نفل ہو گئی ہیں پس گویا فرض سے پہلے نفل پڑھی گئی ہیں اور اس میں کچھ کراہت نہیں۔ مغرب کے فرض میں صرف یہی رکعت کافی ہے دوسری رکعت نہ ملائی جائے، ورنہ پانچ رکعتیں ہو جائیں گی اور نفل میں طاق رکعتیں منقول نہیں اور اس صورت میں سجدہ سہو کی ضرورت نہ ہوگی۔ یہ شکل تو قعدہ اخیرہ میں بیٹھے بغیر رکعت کے لیے اٹھ جانے کی تھی۔

اگر کوئی آدمی قعدہ اخیرہ میں التحیات پڑھنے کے بقدر بیٹھ کر سلام پھیرنے سے پہلے پانچویں رکعت کے لیے کھڑا ہو جائے تو اگر وہ پانچویں رکعت کا سجدہ نہ کر چکا ہو تو فوراً بیٹھ جائے اور چونکہ سلام کے ادا کرنے میں جو واجب تھا تاخیر ہوگئی اس لیے سجدہ سہو کر لے اگر پانچویں رکعت کا سجدہ کرنیکے بعد یاد آئے تو اس کو چاہیے کہ وہ اب نہ بیٹھے بلکہ ایک رکعت اور ملا دے تا کہ یہ پانچوں رکعت ضائع نہ ہو اور اگر رکعت نہ ملائے بلکہ پانچویں رکعت کے بعد سلام پھیر دے تب بھی جائز ہے مگر ملا دینا بہتر ہے۔ اس صورت میں اس کی وہ رکعتیں اگر فرض نیت کی تھی تو فرض ادا ہوں گی نفل نہ ہوں گی۔ عصر اور فجر کے فرض میں بھی دوسری رکعت ملا سکتا ہے اس لیے کہ عصر اور فجر کے فرض کے بعد قصداً نفل پڑھنا مکروہ ہے اور اگر سہواً پڑھ بھی لیا جائے تو کچھ کراہت نہیں۔ اس صورت میں فرض کے بعد رکعتیں پڑھی گئیں ہیں یہ ان موکدہ سنتوں کے قائم مقام نہیں ہو سکتیں جو فرض کے بعد ظہر و مغرب اور عشاء کے وقت مسنون ہیں کیونکہ ان سنتوں کا تحریمہ سے ادا کرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے۔

فصل فی الشک

﴿یہ فصل نماز کی رکعات میں شک ہو جانے کے بیان میں ہے﴾

شک کے سبب نماز کے باطل ہو جانے کا بیان

متی تبطل الصلاة بالشك تبطل الصلاة بالشك فی عدد رکعاتها اذا کان قبل إکمالها وهو أول ما عرض له من الشك أو کان الشك غیر عادة له فلو شك بعد سلامه لا یعتبر إلا إن تیقن بالترك کثرة الشك وإن کثر الشك عمل بغالب ظنه فإن لم یغلب له ظن أخذ بالأقل وقعد بعد کل رکعة ظنها آخر صلاته

ترجمہ

رکعتوں میں شک ہو جانے سے نماز باطل ہو جاتی ہے جب کہ یہ شک نماز مکمل کرنے سے پہلے ہو اور اسے پہلی مرتبہ شک ہوا ہو یا شک اس کی عادت نہ ہو۔ اگر سلام پھیرنے کے بعد شک ہو تو اس کا اعتبار نہ ہوگا البتہ یہ کہ اسے نماز چھوٹنے کا یقین ہو جائے اگر شک زیادہ ہو تو غالب گمان پر عمل کرے۔ اگر غالب گمان نہ ہو تو کم تعداد پر عمل کرے اور ہر اس رکعت کے بعد بیٹھے جس کو وہ نماز کی آخری رکعت تصور کرتا ہے۔

شک کی صورت میں کم پر بناء کرنے کا بیان

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تو نماز میں ہو اور تجھے اس بارے میں شک ہو جائے کہ رکعتیں تین ہوئیں یا چار مگر ظن غالب یہ ہو کہ چار ہوئیں تو تشہد پڑھ اور دو سجدے کر بیٹھے بیٹھے سلام سے پہلے اور (سلام کے بعد) پھر تشہد پڑھ اور سلام پھیر۔ ابو داؤد نے کہا عبدالواحد نے یہ حدیث بواسطہ خصیف موقوفاً روایت کی ہے اور سفیان، شریک اور اسرائیل نے عبدالواحد کی موافقت کی ہے اور متن حدیث میں اختلاف کیا ہے اور اس کو مسند نہیں کیا۔

(سنن ابو داؤد)

حضرت عطاء ابن یسار حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی آدمی درمیان نماز شک میں مبتلا ہو جائے اور اسے یاد نہ رہے کہ اس نے تین رکعتیں پڑھی ہیں یا چار رکعتیں تو اسے چاہیے کہ وہ اپنا شک دور کرے اور جس عدد پر اسے یقین ہو اس پر بناء کرے (یعنی کسی ایک عدد کا تعین کر کے نماز پوری کر لے)

اور پھر سلام پھیرنے سے پہلے دو سجدے کر لے۔ اگر اس نے پانچ رکعتیں پڑھی ہوں گی تو یہ پانچ رکعتیں ان دو سجدوں کے ذریعے اس کی نماز کو جفت کر دیں گی اور اگر اس نے پوری چار رکعتیں پڑھی ہوں گی تو یہ دونوں سجدے شیطان کی ذلت کا سبب بنیں گے مسلم اور مالک نے اس روایت کو عطاء سے بطریق ارسال نقل کیا ہے نیز امام مالک کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ نمازی ان دونوں سجدوں کے ذریعے پانچ رکعتوں کو جفت کر دے گا۔ (مشکوۃ المصابیح)

صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک آدمی نماز پڑھ رہا ہے درمیان نماز وہ شک وشبہ میں مبتلا ہو گیا یعنی اسے یاد نہیں رہا کہ اس نے کتنی رکعتیں پڑھی ہیں تو اسے چاہئے کہ وہ کمتر عدد کا تعین کرے اور اسی کا گمان غالب کر کے نماز پڑھ لے مثلاً اسے یہ شبہ ہو کہ نہ معلوم میں نے تین رکعتیں پڑھی ہیں یا چار رکعتیں تو اس صورت میں اس تین رکعتوں کا تعین کر کے نماز پوری کرنی چاہیے اور پھر آخری قعدے میں التحیات پڑھنے کے بعد سلام پھیرنے سے پہلے دائیں طرف سلام پھیر کر سہو کے دو سجدے کرنا چاہئے۔ صحیح البخاری کی روایت میں سلام پھیرنے سے پہلے سجدہ سہو کرنے کی قید نہیں ہے چنانچہ اسی وجہ سے ائمہ کے ہاں اس بات پر اختلاف ہے کہ سجدے سلام پھیرنے سے پہلے کرنے چاہئے یا سلام پھیرنے کے بعد۔ اس مسئلے کی تفصیل ہم آئندہ کسی حدیث کے فائدہ کے ضمن میں بیان کریں گے۔

حدیث میں سہو کے دونوں سجدوں کا فائدہ بھی بتایا گیا ہے چنانچہ فرمایا گیا ہے کہ اگر کسی آدمی نے مذکورہ صورت میں تین رکعت کا تعین کر کے ایک رکعت اور پڑھ لی حالانکہ حقیقت میں وہ چار رکعتیں پہلے پڑھ چکا تھا اس طرح اس کی پانچ رکعتیں ہو گئی تو پانچ رکعتیں ان دونوں سجدوں کی وجہ سے اس کی نماز کو شفع (جفت کر دیں گی کیونکہ وہ دونوں سجدے ایک رکعت کے حکم میں ہیں یعنی یہ پانچ رکعتیں ان دونوں سجدوں سے مل کر چھ رکعت کے حکم میں ہو جائیں گی اور اگر اس نے حقیقت میں تین ہی رکعتیں پڑھی ہیں اور سہو کی صورت میں اس نے تین ہی کا تعین کر کے ایک رکعت اور پڑھی اور اس کی چار رکعتیں پوری ہو گئیں تو اس کے وہ دونوں سجدے شیطان کی ذلت کا سبب بن جائیں گے۔ یعنی اس صورت میں جب کہ اس آدمی نے چار ہی رکعتیں پڑھی ہیں تو دونوں سجدوں کی ضرورت نہیں تھی کہ وہ نماز کو جفت کر دیں جیسا کہ پہلی صورت (پانچ رکعتیں پڑھنے کی صورت) میں ان دونوں سجدوں کی ضرورت تھی لیکن ان دونوں سجدوں کو جو بظاہر زائد معلوم ہوتے ہیں یہ فائدہ ہوا کہ ان سے شیطان کی ذلت و ناکامی ہوئی۔ کیونکہ شیطان کا مقصد تو یہ تھا کہ وہ نمازی کو شک وشبہ میں مبتلا کر کے اسے عبادت سے باز رکھے حالانکہ نمازی نے اس کے برعکس دو سجدے اور کر کے عبادت چھوڑنے کی بجائے اس میں زیادتی کی جو یقینی بات ہے کہ شیطان کی ناکامی و نامرادی کا باعث ہے۔

اس حدیث سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ شک کی صورت میں اقل (کمتر) کو اختیار کرنا چاہئے تحری (غالب گمان) پر عمل نہ کیا جائے چنانچہ جمہور ائمہ کا بھی یہی مسلک ہے۔

امام ترمذی کا قول یہ ہے کہ اہل علم میں سے بعض حضرات کا مسلک یہ ہے کہ شک کی صورت میں نماز کا اعادہ کرنا چاہیے یعنی اگر کسی کو درمیان نماز میں رکعتوں کی تعداد کے بارے میں شک ہو جائے تو اسے چاہیے کہ نماز کو از سر نو پڑھے۔

اس مسئلے میں امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک کا حاصل یہ ہے کہ اگر کسی آدمی کو نماز میں شک ہو جائے کہ کتنی رکعتیں پڑھی ہیں تو اگر اس آدمی کی عادت شک کرنے کی نہ ہو تو اسے چاہیے کہ پھر نئے سرے سے نماز پڑھے اور اگر اس کو شک ہونے کی عادت ہو تو اپنے غالب گمان پر عمل کرے یعنی جتنی رکعتیں اس کو غالب گمان سے یاد پڑیں تو اسی قدر رکعتیں سمجھے کہ پڑھ چکا ہے اور اگر غالب گمان کسی طرف نہ ہو تو کمتر عدد کو اختیار کرے مثلاً کسی کو ظہر کی نماز میں شک ہوا کہ تین رکعتیں پڑھی ہیں یا چار اور غالب گمان کسی طرف نہ ہو تو اسے کو چاہیے کہ تین رکعتیں شمار کرے اور ایک رکعت اور پڑھ کر نماز پوری کرلے پھر سجدہ سہو کرلے۔

اتنی بات سمجھ لینی چاہیے کہ غالب گمان پر عمل کرنے کی وجہ یہ ہے کہ شریعت میں غالب گمان کو اختیار کرنے کی اصل موجود ہے جیسا کہ اگر کوئی آدمی کسی ایسی جگہ نماز پڑھنا چاہے جہاں سے قبلے کی سمت معلوم نہ ہوسکے تو اس کے لیے حکم ہے کہ وہ جس سمت کے بارے میں غالب گمان رکھے کہ ادھر قبلہ ہے اسی طرف منہ کر کے نماز پڑھ لے اس کی نماز ہو جائے گی۔ غالب گمان کو اختیار کرنے کے سلسلے میں احادیث بھی مروی ہیں۔ چنانچہ صحیحین میں حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی ایک روایت ہے جس کے الفاظ یہ ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کسی کو نماز میں شک واقع ہو جائے تو اسے چاہیے کہ وہ صحیح رائے قائم کر کے (یعنی کسی ایک پہلو پر غالب گمان کر کے) نماز پوری کرلے اس حدیث کو شمنی نے بھی شرح نقایہ میں نقل کیا ہے نیز جامع الاصول میں بھی نسائی سے ایک حدیث تحری (غالب گمان) پر عمل کرنے کے صحیح ہونے کے بارے میں منقول ہے۔

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب موطا میں تحری کی افادیت کے سلسلے میں یہ کہتے ہوئے کہ تحری کے سلسلے میں بہت آثار وارد ہیں بڑی اچھی بات یہ کہی ہے کہ اگر ایسا نہ کیا جائے یعنی تحری کو قابل قبول نہ قرار دیا جائے تو شک اور سہو سے نجات ملنی بڑے مشکل ہوگی اور پھر شک وشبہ کی صورت میں اعادہ بڑی پریشانی کا باعث بن جائے گا۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس موقع پر مسئلہ مذکورہ کا تجزیہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ اس موقع پر حاصل کلام یہ ہے کہ اس مسئلہ کے سلسلہ میں تین احادیث منقول ہیں۔ پہلی حدیث کا مطلب یہ ہے کہ نماز میں جب بھی کسی کو شک واقع ہو جائے تو وہ نماز کو از سر نو پڑھے دوسری حدیث کا ماحصل یہ ہے کہ جب کسی کو نماز میں شک واقع ہو جائے تو اسے چاہئے کہ صحیح بات کو حاصل کرنے کے لئے تحری کرے۔ یعنی غالب گمان پر عمل کرے۔ تیسری حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ جب نماز میں شک واقع ہو تو یقین پر عمل کرنا چاہیے یعنی جس پہلو پر یقین ہو اسی پر عمل کیا جائے

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے ان تینوں حدیثوں کو اپنے مسلک میں جمع کر دیا ہے اس طرح کہ انہوں نے پہلی حدیث کو تو مرتبہ شک واقع ہونے کی صورت پر محمول کیا ہے، دوسری حدیث کو کسی ایک پہلو پر غالب گمان ہونے کی صورت پر محمول کیا ہے اور تیسری حدیث کو کسی بھی پہلو پر غالب گمان نہ ہونے کی صورت پر محمول کیا ہے۔

باب سجود التلاوة

﴿یہ باب سجود تلاوت کے بیان میں ہے﴾

سجود تلاوت کا بیان

سببه وحكمه ووقته سببه التلاوة على التالي والسامع في الصحيح وهو واجب على التراخي إن لم يكن في الصلاة وكره تأخيره تنزيها و يجب على من تلا آية ولو بالفارسية وقراءة حرف السجدة مع كلمة قبله أو بعده من آيتها كالآية في الصحيح عدة آياتها وآياتها أربع عشرة آية في الأعراف والرعد والنحل والإسراء ومريم وأولى الحج والفرقان والنمل والسجدة وص وحم السجدة والنجم وانشقت واقرأ من يجب عليه ومن لا يجب ويجب السجود على من سمع وإن لم يقصد السماع إلا الحائض والنفساء والإمام والمقتدى به بالسماع من مقتد ولو سمعوها من غيره سجدوا بعد الصلاة ولو سجدوا فيها لم تجزهم ولم تفسد صلاتهم في ظاهر الرواية ويجب بسماع الفارسية إن فهمها على المعتمد واختلف التصحيح في وجوبها بالسماع من نائم ومجنون ولا تجب بسماعها من الطير والصدى،

ترجمہ

تلاوت کرنے والے اور سننے والے پر سجدہ تلاوت (کے لازم ہونے) کا سبب تلاوت ہے صحیح قول کے مطابق۔ اور یہ تاخر کے ساتھ واجب ہے بشرطیکہ نماز میں نہ ہو البتہ تاخیر کرنا مکروہ تنزیہی ہے۔ جو شخص ایک آیت بھی تلاوت کرے اگر چہ فارسی میں ہو اس پر سجدہ تلاوت واجب ہے پہلے اور بعد والے کلمہ سے ملا کر حرف سجدہ پڑھنا صحیح قول کے مطابق آیت کی طرح ہے آیات سجدہ چودہ ہیں۔

(۱) سورۂ اعراف (۲) سورۂ رعد (۳) سورۂ نحل (۴) سورۂ اسراء (۵) سورۂ مریم (۶) سورۂ حج میں پہلی آیت سجدہ (۷) سورۂ فرقان (۸) سورۂ نمل (۹) سورۂ سجدہ (۱۰) سورۂ ص (۱۱) سورۂ حم السجدہ (۱۲) سورۂ نجم (۱۳) سورۂ وانشقت (۱۴) اور سورۂ اقراء ہیں۔

جو شخص (آیت سجدہ) سنے اس پر بھی سجدہ واجب ہے اگر چہ قصداً نہ سنے البتہ حیض اور نفاس والی عورتیں، امام اور مقتدی مستثنیٰ ہیں۔ اگر امام اور مقتدی کسی اور سے (جو نماز میں نہیں) سنیں تو نماز کے بعد سجدہ کریں اگر نماز کے اندر سجدہ کریں گے تو کفایت نہیں کرے گا لیکن نماز بھی فاسد نہیں ہوگی یہ ظاہر روایت میں ہے۔

فارسی میں آیت سننے سے بھی سجدہ تلاوت لازم ہوتا ہے اگر اسے سمجھتا ہو اس قول پر اعتماد ہے سوئے ہوئے اور مجنوں سے سننے والے پر لازم ہونے کے بارے میں تصحیح میں اختلاف ہے۔ پرندے اور بازگشت سے سنے تو سجدہ لازم نہیں ہوگا۔

قرآن میں آیات سجدہ کی تفصیل کا بیان

(۱) آیت (اِنَّ الَّذِیْنَ عِنْدَ رَبِّكَ لَا یَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَیُسَبِّحُوْنَهٗ وَلَهٗ یَسْجُدُوْنَ)

7۔ الاعراف (206,) (اس آیت میں وله یسجدون پر سجدہ ہے۔

(۲) سورۂ رعد کے دوسرے رکوع میں یہ آیت

آیت (وَلِلّٰهِ یَسْجُدُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّظِلٰلُهُمْ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ)

13 الرعد 15,) (اس آیت میں بالغدو و الاصال پر سجدہ ہے۔

(۳) سورۂ نحل کے پانچویں رکوع کے آخر کی یہ آیت

آیت (وَلِلّٰهِ یَسْجُدُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ مِنْ دَآبَّةٍ وَّالْمَلٰٓئِكَةُ وَهُمْ لَا یَسْتَكْبِرُوْنَ 49) 16۔ النحل 49,) (اس آیت میں و یفعلون ما یو مرون پر سجدہ ہے۔

(۴) سورہ بنی اسرائیل کے بارھویں رکوع میں یہ آیت (وَیَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ یَبْكُوْنَ وَیَزِیْدُهُمْ خُشُوْعًا) 17۔ الاسراء 109,) اس آیت میں ویزیدھم خشوعا پر سجدہ ہے۔

(۵) سورہ مریم کے چوتھے رکوع میں یہ آیت

آیت (اِذَا تُتْلٰی عَلَیْهِمْ اٰیٰتُ الرَّحْمٰنِ خَرُّوْا سُجَّدًا وَّبُكِیًّا 19 (۔ مریم 58,) اس آیت میں سجدا و بکیا پر سجدہ ہے۔

(۶) سورہ، حج کے دوسرے رکوع میں آیت

آیت (اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ یَسْجُدُ لَهٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِی الْاَرْضِ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُوْمُ وَالْجِبَالُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَآبُّ وَكَثِیْرٌ مِّنَ النَّاسِ وَكَثِیْرٌ حَقَّ عَلَیْهِ الْعَذَابُ وَمَنْ یُّهِنِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّكْرِمٍ اِنَّ اللّٰهَ یَفْعَلُ مَا یَشَآءُ) 22۔ الحج (18,) (اس آیت میں یسجد له پر سجدہ ہے مگر پوری آیت پڑھنے کے بعد سجدہ ہے۔

(۷) سورہ حج کے آخری رکوع کی یہ آیت

آیت (یٰاَیُّھا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ارْکَعُوْا وَاسْجُدُوْا وَاعْبُدُوْا رَبَّکُمْ وَافْعَلُوا الْخَیْرَ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ) 22 ۔ الحج (77,)

اس آیت میں لعلکم تفلحون پر سجدہ ہے۔

(۸) سورہ فرقان کے پانچویں رکوع کی یہ آیت

آیت (وَاِذَا قِیْلَ لَھُمُ اسْجُدُوْا لِلرَّحْمٰنِ قَالُوْا وَمَا الرَّحْمٰنُ اَنَسْجُدُ لِمَا تَاْمُرُنَا وَزَادَھُمْ نُفُوراً) 25۔الفرقان 60,) اس آیت میں وزادھم نفوراً پر سجدہ ہے۔

(۹) سورہ نمل کے دوسرے رکوع میں آیت

آیت (اَلَّا یَسْجُدُوْا لِلّٰہ الَّذِیْ یُخْرِجُ الْخَبْءَ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَیَعْلَمُ مَا تُخْفُوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ 25 اَللّٰہ لَآ اِلٰہ اِلَّا ھوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ) (النمل (25,)

(۱۰) سورہ الم تنزیل السجدہ کے دوسرے رکوع میں یہ آیت

آیت (اِنَّمَا یُؤْمِنُ بِاٰیٰتِنَا الَّذِیْنَ اِذَا ذُکِّرُوْا بِھا خَرُّوْا سُجَّداً وَّسَبَّحُوْا بِحَمْدِ رَبِّھِمْ وَھمْ لَا یَسْتَکْبِرُوْنَ) 32 ۔ السجدہ (35,)

(۱۱) سورۃ ص کے دوسرے رکوع میں یہ آیت

آیت (وَخَرَّ رَاکِعاً وَّاَنَابَ 24 فَغَفَرْنَا لَہ ذٰلِكَ وَاِنَّ لَہ عِنْدَنَا لَزُلْفٰی وَحُسْنَ مَاٰبٍ 25) 38 ۔ص (24,

(اس آیت میں وحسن مآب پر سجدہ ہے۔

(۱۲) سورہ حم سجدہ کے پانچویں رکوع میں یہ آیت

آیت (فَاِنِ اسْتَکْبَرُوْا فَالَّذِیْنَ عِنْدَ رَبِّكَ یُسَبِّحُوْنَ لَہ بِالَّیْلِ وَالنَّھارِ وَھمْ لَا یَسْئَمُوْنَ) 41 ۔فصلت 38,)

اس آیت میں لا یسئمون پر سجدہ ہے یا تعبدون پر ہے

(۱۳) سورہ نجم کے آخر میں یہ آیت

آیت (فَاسْجُدُوْا لِلّٰہ وَاعْبُدُوْا 62) 53 ۔ النجم (62,سجدہ کرو اللہ کا اور عبادت کرو ۔ (اس آیت میں واعبدوا پر سجدہ ہے۔

(۱۴) سورہ انشقاق میں یہ آیت

آیت (فَمَا لَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ 20 وَإِذَا قُرِئَ عَلَيْهِمُ الْقُرْآنُ لَا يَسْجُدُونَ 21) 84 - الانشاق(24,)

بعض کے نزدیک لعلکم تغلبون پر سجدہ ہے۔اس آیت میں لا یسجدون پر سجدہ ہے۔

(۱۵) سورہ علق میں یہ آیت

(وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ 19) (96-العلق 19,) آیت میں واقترب پر سجدہ ہے۔

سجدہ تلاوت کے بعض احکام کا بیان

بم تؤدى ومتى وتؤدى بركوع أوسجود في الصلاة غير ركوع الصلاة وسجودها ويجزىء عنها ركوع الصلاة إن نواها وسجودها وإن لم ينوها إذا لم ينقطع فور التلاوة بأكثر من آيتين ولو سمع من إمام فلم يأتم به أو ائتم في ركعة أخرى سجد خارج الصلاة في الأظهر وإن ائتم قبل سجود إمامه لها سجد معه وإن اقتدى به بعد سجودها في ركعتها صار مدركا لها حكما فلا يسجدها أصلا ولم تقض الصلاتية خارجها ولو تلا خارج الصلاة فسجد ثم أعاد فيها سجد أخرى وإن لم يسجد أولا كفته واحدة في ظاهر الرواية كمن كررها في مجلس واحد لا مجلسين ما يتبدل به المجلس ويتبدل المجلس بالانتقال منه ولو مسديا وبالانتقال من غصن الى غصن وعوم في نهر أو حوض كبير في الأصح مالا يتبدل به المجلس ولا يتبدل بزوايا البيت والمسجد ولو كبيرا ولا بسير سفينة ولا بركعة وبركعتين وشربة وأكل لقمتين ومشي خطوتين ولا باتكاء وقعود وقيام وركوب ونزول في محل تلاوته ولا بسير دابته مصليا ويتكرر الوجوب على السامع بتبديل مجلسه وقد اتحد مجلس التالي لا بعكسه على الأصح متفرقات وكره أن يقرأ سورة ويدع آية السجدة لا عكسه وندب ضم آية أو اكثر إليها وندب إخفاؤها عن غير متأهب لها وندب القيام ثم السجود لها ولا يرفع السامع رأسه منها قبل تاليها ولا يؤمر التالي بالتقدم ولا السامعون بالاصطفاف فيسجدون كيف كانوا شروطها وكيفيتها وشرط لصحتها شرائط الصلاة إلا التحريمة وكيفيتها أن يسجد سجدة واحدة بين تكبيرتين هما سنتان بلا رفع يد ولا تشهد ولا تسليم فصل في سجدة الشكر سجدة الشكر مكروهة عند الإمام أبي حنيفة رحمه الله لا يثاب عليها وتركها أولى وقالا هي قربة يثاب عليها

وهيئتها مثل سجدة التلاوة فائدة مهمة لدفع كل مهمة قال الإمام النسفي في الكافي من قرأ آي السجدة كلها في مجلس واحد وسجد لكل منها كفاه الله ما أهمه،

ترجمہ

سجدہ تلاوت نماز میں نماز کے رکوع اور سجدہ کے علاوہ رکوع اور سجدہ کے ذریعے ادا ہو جاتا ہے۔ اگر نیت کرے تو نماز کا رکوع بھی اس کی جگہ کافی ہے اور نماز کے سجدے سے بھی ادا ہو جاتا ہے اگر چہ اس کی نیت نہ کرے اگر دو آیتوں سے زائد کے ذریعے جوش تلاوت منقطع نہ ہو جائے۔ اگر کسی شخص نے امام سے آیت سجدہ سنی لیکن اس کی اقتداء نہیں کی یا دوسری رکعت میں اقتداء کی تو ظاہر روایت کے مطابق نماز سے باہر سجدہ کرے اور اگر امام کے سجدہ کرنے سے پہلے اقتداء کر لی تو اس کے ساتھ سجدہ کرے اور اگر (امام کے) سجدہ کرنے کے بعد اسی رکعت میں اقتداء کی تو حکماً سجدہ پالیا اب بالکل نہ کرے۔

نماز کا سجدہ تلاوت باہر قضا نہ کیا جائے اگر کسی نے نماز کے باہر تلاوت کی اور سجدہ بھی کر لیا پھر نماز میں اس آیت کو دہرایا تو دوبارہ سجدہ کرے اگر پہلے سجدہ نہیں کیا تو ظاہر روایت کے مطابق ایک ہی سجدہ کافی ہوگا۔ جس طرح کوئی شخص ایک ہی مجلس میں بار بار (ایک آیت سجدہ) پڑھے دو مجلسوں میں نہیں مجلس سے منتقل ہونے کے ساتھ مجلس بدل جاتی ہے اگر چہ تانا تنتے ہوئے ہو نیز ایک ٹہنی سے دوسری ٹہنی کی طرف منتقل ہونے اور نہر یا بڑے حوض میں غوطہ لگانے سے بھی مجلس بدل جاتی ہے یہ اصح قول کے مطابق ہے۔ گھر اور مسجد کے کونے بدلنے سے مجلس نہیں بدلتی اگر چہ بڑی ہو کشتی کے چلنے کے ساتھ ایک یا دو رکعتوں کے ساتھ، پانی پینے، دو لقمے کھانے، دو قدم چلنے، تکیہ لگانے، بیٹھ جانے، کھڑا ہو جانے، سوار ہونے، تلاوت کی جگہ پر اتر جانے اور نماز کی حالت میں سواری کے چلنے کے ساتھ مجلس نہیں بدلتی سامع کی مجلس بدلنے سے صرف اسی پر سجدے کا تکرار ہوگا جب کہ پڑھنے والے کی مجلس ایک ہو اس کے برعکس نہیں یہ اصح قول کے مطابق ہے۔

کوئی سورت پڑھنا اور آیت سجدہ چھوڑ دینا مکروہ ہے اس کے برعکس کرنا مکروہ نہیں ایک آیت یا دو زیادہ ملانا مستحب ہے کسی خاص اہتمام کے بغیر آیت سجدہ کو آہستہ پڑھنا مستحب ہے۔ مستحب طریقہ یہ ہے کھڑا ہو کر پھر سجدہ کرے سامع تلاوت کرنے والے سے پہلے سر کو سجدے سے نہ اٹھائے تلاوت کرنے والے کو آگے ہونے اور سننے والوں کو صفیں باندھنے کا حکم نہ دیا جائے بلکہ جس طرح موجود ہوں سجدہ کریں۔

اس سجدے کے صحیح ہونے کی شرائط وہی ہیں جو نماز کی ہیں البتہ تحریمہ شرط نہیں اس کا طریقہ یہ ہے کہ دو تکبیروں کے درمیان ایک سجدہ کرے یہ تکبیریں ہاتھ اٹھائے بغیر سنت ہیں نیز اس میں تشہد اور سلام بھی نہیں ہیں۔

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک سجدۂ شکر مکروہ ہے اس پر ثواب نہیں ملتا جب کہ صاحبین فرماتے ہیں یہ بھی عبادت ہے اور اس پر ثواب ملتا ہے اور اس کی صورت وہی ہے جو سجدۂ تلاوت کی ہے۔

امام نسفی رحمہ اللہ نے کافی میں فرمایا جو شخص تمام آیات سجدہ ایک مجلس میں پڑھے اور ہر ایک کے لیے سجدہ کرے اللہ تعالیٰ اسے مشکلات میں کفایت فرمائے گا۔

باب صلاۃ الجمعۃ

﴿یہ باب نماز جمعہ کے بیان میں ہے﴾

لفظ جمعہ کی وجہ تسمیہ اور معنی ومفہوم کا بیان

علامہ علاؤالدین کاسانی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ لفظ جمعہ میم کے ساکن کے ساتھ اور جمعہ میم کے فتح کے ساتھ ہر دو طرح سے بولا گیا ہے۔

قال فی الفتح قد اختلف فی تسمية اليوم بالجمعة مع الاتفاق على انه كان ليسمي فی الجاهلية و العروبة بفتح العين وضم الراء وبالوحدة الخ یعنی جمعہ کی وجہ تسمیہ میں اختلاف ہے اس پر سب کا اتفاق ہے کہ عہد جاہلیت میں اس کو یوم عروبہ کہا کرتے تھے۔

حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اس دن مخلوق کی خلقت تکمیل کو پہنچی اس لیے اسے جمعہ کہا گیا۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ تخلیق آدم کی تکمیل اسی دن ہوئی اس وجہ سے اسے جمعہ کہا گیا۔ ابن حمید میں سند صحیح سے مروی ہے کہ حضرت اسعد بن زرارہ کے ساتھ انصار نے جمع ہو کر نماز ادا کی اور حضرت اسعد بن زرارہ نے ان کو وعظ فرمایا پس اس کا نام انہوں نے جمعہ رکھ دیا کیوں کہ وہ سب اس میں جمع ہوئے یہ بھی ہے کہ کعب بن لوی اس دن اپنی قوم کو حرم شریف میں جمع کر کے ان کو وعظ کیا کرتا تھا اور کہا کرتا تھا کہ اس حرم سے ایک نبی کا ظہور ہونے والا ہے۔ یوم عروبہ کا نام سب سے پہلے یوم جمعہ کعب بن لوی ہی نے رکھا۔ یہ دن بڑی فضیلت رکھتا ہے اس میں ایک ساعت ایسی ہے جس میں جو نیک دعا کی جائے قبول ہوتی ہے۔

حضرت امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی روش کے مطابق نماز جمعہ کی فرضیت کے لیے آیت قرآنی سے استدلال فرمایا جیسا کہ باب ذیل سے ظاہر ہے۔ جمعہ کہنے کی وجہ یہ ہے کہ اس میں تمام جماعتوں کا اجتماع ہوتا ہے اس کا تقاضا ہے کہ اس میں تمام جماعتوں کو آنے کی اجازت ہوتا کہ نام کے معنی کا ثبوت ہو۔ (بدائع الصنائع فصل شرائط الجمعۃ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی)

علامہ یحییٰ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جواب کا حاصل یہ ہے کہ اس دن کا نام جمعہ اس لیے رکھا گیا ہے کہ مذکورہ بالا ایسی عظیم الشان چیزیں اس دن میں جمع کر دی گئی ہیں۔ لیکن یہ بات بھی مخفی نہ رہے کہ قطع نظر اس بات کے کہ یہ تمام باتیں بہ ہیئت مجموعی، جمعہ، کی وجہ تسمیہ کو ظاہر کرتی ہیں ان میں سے ہر ایک خود بھی اپنی اپنی جگہ جمعیت اور اجتماعیت کے مفہوم پر حاوی ہیں۔

نماز جمعہ کی فرضیت کی دلیل شرعی کا بیان

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰی ذِكْرِ اللّٰهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ .(الجمعه، ۹)

اے ایمان والو! جب جمعہ کے دن (جمعہ کی) نماز کے لئے اذان دی جائے تو فوراً اللہ کے ذکر (یعنی خطبہ ونماز) کی طرف تیزی سے چل پڑو اور خرید وفروخت (یعنی کاروبار) چھوڑ دو۔ یہ تمہارے حق میں بہتر ہے اگر تم علم رکھتے ہو۔

نداء صلوٰۃ سے مراد اذان ہے اور من یوم الجمعہ بمعنی فی یوم الجمعہ ہے، فَاسْعَوْا اِلٰی ذِكْرِ اللّٰهِ، سعی کے معنی دوڑنے کے بھی آتے ہیں اور کسی کام کو اہتمام کے ساتھ کرنے کے بھی، اس جگہ یہی دوسرے معنی مراد ہیں کیونکہ نماز کے لئے دوڑتے ہوئے آنے کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا اور یہ ارشاد فرمایا ہے کہ جب نماز کے لئے آؤ تو سکینت اور وقار کے ساتھ آؤ، آیت کے معنی یہ ہیں کہ جب جمعہ کے دن جمعہ کی اذان دی جائے تو اللہ کے ذکر کی طرف دوڑو، یعنی نماز وخطبہ کے لئے مسجد کی طرف چلنے کا اہتمام کرو، جیسا دوڑنے والا کسی دوسرے کام کی طرف توجہ نہیں دیتا، اذان کے بعد تم بھی کسی اور کام کی طرف بجز نماز وخطبہ کے توجہ نہ دو (ابن کثیر) ذکر اللہ سے مراد نماز جمعہ بھی ہوسکتی ہے اور خطبہ جمعہ جو نماز جمعہ کے شرائط وفرائض میں داخل ہے وہ بھی، اس لئے مجموعہ دونوں کا مراد لیا جائے یہ بہتر ہے۔ چھوڑ دو بیع (فروخت کرنے کو) صرف بیع کہنے پر اکتفا کیا گیا اور مراد بیع وشراء (یعنی خرید و فروخت) دونوں ہیں، وجہ اکتفا کی یہ ہے کہ ایک کے چھوٹنے سے دوسرا خود بخود چھوٹ جائے گا، جب کوئی فروخت کرنے والا فروخت نہ کرے گا تو خریدوالے کے لئے خریدنے کا راستہ ہی نہ رہے گا۔ (تفسیر مظہری، سورہ جمعہ، ضیاء القرآن، لاہور)

نماز جمعہ کے احکام وشرائط کا بیان

حكمها صلاة الجمعة فرض عين على من اجتمع فيه سبعة شرائط شروط وجوبها الذكورة والحرية والإقامة بمصر أو فيما هو داخل فى حد الإقامة بها فى الأصح والصحة والأمن من ظالم وسلامة العينين وسلامة الرجلين شروط صحتها ويشترط لصحتها ستة أشياء المصر أو فناؤه والسلطان أو نائبه ووقت الظهر فلا تصح قبله وتبطل بخروجه والخطبة قبلها بقصدها فى وقتها وحضور أحد لسماعها ممن تنعقد بهم الجمعة ولو واحدا فى الصحيح والإذن العام والجماعة وهم ثلاثة رجال غير الإمام ولو كانوا عبيدا أو مسافرين أو مرضى والشرط بقاؤهم مع الإمام حتى يسجد فإن نفروا بعد سجوده أتمها وحده جمعة وإن نفروا قبل سجوده بطلت ولا تصح بامرأة أو صبى مع رجلين وجاز للعبد والمريض أن يؤم فيها والمصر كل موضع له مفت وأمير وقاض ينفذ الأحكام ويقيم الحدود وبلغت أبنيته ابنية منى فى ظاهر الرواية واذا كان القاضى أو الأمير مفتيا أغنى

عن التعداد وجازت الجمعة بمنى فى الموسم للخليفة أو أمير الحجاز،

ترجمہ

ہراس شخص پر جمعہ کی نماز فرض عین ہے جس میں سات شرائط پائی جائیں۔(۱) مرد ہونا (۲) آزاد ہونا (۳) شہر میں یا جو جگہ شہر کی حد میں داخل ہے اس میں مقیم ہونا یہ اصح قول ہے (۴) صحت مند ہونا (۵) ظالم سے پرامن ہونا (۶) آنکھوں کا سلامت ہونا (۷) پاؤں کا سلامت ہونا۔

جمعہ کی نماز کے صحیح ہونے کے لیے چھ چیزیں شرط ہیں (۱) شہر یا اس کا مضافات (۲) بادشاہ یا اس کا نائب (۳) ظہر کا وقت اس سے پہلے صحیح نہ ہوگا اور اس وقت کے نکلنے سے نماز جمعہ باطل ہو جائے گی (۴) جمعہ کی نماز سے پہلے ارادتاً وقت میں خطبہ پڑھنا اور ان لوگوں میں سے جن کے ساتھ جمعہ منعقد ہو جاتا ہے کسی کا سننے کے لیے حاضر ہونا اگر چہ ایک ہی ہو یہ صحیح قول ہے (۵) عام اجازت (۶) جماعت اور یہ امام کے علاوہ تین افراد ہیں (کم از کم) اگر چہ غلام یا مسافر یا بیمار ہوں۔

شرط یہ ہے کہ سجدہ کرنے تک امام کے ساتھ رہیں اگر سجدہ کرنے کے بعد چلے جائیں تو وہ تنہا جمعہ کی نماز پوری کرے اور اگر سجدہ سے پہلے چلے گئے تو جمعہ باطل ہو جائے گا۔ دو مرد اور ایک عورت یا ایک بچہ ہوں تو جمعہ صحیح نہیں ہوگا غلام اور بیمار کے لیے جائز ہے کہ جمعہ کی امامت کرائیں۔ ہر وہ جگہ جہاں مفتی، امیر اور قاضی ہو جو احکام نافذ کرتا ہے اور حدود قائم کرتا ہو اور اس کے مکانات منیٰ جتنے ہوں وہ شہر ہے یہ ظاہر روایت میں ہے اگر قاضی یا امیر خود مفتی ہوں تو تعداد پوری کرنے کی ضرورت نہیں۔ خلیفہ یا امیر حجاز کے لیے حج کے دنوں میں منیٰ میں جمعہ پڑھانا جائز ہے۔

جامع شہر کی تعریف

امام عبدالرزاق علیہ الرحمہ اپنی سند کے ساتھ اپنی مصنف میں لکھتے ہیں کہ ہمیں ابن جریج نے حضرت عطاء بن ابی رباح سے بیان کیا کہ جب تم کسی جامع قریہ میں ہوں تو وہاں جمعہ کے لئے اذان ہو تو تم پر جمعہ کے لئے جانا فرض ہے خواہ اذان سنی ہو یا نہ، کہتے ہیں میں نے عطا سے پوچھا کہ جامع قریہ کون سا ہوتا ہے؟ انہوں نے فرمایا جس میں جماعت، امیر، قاضی اور متعدد کوچے اس میں ملے چلے ہوں جس طرح جدّہ ہے۔

(المصنف لعبدالرزاق باب القرى الصغار مطبوعه المكتب الاسلامي بيروت)

علامہ ابراہیم حلبی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

شہر کی وہ صحیح تعریف جسے صاحب ہدایہ نے پسند کیا ہے یہ ہے کہ وہاں امیر اور قاضی ہو جو احکام نافذ اور حدود قائم کر سکیں، اور صاحب وقایہ کے پہلی تعریف کو اختیار کرنے پر ان کی طرف سے صدر الشریعۃ کا یہ عذر کرنا کہ احکام شرع خصوصاً حدود کے نفاذ میں سستی کا ظہور ہو رہا ہے کمزور ہے کیونکہ مراد اقامت حدود پر قادر ہونا ہے جیسے کہ تحفۃ الفقہاء میں امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے تصریح ہے کہ وہ شہر کبیر ہو اس میں شاہراہیں، بازار اور وہاں سرائے ہوں اور اس میں کوئی نہ کوئی ایسا والی ہو جو ظالم سے مظلوم کو

انصاف دلانے پر قادر ہو خواہ اپنے دبدبہ اور علم کی بنا پر یا غیر کے علم کی وجہ سے تاکہ حوادثات میں اس کی طرف رجوع کر سکیں اور یہی اصح ہے۔ (شرح منیہ ج،ص۵۵۰، سہیل اکیڈمی لاہور)

جہاں جواز جمعہ میں شک تو کیا کرنا چاہیے

علامہ ابراہیم حلبی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ اس اختلاف اور تعریف شہر میں اختلاف کی وجہ سے فقہاء نے فرمایا ہے کہ جس جگہ جواز جمعہ میں شک ہو وہاں ظہر کی نیت سے چار رکعات ادا کرنی چاہئیں، تو احتیاط ہی بہتر ہے کیونکہ یہاں بڑا سخت اختلاف ہے اور جمعہ کا ضرورت کے پیش نظر متعدد جگہ پر جواز کے فتوی کا صحیح ہونا شرعاً تقوی کے طور پر احتیاط کے منافی نہیں۔

(شرح منیہ ج،ص۵۵۰، سہیل اکیڈمی لاہور)

فنائے شہر کی تعریف

جو جگہ خود شہر نہ ہو اُس میں صحت جمعہ کیلئے فنائے مصر ہونا ضرور ہے فنائے مصر حوالی شہر کے اُن مقامات کو کہتے ہیں جو مصالح شہر کے لئے رکھے گئے ہوں مثلاً وہاں شہر کی عیدگاہ یا شہر کے مقابر ہوں یا حفاظت شہر کے لئے جو فوج رکھی جاتی ہے اُس کی چھاونی یا شہر کی گھوڑ دوڑ یا چاند ماری کا میدان یا کچہریاں، اگر چہ مواضع شہر سے کتنے ہی میل ہوں اگر چہ بیچ میں کچھ کھیت حائل ہوں، اور جو نہ شہر ہے نہ فنائے شہر اس میں جمعہ پڑھنا حرام ہے اور نہ صرف حرام بلکہ باطل کہ فرضِ ظہر ذمہ سے ساقط نہ ہوگا۔

علامہ علاؤالدین حصکفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

صحت جمعہ کے لئے شہر یا فنائے شہر کا ہونا ضروری ہے، اور فنا سے مراد وہ جگہ ہے جو شہر کے پاس شہریوں کی ضرورت کے لئے ہو: خواہ متصل ہو یا نہ ہو، جیسا کہ ابن الکمال وغیرہ نے تحریر کیا ہے، مثلاً قبرستان، گھوڑ دوڑ کا میدان ہو۔

(درمختار، باب الجمعہ، مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی)

خطبہ اور نماز جمعہ کی سنن کا بیان

الخطبة وسننها وصح الاقتصار فى الخطبة على نحو تسبيحة أو تحميدة مع الكراهة وسنن الخطبة ثمانية عشر شيئا الطهارة وستر العورة والجلوس على المنبر قبل الشروع فى الخطبة والأذان بين يديه كالإقامة ثم قيامه والسيف بيساره متكئا عليه فى كل بلدة فتحت عنوة وبدونه فى بلدة فتحت صلحا واستقبال القوم بوجهه وبداء ته بحمد الله والثناء عليه بما هو أهله والشهادتان والصلاة على سيدنا النبى صلى الله عليه سلم والعظة والتذكير وقراءة آية من القرآن وخطبتان والجلوس بين الخطبتين وإعادة الحمد والثناء والصلاة على سيدنا النبى صلى الله عليه وسلم فى ابتداء الخطبة الثانية والدعاء فيها

للمؤمنين بالاستغفار لهم وأن يسمع القوم الخطبة و تخفيف الخطبتين بقدر سورة من طوال المفصل ويكره التطويل وترك شيء من السنن متفرقات ويجب السعي للجمعة وترك البيع بالأذان الأول في الأصح واذا خرج الإمام فلا صلاة ولا كلام حتى يفرغ من صلاته وكره لحاضر الخطبة الأكل والشرب والعبث والالتفات ولا يرد سلاما ولا يشمت عاطسا ولا يسلم الخطيب على القوم إذا استوى على المنبر وكره الخروج من المصر بعد النداء ما لم يصل ومن لا جمعة عليه إن أداها جاز عن فرض الوقت ومن لا عذر له لو صلى الظهر قبلها حرم فإن سعى إليها والإمام فيها بطل ظهره وإن لم يدركها وكره للمعذور والمسجون أداء الظهر بجماعة في المصر يومها ومن أدركها في التشهد أو سجود السهو أتم جمعة

ترجمہ

جمعہ کے خطبہ میں صرف سبحان اللہ یا الحمد للہ پر اکتفاء کرنا جائز ہے لیکن مکروہ ہے۔اٹھارہ چیزیں خطبہ کی سنتیں ہیں۔(۱)طہارت(۲)شرمگاہ کا ستر(۳)خطبہ شروع کرنے سے پہلے منبر پر بیٹھنا(۴)اقامت کی طرح اذان کا امام کے سامنے ہونا(۵)پھر کھڑا ہونا(۶)تلوار بائیں ہاتھ میں ہو اور اس نے اس کا سہارا لے رکھا ہو لیکن یہ اس شہر میں ہوگا جو غلبے کے ساتھ فتح کیا گیا اور جو علاقہ صلح کے ساتھ فتح ہوا وہاں تلوار کے بغیر ہو(۷)امام کا چہرہ لوگوں کی طرف ہو(۸)خطبہ الحمد للہ کے ساتھ شروع کرنا (۹)اللہ تعالیٰ کی تعریف کرنا جیسے اس کی شایان شان ہے(۱۰)کلمہ شہادت کہنا(۱۱)نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ عالیہ میں درود شریف پیش کرنا،وعظ ونصیحت کرنا اور قرآن پاک کی کوئی آیت پڑھنا(۱۲)خطبے دو ہوں(۱۳)دونوں خطبوں کے درمیان بیٹھنا (۱۴)الحمد للہ کا اعادہ کرنا(۱۵)دوسرے خطبہ کے شروع میں ثناء اور درود شریف پڑھنا(۱۶)اس میں تمام مومن مردوں اور عورتوں کے لیے بخشش کی دعا کرنا(۱۷)قوم کو خطبہ سنائی دے(۱۸)طوال مفصل کی کسی صورت کے مطابق مختصر خطبہ پڑھنا۔

خطبہ لمبا کرنا اور کسی سنت کو چھوڑ نا مکروہ ہے۔جمعہ کے لیے پہلی اذان ہوتے ہی سعی کرنا اور خرید وفروخت چھوڑ دینا واجب ہے یہ اصح قول ہے جب امام نکل آئے تو نماز پڑھی جائے نہ گفتگو کی جائے نہ سلام کا جواب دیا جائے اور نہ چھینکنے والے کو یرحمک اللہ کے ساتھ جواب دیا جائے یہاں تک کہ نماز سے فارغ ہو جائے خطبہ میں موجود لوگوں کے لیے کھانا پینا کھیلنا اور ادھر ادھر دیکھنا مکروہ ہے خطیب جب منبر پر بیٹھ جائے تو لوگوں کو سلام نہ کہے۔

جمعہ کی اذان کے بعد جب تک نماز نہ پڑھ لے شہر سے باہر جانا مکروہ ہے جس آدمی پر جمعہ فرض نہیں اگر وہ پڑھ لے تو وقتی نماز کی طرف سے ادا ہو جائے گا جو شخص بغیر عذر کے جمعہ سے پہلے ظہر کی نماز پڑھے وہ حرام کام کا مرتکب ہوا پھر اگر جمعہ کے لیے جائے اور امام جمعہ پڑھا رہا ہو تو ظہر کی نماز باطل ہو جائے گی اگر چہ وہ (جمعہ کو) نہ پائے معذور اور قیدی کے لیے جمعہ کے دن شہر میں ظہر کی

نماز باجماعت ادا کرنا مکروہ ہے جو شخص امام کو تشہد یا سجدہ سہو میں پائے وہ جمعہ کی نماز مکمل کرے اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

امام کے خطبہ کو توجہ سے سننے کا بیان

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو آدمی جمعے کے دن اس حالت میں جب کہ امام خطبہ پڑھ رہا ہو بات چیت میں مشغول ہو تو وہ اس گدھے کی مانند ہے کہ جس پر کتابیں لا دی گئیں ہوں اور جو آدمی اس (بات چیت میں مشغول رہنے والے) سے کہے چپ رہو تو اس کے لیے جمعے کا ثواب نہیں ہے۔ (مسند احمد بن حنبل)

گدھے کی مثل کا مطلب یہ ہے کہ ایسا آدمی اس گدھے کی طرح ہے جس کی پشت پر کتابیں لا دی جائیں یہ دراصل عالم کے علم پر عمل نہ کرنے سے کنایہ ہے نیز اس بات سے کنایہ ہے کہ اس آدمی نے انتہائی محنت و مشقت برداشت کر کے علم حاصل کیا مگر اس علم سے فائدہ نہیں اٹھایا۔

جو آدمی مشغول گفتگو کو خاموش ہونے کے لیے کہے اس کو بھی جمعے کا ثواب اس لیے نہیں ملتا کہ اس سے ایسا لغو اور بے فائدہ کلام صادر ہوا جس کی ممانعت ثابت ہو چکی ہے۔

خطبہ جمعہ کھڑے ہو کر دینے کا بیان

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (ایک مرتبہ) جمعے کے روز (خطبے کے لئے) منبر پر کھڑے ہوئے اور صحابہ سے فرمایا کہ (خطبہ سننے کے لئے بیٹھ جاؤ۔ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے جب یہ ارشاد سنا تو وہ مسجد کے دروازے ہی پر بیٹھ گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دیکھا تو فرمایا کہ عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ یہاں آجاؤ۔

(سنن ابوداؤد، مشکوٰۃ شریف: جلد اول: رقم الحدیث، 1389)

علامہ طیبی رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ منبر پر خطبہ کے لئے کھڑے ہونے کی صورت میں کلام کرنا جائز ہے مگر حنفیہ کے نزدیک خطیب کے لئے خطبے کی حالت میں کلام کرنا جائز نہیں ہے بشرطیکہ وہ کلام امر بالمعروف کے طور پر نہ ہو (مگر خطیب کو چاہیے کہ امر بالمعروف کے سلسلہ میں اگر کسی سے کچھ کہے تو عربی زبان میں کہے اگر کسی اور زبان میں کہے گا تو مکروہ ہوگا) حضرت علامہ ابن حجر رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بظاہر یہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب خطبے کے لئے منبر پر کھڑے ہوتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حاضرین میں سے کسی کو اس وقت نماز پڑھنے کے لئے کھڑا ہوتے دیکھ لیا چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو بیٹھنے کا حکم فرمایا کیونکہ خطبے کے لئے منبر پر خطیب کے بیٹھنے کے وقت، نماز پڑھنی حرام ہے جیسا کہ تمام علما کا متفقہ مسلک ہے۔

دوران خطبہ کلام کی کراہت و ممانعت میں فقہی مذاہب

حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر امام خطبہ دے رہا ہو تو اس دوران اگر کسی نے کہا کہ چپ رہو تو اس نے لغو بات کی اس باب میں ابن ابی اوفی اور جابر بن عبداللہ سے بھی روایت ہے امام ابوعیسیٰ ترمذی

فرماتے ہیں حدیث ابوہریرہ حسن صحیح ہے اور اسی پر اہل علم کا عمل ہے کہ امام کے خطبہ کے دوران بات کرنا مکروہ ہے اگر کوئی دوسرا بات کرے تو اسے بھی اشارے سے منع کرے لیکن سلام کا جواب دینے اور چھینک کا جواب دینے کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے بعض اہل علم دونوں کی اجازت دیتے ہیں جن میں امام احمد اور اسحاق بھی شامل ہیں جبکہ بعض علماء تابعین وغیرہ اسے مکروہ سمجھتے ہیں امام شافعی کا بھی یہی قول ہے۔ (جامع ترمذی ، جلد اول ، رقم الحدیث، 498)

دونوں خطبوں کے درمیان بیٹھنے کا بیان

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دو خطبے اس طرح پڑھا کرتے تھے (کہ) جب آپ منبر پر چڑھتے تو (پہلے) بیٹھتے یہاں تک کہ فارغ ہوتا، راوی فرماتے ہیں کہ میرا گمان یہ ہے کہ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا تھا کہ "یہاں تک کہ مؤذن فارغ ہوتا پھر آپ اٹھتے اور (پہلا خطبہ ارشاد فرماتے، پھر تھوڑی سی دیر) بیٹھتے (لیکن اس بیٹھنے کے درمیان) کوئی کلام نہ کرتے، پھر کھڑے ہوتے اور (دوسرا) خطبہ ارشاد فرماتے۔

(سنن ابوداؤد، مشکوۃ شریف: جلد اول: رقم الحدیث، 1384)

حدیث کے الفاظ اذا اصعد المنبر کے پیش نظر علماء نے کہا ہے کہ منبر پر کھڑے ہو کر خطبہ پڑھنا مستحب ہے۔ دونوں خطبوں کے درمیان بیٹھنے کی مقدار کے بارہ میں علامہ ابن حجر رحمہ اللہ علیہ کا ارشاد ہے کہ اولی یہ ہے کہ سورت اخلاص پڑھنے کے بقدر بیٹھنا چاہیے "کوئی کلام نہ کرتے" کا مطلب یہ ہے کہ دونوں خطبوں کے درمیان بیٹھنے کے عرصے میں نہ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم دعا کرتے تھے اور نہ کچھ پڑھتے تھے۔

مسئلہ یہ ہے کہ دوسرے خطبہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آل و اصحاب و ازواج مطہرات خصوصا خلفاء راشدین اور حضرت حمزہ و عباس رضی اللہ عنہما کے لئے دعا کرنا مستحب ہے، بادشاہ وقت کے لئے بھی دعا کرنا جائز ہے۔ لیکن "شرح منیہ" میں لکھا ہے کہ بادشاہوں کی ایسی تعریف کرنا جو غلط ہو اور ان کے ایسے اوصاف بیان کرنا جن سے وہ متصف نہ ہوں اشد مکروہ (یعنی مکروہ تحریمی) ہے کیونکہ اس طرح عبادت کے ساتھ گناہ یعنی جھوٹ کو ملانا لازم آتا ہے۔ اس مسئلہ کی شدت اس سے بخوبی واضح ہوتی ہے کہ ہمارے بعض ائمہ نے تو یہاں تک کہا ہے کہ ہمارے زمانے کے بادشاہوں کو عادل کہنا حدود کفر کے قریب ہو جاتا ہے۔ حدیث میں جو یہ بیان کیا گیا ہے کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دونوں خطبوں کے درمیان کلام نہیں کرتے تھے" تو اس کے بارے میں حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے تو وہی تشریح کی ہے جو اوپر بیان کی گئی ہے۔

باب صلاة العيدين

﴿یہ باب عیدین کی نماز کے بیان میں ہے﴾

عید کے معنی ومفہوم کا فقہی بیان

عربی زبان میں لفظ عید "عود" سے ماخوذ ہے۔ جس کا معنی لوٹنا ہے۔ اسکی وضعی حقیقت کو بیان کرتے ہوئے لغویوں میں سے عصر آئمہ کا ادراک کرنے والے خلیل بن احمد فراہیدی (۱۷۰ھ "(کتاب العین "۲/۲۱۷ پر یوں بیان کرتے ہیں، عود بار بار لوٹنے کو کہا جاتا ہے اور "عودة" ایک دفعہ لوٹنا ہے جیسا کہ ملک الموت اہل میت کو کہتا ہے، میں بار بار تمہارے ہاں آؤں گا یہاں تک کہ تم میں سے کوئی بھی نہیں بچے گا۔

لفظ عید کی وضاحت کرتے ہوئے خلیل بن احمد فراہیدی (۱۷۰ھ) کتاب العین ۲/۲۱۷ پر یوں بیان کرتے ہیں"، کل یوم مجمع" جس دن لوگ اکٹھے ہوں اس دن کو عید کہتے ہیں۔ عید اصل میں واو کیساتھ تھا اسکی واو کو یا میں تبدیل کیا اور پھر جمع اور تصغیر میں اسی طرح رہنے دیا لہٰذا اسکی جمع "اعیاد" اور اسکی تصغیر "عیید" آتی ہے اور یہ لفظ مذکر اور مونث دونوں طرح سے استعمال ہوتا ہے۔

نماز عید کے ثبوت کی دلیل شرعی کا بیان

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (جب) عید الفطر اور عید الاضحیٰ کی نماز کے لئے تشریف لاتے تو وہاں سب سے پہلا یہ کام فرماتے کہ خطبے سے پہلے نماز ادا فرماتے، پھر نماز سے فارغ ہوتے اور لوگوں کے سامنے کھڑے ہوتے اور لوگ اپنی صفوں پر بیٹھے رہتے چنانچہ آپ ان کو وعظ و نصیحت فرماتے، وصیت کرتے اور احکام صادر فرماتے، اگر (جہاد کے لئے) کہیں کوئی لشکر بھیجنا ہوتا تو اس کی روانگی کا حکم فرماتے اس طرح اگر (لوگوں کے معاملات و مقدمات کے بارے میں کوئی حکم دینا ہوتا تو حکم صادر فرماتے پھر (گھر) واپس تشریف لے آتے۔

(صحیح بخاری وصحیح مسلم، مشکوۃ شریف: جلد اول: رقم الحدیث، 1399)

نماز عید کے حکم و شرائط کا بیان

حكمها وشروطها صلاة العيدين واجبة في الأصح على من تجب عليه الجمعة بشرائطها سوى الخطبة فتصح بدونها مع الإساءة كما لو قدمت الخطبة على صلاة العيدين ماندب في عيد الفطر وندب في الفطر ثلاثة عشر شيئا أن يأكل وأن يكون المأكول تمرا

ووترا ويغتسل ويستاك ويتطيب ويلبس أحسن ثيابه ويودى صدقة الفطر إن وجبت عليه ويظهر الفرح والبشاشة وكثرة الصدقة حسب طاقته والتبكير وهو سرعة الانتباه والابتكار وهو المسارعة الى المصلى وصلاة الصبح فى مسجد حيه ثم يتوجه الى المصلى ماشيا مكبرا سرا ويقطعه إذا انتهى الى المصلى فى رواية وفى رواية أخرى اذا افتتح الصلاة ويرجع من طريق آخر ويكره التنفل قبل صلاة العيد فى المصلى والبيت وبعدها فى المصلى فقط على اختيار الجمهور وقت صلاة العيد وقت صحة صلاة العيد من ارتفاع الشمس قدر رمح أو رمحين الى زوالها

ترجمہ

عیدین کی نماز ان لوگوں پر واجب ہے جن پر نماز جمعہ واجب ہے اصح قول کے مطابق خطبہ کے علاوہ تمام شرائط وہی ہیں جو جمعہ کے لیے ہیں۔ عید کی نماز خطبہ کے بغیر بھی صحیح ہو جاتی ہے لیکن گناہ ہوگا جیسے اس کو نماز سے پہلے پڑھنا گناہ ہے۔

عید الفطر میں تیرہ باتیں مستحب ہیں۔ کچھ کھانا اور یہ طاق عدد کھجوریں ہوں۔ غسل کرنا۔ مسواک کرنا۔ خوشبو لگانا۔ عمدہ کپڑے پہننا۔ اگر صدقہ فطر واجب ہو تو ادا کرنا۔ خوشی اور سرور کا اظہار کرنا۔ طاقت کے مطابق کثرت سے صدقہ دینا۔ صبح صبح جاگنا۔ عید گاہ کی طرف جلدی جانا۔ صبح کی نماز محلے کی مسجد میں پڑھنا پھر آہستہ آہستہ تکبیر کہتے ہوئے پیدل چل کر عید گاہ کی طرف جانا۔ ایک روایت کے مطابق عید گاہ میں پہنچے تو تکبیر ختم کر دے اور دوسری رویت کے مطابق جب نماز شروع کرے تو بند کر دے۔ دوسرے راستے سے واپس لوٹنا۔ عید کے دن نماز عید سے پہلے عید گاہ اور گھر دونوں میں اور نماز کے بعد عید گاہ میں نوافل پڑھنا مکروہ ہے۔ جمہور کے نزدیک مختار بات یہی ہے عید کی نماز صحیح ہونے کا وقت ایک یا دو نیزے سورج بلند ہونے سے لے کر زوال تک ہے۔

عید الفطر کی نماز سے پہلے کھانا کھانے کا بیان

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عید فطر کے دن بغیر کچھ کھائے پیے عید گاہ تشریف نہیں لے جاتے تھے۔ اور بقرعید کے دن بغیر نماز پڑھے کچھ نہیں کھاتے پیتے تھے۔

(جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ، دارمی، مشکوۃ شریف، جلد اول، رقم الحدیث، 1413)

عید الاضحیٰ کی نماز کے بعد کھانا کھانے کا بیان

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عید فطر کے دن بغیر کچھ کھائے پیے عید گاہ تشریف نہیں لے جاتے تھے۔ اور بقرعید کے دن بغیر نماز پڑھے کچھ نہیں کھاتے پیتے تھے۔

(جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ، دارمی، مشکوۃ شریف، جلد اول، رقم الحدیث، 1413)

بقرعید کے روز آپ غرباء ومساکین کا ساتھ دینے اور ان کی دلجوئی کی خاطر بقرعید کی نماز کے بعد ہی کچھ تناول فرماتے تھے۔

کیونکہ غرباء ومساکین کو تو کچھ کھانا پینا اسی وقت نصیب ہوتا تھا جب قربانی ہو جاتی اور اس کا گوشت ان لوگوں میں تقسیم ہو جاتا اس لیے آپ ان کی وجہ سے خود بھی کھانے پینے میں تاخیر فرماتے تھے۔

عیدین کی سنتیں اور احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

1 آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر عید کے دن اپنی حبری چادر (یمن میں بنی ہوئی ایک عمدہ چادر) پہنا کرتے تھے (شافعی)۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما عید الفطر کے دن عید گاہ جانے سے پہلے غسل کیا کرتے تھے (موطا) عیدین کے دن غسل کرنا، خوبصورت (نئے یا دھلے ہوئے) کپڑے پہننا اور خوشبو لگانا چاہیے)

2 عید الفطر کے دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت تک نماز کے لئے نہیں نکلا کرتے تھے جب تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم چند کھجوریں نہ کھا لیتے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم طاق تعداد 1)، 3، 5، 7) میں کھجور کھایا کرتے تھے۔ (بخاری)

اگر عید الفطر والے دن کھجوریں میسر نہ ہوں تو کوئی بھی میٹھی چیز عید گاہ جانے سے پہلے کھا لینی چاہیے لیکن عید الاضحیٰ میں نمازِ عید ادا کرنے کے بعد کھانا کھانا مسنون ہے بہتر ہے کہ قربانی کا گوشت کھایا جائے۔ (مسند احمد)

3 عید الاضحیٰ کے دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت تک کچھ نہ کھاتے جب تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم واپس نہ آجاتے۔ (ترمذی

4 عید الاضحیٰ والے دن نمازِ عید سے واپس آکر قربانی کے گوشت میں سے ہی کھایا کرتے تھے۔ (احمد)

5 آپ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ سے باہر نکل کر عید گاہ میں نمازِ عید ادا کیا کرتے تھے البتہ اگر بارش ہوتی تو مسجد میں نماز پڑھ لیتے تھے۔ (ابوداود)

6 نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عید گاہ کی طرف پیدل جایا کرتے تھے (ابن ماجہ۔ عن ابن عمر رضی اللہ عنہما)

عید گاہ اگر گھر کے قریب ہو تو عید گاہ کی طرف پیدل جانا مسنون ہے اگر عید گاہ گھر سے کافی دور ہو تو سواری پر بھی جایا جا سکتا ہے

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما عید کے دن صبح سورج نکلتے ہی عید گاہ تشریف لے جاتے اور عید گاہ تک باآواز بلند تکبیریں پڑھتے ہوئے جاتے تھے۔

اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ وَ لِلّٰهِ الْحَمْدُ

اور پھر عید گاہ میں بھی تکبیریں کہتے رہتے۔ جب امام خطبہ شروع کر دیتا تو تکبیریں پڑھنا چھوڑ دیتے۔ (شافعی رحمہ اللہ) ذوالحجہ کے پہلے 10 دن پورے سال میں نہایت اہم ہیں اس لئے ان 10 دنوں میں اور ایام تشریق 11)، 12 اور 13 ذوالحجہ) میں ذکر اللہ بہت زیادہ کرنا چاہیے۔ (مفہوم حدیث بخاری کتاب العیدین۔ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما(

7 نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم دیا کہ عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے دن، ہم چھوٹی بچیوں، جوان (پردہ والی) اور حائضہ عورتوں کو بھی (عید گاہ) لے جائیں۔ البتہ حائضہ عورتیں نماز سے الگ رہیں اور مسلمانوں کی (صرف) دعا میں شریک ہوں میں نے کہا، اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم بعض عورتیں ایسی بھی ہیں جن کے پاس چادر نہیں ہوتی۔ فرمایا جس عورت کے پاس چادر

نہ ہو اس کی بہن کو چاہئے کہ اسے اپنی چادر پہنا کر ساتھ لے لے۔ (بخاری۔ عن ام عطیہ رضی اللہ عنہا)

8 نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے دن عید کی نماز کے لئے کوئی اذان نہیں کہی جاتی تھی اور نہ ہی عیدین (کے میدان) میں منبر ہوتا تھا امام کھڑا رہتا تھا۔ (بخاری)

9 نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عید کی نماز کے لئے عید گاہ تشریف لے گئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے 2 رکعت نماز (نمازِ عید) پڑھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ نمازِ عید سے پہلے کوئی نماز پڑھی اور نہ ہی بعد میں (بخاری)۔

(نوٹ، جب کسی کی نمازِ عید جماعت سے رہ جائے تو وہ 2 رکعت (نمازِ ظہر سے پہلے) نمازِ عید ادا کر لے (بخاری)۔ اسی طرح اگر کسی کی ایک رکعت نکل جائے تو امام کے سلام پھیرنے کے بعد ادا کر لے۔ اگر کسی کی نماز فجر وقت پر ادا نہیں ہو سکی ہو تو گھر پر یہ نماز فجر پڑھ کر جائے)

10 جب آپ علیہ السلام عید کے بعد اپنے ساتھیوں سے ملتے تو یہ کلمات کہتے تَقَبَّلَ اللّٰهُ مِنِّي وَ مِنْكَ (اللہ مجھ سے اور آپ سے قبول فرمائے۔

عید کے دن مندرجہ ذیل کام کرنے مسنون ہیں

غسل کرنا مردوں کو خوشبو استعمال کرنا۔ صدقہ فطر عید گاہ جانے سے پہلے ادا کرنا (یا نماز عید سے پہلے تو ضرور ادا کر دے۔ عید الفطر کے لئے جانے سے پہلے کھجوریں طاق عدد میں کھانا اور پانی پیکر عید گاہ جانا۔ عید الاضحیٰ (بقر عید) کے دن عید گاہ جانے سے پہلے کچھ نہ کھانا۔ (مفہوم احادیث بخاری، مسلم)

كيفية صلاة العيد

نمازعید کے طریقے کا بیان

وكيفية صلاتها أن ينوى صلاة العيد ثم يكبر للتحريمة ثم يقرأ الثناء ثم يكبر تكبيرات الزوائد ثلاثا يرفع يديه فى كل منها ثم يتعوذ ثم يسمى سرا ثم يقرأ الفاتحة ثم سورة وندب أن تكون سبح اسم ربك الأعلى ثم يركع فإذا قام للثانية ابتدأ بالبسملة ثم بالفاتحة ثم بالسورة وندب أن تكون سورة الغاشية ثم يكبر تكبيرات الزوائد ثلاثا ويرفع يديه فيها كما فى الأولى وهذا أولى من تقديم تكبيرات الزوائد فى الركعة الثانية على القراء ة فإن قدم التكبيرات على القراء ة فيها جاز ثم يخطب الإمام بعد الصلاة خطبتين يعلم فيهما أحكام صدقة الفطر ومن فاتته الصلاة مع الإمام لا يقضيها وتؤخر بعذر الى الغد فقط احكام الأضحى وأحكام الأضحى كالفطر لكنه فى الأضحى يؤخر الأكل عن الصلاة ويكبر فى الطريق جهرا ويعلم الاضحية وتكبير التشريق فى الخطبة وتؤخر بعذر الى ثلاثة أيام والتعريف ليس بشيء حكم تكبير التشريق ومدته ومن تجب عليه ويجب تكبير التشريق من بعد فجر عرفة الى عصر العيد مرة فور كل فرض أدى بجماعة متسحبة على أمام مقيم بمصر وعلى من اقتدى به ولو كان مسافرا أو رقيقا أو أنثى عند الإمام أبى حنيفة رحمه الله وقالا تجب فور كل فرض على من صلاه ولو منفردا أو مسافرا أو قرويا الى عصر الخامس من يوم عرفة وبه يعمل وعليه الفتوىٰ ولا بأس بالتكبير عقب صلاة العيدين، والتكبير أن يقول الله أكبر الله أكبر لا إله إلا الله والله أكبر الله أكبر ولله الحمد،

ترجمہ

عیدین کی نماز کا طریقہ یہ ہے کہ نماز عید کی نیت کرے پھر تکبیر تحریمہ کہے اس کے بعد ثناء پڑھے اور تین زائد تکبیریں کہے ان میں سے ہر ایک کے لیے ہاتھ اٹھائے پھر اعوذ باللہ اور بسم اللہ آہستہ پڑھے۔اس کے بعد سورۂ فاتحہ اور کوئی سورۃ پڑھے مستحب یہ ہے کہ وہ سبح اسم ربك الاعلىٰ ہو پھر رکوع کرے۔جب دوسری رکعت کے لئے کھڑا ہو تو پہلے بسم اللہ پڑھے پھر سورۂ فاتحہ اور

کوئی دوسری سورت پڑھے مستحب یہ ہے کہ وہ سورت غاشیہ ہو۔اس کے بعد تین زائد تکبیریں کہے پہلی رکعت کی طرح یہاں بھی ہاتھ اٹھائے دوسری رکعت میں تکبیروں کوقراءت میں مقدم کرنے سے یہ بہتر ہے تاہم اگر مقدم کرلیا تو بھی جائز ہے۔نماز کے بعد امام دوخطبے دے اوران میں صدقہ فطر کی تعلیم دے اور جو شخص امام کے ساتھ عید کی نماز نہ پڑھ سکے وہ قضا نہ کرے عذر کی وجہ سے یہ نماز صرف دوسرے دن تک موخر کی جاسکتی ہے۔

عیدالاضحیٰ کے احکام عیدالفطر کی طرح ہیں البتہ اس میں نماز پڑھنے تک کھانے میں تاخیر کرے۔راستے میں بلند آواز سے تکبیر کہے (امام) خطبہ میں قربانی اور تشریق کی تکبیر سکھائے۔عیدالاضحیٰ کی نماز عذر کی وجہ سے تین دن تک موخر کی جاسکتی ہے،عرفات میں وقوف کرنے والوں سے تشبیہ اختیار کرنے کی کوئی شرعی حیثیت نہیں ہے نویں ذوالحجہ کی فجر سے عید کی عصر تک ہر فرض نماز جو مستحب جماعت کے ساتھ ادا کی گئی کے فوراًبعد ایک بار تکبیر تشریق کہنا شہر میں مقیم امام اور مقتدیوں پر واجب ہے چاہے مقتدی مسافر،غلام یا عورت ہی کیوں نہ ہو یہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک ہے۔صاحبین فرماتے ہیں تمام فرض نمازوں کے بعد ہر نمازی پر واجب ہے چاہے وہ اکیلا ہو مسافر ہو یا دیہاتی ہو نویں ذوالحجہ کے پانچویں دن (یعنی تیرویں ذوالحجہ) کی عصر تک کہے اسی پر عمل ہے اور اسی پر فتویٰ ہے عیدین کی نمازوں کے بعد تکبیر کہنے میں بھی کوئی حرج نہیں۔

تکبیر یہ ہے اللہ اکبر اللہ اکبر لاالٰہ الا اللہ واللہ اکبر اللہ اکبر اللہ اکبر وللہ الحمد ۔

عید سے پہلے اور بعد میں عیدگاہ نفل نہ پڑھنے کا بیان

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عیدالفطر کے دن دو رکعتیں پڑھیں نہ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پہلے نماز پڑھی اور نہ بعد میں۔(بخاری ومسلم،مشکوۃ شریف، جلد اول، رقم الحدیث،1403)

علامہ ابن ہمام رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ نفی عیدگاہ سے متعلق ہے کیونکہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی یہ روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز عید سے پہلے (نفل) نماز نہیں پڑھتے تھے ہاں جب (عیدگاہ) سے اپنے گھر تشریف لے جاتے تو دو رکعتیں پڑھتے۔چنانچہ درمختار میں لکھا ہے کہ نماز عید سے پہلے نفل نماز پڑھنی مطلقاً مکروہ ہے یعنی عیدگاہ میں بھی مکروہ ہے اور گھر میں بھی۔البتہ نماز عید کے بعد عیدگاہ میں نفل نماز پڑھنی مکروہ ہے مگر گھر میں جائز ہے۔حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم عیدالفطر کے دن گھر سے نکلے اور دو رکعتیں پڑھیں نہ اس سے پہلے کوئی نماز پڑھی اور نہ اس کے بعد اس باب میں عبداللہ بن عمر اور ابوسعید سے بھی روایت ہے امام ابوعیسیٰ ترمذی کہتے ہیں ابن عباس کی حدیث حسن صحیح ہے۔

اور اسی پر بعض علماء صحابہ وغیرہ کا عمل ہے امام شافعی اور اسحاق کا بھی یہی قول ہے جبکہ صحابہ میں سے اہل علم کی ایک جماعت عید سے پہلے اور بعد میں نماز پڑھنے کی قائل ہے لیکن پہلا قول اصح ہے۔(جامع ترمذی، جلد اول، رقم الحدیث،525)

عیدین کی تکبیرات کی تعداد کا بیان

حضرت سعید ابن عاص فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوموسیٰ وحضرت حذیفہ رضی اللہ عنہما سے سوال کیا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم عید وبقرعید کی نماز میں کتنی تکبیریں کہتے تھے؟ تو حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ،جس طرح آپ صلی اللہ

علیہ وسلم جنازہ میں چار تکبیریں کہتے تھے اسی طرح عیدین کی نماز میں بھی چار تکبیریں کہا کرتے تھے، حضرت حذیفہ نے (یہ سن کر) فرمایا کہ ابوموسیٰ نے سچ کہا۔ (ابوداؤد، مشکوٰۃ شریف، جلد اول، رقم الحدیث، 1416)

حضرت ابوموسیٰ کے جواب کی تفصیل یہ ہے کہ جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز جنازہ میں چار تکبیریں کہا کرتے تھے اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم عیدین کی نماز میں بھی ہر رکعت میں چار تکبیریں کہا کرتے تھے اس طرح کہ پہلی رکعت میں تو قرات سے پہلے تکبیر تحریمہ سمیت چار تکبیریں کہتے تھے اور دوسری رکعت میں قرات کے بعد رکوع کی تکبیر سمیت چار تکبیریں کہتے تھے۔

اس سلسلہ میں یہ بات جان لینی چاہیے کہ تکبیرات عید کے سلسلہ میں متضاد احادیث منقول ہیں اسی وجہ سے ائمہ کے مسلک میں بھی اختلاف ظاہر ہوا ہے چنانچہ تینوں اماموں کے نزدیک عیدین کی نماز میں پہلی رکعت میں سات تکبیریں ہیں اور دوسری رکعت میں پانچ تکبیریں ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ حضرت امام مالک اور حضرت امام احمد کے ہاں تو پہلی رکعت میں سات تکبیریں مع تکبیر تحریمہ کے ہیں اور اسی طرح دوسری رکعت میں پانچ تکبیریں تکبیر قیام سمیت ہیں جب کہ حضرت امام شافعی کے نزدیک پہلی رکعت میں سات تکبیریں تکبیر تحریمہ کے علاوہ اور دوسری رکعت میں پانچ تکبیریں تکبیر قیام کے علاوہ ہیں۔

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کا مسلک یہ ہے کہ تکبیر تحریمہ کے علاوہ تین تکبیریں پہلی رکعت میں اور تکبیر رکوع کے علاوہ تین تکبیریں دوسری رکعت میں ہیں جیسا کہ اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے۔ نیز اسی کو حضرت عبداللہ ابن مسعود نے بھی اختیار کیا ہے جبکہ حضرت امام شافعی کے مسلک کے مطابق حضرت عبداللہ ابن عباس کا مسلک ہے یہاں تک ان احادیث کا تعلق ہے جن سے حضرت امام شافعی استدلال کرتے ہیں تو ان کی صحت وضعف اور ان کی اسناد وطرق کے بارہ میں بہت زیادہ اعتراضات ہیں جس کو یہاں نقل کرنے کا موقع نہیں ہے۔ علماء حنفیہ اپنے مسلک کے بارہ میں لکھتے ہیں کہ تکبیرات عیدین کے سلسلہ میں جب متضاد اور مختلف احادیث سامنے آئیں تو ہم نے ان میں سے ان احادیث کو اپنا معمول بہ قرار دیا جن میں تکبیرات کی تعداد کم منقول تھی کیونکہ عیدین کی زائد تکبیریں اور رفع یدین بہرحال خلاف معمول ہیں اس لیے کم تعداد کا اختیار کرنا ہی اولیٰ ہوگا۔

عیدین کی نماز کے لئے عورتوں کے جانے کا بیان

حضرت ام عطیہ فرماتی ہیں کہ ہمیں حکم دیا گیا کہ ہم عید و بقرہ عید کے دن ان عورتوں کو (بھی) جو ایام والی ہوں (یعنی جو ایام سے ہوں یا یہ کہ جو بالغ ہوں) اور (بھی جو پردہ نشین ہوں (گویا یا تمام عورتوں کو) عیدگاہ لے چلیں اور یہ سب مسلمانوں کی جماعت اور دعا میں شریک ہوں۔ نیز جو عورتیں ایام سے ہوں وہ نماز پڑھنے کی جگہ سے الگ رہیں" ایک عورت نے عرض کیا کہ "یارسول اللہ! ہم میں سے جس کے پاس چادر نہیں (وہ کیا کرے؟)" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "اسے ساتھ والی چادر اڑھادے۔

(صحیح البخاری وصحیح مسلم، مشکوٰۃ شریف: جلد اول: رقم الحدیث، 1404)

علامہ خطابی فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام عورتوں کو عیدگاہ جانے کا حکم فرمایا تا کہ جن عورتوں کو کوئی عذر نہیں ہے وہ تو نماز پڑھیں اور جن عورتوں کو کوئی عذر ہے انہیں نماز اور دعا کی برکت پہنچے" گویا اس طرح لوگوں کو ترغیب دلائی جارہی ہے کہ وہ نمازوں میں شریک ہوں۔ وعظ و ذکر کی مجالس میں حاضر ہوں اور علماء و صلحا کا قرب حاصل کریں تا کہ انہیں اللہ کے ان نیک و

مقدس بندوں کی برکت حاصل ہو" اگرچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدس زمانے میں عورتوں کے لئے عیدگاہ جانا ممنوع نہیں تھا مگر آجکل کے زمانے میں فتنہ وفساد کے خوف سے عورتوں کے لئے عیدہ گاہ جانا مستحب نہیں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں عورتوں کے عیدگاہ جانے کی توجیہہ امام طحاوی نے یہ بیان فرمائی ہے کہ چونکہ اس وقت اسلام کا ابتدائی دور تھا مسلمان بہت کم تھے اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ مقصد تھا کہ اگر تمام عورتیں بھی عیدگاہ جائیں گی تو مسلمانوں کی تعداد زیادہ معلوم ہوگی جس سے کفار پر رعب پڑے گا۔ لہٰذا آجکل نہ صرف اس کی ضرورت ہے بلکہ عورتوں کی موجودگی چونکہ بہت زیادہ محرمات و مکروہات کا ذریعہ بن سکتی ہے اس لئے علماء نے عورتوں کو عیدگاہ جانے سے روک دیا ہے۔ حدیث کے آخری جملہ کا مطلب یہ ہے کہ اگر کسی عورت کے پاس ایسی کوئی چادر اور کوئی کپڑا نہ ہو جسے اوڑھ کر وہ عیدگاہ جا سکے تو اس کی ساتھ والی کو چاہیے کہ یا تو اس کے پاس کئی چادریں ہوں تو ایک چادر عاریتاً اس عورت کو دے جسے وہ بعد میں واپس کر دے گی یا پھر یہ کہ اگر اس کے پاس کئی نہیں بلکہ ایک ہی چادر ہے تو اپنی چادر کا ایک حصہ اس کو اڑھا دے اور دونوں ایک جگہ بیٹھ جائیں۔

باب صلاۃ الکسوف والخسوف والافزاع

﴿یہ باب نماز کسوف وخسوف اور خوف کے بیان میں ہے﴾

نماز کسوف اور خسوف کا فقہی مفہوم

مشہور اہل لغت اہل علم کا قول یہ ہے کہ،خسوف، چاند گرہن کوفرماتے ہیں کہ،کسوف،سورج گرہن کو۔اس باب میں جتنی احادیث نقل کی جائیں گی سب کی سب سورج گرہن سے متعلق ہیں۔ہاں صرف ایک حدیث جو پہلی فصل کی دوسری حدیث ہے اس کے بارہ میں احتمال ہے کہ وہ،چاند گرہن، سے متعلق ہے لہذا مولف مشکوٰۃ کے لیے بہتر یہ تھا کہ وہ اس باب کا نام،الصلوٰۃ الخسوف،کی بجائے،باب صلوٰۃ الکسوف، رکھتے۔

بعض علماء نے لفظ کسوف دونوں جگہ استعمال کیا ہے سورج گرہن میں بھی چاند گرہن میں بھی،اسی طرح بعض حضرات نے لفظ خسوف کو بھی دونوں جگہ استعمال کیا ہے۔

سورج گرہن کی نماز بالاتفاق جمہور علماء کے نزدیک مسنون ہے۔حنفیہ کے نزدیک سورج گرہن کی نماز دو رکعت با جماعت بغیر خطبہ کے ہے۔چاند گرہن کی نماز میں دو رکعت ہے مگر اس میں جماعت نہیں ہے بلکہ ہر آدمی الگ الگ یہ نماز پڑھے حضرت امام شافعی رحمہ اللہ علیہ کے نزدیک دونوں میں جماعت اور خطبہ ہے۔

نماز کسوف وغیرہ کی دلیل شرعی کا بیان

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں (ہجرت کے بعد ایک مرتبہ) سورج گرہن ہوا چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک منادی والے کو (لوگوں کے درمیان) بھیجا کہ وہ منادی کر دے کہ "الصلوٰۃ جامعۃ" یعنی نماز جمع کرنے والی ہے چنانچہ (جب لوگ جمع ہو گئے تو) آپ صلی اللہ علیہ وسلم آگے بڑھے اور دو رکعت نماز پڑھائی جن میں چار رکوع کئے اور چار سجدے کئے۔حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ "(جتنے طویل رکوع اور سجدے میں نے اس دن نماز خسوف میں کئے) اس سے زیادہ طویل میں نے نہ کبھی رکوع کیا اور نہ کبھی سجدہ کیا۔

(صحیح البخاری وصحیح مسلم،مشکوٰۃ شریف: جلد اول: رقم الحدیث،1454)

نماز کسوف کا بیان

صلاۃ الکسوف سن رکعتان کهیئة النفل للکسوف بأمام الجمعة أو مأمور السلطان بلا

أذان ولا إقامة ولا جهر ولا خطبة بل ينادى الصلاة جامعة وسن تطويلهما وتطويل ركوعهما وسجودهما ثم يدعو الإمام جالسا مستقبل القبلة إن شاء أو قائما مستقبل الناس وهو أحسن ويؤمنون على دعائه حتى يكمل انجلاء الشمس الخسوف والفزع وماإليهما وإن لم يحضر الإمام صلوا فرادى كالخسوف والظلمة الهائلة نهارا والريح الشديدة والفزع،

ترجمہ

سورج گرہن، چاند گرہن اور خوف کی نماز: سورج گرہن کے لیے نوافل کی طرح دو رکعتیں ہیں۔امام جمعہ یا بادشاہ کے مقرر کردہ امام کے پیچھے اذان، اقامت جہر اور خطبہ کے بغیر پڑھنا سنت ہے۔(اذان کی جگہ) ندا دی جائے کہ نماز کھڑی ہونے والی ہے ان رکعتوں (کے قیام) رکوع اور سجدہ کو طویل کرنا سنت ہے اس کے بعد امام چاہے تو بیٹھ کر قبلہ رخ ہوتے ہوئے دعا مانگے یا لوگوں کی طرف منہ کر کے کھڑے ہو کر دعا مانگے یہ زیادہ بہتر ہے مقتدی اس کی دعا پر آمین کہیں یہاں تک کہ سورج کی روشنی مکمل ہو جائے۔اگر امام موجود نہ ہو تو اکیلے اکیلے پڑھیں جس طرح چاند گرہن دن کے وقت خوفناک اندھیری، سخت ہوا اور خوف کی نماز پڑھی جاتی ہے۔

سورج گرہن کے وقت نماز پڑھنے کا بیان

حضرت سمرہ ابن جندب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں سورج گرہن کے وقت (اس طرح) نماز پڑھائی (کہ) ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز نہیں سنتے تھے۔

(جامع ترمذی، ابوداؤد، سنن نسائی، ابن ماجہ، مشکوٰۃ شریف، جلد اول، رقم الحدیث، 1463)

یہ حدیث اور اسی قسم کی اور احادیث اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ نماز کسوف میں امام بآواز بلند قرات نہ کرے چنانچہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ اور حضرت امام شافعی رحمہما اللہ علیہما کا مسلک یہ ہے۔صحیح البخاری و صحیح مسلم نیز دوسری کتابوں میں ایسی روایات بھی منقول ہیں کہ جن سے نماز کسوف کی قرات کا بآواز بلند ہونا ثابت ہوتا ہے۔روایات کے اس تعارض کے پیش نظر حضرت ابن ہمام رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب روایتوں میں تعارض پیدا ہوا تو ان روایتوں کو ترجیح دینا ضروری ہوا جن سے قراء کا بآواز آہستہ ہونا ثابت ہوتا ہے کیونکہ دن کی نماز میں قرات کا بآواز آہستہ ہونا اصل ہے۔

آفتاب مکمل ہونے تک کسوف پڑھنے کا بیان

حضرت نعمان ابن بشیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں سورج گرہن ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو دو رکعت نماز پڑھنی شروع کی) یعنی دو رکعت نماز پڑھ کر دیکھتے اگر گرہن ختم نہ ہوتا تو پھر دو دو رکعت نماز پڑھتے اسی طرح گرہن تک نماز پڑھتے رہے) اور (اللہ تعالیٰ سے یہ دعا) مانگتے (کہ یا اللہ آفتاب روشن کر دے یا یہ کہ ہر دو دو

رکعت کے بعد لوگوں سے گرہن کے بارہ میں پوچھتے کہ گرہن ختم ہوا یا نہیں؟ اگر لوگ کہتے کہ ابھی گرہن باقی ہے تو پھر نماز میں مشغول ہو جاتے) جہاں تک کہ آفتاب روشن ہو گیا۔ (ابوداؤد)

اور سنن نسائی کی روایت ہے کہ، جب سورج گرہن ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہماری نماز کی طرح نماز پڑھی جس میں رکوع وسجدہ کرتے تھے، سنن نسائی کی ایک دوسری روایت کے لفاظ یہ ہیں کہ، ایک روز جب کہ سورج کو گرہن ہوا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عجلت کے ساتھ مسجد میں تشریف لائے اور نماز پڑھی یہاں تک کہ آفتاب روشن ہو گیا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ، زمانہ جاہلیت کے لوگ کہا کرتے تھے کہ زمین پر رہنے والے بڑے آدمیوں میں سے کسی بڑے آدمی کے مر جانے کی وجہ سے سورج اور چاند کو گرہن لگتا ہے، حالانکہ (حقیقت یہ ہے کہ) سورج و چاند نہ تو کسی کے مر جانے کی وجہ سے گرہن میں آتے ہیں اور نہ کسی کی پیدائش کی وجہ سے۔ یہ دونوں محض اللہ تعالیٰ کی مخلوقات میں سے دو مخلوق ہیں، اللہ جو چاہتا ہے اپنی مخلوق میں تغیر (مثلاً گرہن، روشنی اور اندھیرا) پیدا کرتا ہے۔ لہٰذا جب ان میں سے کوئی گرہن میں آئے تو تم نماز پڑھنی شروع کر دو یہاں تک کہ وہ روشن ہو جائے یا اللہ تعالیٰ کا کوئی حکم ظاہر ہو جائے (یعنی عذاب آ جائے یا قیامت شروع ہو جائے)۔

(مشکوٰۃ شریف، جلد اول، رقم الحدیث، 1466)

حدیث کے الفاظ، ہماری نماز کی طرح کا مطلب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کسوف کی ہر رکعت میں کئی کئی رکوع نہیں کئے بلکہ جس طرح کہ ہم روزمرہ نماز پڑھتے ہیں اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس وقت نماز پڑھی اور ہر رکعت میں ایک ایک رکوع اور دو دو سجدے کئے۔، یہ حدیث حنیفہ کے مسلک کی دلیل ہیں اس کے علاوہ اور احادیث بھی منقول ہیں جو اس مسئلہ میں حنیفہ کے مسلک کی تائید کرتی ہیں۔

نماز کسوف میں لمبی قرأت کرنے کا بیان

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کسوف کی نماز پڑھی اس میں قرات کی پھر رکوع کیا پھر قرات کی پھر رکوع کیا پھر دو سجدے کئے اور دوسری رکعت بھی اسی طرح پڑھی اس باب میں علی عائشہ عبداللہ بن عمرو نعمان بن بشیر مغیرہ بن شعبہ ابومسعود ابوبکر سمرہ ابن مسعود ابوبکر سمرہ ابن مسعود اسماء بنت ابوبکر ابن عمر قبیصہ ہلالی جابر بن عبداللہ ابوموسیٰ عبدالرحمٰن بن سمرہ اور ابی بن کعب سے بھی روایت ہے امام ترمذی کہتے ہیں ابن عباس کی حدیث حسن صحیح ہے حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کسوف میں دو رکعتوں میں چار رکوع کئے یہ امام شافعی احمد اور اسحاق کا قول ہے نماز کسوف میں قرات کے متعلق علماء کا اختلاف ہے بعض کہتے ہیں کہ دن کے وقت بغیر آواز قرات کرے جبکہ بعض اہل علم بلند آواز سے قرات کے قائل ہیں جیسے کہ جمعہ اور عیدین کی نماز میں پڑھا جاتا ہے۔

حضرت امام مالک، امام احمد اور اسحاق اسی کے قائل ہیں کہ بلند آواز سے پڑھے لیکن امام شافعی بغیر آواز سے پڑھنے کا کہتے ہیں پھر یہ دونوں حدیثیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں ایک حدیث یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چار رکوع اور چار

سجدے کئے دوسری یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چار سجدوں میں چھ رکوع کئے اہل علم کے نزدیک یہ کسوف کی مقدار کے ساتھ جائز ہے یعنی اگر سورج گرہن لمبا ہو تو چھ رکوع اور چار سجدے کرنا جائز ہے لیکن اگر چار رکوع اور چار سجدے کرے اور قرات بھی لمبی کرے تو یہ بھی جائز ہے ہمارے اصحاب کے نزدیک سورج گرہن اور چاند گرہن دونوں میں نماز با جماعت پڑھی جائے۔ (جامع ترمذی، جلد اول، رقم الحدیث، 547)

نماز کسوف اور گھبراہٹ کا بیان

حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ (جب) سورج گرہن ہو تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھبرائے ہوئے کھڑے ہو گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایسا خوف طاری ہوا جیسے قیامت ہو گئی ہو۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف لائے اور طویل قیام و رکوع اور سجود کے ساتھ نماز پڑھی میں نے اس طرح کبھی آپ صلی علیہ وسلم کو (اتنا طویل قیام و رکوع اور سجود) کرتے ہوئے نہیں دیکھا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ نشانیاں جو اللہ تعالیٰ بھیجتا ہے۔ نہ تو کسی کے مرنے کے سبب سے (ظاہر ہوتی) ہیں اور نہ کسی کی پیدائش کی وجہ سے، ہاں اس ذریعہ سے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ڈراتا ہے، لہٰذا جب تم ان نشانیوں میں سے کوئی نشانی دیکھو تو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہوئے اس کا ذکر کرنے، اس سے دعا مانگنے اور استغفار کرنے میں مصروف ہو جاؤ۔"

(صحیح مسلم صحیح البخاری، مشکوۃ شریف: جلد اول: رقم الحدیث، 1458)

الفاظ تخشی ان تکون الساعۃ دراصل راوی نے بطریق تمثیل استعمال کئے ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس موقع پر اس طرح گھبرائے ہوئے اور خوف زدہ تھے جیسا کہ کوئی آدمی قیامت شروع ہو جانے پر گھبرا جائے اور خوف زدہ ہو جائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ خوف اس وجہ سے نہیں تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ سمجھے ہوں کہ قیامت شروع ہو گئی ہے چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پوری طرح جانتے تھے کہ جب تک کہ میں لوگوں میں موجود ہوں قیامت نہیں آ سکتی۔ بہر حال، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی نشانیوں کے ظہور مثلاً سورج و چاند گرہن، زلزے، آندھی و طوفان اور چمک و کڑک کے وقت جو گھبراتے اور ڈرتے تھے تو اس میں صرف زمین کے اوپر بسنے والے انسانوں کی شفقت کا جذبہ کارفرما تھا چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ذات کی طرف سے نہیں بلکہ دنیا والوں کی طرف سے خوف زدہ ہو جایا کرتے تھے کہ کہیں یہ اپنے دامن میں دنیا والوں کی تباہی و بربادی کا پیغام نہ لئے ہو اور اس صورت میں لوگوں پر اللہ کا عذاب نازل نہ ہو جائے۔ وقال ھذہ الایات کا مطلب یہ ہے کہ چاند و سورج گرہن ہونا، زلزلوں اور آندھی اور طوفانوں کا آنا اور بجلی کی کڑک وغیرہ یہ سب اللہ کی قدرت کی نشانیاں ہیں جن کے ذریعہ وہ اپنے بندوں کو ڈراتا ہے اور انسانوں کو یہ بتانا چاہتا ہے کہ دیکھو میں تغیر حالت، قسمت کے چھین لینے اور عذاب نازل کرنے پر کیسا قادر ہوں؟

باب الاستسقاء

﴿یہ باب نماز استسقاء کے بیان میں ہے﴾

استسقاء کے لغوی واصطلاحی معنی کا بیان

استسقاء، کے لغوی معنی ہیں، پانی طلب کرنا، اور اصطلاح شریعت میں اس کا مطلب ہے، قحط اور خشک سالی میں طلب بارش کے لیے بتائے گئے طریقوں کے مطابق نماز پڑھنا اور دعا کرنا۔

نماز استسقاء کے ثبوت پر دلیل شرعی کا بیان

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم استسقاء کے علاوہ اور کسی موقع پر دعا کے لئے ہاتھ نہیں اٹھاتے تھے چنانچہ (استسقاء کے لئے دعا کے وقت) آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دونوں ہاتھ اتنے (زیادہ) بلند کرتے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بغلوں کی سفیدی نظر آنے لگتی تھی۔ (صحیح البخاری وصحیح مسلم، مشکوٰۃ شریف: جلد اول: رقم الحدیث، 1473)

طلب بارش کے لئے نماز ودعا کا بیان

له صلاة من غير جماعة وله استغفار ما يعمل لأجله ويستحب الخروج له ثلاثة أيام مشاة في ثياب خلقة غسيلة أو مرقعة متذللين متواضعين خاشعين لله تعالى ناكسين رؤوسهم مقدمين الصدقة كل يوم قبل خروجهم ويستحب إخراج الدواب والشيوخ الكبار والأطفال وفي مكة وبيت المقدس ففي المسجد الحرام والمسجد الأقصى يجتمعون وينبغي ذلك أيضا لأهل مدينة سيدنا النبي صلى الله عليه وسلم الدعاء وكيفيته ويقوم الإمام مستقبل القبلة رافعا يديه والناس قعود مستقبلين القبلة يؤمنون على دعائه يقول اللّٰهم اسقنا غيثا مغيثا هنيئا مريئا مريعا غدقا عاجلا غير رائث مجللا سحا طبقا دائما وما أشبهه سرا أو جهرا وليس فيه قلب رداء ولا يحضره ذمي،

ترجمہ

طلب بارش کے لیے نماز: بارش کے طلب کے لیے جماعت کے بغیر نماز ہے اور بخشش مانگنا ہے اس کے لیے تین دن اس طرح نکلنا مستحب ہے کہ پیدل چلیں کپڑے پرانے دھلے ہوئے یا پیوند لگے ہوئے ہوں۔ اللہ تعالیٰ کے لیے عاجزی وانکساری کا

اظہار کریں سروں کو جھکائے ہوئے ہوں اور ہر دن باہر نکلنے سے پہلے صدقہ دیں۔ جانوروں، بوڑھے بزرگوں اور بچوں کو بھی نکالنا مستحب ہے۔ مکہ مکرمہ والے مسجد حرام میں اور بیت المقدس والے مسجد اقصیٰ میں جمع ہوں مدینۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے رہنے والوں کو بھی ایسا ہی کرنا چاہیے۔

امام قبلہ رخ ہو کر ہاتھوں کو اٹھائے ہوئے کھڑا ہو اور لوگ قبلہ کی طرف منہ کر کے بیٹھیں اس کی دعا پر آمین کہیں وہ یہ دعا مانگے۔ یا اللہ ہم پر ایسی بارش نازل فرما جو فریاد کا مداوا ہو، خوش گوار ہو شاداب کرنے والی ہو، موسلا دھار ہو، زمین کو ڈھانپنے والی اور چھا جانے والی ہو نیز متواتر ہو۔ یا اس کے مشابہ دعا بلند آواز سے مانگے اس میں چادر کر پلٹنا نہیں ہے اور نہ اس میں ذمی لوگ حاضر ہوں۔

نماز استسقاء کے دعا ہونے یا نہ ہونے کا بیان

حضرت عبداللہ ابن زید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے ہمراہ طلب بارش کے لیئے عید گاہ تشریف لئے گئے۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں دو رکعت نماز پڑھائی جس میں بلند آواز سے قرات فرمائی اور قبلہ رخ ہو کر دعا مانگی نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (دعا کے لیے) اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے ہوئے تھے اور قبلہ رخ ہوتے وقت اپنی چادر پھیر دی تھی۔ (صحیح البخاری وصحیح مسلم، مشکوۃ شریف، جلد اول، رقم الحدیث، 1472)

حضرت امام شافعی اور صاحبین (حضرت امام یوسف اور حضرت امام محمد) کے نزدیک استسقاء کی نماز عید کی نماز کی طرح ہے اور حضرت امام مالک رحمہ اللہ علیہ کا مسلک یہ ہے کہ استسقاء کی دو رکعت نماز اسی طرح پڑھی جائے جیسا کہ دوسری نماز پڑھی جاتی ہے۔

حضرت عباد بن تمیم اپنے چچا سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نکلے لوگوں کے ساتھ بارش کی طلب کے لئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو رکعتیں پڑھائیں جن میں بلند آواز قرات کی پھر اپنی چادر کو پلٹ کر اوڑھا دونوں ہاتھوں کو اٹھایا اور بارش کے لئے دعا مانگی دوراں حالیکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم قبلہ کی طرف متوجہ تھے اس باب میں ابن عباس ابوہریرہ انس اور ابولحم سے بھی روایت ہے۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی کہتے ہیں عبداللہ بن زید کی حدیث حسن صحیح ہے اور اسی پر اہل علم کا عمل ہے جن میں شافعی اور احمد اسحاق بھی شامل ہیں عباد بن تمیم کے چچا کا نام عبداللہ بن زید بن عاصم مازنی ہے۔ (جامع ترمذی، جلد اول، رقم الحدیث، 543)

نماز استسقاء کے سلسلہ میں خود حنفیہ کے یہاں دو قول ہیں، حضرت امام اعظم ابوحنیفہ تو یہ فرماتے ہیں کہ استسقاء نماز نہیں ہے بلکہ دعا و استغفار ہے وہ فرماتے ہیں کہ جن اکثر احادیث میں استسقاء کا ذکر آیا ہے ان میں نماز مذکور نہیں ہے بلکہ صرف دعا کرنا مذکور ہے۔ پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے بارہ میں صحیح روایت منقول ہے۔ کہ انھوں نے استسقاء کے لیے صرف دعا و استغفار پر اکتفا فرمایا نماز نہیں پڑھی، اگر اس سلسلہ میں نماز مسنون ہوتی تو وہ ترک نہ کرتے۔ اور ایسے ضروری مشہور واقعات کا

انہیں معلوم نہ ہونا جب کہ زمانہ نبوت کو بھی زیادہ دن نہیں گزرے تھے بعید ہے اور معلوم ہونے کی صورت میں اسے ترک کرنا حضرت عمر کیرضی اللہ عنہ شان سے بعید تر ہے۔

صاحبین کا مسلک اس کے خلاف ہے۔ ان حضرات کے نزدیک نہ صرف یہ کہ استسقاء کے لیے نماز منقول اور مسنون ہے بلکہ اس نماز میں جماعت اور خطبہ بھی مشروع ہے۔

بعض حضرات نے لکھا ہے کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ علیہ کے قول لاصلوٰۃ فی الاستسقاء (یعنی استسقاء کے لیے نماز نہیں ہے) کی مراد یہ ہے کہ اس نماز کے لیے جماعت خطبہ اور خصوصیت سنت وشرط نہیں، اگر ہر آدمی الگ الگ نفل نماز پڑھے اور دعا واستغفار کرے تو بہتر ہے۔ اس وقت حنفیہ کے یہاں فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے کیونکہ نماز استسقاء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت اور منقول ہے جس کا ایک واضح ثبوت مذکورہ بالا حدیث ہے۔

نماز استسقاء کے سلسلہ میں یہ افضل ہے کہ اس کی دونوں رکعتوں میں سے پہلی رکعت، سورت ق، یا سبح اسم ربک الاعلی اور دوسری رکعت میں، اقتربت الساعۃ، یا سورت غاشیہ، کی قرات کی جائے۔

، چادر پھیرنا، دراصل تغیر حالت کے لیے اچھا شگون لینے کے درجہ میں ہے جس طرح چادر الٹ پلٹ دی گئی ہے اسی طرح موجودہ حالت میں بھی تبدیلی اور تغیر ہو جائے بایں طور کہ قحط کے بدلہ ارزانی ہو جائے اور خشک سالی کی بجائے باران رحمت سے دنیا سیراب ہو جائے۔

چادر پھیرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اپنے دونوں ہاتھ پیٹھ کے پیچھے لے جا کر دائیں ہاتھ سے چادر کی بائیں جانب کے نیچے کا کونا پکڑا جائے اور بائیں ہاتھ سے چادر کی دائیں جانب کے نیچے کا کونا پکڑ لیا جائے پھر دونوں ہاتھوں کو پیٹھ کے پیچھے اس طرح پھیرا اور پلٹا جائے کہ دائیں ہاتھ چادر کا پکڑا ہوا کونا دائیں مونڈھے پر آ جائے اور بائیں ہاتھ میں چادر کا پکڑا ہوا کونا بائیں مونڈھے پر آ جائے اس طریقہ سے چادر کو دایاں کونا تو بائیں ہو جائے گا اور بایاں کونا دائیں ہو جائے گا۔ نیز اوراوپر نیچے پہنچ جائے گا اور نیچے کا حصہ اوپر جائے گا۔

باب صلاة الخوف

﴿یہ باب نماز خوف کے بیان میں ہے﴾

نماز خوف میں فقہی مذاہب کا بیان

کفار کے خوف اور دشمن کے مقابل ہونے کے وقت جو نماز پڑھی جاتی ہے اسے نماز خوف کہتے ہیں۔ خوف کی نماز کتاب و سنت سے ثابت ہے۔ نیز اکثر علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد یہ نماز باقی اور ثابت ہے اگرچہ بعض حضرات کا قول ہے کہ نماز خوف صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک ہی کے ساتھ مخصوص تھی۔ نیز بعض حضرات مثلاً حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ نماز حالت سفر کے ساتھ مخصوص ہے۔ جب کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کے نزدیک یہ نماز سفر و حضر دونوں صورتوں میں جائز ہے۔

بحسب اختلاف زمانہ و مقام یہ نماز متعدد طریقوں سے روایت کی گئی ہے چنانچہ بعض حضرات نے کہا ہے کہ سولہ طریقوں سے منقول ہے۔ بعض حضرات نے اس سے زائد اور بعض نے اس سے کم کہا ہے لیکن علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ احادیث میں جتنے بھی طریقے منقول ہیں تمام کے تمام معتبر ہیں علماء کے ہاں اختلاف صرف ترجیح اور فوقیت کے بارے میں ہے کہ کسی نے کسی طریقے کو ترجیح دی ہے اور اس پر عمل کیا ہے جو صحاح ستہ میں مذکور ہے۔

علامہ شُمنی نے کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز خوف چار جگہ پڑھی ہے۔ ذات الرقاع بطن نخل، عسفان اور ذی قرد۔ لہٰذا اس سے معلوم ہوا کہ نماز خوف تھی تو حالت سفر میں مگر فقہاء نے اس پر قیاس کرتے ہوئے اس نماز کو حضر میں بھی جائز رکھا ہے۔

نماز خوف کی دلیل شرعی کا بیان

وَاِذَا كُنْتَ فِيْهِمْ فَاَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلَاةَ فَلْتَقُمْ طَائِفَةٌ مِنْهُمْ مَعَكَ وَلْيَاْخُذُوْا اَسْلِحَتَهُمْ فَاِذَا سَجَدُوْا فَلْيَكُوْنُوْا مِنْ وَرَائِكُمْ وَلْتَاْتِ طَائِفَةٌ اُخْرٰى لَمْ يُصَلُّوْا فَلْيُصَلُّوْا مَعَكَ وَلْيَاْخُذُوْا حِذْرَهُمْ وَاَسْلِحَتَهُمْ وَدَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ تَغْفُلُوْنَ عَنْ اَسْلِحَتِكُمْ وَاَمْتِعَتِكُمْ فَيَمِيْلُوْنَ عَلَيْكُمْ مَيْلَةً وَّاحِدَةً وَّلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ كَانَ بِكُمْ اَذًى مِنْ مَّطَرٍ اَوْ كُنْتُمْ مَرْضٰى اَنْ تَضَعُوْا اَسْلِحَتَكُمْ وَخُذُوْا حِذْرَكُمْ اِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْكَافِرِيْنَ

عَذَابًا مُّهِينًا،(نساء۱۰۲)

اور اے محبوب! جب تم ان میں تشریف فرما ہو پھر نماز میں ان کی امامت کرو تو چاہئے کہ ان میں ایک جماعت تمہارے ساتھ ہو اور وہ اپنے ہتھیار لیے رہیں پھر جب وہ سجدہ کرلیں تو ہٹ کر تم سے پیچھے ہو جائیں اور اب دوسری جماعت آئے، جو اس وقت تک نماز میں شریک نہ تھی اب وہ تمہارے مقتدی ہوں اور چاہئے کہ اپنی پناہ اور اپنے ہتھیار لیے رہیں کافروں کی تمنا ہے کہ کہیں تم اپنے ہتھیاروں اور اپنے اسباب سے غافل ہو جاؤ تو ایک دفعہ تم پر جھک پڑیں اور تم پر مضائقہ نہیں اگر تمہیں بارش کے سبب تکلیف ہو یا بیمار ہو کہ اپنے ہتھیار کھول رکھو اور اپنی پناہ لیے رہو، بیشک اللہ نے کافروں کے لئے خواری کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔

نماز خوف کے حکم وسبب کا بیان

حکمها وسببها هي جائزة بحضور عدو أو سبع وبخوف غرق أو حرق الإمامة فيها وإذا تنازع القوم في الصلاة خلف إمام واحد فيجعلهم طائفتين واحدة بإزاء العدو ويصلي بالأخرى ركعة من الثنائية وركعتين من الرباعية أو المغرب وتمضي هذه الى العدو مشاة وجاءت تلك فصلى بهم ما بقي وسلم وحده فذهبوا الىٰ العدو ثم جاءت الأولى وأتموا بلا قراءة وسلموا ومضوا ثم جاءت الأخرى إن شاءوا وصلوا ما بقي بقراءة إذا اشتد الخوف وإن اشتد الخوف صلوا ركبانا فرادى بالإيماء الى أى جهة قدروا ولم تجز بلا حضور عدو ويستحب حمل السلاح في الصلاة عند الخوف وإن لم يتنازعوا في الصلاة خلف إمام واحد فالأفضل صلاة كل طائفة بإمام مثل حالة الأمن،

ترجمہ

یہ نماز دشمن کے آنے اور ڈوبنے یا جلنے کے خوف سے جائز ہے۔ اگر قوم ایک امام کے پیچھے نماز پڑھنے میں جھگڑا کریں تو وہ انہیں دو گروہوں میں تقسیم کر دے ایک دشمن کے مقابلے میں ہو اور دوسرے کو دو رکعتوں والی میں سے ایک رکعت اور چار والی نیز مغرب کی نماز سے دو رکعتیں پڑھائے پھر یہ گروہ پیدل چلتے ہوئے دشمن کے مقابل چلا جائے اور دوسرا آجائے امام ان کو باقی نماز پڑھا کر تنہا سلام پھیر دے۔ پھر یہ گروہ دشمن کی طرف چلا جائے اور پہلا گروہ آکر قراءت کے بغیر اپنی نماز مکمل کرے اور سلام پھیر کر چلا جائے اس کے بعد دوسرا گروہ آجائے اور اگر وہ چاہیں تو وہاں ہی باقی نماز قراءت کے ساتھ پڑھیں۔

اور اگر خوف سخت ہو جائے تو اکیلے اکیلے اپنی اپنی سواریوں پر اشارے کے ساتھ پڑھیں جس جہت کی طرف ممکن ہو۔ جب تک دشمن کا سامنا نہ ہو نماز خوف جائز نہیں خوف کے وقت نماز میں ہتھیار اٹھائے رکھنا مستحب ہے۔ اور اگر ایک امام کے پیچھے نماز پڑھنے میں جھگڑا نہ کریں تو افضل ہے کہ ہر گروہ ایک امام کے پیچھے اسی طرح پڑھے جس طرح حالت امن میں پڑھتے ہیں۔

نماز خوف کے طریقے کا بیان

حضرت سہل بن ابوحثمہ نماز خوف کے متعلق فرماتے ہیں کہ امام قبلہ کی طرف منہ کر کے کھڑا ہو اور اس کے ساتھ ایک گروہ کھڑا ہو جبکہ دوسرا گروہ دشمن کے مقابل رہے اور انہی کی طرف رخ کئے رہے پھر امام پہلے گروہ کے ساتھ ایک رکعت پڑھے اور وہ لوگ دوسری رکعت خود پڑھیں اور دو سجدے کرنے کے بعد دوسری جماعت کی جگہ دشمن کے مقابل آ جائیں اور وہ جماعت آ کر امام کے ساتھ ایک رکعت پڑھے اور سجدے کرے امام کی دو رکعتیں ہو جائیں گی اور جماعت کی پہلی رکعت ہوگی پھر یہ لوگ کھڑے ہو جائیں اور دوسری رکعت پڑھیں اور سجدہ کریں محمد بن بشار کہتے ہیں کہ میں نے یحیٰی بن سعید سے اس حدیث کے متعلق پوچھا تو انہوں نے شعبہ کے حوالے سے مجھے بتایا کہ شعبہ عبدالرحمٰن بن قاسم سے وہ قاسم سے وہ اپنے والد سے وہ صالح بن خوات سے وہ سہل بن ابی حثمہ سے اور وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یحیٰی بن سعید انصاری کی روایت کی مثل بیان کرتے ہیں پھر یحیٰی بن سعید نے مجھ سے کہا کہ اس حدیث کو اس کے ساتھ لکھ دو مجھے یہ حدیث اچھی طرح یاد نہیں لیکن یہ یحیٰی بن سعید انصاری کی حدیث ہی کی مثل ہے۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی کہتے ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے اسے یحیٰی بن سعید انصاری نے قاسم بن محمد کی روایت سے مرفوع نہیں کیا یحیٰی بن سعید انصاری کے ساتھی بھی اسے موقوف ہی روایت کرتے ہیں جبکہ شعبہ عبدالرحمٰن بن قاسم محمد کے حوالے سے اسے مرفوع روایت روایت کرتے ہیں جو نماز خوف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پڑھ چکا تھا امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے امام مالک شافعی احمد اور اسحاق کا بھی یہی قول ہے اور یہ کئی راویوں سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں گروہوں کے ساتھ ایک ایک رکعت نماز پڑھی جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے دو ان دونوں کے لئے ایک ایک رکعت تھی۔(جامع ترمذی، جلد اول، رقم الحدیث، 552) یہی حدیث احناف ائمہ کی دلیل ہے۔

حضرت سالم سے روایت ہے کہ وہ اپنے باپ سے نقل کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز خوف میں ایک رکعت ایک گروہ کے ساتھ پڑھی جب کہ دوسرا گروہ دشمن کے مقابلے میں لڑتا رہا پھر یہ لوگ اپنی جگہ چلے گئے اور انہوں نے آ کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء میں دوسری رکعت پڑھی پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام پھیر دیا اور اس گروہ نے کھڑے ہو کر اپنی چھوڑی ہوئی رکعت پوری کی اس کے بعد دوسرا گروہ کھڑا ہوا اور اس نے بھی اپنی دوسری رکعت پڑھی اس باب میں جابر حذیفہ زید بن ثابت ابن عباس ابو ہریرہ ابن مسعود ابوبکرہ سہل بن ابوحثمہ اور ابوعیاش ذوقی سے بھی روایت ہے بوعیاش کا نام زید بن ثابت ہے امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں۔

امام مالک نماز خوف میں سہل بن ابوحثمہ ہی کی روایت پر عمل کرتے ہیں اور یہی امام شافعی کا قول ہے۔حضرت امام احمد کہتے ہیں کہ نماز خوف آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کئی طرح مروی ہے اور میں اس باب میں سہل بن ابوحثمہ کی حدیث سے صحیح روایت نہیں جانتا چنانچہ وہ بھی اسی طریقے کو اختیار کرتے ہیں اسحاق بن ابراہیم بھی اسی طرح کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم

سے صلوٰۃ خوف میں کئی روایات ثابت ہیں ان سب پر عمل کرنا جائز ہے یعنی یہ بقدر خوف ہے اسحاق کہتے ہیں کہ ہم سہل بن ابی حثمہ کی حدیث کو دوسری روایات پر ترجیح نہیں دیتے ابن عمر کی حدیث حسن صحیح ہے اسے موسیٰ بن عقبہ بھی نافع سے وہ ابن عمر سے اور وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی کی مثل روایت کرتے ہیں۔ (جامع ترمذی, جلد اول, رقم الحدیث، 551)

نماز خوف کے ایک دوسرے طریقے کا بیان

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سرتاج دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں (ایک مرتبہ) نماز خوف پڑھائی۔ چنانچہ ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے دو صفیں باندھ لیں اور دشمن ہمارے قبلے کے درمیان تھا آپ نے تکبیر کہی ہم سب نے بھی (یعنی دونوں صفوں نے) تکبیر کہی، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رکوع سے سر اٹھایا تو ہم سب نے (دونوں صفوں نے) بھی (اپنے سر رکوع سے) اٹھائے، پھر سجدے کے لئے اس صف کے ساتھ جھکے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب تھی (یعنی پہلی صف) اور دوسری صف دشمن کے مقابلے (قومہ ہی میں) کھڑی رہی پھر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ کر چکے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ وہ صف کھڑی ہوگئی (جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب تھی یعنی پہلی صف) تو پچھلی صف والے سجدے میں چلے گئے۔ پھر یہ کھڑے ہوگئے۔ اس کے بعد اگلی صف پیچھے ہٹ آئی اور (پچھلی صف آگے بڑھ گئی پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیام میں قرات کی اور) رکوع کیا تو ہم سب نے بھی رکوع کیا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رکوع سے سر اٹھایا تو ہم سب نے بھی رکوع سے سر اٹھایا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سجدے میں گئے اور صف جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب تھی اور پہلی رکعت میں پیچھے تھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سجدے میں چلی گئی اور پچھلی صف (جو پہلی رکعت میں آگے تھی) دشمن کے مقابلے میں کھڑی رہی، پھر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب کی صف کے سب لوگ سجدے سے فارغ ہوگئے تو پچھلی صف نے سجدے کیا۔ پھر اس کے بعد آپ نے اور ہم سب نے (یعنی دونوں صفوں نے التحیات پڑھ کر) سلام پھیرا۔"

(صحیح مسلم، مشکوۃ شریف: جلد اول: رقم الحدیث، 1395)

نماز خوف کا یہ ایک اور طریقہ ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جیسا وقت اور جیسا موقع دیکھتے اسی کے مطابق نماز خوف پڑھتے تھے۔ چنانچہ یہاں چونکہ دشمن سامنے ہی قبلے کی طرف تھا اس لئے اسلامی لشکر ایک ہی جگہ اس طرح نماز پڑھتا رہا کہ دشمن کا لشکر مد مقابل رہا چنانچہ کسی جماعت کو کسی اور طرف بھیجنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی، پورا لشکر رکوع تک تو متفق رہا اس کے بعد صرف اتنا فرق ہوا کہ جب ایک صف سجدہ میں گئی تو دوسری صف کھڑی رہی اور جب دوسری صف سجدے میں گئی تو پہلی صف کھڑی رہی۔ جیسا کہ حدیث میں ذکر کیا گیا ہے علماء لکھتے ہیں کہ یہ نماز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عسفان میں ادا فرمائی تھی۔

باب أحكام الجنائز

﴿یہ باب احکام جنائز کے بیان میں ہے﴾

لفظ جنازہ کے لغوی مفہوم کا بیان

علامہ علی بن سلطان محمد القاری حنفی لکھتے ہیں۔کہ جنائز یہ جنازہ کی جمع ہے،لفظ جنازہ لغت کے اعتبار سے جیم کے زیر اور زبر دونوں کے ساتھ مستعمل ہوتا ہے لیکن زیادہ فصیح جیم کے زیر کے ساتھ ہی ہے۔جنازہ میت یعنی مردے کو جو تخت پر ہو، کہتے ہیں۔

بعض حضرات نے کہا ہے کہ لفظ، جنازہ، یعنی جیم کے زبر کے ساتھ میت کے معنی میں استعمال کیا جاتا ہے اور جنازہ یعنی جیم کے زیر کے ساتھ تابوت اور اس تخت یا چار پائی کو کہتے ہیں جس پر مردہ کو رکھ کر اٹھاتے ہیں،بعض حضرات نے اس کے برعکس کہا ہے یعنی، جنازہ تابوت یا تخت کو کہتے ہیں اور جنازہ میت کو کہا جاتا ہے۔(شرح وقایہ، کتاب صلوٰۃ، ج۱،ص۳۲۰، بیروت)

نماز جنازہ کا ثبوت دلیل شرعی سے ہونے کا بیان

وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓی اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰی قَبْرِهٖ اِنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَمَاتُوْا وَهُمْ فٰسِقُوْنَ،(التوبہ،۸۴)

اور آپ کبھی بھی ان(منافقوں) میں سے جو کوئی مر جائے اس(کے جنازے) پر نماز نہ پڑھیں اور نہ ہی آپ اس کی قبر پر کھڑے ہوں(کیونکہ آپ کا کسی جگہ قدم رکھنا بھی رحمت و برکت کا باعث ہوتا ہے اور یہ آپ کی رحمت و برکت کے حق دار نہیں ہیں)۔بیشک انہوں نے اللہ اور اس کے رسول(صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ کفر کیا اور وہ نافرمان ہونے کی حالت میں ہی مر گئے۔

اگرچہ اس آیت میں منافقین کی نماز جنازہ پڑھنے کی ممانعت وارد ہوئی ہے۔تاہم اسی کا مفہوم مخالف اہل ایمان کی نماز جنازہ ہے جس کا ثبوت واستدلال درست ہے۔

قریب المرگ شخص سے متعلق احکام

ما يصنع مع المحتضر يسن توجيه المحتضر على يمينه وجاز الاستلقاء وترفع رأسه قليلا ويلقن بذكر الشهادة عنده من غير إلحاح ولا يؤمر بها وتلقينه في القبر مشروع وقيل لا يلقن وقيل لا يؤمر به ولا ينهى عنه،

ويستحب لأقرباء المحتضر وجيرانه الدخول عليه ويتلون عنده سورة يس واستحسن

بعض المتأخرين سورة الرعد واختلفوا في إخراج الحائض والنفساء من عنده ما يصنع معه إذا مات فإذا مات شد لحياه وغمض عيناه ويقول مغمضه بسم الله وعلى ملة سيدنا رسول الله صلى الله عليه وسلم اللّٰهم يسر عليه أمره وسهل عليه ما بعده وأسعده بلقائك واجعل ما خرج اليه خيرا مما خرج عنه وتوضع على بطنه حديدة لئلا ينتفخ وتوضع يداه بجنبيه ولا يجوز وضعهما على صدره وتكره قراءة القرآن عنده حتى يغسل ولا بأس بإعلام الناس بموته تجهيزه وتغسيله ويعجل بتجهيزه فيوضع كما مات على سرير مجمر وترا ويوضع كيف اتفق على الأصح ويستر عورته ثم جرد عن ثيابه ووضيء إلا أن يكون صغيرا لا يعقل الصلاة بلا مضمضة واستنشاق إلا أن يكون جنبا وصب عليه ماء مغلي بسدر أو حرض وإلا فالقراح وهو الماء الخالص ويغسل رأسه ولحيته بالخطمي ثم يضجع على يساره فيغسل حتى يصل الماء الى ما يلي التخت منه ثم على يمينه كذلك ثم أجلس مسندا اليه ومسح بطنه رفيقا وما خرج منه غسله ولم يعد ينشف بثوب ويجعل الحنوط على رأسه ولحيته والكافور على مساجده وليس في الغسل استعمال القطن في الروايات الظاهرة ولا يقص ظفره وشعره ولا يسرح شعره ولحيته،

ترجمہ

جو شخص قریب المرگ ہو تو اس وقت سنت یہ ہے کہ اس کو دائیں جانب متوجہ کیا جائے۔ اور پیٹھ کے بل لٹانا بھی جائز ہے۔ اور اس کا سر معمولی سا اوپر کیا جائے اور اس کے پاس بیٹھ کر اس کو شہادتین کی تلقین کی جائے۔ جس کا اصرار نہ کیا جائے۔ اور اس کو حکم بھی نہ دیا جائے۔ اور قبر میں دفن کرنے کے بعد بھی تلقین کرنا جائز ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کو تلقین نہ کی جائے۔ اور نہ ہی اس کو حکم دیا جائے۔ اور نہ اس کو منع کیا جائے۔

اور فوت ہونے کے قریب شخص کے پاس اعزاء واقارب اور ہمسائیوں کے لئے مستحب یہ ہے کہ وہ اس کے پاس آئیں اور سورت یٰسین کی تلاوت کریں۔ اور متاخرین فقہاء کے نزدیک سورت رعد کی تلاوت کرنا بھی اچھا ہے۔ جبکہ حائض ونفاس والی خواتین کو وہاں سے نکال دینے کے بارے میں اختلاف ہے۔

اور جب وہ شخص فوت ہو جائے تو اس کے جبڑوں کو باندھ دیا جائے۔ اور اس آنکھوں کو بند کر دیا جائے اور آنکھیں بند کرنے والا شخص یہ کہے۔

اللہ کے نام کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ملت پر، اے اللہ! اس پر معاملہ آسان فرمانا اور اس کے بعد والے معاملات بھی آسان کر دینا۔ اس کو اپنی ملاقات کی سعادت نصیب فرما۔ اور جس آخرت کی جانب یہ روانہ ہوا ہے وہ اس کے لئے دنیا سے بہتر

بنادے جس دنیا کو یہ چھوڑ چلا ہے۔

اس کے پیٹ پر لوہار کھ دیا جائے۔ تاکہ وہ پھول نہ سکے۔ اس کے ہاتھوں کو اس کے پہلوؤں کے ساتھ رکھ دیا جائے۔ جبکہ انہیں سینے پر رکھنا جائز نہیں ہے۔ جب تک اس کو غسل نہ دے دیا جائے۔ اور اس کے پاس قرآن پاک کی تلاوت کرنا مکروہ ہے۔

اس کی تجہیز میں جلدی کی جائے۔ جیسے ہی اس کی موت واقع ہوئی ہے اس کو ایسے تختہ پر رکھا جائے جس کو طاق مرتبہ دھونی دی گئی ہو۔ اور زیادہ صحیح قول کے مطابق جس طرح رکھنا ممکن ہو اس کو رکھ دیا جائے۔ اور اس کے ستر کو ڈھانپ دیا جائے۔ اس کے بعد اس کے کپڑوں کو اتارا جائے۔ اور اس کو اس کو وضو کرایا جائے لیکن اس قدر چھوٹا بچہ جو نماز کو سمجھنے کی صلاحیت نہ رکھتا ہو۔ اس کو وضو کرانے کی ضرورت نہیں ہے۔ وضو کراتے ہوئے اس کو کلی نہ کرائی جائے اور نہ ہی ناک میں پانی ڈالا جائے۔ ہاں البتہ اگر وہ جنابت کی حالت میں ہے تو پھر ایسا کیا جائے گا۔

اس پر پانی وہ ڈالا جائے جس کو بیری کے پتوں یا اشنان کے ساتھ ابالا گیا ہو۔ اور اگر ایسا پانی نہ ہو تو پھر خالص پانی سے غسل دیا جائے۔ اس کے سر اور داڑھی کو خطمی سے دھویا جائے۔ اس کے بعد اس کو بائیں جانب لٹا کر دائیں جانب کو غسل دیا جائے۔ یہاں تک کہ وہ پانی وہاں تک پہنچ جائے تو تختے سے ملا ہوا ہے۔ اور اسی طرح پھر اس کو دائیں جانب لٹا کر غسل دیا جائے۔ اس کے بعد اس کو سہارا دے کر بٹھایا جائے۔ اور اس کے پیٹ پر نرمی کے ساتھ ہاتھ پھیرا جائے۔ اور جو کوئی چیز خارج ہو تو اس کو دھو دیا جائے۔ جبکہ غسل دوبارہ نہ کرائے۔ اس کے بعد کسی کپڑے کے ساتھ میت کا جسم خشک کرے۔ اور سر اور داڑھی پر حنوط اور سجدے والے اعضاء پر کافور لگائی جائے۔

ظاہر الروایت کے مطابق غسل دیتے وقت روئی کا استعمال نہ کیا جائے اور ناخن اور بال بھی نہ کاٹے جائیں۔ اور اس کے بالوں اور داڑھی پر کنگھی نہ کی جائے۔

میت کے پاس سورت یسین پڑھنے کا بیان

قریب المرگ سے مراد وہ مریض ہے جس پر علامات موت ظاہر ہونے لگیں اور علماء نے لکھا ہے کہ علامات موت یہ ہے کہ مریض کے پاؤں سست ہو جاتے ہیں کہ اگر انہیں کھڑا کیا جائے تو کھڑے نہ ہو سکیں، ناک کا بانسہ ٹیڑھا ہو جاتا ہے کنپٹیاں بیٹھ جاتی ہیں اور خصیتین کا پوست لٹک جاتا ہے۔ اور قریب المرگ کے پاس پڑھی جانے والی چیز سے مراد ہے کلمہ طیبہ یعنی **لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ** کی تلقین، سورت یسین کی تلاوت، انا للہ و انا الیہ راجعون پڑھنا اور دعائے مغفرت وغیرہ۔

حضرت ابوسعید اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جو لوگ قریب المرگ ہوں انہیں (کلمہ) لا الہ الا اللہ کی تلقین کرو۔ (مسلم، مشکوۃ شریف، جلد دوم، رقم الحدیث، 95)

تلقین کے معنی پڑھنا ہیں تلقین سے مراد قریب المرگ کے روبرو کلمہ لا الہ الا اللہ پڑھنا، تاکہ وہ بھی سن کر پڑھے مگر قریب المرگ سے نہ کہا جائے یہ تم بھی پڑھو مبادا کہ شدت مرض یا بدحواسی کے سبب اس کے منہ سے انکار نکل جائے۔ جمہور علماء کے نزدیک یہ تلقین مستحب ہے۔

میت کی آنکھوں کو بند کر دینے کا بیان

حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم (میرے پہلے شوہر) حضرت ابوسلمہ کے پاس اس وقت تشریف لائے جب کہ ان کی آنکھیں پتھرا گئیں تھیں چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی آنکھوں کو بند کیا اور فرمایا کہ جب روح قبض کی جاتی ہے تو اس کے ساتھ بینائی بھی چلی جاتی ہے۔ ابوسلمہ کے اہل بیت (یہ سن کر) سمجھ گئے کہ ابوسلمہ کا انتقال ہو گیا چنانچہ وہ سب رونے، چلانے لگے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنے نفسوں کے بارہ میں خیر و بھلائی ہی کی دعا کرو (یعنی واویلا اور بددعا نہ کرو) کیونکہ تم (بری یا بھلی) جس دعا کے بھی الفاظ اپنے منہ سے نکالتے ہو اس پر فرشتے آمین کہتے ہیں۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا ارشاد فرمائی۔ اے اللہ، ابوسلمہ کو بخش دے اور اس کا مرتبہ بلند فرما ان لوگوں میں جو سیدھی راہ دکھائے گئے ہیں اور اس کے پسماندگان کا جو باقی رہے ہوئے لوگوں میں ہیں کارساز بن جا اور اے دونوں جہاں کے پروردگار! ہمیں اور اس کو بخش دے اور اس کی قبر میں کشادگی کر اور اس کے لیے قبر کو منور فرما دے۔ آمین۔

(مسلم، مشکوۃ شریف، جلد دوم، رقم الحدیث، 98)

ارشاد گرامی کے الفاظ ان الروح اذا قبض الخ کے ذریعہ گویا آپ اغماض یعنی آنکھیں بند کرنے کی علت بیان فرما رہے ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ میں نے آنکھوں کو اس لیے بند کر دیا کہ جب روح قبض کی جاتی ہے تو اس کے ساتھ بینائی بھی چلی جاتی ہے لہٰذا آنکھیں کھلی رہنے کا کوئی فائدہ نہیں۔

میت کو غسل دینے کے طریقے کا بیان

حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ہمارے پاس رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے جب کہ ہم آپ کی بیٹی (حضرت زینب رضی اللہ عنہ) کو نہلا رہے تھے آپ نے فرمایا تم تین مرتبہ یا پانچ مرتبہ اور اگر مناسب سمجھو (یعنی ضرورت ہو تو اس سے بھی زیادہ اسے پانی اور بیری کے پتوں سے (یعنی بیری کے پانی میں جوش دے کر اس پانی سے نہلاؤ (کیونکہ بیری کے پتوں کے جوش دیئے ہوئے پانی سے بہت زیادہ پاکی اور صفائی حاصل ہوتی ہے) اور آخری مرتبہ میں کافور یا یہ فرمایا کہ کافور کا کچھ حصہ (پانی میں) ڈال دینا۔ اور جب تم (نہلانے سے) فارغ ہو جاؤ تو مجھے خبر دینا، چنانچہ جب ہم فارغ ہو گئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دی گئی، آپ نے اپنا تہ بند ہماری طرف بڑھا دیا اور فرمایا کہ اس تہ بند کو اس کے بدن سے لگا دو (یعنی اس تہ بند کو اس طرف کفن کے نیچے رکھ دو کہ وہ زینب کے بدن سے لگا رہے) اور ایک دوسری روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسے طاق یعنی تین بار یا پانچ بار یا سات بار غسل دو اور غسل اس کی دائیں طرف سے اور اس کے اعضاء وضو سے شروع کرو۔ حضرت ام عطیہ فرماتی ہیں کہ ہم نے ان کے بالوں کی تین چوٹیاں گوندھ کر ان کے پیچھے ڈال دیں۔ (صحیح بخاری و مسلم، مشکوۃ شریف، جلد دوم، رقم الحدیث، 112)

اگر پہلے غسل میں پاکی حاصل ہو جائے تو تین مرتبہ نہلانا مستحب ہے اور اس سے تجاوز کرنا مکروہ ہے اور اگر پاکی دو بار یا

تین بار میں حاصل ہو تو پھر پانچ مرتبہ نہلانا مستحب ہے یا زیادہ سے زیادہ سات مرتبہ، سات مرتبہ سے زیادہ نہلانا منقول نہیں ہے بلکہ اس سے زیادہ نہلانا مکروہ ہے۔

بیری کے پتوں اور کافور کے پانی سے غسل میت

میت کو بیری کے پتوں اور کافور کے پانی سے نہلانا چاہئے اس سلسلہ میں ضابطہ یہ ہے کہ دو دو مرتبہ تو بیری کے پتوں کے پانی سے نہلایا جائے جیسا کہ کتاب ہدایہ سے معلوم ہوتا ہے نیز ابوداؤد کی روایت ہے کہ ابن سیرین رحمہ اللہ نے حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا سے غسل میت سیکھا تھا۔ وہ بیری کے پتوں کے پانی سے دو مرتبہ غسل دیتی تھیں۔ اور تیسری مرتبہ کافور کے پانی سے غسل دیا جائے۔

کافور پانی میں ملایا جائے یا خوشبو میں؟

شیخ ابن ہمام فرماتے ہیں کہ اس حدیث کی مراد یہ ہے کہ کافور اس پانی میں ملایا جائے جس سے میت کو نہلایا جا رہا ہو چنانچہ جمہور علماء کی بھی یہی رائے ہے، جب کہ کوئی کہتے ہیں کہ کافور حنوط میں یعنی اس خوشبو میں ملایا جائے جس سے میت کو معطر کیا جا رہا ہو اور میت کے نہلانے اور اس کے بدن کو خشک کرنے کے بعد بدن پر لگایا جائے نیز علماء نے لکھا ہے کہ اگر کافور میسر نہ ہو تو پھر مشک اس کا قائم مقام قرار دیا جاتا ہے۔

بیری کے پتوں اور کافور کی خاصیت

علماء لکھتے ہیں کہ بیری کے پتوں اور کافور کے پانی سے میت کو غسل دینے اور میت کے بدن پر کافور ملنے کی وجہ یہ ہے کہ بیری کے پتوں سے تو بدن کا میل اچھی طرح صاف ہو جاتا ہے اور اس کی وجہ سے مردہ جلدی بگڑتا نہیں نیز بیری کے پتوں اور کافور کے استعمال کی وجہ سے موذی جانور پاس نہیں آتے۔ حصول برکت کے لیے بزرگوں کا کوئی کپڑا کفن میں شامل کیا جا سکتا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا تہ بند صاحبزادی کے کفن کے ساتھ لگانے کے لیے اس لیے عنایت فرمایا تاکہ اس کی برکت اسے پہنچے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جس طرح کوئی شخص اہل اللہ اور بزرگان دین سے اس کے لباس کا کوئی کپڑا موت سے پہلے حاصل کر کے اپنے پاس برکت کے لیے رکھتا ہے یا اسے استعمال کرتا ہے اس طرح موت کے بعد بزرگوں کے لباس سے برکت حاصل کرنا مستحب ہے بایں طور کہ ان کا کوئی کپڑا لے کر کفن میں شامل کر دیا جائے لیکن اس سلسلہ میں یہ امر ملحوظ رہے کہ وہ کپڑا کفن کے کپڑوں سے زیادہ نہ ہو۔

ابدان بميا منها کا مطلب یہ ہے کہ میت کو اس کے دائیں ہاتھ دائیں پہلو اور دائیں پاؤں کی طرف سے نہلانا شروع کرو اسی طرح مواضع الوضوء منہا میں حرو او مطلق جمع کے لئے ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ غسل میت میں پہلے اعضاء وضو دھونے چاہئیں اس کے بعد دوسرے اعضاء دھوئے جائیں اور اعضاء وضو سے مراد وہ اعضاء ہیں کہ جن کا دھونا فرض ہے۔ چنانچہ غسل

میت میں کلی اور ناک میں پانی دینا حنفیہ کے نزدیک مشروع نہیں بعض علماء نے اس بات کو مستحب کہا ہے کہ میت کو نہلانے والا اپنی انگلیوں پر کپڑا لپیٹ لے اور اس سے میت کے دانتوں کو، تالو، کو اندر سے دونوں کلوں کو اور نتھنوں کو ملے، چنانچہ اب یہی معمول بہ ہے۔

صحیح یہ ہے کہ غسل کے وقت میت کے سر پر مسح کیا جائے اور اس کے پاؤں غسل کے بعد نہ دھوئے جائیں بلکہ جب دوسرے اعضاء وضو دھوئے جاتے ہیں تو اسی وقت پیروں کو بھی دھویا جائے۔ نیز میت کے ہاتھ پہلے نہ دھوئے جائیں بلکہ غسل کی ابتداء منہ دھونے سے کرنی چاہیئے بخلاف جنبی (ناپاک شخص) کے کہ وہ جب غسل کرتا ہے تو پہلے اپنے دونوں ہاتھ اس لیے دھوتا ہے تاکہ دوسرے اعضاء دھونے کے لیے دونوں ہاتھ پاک ہو جائیں جب کہ میت دوسروں کے ہاتھوں نہلائی جاتی ہے اس لیے اس کے دونوں ہاتھوں کو دھلانے کی حاجت نہیں ہے۔

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک مسئلہ یہ ہے کہ اگر عورت کی میت ہو تو غسل کے بعد اس کے بال کھلے ہی رہنے دیئے جائیں انہیں گوندھا نہ جائے۔

غسل میت میں طاق مرتبہ پانی بہانے کا بیان

حضرت ام عطیہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی فوت ہوئیں تو آپ نے فرمایا اسے طاق مرتبہ، تین یا پانچ یا ضرورت سمجھے تو اس سے بھی زیادہ مرتبہ غسل دو اور غسل پانی اور بیری کے پتوں سے دو اور آخری مرتبہ اس میں کافور ڈال دو یا فرمایا تھوڑا کافور ڈال دو۔ پھر جب تم فارغ ہو جاؤ تو مجھے اطلاع کرنا۔ غسل سے فراغت کے بعد ہم نے آپ کو خبر دی تو آپ نے اپنا ازار بند ہماری طرف ڈال دیا فرمایا اسے اس کا شعار بناؤ (یعنی کفن سے نیچے رکھو) ہشیم کہتے ہیں کہ دوسری روایات جن میں مجھے معلوم نہیں شاید ہشام بھی انہی میں سے ہیں ام عطیہ فرماتی ہیں کہ ہم نے ان کے بالوں کی تین چوٹیاں بنائیں ہشیم کہتے ہیں کہ میرا خیال ہے کہ راوی نے مزید یہ کہا کہ ہم نے ان کی چوٹیاں پیچھے کی طرف ڈال دیں۔ ہشیم کہتے ہیں ہم سے خالد نے بواسطہ حفصہ اور محمد، ام عطیہ سے بیان کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں فرمایا کہ دائیں طرف سے اور اعضائے وضو سے شروع کریں۔ اس باب میں حضرت ام سلمہ سے بھی روایات ہے امام ترمذی فرماتے ہیں کہ ام عطیہ کی حدیث حسن صحیح ہے اور اسی پر علماء کا عمل ہے ابراہیم نخعی سے مروی ہے کہ غسل میت غسل جنابت ہی کی طرح ہے مالک بن انس فرماتے ہیں کہ میت کے غسل کی کوئی مقررہ حد اور نہ ہی اس کی کوئی خاص کیفیت ہے بلکہ مقصد یہی ہے کہ میت پاک ہو جائے امام شافعی کہتے ہیں کہ امام مالک کا قول مجمل ہے کہ میت کو نہلایا اور صاف کیا جائے خالص پانی یا کسی چیز کی ملاوٹ والے پانی سے میت کو صاف کیا جائے۔ تب بھی کافی ہے لیکن تین مرتبہ یا اس سے زائد غسل دینا میرے نزدیک مستحب ہے۔ تین سے کم نہ کیا جائے۔ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انہیں تین یا پانچ بار غسل دو۔ اگر تین مرتبہ سے کم ہی میں صفائی ہو جائے تو بھی جائز ہے۔

امام شافعی فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس حکم سے مراد پاک وصاف کرنا ہے خواہ تین بار سے ہو یا پانچ بار سے۔ کوئی تعداد مقرر نہیں، فقہاء کرام نے یہی فرمایا اور وہ حدیث کوئی تعداد مقرر نہیں، فقہاء کرام نے یہی فرمایا ہے اور وہ حدیث کے

معانی کو سب سے زیادہ سمجھتے ہیں امام احمد اور اسحاق کا قول یہ ہے کہ میت کو پانی اور بیری کے پتوں سے غسل دیا جائے اور آخر میں کافور بھی ساتھ ملایا جائے۔(جامع ترمذی، جلد اول، رقم الحدیث،985)

عورت کا اپنے شوہر کو غسل دینے کا بیان

والمرأة تغسل زوجها بخلافه كأم الولد لا تغسل سيدها ولو ماتت امرأة مع الرجال يمموها كعكسه بخرقة وإن وجد ذو رحم محرم ييمم بلا خرقة وكذا الخنثى المشكل ييمم في ظاهر الرواية ويجوز للرجل والمرأة تغسيل صبي وصبية لم يشتهيا ولا بأس بتقبيل الميت من يجهزه وعلى الرجل تجهيز امرأته ولو معسرا في الأصح ومن لا مال له فكفنه على من تلزمه نفقته وإن لم يوجد من تجب عليه نفقته ففي بيت المال فإن لم يعط عجزا أو ظلما فعلى الناس ويسأل له التجهيز من لا يقدر عليه غيره الكفن الشرعي،

ترجمہ

عورت اپنے خاوند کو غسل دے سکتی ہے۔جبکہ خاوند اپنی بیوی کو غسل نہیں دے سکتا۔اسی طرح ام ولد بھی اپنے مالک کو غسل نہیں دے سکتی۔اور جب عورت فوت ہو جائے۔اور وہاں صرف مرد ہوں تو وہ اس عورت کو غسل نہ دیں بلکہ ہاتھ پر کپڑا لپیٹ کر تیمّم کرائیں۔اور اگر وہاں پر اس کا کوئی محرم موجود ہے تو وہ کپڑے کے بغیر تیمّم کرائے۔اور اسی طرح جب مرد فوت ہو جائے اور وہاں صرف خواتین موجود ہیں۔تو وہ بھی اس کو کپڑے سے تیمّم کرائیں۔اور ظاہر الروایت کے مطابق خنثیٰ مشکل کو تیمّم کرایا جائے گا۔

اور لڑکا یا لڑکی جو شہوت کی عمر کو نہ پہنچے ہوں انہیں غسل دینا مرد و عورت دونوں کے لئے جائز ہے۔

میت کو بوسہ دینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

زیادہ صحیح قول کے مطابق بیوی کی تجہیز و تکفین کی ذمہ داری اس کے شوہر پر ہے۔خواہ وہ تنگ دست ہی کیوں نہ ہو۔جس کے پاس کچھ بھی مال نہ ہو اس کا کفن اس کے ذمہ پر ہے جس پر اس کا نفقہ واجب ہے۔اور اگر وہ آدمی بھی نہیں ہے جس پر نفقہ واجب تھا تو اس کو بیت المال سے کفن دیا جائے گا۔اور جب بیت المال بھی کفن دینے عاجز ہو یا وہ ظالم حکمرانوں کے سبب کسی کو کفن نہ دیتا ہو تو لوگوں کے ذمہ پر ہے۔اور جب بندہ تجہیز و تکفین پر قادر نہ ہو وہ دوسروں سے مانگ سکتا ہے۔

شرح

اگر کسی شخص کی بیوی فوت ہو جائے تو شرعی اعتبار سے شوہر اپنی بیوی کو نہ غسل دے سکتا ہے اور نہ چھو اور نہ دیکھ سکتا ہے کیونکہ جب وہ عورت اس کی بیوی تھی تو وہ اسکی مملوکہ تھی اور جیسے ہی وہ فوت ہوئی وہ اسکی ملکیت سے نکل گئی اور شوہر سے وہ اہلیت اُٹھ گئی جو حالت نکاح میں اس کو حاصل تھی۔اور اگر کسی کا شوہر فوت ہو جائے تو بیوی اپنے شوہر کو غسل دے سکتی ہے کیونکہ شوہر کے وصال کے بعد بھی وہ عورت عدت میں ہے اور عدت کی مدت تک اس کی ملکیت میں ہے لہٰذا وہ اس عرصہ میں اپنے شوہر کو چھو، دیکھ اور غسل دے

سکتی ہے۔

مرد وعورت کے کفن کا بیان

وكفن الرجل سنة قميص وإزار ولفافه مما كان يلبسه في حياته وكفاية إزار ولفافة وفضل البياض من القطن وكل من الإزار واللفافة من القرن الى القدم ولا يجعل لقميصه كم ولا دخريص ولا جيب ولا تكف أطرافه وتكره العمامة في الأصح ولف من يساره ثم يمينه وعقد إن خيف انتشاره وتزاد المرأة في السنة خمارا لوجهها وخرقة لربط ثدييها وفي الكفاية خمارا ويجعل شعرها ضفيرتين على صدرها فوق القميص ثم الخمار فوقه تحت اللفافة ثم الخرقة فوقها وتجمر الأكفان وترا قبل أن يدرج فيها وكفن الضرورة ما يوجد،

ترجمہ

مرد کا کفن سنت یہ ہے کہ ایک قمیص، ایک آزار اور ایک لفافہ ہو۔ کفن کے کپڑے اس طرح کے ہوں جس طرح کے وہ زندگی میں استعمال کیا کرتا تھا۔ اور مرد کا کفن کفایہ آزار اور لفافہ ہے۔ روئی کا سفید کفن افضل ہے۔ اور آزار اور لفافہ ان دونوں چادروں کی لمبائی سے لے کر پاؤں تک ہونی چاہیے۔ قمیص میں آستین اور کلی اور گریبان نہ بنائے جائیں۔ اور قمیص کی اطراف کو لپیٹا نہ جائے۔ اور زیادہ صحیح قول کے مطابق میت کو عمامہ باندھنا مکروہ ہے۔

کفن کی چادروں کو پہلے بائیں جانب سے اور پھر دائیں جانب سے لپیٹا جائے۔ اور اگر کفن کے کھل جانے کا اندیشہ ہو تو گرہ لگائی جائے۔

عورت کے لئے کفن سنت میں مذکورہ تین کپڑوں پر دو چیزوں کا اضافہ کیا جائے۔ ایک خمار یعنی چہرے کے لئے دوپٹہ اور دوسرا خرقہ جو پستانوں پر باندھنے کے لئے کپڑا ہوتا ہے۔ اور کفن کفایہ میں عورت کے لئے صرف خمار کا اضافہ کیا جائے گا۔ اور عورت کے بالوں کی دو مینڈھیاں بنا کر قمیص کے اوپر اس کے سینے پر رکھ دی جائیں۔ اس کے بعد قمیص کے اوپر اور لفافہ کے نیچے خمار رکھا جائے اور اس کے اوپر خرقہ کو رکھا جائے۔ میت کو کفن میں لپیٹنے سے پہلے اس کو کفن کو طاق بار دھونی دی جائے گی۔

کفن کے کپڑوں کا بیان

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تین کپڑوں میں کفنائے گئے تھے جو سفید یمنی اور سحول کی بنی ہوئی روئی کے تھے، نہ ان میں (سیا ہوا) کرتہ تھا نہ پگڑی تھی۔ (بخاری مشکوۃ شریف، جلد دوم، حدیث ۱۱۳۰)

لیس فیھا قمیص ولا عمامة (نہ ان میں کرتہ تھا اور نہ پگڑی تھی) کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کفن میں ان کپڑوں کے علاوہ کرتہ اور عمامہ بالکل نہ تھا۔

بعض حضرات نے اس جملہ کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ کرتہ اور عمامہ ان تین کپڑوں میں نہیں تھا بلکہ کرتہ اور عمامہ ان تین کپڑوں کے علاوہ تھا۔ اس صورت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کفن میں پانچ کپڑوں کا ہونا لازم آئے گا۔ حالانکہ یہ ثابت ہو چکا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کفن میں تین کپڑے تھے لہٰذا اس جملہ کا یہی مطلب صحیح ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کفن میں کرتہ وعمامہ بالکل نہیں تھا صرف تین کپڑے تھے۔ اس جملہ کے پیش نظر علماء کے مسلک میں بھی یہ اختلاف واقع ہوا ہے کہ آیا یہ مستحب ہے کہ کفن میں کرتہ اور عمامہ ہو یا نہ ہو؟ چنانچہ حضرت امام مالک، حضرت امام شافعی اور حضرت امام احمد رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ کفن میں تین لفافہ ہوں (یعنی صرف تین چادریں ہوں جن میں میت کو لپیٹا جا سکے) اور ان میں کرتہ و عمامہ نہ ہو۔

جب کہ حنفیہ یہ کہتے ہیں کہ کفن میں تین کپڑے ہونے چاہئیں (۱) ازار یعنی لنگی (۲) قمیص یعنی کفن (۳) لفافہ یعنی پوٹ کی چادر۔ لہٰذا حدیث میں قمیص کی جو نفی فرمائی گئی ہے اس کی تاویل حنفیہ یہ کرتے ہیں کہ سیا ہوا قمیص نہیں تھا بلکہ بغیر سیا ہوا قمیص تھا جس کو کفنی کہا جاتا ہے۔

حالت احرام والے کپڑوں میں کفن دینے کا بیان

حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ ہم ایک سفر میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ ایک آدمی اپنے اونٹ سے گرا اور اس کی گردن ٹوٹ گئی اور وہ مر گیا وہ احرام باندھے ہوئے تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسے بیری کے پتوں اور پانی سے غسل دو، انہی کپڑوں میں اسے دفن کرو اور اس کا سر مت ڈھانپو۔ قیامت کے دن یہ اسی حالت میں احرام باندھے ہوئے یا تلبیہ کہتے ہوئے اٹھایا جائے گا۔ امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے سفیان ثوری شافعی، احمد اور اسحاق کا یہی قول ہے۔ بعض اہل علم کہتے ہیں کہ محرم کے مرنے سے اس کا احرام ختم ہو جاتا ہے لہٰذا اس کے ساتھ بھی غیر محرم کی طرح معاملہ کیا جائے گا۔

(بخاری ومسلم، جامع ترمذی، جلد اول، رقم الحدیث، 945، مشکوۃ شریف، جلد دوم، رقم الحدیث، 115)

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص حالت احرام میں انتقال کر جائے تو اسے اسی کے لباس میں کہ جسے وہ بطور احرام استعمال کرتا تھا کفنا دیا جائے اور اس پر خوشبو نہ لگائی جائے۔ چنانچہ حضرت امام شافعی اور امام احمد کا یہی مسلک ہے جب کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ اور حضرت امام مالک کے نزدیک کفن کے بارے میں محرم اور غیر محرم دونوں برابر ہیں۔

جہاں تک اس بات کا سوال ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی کے دونوں کپڑوں میں کہ جسے وہ بطور محرم کے استعمال کرتا تھا کفنانے کا حکم دیا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کے پاس ان دونوں کپڑوں کے علاوہ اور کوئی کپڑا نہ تھا کہ اسے علیحدہ سے پورا کفن دیا جاتا اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے سر کو ڈھانکنے سے جو منع فرمایا تو یہ ممانعت بھی صرف اس شخص کے لیے تھی عام طور پر سب کے لیے یہ حکم نہیں ہے۔

فصل في صلاة الجنازة

﴿یہ فصل نماز جنازہ کے بیان میں ہے﴾

نماز جنازہ کے حکم اور اس کے ارکان کا بیان

حکمها وأركانها الصلاة عليه فرض كفاية وأركانها التكبيرات والقيام وشرائطها ستة إسلام الميت وطهارته وتقدمه أمام القوم وحضوره أو حضور أكثر بدنه أو نصفه مع رأسه وكون المصلي عليها غير راكب بلا عذر وكون الميت على الأرض فإن كان على دابة أو على أيدى الناس لم تجز الصلاة على المختار إلا من عذر سننها أربع قيام الإمام بحذاء صدر الميت ذكرا كان أو أنثى والثناء بعد التكبيرة الأولى والصلاة على سيدنا النبى صلى الله عليه وسلم بعد الثانية والدعاء للميت بعد الثالثة الدعاء فى صلاة الجنازة ولا يتعين له شيء وإن دعاء بالمأثور فهو أحسن وأبلغ ومنه ما حفظ عوف من دعاء سيدنا النبى صلى الله عليه وسلم اللّٰهم اغفر له وارحمه وعافه واعف عنه وأكرم نزله ووسع مدخله واغسله بالماء والثلج والبرد ونقه من الخطايا كما ينقى الثوب الأبيض من الدنس وأبدله دارا خيرا من داره وأهلا خيرا من أهله وزوجا خيرا من زوجه وأدخله الجنة وأعذه من عذاب القبر وعذاب النار ويسلم بعد الرابعة من غير دعاء فى ظاهر الرواية ولا يرفع يديه فى غير التكبيرة الأولى ولو كبر الإمام خمسا لم يتبع ولكن ينتظر سلامه فى المختار ولا يستغفر لمجنون وصبى ويقول اللّٰهم اجعله لنا فرطا واجعله لنا أجرا وذخرا واجعله لنا شافعا مشفعا،

ترجمہ

نماز جنازہ کا حکم اور اس کے ارکان یہ ہیں۔ نماز جنازہ کا حکم فرض کفایہ ہے۔ اور اس کے ارکان تکبیرات اور قیام ہے۔ اور اس کی چھ شرائط ہیں۔ میت کا مسلمان ہونا، میت کا پاک ہونا، میت کا لوگوں کے سامنے ہونا، میت کا پورا جسم یا اس کے اکثر جسم کا حصہ یا نصف بدن کا لوگوں کے سامنے موجود ہونا، نماز جنازہ پڑھنے والے کا بغیر کسی عذر کے سوار نہ ہونا، میت کی چارپائی کا زمین پر ہونا۔ اور اگر میت چوپائے پر یا لوگوں کے ہاتھوں پر ہو تو قول مختار کے مطابق نماز جنازہ جائز نہ ہوگی۔ ہاں البتہ جب کوئی عذر ہو تو

جائز ہوگا۔

نماز جنازہ کی چار سنتیں ہیں۔(۱) امام کا میت کے سینے کے مدمقابل کھڑا ہونا خواہ وہ میت مرد ہو یا عورت ہو۔(۲) پہلی تکبیر کے بعد ثناء پڑھنا (۳) دوسری تکبیر کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھنا (۴) تیسری تکبیر کے بعد میت کے لئے دعا کرنا ہے۔

نماز جنازہ کے لئے کوئی دعا معین نہیں ہے جب کوئی شخص وہ دعائیں مانگے جو احادیث میں ذکر ہوئی ہیں تو زیادہ بہتر ہے۔اور انہی دعاؤں میں ایک دعا وہ بھی ہے جس کو حضرت عوف بن مالک اشجعی رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاؤں میں سے یاد کیا ہے اور وہ یہ ہے۔

یا اللہ! اس کو بخش دے، اس پر رحم فرما اسے عذاب سے بچا۔ اس کے گناہ معاف کر، اس کا عزت والا مقام عطا کر، اس کی قبر کشادہ کر، اس کو اپنی رحمت کے پانی، برف اور اولوں سے نہلا دے۔ اور خطاؤں سے اس طرح پاک کر جس طرح سفید کپڑے کو میل کچیل سے صاف کرلیا جاتا ہے۔ اس کو دنیا کے گھر سے بہتر گھر اور اہل وعیال عطا فرما۔ اور دنیا کی زوجہ سے بہتر زوجہ ہو، اس کو جنت میں داخل کر، اور قبر اور جہنم کی آگ سے پناہ دے۔

(نوٹ: یہ دعا بھی ہے۔

اے اللہ! بخش دیجئے ہمارے زندوں کو اور مردوں کو حاضر کو اور غائب کو چھوٹے کو اور بڑے کو مرد کو اور عورت کو یا اللہ آپ ہم میں سے جس کو زندہ رکھیں تو سلام پر اور موت دیں تو ایمان پر۔)

نماز جنازہ میں امام کا میت کے سامنے کھڑے ہونے کا بیان

حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے ایک عورت کے جنازہ کی نماز پڑھی جو حالت نفاس میں انتقال کر گئی تھی چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے لیے جنازہ کے درمیان کھڑے ہوئے تھے۔

(بخاری ومسلم)

حضرت نافعی رحمۃ اللہ جن کی کنیت ابو غالب ہے فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے ساتھ ایک جنازہ (یعنی حضرت عبداللہ بن عمر کے جنازہ) کی نماز پڑھی، حضرت انس (جو امام تھے) جنازہ کے سر کے سامنے کھڑے ہوئے اور نماز پڑھائی پھر لوگ قریش کی ایک عورت کا جنازہ لے کر آئے اور کہا اے ابوحمزہ! (یہ انس کی کنیت ہے) اس جنازہ کی نماز پڑھا دیجئے چنانچہ حضرت انس تخت (کہ جس پر جنازہ تھا) کے درمیانی حصہ کے سامنے کھڑے ہوئے (اور نماز پڑھائی یہ دیکھ کر) علاء بن زیاد نے کہا کہ کیا آپ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو (نماز جنازہ میں) اسی طرح کھڑے ہوتے دیکھا ہے جیسا کہ آپ اس عورت کے جنازہ کے درمیان اور مرد کے جنازہ کے سر کے سامنے کھڑے ہوئے تھے؟ یعنی کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی نماز جنازہ پڑھاتے وقت عورت کے جنازہ پر اس کے درمیانی حصہ کے سامنے اور مرد کے جنازہ پر اس کے سر کے سامنے کھڑے ہوتے تھے؟ حضرت انس نے فرمایا ہاں! ابوداؤد نے بھی اس روایت کو کچھ زیادتی کے ساتھ نقل کیا ہے اور ان کی روایت میں فقام حیال

وسط السریر کے بجائے فقام عند عجیزة المرأة (عورت کے جنازہ پر اس کے کولھے کے قریب کھڑے ہوئے) کے الفاظ منقول ہیں۔ (ترمذی وابن ماجہ)

حضرت امام شافعی کا مسلک تو یہ ہے کہ عورت کے جنازہ کی نماز میں امام میت کے کولھوں کے سامنے کھڑا ہو اور مرد کے جنازہ کی نماز میں میت کے سر کے سامنے کھڑا ہو، چنانچہ عورت کی نماز جنازہ کے بارے میں تو حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ کے مسلک کی دلیل یہی حدیث ہے جب کہ مرد کی نماز جنازہ کے بارے میں وہ اپنا مسلک ایک دوسری حدیث سے ثابت کرتے ہیں۔

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ کا مسلک یہ ہے کہ امام میت کے سینہ کے سامنے کھڑا ہو کر خواہ مرد کا ہو یا عورت کا جنازہ ہو۔ اس حدیث کے بارے میں حضرت ابن ہمام رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث میت کے سینہ کے سامنے کھڑے ہونے کی منافی نہیں کیونکہ انسانی جسم اعضاء کے اعتبار سے دراصل سینہ ہی وسط ہے بایں طور کہ سینہ کے اوپر سر اور ہاتھ ہیں اور سینہ کے نیچے پیٹ اور پاؤں ہیں اور ان سب کے درمیان سینہ ہے، نیز یہ احتمال ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس موقع پر سینہ کے سامنے کولھوں کی طرف تھوڑا مائل کھڑے ہوں گے اور چونکہ یہ دونوں حصے یعنی سینہ اور کولھے آپس میں بالکل قریب قریب ہیں اس لیے راوی نے یہ گمان کر لیا ہو کہ آپ کولھوں کے سامنے کھڑے تھے۔

علامہ شمنی رحمۃ اللہ نے کہا ہے کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ اور حضرت امام ابو یوسف کی روایت بھی یہ ہے کہ عورت کی جنازہ کی نماز میں امام میت کے کولھوں کے سامنے کھڑا ہو۔

نماز جنازہ میں چار تکبیرات ہونے کا بیان

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نجاشی کی نماز جنازہ پڑھی اور اس میں چار مرتبہ تکبیر کہی۔

اس باب میں حضرت ابن عباس، ابن ابی اوفی، جابر، انس، یزید بن ثابت سے بھی روایت ہے امام ترمذی فرماتے ہیں کہ یزید بن ثابت کے بڑے بھائی ہیں۔ اور یہ جنگ بدر میں شریک تھے جب کہ زید اس جنگ میں شریک نہیں ہوئے۔ امام ترمذی فرماتے ہیں کہ ابو ہریرہ کی حدیث حسن صحیح ہے۔ (احناف کے مذہب کے مطابق چار تکبیرات ہیں)

اکثر علماء، صحابہ، اور دیگر علماء کا اس پر عمل ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ نماز جنازہ میں چار تکبیریں کہی جائیں۔ سفیان، ثوری، مالک بن انس، ابن مبارک، شافعی اور احمد اور اسحاق کا بھی یہی قول ہے۔ (جامع ترمذی، جلد اول، رقم الحدیث، 1017)

فصل بين بيان احق الناس بالصلاة

یہ فصل نماز جنازہ پڑھانے والے کے زیادہ حقدار ہونے والے کے بیان میں ہے

نماز جنازہ پڑھانے کا حقدار ہونے کا بیان

عليه السلطان أحق بصلاته ثم نائبه ثم القاضي ثم إمام الحي ثم الولي ولمن له حق التقدم أن يأذن لغيره فإن صلى غيره أعادها إن شاء ولا يعيد معه من صلى مع غيره ومن له ولاية التقدم فيها أحق ممن أوصى له الميت بالصلاة عليه على المفتي به وإن دفن بلا صلاة صلى على قبره وإن لم يغسل ما لم يتفسخ اجتماع الجنائز واذا اجتمعت الجنائز فالإفراد بالصلاة لكل منها أولى ويقدم الأفضل فالأفضل وإن اجتمعن وصلى عليها مرة جعلها صفا طويلا مما يلي القبلة بحيث يكون صدر كل قدام الإمام وراعى الترتيب فيجعل الرجال مما يلي الإمام والصبيان بعدهم ثم الخناثي ثم النساء ولو دفنوا بقبر واحد وضعوا على عكس هذا.

ترجمہ

نماز جنازہ پڑھانے کا سب سے زیادہ حقدار بادشاہ ہے۔ اس کے بعد اس وزیر اعظم، اس کے قاضی، اس کے بعد محلے کا امام اور اس کے بعد میت کا ولی ہے۔

جس شخص کو میت کی نماز جنازہ پڑھانے کا زیادہ حق ہے اس کے لئے جائز ہے کہ وہ میت کی نماز جنازہ پڑھانے کی اجازت کسی دوسرے کو دیدے۔ اور اگر غیر حق والے نے نماز جنازہ پڑھادی ہے۔ تو اب اگر حقدار دوبارہ چاہے تو وہ پڑھا سکتا ہے۔ اور اس کے ساتھ وہ لوگ دوبارہ نماز جنازہ نہیں پڑھ سکیں جو پہلے غیر حقدار کے ساتھ نماز جنازہ پڑھ چکے ہیں۔

جس شخص کو میت کی نماز جنازہ پڑھانے کا زیادہ حق حاصل ہے وہ اس شخص کی بہ نسبت زیادہ حق رکھتا ہے جس کے لئے میت نے وصیت کی ہے کہ وہ اس کی نماز جنازہ پڑھائے۔ اور فتویٰ بھی اسی قول کے مطابق ہے۔

اور اگر نماز جنازہ پڑھائے بغیر کسی کو دفن کر دیا گیا ہے تو جب تک اس کا جسم نہ پھٹے تو اس کی قبر پر نماز جنازہ پڑھی جائے گی اگرچہ اس کو غسل نہ بھی دیا گیا ہو۔

اور جب بہت سارے جنازے اکٹھے ہو جائیں تو ہر ایک پر الگ الگ نماز جنازہ پڑھنا افضل ہے۔ اور سب سے پہلے اس کی

نماز جنازہ پڑھی جائے گی جوان میں افضل ہو پھر اس کے بعد بقیہ کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی۔

اور جب بہت زیادہ جنازے جمع ہوں تو سب کی نماز جنازہ ایک بار پڑھنا چاہیں تو قبلہ کی جانب ایک لائن بنا کر ان کو اس طرح رکھ دیں کہ ہر ایک کا سینہ امام کے سامنے ہو اور ان کو رکھتے وقت ترتیب کا بھی خیال رکھا جائے۔ کہ امام کے سامنے سب سے پہلے مرد ہوں اس کے بعد بچے، اس کے بعد خنثیٰ، اور اس کے بعد عورتیں ہوں۔ اور جب بہت زیادہ جنازوں کو ایک ہی قبر میں دفن کرنا چاہیں تو ان کو مذکورہ ترتیب کے برعکس دفن کیا جائے گا۔

جنازہ میں حق ولایت کا فقہی مفہوم

علامہ ابن عابدین شامی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ نمازِ جنازہ میں مقدم سلطان ہے یا اس کا نائب (بہتر یہ کہنا ہے کہ، پھر اس کا نائب، جیسا کہ فتح القدیر وغیرہ میں ہے پھر قاضی (پھر حاکم شہر کا نائب، پھر قاضی ک نائب-- امداد-- از زیلعی -- شامی) پھر امامِ محلّہ اور حکام کی تقدیم واجب ہے اور امامِ محلّہ کی تقدیم مستحب ہے بشرطے کہ ولی سے افضل ہو، ورنہ ولی بہتر جیسا کہ مجتبیٰ میں ہے اور مصنّف کی شرح مجمع میں ہے۔ (امام محلّہ سے مُرادوہ کو جو مسجدِ محلّہ کا امام ہو، اس کے اولی ہونے کی وجہ یہ ہے کہ مرنے والے نے زندگی میں اس کی اقتداء پسند کی تو بعد وفات اس کی نماز جنازہ اسی کو پڑھانا چاہئے-- شامی)

درایہ میں ہے کہ امام جامع مسجد (شرح منیہ میں اسے امامِ جمعہ سے تعبیر کیا-- شامی) امامِ محلّہ سے بہتر ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ اس کی تقدیم بھی استحبابی ہے بشرطے کہ ولی سے افضل ہو۔ اس کی وجہ بھی یہی ہے کہ مرنے والے نے زندگی میں اسے اپنا امام پسند کیا، تو میّت اگر جمعہ پڑھنے والا نہیں، جیسے عورت، یا دوسرے کے پیچھے نماز پڑھنے والا اُس کے پیچھے نماز نہیں پڑھتا تو وہ بھی ولی پر مقدم نہ ہوگا۔ شامی نے کہا اس لئے کہ آگے آرہا ہے کہ اصل میں حق ولی کا ہے، اس پر حکام اور امام محلّہ کی تقدیم تعلیل مذکور کے باعث تھی وہ علت ہی یہاں موجود نہیں۔ پھر ولی جو نکاح کرانے میں عصبہ ہونے کی ترتیب کے اعتبار سے ہے تو اگر ولی کے علاوہ کسی ایسے نے نماز پڑھی جسے ولی پر حق تقدم حاصل نہیں اور ولی نے اس کی متابعت نہ کی تو ولی پھر پڑھ سکتا ہے اگر چہ قبر، اگر چاہے۔ یہ اجازت اس کے حق کے سبب ہے، اس وجہ سے نہیں کہ فرض جنازہ ادا نہ ہوا۔ اسی لئے پہلے جو لوگ پڑھ چکے ہوں انہیں ولی کے ساتھ اعادہ کی اجازت نہیں اس لئے کہ نمازِ جنازہ کی تکرار غیر مشروع ہے۔ (فتاویٰ شامی، کتاب صلوٰۃ، بیروت)

قبر پر نماز جنازہ پڑھانے کا بیان

حضرت شعبی کہتے ہیں کہ مجھ سے اس آدمی نے بیان کیا جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا اور اس نے ایک اکیلی قبر دیکھی جس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کی صف بندی فرمائی اور نماز جنازہ پڑھائی، شعبی سے پوچھا گیا کہ وہ کون ہے جس نے آپ کو یہ واقعہ سنایا؟ انہوں نے فرمایا کہ حضرت ابن عباس۔ اس باب میں حضرت انس، بریدہ، یزید بن ثابت، ابو ہریرہ، عامر بن ربیعہ، ابو قتادہ، اور سہل بن حنیف سے بھی روایت ہے امام ترمذی فرماتے ہیں کہ ابن عباس کی حدیث حسن صحیح ہے۔ اکثر صحابہ کرام اور دیگر علماء کا اس پر عمل ہے امام شافعی، احمد، اور اسحاق کا یہ قول ہے۔

بعض اہل علم فرماتے ہیں کہ قبر پر نماز جنازہ نہ پڑھی جائے۔امام مالک کا بھی یہی قول ہے ابن مبارک فرماتے ہیں کہ اگر میت کو نماز جنازہ پڑھے بغیر دفن کیا جائے تو قبر پر نماز جنازہ پڑھی جائے ابن مبارک کے نزدیک قبر پر ایک ماہ تک نماز جنازہ پڑھنا جائز ہے۔وہ فرماتے ہیں کہ ہم نے سعید بن میسّب سے کثر سنا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ام سعد بن عبادہ کی قبر پر ایک ماہ بعد نماز جنازہ پڑھی۔(جامع ترمذی، جلد اول، رقم الحدیث،1033)

نماز جنازہ میں مسائل اقتداء کا بیان

الاقتداء فيها ولا يقتدى بالإمام من وجده بين تكبيرتين بل ينتظر تكبيرة الإمام فيدخل معه ويوافقه في دعائه ثم يقضي ما فاته قبل رفع الجنازة ولا ينتظر تكبير الإمام من حضر تحريمته ومن حضر بعد التكبيرة الرابعة قبل السلام فاتته الصلاة في الصحيح اين يصلى عليه وتكره الصلاة عليه في مسجد الجماعة وهو فيه أو خارجه وبعض الناس في المسجد على المختار الصلاة على الولدان والصبيان ومن استهل سمي وغسل وصلى عليه وإن لم يستهل غسل في المختار وأدرج في خرقة ودفن ولم يصل عليه كصبي سبي مع أحد أبويه إلا أن يسلم أحدهما أو هو أو لم يسب أحدهما معه الكفار والبغاة وأن كان لكافر قريب مسلم غسله كغسل خرقة نجسة وكفنه في خرقة وألقاه في حفرة أو دفعه الى أهل ملته ولا يصلى على باغ وقاطع طريق قتل في حالة المحاربة وقاتل بالخنق غيلة ومكابر في المصر ليلا بالسلاح ومقتول عصبية وإن غسلوا المنتحر وقاتل ابويه وقاتل نفسه يغسل ويصلى عليه لا على قاتل أحد أبويه عمدا

ترجمہ

نماز جنازہ میں جو شخص امام کو دو تکبیروں کے بعد پائے۔تو وہ اقتداء نہ کرے۔بلکہ امام کی تکبیر کا انتظار کرے۔پھر وہ اس کے ساتھ نماز میں شامل ہو جائے۔اور دعا میں اس کی مطابقت کرے۔اس کے بعد جنازہ اٹھانے سے قبل فوت شدہ تکبیروں کی قضاء کرے۔

جو شخص امام کی تکبیر تحریمہ کے وقت آئے۔تو وہ امام کی تکبیر کا انتظار نہ کرے بلکہ شامل ہو جائے۔اور جو شخص چوتھی تکبیر کے بعد امام کے سلام پھیرنے سے پہلے آئے تو زیادہ صحیح قول کے اس کی نماز جنازہ رہ چکی ہے۔

جس مسجد میں با جماعت نماز ادا کی جاتی ہو اس میں نماز جنازہ پڑھنا مکروہ ہے جبکہ میت مسجد کے اندر یا میت مسجد سے باہر اور بعض لوگ مسجد کے اندر ہوں یہی مختار مذہب ہے۔

جس بچے نے پیدا ہونے کے بعد آواز نکالی ہے تو اس کا نام بھی رکھا جائے اور اس کو غسل بھی دیا اور اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی۔ ہاں البتہ جب اس نے کوئی آواز نہیں نکالی تو مذہب مختار کے مطابق اس کو غسل دیا جائے گا اور ایک کپڑے میں لپیٹ کر اس کو دفن کر دیا جائے گا اور اس کی نماز جنازہ نہ پڑھی جائے گی۔ اور اسی طرح اس بچے کی نماز جنازہ بھی نہیں پڑھی جائے گی جس کو اس کے والدین یا ان میں سے کسی ایک کے ساتھ قیدی بنا کر لایا گیا ہے۔ لیکن اس کے والدین میں سے کوئی ایک مسلمان ہو جائے یا وہ بچہ خود مسلمان ہو جائے یا اس کو والدین میں سے کسی ایک ساتھ قیدی بنا کر نہیں لایا گیا تو ان صورتوں میں اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی۔

اور جب کسی کافر میت کا کوئی مسلمان رشتہ دار ہو تو اس کو غسل دینے کی یہ جائے اس کے جسم کو اس طرح دھوئے جس طرح کوئی ناپاک کپڑے کو دھوتا ہے اس کے بعد ایک کپڑے میں رکھ کر اس کو کسی گڑھے میں پھینک دے یا پھر اس کے ہم مذہب لوگوں کے حوالے کر دے۔

حسب ذیل لوگوں کی نماز جنازہ نہیں پڑھی جائے گی۔

باغی، راستوں پر ڈاکہ ڈالنے والا جو اس لڑائی میں مارا جائے۔ دھوکے سے لوگوں کا گلہ گھونٹ کر قتل کرنے والا، رات کے وقت ہتھیار لے کر شہر میں ڈاکہ زنی کرنے والا، عصبیت میں قتل ہو جانے والا، اگرچہ ان لوگوں کو غسل دیا گیا ہو۔ اور خودکشی کرنے والے کو غسل دیا جائے اور اس کی نماز جنازہ بھی پڑھی جائے۔ مگر وہ شخص جس نے اپنے والدین میں سے کسی ایک جان بوجھ کر قتل کیا ہو اس کی نماز جنازہ نہ پڑھی جائے۔

بچے کے رونے کے بعد اس پر نماز جنازہ پڑھنے کا بیان

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سوار جنازہ کے پیچھے رہے اور پیدل چلنے والے جہاں جی چاہے وہاں چلے اور لڑکے پر بھی نماز جنازہ پڑھی جائے۔ امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ اسرائیل اور کئی رواۃ یہ حدیث سعید بن عبداللہ سے روایت کرتے ہیں بعض صحابہ کرام اور دیگر علماء اس حدیث پر عمل کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ بچے پر نماز جنازہ پڑھی جائے اگرچہ وہ پیدا ہونے کے بعد رویا بھی نہ ہو صرف اس کی شکل ہی بنی ہو۔ امام احمد اور اسحاق کا بھی یہ قول ہے۔ (جامع ترمذی، جلد اول، رقم الحدیث، 1027)

حضرت جابر سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بچہ جب تک پیدا ہونے کے بعد روئے نہیں اس کی نماز جنازہ نہ پڑھی جائے۔ اور نہ وہ کسی کا وارث ہے اور نہ ہی اس کا کوئی وارث ہے۔

بعض اہل علم کا یہی مسلک ہے کہ اگر بچہ پیدائش کے بعد روئے نہیں تو اس کی نماز جنازہ نہ پڑھی جائے۔ ثوری اور شافعی کا بھی یہی قول ہے۔ (جامع ترمذی، جلد اول، رقم الحدیث، 1028)

مسجد میں نماز جنازہ پڑھانے کا بیان

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سہیل بن بیضاء کی نماز جنازہ مسجد میں پڑھی۔ امام ابوعیسیٰ

فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن ہے بعض اہل علم کا اسی پر عمل ہے امام شافعی فرماتے ہیں کہ امام مالک نے فرمایا کہ مسجد میں نماز جنازہ نہ پڑھی جائے امام شافعی فرماتے ہیں کہ مسجد میں نماز جنازہ پڑھی جائے۔ امام شافعی نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے۔ (جامع ترمذی، جلد اول، رقم الحدیث،1029)

ہدایہ میں لکھا ہے کہ مسجد میں جو جماعت پنجگانہ کے لیے بنائی گئی ہو جنازہ کی نماز نہ پڑھی جائے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی ہے کہ جو شخص مسجد میں میت پر نماز پڑھے گا تو اسے ثواب نہیں ملے گا۔

علامہ ابن ہمام فرماتے ہیں کہ خلاصہ میں لکھا ہے کہ مسجد میں نماز جنازہ مکروہ ہے خواہ جنازہ اور نمازی دونوں مسجد میں ہوں خواہ جنازہ مسجد کے اندر ہو اور سب نمازی یا تھوڑے نمازی مسجد کے باہر ہوں۔ ہاں البتہ بعض حضرات یہ فرماتے ہیں کہ اس صورت میں مکروہ نہیں ہے جب کہ جنازہ مسجد سے باہر رکھا ہوا ہو۔ پھر اس کے بعد کراہت کے بارے میں بھی علماء کے اختلافی اقوال ہیں بعض حضرات تو کہتے ہیں کہ کراہت تحریمی ہے۔ جب کہ بعض حضرات کا قول ہے کہ کراہت تنزیہی ہے۔

حضرت ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن کہتے ہیں کہ جب حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا (اور ان کا جنازہ ان کے مکان سے بقیع میں دفن کے لیے لایا گیا) تو حضرت عائشہ نے فرمایا کہ ان کا جنازہ مسجد میں لاؤ تا کہ میں بھی نماز پڑھ سکوں لوگوں نے اس سے انکار کیا (کہ مسجد میں جناز کی نماز کیسے پڑھی جا سکتی ہے) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ خدا کی قسم! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیضا کے دونوں سہیل اور ان کے بھائی کی نماز جنازہ مسجد میں پڑھی ہے۔ (مسلم)

سہیل کے بھائی کا نام سہل تھا اور ان دونوں کی ماں کا نام بیضاء تھا۔

مسجد میں نماز جنازہ پڑھنے کا مسئلہ مختلف فیہ ہے۔ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک تو اس حدیث کے پیش نظر جنازہ کی نماز مسجد میں پڑھی جا سکتی ہے جب کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کے نزدیک مسجد میں نماز جنازہ مکروہ ہے۔ حضرت امام اعظم کی دلیل بھی یہی حدیث ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے کہنے پر صحابہ نے اس بات سے انکار کر دیا کہ سعد ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا جنازہ مسجد میں لایا جائے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معمول نہیں تھا کہ مسجد میں نماز جنازہ پڑھتے ہوں بلکہ مسجد ہی کے قریب ایک جگہ مقرر تھی جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز جنازہ پڑھا کرتے تھے۔ پھر یہ کہ اس کے علاوہ ابوداؤد میں ایک حدیث بھی بایں مضمون منقول ہے کہ جو شخص مسجد میں نماز جنازہ پڑھے گا اسے ثواب نہیں ملے گا۔

جہاں تک حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اس ارشاد کا تعلق ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں سہیل اور ان کے بھائی کی نماز جنازہ پڑھی ہے تو اس کے بارے میں علماء لکھتے ہیں کہ ایسا آپ نے عذر کی وجہ سے کیا کہ اس وقت یا تو بارش ہو رہی تھی یا یہ کہ آپ اعتکاف میں تھے اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد ہی میں نماز جنازہ ادا فرمائی، چنانچہ ایک روایت میں اس کی صراحت بھی کی گئی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ اعتکاف میں تھے اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں نماز جنازہ پڑھی۔

فصل فی حملها و دفنها

﴿یہ فصل میت کو اٹھانے اور دفن کرنے کے بیان میں ہے﴾

میت کی چارپائی کو کندھا دینے کا بیان

يسن لحملها أربعة رجال وينبغي حملها أربعين خطوة يبدأ بمقدمها الأيمن على يمينه ويمينها ما كان جهة يسار الحامل ثم مؤخرها الأيمن عليه ثم مقدمها الأيسر على يساره ثم يختم بالأيسر عليه ويستحب الإسراع بها بلا خبب وهو ما يؤدى إلى اضطراب الميت والمشى خلفها أفضل من المشى أمامها كفضل صلاة الفرض على النفل ويكره رفع الصوت بالذكر والجلوس قبل وضعها دفنها ويحفر القبر نصف قامة أو الى الصدر وإن زيد كان حسنا ويلحد ولا يشق الا فى أرض رخوة ويدخل الميت من قبل القبلة يقول واضعه بسم الله وعلى ملة سيدنا رسول الله صلى الله عليه وسلم ويوجه الى القبلة على جنبه الأيمن وتحل العقدة ويسوى اللبن عليه والقصب وكره الآجر والخشب ويسجى قبرها لا قبره ويهال التراب ويسنم القبر ولا يربع ويحرم البناء عليه للزينة ويكره للإحكام بعد الدفن ولا بأس بالكتابة عليه لئلا يذهب الأثر ولا يمتهن ويكره الدفن فى البيوت لاختصاصه بالأنبياء عليهم الصلاة والسلام ويكره الدفن فى الفساقى ولا بأس بدفن أكثر من واحد فى قبر للضرورة ويحجز بين كل اثنين بالتراب الموت فى البحر ومن مات فى سفينة وكان البر بعيدا وخيف الضرر غسل وكفن وصلى عليه وألقى فى البحر السفر بالميت ونقله ويستحب الدفن فى مقبرة محل مات به أو قتل فإن نقل قبل الدفن قدر ميل أو ميلين لا باس به وكره نقله لأكثر منه ولا يجوز نقله بعد دفنه بالإجماع إلا أن تكون الأرض مغصوبة أو أخذت بالشفعة وإن دفن فى قبر حفر لغيره ضمن قيمة الحفر ولا يخرج منه حكم نبش القبور وينبش لمتاع سقط فيه ولكفن مغصوب ومال مع الميت ولا ينبش بوضعه لغير القبلة أو على يساره والله أعلم،

ترجمہ

سنت یہ ہے کہ جنازہ چار آدمی اٹھائیں اور ہر آدمی کو جنازہ اٹھا کر چالیس قدم چلنا چاہے سب سے پہلے وہ جنازے کے دائیں پائے کو اپنے کندھے پر رکھے۔اور جنازے کی دائیں جانب وہ ہوتی ہے جو اٹھانے والے کی بائیں جانب ہوتی ہے۔اس کے جنازے کی دائیں پائنتی کو دائیں کندھے پر رکھے۔اس کے بعد بائیں سرہانے کو بائیں کندھے پر اور آخر میں بائیں پائنتی کو بائیں کندھے پر رکھے۔

جنازے کو تیز لے کر چلنا مستحب ہے لیکن اتنا بھی تیز نہ ہو کہ میت ہلنے لگے۔جنازے کے پیچھے چلنا اس کے آگے چلنے سے ایسے ہی افضل ہے جس طرح فرض نماز نفل نماز سے افضل ہوتی ہے بلند آواز سے ذکر اور جنازے کو رکھنے سے پہلے بیٹھنا مکروہ ہے۔

نصف قد یا سینے تک قبر کو کھودا جائے گا اور اگر اس سے بھی زیادہ گہرا کھودا جائے تو مستحسن ہے۔قبر لحد بنائی جائے گی۔شق نہیں بنائی جائے۔جبکہ نرم زمین میں شق بنانا جائز ہے۔میت کو قبلہ کی جانب سے قبر میں اتارا جائے۔اور اس کو اتارنے والا یہ کہے۔

اللہ کے نام پر اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین پر ہم تجھے قبر میں اتارتے ہیں۔اور اس کو دائیں جانب لٹا کر قبلہ رخ کر دیا جائے اور گرہوں کو کھول دیا جائے۔اور اس پر کچی اینٹیں اور بانس وغیرہ کو برابر کر دیا جائے۔جبکہ پکی اینٹوں اور لکڑی کا استعمال مکروہ ہے۔

عورت کی قبر کو خفیہ رکھا جائے۔جبکہ مرد کی قبر کو چھپایا نہ جائے۔اس کے بعد قبر پر مٹی ڈال دی جائے۔اور اس کو کوہان کی طرح بنا دیا جائے۔جبکہ مربع صورت میں نہ بنایا جائے۔دفن کے بعد اس قبر پر سجاوٹ کے لئے عمارت بنانا حرام ہے۔جبکہ مضبوطی کے لئے مکروہ ہے۔قبر پر لکھنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔تا کہ اس کا نشان نہ مٹ سکے۔اور اس کی بے حرمتی نہ ہو۔جبکہ گھروں میں میت کو دفن کرنا مکروہ ہے۔کیونکہ یہ انبیائے کرام علیہم السلام کا خاصہ ہے۔

فساقی میں مردوں کو دفن کرنا مکروہ ہے۔اور اگر کوئی مجبوری ہو تو ایک قبر میں ایک سے زائد مردوں کو دفن کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ہاں البتہ دونوں میتوں کے درمیان مٹی کے ذریعے آڑ بنا دی جائے گی۔

اور جب کسی شخص کا کشتی میں وصال ہو جائے اور خشکی بہت دور ہو یا میت کے خراب ہونے کا اندیشہ ہے تو غسل و کفن دے کر اور اس کی نماز جنازہ پڑھ کر اس کو سمندر میں ڈال دیا جائے گا۔مستحب یہ ہے کہ میت کو وہاں دفن کریں جہاں وہ فوت ہوا ہے یا مارا گیا ہے دفن کرنے سے پہلے یا ایک یا دو میل کی مسافت تک اسے منتقل کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے اس سے زیادہ دور لے جانا مکروہ ہے۔دفن کرنے کے بعد اسے کسی دوسری جگہ منتقل بہ اجماع جائز نہیں ہے۔ہاں البتہ جب وہ زمین غصب شدہ ہے یا شفعہ کے ذریعے لی ہوئی ہے تو پھر اس کو وہاں سے منتقل کرنا جائز ہے۔

اور جب میت کو کسی ایسی جگہ پر دفن کیا ہے جو کسی اور کے لئے کھودی گئی تھی۔تو کھودنے کی مزدوری ادا کر دی جائے گی اور میت کو وہاں سے نہیں نکالا جائے گا۔

اور جب قبر میں کوئی سامان گر جائے یا میت کو غصب شدہ کفن دیا گیا ہو یا اس کے ساتھ کوئی مال دفن ہو گیا ہے تو ان چیزوں کو نکالنے

کے لئے قبر کو کھولا جاسکتا ہے۔ ہاں البتہ جب میت کو قبلہ رخ نہیں رکھا گیا یا بائیں جانب رکھ دیا گیا ہے تو اب قبر کو نہ کھولا جائے گا۔

ایک قبر میں متعدد میتوں کو دفن کرنے کا بیان

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالی عنہما بیان کرتے ہیں کہ جنگ احد کے مقتولوں میں دفن کرتے وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دو آدمیوں کو ایک ہی کپڑے میں جمع کرتے اور فرماتے ان میں میں زیادہ قرآن کسے یاد ہے؟ جب ان میں سے کیسی ایک کی طرف اشارہ کیا جاتا تو لحد میں پہلے اسے اتارتے، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میں روز قیامت ان کی شہادت دونگا، اور انہیں ان کے خون اور کپڑوں میں ہی دفن کرنے کا حکم دیا، نہ تو انہیں غسل دیا گیا اور نہ ہی ان کی نماز جنازہ ادا کی گئی،

(صحیح بخاری رقم الحدیث،، 1343)

ہشام بن عامر رضی اللہ تعالی عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نے جنگ احد والے دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی کہ اے اللہ تعالی کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم، ہمارے لیے ہر ایک شخص کے لیے علیحدہ قبر کھودنا بہت شدید مشکل ہے، تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، زیادہ گہری کھودو اور اچھی طرح کھود کر ایک قبر میں دو دو اور تین تین شخص دفن کر دو، صحابہ کرام نے عرض کیا، اے اللہ تعالی کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہم لحد میں اتارنے میں مقدم کسے کریں؟ تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جس نے زیادہ قرآن یاد کیا ہو، راوی کہتے ہیں کہ میرے والد ایک قبر میں تین افراد میں تیسرے تھے۔

(سنن نسائی رقم الحدیث، (2010) یہ الفاظ نسائی شریف کے ہیں، سنن ترمذی رقم الحدیث، (1713) سنن ابوداود رقم الحدیث، (3215)

امام نووی رحمہ اللہ کہتے ہیں۔ بغیر کسی ضرورت ایک ہی قبر میں دو مرد اور دو عورتیں دفن کرنا جائز نہیں، سرخسی رحمہ اللہ نے ایسے ہی بیان کیا ہے کہ ایسا کرنا جائز نہیں، اور اکثر کی عبارت یہ ہے کہ، ایک قبر میں دو کو دفن نہیں کیا جائیگا، مصنف کی عبارت جیسی عبارت ہی بیان کی ہے، اور ایک جماعت نے صراحت کی ہے کہ ایک ہی قبر میں دو افراد کو دفن نہ کرنا مستحب ہے لیکن اگر کوئی ضرورت پیش آجائے اور کسی وبا یا انہدام اور غرق وغیرہ کی بنا پر اموات کی تعداد زیادہ ہو جائیں اور ہر شخص کو ایک قبر میں دفن کرنا مشکل ہو تو پھر دو یا تین یا اس سے زائد افراد کو مذکورہ حدیث کی بنا پر ایک قبر میں حسب ضرورت دفن کرنا جائز ہے۔

ہمارے اصحاب کا کہنا ہے، تو اس حالت میں قبلہ کی جانب پہلے افضل شخص کو مقدم کیا جائیگا، اور اگر مرد، بچہ اور عورت جمع ہو جائیں تو سب سے پہلے مرد کو، اور پھر بچے کو اور پھر ہیجڑے کو اور پھر عورت کو رکھا جائیگا۔

ہمارے اصحاب کا کہنا ہے، اور باپ کو والد ہونے کی حرمت کے پیش نظر بیٹے پر مقدم کیا جائیگا، چاہے بیٹا افضل ہو، اور ماں کو بیٹی پر مقدم کیا جائیگا، اور عورت اور مرد کو ایک ہی قبر میں نہیں جمع کیا جاسکتا، لیکن شدید قسم کی ضرورت کے پیش نظر ایسا کیا جاسکتا ہے، اور اس وقت دونوں کے درمیان مٹی کی آڑ بنائی جائیگی، اس میں کوئی اختلاف نہیں، اور مرد کو پہلے قبر میں رکھا جائیگا چاہے وہ بیٹا ہی کیوں نہ ہو، (المجموع للنووی (5، 247)

اور بعض اہل علم کہتے ہیں کہ، ایک قبر میں ایک شخص سے زیادہ افراد کو دفن کرنا صرف مکروہ ہے، مالکیہ کا مسلک یہی ہے، اور امام احمد سے بھی ایک روایت یہی ملتی ہے، (الانصاف (2، 551) شرح الخرشی (2، 134) ور دوسرے علماء عدم کراہت کا مسلک رکھتے ہوئے کہتے ہیں، ایسا کرنا صرف افضلیت کو ترک کرنا ہے۔

فصل في زيارة القبور

﴿یہ فصل قبروں کی زیارت کے بیان میں ہے﴾

قبروں کی زیارت کے مستحب ہونے کا بیان

ندب زيارتها للرجال والنساء على الأصح ويستحب قراءة يس لما ورد أنه من دخل المقابر فقرأ يس خفف الله عنهم يومئذ وكان له بعدد ما فيها حسنات ولا يكره الجلوس للقراءة على القبر في المختار وكره القعود على القبور لغير قراءة ووطؤها والنوم وقضاء الحاجة عليها وقلع الحشيش والشجر من المقبرة ولا بأس بقلع اليابس منهما،

ترجمہ

سب سے زیادہ صحیح قول کے مطابق مردوں اور عورتوں کے لئے قبروں کی زیارت کرنا مستحب ہے۔ سورہ یسین کی تلاوت کرنا مستحب ہے۔ کیونکہ حدیث شریف میں آیا ہے جو شخص قبرستان میں آیا اور اس نے سورہ یسین کی تلاوت کی تو اللہ تعالیٰ اس دن اہل قبور پر آسانی فرماتا ہے اور تلاوت کرنے والے کو اہل قبور کی تعداد کے برابر نیکیوں کا ثواب ملتا ہے۔ مذہب مختار کے مطابق قرآن شریف کی تلاوت کے لئے قبر پر بیٹھنا مکروہ نہیں ہے تلاوت کے علاوہ کسی اور مقصد کے لئے قبروں پر بیٹھنا، انہیں پاؤں کے نیچے روندنا، ان پر سونا یا قضائے حاجت کے لئے جانا اور قبرستان سے گھاس اور درخت اکھیڑنا یہ سب چیزیں مکروہ ہیں۔ ہاں البتہ جب گھاس یا درخت خشک ہوں تو ان کو اکھیڑ پھینکنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

قبروں کی زیارت کی اجازت ہونے کا بیان

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پہلے تو میں نے تمہیں قبروں کی زیارت سے منع کر دیا تھے مگر اب تم قبروں کی زیارت کر لیا کرو، اسی طرح میں قربانی کا گوشت تین سے زیادہ رکھ کر کھانے سے منع کیا تھا اور اب تم جب چاہو اسے کھاؤ نیز میں نے نبیذ کو سوائے مشک کے دوسرے برتنوں میں رکھ کر پینے سے منع کیا تھا اب تم جن برتنوں میں چاہو سب میں پی لیا کرو لیکن نشہ کی کوئی چیز کبھی نہ پینا۔ (مسلم، مشکوۃ شریف: جلد دوم: رقم الحدیث، 253)

مقصد کے اعتبار سے قبروں پر جانے کی کئی قسمیں ہیں۔ (۱) محض موت کو یاد کرنے اور آخرت کی طرف توجہ کے لئے اس مقصد کے تحت صرف قبروں کو دیکھ لینا ہی کافی ہے خواہ قبر کسی کی بھی ہو یہ ضروری نہیں ہے کہ صاحب قبر کے بارہ میں یہ بھی معلوم ہونا

چاہئے کہ وہ کون تھا اور کیسا تھا؟ (۲) دعاء مغفرت اور ایصال ثواب وغیرہ کے لئے یہ ہر مسلمان کے لئے مسنون ہے (۳) حصول برکت وسعادت کی خاطر اس مقصد کے تحت اولیاء اللہ اور بزرگان دین کے مزارات کی زیارت کی جاتی ہے کیونکہ برزخ میں بزرگان دین اولیاء اللہ کے تصرفات اور ان کی برکتیں بے شمار ہیں۔ (۴) عزیز دوست کے ادائے حق کے لئے۔ یعنی کسی اپنے عزیز مثلاً والدین یا دوست کی قبر پر اس مقصد کے تحت جانا کہ وہاں پہنچ کر ان کے لئے دعاء مغفرت وایصال ثواب کرنا اپنے اوپر ان کا حق ہے چنانچہ حدیث ابونعیم میں منقول ہے کہ جو شخص پانے ماں باپ یا ان میں سے کسی ایک قبر کی زیارت جمعہ کے روز کرے تو اس کا یہ فعل حج کے برابر ہوتا ہے۔ (۵) دینی اخوت ومحبت اور انس مہربانی کے تحت جیسا کہ ایک حدیث میں منقول ہے کہ جب کوئی شخص اپنے کسی بھی مومن بھائی کی قبر پر گزرتا ہے اور وہاں سلام ودعاء مغفرت وغیرہ پیش کرتا ہے تو مردہ اس شخص کو پہچانتا ہے اور اس کے سلام کا جواب دیتا ہے۔

اہل قبور کو سلام کرنے کا بیان

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ کے قبرستان سے گزرے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم قبروں کی طرف روئے مبارک کر کے متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ دعا (السلام علیکم یا اهل القبور یغفر الله لنا ولکم انتم سلفنا ونحن بالاثر) ۔اے قبر والو! تمہاری خدمت میں سلام پیش ہے اور اللہ تعالیٰ ہماری اور تمہاری مغفرت فرمائے تم ہم میں سے پہلے پہنچے ہوئے ہو اور ہم بھی تمہارے پیچھے آنے ہی والے ہیں۔ امام ترمذی نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور فرمایا ہے کہ یہ حدیث حسن غریب ہے۔ (مشکوۃ شریف: جلد دوم: رقم الحدیث، 260)

والدین کی قبر کی زیارت کرنے کی فضیلت کا بیان

حضرت محمد بن نعمان یہ حدیث نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچاتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص ہر جمعہ کے روز یا ہفتہ میں کسی بھی دن اپنے ماں باپ یا ان میں سے کسی ایک کی قبر پر جائے اور وہاں ان کے لئے دعائے مغفرت وایصال ثواب کرے تو اس کی مغفرت کی جاتی ہے اور اسے نامہ اعمال میں اپنے والدین کے ساتھ نیکی کرنے والا لکھا جاتا ہے۔ اس روایت کو بیہقی نے شعب الایمان میں بطریق ارسال نقل کیا ہے۔ (مشکوۃ شریف: جلد دوم: رقم الحدیث، 263)

قبروں کی زیارت کے ایک اہم مقصد کا بیان

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "میں نے پہلے تمہیں قبروں پر جانے سے منع کیا تھا مگر اب تم قبروں پر جایا کرو کیونکہ قبروں پر جانا دنیا سے بے رغبتی پیدا کرتا ہے اور آخرت کی یاد دلاتا ہے"

(ابن ماجہ، مشکوۃ شریف: جلد دوم: رقم الحدیث، 264)

حدیث میں گویا قبروں پر جانے کی علت بیان فرمائی جا رہی ہے کہ قبروں پر کیوں جانا چاہئے؟ چنانچہ فرمایا جا رہا ہے کہ قبروں پر جانا درحقیقت انسان کے دل دماغ میں دنیا اور دنیا کی چیزوں سے بے رغبتی کا احساس پیدا کرتا ہے۔

باب احکام الشہید

﴿یہ باب احکام شہید کے بیان میں ہے﴾

شہید کا معنی ومفہوم

شہید کا لغوی معنی ہے گواہ، کسی کام کا مشاہدہ کرنے والا۔ اور شریعت میں اسکا مفہوم ہے اللہ تعالیٰ کے دین کی خدمت کرتے ہوئے اپنی جان قربان کرنے والا، میدانِ جہاد میں لڑتے ہوئے یا جہاد کی راہ میں گامزن یا دین کی دعوت وتبلیغ میں، اور جس موت کو شہادت کی موت قرار دیا گیا ہے اُن میں سے کوئی موت پانے والا ہے۔

باب احکام شہید کی دلیل شرعی کا بیان

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ بَلْ اَحْيَاءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ۔(البقرہ، ۱۵۴)

اور جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے جائیں انہیں مت کہا کرو کہ یہ مردہ ہیں، (وہ مردہ نہیں) بلکہ زندہ ہیں لیکن تمہیں (ان کی زندگی کا) شعور نہیں۔

یہ آیت شہداء بدر کے حق میں نازل ہوئی لوگ شہداء کے حق میں کہتے تھے کہ فلاں کا انتقال ہوگیا وہ دنیوی آسائش سے محروم ہوگیا ان کے حق میں یہ آیت نازل ہوئی۔

موت کے بعد ہی اللہ تعالیٰ شہداء کو حیات عطا فرماتا ہے ان کی ارواح پر رزق پیش کیے جاتے ہیں انہیں راحتیں دی جاتی ہیں ان کے عمل جاری رہتے ہیں اجر وثواب بڑھتا رہتا ہے حدیث شریف میں ہے کہ شہداء کی روحیں سبز پرندوں کے قالب میں جنت کی سیر کرتی اور وہاں کے میوے اور نعمتیں کھاتی ہیں مسئلہ: اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار بندوں کو قبر میں جنتی نعمتیں ملتی ہیں شہید وہ مسلمان مکلّف ظاہر ہے جو تیز ہتھیار سے ظلماً مارا گیا ہو اور اس کے قتل سے مال بھی واجب نہ ہوا ہو یا معرکہ جنگ میں مردہ یا زخمی پایا گیا اور اس نے کچھ آسائش نہ پائی اس پر دنیا میں یہ احکام ہیں کہ نہ اس کو غسل دیا جائے نہ کفن اپنے کپڑوں میں ہی رکھا جائے اسی طرح اس پر نماز پڑھی جائے اسی حالت میں دفن کیا جائے آخرت میں شہید کا بڑا رتبہ ہے۔

اہل سنت کے نزدیک شہید کا بیان

المقتول ميت بأجله عندنا أهل السنة من الشهيد و الشهيد من قتله أهل الحرب أو أهل البغي أو قطاع الطريق أو اللصوص في منزله ليلا ولو بمثقل أو وجد في المعركة وبه أثر أو قتله مسلم

ظلما عمدا بمحدد وكان مسلما بالغا خاليا عن حيض ونفاس وجنابة ولم يرتث بعد انقضاء الحرب ما يصنع معه فيكفن بدمه وثيابه ويصلى عليه بلا غسل وينزع عنه ماليس صالحا للكفن كالفرو والحشو والسلاح والدرع ويزاد وينقص في ثيابه وكره نزع جميعها ويغسل إن قتل جنبا أو صبيا أو مجنونا أو حائضا أو نفساء أو ارتث بعد انقضاء الحرب بأن أكل أو شرب أو نام أو تداوى أو مضى وقت الصلاة وهو يعقل أو نقل من المعركة لا لخوف وطء الخيل أو أوصى أو باع أو اشترى أو تكلم بكلام كثير وإن وجد ما ذكر قبل انقضاء الحرب لا يكون به مرتثا ويغسل من قتل في المصر ولم يعلم أنه قتل بحد ظلما أو قتل بحد أو قود ويصلى عليه،

ترجمہ

ہم اہل سنت کے نزدیک شہید وہ مقتول ہے جو اپنی موت کے مقررہ وقت پر ہوتا ہے۔ جبکہ فقہ میں شہید اس کو کہتے ہیں جس کو حربی کفار، باغیوں، ڈاکوؤں یا رات کے وقت چوروں نے قتل کر دیا ہو اگر چہ اس کو کسی وزنی آلہ کے ذریعے قتل کیا گیا ہو۔ یا پھر وہ میدان جنگ میں پایا گیا اور اس پر زخموں کے نشانات تھے۔ یا اس کو کسی مسلمان نے تیز دھار دار آلہ سے جان بوجھ کر بہ طور ظلم قتل کیا ہو۔ اور وہ قتل ہونے والے شخص مسلمان، عاقل، بالغ، حیض ونفاس سے پاک عورت اور جنابت سے پاک ہو اور جنگ ختم ہونے کے بعد مرتث یعنی پرانا بھی نہ ہوا ہو۔

شہید کو اس کے خون اور کپڑوں سمیت کفن دیا جائے گا اور غسل دیئے بغیر اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی۔ جو چیزیں کفن نہ بن سکتی ہوں ان کو شہید کے بدن سے اتار لیا جائے گا۔ جس طرح پوستین، روئی سے بھرا ہوا کپڑا، ہتھیار اور زرہ ہے۔ لہٰذا اس کے کپڑوں میں کمی وبیشی تو کر سکتے ہیں لیکن سارے کپڑوں کا اتارنا مکروہ ہے۔

جب بچہ، پاگل، حیض ونفاس والی عورت یا جنبی شخص قتل ہو جائیں تو انہیں غسل دیا جائے گا۔ اور اسی طرح جو شخص جنگ ختم ہو جانے کے بعد مرتث ہو جائے اس کو بھی غسل دیا جائے گا۔

حسب ذیل صورتوں میں شہید مرتث ہو جاتا ہے۔

جب جنگ ختم ہو جانے کے بعد اس نے کچھ کھا لیا یا پی لیا ہے۔ سویا ہے، دوا استعمال کی ہے یا نماز کا پورا وقت ہوش کی حالت میں گزر گیا یا اس کو میدان جنگ میں منتقل کیا گیا ہو۔ اور شرط یہ ہے کہ اس کو گھوڑوں کے روندنے کے خوف کے سبب منتقل نہ کیا گیا ہو یا اس نے کوئی وصیت کی ہے یا کوئی چیز بیچی ہے یا خریدی ہے یا بہت زیادہ گفتگو کی ہے تو ان تمام صورتوں میں اس کو غسل دیا جائے گا ہاں البتہ جب یہ تمام صورتیں جنگ ختم ہونے سے پہلے پائی گئی ہیں تو وہ مرتث نہ ہوگا۔

اور جب کوئی مقتول شہر میں پایا گیا ہے اور اس کے بارے کچھ بھی معلوم نہیں ہے کہ اس کو تیز دھار دار آلہ سے بہ طور ظلم قتل کیا گیا ہے یا کسی حد یا قصاص میں قتل کیا گیا ہے تو اس کو غسل بھی دیا جائے گا اور اس کی نماز جنازہ بھی پڑھی جائے گی۔

شہداء کی بعض اقسام کا بیان

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شہداء پانچ ہیں (۱) طاعون زدہ (۲) پیٹ کی بیماری (یعنی دست اور استسقاء میں مرنے والا۔

(۳) پانی میں بے اختیار ڈوب کر مر جانے والا (۴) دیوار یا چھت کے نیچے دب کر مر جانے والا۔ (۵) خدا کی راہ میں شہید ہونے والا۔ (بخاری ومسلم، مشکوۃ شریف، جلد دوم، رقم الحدیث، 25)

پانی میں ڈوب کر مر جانے والے۔ اس شخص کو شہادت کا ثواب ملے گا جو بے اختیار و بلا قصد پانی میں ڈوب گیا ہو یعنی بارادہ خود پانی میں نہ ڈوبے۔ اس طرح اگر دریا میں کشتی ڈوب جائے یا ٹوٹ جائے تو سب لوگ یا کچھ لوگ دریا میں ڈوب جائیں تو ان میں سے اسی ڈوبنے والے کو شہادت کا ثواب ملے گا جو کسی گناہ و معصیت کے ارادہ سے کشتی میں نہ بیٹھا ہو۔

اس حدیث میں پانچ قسم کے شہیدوں کا تذکرہ کیا گیا۔ لہٰذا اس سلسلہ میں یہ بات جان لینی چاہئے کہ حقیقی شہید صرف وہی شخص ہے جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنی جان قربان کر دے۔ شہیدوں کی دیگر قسمیں حکمی ہیں یعنی وہ مرنے والے حقیقی شہید تو نہیں ہوتے ہاں اس کی بے کسی و بے بسی کی موت کی بناء پر انہیں شہادت کا ثواب ملتا ہے۔

اس موقع پر اس بات کی وضاحت بھی ضروری ہے کہ یہاں اس حدیث میں چار قسم کے حکمی شہیدوں کا ذکر کیا گیا ہے ان کے علاوہ حکمی شہیدوں کی اور بھی بہت زیادہ قسمیں جن کے بارے میں دیگر مشہور احادیث میں ذکر کیا گیا۔ چنانچہ بعض علماء مثلاً سیوطی رحمہ اللہ وغیرہ نے ان کو ایک جگہ جمع کیا ہے۔ اس حدیث میں جو شہداء حکمی ذکر کیے گئے ہیں ان کے علاوہ دوسرے حکمی شہداء یہ ہیں۔ ذات الجنب (یعنی نمونیہ کی بیماری) میں مرنے والا، جل کر مر جانے والا، حالت حمل میں مر جانے والی عورت یا باکرہ مر جانے والی عورت، وہ عورت جو حاملہ ہونے کے بعد سے بچہ کی پیدائش تک یا بچہ کا دودھ چھٹانے تک مر جائے، سل یعنی دق کے مرض میں مرنے والا، حالت سفر میں مرنے والا، سفر جہاد میں سواری سے گر کر مر جانے والا، مرابط یعنی اسلامی مملکت کی سرحدوں کی حفاظ کے دوران مر جانے والا، گڑھے میں گر کر مر جانے والا، درندوں یعنی شیر وغیرہ کا لقمہ بن جانے والا، اپنے مال، اپنے اہل وعیال، اپنے دین، اپنے خون اور حق کی خاطر قتل کیا جانے والا، دوران جہاد اپنی موت مر جانے والا، اور وہ شخص جسے شہادت کی پر خلوص تمنا اور لگن ہو مگر شہادت کا موقع اسے نصیب نہ ہو اور اس کا وقت پورا ہو جائے اور شہادت کی تمنا دل میں لیے دنیا سے رخصت ہو جائے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جس شخص کو حاکم وقت ظلم وتشدد کے طور پر قید خانہ میں ڈال دے اور وہ وہیں مر جائے تو وہ شہید ہے جو شخص مظلومانہ طریقہ پر زدوکوب کیا جائے اور وہ زدوکوب کے نتیجے میں بعد میں مر جائے تو وہ شہید ہے اور جو شخص توحید کی گواہی دیتے ہوئے اپنی جان، جان آفرین کے سپرد کر دے تو وہ شہید ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بطریق مرفوع روایت ہے کہ، تپ (بخار) شہادت ہے، حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی

اللہ عنہ روایت کرتے ہیں میں نے عرض کیا کہ، یارسول اللہ! شہداء میں اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ بافضیلت شہید کون ہے آپ نے فرمایا کہ، وہ شخص جو ظالم حاکم کے سامنے کھڑے ہو کر اسے اچھا اور نیک کام کرنے کا حکم دے اور برے کام سے روکے اور وہ حاکم اس شخص کو مار ڈالے۔

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ، جس شخص کو گھوڑا یا اونٹ کچل اور روند ڈالے اور وہ مر جائے یا زہریلے جانور کے کاٹنے سے مر جائے تو شہید ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ، جس شخص کو کسی سے عشق ہو گیا اور نہ صرف یہ کہ وہ اپنے عشق میں پاکباز و متقی رہا بلکہ اس نے اپنے عشق کو چھپایا بھی اور اسی حال میں اس کا انتقال ہو گیا تو وہ شہید ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی منقول ہے کہ جو شخص کشتی میں بیٹھا ہوا در دسر اور قے میں مبتلا ہو تو اسے شہید کا اجر ملتا ہے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے کہ، اللہ تعالیٰ نے عورت کے لئے غیرت و خودداری لازم رکھی ہے اور مردوں کے لئے جہاد ضروری قرار دیا ہے لہٰذا عورت میں سے جس عورت نے اپنی سوکن کی موجودگی میں صبر و ضبط کے دامن کو پکڑے رکھا تو اسے شہید کا اجر ملے گا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بطریق مرفوع روایت کرتی ہیں کہ، جو شخص روزانہ دن میں پچیس مرتبہ یہ دعا (اللّٰھم بارك لی فی الموت وفیما بعد الموت) پڑھے اور بستر مرگ پر اس کا انتقال ہو جائے تو اللہ تعالیٰ اسے شہید کا ثواب عنایت فرماتے ہیں۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما مرفوعاً روایت کرتے ہیں کہ، جو شخص ضحیٰ (یعنی اشراق و چاشت) کی نماز پڑھے اور مہینہ میں تین دن روزہ رکھے اور وتر کی نماز نہ حالت سفر میں چھوڑے نہ حالت قیام میں تو اس کے لئے شہید کا اجر لکھا جاتا ہے۔

اسی طرح امت میں عوامی طور پر اعتقادی و عملی گمراہی کے وقت سنت پر مضبوطی سے قائم رہنے والا اور طلب علم میں مرنے والا شہید ہے، طلب علم میں مرنے والے، سے وہ شخص مراد ہے جو حصول علم اور درس و تدریس میں مشغول ہو یا تصنیف و تالیف میں مصروف ہو اور یا محض کسی علمی مجلس میں حاضر ہو، جس شخص نے اپنی زندگی اس طرح گزار دی ہو کہ لوگوں کی مہمانداری و خاطر و تواضع اس کا شیوہ رہا ہو تو وہ شہید، مرتث یعنی وہ شخص جو میدان کارزار میں زخمی ہو کر فوراً نہ مر جائے بلکہ کم سے کم اتنی دیر تک زندہ رہے کہ دنیا کی کسی چیز سے فائدہ اٹھائے تو وہ بھی شہید ہے۔ جو شخص مسلمانوں تک غلہ پہنچائے اور جو شخص اپنے اہل و عیال اور اپنے غلام و لونڈی کے لئے کمائے وہ شہید ہے۔ ایسے وہ جنبی جسے کافر میدان کارزار میں مار ڈالیں اور شریق یعنی وہ شخص جو گلے میں پانی پھنس جانے اور دم گھٹ جانے کی وجہ سے مر جائے وہ شہید ہے۔

حدیث میں آیا ہے کہ جو مسلمان اپنے مرض میں حضرت یونس علیہ السلام کی یہ دعا (لا الـٰـہ الا انـت سبحـانك انـی

کنت من الظالمین) چالیس مرتبہ پڑھے اور اسی مرض میں انتقال کرے تو اسے شہید کا ثواب دیا جاتا ہے اور اگر اس مرض سے اسے چھٹکارا مل جائے تو وہ اس حال میں صحت مند ہوتا ہے کہ اس کی مغفرت ہو چکی ہوتی ہے۔

یہ بھی حدیث میں وارد ہے کہ سچا اور امانتدار تاجر قیامت کے دن شہداء کے ساتھ ہوگا اور جو شخص جمعہ کی شب میں مرتا ہے وہ شہید ہے۔ نیز حدیث میں یہ بھی منقول ہے کہ بلا اجرت صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر اذان دینے والا مؤذن اس شہید کی مانند ہے جو اپنے خون میں لت پت تڑپتا ہو، نیز وہ مؤذن جب مرتا ہے تو اس کی قبر میں کیڑے نہیں پڑتے۔

منقول ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، جو شخص مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر دس بار اپنی رحمت نازل فرماتا ہے۔ جو شخص مجھ پر دس مرتبہ درود بھیجتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر سو مرتبہ اپنی رحمت نازل فرماتا ہے اور جو شخص مجھ پر سو مرتبہ درود بھیجتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان براۃ یعنی نفاق اور آگ سے نجات لکھ دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ اسے قیامت کے دن شہیدوں کے ساتھ رکھے گا۔

منقول ہے کہ جو شخص صبح کے وقت تین مرتبہ اعوذ باللہ السمیع العلیم من الشیطان الرجیم اور سورت حشر کی آخری تین آیتیں پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ ستر ہزار فرشتے مقرر کرتا ہے اور اس کے لئے شام تک بخشش کی دعا کرتے ہیں۔ اور وہ شخص اگر اس دن مر جاتا ہے تو اس کی موت شہید کی موت ہوتی ہے اور جو شخص یہ شام کو پڑھتا ہے وہ بھی اسی اجر کا مستحق ہوتا ہے۔

منقول ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو وصیت کی کہ جب تم رات میں سونے کے لئے اپنے بستر پر جاؤ تو سورت حشر کی آخری آیتیں پڑھ لو اور فرمایا کہ، اگر تم (رات میں یہ پڑھنے کے بعد سوئے اور اسی رات میں) مر گئے تو شہید کی موت پاؤ گے۔ منقول ہے کہ جو شخص مرگی کے مرض میں مر جاتا ہے وہ شہید ہوتا ہے، جو شخص حج اور عمرہ کے دوران مرتا ہے شہید ہوتا ہے جو شخص باوضو مرتا ہے شہید ہوتا ہے اسی طرح رمضان کے مہینہ میں، بیت المقدس میں، مکہ یا مدینہ میں مرنے والا شخص شہید ہوتا ہے، دبلاہٹ کی بیماری میں مرنے والا شخص شہید ہوتا ہے، جو شخص کسی آفت و بلا میں مبتلاء ہو اور وہ اسی حالت میں ضرر و بلا پر صبر و رضا کا دامن پکڑے ہوئے مر جائے تو شہید ہے۔ جو شخص صبح و شام مقالید السماوات والارض الخ جس کے پڑھنے کی فضیلت کا تذکرہ ایک حدیث میں کیا گیا ہے پڑھے تو وہ شہید ہے۔

منقول ہے کہ جو شخص نوے برس کی عمر میں یا آسیب زدہ ہو کر مرے یا اس حال میں مرے کہ اس کے ماں باپ اس سے خوش ہوں اور یا نیک بخت بیوی اس حال میں مرے کہ اس کا خاوند اس سے خوش راضی ہو تو وہ شہید ہے۔ نیز وہ مسلمان بھی شہید ہے جو کسی ضعیف مسلمان کے ساتھ کلمہ خیر یا اس کی کسی طرح کی مدد کر کے بھلائی کا معاملہ کرے۔ واللہ اعلم۔

کتاب الصوم

﴿یہ کتاب روزے کے بیان میں ہے﴾

کتاب الصوم کی فقہی مطابقت کا بیان

علامہ بدرالدین عینی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ یہ کتاب روزے کے احکام کے بیان میں ہے امام محمد علیہ الرحمہ نے جامع کبیر میں کتاب الصوم کو کتاب الصلوٰۃ کے بعد متصل ذکر کیا ہے کیونکہ یہ دونوں عبادت بدنیہ میں سے ہیں۔

(البنایہ شرح الہدایہ،۴،ص۲۳۶،حقانیہ ملتان)

صوم کے لغوی وفقہی مفہوم کا بیان

علامہ ابن حجر عسقلانی شافعی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ لغت میں صوم اور صیام کے معنی ہیں امساک یعنی مطلقاً رکنا! اصطلاح شریعت میں ان الفاظ کا مفہوم ہے، فجر سے غروب آفتاب تک روزہ کی نیت کے ساتھ کھانے پینے، جماع کرنے اور بدن کے اس حصے میں وہ،اندر، کے حکم میں ہو کسی چیز کے داخل کرنے سے رکے رہنا نیز روزہ دار کا مسلمان اور حیض ونفاس سے پاک ہونا اس کے صحیح ہونے کی شرائط میں سے ہے۔ الصوم لغت عرب میں الامساک یعنی رکنے کو کہتے ہیں۔

شرعی اصطلاح میں طلوع فجر سے لے کر غروب شمس تک مفطرات یعنی روزہ توڑنے والی اشیاء سے نیت کے ساتھ رکنے کو روزہ کہا جاتا ہے۔ امت کا اجماع ہے کہ ماہ رمضان المبارک کے روزے رکھنا فرض ہیں، اس کی دلیل مندرجہ ذیل فرمان باری تعالی ہے اے ایمان والو تم پر روزے فرض کیے گئے ہیں جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر بھی فرض کیے گئے تھے تاکہ تم تقویٰ اختیار کرو۔

روزے کی فرضیت پر سنت نبویہ میں بھی دلائل پائے جاتے ہیں جن میں سے ایک دلیل مندرجہ ذیل فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے۔ اور رمضان المبارک کے روزے رکھنا۔ (فتح الباری (1/49)

روزے کی فرضیت کی دلیل شرعی کا بیان

يَـٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ۔(البقرہ،۱۸۳)

اے ایمان والو! تم پر اسی طرح روزے فرض کئے گئے ہیں جیسے تم سے پہلے لوگوں پر فرض کئے گئے تھے تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ۔

روزے کا حکم حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی شریعت میں جاری رہا ہے۔صرف تعیین ایام میں اختلاف رہا ہے اور یہ دین اسلام کا ایک اہم رکن ہے اور اہم رکن ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس سے نفس سرکش کی اصلاح ہو اور شریعت کے جو احکام بھاری معلوم ہوتے ہیں ان کی ادائیگی سہل ہو جائے۔روزہ میں صرف کھانے پینے کی اشیاء کو ترک کرنے کی مشق نہیں کرائی گئی بلکہ لڑائی جھگڑے اور بری باتوں سے بچنے کی بھی تاکید کی گئی ہے۔

چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ، روزہ (برائی کے لیے) ڈھال ہے۔لہٰذا جس کا روزہ ہو وہ نہ بے حیائی کی بات کرے اور نہ شور شرابا کرے اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ جہالت کی کوئی بات نہ کرے اور اگر کوئی اسے گالی دے یا اس سے لڑے تو کہہ دے کہ میں روزہ دار ہوں۔(بخاری، کتاب الصوم، باب فضل الصوم)

روزے کی تعریف وشرائط کا بیان

تعريفه هو الإمساك نهارا عن إدخال شيء عمدا أو خطأ بطنا أو ماله حكم الباطن وعن شهوة الفرج بنية من أهله سبب وجوب رمضان وسبب وجوب رمضان شهود جزء منه وكل يوم منه سبب لأدائه حكمه وشروط فرضيته وهو فرض أداء وقضاء على من اجتمع فيه أربعة أشياء الإسلام والعقل والبلوغ والعلم بالوجوب لمن أسلم بدار الحرب أو الكون بدار الإسلام شروط وجوب أدائه ويشترط لوجوب أدائه الصحة من مرض وحيض ونفاس والإقامة شروط صحة أدائه ويشترط لصحة أدائه ثلاثة النية والخلو عما ينافيه من حيض ونفاس وعما يفسده ولا يشترط الخلو عن الجنابة ركنه وركنه الكف عن قضاء شهوتي البطن والفرج وما ألحق بهما حكمه وحكمه سقوط الواجب عن الذمة والثواب في الآخرة،

ترجمہ

روزے کی تعریف یہ ہے کہ روزے دار کا روزے کی نیت سے دن بھر پیٹ یا باطن کا حکم رکھنے والی چیز میں جان بوجھ کر یا بھول کر کوئی چیز داخل کرنے سے اور فرج کو شہوت پوری کرنے رک جانے کا نام روزہ ہے۔

رمضان المبارک کے روزوں کی فرضیت کا سبب اس ماہ کے جز کو پالینا ہے۔پھر اس ماہ کا ہر دن مستقل طور پر وجوب ادا کا سبب ہے۔اس کا حکم اور شرائط اور اس کی فرضیت یہ ہے کہ یہ روزہ فرض ہے خواہ وہ ادا ہو یا قضاء ہو۔اور یہ اس پر فرض ہے جس میں چار شرائط جمع ہوں۔(۱) مسلمان (۲) عاقل (۳) بالغ (۴) اس کے وجوب کا علم ہو اس شخص کو جو دار الحرب سے مسلمان ہو کر آیا ہے جبکہ دار الاسلام میں رہنے والے شخص کے لئے بس یہی کافی ہے کہ وہ وہاں موجود ہے۔

اور روزے کے وجوب ادا کی دو شرائط ہیں۔بیماری اور حیض ونفاس سے پاک ہونا ہے۔اور مقیم ہونا ہے۔اور روزے کی ادائیگی صحت کی تین شرائط ہیں۔(۱) نیت کرنا۔(۲) ایسی حالت کا نہ پایا جانا جو روزے کے منافی ہو جس طرح حیض ونفاس ہے۔

(۳) ان چیزوں کا نہ پایا جانا جو روزے کی توڑنے والی ہیں۔ جبکہ جنابت کا نہ پایا جانا یہ کوئی شرط نہیں ہے۔
اور روزے کا رکن یہ ہے کہ اپنے آپ کو شہوت بطن وفرج سے روکنا ہے اور جوان دونوں سے ملی ہوئی ہے۔ اس سے بھی روکنا ہے۔ اور اس روزے کا حکم یہ ہے کہ اس دنیا میں اپنے فرض کی ادائیگی سے بری الذمہ ہو جانا ہے۔ اور آخرت میں ثواب کا حقدار بننا ہے۔

ماہ رمضان کے وجود کا سبب روزہ بننے کا بیان

فَمَنْ شَهِدَ مِنكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ (البقرہ، ۱۸۵) اس ایک جملہ میں روزے کے متعلق بہت سے احکام ومسائل کی طرف اشارات ہیں لفظ شہد شہود سے بنا ہے جس کے معنی حضور یعنی حاضر وموجود ہونے کے ہیں اور الشھر عربی لغت میں مہینہ کے معنی میں آتا ہے مراد اس سے مہینہ رمضان کا ہے جس کا ذکر اوپر آیا ہے اس لئے معنی اس جملے کے یہ ہو گئے کہ تم میں سے جو شخص ماہ رمضان میں حاضر یعنی موجود ہو اس پر لازم ہے کہ پورے مہینے کے روزے رکھے روزہ کے بجائے فدیہ دینے کا عام اختیار جو اس سے پہلی آیت میں مذکور ہے اس جملے نے منسوخ کر کے روزہ ہی رکھنا لازم کر دیا ہے۔
ماہ رمضان میں حاضر وموجود ہونے کا مفہوم یہی ہے کہ وہ ماہ رمضان کو ایسی حالت میں پائے کہ اس میں روزہ رکھنے کی صلاحیت موجود ہو یعنی مسلمان، عاقل، بالغ، مقیم، حیض ونفاس سے پاک ہو۔
اسی لئے جس شخص کا پورا رمضان ایسی حالت میں گذر گیا کہ اس میں روزہ رکھنے کی مطلق صلاحیت ہی نہیں جیسے کافر، نابالغ، مجنون، تو یہ لوگ اس حکم کے مخاطب ہی نہیں اس لئے ان پر گذشتہ رمضان کے روزے فرض ہی نہیں ہوئے اور جن میں صلاحیت ذاتی طور پر موجود ہے مگر کسی وقت عذر کی وجہ سے مجبور ہو گئے جیسے حیض ونفاس والی عورت یا مریض اور مسافر، تو انہوں نے ایک حیثیت سے ماہ رمضان بحالت صلاحیت پالیا اس لئے حکم آیت کا ان کے حق میں ثابت ہو گیا مگر وقتی عذر کے سبب اس وقت روزہ معاف ہے البتہ بعد میں قضاء لازم ہے۔
اس آیت سے معلوم ہوا کہ رمضان کے روزے فرض ہونے کے لئے ماہ رمضان کا بحالتِ صلاحیت پالینا شرط ہے اس لئے جس نے پورا رمضان پالیا اس پر پورے رمضان کے روزے فرض ہو گئے جس نے کچھ کم پایا اس پر اتنے ہی دن کے روزے فرض ہوئے جتنے دن رمضان کے پائے اس لئے وسط رمضان میں جو کافر مسلمان ہوا یا نابالغ بالغ ہوا اس پر صرف آئندہ کے روزے لازم ہوں گے گذشتہ ایام رمضان کی قضاء لازم نہ ہوگی، البتہ مجنون مسلمان اور بالغ ہونے کے اعتبار سے ذاتی صلاحیت رکھتا ہے وہ رمضان کے کسی حصہ میں ہوش میں آجائے تو گذشتہ ایام رمضان کی قضا بھی اس پر لازم ہو جائے گی اسی طرح حیض ونفاس والی عورت، وسط رمضان میں پاک ہو جائے یا مریض تندرست ہو جائے یا مسافر مقیم ہو جائے تو گذشتہ ایام کی قضاء لازم ہوگی۔

فصل فی صفة الصوم و تقسیمه

یہ فصل صفت صوم اور اس کی اقسام کے بیان میں ہے

روزے کی اقسام کا بیان

ینقسم الصوم الی ستة أقسام فرض وواجب ومسنون ومندوب ونفل ومكروه أما الفرض فهو صوم رمضان أداء وقضاء وصوم الكفارات والمنذور فی الأظهر وأما الواجب فهو قضاء ما أفسده من نفل وأما المسنون فهو صوم عاشوراء مع التاسع وأما المندوب فهو صوم ثلاثة من كل شهر ويندب كونها الأيام البيض وهی الثالث عشر والرابع عشر والخامس عشر وصوم الأثنين والخميس وصوم ست من شوال ثم قيل الأفضل وصلها وقيل تفريقها وكل صوم ثبت طلبه والوعد عليه بالسنة كصوم داود عليه الصلاة والسلام كان يصوم يوما ويفطر يوما وهو أفضل الصيام وأحبه إلى الله تعالى وأما النفل فهو سوى ذلك مما لم يثبت كراهيته وأما المكروه فهو قسمان مكروه تنزيها ومكروه تحريما الأول صوم عاشوراء منفردا عن التاسع والثانی صوم العيدين وأيام التشريق وكره إفراد يوم الجمعة وإفراد يوم السبت ويوم النيروز أو المهرجان إلا أن يوافق عادته وكره صوم الوصال ولو يومين وهو أن لا يفطر بعد الغروب أصلا حتى يتصل صوم الغد بالأمس وكره صوم الدهر،

ترجمہ

روزے کو چھ اقسام میں تقسیم کیا گیا ہے۔ فرض، واجب، سنت، مستحب، نفل، مکروہ۔ (۱) فرض روزہ ماہ رمضان کے روزے ہیں خواہ وہ ادا ہوں یا قضاء ہوں اور کفارات کے روزے اور نذر کے روزے ہیں۔

(۲) اور واجب روزے وہ ہیں جو کسی نے نفلی روزے کو توڑ ڈالا ہو۔ تو اس کی قضاء واجب ہوئی۔ اور اسی نذر کے اعتکاف کا روزہ ہے۔

(۳) سنت روزے یہ ہیں کہ جس طرح یوم عاشورا کا روزہ ہے لیکن اس میں شرط یہ ہے کہ نویں کا روزہ بھی رکھا جائے۔

(۴) مستحب روزے یہ ہیں کہ ہر مہینے میں تین روزے رکھنا مستحب ہے اور یہ روزے ایام بیض میں رکھے جائیں اور وہ ہر ماہ

کی تیرہ، چودہ اور پندرہ تاریخ ہے۔ اور اسی طرح پیر اور جمعرات کے دن روزہ رکھنا ہے۔ اور ماہ شوال کے چھ روزے ہیں۔ بعض فقہاء کے نزدیک ان روزوں کا مسلسل رکھنا افضل ہے جبکہ بعض کے نزدیک ان کو الگ الگ رکھنا افضل ہے۔ اور اسی طرح وہ روزہ جس کو رکھنے کی حدیث میں ترغیب آئی ہے اور اس پر ثواب کا وعدہ ثابت ہو جس طرح حضرت داؤد علیہ السلام کا روزہ ہے۔ کہ آپ ایک دن روزہ رکھتے تھے اور ایک دن افطار فرمایا کرتے تھے۔ اور روزے کا یہ طریقہ بڑی فضیلت رکھتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کو پسند ہے۔

نفلی روزے وہ ہیں جو مذکورہ بالا روزوں کے علاوہ جس قدر بھی روزے رکھے جائیں وہ نفلی ہوں گے۔ ہاں ان میں شرط یہ ہے کہ شریعت میں ان کو مکروہ نہ کہا گیا ہو۔

مکروہ روزے کی دو اقسام ہیں۔ (۱) مکروہ تنزیہی (۲) مکروہ تحریمی

مکروہ تنزیہی وہ روزے یہ ہے کہ صرف دسویں محرم کا روزہ رکھنا اور نویں محرم کا روزہ نہ رکھنا۔ اس کی کراہت کا سبب یہودیوں سے مشابہت ہونا ہے۔

مکروہ تحریمی وہ روزے جو عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے دن اور ایام تشریق میں رکھے جائیں۔ اور صرف جمعہ کے دن کا روزہ یا صرف ہفتے کے دن کا روزہ اور اسی طرح نیروز اور مہرجان کے دن کے رکھنا بھی مکروہ ہیں۔ ہاں البتہ جب کوئی شخص اپنی عادت کے مطابق روزے رکھتا ہے اور اتفاق سے یہ دن بھی آ گئے ہیں تو اب دنوں میں روزہ رکھنا مکروہ نہ ہوگا۔ یعنی جس طرح کسی شخص کی عادت تھی کہ وہ ہر ماہ میں ایام بیض میں روزے رکھتا تھا اور نیروز اور مہرجان کے دن ایام بیض کے دنوں میں آ گئے۔ تو اس بندے کے لئے ان روزوں کا رکھنا مکروہ نہ ہوگا۔

اور صوم وصال بھی مکروہ ہیں۔ اگر چہ یہ وصال دو دنوں کے لئے ہی کیوں نہ ہو۔ اس کا معنی یہ ہے کہ روزہ رکھ کر مغرب کے وقت افطار نہ کرنا اور اس روزے کو اگلے دن کے روزے کے روزے کے ساتھ ملا دے۔ اور صوم دہر یعنی ساری زندگی روزے رکھتے ہوئے رہنا یہ بھی مکروہ ہے۔

روزے کی آٹھ اقسام کا فقہی بیان

علامہ ابن نجیم مصری حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ کتب فقہ میں روزہ کی 8 اَقسام بیان ہوئی ہیں۔

1۔ فرضِ معیّن (ماہ رمضان کے روزے)

2۔ فرضِ غیر معیّن (ماہ رمضان کے قضاء شدہ روزے)

3۔ واجب معیّن (کسی خاص دن یا تاریخ میں روزہ رکھنے کی منت مانیں تو اسی دن یا تاریخ کو روزہ رکھنا واجب ہے)

4۔ واجب غیر معیّن (کفارے کے روزے، نذرِ غیر معین کے روزے اور توڑے ہوئے نفلی روزوں کی قضا۔

5۔ سنت (محرم الحرام کی نویں اور دسویں تاریخ کے روزے، عرفہ یعنی نویں ذی الحجہ کا روزہ اور ایامِ بیض یعنی ہر قمری مہینے کی تیرہویں، چودہویں اور پندرہویں تاریخ کے روزے۔

6۔نفل (ماہ شوال کے چھ روزے، ماہ شعبان کی پندرہویں تاریخ کا روزہ، سوموار، جمعرات اور جمعہ کا روزہ۔

7۔مکروہ تنزیہی (محرم الحرام کی صرف دسویں تاریخ کا روزہ، صرف ہفتہ کے دن کا روزہ رکھنا، عورت کا بلا اجازتِ خاوند نفلی روزہ) رکھنا۔

8۔مکروہ تحریمی (عید الفطر اور عید الضحیٰ کے دو روزے اور ایام تشریق یعنی ذی الحجہ کی گیارہویں، بارہویں اور تیرہویں تاریخ کے روزے)۔(البحر الرائق،2,277)

نیت روزہ کے بارے میں فقہی بیان

حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا راویہ ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص روزے کی نیت فجر سے پہلے نہ کرے تو اس کا روزہ کامل نہیں ہوتا۔(ترمذی، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، دارمی، اور امام ابوداؤد فرماتے ہیں معمر، زبیدی ابن عیینہ اور یونس ایلی ان تمام نے اس روایت کو زہری سے نقل کیا ہے اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا پر موقوف کیا ہے یعنی اس حدیث کو حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کا قول کہا ہے۔

اس حدیث سے بظاہر تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر روزہ کی نیت رات ہی سے نہ کی جائے تو روزہ درست نہیں ہوتا خواہ روزہ فرض ہو یا واجب ہو یا نفل۔لیکن اس بارے میں علماء کے اختلافی اقوال ہیں۔

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا تو یہی مسلک ہے کہ روزہ میں نیت رات ہی سے کرنی شرط ہے خواہ روزہ کسی نوعیت کا ہو، حضرت امام شافعی اور حضرت امام احمد کا بھی یہی قول ہے لیکن نفل کے معاملے میں ان دونوں کے یہاں اتنا فرق ہے کہ اگر روزہ نفل ہو تو امام احمد کے ہاں زوال سے پہلے بھی نیت کی جاسکتی ہے اور امام شافعی کے نزدیک آفتاب غروب ہونے سے پہلے تک بھی نیت کر لینی جائز ہے۔حنفیہ کا مسلک یہ ہے کہ رمضان نفل اور نذر معین کے روزہ میں آدھے دن شرعی یعنی زوال آفتاب سے پہلے پہلے نیت کر لینی جائز ہے لیکن قضاء کفارہ اور نذر مطلق میں حنفیہ کے یہاں بھی رات ہی سے نیت کرنی شرط ہے ان تمام حضرات کی دلیلیں فقہ کی کتابوں میں مذکور ہیں۔

رمضان المبارک کے روزے کی نیت فجر سے قبل رات کو کرنی واجب ہے بغیر نیت کیے دن کو روزہ کفائت نہیں کرے گا، لہٰذا جس شخص کو چاشت کے وقت یہ علم ہوا کہ آج تو رمضان کی یکم تاریخ ہے اور اس نے روزہ رکھنے کی نیت کر لی تو غروب آفتاب تک اسے بغیر کھائے پیئے رہنا ہوگا، اور اس پر اس دن کی قضاء ہوگی، اس کی دلیل مندرجہ ذیل حدیث ہے۔

ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما ام المؤمنین حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جس نے فجر سے قبل روزے کی نیت نہ کی تو اس کا روزہ نہیں ہے۔

اسے امام احمد اور اصحاب سنن اور ابن خزیمہ اور ابن حبان نے مرفوعا اور صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔یہ تو فرضی روزہ کے متعلق ہے، لیکن نفلی روزہ میں دن کے وقت روزہ کی نیت کرنی جائز ہے، لیکن شرط یہ ہے کہ اگر اس نے فجر کے بعد کچھ کھایا پیا نہ ہو اور نہ ہی جماع کیا ہو، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ثابت ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن چاشت کے وقت گھر میں آئے اور فرمایا، کیا تمہارے پاس کچھ (کھانے کو) ہے؟ تو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا نے جواب دیا نہیں، تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پھر میں روزے سے ہوں اسے امام مسلم رحمہ اللہ نے صحیح مسلم میں روایت کیا ہے۔

ہر واجب روزہ میں نیت کے ضروری ہونے کا بیان

حدیث میں ہے۔ من لم یبیت الصیام من اللیل فلا صیام له (سنن نسائی) اس شخص کا روزہ نہیں جس نے رات ہی سے روزہ کی نیت نہ کی ہو۔

رات میں کسی بھی وقت نیت کی جاسکتی ہے خواہ فجر سے ایک منٹ پہلے ہی کیوں نہ ہو۔ نیت کسی کام کے کرنے کے لئے دل کے عزم کا نام ہے، جسے علم ہو کہ کل رمضان ہے اور اس نے روزہ کا ارادہ کر لیا تو یہ اس کی نیت ہوگئی، اور جس نے دن میں روزہ چھوڑنے کی نیت کی اور روزہ نہ چھوڑا، تو راجح قول کے مطابق اس کا روزہ صحیح ہے، جیسے کسی نے نماز میں بات کرنے کا ارادہ کیا اور بات نہیں کی۔ بعض اہل علم کا خیال ہے کہ صرف روزہ توڑنے کی نیت کی بنیاد پر ہی وہ مُفطر مانا جائے گا لہٰذا اس روزہ کی قضا کر لے تو بہتر ہے۔ مرتد ہو جانے سے نیت باطل ہو جاتی ہے اس مسئلہ میں کسی کا اختلاف نہیں۔

رمضان میں روزے رکھنے والا روزانہ تجدید نیت کا پابند نہیں، بلکہ مہینہ کے شروع میں نیت کر لے تو کافی ہے۔ سفر یا مرض کی وجہ سے روزہ کی نیت چھوڑ کر افطار کر لے، تو پھر عذر ختم ہو جانے کے بعد تجدید نیت ضروری ہے۔

مطلق نفلی روزہ کے لئے رات سے نیت کرنا ضروری نہیں ہے، حضرت عائشہؓ کی حدیث ہے، فرماتی ہیں، دخل علی رسول الله ! صلی الله علیه وسلم ذات یوم فقال، هل عندکم شیء؟ فقلنا، لا، قال، فإني إذًا صائم

(صحیح مسلم، مسند احمد ج ۶ ص ۲۰۷، بیروت)

ہمارے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک روز تشریف لائے اور فرمایا، کیا کھانے کے لئے کوئی چیز ہے؟ میں نے کہا نہیں۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، پھر میں روزہ رکھ لیتا ہوں۔

اگر کوئی خاص نفلی روزہ جیسے عرفہ یا عاشورا کا روزہ ہو تو رات ہی سے نیت کر لینا بہتر ہے۔ جس شخص نے واجب روزہ رکھا جیسے قضا، نذر یا کفارہ کا روزہ تو اسے چاہئے کہ اسے پورا کرے۔ بغیر عذر کے روزہ توڑنا جائز نہیں البتہ نفلی روزے کے بارے میں حکم رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ الصائم المتطوع امیر نفسه إن شاء صام وإن شاء افطر

(مسند احمد، ج ۶ ص ۳۴۱، بیروت)

نفلی روزہ رکھنے والے والا خود مختار ہے، چاہے تو پورا کرے یا روزہ توڑ دے۔

فصل فيما لا يشترط تبييت النية وتعيينها فيه

یہ فصل رات کو تعیین و عدم تعیین نیت والے روزوں کے بیان میں ہے

روزوں میں نیت کے شرط ہونے کا بیان

وما يشترط مالا يشترط فيه تعيين النية أما القسم الذى لا يشترط فيه تعيين النية ولا تبييتها فهو أداء رمضان والنذر المعين زمانه والنفل فيصح بنية من الليل الى ما قبل نصف النهار على الأصح ونصف النهار من طلوع الفجر الى وقت الضحوة الكبرى ويصح أيضا بمطلق النية وبنية النفل ولو كان مسافرا أو مريضا فى الأصح ويصح أداء رمضان بنية واجب آخر لمن كان صحيحا مقيما بخلاف المسافر فإنه يقع عما نواه من الواجب واختلف الترجيح فى المريض إذا نوى واجبا آخر فى رمضان ولا يصح المنذور المعين ز مانه بنية واجب غيره بل يقع عما نواه من الواجب فيه ما يشترط فيه تعيين النية وأما القسم الثانى وهو ما يشترط له تعيين النية وتبييتها فهو قضاء رمضان وقضاء ما أفسده من نقل وصوم الكفارات بأنواعها والنذر المطلق كقوله إن شفى الله مريضى فعلى صوم يوم فحصل الشفاء،

ترجمہ

وہ روزے میں نیت کا تعین شرط ہے اور جن میں تعین نیت شرط نہیں ہے۔ وہ روزے جن کی رات کو نیت کرنا شرط نہیں ہے۔ اور نہ ہی تعین شرط ہے وہ ادائے رمضان کے روزے ہیں۔ اور نذر معین کے روزے ہیں۔ اور نفلی روزے ہیں۔ ان روزوں کے لئے رات کو نیت کرنا شرط نہیں ہے لہٰذا رات سے لے کر نصف دن تک ان روزوں کی نیت کی جا سکتی ہے۔ اور نصف دن سے مراد صبح صادق سے لے کر ضحوۂ کبریٰ تک ہے۔

ان روزوں میں نیت کا تعین شرط نہیں ہے لہٰذا ان میں اگر مطلق طور پر روزے کی نیت کی جائے یا نفلی روزے کی نیت کی جائے تو بھی یہ روزے ادا ہو جاتے ہیں۔ خواہ روزے دار مسافر یا مریض ہی کیوں نہ ہو۔

اور اگر تندرست مقیم آدمی رمضان المبارک میں کسی دوسرے واجب روزے کی نیت کرے تو اس کی نیت کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔ بلکہ وہ رمضان کا روزہ ہوگا۔

اور جب مسافر رمضان المبارک میں کسی دوسرے روزے کی نیت کرلے تو اس کا وہی واجب ادا ہوگا۔ اور جب مریض رمضان المبارک میں کسی دوسرے واجب روزے کی نیت کرلے تو اس کے روزے سے متعلق اختلاف ہے۔ بعض فقہاء کے نزدیک اس کا وہی روزہ ہوگا جس کی وہ نیت کرچکا اور بعض فقہاء کے نزدیک رمضان والا روزہ ادا ہوگا۔

اور جب نذر معین والے روزے کے دن کسی دوسرے واجب روزے کی نیت کی تو وہی واجب روزہ ہوگا۔ جس کی وہ نیت کرچکا ہے۔

بہرحال وہ روزے جن میں یہ شرط ہے کہ صبح صادق سے پہلے ہی ان کی نیت کرلے اور یہ تعین بھی کرلے کہ وہ فلاں روزہ ہے۔ اس قسم کے روزے حسب ذیل ہیں۔

قضائے رمضان کے روزے، نفلی روزہ رکھ کر توڑ دیا جائے تو اس کی قضاء کا روزہ، کفاروں کے روزے، جس طرح کفارہ ظہار اور کفارہ قتل اور قسم وغیرہ کے روزے ہیں۔ اور مطلق نذر کے روزے ہیں۔ جس طرح کسی نے جب یہ نذر مانی کہ اگر اللہ تعالی نے میرے مریض کو شفاء بخشی تو ایک دن کا روزہ رکھوں گا۔ اور جب اس کے مریض کو شفاء ہوئی تو اس پر اپنی نذر مطلق کا روزہ رکھنا واجب ہوجائے گا۔

روزے کی نیت کے تعین کا بیان

علامہ علاؤالدین کاسانی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ کہ حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ نفلی روزہ مطلق نیت کے ساتھ جائز ہے اور واجب روزے کے لئے نیت ضروری ہے وہ نیت کے بغیر جائز نہیں ہے ان کی دلیل یہ ہے کہ وہ فرض ہے اور اس کی ادائیگی تعیین نیت کے بغیر نہ ہوگی۔ لہٰذا کفارے، نذر وغیرہ کے روزوں کے لئے نیت کا تعین ضروری ہے کیونکہ وہ بغیر نیت کے جائز نہیں ہیں۔ اور ان کی دلیل یہ بھی ہے کہ روزے کی اصل میں نیت صفت زائدہ ہے لہٰذا نیت اس کے ثواب کے ساتھ متعلق ہوگی۔ لہٰذا نیت ضروری ہوئی کیونکہ وہ فرض کی نیت ہے۔

فقہاء احناف کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالی کا فرمان ہے""" تم میں سے جو رمضان کا مہینہ پائے تو اس کا روزہ رکھے۔ اس آیت میں شہود رمضان کا وجود انسان کو نیت سے بری کردیتا ہے کیونکہ امساک اللہ کے لئے ہوتا ہے۔ لہٰذا اس شخص کو امساک کو روزے کی طرف پھیرتے ہوئے یہ کہا جائے گا کہ یہ وہی روزہ ہے۔ (یعنی جس کا اس مہینے میں حکم دیا گیا ہے)

اسی طرح دوسری دلیل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ ہر بندے کے لئے وہی ہے جس کی اس نے نیت کی (بخاری) لہٰذا یہاں اس شخص کا امساک اللہ تعالی کے لئے ہوگا۔ اور اس سے مراد رمضان کا روزہ ہوگا۔ کیونکہ اگر کوئی اور روزہ مراد لیا جائے تو یہ خلاف نص ہوگا (کیونکہ نص اسی مہینے کے وقت میں رمضان المبارک کے روزے کے بارے میں بیان ہوچکی ہے)۔

حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ کی دوسری دلیل کا جواب یہ ہے کہ جب اس مہینے میں ایک وقت معین کے اندر ایک معین روزے

کا حکم شریعت نے بیان کر دیا ہے تو اس کی اقسام نہیں ہوں گی بلکہ اس سے مراد صرف رمضان کا روزہ ہی معین ہوگا۔ جبکہ کفارات اور نذر وغیرہ جیسے واجب روزہ کے لئے کسی وقت کا تعین نہیں ہوتا لہٰذا ان کے لئے نیت کا تعین ضروری ہوا کیونکہ وہ وقت سے خالی ہوتے ہیں۔ لہٰذا جب روزے رمضان کے مہینے کے سوا میں ہوں تو محتاج نیت ہوتے ہیں کیونکہ ان کی تعیین ضروری ہوتی ہے۔

(بدائع الصنائع، ج۲، ص۸۳، بیروت)

نیت کا مطلب

نیت بس اس حد تک کافی ہے کہ دل میں اسے معلوم ہو کہ فلاں روزہ مثلاً رمضان کا یا نذر کا رکھ رہا ہوں بلکہ روزہ کا تذکرہ کیے بغیر صرف سحری کھالے تو یہ بھی نیت کے قائم مقام ہے۔ (البحر الرائق) البتہ اگر سحری کھاتے ہوئے نیت کر لی کہ صبح روزہ نہ رکھوں گا تو یہ کھانا روزہ کی نیت کے قائم مقام نہ ہوگا۔

فلو عزم عليه (على الاكل)، ثم اصبح، وامسك، ولم ينو الصوم، لا يصير صائما ۔

(ردالمحتار)

نیت کا وقت

نیت کا وقت غروب آفتاب کے بعد شروع ہوتا ہے، اس سے پہلے یا عین غروب کے وقت کی نیت کا اعتبار نہیں۔ رمضان، نذرِ معین یا نفل روزہ ہو تو نصف النہار تک یہ وقت رہتا ہے، جبکہ ہر قسم کے کفارات اور نذرِ مطلق میں ہر روزہ کے لیے غروبِ آفتاب سے صبح صادق تک وقت رہتا ہے۔ صبحِ صادق کے بعد نیت کا اعتبار نہیں۔

نصف النہار کا مطلب

صبحِ صادق سے غروب آفتاب تک کل وقت کے نصف کو نصف النہار شرعی کہا جاتا ہے، مثلاً صبح صادق چھ بجے ہو اور غروب چھ بجے ہو تو نصف النہار بارہ بجے ہوگا اور اگر صبح صادق چھ بجے ہو اور غروبِ آفتاب سات بجے ہو تو نصف النہار ساڑھے بارہ بجے ہوگا۔ اس سے پہلے پہلے نیت کی جاسکتی ہے۔ اس وقت کی مقدار ہر موسم میں اور ہر مقام میں مختلف ہوتی ہے، اس لیے اس کا ایسا کوئی متعین وقت نہیں بتایا جاسکتا جس وقت ہر جگہ نصف النہار ہو بلکہ ایک مقام میں بھی پورے رمضان کے لیے نصف النہار کا ایک وقت نہیں ہوگا، صبح صادق اور غروبِ آفتاب کا وقت بدلنے سے بدلتا رہے گا، اس لیے ضابطہ مذکورہ کے مطابق عمل کیا جائے۔ (ردالمختار)

اگر کوئی شخص رمضان، نذر معین یا نفل روزہ رکھنا چاہتا ہے تو افضل یہ ہے کہ رات ہی سے ہر ایک کی تعیین کر کے نیت کر لے، لیکن اگر رات سے نیت نہ کی تو نصف النہار (دوپہر) سے پہلے پہلے بھی نیت کر سکتا ہے، جبکہ ابھی تک کچھ کھایا پیا نہ ہو۔

فيصح اداء صوم رمضان والنذر المعين والنفل بنية من الليل، فلا تصح قبل الغروب ولا عنده، إلى الضحوة الكبرىٰ، لا بعدها ولا عندها ۔ (درمختار) والافضل ان يبيت النية فى موضع تجوز نيته من النهار ۔ (هندية)

روزہ رکھنے والا (خواہ مسافر ہو یا مقیم، تندرست ہو یا بیمار) اگر دن میں نیت کر رہا ہے تو یہ نیت کرے کہ شروع دن (صبحِ صادق) سے میرا روزہ ہے، اس کی بجائے اگر یوں نیت کی کہ اس وقت سے میرا روزہ ہے تو روزہ نہ ہوگا۔

تنبیہ , وإذا نوی الصوم من النهار ینوی انه صائم من اوله، حتی لو نوی قبل الزوال انه صائم من حین نویٰ لا من اوله، لا یصیر صائما ۔ (ردالمحتار)

اگر کسی نے رمضان، نذرِ معین یا نفل روزہ میں تعیین کے بغیر مطلق روزہ کی نیت کر لی، یعنی صرف یہ نیت کی کہ آج میرا روزہ ہے یا سب میں نفل روزہ کی نیت کی تو بھی جائز ہے۔ یعنی رمضان ہونے کی صورت میں رمضان ہی کا روزہ شمار ہوگا اور نذرِ معین ہونے کی صورت میں نذر ہی کا روزہ شمار ہوگا۔

ویصح اداء صوم رمضان والنذر المعین والنفل وبمطلق النیة ای نیة الصوم وبنیة نفل لعدم المزاحم ۔ (درمختار)

اگر رمضان میں کسی پر بے ہوشی طاری ہوگئی یا جنون لاحق ہوا، پھر نصف النہار سے پہلے پہلے ہوش میں آ کر روزہ کی نیت کر لی تو روزہ درست ہے۔

یہ حکم ان تینوں قسم کے روزوں کی اداء کا تھا، ان کی قضاء اور روزہ کی بقیہ تمام اقسام (کفارات یعنی قسم کا کفارہ، روزہ کا کفارہ، ظہار کا کفارہ، قتل کا کفارہ اور نذرِ مطلق) میں ہر روزہ کی متعین طور پر نیت کرنا اور رات سے نیت کرنا ضروری ہے۔ اگر ان میں سے کسی روزہ کی نیت صبح صادق کے بعد کی یا مطلق روزہ کی نیت کی یا نفل روزہ کی نیت کی تو وہ نفل روزہ ہوگا، رمضان کی قضاء کے علاوہ باقی صورتوں میں اسے پورا کرنا مستحب ہے اور توڑنے پر قضاء نہیں، البتہ قضاءِ رمضان کی صورت میں اس کی قضاء لازم ہے۔

فی الهندیة , وإذا نوی الصوم للقضاء بعد طلوع الفجر حتی لا تصح نیته عن القضاء، یصیر شارعا فی التطوع، فإن افطر یلزمه القضاء کذا فی الذخیرة ۔ وفی الشامیة , فلو نوی تلك الصیامات نهاراً کان تطوعا، وإتمامه مستحب، ولا قضاء بافطاره ۔

نیت کی پھر ختم کر دی

اگر رات کو روزہ کی نیت کر لی، پھر نیت بدل گئی اور صبح صادق سے پہلے پہلے پختہ ارادہ کر لیا کہ روزہ نہیں رکھنا تو روزہ کی نیت باطل ہوگئی، اب تجدید نیت کے بغیر یونہی بھوکا پیاسا دن گذار دیا تو روزہ نہیں ہوا۔

فی الهندیة, ولو نوی من اللیل ثم رجع عن نیته قبل طلوع الفجر، صح رجوعه فی الصیامات کلها ۔

روزہ رکھا، پھر توڑنے کی نیت

روزہ رکھنے کے بعد دل میں توڑنے کی نیت کر لی تو روزہ نہ ٹوٹے گا جب تک کہ کوئی بات روزہ کو توڑنے والی صادر نہ ہو۔ فی

الهندية, وإذا نوى الصائم الفطر ولم يحدث شيئا غير النية، فصومه تام ۔

رات کو نیت کر کے سو گیا

اگر رات کو روزہ کی نیت کر کے سو گیا، پھر صبح ہونے سے پہلے اٹھ کر کچھ کھا پی لیا تب بھی نیت میں کوئی خلل نہ آئے گا اور روزہ صحیح ہو جائے گا۔ (خلاصۃ الفتاویٰ، ر، ہندیۃ)

رمضان کے ہر روزہ کی الگ نیت ضروری ہے

ماہِ رمضان میں ہر روزہ کی الگ الگ نیت کرنا ضروری ہے، اگر شروع رمضان میں ہی نیت کر لی کہ پورے مہینے کے روزے رکھوں گا تو یہ نیت صرف پہلے روزے کی حد تک معتبر ہے۔ في الدر, ويحتاج صوم كل يوم من رمضان إلى نية،

فصل فيما يثبت به الهلال

﴿یہ فصل ثبوت ہلال کے بیان میں ہے﴾

صوم شک اور ثبوت ہلال کا بیان

وفـي صـوم الشك وغيره بم يثبت رمضان يثبت رمضان برؤية هلاله أو بعد شعبان ثلاثين إن غم الهـلال ويوم الشك هو ما يلي التاسع والعشرين من شعبان وقد استوى فيه طرف العلم والجهل بـأن غم الهلال وكره فيه كل صوم إلا صوم نفل جزم به بلا ترديد بينه وبين صوم آخر وإن ظهر أنه من رمضان أجزأ عنه ما صامه وإن ردد فيه بين صيام وفطر لا يكون صائما وكره صوم يوم أو يـومين مـن آخر شعبان لا يكره ما فوقهما ويأمر المفتي العامة بالتلوم يوم الشك ثم بالإفطار إذا ذهـب وقـت الـنية ولم يتبين الحال ويصوم فيه المفتي والقاضي ومن كان من الخواص وهو من يتـمـكـن من ضبط نفسه عن الترديد في النية وملاحظة كونه عن الفرض رؤية الهلال ومن رأى هـلال رمـضـان أو الفطر وحده ورد قوله لزمه الصيام ولا يجوز له الفطر بتيقنه هلال شوال وإن أفـطر في الوقتين قضى ولا كفارة عليه ولو كان فطره قبل ما رده القاضي في الصحيح وإذا كان بالسماء علة من غيم أو غبار أو نحوه قبل خبر واحد عدل أو مستور في الصحيح ولو شهد على شهـادة واحـد مثلـه ولو كان أنثى أو رقيقا أو محدودا في قذف تاب لرمضان ولا يشترط لفظ الشهادة ولا الدعوى،

وشرط لهلال الفطر اذا كان بالسماء علة لفظ الشهادة من حرين أو حر وحرتين بلا دعوى واذا لم يكن بالسماء علة فلا بد من جمع عظيم لرمضان والفطر ومقدار الجمع العظيم مفوض لراى الإمـام في الأصح واذا تم العدد بشهادة فرد ولم ير هلال الفطر والسماء مصحية لا يحل الفطر واختـلف التـرجيـح فيما اذا كان بشهادة عدلين ولا خلاف في حل الفطر اذا كان بالسماء علة ولـو ثبـت رمـضـان بشاهدة الفرد وهلال الأضحى كالفطر ويشترط لبقية الأهلة شهادة رجلين

عـدليـن أو حـر وحـرتين غير محدودين في قذف اختلاف المطالع واذا ثبت في مطلع قطر لزم سـائر الناس في ظاهر المذهب وعليه الفتوىٰ وأكثر المشايخ ولا عبرة برؤية الهلال نهارا سواء كان قبل الزوال أو بعده وهو لليلة المستقبلة في المختار،

ترجمہ

یہ فصل صوم شک اور ثبوت رمضان کے بیان میں ہے کیونکہ رمضان کا ثبوت رؤیت ہلال سے ہوتا ہے۔ اور جب انتیس شعبان کے بعد بادل وغیرہ کے سبب چاند نظر نہ آئے تو اگلے دن کو یوم شک کہتے ہیں۔ کیونکہ وہ انتیس سے ملا ہوا ہے کیونکہ اس میں علم وجہالت دونوں اطراف برابر ہوتی ہیں۔ کیونکہ مطلع ابر آلود ہوا ہے۔

اس دن ہر قسم کا روزہ رکھنا مکروہ ہے ہاں البتہ نفلی روزہ رکھ سکتا ہے لیکن اس کے لئے بھی شرط یہ ہے کہ اس کی نیت پکی ہو لہٰذا اس کو نفلی روزے اور کسی دوسرے روزے درمیان کسی قسم کا شک وشبہ نہ ہو۔ اور اگر اس پر ظاہر ہو گیا کہ وہ رمضان کا دن تھا تو اس کے لئے وہی روزہ کافی ہوگا۔ اور اگر وہ شخص روزے رکھنے یا نہ رکھنے میں شک وشبہ میں رہا تو اس کا روزہ نہ ہوگا۔

اور ماہ شعبان کے آخری ایک دن یا دو دنوں کے لئے روزہ رکھنا مکروہ ہے۔ جبکہ اس سے زیادہ روزے رکھنا مکروہ نہیں ہے۔ شک کے دن مفتی صاحب عام لوگوں کو حکم دیں گے کہ وہ اہل صیام کی طرح ضحویٰ کبریٰ تک انتظار کریں اور جب اس وقت تک رمضان المبارک کے چاند کا ثبوت مل جائے تو وہ رمضان المبارک کے روزے کی نیت کر لیں۔ اور اگر ثبوت رؤیت نہ ہو اور یہاں تک کہ نیت کا وقت بھی چلا گیا تو وہ کھائیں اور پئیں۔

مفتی، قاضی اور خواص اس دن روزہ رکھیں۔ یہاں پر خواص سے مراد وہ لوگ ہیں جس اس دن کے روزے کی نیت میں شک وشبہ کا شکار نہ ہوں اور اس کے فرض روزے کا لحاظ کریں۔

اور جس شخص نے اکیلے ہی رمضان کا چاند یا عید الفطر کا چاند دیکھا اور اس کو قول کو رد کر دیا گیا تو اس پر روزہ لازم ہو جائے گا جبکہ شوال کے چاند کے یقینی ہونے تک اس کے لئے افطار جائز نہ ہوگا۔ اور جب اس دن دونوں اوقات میں افطار کیا تو وہ قضاء کرے۔ جبکہ اس پر کفارہ نہ ہوگا۔ صحیح روایت کے مطابق اگر چہ اس نے قاضی کی تردید سے پہلے افطار کیا ہو۔

اور جب آسمان پر بادل ہوں یا گرد وغیرہ ہو تو ایک عادل یا مستور الحال شخص کی گواہی رمضان المبارک کے بارے میں قبول کر لی جائے گی۔ جب کسی نے ایک شہادت کی مثل پر گواہی دی خواہ وہ عورت ہو یا غلام یا محدود قذف ہو جس نے توبہ کر لی تھی۔ تو ان کی گواہی رمضان المبارک کے لئے قبول کر لی جائے گی۔ جس میں لفظ شہادت و دعویٰ بھی شرط نہیں ہے۔ جبکہ عید الفطر کے چاند کے لئے شرط ہے۔ کہ جب آسمان پر بادل ہوں تو دو آزاد یا ایک آزاد مرد اور دو آزاد عورتیں لفظ شہادت کے ساتھ بغیر کسی دعویٰ کے گواہی دیں۔

اور جب آسمان پر کوئی بادل نہ ہوں تو لازم ہے ایک جم غفیر رمضان اور عید الفطر کے لئے گواہی دیں۔ اور جم غفیر کی مقدار امام

کی رائے کے حوالے کر دی جائے گی یہی صحیح روایت ہے۔

اور جب ایک شہادت کے ساتھ عدد مکمل ہو جائے۔ اور عید الفطر کا چاند نہ دیکھا گیا ہو اور آسمان پر مطلع بھی صاف ہو تو عید الفطر منانا جائز نہ ہوگا۔ اس میں ترجیح کا اختلاف ہے۔ اور جب دو عادل بندوں کی گواہی ہو تو افطار کے حلال ہونے میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اگر چہ آسمان پر مطلع صاف نہ ہو۔ اگر چہ رمضان المبارک ایک شہادت سے ثابت ہوتا ہے۔

عید الاضحیٰ کی گواہی کا حکم عید الفطر کی گواہی کی طرح ہے۔ اور اسی طرح بقیہ مہینوں کے چاندوں میں بھی دو عادل مرد یا ایک آزاد مرد اور دو آزاد عورتیں جو غیر محدود قذف ہوں۔

اور جب کسی علاقے میں رؤیت ہلال ثابت ہو جائے تو ظاہر مذہب کے مطابق سب لوگوں کے لئے روزہ رکھنا لازم ہو جائے گا اسی پر فتویٰ ہے۔ اور اکثر مشائخ فقہاء نے بھی یہی کہا ہے۔

اور جب دن کے وقت چاند نظر آ جائے تو اس کا کوئی اعتبار نہ کیا جائے گا۔ خواہ وہ زوال سے پہلے نظر آئے یا زوال کے بعد نظر آئے۔ لہٰذا یہ آئندہ رات کا چاند شمار کیا جائے گا۔

یوم شک کے روزے کا بیان

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو فرمایا کیا تو نے اس مہینہ کے آخر میں کوئی روزہ رکھا ہے؟ اس شخص نے جواب دیا نہیں، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم روزے ختم کرو تو اس کے بدلے میں دو روزے رکھو۔

اور مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ: کیا تو نے شعبان کے آخر میں روزے رکھیں ہیں؟ مندرجہ بالا حدیث میں کلمہ سرر کی شرح میں اختلاف ہے، مشہور تو یہی ہے کہ مہینہ کے آخر کو سرار کہا جاتا ہے، سرار الشھر سین پر زبر اور زیر دونوں پڑھی جاتی ہیں، لیکن زبر پڑھنا زیادہ فصیح ہے، مہینہ کے آخر کو سرار اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس میں چاند چھپا رہتا ہے۔ اگر کوئی اعتراض کرنے والا یہ اعتراض کرے کہ صحیحین میں ابو ھریرہ رضی اللہ تعالیٰ تعالیٰ سے حدیث مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا رمضان سے ایک یا دو روز قبل روزہ نہ رکھو، لیکن جو شخص عادتاً روزہ رکھتا ہو اسے روزہ رکھنا چاہیے۔

(صحیح بخاری رقم الحدیث، (1983) صحیح مسلم رقم الحدیث، (1082))

تو ہم ان دونوں حدیثوں میں جمع کس طرح کریں گے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ: بہت سے علماء کرام اور اکثر شارحین احادیث کا کہنا ہے کہ جس شخص سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا تھا اس کی عادت کے بارہ میں نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو علم تھا کہ وہ روزے رکھتا ہے، یا پھر اس نے نذر مان رکھی تھی جس وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے قضا میں روزہ رکھنے کا حکم دیا تھا۔

اس مسئلہ میں اس کے علاوہ اور بھی کئی اقوال پائے جاتے ہیں، خلاصہ یہ ہے کہ شعبان کے آخر میں روزہ رکھنے کی تین حالتیں ہیں۔

پہلی حالت: رمضان کی احتیاط میں رمضان کیروزے کی نیت سے روزہ رکھے، ایسا کرنا حرام ہے۔ دوسری حالت: نذر یا پھر

رمضان کی قضاء یا کفارہ کی نیت سے روزہ رکھے، جمہور علماء کرام اسے جائز قرار دیتے ہیں۔ تیسری حالت: مطلقا نفلی روزے کی نیت کرتےہوئے روزہ رکھا جائے، جو علماء کرام شعبان اور رمضان کے مابین روزہ نہ رکھ کر ان میں فرق کرنے کا کہتے ہیں ان میں حسن رحمہ اللہ تعالی بھی شامل ہیں وہ ان نفلی روزہ رکھنے کو مکروہ قرار دیتے ہیں کہ شعبان کے آخر میں نفلی روزے نہیں رکھنے چاہییں، لیکن اگر وہ عادتا پہلے سے روزہ رکھ رہا ہوتو وہ ان ایام میں بھی روزہ رکھ سکتا ہے۔

امام مالک رحمہ اللہ تعالی اور ان کی موافقت کرنے والوں نے شعبان کے آخر میں نفلی روزے رکھنے کی اجازت دی ہے، لیکن امام شافعی، امام اوزاعی، امام احمد وغیرہ نے عادت اور غیر عادت میں فرق کیا ہے۔

مجمل طور پر یہ ہے کہ مندرجہ بالا ابوھریرہ رضی اللہ تعالی عنہ کی حدیث پر اکثر علماء کرام کے ہاں عمل ہے، کہ رمضان سے ایک یا دو روز قبل روزہ رکھنا مکروہ ہے لیکن جس شخص کی عادت ہو وہ رکھ سکتا ہے، اور اسی طرح وہ شخص جس نے شعبان میں مہینہ کے آخر تک کوئی روزہ نہیں رکھا تو آخر میں وہ بھی روزہ نہیں رکھ سکتا۔ اگر کوئی اعتراض کرنے والا یہ اعتراض کرے کہ رمضان سے قبل روزہ رکھنا کیوں مکروہ ہے؟ اس کا جواب کئی ایک طرح ہے۔

پہلا معنی یہ ہے تا کہ رمضان کے روزوں میں زیادتی نہ ہو جائے، جس طرح عید کے دن روزہ رکھنے سے منع کیا گیا ہے یہاں بھی اسی معنی میں منع کیا گیا ہے کہ جو کچھ اہل کتاب نے اپنے روزوں میں اپنی آراء اور خواہشوں سے اضافہ کیا اس سے بچنے کی تنبیہ کی گئی ہے۔

اور اسی لیے یوم شک کا روزہ بھی رکھنا منع ہے، حضرت عمار کہتے ہیں کہ جس نے بھی یوم شک کا روزہ رکھا اس نے ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کی، یوم شک وہ دن ہےجس میں شک ہو کہ رمضان میں شامل ہے کہ نہیں؟ مثلا کوئی غیر ثقہ شخص خبر دے کہ رمضان کا چاند نظر آ گیا ہے تو اسے شک کا دن قرار دیا جائے گا۔ اور ابر آلود والے دن کو کچھ علماء کرام یوم شک شمار کرتے ہیں اور اس میں روزہ رکھنے کی ممانعت ہے۔

دوسرا معنی: نفلی اور فرضی روزوں میں فرق کرنا چاہیے، کیونکہ نوافل اور فرائض میں فرق کرنا مشروع ہے، اسی لیے عید کے دن روزہ رکھنا منع کیا گیا ہے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں بھی اس سے منع کیا ہے کہ ایک نماز کو دوسری کے ساتھ نہ ملایا جائے بلکہ اس میں سلام یا کلام کے ذریعہ فرق کرنا چاہیے، خاص کر نماز فجر کی سنتوں میں، کیونکہ سنتوں اور فرائض کے مابین فرق کرنا مشروع ہے، اسی بنا پر نماز گھر میں پڑھنی اور سنت فجر کے بعد لیٹنا مشروع کیا گیا ہے۔

جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ نماز فجر کی اقامت ہونے کے بعد بھی نماز پڑھ رہا ہے تو آپ نے اسے فرمایا: کیا صبح نماز چار رکعات ہے۔ (صحیح بخاری رقم الحدیث، (663)

بعض جاہل قسم کے لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ رمضان سے قبل روزہ نہ رکھنے کا معنی ہے کہ کھانے پینے کو غنیمت سمجھا جائے تا کہ روزے رکھنے سے قبل کھانے پینے کی شھوت پوری کر لی جائے، لیکن یہ گمان غلط ہے اور جو بھی ایسا خیال رکھے وہ جاہل ہے۔

اس مسئلہ کی دلیل وہی گذشتہ حدیث جو درج ذیل ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ

علیہ وسلم ایک دن چاشت کے وقت گھر میں آئے اور فرمایا کیا تمہارے پاس کچھ (کھانے کو) ہے؟ تو عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا نے جواب دیا: نہیں، تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پھر میں روزے سے ہوں" اسے امام مسلم رحمہ اللہ نے صحیح مسلم میں روایت کیا ہے۔

چاند دیکھ کر روزہ رکھنے کا بیان

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تم لوگ چاند دیکھ کر روزے رکھو اور چاند دیکھ کر روزے بند کر دو اگر بادل ہوں تو تیس دن پورے کر لو۔ (سنن نسائی، کتاب الصوم)

رؤیت ہلال میں ایک مستور الحال کی گواہی کی قبولیت کا بیان

علامہ ابن عابدین شامی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ کافی حاکم جس میں امام محمد کا تمام کلام، کتب ظاہر الروایۃ کا جمع فرمادیا ہے یُوں ہے کہ رمضان میں ایک مسلمان مرد یا عورت عادل یا مستور الحال کی گواہی مقبول ہے جبکہ یہ گواہی دے کہ اس نے جنگل میں دیکھا یا شہر میں دیکھا اور کوئی سبب ایسا تھا جس کے باعث اوروں کو نظر نہ آیا انتہی اور ان دونوں روایتوں میں منافات نہیں اس لیے کہ جماعت عظیم کی شرط وہاں ہے کہ گواہ شہر میں غیر مکان بلند پر ہو تو یہ پچھلی روایت اُس پہلی کے اطلاق کی قید بتاتی ہے اور اس پر دلیل یہ کہ پہلی میں ایک کی گواہی نہ ماننے کی وجہ یہ فرمائی کہ تنہا اُس کا دیکھنا غلطی میں ظاہر ہے اور اُس پچھلی صورت یعنی جبکہ وُہ جنگل میں یا بلند مکان پر تھا وہ رَد کی وجہ نہ پائی گئی اس لیے محیط میں فرمایا کہ اس حالت میں تنہا اُس کا دیکھنا خلاف ظاہر نہ ہوگا۔

(ردالمحتار، ج ۲، ص ۱۰۱، مصطفیٰ البابی مصر)

بحر الرائق میں فرمایا کہ جب لوگ چاند دیکھنے میں کاہلی کریں تو اس روایت پر عمل چاہئے کہ دو گواہ کافی ہیں کہ اب وُہ وجہ نہ رہی " کہ سب چاند دیکھنے میں مصروف تھے اور مطلع صاف تھا تو فقط انہی دو کو نظر آنا" بعید از قیاس ہے، اور ولوالجیہ وظہیریہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ ظاہر الروایۃ میں صرف تعدد گوہان کی شرط ہے اور تعدد دو سے بھی ہو گیا انتہی اور ہمارے زمانے میں لوگوں کا کسل آنکھوں دیکھا ہے تو دو کی گواہی کو یہ نہ کہیں گے کہ جمہور کے خلاف انہی کو کیسے نظر آ گیا جس سے گواہ کی غلطی ظاہر ہو تو ظاہر الروایۃ کی وجہ نہ رہی تو اس دوسری روایت پر فتوی دینا لازم ہُوا۔ (ردالمحتار، ج ۲، ص ۱۰۱، مصطفیٰ البابی مصر)

باب مالا يفسد الصوم

﴿یہ باب روزے کو فاسد نہ کرنے والی چیزوں کے بیان میں ہے﴾

روزے کو فاسد نہ کرنے والی چوبیس چیزوں کا بیان

وهو أربعة وعشرون شيئا ما لو أكل أو شرب أو جامع ناسيا وإن كان للناسي قدرة على الصوم يذكره به من رآه يأكل وكره عدم تذكيره وإن لم يكن له قوة فالأولى عدم تذكيره أو أنزل بنظر أو فكر وإن أدام النظر والفكر أو ادهن أو اكتحل ولو وجد طعمه في حلقه أواحتجم أو اغتاب أو نوى الفطر ولم يفطر أو دخل حلقه دخان بلا صنعه أو غبار ولو غبار الطاحون أو ذباب أو أثر طعم الأدوية فيه وهو ذاكر لصومه أو أصبح جنبا ولو استمر يوما بالجنابة أو صب في إحليله ماء أو دهنا أو خاض نهرا فدخل الماء أذنه أو حك أذنه بعود فخرج عليه درن ثم أدخله مرارا الى أذنه أو دخل أنفه مخاط فاستنشقه عمدا وابتلعه وينبغي إلقاء النخامة حتى لا يفسد صومه على قول الإمام الشافعي رحمه الله أو ذرعه القيء وعاد بغير صنعه ولو ملأ فاه في الصحيح أو استقاء أقل من ملء فيه على الصحيح ولو أعاد في الصحيح أو أكل ما بين أسنانه وكان دون الحمصة أو مضغ مثل سمسمة من خارج فمه حتى تلاشت ولم يجد لها طعما في حلقه،

ترجمہ

(۱) روزے دار بھول کر کھائے (۲) بھول کر پی لے (۳) بھول کر جماع کرلے۔ اور اگر بھولنے والا روزے کی طاقت رکھتا ہے۔ تو دیکھنے والا اس کو فوری طور پر روزے کی یاد دلائے۔ اور اس کو یاد نہ دلانا یہ مکروہ ہے۔ اور اگر وہ روزے کی طاقت ہی نہیں رکھتا تو پھر اس کو یاد نہ دلانا یہ بہتر ہے۔ (۴) جب دیکھنے سے انزال ہوجائے (۵) سوچنے سے انزال ہوجائے خواہ وہ دیر تک دیکھتا رہا یا سوچتا رہا۔ (۶) تیل لگائے (۷) آنکھوں میں سرمہ ڈالے اگرچہ اس کا ذائقہ حلق میں محسوس ہو۔ (۸) سینگیاں لگوانا (۹) کسی کی غیبت کرنا (۱۰) روزے کو توڑنے کا ارادہ کیا لیکن اس نے توڑا نہیں (۱۱) دھواں (۱۲) غبار (۱۳) مکھی (۱۴) دوائی کے ذائقے کا اثر بغیر کسی ارادے کے حلق میں چلا گیا ہے۔ اگرچہ ان چیزوں کے حلق میں چلے جانے کے وقت اس کو روزے دار ہونا یاد بھی ہے۔ (۱۵) جنابت کی حالت میں صبح کرنا اگرچہ اس کا سارا دن اسی حالت میں گزر گیا ہے۔ (۱۶) آلہ تناسل کے سوراخ میں پانی

ڈالنا (۱۷) تیل ڈالنا (۱۸) دریا میں غوطہ لگایا اور پانی کان میں چلا گیا۔ (۱۹) لکڑی سے کان کھجلایا جس کے سبب میل نکل آئی اس کے بعد اس لکڑی کو بار بار کان میں داخل کرتا رہا۔ (۲۰) ناک کی رینٹھ باہر آ کر پھر ناک میں چلی گئی۔ روزے دار نے اس کو جان بوجھ کر اوپر چڑھالیا یا نگل لیا۔

حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ کے نزدیک اس کو نگل جانے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے لہٰذا بہتر ہوگا کہ اس کو باہر پھینک دیا جائے تاکہ ان کے نزدیک بھی روزہ نہ ٹوٹے۔ (۲۱) وہ قئے جو خود بہ خود آئی اس کے بعد خود لوٹ گئی اگر چہ وہ منہ بھر کر ہی کیوں نہ ہو۔ (۲۲) جان بوجھ کر قئے کی لیکن وہ منہ بھر نہ تھی۔ اب اگر اس نے قئے لوٹا دی تو صحیح قول کے مطابق اس کا روزہ پھر بھی نہ ٹوٹے گا۔ (۲۳) دانتوں کے درمیان کوئی چیز چنے کی مقدار سے کم تھی اس کو کھالیا ہے۔ (۲۴) تل کے برابر کوئی چیز منہ میں باہر سے ڈالی اور اس طرح اس کو چبایا کہ اس کو وجود ہی باقی نہ رہا لیکن اس کا ذائقہ حلق میں محسوس نہ ہو۔

شرح

کسی شخص کو روزے کا خیال نہ رہا اور اس وجہ سے اس نے کچھ کھا پی لیا یا جماع کر لیا تو روزہ فاسد نہیں ہوگا، خواہ روزہ فرض ہو یا نفل کسی شخص نے بھول کر جماع شروع کیا پھر فوراً ہی یاد آ گیا کہ روزہ دار ہوں تو اگر اس نے یاد آتے ہی فوراً اپنا عضو مخصوص شرمگاہ سے باہر نکال لیا تو روزہ نہیں ٹوٹے گا اور اگر نہ نکالا تو روزہ ٹوٹ جائے گا۔ اس صورت میں اس روزے کی قضا لازم ہوگی کفارہ ضروری نہیں ہوگا۔

مگر بعض حضرات کہتے ہیں کہ کفارہ کا ضروری نہ ہونا اس صورت سے متعلق ہے جب کہ اپنے بدن کو حرکت نہ دے یعنی یاد آ جانے کے بعد دھکا نہ لگائے۔ جس سے کہ انزال ہو جائے کیونکہ اگر دھکا لگائے تو کفارہ لازم ہوگا جیسا کہ اگر کوئی شخص یاد آ جانے کے بعد عضو مخصوص باہر نکال کر پھر داخل کرے تو اس پر کفارہ لازم ہوگا اگر کوئی شخص طلوع فجر سے پہلے قصداً جماع میں مشغول ہو گیا اور اسی دوران فجر طلوع ہو گئی تو اسے فوراً علیحدہ ہو جانا ضروری ہوگا اگر نہ صرف یہ کہ فوراً علیحدہ نہ ہو بلکہ بدن کو حرکت بھی دے تو اس صورت میں کفارہ لازم ہوگا۔ ہاں بدن کو حرکت نہ دے اور علیحدہ بھی نہ ہو تو صرف روزہ فاسد ہو جائے اگر کوئی شخص طلوع فجر کے خوف سے جماع سے علیحدہ ہو جائے اور پھر طلوع فجر کے بعد جماع سے علیحدہ ہو جانے کی صورت میں انزال ہو جائے تو اس سے روزہ پر اثر نہیں پڑے گا۔

اگر کوئی شخص بھول کر کچھ کھا پی رہا ہو تو دوسرے لوگوں کو اسے یاد دلانا چاہئے کیونکہ ایسی حالت میں اسے یاد نہ دلانا مکروہ ہے بشرطیکہ اس شخص میں روزہ رکھنے کی قوت ہو اور وہ بغیر کسی مشقت کے رات تک اپنا روزہ پورا کرنے کی طاقت رکھتا ہو اگر کوئی شخص اسے یاد دلا دے اور پھر بھی اسے یاد نہ آئے اور وہ کھا پی لے تو اس صورت میں اس پر قضا لازم ہوگی اگر اس شخص میں روزہ رکھنے کی قوت نہ ہو تو اسے یاد نہ دلانا ہی اولیٰ ہے۔ عورت کی شرمگاہ کی طرف نظر ڈالنے کی وجہ سے انزال ہونے کی صورت میں روزہ نہیں ٹوٹتا اس بارے میں علماء کے اختلافی اقوال ہیں کہ جانور کے ساتھ فعل بد کرنے سے انزال ہو جانے کی صورت میں روزہ ٹوٹ جاتا ہے یا نہیں؟ چنانچہ بعض حضرات کے نزدیک تو روزہ ٹوٹ جاتا ہے جب کہ بعض حضرات کہتے ہیں کہ روزہ نہیں ٹوٹتا، ہاں اگر انزال نہ ہو تو

متفقہ طور پر مسئلہ یہ ہے کہ صرف فعل بد کی وجہ سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ جلق کے ذریعے انزال ہو جانے کی صورت میں روزہ ٹوٹ جاتا ہے اور قضا لازم آتی ہے کفارہ ضروری نہیں ہوتا۔

اس بارے میں یہ بات جان لینی ضروری ہے کہ یہ فعل قبیح (جلق) غیر رمضان میں بھی حلال نہیں ہے جب کہ اسے قضاء شہوت مقصود ہو ہاں اگر تسکین شہوت مقصود ہو تو پھر امید ہے کہ اس صورت میں کوئی وبال نہیں ہوگا یعنی اگر کوئی شخص محض لذت حاصل کرنے کے لئے اس فعل میں مبتلا ہو تو اس کے لئے یہ قطعاً حلال نہیں ہے اور اگر اضطراب و بیقراری کی یہ حالت ہو کہ اس فعل کے ذریعے منی خارج نہ کرنے کی صورت میں زنا میں مبتلا ہو جانے کا خوف ہو اور وہ جلق کرے تو پھر امید ہے کہ وہ گنہگار نہ ہو لیکن اس پر مداومت بہر صورت گناہ کا باعث ہے۔ کسی عورت کا تصور کرنے سے انزال ہو جائے تو روزہ نہیں ٹوٹے گا اسی طرح دو عورتوں کا آپس میں فعل بد کرنا جیسے چپٹی لگانا بھی کہا جاتا ہے روزہ کو نہیں توڑتا بشرطیکہ انزال نہ ہو اگر انزال ہوگا تو روزہ ٹوٹ جائے گا اور قضا لازم آئے گی تیل لگانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا کیونکہ مسامات کے ذریعے کسی چیز کا بدن میں داخل ہونا روزے کے منافی نہیں ہے یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ کوئی شخص نہائے اور اس کے جگر کو ٹھنڈک پہنچے اسی طرح سرمہ لگانے سے بھی روزہ نہیں ٹوٹتا، اگر چہ اس کا مزہ حلق میں محسوس ہو یا اس کا رنگ رینٹ اور تھوک میں ظاہر ہو کیونکہ آنکھ اور دماغ کے درمیان کوئی نہیں ہے اسی لئے آنکھوں سے آنسو بھی ٹپک کر نکلتے ہیں جیسا کہ کسی چیز کا عرق کشید ہوتا ہے اور یہ بتایا ہی جا چکا ہے کہ جو چیز مسامات کے ذریعے بدن میں داخل ہوتی ہے وہ روزہ کے منافی نہیں ہے۔

پھر یہ کہ سرمہ کے بارے میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہ روایت منقول ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم روزہ کی حالت میں سرمہ لگایا کرتے تھے اسی طرح اگر آنکھ میں دوا یا دودھ تیل کے ساتھ ڈالا جائے اور اس کا مزہ یا اس کی تلخی حلق میں محسوس ہو تو روزہ نہیں ٹوٹتا۔ اگر کوئی شخص کوئی چیز یعنی روئی وغیرہ نگل جائے درآنحالیکہ وہ کسی ڈورے میں بندھی ہو اور ڈورہ اس کے ہاتھ میں ہو تو روزہ نہیں ٹوٹے گا جب تک وہ ڈورے سے کھل کر پیٹ میں نہ گر جائے اگر ڈورے سے کھل کر گر پڑے گی تو روزہ ٹوٹ جائے گا۔ اور اگر کوئی حلق میں لکڑی یا اسی کی مانند کوئی اور چیز داخل کرے اور اس کا دوسرا سرا اس کے ہاتھ میں ہو تو روزہ نہیں ٹوٹے گا، اسی طرح اگر کوئی شخص اپنی انگلی مقعد میں داخل کرے یا کوئی عورت اپنی شرمگاہ میں داخل کرے تو روزہ فاسد نہیں ہوگا۔ ہاں اگر انگلی پانی یا تیل سے تر ہوگی تو ٹوٹ جائے گا۔ چغلی اور غیبت سے روزہ فاسد نہیں ہوتا البتہ روزہ کا ثواب جاتا رہتا ہے محض افطار کی نیت کرنے سے جب کہ کچھ کھائے پئے نہیں روزہ پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

کسی شخص کے حلق میں بے قصد و بے اختیار دھواں چلا جائے تو روزہ فاسد نہیں ہوتا کیونکہ اس سے بچنا قطعاً ناممکن ہے اگر کوئی شخص احتیاط کے پیش نظر ایسے موقعہ پر اپنا منہ بند بھی کر لے تو دھواں ناک کے ذریعے داخل ہوگا، لہٰذا یہ تری کی قسم سے ہے جو کلی کے بعد منہ میں باقی رہتی ہے اور جس سے روزہ پر کوئی اثر نہیں پڑتا، ہاں اگر قصداً کوئی شخص اپنے حلق میں دھواں داخل کرے گا اور داخل کرنا کسی بھی صورت سے ہو تو اس کا روزہ ٹوٹ جائے گا خواہ دھواں عنبر کا ہو یا اگر بتی کا یا ان کے علاوہ کسی بھی چیز کا لہٰذا اگر کوئی شخص خوشبو کی کوئی چیز جلا کر اس کا دھواں اپنی طرف لے گا اور اس کو سونگھے گا باوجودیکہ اسے یہ یاد ہو کہ میں روزہ دار ہوں تو اس کا روزہ

فاسد ہو جائے گا کیونکہ اس کے لئے اس سے بچنا ممکن ہے اس مسئلہ سے اکثر لوگ غافل ہیں۔

اس بارے میں احتیاط پیش نظر رہنی چاہئے یہ بات بھی جان لینی چاہئے کہ اس مسئلے کو مشک وگلاب اور دیگر خوشبو کے سونگھنے پر قیاس نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ محض خوشبودار دھوئیں کے اس جوہر میں جو قصداً حلق میں داخل کیا جائے جو فرق ہے وہ سب ہی جانتے ہیں اسی طرح حقہ کے دھویں سے بھی روزہ جاتا رہتا ہے کیونکہ وہ قصداً کھینچا جاتا ہے اور اس سے نفس کو تسکین ہوتی ہے اور اکثر حالت میں بطور دوا استعمال کیا جاتا ہے۔

پسینہ اور آنسو حلق میں جانے سے روزہ پر اثر نہیں پڑتا جب کہ وہ تھوڑی مقدار میں ہوں ہاں اگر وہ زیادہ مقدار میں جائیں کہ جس سے حلق میں نمکینی محسوس ہو تو روزہ ٹوٹ جائے گا کسی خوشبو کی چیز مثلاً پھول وعطر وغیرہ سونگھنے سے بھی روزہ نہیں ٹوٹتا۔ کسی شخص کے حلق میں غبار یا چکی پیستے ہوئے آٹا یا مکھی جائے یا دوائیں کوٹتے ہوئے یا ان کی پڑیا باندھتے ہوئے اس میں سے کچھ اڑ کر حلق میں چلا جائے تو روزہ فاسد نہیں ہوگا کیونکہ ان چیزوں سے بچنا ناممکن ہے۔ کوئی روزہ دار حالت جنابت میں صبح کو اٹھے تو اس کا روزہ فاسد نہیں ہوگا اگر چہ وہ پورے دن یا کئی دن تک اسی طرح رہے اور غسل پاکی نہ کرے البتہ نجس رہنے اور نماز وغیرہ پڑھنے کی وجہ سے ثواب سے محروم رہے گا۔

اگر کوئی شخص روزہ کی حالت میں اپنے عضو مخصوص کے سوراخ میں دوا یا تیل ڈالے یا اسی طرح سلائی وغیر داخل کرائے تو اگر چہ یہ چیزیں مثانہ تک پہنچ جائیں۔ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ اور حضرت امام محمد رحمہما اللہ کے قول کے مطابق روزہ فاسد نہیں ہوگا کیونکہ مثانہ نہ صرف یہ کہ جوف سے خارج ہے بلکہ مثانہ میں سے اندر کو راستہ نہیں ہے اسی لئے پیشاب بھی ٹپک کر نکلتا ہے البتہ امام ابو یوسف کے نزدیک مذکورہ بالا صورت میں روزہ جاتا رہتا ہے ہاں اگر یہ چیزیں مثانہ تک نہ پہنچیں بلکہ عضو مخصوص کی اندرونی نالی تک ہی محدود رہیں تو تینوں حضرات کے نزدیک روزہ فاسد نہیں ہوتا۔ کوئی شخص پانی میں بیٹھ جائے اور پانی اس کے کان میں چلا جائے یا وہ تنکے سے اپنا کان کھجلائے اور تنکے پر کان کا میل ظاہر ہو اور پھر وہ اس تنکے کو کان میں ڈالے اور اس طرح کئی مرتبہ کرے تب بھی روزہ فاسد نہیں ہوگا۔

کسی شخص کی ناک میں دماغ سے اتر کر بلغم آ جائے اور وہ اس کو چڑھا جائے یا نگل جائے جیسا کہ اکثر بے تمیز اور کثیف الطبع لوگ کرتے ہیں تو روزہ نہیں ٹوٹتا، کسی کے منہ سے لعاب نکلے اور وہ منقطع نہ ہو بلکہ مثل تار کے لٹک کر ٹھوڑی تک پہنچ جائے اور پھر وہ اس لعاب کو اوپر کھینچ کر نگل جائے تو روزہ نہیں ٹوٹتا، ہاں اگر لعاب لٹکتا نہ بلکہ منقطع ہو کر گر جائے اور پھر وہ اسے منہ میں ڈال لے تو روزہ جاتا رہے گا، منہ بھر بلغم نگل جانے سے امام ابو یوسف کے نزدیک روزہ جاتا رہتا ہے مگر امام اعظم کے نزدیک اس سے روزہ نہیں جاتا امام شافعی کے نزدیک جب کہ بلغم وغیرہ کے تھوک دینے پر قادر ہو اور اس کے باوجود نگل جائے تو روزہ فاسد ہو جاتا ہے۔ بے اختیار قے ہو جانے سے روزہ فاسد نہیں ہوتا خواہ قے کسی قدر ہو منہ بھر کر یا اس سے زیادہ اسی طرح صورت میں بھی روزہ فاسد نہیں ہوتا جب کہ آئی ہوئی قے بے اختیار حلق کے نیچے اتر جائے خواہ وہ کسی قدر ہو لیکن امام ابو یوسف کے نزدیک اس صورت میں روزہ جاتا رہتا ہے ہاں اگر وہ قصداً نگل جائے اور منہ بھر کر ہو تو سب ہی کے نزدیک روزہ جاتا رہے گا البتہ کفارہ لازم نہیں آئے گا۔

اور اگر منہ بھر کر نہیں ہوگی تو روزہ فاسد نہیں ہوگا اگر کوئی شخص قصداً قے کرے اور منہ بھر کر ہو تو متفقہ طور پر مسئلہ یہ ہے کہ روزہ جاتا رہے گا اور اگر منہ بھر کر نہ ہو تو امام ابو یوسف کے نزدیک روزہ فاسد نہیں ہوگا اور صحیح یہی ہے حضرت امام محمد کا قول ہے کہ منہ بھر کر نہ ہونے کی صورت میں روزہ جاتا رہتا ہے۔ جو قے عمداً کی جائے اور منہ بھر کر نہ ہو اور وہ بے اختیار حلق کے نیچے اتر جائے تو روزہ فاسد نہیں ہوگا۔

قصداً نگل جانے کے بارے میں دو قول ہیں صحیح قول یہ ہے کہ اس صورت میں روزہ فاسد نہیں ہوگا۔ کوئی چیز جو غذا وغیرہ کی قسم سے ہو اور رات میں دانتوں کے درمیان باقی رہ گئی ہو تو دن میں اسے نگل جانے سے روزہ فاسد نہیں ہوگا بشرطیکہ وہ چنے کی مقدار سے کم ہو اور منہ سے باہر نکال کر نہ کھائی جائے، اسی طرح کسی کے دانتوں سے یا منہ کے کسی دوسرے اندرونی حصے سے خون نکلے اور حلق میں چلا جائے تو روزہ نہیں جاتا بشرطیکہ وہ پیٹ تک نہ پہنچے یا پیٹ میں پہنچ جائے مگر تھوک کے ساتھ مخلوط ہو کر اور تھوک سے کم اور اس کا مزہ حلق میں محسوس نہ ہو اگر خون پیٹ تک پہنچ جائے گا اور وہ تھوک پر غالب ہوگا یا تھوک کے برابر ہوگا تو روزہ فاسد ہو جائے گا۔

اگر کوئی شخص بقدر تل کوئی چیز باہر سے منہ میں ڈال کر چبائے اور وہ منہ میں پھیل بھی جائے تو روزہ فاسد نہیں ہوگا بشرطیکہ حلق میں اس کا مزہ محسوس نہ ہو، ہاں اگر وہ چیز منہ میں پھیلے نہیں نیز اس کا مزہ حلق میں محسوس ہو یا یہ کہ بغیر چبائے ہی اس چیز کو نگل جائے اور حلق میں اس کا مزہ محسوس نہ ہو تب بھی روزہ ٹوٹ جائے گا اور اگر وہ چیز ان چیزوں میں سے ہوگی جن سے کفارہ لازم آتا ہے تو کفارہ ضروری ہوگا نہیں تو قضاء لازم آئے گی۔

باب ما يفسد الصوم وتجب به الكفارة مع القضاء

یہ باب فساد صوم مع قضاء وکفارے کے بیان میں ہے

روزے کی قضاء وکفارہ کے واجب ہونے کا بیان

وهو اثنان وعشرون شيئا اذا فعل الصائم شيئا منها طائعا متعمدا غير مضطر لزمه القضاء والكفارة وهي الجماع في أحد السبيلين على الفاعل والمفعول به والأكل والشرب سواء فيه ما يتغدى به أو يتداوى به وابتلاع مطر دخل الى فمه وأكل اللحم النيء وإن كان منتنا إلا اذا دود وأكل الشحم في اختيار الفقيه أبي الليث وقديد اللحم بالاتفاق وأكل الحنطة وقضمها إلا أن يمضغ قمحة فتلاشت وابتلاع حبة حنطة أو سمسمة أو نحوها من خارج فمه في المختار وأكل الطين الأرمني مطلقا والطين غير الأرمني كالطفل إن اعتاد أكله والملح القليل في المختار وابتلاع بزاق زوجته أو صديقه لا غيرهما وأكله عمدا بعد غيبة أو بعد حجامة أو بعد مس أو قبلة بشهوة أو بعد مضاجعة من غير إنزال أو بعد دهن شاربه ظانا أنه أفطر بذلك إلا اذا أفتاه فقيه أو سمع الحديث ولم يعرف تأويله على المذهب وإن عرف تأويله وجبت عليه الكفارة وتجب الكفارة على من طاوعت مكرها،

ترجمہ

اور وہ بائیس چیزیں ہیں۔ جبکہ روزے دار نے ان چیزوں کو جان بوجھ کر، بغیر کسی جبر کے خوشی سے کیا ہو۔ تو روزے کی قضاء کفارے کے ساتھ واجب ہے۔ (۱) سبیلین میں سے کسی ایک میں جماع کرنا فاعل ومفعول دونوں کے لئے ایک ہی حکم ہے۔ (۲) کوئی غذا یا دوا کھائی ہو (۳) غذا یا دوا پی لی ہو (۴) بارش کا پانی منہ میں چلا اس کے بعد وہ اس کو نگل گیا (۵) کچا گوشت کھالیا لیکن جب اس میں کیڑے پڑ گئے ہوں تو کفارہ لازم نہ ہوگا۔ (٦) چربی کھالینا۔ یہ حکم فقیہ ابولیث سمرقندی علیہ الرحمہ کے نزدیک ہے۔ (۷) خشک گوشت کھالینا اس مسئلہ میں فقہاء کا اتفاق ہے۔ (۸) گندم کھالینا (۹) گندم کے دانے دانتوں سے توڑ توڑ کر کھالینا ہاں البتہ جب اس نے گندم کا دانہ اس طرح چبایا کہ اس کو وجود بھی باقی نہ رہا اور اس کا ذائقہ بھی حلق میں محسوس نہ ہو تو کفارہ

کیا ہونا ہے روزہ بھی نہ ٹوٹے گا۔ (۱۰) گندم کا دانہ منہ میں ڈال نگل گیا (۱۱) تل یا اسی جیسی کوئی چیز منہ میں ڈال کر نگل لی (۱۲) ارمنی مٹی کھالی اور جب کسی ارمنی مٹی کے سوا جیسے طفل مٹی ہے اس کو کسی نے کھالیا ہے تو اگر کھانے والا عادی ہے تو کفارہ لازم ہو گا ورنہ نہیں (۱۳) معمولی مقدار میں نمک کھالیا (۱۴) اپنی بیوی کا لعاب نگل جانا (۱۵) اپنے محبوب کا لعاب نگل جانا۔ یہ حکم بیوی اور محبوب کے سوا کسی اور کے لئے نہیں ہے۔

روزہ ٹوٹ جانے کا گمان کر کے یہ عمل کرنا جیسے (۱۶) جان بوجھ کر کھالینا (۱۷) غیبت کرنے کے بعد (۱۸) سینگی لگوانے کے بعد (۱۹) شہوت کے ساتھ عورت کو چھونے یا بوسہ دینے کے بعد (۲۰) عورت کے ساتھ لیٹنے کے بعد جبکہ انزال نہ ہوا ہو (۲۱) مونچھوں کو تیل لگانے کے بعد یہ گمان کرتے ہوئے کہ اس کا تو روزہ ٹوٹ چکا ہے۔ ہاں جب اس نے کسی فقیہ سے سنا ہو یا احادیث کو سنا ہو لیکن وہ ان کا مفہوم نہیں جانتا تو مذہب کے مطابق تاویل ہے اور اگر وہ تاویل کو جانتا ہے تو اس پر کفارہ بھی لازم ہو گا۔ (۲۲) اور کفارہ اس پر واجب ہو گا جب کسی عورت نے کسی مرد کو جماع پر مجبور کیا وہ عورت راضی تھی تو اس پر کفارہ واجب ہو گا مرد پر نہ ہو گا۔ (دونوں اطراف میں اعتبار جبر و رضا مندی کا ہو گا جبر کی صورت کفارہ نہ ہو گا رضا مندی کی صورت میں قضاء و کفارہ دونوں لازم ہوں گے۔)

شرح

سب سے پہلے یہ بات جان لینی ضروری ہے کہ روزہ فاسد ہو جانے کی صورت میں کفارہ کن لوگوں پر اور کن حالات میں لازم ہو گا۔ کفارہ اس وقت لازم ہوتا ہے جب کہ روزہ رکھنے والا مکلف یعنی عاقل و بالغ ہو، روزہ رمضان کا ہو اور رمضان ہی کے مہینے میں ہو یعنی رمضان کے قضاء روزوں میں بھی کفارہ لازم نہیں ہوتا۔ نیت رات ہی سے کئے ہوئے ہو اگر طلوع فجر کے بعد نیت کی ہو گی، تو روزہ توڑنے پر کفارہ لازم نہیں ہو گا، روزہ توڑنے کے بعد ایسا کوئی امر پیش نہ آئے جو کفارہ کو ساقط کر دینے والا ہو جیسے حیض و نفاس، اگر روزہ توڑنے کے بعد ان میں سے کوئی چیز پیش نہ آئے جس سے کفارہ ساقط ہو جاتا ہے، جیسے سفر کہ اگر کوئی شخص سفر کی حالت میں روزہ توڑے گا تو کفارہ لازم نہیں آئے ہاں اگر کوئی شخص سفر سے پہلے روزہ توڑ دے گا تو کفارہ ساقط نہیں ہوتا۔ لہٰذا جب یہ تمام شرائط پائی جائیں گی اور مندرجہ ذیل مضرات صوم (روزہ کو توڑنے والی چیزوں) میں سے کوئی صورت پیش آئے گی تو کفارہ اور قضا دونوں لازم ہوں گے۔

اس کے بعد اب دیکھئے کہ وہ کون سی چیزیں اور صورتیں ہیں جن سے روزہ فاسد ہو جاتا ہے اور جن کی وجہ سے کفارہ اور قضا دونوں لازم ہوتے ہیں۔ جماع کرنا، اغلام کرنا ان دونوں صورتوں میں فاعل اور مفعول دونوں پر کفارہ اور قضا لازم آتی ہے کھانا پینا خواہ بطور غذا یا بطور دوا۔ غذائیت کے معنی اور محمول میں علماء کے اختلافی اقوال ہیں۔ بعض حضرات کہتے ہیں کہ غذا کا محمول اس چیز پر ہو گا جس کو کھانے کے لئے طبیعت خواہش کرے اور اس کے کھانے سے پیٹ کی خواہش کا تقاضہ پورا ہوتا ہو۔ بعض حضرات کا قول یہ ہے کہ غذا کی چیز وہ کہلائے گی جس کے کھانے سے بدن کی اصلاح ہو۔

اور بعض حضرات کا یہ کہنا ہے کہ غذا انہیں چیزوں کو کہیں گے جو عادۃً کھائی جاتی ہو۔ لہٰذا اگر کوئی شخص بارش کا پانی، اولہ اور

برف نگل جائے یا کچا گوشت کھائے خواہ وہ مردار ہی کا کیوں نہ ہو تو کفارہ لازم ہوگا اسی طرح چربی، خشک کیا ہوا گوشت اور گیہوں کھانے سے بھی کفارہ واجب ہو جاتا ہے۔ ہاں اگر ایک آدھ گیہوں منہ میں ڈال کر چبایا جائے اور وہ منہ میں پھیل جائے تو کفارہ لازم نہیں ہوتا۔ اپنی بیوی یا محبوب کا تھوک نگل جانے سے بھی کفارہ واجب ہوتا ہے کیونکہ اس میں بھی طبیعت کی خواہش کا دخل ہوتا ہے۔ ہاں ان کے علاوہ دوسروں کا تھوک نگلنے کی صورت میں کفارہ واجب نہیں ہوتا، البتہ روزہ جاتا رہتا ہے اور قضا لازم آتی ہے نمک کو کم مقدار میں کھانے سے تو کفارہ لازم ہوتا ہے زیادہ مقدار میں کھانے سے نہیں۔

مستغنی میں اس قول کو روایت مختار کہا گیا لیکن خلاصہ اور بزاریہ میں لکھا ہے کہ مختار (یعنی قابل قبول اور لائق اعتماد) مسئلہ یہ ہے کہ مطلقاً نمک کھانے سے کفارہ واجب ہوتا ہے یعنی خواہ نمک زیادہ یا کم ہو۔ اگر بغیر بھنا جو کھایا جائے گا تو کفارہ لازم نہیں ہوگا۔ کیونکہ کچا جو نہیں جاتا، لیکن یہ خشک جو کا مسئلہ ہے۔

اگر تازہ خوشہ میں سے جو نکال کر بغیر بھنا ہوا بھی کھایا جائے گا تو کفارہ لازم آئے گا۔ گل ارمنی کے علاوہ وہ مٹی مثلاً ملتانی وغیرہ کھانے کے بارے میں مسئلہ یہ ہے کہ اگر وہ عادۃً کھائی جاتی ہو تو اس پر بھی کفارہ لازم آئے گا اور اگر نہ کھائی جاتی ہو تو پھر کفارہ لازم نہیں ہوگا۔ ایک حدیث ہے جس کے الفاظ ہیں الغیبۃ تفطر الصیام (غیبت روزہ کو ختم کر دیتی ہے) بظاہر تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی روزہ دار غیبت کرے گا تو اس کا روزہ جاتا رہے گا لیکن علماء امت نے اجتماعی طریقے پر اس حدیث کی تاویل یہ کی ہے کہ حدیث کی مراد یہ نہیں ہے کہ غیبت کرنے سے روزہ جاتا رہتا ہے بلکہ اس کی مراد یہ ہے کہ جو روزہ دار غیبت میں مشغول ہوگا اس کے روزے کا ثواب جاتا رہے گا۔

حدیث اور اس کی تاویل ذہن میں رکھئے اور اب یہ مسئلہ سنئے کہ اگر کسی شخص نے کسی کی غیبت کی اور اس کے بعد قصداً کھانا کھا لیا تو اس پر کفارہ لازم آئے گا خواہ اسے یہ حدیث معلوم ہو یا معلوم نہ ہو اور خواہ حدیث کی مذکورہ بالا تاویل اس کے علم میں ہو یا علم میں نہ ہو نیز یہ کہ مفتی نے کفارہ لازم ہونے کا فتویٰ دیا ہو یا نہ دیا ہو کیونکہ حدیث اور اس کی تاویل سے قطع نظر غیبت کے بعد روزہ کا ختم ہو جانا قطعاً خلاف قیاس ہے۔ اسی طرح ایک حدیث ہے افطر الحاجم والمحجوم (پچھنے لگانے والے اور لگوانے والے دونوں کا روزہ ٹوٹ جاتا ہے) اس حدیث کی بھی یہ تاویل کی گئی ہے کہ پچھنے لگوانے سے چونکہ روزہ دار کو کمزوری لاحق ہو جاتی ہے اور زیادہ خون نکلنے کی صورت میں روزہ توڑ دینے کا خوف ہو سکتا ہے اسی طرح پچھنے لگانے والے کے بارے میں بھی یہ امکان ہوتا ہے کہ خون کا کوئی قطرہ اس کے پیٹ میں پہنچ جائے۔ اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے احتیاط کے پیش نظر یہ فرمایا کہ روزہ جاتا رہتا ہے ورنہ حقیقت میں پچھنے لگانے یا لگوانے سے روزہ ٹوٹتا نہیں۔

حدیث الغیبۃ تفطر الصیام کے برخلاف اس کا مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص پچھنے لگانے یا لگوانے کے بعد اس حدیث کے پیش نظر اس گمان کے ساتھ کہ روزہ جاتا رہا ہے۔ قصداً کچھ کھا پی لے تو اس پر کفارہ صرف اسی صورت میں لازم آئے گا جب کہ وہ اس حدیث کی مذکورہ بالا تاویل سے جو جمہور علماء سے منقول ہے واقف ہو یا یہ کہ کسی فقیہ اور مفتی نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ پچھنے لگوانے یا لگانے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے اگرچہ اس کا یہ فتویٰ حقیقت کے خلاف ہوگا اور اس کی ذمہ داری اسی پر ہوگی اور اگر اسے حدیث مذکور

کی تاویل معلوم نہ ہوگی تو کفارہ لازم نہیں ہوگا الغیبۃ تفطر الصیام وافطر الحاجم والمحجوم دونوں حدیثوں کے احکام میں مذکورہ بالا فرق اس لئے ہے کہ غیب سے روزہ کا ٹوٹنا نہ صرف یہ کہ خلاف قیاس ہے بلکہ اس حدیث کی مذکورہ بالا تفریق تمام علماء امت کا اتفاق ہے جب کہ پچھنے سے روزہ کا ٹوٹ جانا نہ صرف یہ کہ خلاف قیاس نہیں ہے۔

بلکہ اس حدیث کی مذکورہ بالا تفریق پر تمام علماء امت کا اتفاق ہے کیونکہ بعض علماء مثلاً امام اوزاعی وغیرہ اس حدیث کے ظاہری مفہوم پر عمل کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ پچھنے لگانے یا لگوانے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے، ایسے ہی کسی شخص نے شہوت کے ساتھ کسی عورت کو ہاتھ لگایا، یا کسی عورت کا بوسہ لیا، یا کسی عورت کے ساتھ ہم خواب ہوا، یا کسی عورت کے ساتھ بغیر انزال کے مباشرت فاحشہ کی یا سرمہ لگایا، یا فصد کھلوائی یا کسی جانور سے بدفعلی کی مگر انزال نہیں ہوا یا اپنی دبر میں انگلی داخل کی اور یہ گمان کر کے کہ روزہ جاتا رہے گا۔ اس نے قصداً کچھ کھا پی لیا تو اس صورت میں بھی کفارہ اسی وقت لازم ہوگا جب کہ کسی فقیہ یا مفتی نے مذکورہ بالا چیزوں کے بارے میں یہ فتویٰ دیا ہو کہ ان سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے اگرچہ اس کا یہ فتویٰ غلط اور حقیقت کے خلاف ہوگا اگر مفتی فتویٰ نہیں دے گا تو کفارہ لازم نہیں ہوگا کیونکہ مذکورہ بالا چیزوں سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔

اس عورت پر کفارہ واجب ہوگا جس نے روزہ کی حالت میں کسی ایسے مرد سے برضا و رغبت اور بخوشی جماع کرایا جو جماع کرنے پر مجبور کر دیا گیا تھا چنانچہ کفارہ صرف عورت پر واجب ہوگا اس مرد پر نہیں۔ کسی عورت نے یہ جانتے ہوئے کہ فجر طلوع ہوگئی ہے اسے اپنے خاوند سے چھپایا، چنانچہ اس کے خاوند نے اس سے صحبت کر لی اور اسے یہ معلوم نہیں تھا کہ فجر طلوع ہوگئی ہے تو اس صورت میں بھی صرف عورت پر کفارہ واجب ہوا اور مرد پر واجب نہیں ہوگا۔

فصل فی الكفارة

﴿یہ فصل کفارے کے بیان میں ہے﴾

کفارے کے ساقط ہو جانے کا بیان

وما يسقطها عن الذمة مستقطاتها تسقط الكفارة بطرو حيض أو نفاس أو مرض مبيح للفطر في يومه ولا تسقط عمن سوفر به كرها بعد لزومها عليه في ظاهر الرواية والكفارة تحرير رقبة ولو كانت غير مؤمنة فإن عجز عنه صام شهرين متتابعين ليس فيهما يوم عيد ولا أيام التشريق فإن لم يستطع الصوم أطعم ستين مسكينا يغديهم ويعشيهم غداء وعشاء مشبعين أو غداء ين أو عشاء ين أو عشاء وسحورا أو يعطي كل فقير نصف صاع من بر أو دقيقه أو سويقه أو صاع تمر أو شعير أو قيمته تداخل الكفارات وكفت كفارة واحدة عن جماع وأكل متعدد في أيام لم يتخللها تكفير ولو من رمضانين على الصحيح فإن تخلل التكفير لا تكفي كفارة واحدة في ظاهر الرواية،

ترجمہ

اور کفارہ جس کے سبب ذمہ سے ساقط ہو جاتا ہے۔ جس دن کفارہ لازم ہوا اسی دن حیض یا نفاس جاری ہوا یا ایسا مرض جاری ہوا جس کے سبب روزے کو توڑنا جائز ہے تو ان صورتوں میں کفارہ ساقط ہو جائے گا۔ اور جب کفارہ لازم ہونے کے بعد اس کو سفر پر مجبور کیا گیا تو اس سے کفارہ ساقط نہ ہوگا۔ ظاہر الروایت میں یہی ہے۔

اور کفارہ یہ ہے کہ ایک غلام یا باندی کو آزاد کرے اگر چہ وہ غیر مؤمن ہو اور اگر اس سے یہ نہ ہو سکے تو دو ماہ کے مسلسل روزے رکھے۔ جن میں عید اور ایام تشریق نہ آئیں۔ اور اگر اس سے یہ بھی نہ ہو سکے تو ساٹھ مساکین کو صبح وشام یا صبح کے دو وقت یا شام کے دو وقت یا شام اور سحری کے وقت پیٹ بھر کر کھانا کھلائے۔ یا ساٹھ مساکین میں سے ہر ایک کو نصف صاع گندم یا اس کا آٹا یا ستو دے یا ایک صاع کھجور دے یا ان کی قیمت دے۔

اور جب اس نے مختلف دنوں میں کئی بار کھایا یا جماع کیا جس کے سبب کفارہ لازم آیا تو جب تک اس نے کفارہ ادا نہ کیا سب

کے لئے ایک ہی کفارہ کافی ہوگا۔حتیٰ کہ جب ایک ماہ کا کفارہ ادا نہ کیا تھا کہ دوسرا رمضان المبارک آیا تو دونوں مہینوں کے روزوں کے لئے ایک کفارہ کافی ہے۔اور جب اس نے ایک بار کفارہ ادا کر دیا تو اس کے بعد روزہ توڑنے کی صورت میں نیا کفارہ ادا کرنا ہوگا۔اس کے لئے پہلا کفارہ کافی نہ ہوگا۔یہی ظاہر الروایت میں ہے۔

شرح

ایک عورت نے قصداً کھانا کھایا یا برضاء ورغبت جماع کرایا اور اسی دن اس کے ایام شروع ہو گئے یا نفاس میں مبتلا ہو گئی تو اس کے ذمہ سے کفارہ ساقط ہو جائے گا،اسی طرح اگر کوئی شخص اس دن کسی ایسے مرض اور ایسی تکلیف میں مبتلا ہو گیا جس میں روزہ نہ رکھنا جائز ہے اور یہ کہ وہ مرض و تکلیف قدرتی ہو تو کفارہ ساقط ہو جائے گا۔قدرتی کی قید اس لئے ہے کہ فرض کیجئے کسی شخص نے قصداً روزہ توڑ ڈالا اور پھر اپنے آپ کو اس طرح زخمی کر لیا کہ اس حالت میں روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے یا اپنے آپ کو چھت یا پہاڑ سے گرالیا تو ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں وہ تکلیف اور مرض اس کا خود اپنا پیدا کیا ہوا ہوگا۔

ایسی صورت میں علماء کے اختلافی اقوال ہیں بعض حضرات تو کہتے ہیں کہ اس صورت میں کفارہ ساقط ہو جائے گا جب کہ دوسرے حضرات کا قول ہے کہ کفارہ ساقط نہیں ہوگا اور کمال کے قول کے مطابق مختار اور زیادہ صحیح یہی ہے کہ کفارہ ساقط نہیں ہوتا۔جمع العلوم میں منقول ہے کہ اگر کسی شخص نے زیادہ چلنے یا کوئی کام کرنے کی وجہ سے اپنے آپ کو تکلیف و مشقت میں مبتلا کیا یہاں تک کہ اسے بہت زیادہ اور شدید پیاس لگی اور اس نے روزہ توڑ ڈالا تو اس پر کفارہ لازم ہوگا لیکن بعض حضرات کہتے ہیں کہ کفارہ لازم نہیں ہوگا اور اسی قول کو بقائی رحمہ اللہ نے بھی اختیار کیا ہے جیسا کہ تاتارخانیہ میں منقول ہے۔

کفارہ سے متعلق فقہی مسائل کا بیان

ایک روزے کے کفارے میں ایک غلام آزاد کرنا چاہئے خواہ وہ غلام کافر ہی کیوں نہ ہو۔اگر عدم استطاعت کے سبب غلام آزاد کرنا ممکن نہ ہو یا کسی جگہ غلام نہ ملتا ہو تو پھر دو مہینے یعنی پورے ساٹھ دن پے در پے روزے رکھنا واجب ہے،ان روزوں کا علی الاتصال اور ایسے دنوں میں رکھنا ضروری ہے جن میں عیدین کے دن اور ایام تشریق (ذی الحجہ کی گیارہ،بارہ،تیرہ تاریخیں) واقع نہ ہوں کیونکہ ان دنوں میں کسی بھی طرح کے روزے رکھنا منع ہیں،اگر درمیان میں کسی عذر کی وجہ سے یا بلا عذر کسی دن کا روزہ فوت ہو جائے تو پھر نئے سرے سے شروع کرنا ہوگا ناغہ سے پہلے جس قدر روزے ہو چکے ہوں گے ان کا کوئی حساب نہیں ہوگا ہاں اگر کسی عورت کو حیض آ جائے اور اس سبب سے درمیان کے روزے ناغہ ہو جائیں تو کوئی مضائقہ نہیں مگر نفاس کی وجہ سے ناغہ ہو جانے کی صورت میں نئے سرے سے روزے شروع کئے جائیں گے۔

اور اگر مرض یا بڑھاپے کی وجہ سے ساٹھ روزے رکھنے کی بھی قدرت نہ ہو تو پھر ساٹھ محتاجوں کو دو وقت پیٹ بھر کر کھانا کھلانا واجب ہے اس طرح کہ چاہے تو انہیں ایک ہی دن دو وقت یعنی صبح و شام کھلا دے چاہے دو دن صبح کے وقت یا دو دن شام کے وقت یا عشاء و سحر کے وقت کھلا دے مگر شرط یہ ہے کہ اول وقت جن محتاجوں کو کھانا کھلایا جائے تو دوسرے وقت بھی انہیں محتاجوں کو کھانا کھلانا ہوگا۔چنانچہ اگر کسی نے ایک وقت ساٹھ محتاجوں کو کھانا کھلا دیا اور پھر دوسرے وقت ان کے علاوہ دوسرے ساٹھ محتاجوں کو کھلایا تو یہ

کافی نہیں بلکہ کفارہ اسی وقت ادا ہوگا جب کہ ان دونوں جماعتوں میں سے کسی ایک جماعت کو پھر دوبارہ ایک وقت کا کھانا کھلائے ہاں اگر کوئی شخص ایک ہی محتاج کو مسلسل ساٹھ روز تک کھانا کھلائے یا مسلسل ساٹھ روز تک ہر روز نئے محتاج کو کھلائے تو کوئی مضائقہ نہیں۔اس طرح کفارہ ادا ہو جائے گا۔

ایک بات اور اگر کوئی شخص ایک ہی روز ساٹھ یا ان سے کچھ کم محتاجوں کے کھانے کے بقدر صدقہ کسی ایک محتاج کو دے دے گا تو وہ سب کے لئے ادا نہیں ہوگا بلکہ ایک ہی محتاج کے لئے ادا ہوگا۔ساٹھ محتاجوں کو کھانا کھلانے کے سلسلہ میں گیہوں کی روٹی بغیر سالن کے کافی ہو جاتی ہے یعنی اگر ساٹھ محتاجوں کو صرف گیہوں کی روٹی ہی بغیر سالن کے پیٹ بھر کر کھلا دی جائے تو حکم پورا ہو جائے گا، بخلاف جو کی روٹی کے کہ اس کے ساتھ سالن ضروری ہے کیونکہ جو کی روٹی سخت ہونے کی وجہ سے عادۃً بغیر سالن کے پیٹ بھر کر نہیں کھائی جاسکتی جبکہ گیہوں کی روٹی بغیر سالن کے بھی پیٹ بھر کر کھائی جاسکتی ہے اسی لئے کہا گیا ہے کہ گیہوں کی روٹی اپنی سالن خود اپنے اندر رکھتی ہے۔لہٰذا جس شخص نے گیہوں کی روٹی کے ساتھ سالن مانگا وہ بھوکا نہیں ہے۔ایک شرط یہ بھی ہے کہ جن ساٹھ محتاجوں کو کھانا کھلایا جائے وہ سب بھوکے ہوں ان میں سے کوئی پیٹ بھرا نہ ہو اگر کوئی پیٹ بھرا ہوگا اور بھوکے کی مانند نہیں کھائے گا تو اس کی بجائے کسی دوسرے بھوکے کو کھانا کھلانا ضروری ہوگا۔

بہر کیف یا تو مندرجہ بالا طریقے اور شرائط کے مطابق محتاجوں کو کھانا کھلایا جائے یا پھر یہ کہ چاہے تو ہر محتاج کو نصف صاع یعنی ایک کلو گرام ۳۳ گرام گیہوں یا اس کا آٹا یا اس کا ستو دے دیا جائے چاہے ایک صاع یعنی تین کلو ۲۶۶ گرام جو یا انگور یا کھجور یا اس کی قیمت دی جائے اور چاہے اس طرح تمام محتاجوں کو ایک ہی وقت میں دے دیا جائے اور چاہے مختلف اوقات میں دے دیا جائے۔

اگر کسی شخص نے قصداً جماع کر کے یا قصداً کھا کر کئی روزے توڑے تو ان سب کے لئے ایک ہی کفارہ کافی ہوگا بشرطیکہ ان کے درمیان کفارہ ادا نہ کیا ہو مثلاً کسی شخص نے دس روزے توڑے اور ان کے درمیان کفارہ ادا نہ کیا تو ان دس روزوں کے لئے ایک کفارہ کافی ہو جائے گا اگر درمیان میں کوئی کفارہ ادا کیا تو پھر بعد کے روزوں کے لئے دوسرا کفارہ ضروری ہوگا پھر یہ کہ وہ توڑے ہوئے روزے چاہے ایک رمضان کے ہوں اور چاہے دو رمضان کے ہوں اس بارے میں صحیح مسئلہ بھی یہی ہے جیسا کہ درمختار میں مذکور ہے مگر بعض حضرات کہتے ہیں کہ مذکورہ بالا حکم اس صورت کے لئے ہے جب کہ وہ روزے ایک ہی رمضان کے ہوں اگر وہ روزے کئی رمضان کے ہوں گے تو ہر رمضان کے لئے علیحدہ علیحدہ کفارہ ضروری ہوگا چنانچہ فتاویٰ عالمگیری میں اسی قول کو اختیار کیا گیا ہے۔

باب ما يفسد الصوم من غير كفارة

﴿یہ باب فساد صوم بغیر کفارے کے بیان میں ہے﴾

بغیر کفارے کے فساد صوم کا بیان

وهو سبعة وخمسون شيئا اذا أكل الصائم أرزا نيئا أو عجينا أو دقيقا أو ملحا كثيرا دفعة أو طينا غير أرمنى لم يعتد أكله أو نواة أو قطنا أو كغدا أو سفرجلا لم يدرك ولم يطبخ أو جوزة رطبة أو ابتلع حصاة أو حديدا أو ترابا أو حجرا أو احتقن أو استعط أو أوجر بصب شيء فى حلقه على الأصح أو أقطر فى أذنه دهنا أو ماء فى الأصح أو داوى جائفة أو آمة بدواء ووصل الى جوفه أو دماغه أو دخل حلقه مطر أو ثلج فى الأصح ولم يبتلعه بصنعه أو أفطر خطأ بسبق ماء المضمضة الى جوفه أو أفطر مكرها ولو بالجماع أو أكرهت على الجماع أو أفطرت خوفا على نفسها من أن تمرض من الخدمة أمة كانت أو منكوحة أو صب أحد فى جوفه ماء وهو نائم أو أكل عمدا بعد أكله ناسيا ولو علم الخبر على الأصح أو جامع ناسيا ثم جامع عامدا أو أكل بعد ما نوى نهارا ولم يبيت نيته أو أصبح مسافرا فنوى الإقامة ثم أكل أو سافر بعد ما أصبح مقيما فأكل أو أمسك بلا نية صوم ولا نية فطر أو تسحر أو جامع شاكا فى طلوع الفجر وهو طالع أو أفطر بظن الغروب والشمس باقية أو أنزل بوطء ميتة أو بهيمة أو بتفخيذ أو بتبطين أو قبلة أو لمس أو أفسد صوم غير أداء رمضان أو وطئت وهى نائمة أو أقطرت فى فرجها على الأصح أو أدخل أصبعه مبلولة بماء أو دهن فى دبره أو ادخلته فى فرجها الداخل فى المختار أو أدخل قطنة فى دبره وغيبها أو فى فرجها الداخل أو أدخل حلقة دخانا بصنعه أو استقاء ولو دون ملء الفم فى ظاهر الرواية وشرط أبو يوسف ملء الفم وهو الصحيح أو أعاد ما ذرعه من القيء وكان ملء الفم وهو ذاكر لصومه أو أكل ما بين أسنانه وكان قد الحمصة أو نوى الصوم نهارا بعدما أكل ناسيا قبل إيجاد نيته من النهار أو أغمى عليه ولو جميع الشهر إلا أنه لا يقضى اليوم

الذی حدث فیه الإغماء أو حدث فی لیلته أو جن غیر ممتد جمیع الشهر ولا یلزمه قضاؤه باقامته لیلا أو نهارا بعد فوات وقت النیة فی الصحیح،

ترجمہ

اور وہ ستاون چیزیں ہیں۔ جب روزے دار نے کچا چاول، گوندھا ہوا آٹا، خشک آٹا، زیادہ نمک، غیر ارمنی مٹی، گٹھلی، روئی، کاغذ، بہی دانہ اور تر اخروٹ کھالیا ہو۔

جب روزہ دار مندرجہ ذیل چیزوں میں سے کوئی چیز نگل جائے۔ کنکر، لوہا، پتھر، مٹی، یا اس نے حقنہ کرایا۔ یا اس نے پاخانہ کی جانب سے کوئی دوائی لی۔ ناک میں داوئی چڑھائی۔ حلق میں کوئی چیز ڈال کر اندر لے کر گیا۔ کان میں تیل یا پانی ڈالا۔ پیٹ کے گہرے زخم پر دوائی لگائی۔ جو پیٹ کے اندر تک پہنچ گئی۔ سر کے گہرے زخم پر دوائی لگائی جو دماغ تک پہنچ گئی۔ جب بارش کا قطرہ یا کوئی اولا جو خود بہ خود حلق میں چلا گیا۔ جبکہ روزے دار نے اس کو نگلا نہ ہو۔ اور جب وہ کلی کر رہا تھا کہ غلطی سے پانی حق سے اتر کر پیٹ کے اندر چلا گیا۔ جب کسی نے زبردستی روزہ تڑوایا اگرچہ اس کو جماع پر مجبور کیوں نہ کیا گیا ہو۔

روزے دار عورت کو جب جماع پر مجبور کیا گیا ہو۔ جب باندی یا عورت نے اس خوف کے سبب کہ وہ خدمت کے سبب بیمار ہو جائے گی روزے کو توڑ دیا۔

سوتے ہوئے آدمی کے پیٹ میں کسی نے پانی ڈال دیا۔ بھول کر کھانے کے بعد جان بوجھ کر کھالیا۔ اگرچہ اس کو حدیث پاک معلوم ہی کیوں نہ ہو جس میں فرمایا گیا ہے کہ جب کوئی بھول کر کھا پی لے تو وہ اپنا روزہ مکمل کرے۔

بھول کر جماع کرنے کے بعد جان بوجھ کر جماع کرلیا ہے۔ رات کو روزہ رکھنے کی نیت بلکہ دن کو نیت کی اس کے بعد کھالیا۔

جب رات کو روزے کی نیت اور صبح کو حالت سفر میں تھا۔ اس کے بعد کہیں اس نے اقامت کی نیت کی پھر اس نے کھا پی لیا۔

رات کو روزے کی نیت اور وہ صبح مقیم تھا اس کے بعد اس نے سفر شروع کیا اور اس نے سفر کی حالت میں کھالیا۔ جب اس نے روزے وافطار میں سے کسی کی بھی نیت نہیں کی۔ اور اسی حالت میں سارا دن گزار دیا جس میں نے نہ کھایا اور نہ ہی پیا۔ جب فجر کے طلوع ہونے میں شک تھا جبکہ اس نے سحری میں کچھ کھالیا یا بیوی سے جماع کرلیا اس کے بعد اس کو معلوم ہوا کہ فجر طلوع ہو چکی تھی۔

اسی طرح جب اس نے یہ گمان کیا کہ سورج غروب ہو گیا ہے اور روزہ افطار کرلیا بعد میں اس کو پتہ چلا کہ سورج غروب نہیں ہوا تھا۔ مردہ یا کسی جانور سے وطی کرنے، ران یا پیٹ میں وطی کرنے اور بیوی کو بوسہ دینے یا چھونے سے انزال ہو جائے۔

جب اس نے ادائے رمضان کے سوا کوئی اور روزہ رکھا ہے اور اس کو توڑ دیا۔ جب اس نے سوئی ہوئی عورت سے وطی کرلی ہے۔ جب عورت نے اپنی فرج یعنی اگلے مقام پر پانی کے کچھ قطرے ڈال لیے۔ جب کسی نے پانی یا تیل میں تر انگلی کو دبر میں ڈال لیا۔ اور اسی طرح جب عورت نے تیل یا پانی سے تر انگلی کو فرض میں داخل کیا اس پر مختار مذہب یہی ہے۔ جب کسی نے روئی یا دبر یا فرج میں داخل کیا اور اس کو اندر ہی غائب کردیا ہے۔ جب روزے دار نے اپنے حلق میں داخل کیا اگرچہ وہ دھواں ہی کیوں نہ ہو۔ جب اس نے خود قئے کی اگرچہ وہ منہ بھر نہ تھی جبکہ امام ابو یوسف علیہ الرحمہ نے منہ بھر ہونے کی شرط لگائی ہے۔ اور صحیح بھی یہی ہے۔

جب خود بہ بخود منہ بھر قئے آئی اور اس نے خود اس کو لوٹا دیا۔ اور اس کو روزے دار ہونا بھی یاد تھا۔ چنے کی مقدار کے برابر کوئی چیز دانتوں میں پہلے سے موجود تھی تو اس نے اس کو کھالیا۔ جب اس نے رات کو نیت نہ کی اور دن کو نیت کرنے سے پہلے بھول کر کھالیا۔ اس کے بعد نیت کی تو قضاء لازم ہے۔ جب اس پر بے ہوشی طاری ہوئی اگر چہ وہ پورا مہینہ بے ہوش رہا ہے۔ اس دن کی قضاء لازم نہ ہوگی جس دن میں یا جس دن کی رات میں اس کی بے ہوشی شروع ہوئی ہے۔

جب اس پر جنون طاری رہا۔ خواہ وہ سارا مہینہ پاگل رہے۔ تو قضاء لازم نہ ہوگی جب مہینے سے کم پاگل رہا ہے تو قضاء لازم ہے۔ اور جب کسی کا جنون سارا مہینہ رہے اور رات کے بعض اوقات میں کچھ وقت کے لئے افاقہ ہوتا ہے یا پھر دن کو زوال کے بعد کچھ وقت افاقہ ہوتا ہے تو اس پر قضاء لازم نہ ہوگی۔

شرح

مندرجہ ذیل صورتوں میں روزہ فاسد ہو جاتا ہے، ان صورتوں میں قضا لازم ہوتی ہے لیکن اس میں کفارہ واجب نہیں ہوتا۔

(۱) جب روزہ دار کسی عذر شرعی کی وجہ سے جیسے سفر، مرض، حمل، رضاعت، حیض، نفاس، بیہوشی یا پاگل پن کی وجہ سے روزہ توڑ دے۔ (۲) جب روزہ دار کوئی ایسی چیز کھالے جو عموماً کھائی نہیں جاتی اور جس سے پیٹ کی خواہش نہیں مٹتی جیسے دوا کو کسی عذر شرعی کی وجہ سے یا آٹا، یا گوندھا ہوا آٹا یا بہت زیادہ ایک ہی بار میں یا روئی، کاغذ، گٹھلی، یا مٹی کھالے جب وہ مٹی کھانے کا عادی بھی نہ ہو۔ (۳) جب روزہ دار مندرجہ ذیل چیزوں میں سے کوئی چیز نگل جائے۔ کنکر، لوہا، پتھر، سونا، چاندی، اور پیتل وغیرہ۔ (۴) جب روزہ دار کو کھانے یا پینے پر مجبور کر دیا جائے تو وہ کھالے یا پی لے۔ (۵) جب روزہ دار غلطی سے رات کا باقی رہنا گمان کر کے یا سورج کا غروب ہونا گمان کر کے کھالے، پھر اسے پتہ لگ جائے کہ فجر طلوع ہو چکی ہے، یا سورج ابھی تک غروب ہی نہیں ہوا۔

(۶) جب کلی کرنے یا ناک میں پانی ڈالنے میں مبالغہ کرے، جس کی وجہ سے پانی اس کے پیٹ میں چلا جائے۔ (۷) جب جان بوجھ کر قئے کرے اور قئے منہ بھر ہو۔ (۸) جب اس کے حلق میں پانی یا برف چلا جائے اور اسے خود سے نہ نگلے بلکہ بے اختیار چلا جائے۔ (۹) جب رمضان کے ادا روزے کے علاوہ دیگر روزوں کو فاسد کر دے۔ (۱۰) جب اس کے حلق میں خود اس کے فعل سے دھواں چلا جائے۔ (۱۱) جب اس کے دانتوں کے درمیان کھانے کی کوئی چیز چنے کی مقدار میں رہ جائے اور وہ اسے نگل لے۔

(۱۲) جب بھولے سے کھانے کے بعد جان بوجھ کر کھالے۔ (۱۳) جب دن میں نیت کرنے کے بعد کھالے بشرطیکہ اس نے رات میں نیت نہ کی ہو۔ (۱۴) جب صبح کے وقت سفر کا ارادہ کرے پھر اقامت کی نیت کرے، پھر کھالے۔ (۱۵) جب اقامت کی حالت میں صبح کرنے کے بعد سفر کرلے پھر کھالے۔

(۱۶) جب بغیر روزے اور افطار کی نیت کے پورا دن کھانے پینے سے رک جائے۔ (۱۷) جب وہ تیل یا پانی اپنے کان میں ڈالے۔ (۱۸) جب وہ اپنی ناک میں دوا ڈالے۔ (۱۹) جب پیٹ کے زخم کی دوا کرے یا دماغ کے زخم کی دوا کرے اور دوا پیٹ میں چلی جائے۔ الغرض جس کا ان چیزوں میں سے کسی چیز کی وجہ سے رمضان میں روزہ ٹوٹ جائے تو اس کے لئے ضروری یہ ہے کہ وہ

بقیہ دن رمضان کے مہینہ کے احترام میں کھانے پینے سے رکا رہے۔

حائض کے لئے روزے کی قضاء کا بیان

علامہ ابن قدامہ حنبلی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ انہیں صرف روزوں کی قضاء کرنا ہوگی، امام احمد، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا یہی مسلک ہے اور صحابہ کرام میں سے علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالی عنہ نے بھی یہی کہا ہے۔ اگر انہیں آپ پر خدشہ ہو تو صرف قضاء ہوگی، اور اگر انہیں اپنے بچے کا خدشہ ہو تو قضاء کے ساتھ ہر دن کے بدلے میں ایک مسکین کو کھانا بھی کھلائیں گی، امام شافعی اور امام احمد رحمہ اللہ تعالی کا مسلک یہی ہے، جصاص نے ابن عمر رضی اللہ تعالی عنہما سے یہی بیان کیا ہے۔

انہیں صرف کھانا کھلانا ہوگا، اور ان پر قضاء نہیں، صحابہ کرام میں سے عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالی عنہما کا یہی قول ہے، اور ابن قدامہ رحمہ اللہ نے ابن عمر رضی اللہ تعالی عنہما سے بھی یہی بیان کیا ہے۔ (المغنی لابن قدامہ المقدسی (3،37)

امام ابوداود رحمہ اللہ تعالی نے ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما سے بیان کیا ہے کہ، اور ان پر جو اس کی طاقت رکھتے ہیں ایک مسکین کا کھانا بطور فدیہ ہے، ابن عباس کہتے ہیں کہ بوڑھے مرد اور بوڑھی عورت کے لیے رخصت تھی کہ وہ روزے کی طاقت رکھتے ہوئے بھی روزہ نہ رکھیں بلکہ اس کے بدلے میں ہر دن ایک مسکین کو کھانا کھلائیں، اور حاملہ اور دودھ پلانے والی عورت بھی اگر خوف محسوس کرے تو وہ بھی۔ ابوداود کہتے ہیں، یعنی اگر انہیں اپنے بچے کا خدشہ ہو تو وہ روزہ نہ رکھیں بلکہ اس کے بدلے میں کھانا کھلائیں

(سنن ابوداود رقم الحدیث،2318)

امام نووی رحمہ اللہ تعالی کہتے ہیں، اس کی سند حسن ہے۔ امام بزار علیہ الرحمہ نے بھی اسے روایت کیا ہے اور اس کے آخر میں یہ زیادہ کیا ہے کہ، ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما اپنی حاملہ ام ولد کو کہتے تھے، تو اس کی مانند ہے جو روزہ رکھنے کی طاقت نہ رکھے اس لیے تجھ پر فدیہ ہے اور قضاء نہیں۔ حافظ رحمہ اللہ نے التلخیص میں کہا ہے کہ، دارقطنی نے اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔

امام ابوبکر جصاص رحمہ اللہ تعالی نے اپنی کتاب احکام القرآن اس مسئلہ میں صحابہ کرام کا اختلاف ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں، اس میں سلف رحمہ اللہ تعالی تین وجھوں میں اختلاف کیا ہے، علی رضی اللہ تعالی عنہ کا قول ہے، جب وہ روزہ نہ رکھیں تو انہیں قضاء کرنا ہوگی ان پر فدیہ نہیں ہے، اور ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما کہتے ہیں، ان پر قضاء نہیں بلکہ فدیہ ہے، اور ابن عمر رضی اللہ تعالی عنہما کا قول ہے، انہیں قضاء اور فدیہ دونوں ادا کرنا ہونگے۔

حضرت انس رضی اللہ تعالی عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، (بلاشبہ اللہ تعالی نے مسافر سے نصف نماز اور روزہ معاف کر دیا ہے، اور حاملہ اور دودھ پلانے والی عورت سے بھی) (سنن نسائی رقم الحدیث،،2274)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حاملہ اور دودھ پلانے والی عورت کو مسافر کی مانند قرار دیا ہے، مسافر روزہ نہیں رکھتا بلکہ بعد میں اس کی قضاء کرتا ہے تو اسی طرح حاملہ اور دودھ پلانے والی عورت بھی۔ (احکام القرآن للجصاص)

مریض پر قیاس، جس طرح مریض روزہ نہیں رکھتا اور بعد میں قضاء کرتا ہے، تو اسی طرح حاملہ اور دودھ پلانے والی عورت بھی قضاء کرے گی۔ (المغنی لابن قدامۃ المقدسی (ج3،ص37، بیروت)

ماہ رمضان میں بیہوش رہنے والے کے روزے کا بیان

اگر کوئی روزہ دار بے ہوش ہو جائے اور خواہ وہ مہینہ بھر تک بے ہوش رہے تو اس پر قضا لازم ہوگی ہاں اس دن کے روزہ کی قضا لازم نہیں ہوگی۔ جس دن میں یا جس کی رات سے بیہوشی شروع ہوئی ہو کیونکہ مسلمان کے بارے میں نیک گمان ہی کرنا چاہئے اس لیے ہوسکتا ہے اس نے رات میں نیت کر لی ہو اور اس طرح اس کا روزہ پورا ہو جائے گا اب اس کے بعد جتنے دنوں بیہوش رہے گا ان کی قضا کرے گا۔ بے ہوشی شروع ہونے والے دن کے بارے میں بھی مگر یہ یقین ہو کہ نیت کی تھی تو اس دن کے روزہ کی قضا بھی ضروری ہوگی۔ بیہوشی کے دنوں کے روزوں کی قضا اس لیے ضروری ہوگی کہ اگرچہ اس نے کچھ کھایا پیا نہیں مگر چونکہ روزہ کی نیت نہیں پائی گئی اس لیے بیہوشی کی حالت میں اس کا بغیر نیت کچھ نہ کھانا پینا اور تمام چیزوں سے رکے رہنا کافی وکار آمد نہیں ہوگا اگر کسی شخص پر رمضان کے پورے مہینہ میں دیوانگی طاری رہی تو اس پر قضا واجب نہیں ہوگی ہاں مگر پورے مہینہ دیوانگی طاری نہ رہی تو پھر قضا ضروری ہوگی اور اگر کسی شخص پر پورے مہینے بایں طور دیوانگی طاری رہی کہ دن میں یا رات میں نیت کا وقت ختم ہو جانے کے بعد اچھا ہو جاتا تو جب بھی قضا ضروری نہیں ہوگی بلکہ یہ پورے مہینہ دیوانگی طاری رہنے کے حکم میں ہوگا۔

طلوع فجر کے گمان سے کھانے والے کے فساد صوم کا بیان

جس شخص نے رات گمان کرتے ہوئے کھایا پیا حتیٰ کہ اس پر دن ظاہر ہو گیا تو مذاہب اربعہ کے مشہور روایات کے مطابق اس کا روزہ فاسد ہو گیا ہے۔ کیونکہ اس کے گناہ کی نفی اس کے ذمے سے قضاء کو ساقط کرنے والی نہیں ہے۔ یہی قول حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت امیر معاویہ، حضرت سعید بن جبیر، حضرت زہری اور حضرت سفیان ثوری کا ہے۔

اور جمہور کے اس مؤقف کی صحیح بخاری کی یہ روایت ہے۔ حضرت اسماء بنت ابوبکر رضی اللہ عنہما بیان کرتی ہیں کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ابر کے دن روزہ افطار کیا پھر سورج طلوع ہو گیا۔ ہشام بن عروہ کی روایت میں کہا گیا کہ انہیں قضاء کا حکم دیا گیا۔ اور فرمایا: قضاء ضروری ہے۔

اور یہ بھی کہا گیا ہے ہشام نے کہا ہے کہ میں نہیں جانتا کہ انہوں نے قضاء کی یا نہ کی۔ تو اس جواب یہ ہے کہ پہلی روایت اولیٰ اور مشہور ہے اور اسی پر اکثر کا عمل ہے اور علامہ عینی نے کہا ہے قضاء ضروری ہے۔

امام ابن خزیمہ نے اپنی صحیح میں کہا ہے کہ یہ کوئی حدیث نہیں ہے کہ انہیں قضاء کا حکم دیا گیا ہے۔ اور ہشام کا یہ قول کہ قضاء لازم ہے یہ کوئی خبر نہیں ہے۔ لہٰذا میرے درمیان یہ واضح نہیں ہوا کہ ان پر قضاء ہے۔ حضرت زید بن اسلم اپنے بھائی حضرت خالد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔ کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ابر کے دن افطار کیا اور انہوں نے دیکھا کہ وقت گزر گیا اور سورج غروب ہو گیا پس آپ کے پاس ایک آدمی آیا اور اس نے کہا اے امیر المؤمنین! تحقیق سورج طلوع ہو چکا ہے۔ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: الخطب یسیر، تحقیق ہم نے کوشش کر لی۔ (مؤطا امام مالک)

حضرت امام مالک اور امام شافعی علیہما الرحمہ نے کہا ہے کہ "الخطب یسیر" کا معنی ہے وہ اس دن کی قضاء کرے۔ اور حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس تھا۔ رمضان کا مہینہ تھا آپ نے افطار کیا اور لوگوں

نے بھی افطار کیا اور مؤذن اذان دینے لگا تو اس نے کہا اے لوگو! ابھی تو سورج بھی غروب نہیں ہوا تو اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جس نے روزہ افطار کیا ہے اسے چاہیے کہ وہ اسکی جگہ ایک روزہ رکھے۔ (بیہقی)

علامہ بدر الدین عینی حنفی علیہ الرحمہ نے کہا ہے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے دو روایات ہیں ایک یہ ہے کہ آپ نے فرمایا: جس نے کھایا ہے وہ اس دن کی قضاء کرے۔ یہی اثر مروی ہے۔

علامہ ابن بطال نے شرح بخاری میں لکھا ہے کہ حضرت امام بخاری علیہ الرحمہ کے پاس جو قضاء والی روایت آئی ہے یہ اہل حجاز اور اہل عراق سے آئی ہے۔ اور جس روایت کو امام عبدالرزاق نے بیان کیا ہے اس میں یہ بھی ہے کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے کہا ہے کہ واللہ! ہم قضاء نہیں کریں گے کیونکہ ہم نے کسی کی طرف رغبت نہیں کی ہے۔ (سنن کبریٰ، ج ۴، ص، بیروت)

ایک شخص نے بھول کر روزے میں کچھ کھالیا پھر اس کے بعد قصداً کھایا، یا بھول کر جماع کرلیا اور اس کے بعد پھر قصداً جماع کیا یا دن میں روزہ کی نیت کی پھر قصداً کھا پی لیا یا جماع کیا، یا رات ہی سے روزہ کی نیت کی پھر صبح ہو کر سفر کیا اور پھر اس کے بعد اقامت کی نیت کرلی اور کچھ کھا پی لیا اگرچہ اس صورت میں اس کے لیے روزہ توڑنا جائز نہیں تھا، یا رات سے روزہ کی نیت کی، صبح کو مقیم تھا، پھر سفر کیا اور مسافر ہو گیا اور حالت سفر میں قصداً کھایا یا جماع کیا، اگرچہ اس صورت میں اس کے لیے روزہ توڑنا جائز نہیں تھا تو ان تمام صورتوں میں صرف قضا لازم ہوگی کفارہ واجب نہیں ہوگا مسئلہ مذکورہ میں حالت سفر میں کھانے کی قید اس لیے لگائی گئی ہے کہ اگر کوئی شخص سفر شروع کردینے کے بعد پھر اپنی کوئی بھولی ہوئی چیز لینے کے لیے واپس اپنے گھر میں آئے اور اپنے مکان میں یا اپنے شہر وا پنی آبادی سے جدا ہونے سے پہلے قصداً کھالے تو اس صورت میں قضا اور کفارہ دونوں لازم ہونگے۔

اگر کوئی شخص تمام دن کھانے پینے اور دوسری ممنوعات روزہ سے رکا رہا مگر نہ تو اس نے روزہ کی نیت کی اور نہ افطار کیا، یا کسی شخص نے سحری کھائی یا جماع کیا اس حالت میں کہ طلوع فجر کے بارے میں اسے شک تھا حالانکہ اس وقت فجر طلوع ہو چکی تھی، یا کسی شخص نے غروب آفتاب کے ظن غالب کے ساتھ افطار کیا حالانکہ اس وقت تک سورج غروب نہیں ہوا تھا تو ان صورتوں میں صرف قضا واجب ہوگی کفارہ لازم نہیں ہوگا، اور اگر غروب آفتاب میں شک ہونے کی صورت میں افطار کیا اور حالانکہ اس وقت تک سورج غروب نہیں ہوا تھا تو اس صورت میں کفارہ لازم ہونے کے بارے، میں دو قول ہیں جس میں سے فقیہ ابوجعفر رحمۃ اللہ کا مختار قول یہ ہے کہ غروب آفتاب کے شک کی صورت میں کفارہ لازم ہوگا اس طرح اگر کسی شخص کا ظن غالب یہ ہو کہ آفتاب غروب نہیں ہوا ہے۔ مگر اس کے باوجود وہ روزہ افطار کرے اور حقیقت میں بھی سورج غروب نہ ہوا تو اس پر کفارہ لازم ہوگا۔

فصل

﴿یہ فصل روزہ ٹوٹنے والے کے امساک کے بیان میں ہے﴾

فصل فيمن يجب عليه الإمساك أثناء النهار يجب الإمساك بقية اليوم على من فسد صومه وعلى حائض ونفساء طهرتا بعد طلوع الفجر وعلى صبي بلغ و كافر أسلم بعد الطلوع وعليهم القضاء إلا الأخيرين،

ترجمہ

یہ فصل اس شخص کے بیان میں ہے جس پر بقیہ دن میں کھانے پینے جماع سے رک جانا واجب ہے۔ جس کا روزہ فاسد ہوا اور اسی طرح حائض اور نفاس والی عورتیں جب وہ طلوع فجر کے بعد دن میں کسی بھی وقت پاک ہو جائیں۔ یا طلوع فجر کے بعد بچہ بالغ ہو جائے۔ یا کافر مسلمان ہو جائے۔ تو ان سب پر آخری دونوں کے سوا اس دن کے روزے کی قضاء واجب ہے۔

حائض ونفاس والی کا بقیہ دن کے امساک کا بیان

علامہ ابن قدامہ رحمہ اللہ تعالی، المغنی، میں رقمطراز ہیں، جس شخص کے لیے ظاہر اور باطنی طور پر دن کے شروع میں روزہ نہ رکھنا مباح ہو مثلا حائضہ اور نفاس والی عورت، اور مسافر، بچہ، مجنون و پاگل، کافر، اور مریض، جب دن کے دوران ان کا عذر زائل ہو جائے تو حائضہ اور نفاس والی عورت پاک ہو جائے، اور مسافر مقیم، اور بچہ بالغ ہو جائے، اور مجنون عقلمند، اور کافر اسلام قبول کر لے، اور بے روزہ مریض شفایاب ہو جائے تو اس میں دو روایات ہیں۔

پہلی، ان کے لیے دن کا باقی حصہ بغیر کھائے پیئے گزارنا لازم ہے، امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا یہی قول ہے۔ دوسری روایت، ان پر کھانے پینے سے رکنا لازم نہیں، امام مالک، امام شافعی رحمہم اللہ کا یہی قول ہے، اور ابن مسعود رضی اللہ تعالی عنہما سے مروی ہے کہ، جس نے دن کی ابتدا میں کھایا تو وہ دن کے آخر میں بھی کھائے۔ اور اسی طرح جب مسافر سفر سے واپس پلٹ آئے، تو میری طرف سے یہ کلام صحیح ہے، اور امام احمد رحمہ اللہ تعالی کی ایک روایت یہی ہے، اور امام مالک اور امام شافعی رحمہما اللہ تعالی کا بھی مسلک یہی ہے۔

اور عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے کہ، (جس نے دن کے پہلے حصہ میں کھایا وہ دن کے آخری حصہ میں بھی کھائے۔ اور جابر بن یزید (یہ ابو شعثاء تابعین میں سے ایک فقیہ و امام ہیں) رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ وہ سفر سے واپس آئے تو انہوں نے اپنی بیوی کو دیکھا کہ وہ اسی دن حیض سے پاک ہوئی ہے، تو انہوں نے اس سے جماع کیا یہ دونوں اثر المغنی میں ذکر کیے

گئے ہیں، اور ان کا کوئی تعاقب نہیں کیا گیا۔

اور اس لیے بھی کہ کھانے پینے سے رکنے کا کوئی فائدہ نہیں، کیونکہ اس دن کا روزہ تو اسی وقت صحیح ہوگا جب فجر سے رکھا گیا ہو۔

اور اس لیے بھی کہ رمضان کا علم ہونے کے باوجود ان کے لیے دن کیاول میں ظاہری اور باطنی طور پر کھانا پینا مباح کیا گیا ہے، اور اللہ سبحانہ وتعالی نے تو طلوع فجر سے ممانعت کی ہے، اور ان لوگوں پر اس وقت روزہ واجب نہیں تھا، تو کھانے پینے سے رکنے کے حکم میں بھی نہیں آتے۔

اور اس لیے بھی کہ اللہ تعالی نے مسافر پر چھوڑے ہوئے روزوں کے بدلے دوسرے دنوں میں گنتی پوری کرنا واجب کیا ہے، اور اسی طرح حائضہ عورت پر بھی، اور اگر ہم ان پر کھانا پینے سے رکنا واجب کریں تو اس پر ہم نے اللہ تعالی سے واجب کردہ سے زیادہ کو واجب کر دیا؛ کیونکہ اس وقت ہم اس پر اس دن کی قضاء کے ساتھ دن کا باقی حصہ کھانے پینے سے رکنا بھی واجب کر رہے ہیں، تو اس طرح ہم نے اس پر دو چیزیں واجب کیں حالانکہ صرف ایک چیز ان ایام کی قضاء واجب ہے جس کے روزے نہیں رکھے، اور یہ عدم وجوب کی ظاہر ترین دلیل ہے۔ لیکن اگر اس سے خرابی پیدا ہونے کا اندیشہ ہو تو اسے چاہیے کہ وہ اعلانیہ طور پر نہ کھائے پیئے۔ (المغنی، ابواب الصیام)

اور امام نووی رحمہ اللہ تعالی المجموع میں کہتے ہیں۔ جب مسافر رمضان میں دن کے دوران سفر سے واپس پلٹ آئے اور اس نے روزہ نہ رکھا ہو اور اپنی بیوی کو دن کے دوران حیض یا نفاس سے پاک پائے یا بیماری سے اس کی بیوی دن میں شفایاب ہو گئی ہو اور اس نے روزہ نہ رکھا ہو تو وہ اس سے ہم بستری کر سکتا ہے، ہمارے نزدیک بغیر کسی اختلاف کے اس پر کوئی کفارہ نہیں۔

(المجموع للنووی (6/174)-)

فصل فیما یکره للصائم وما لا یکره

﴿یہ فصل صائم کے لئے مکروہ وغیر مکروہ چیزوں کے بیان میں ہے﴾

روزے دار کے لئے مکروہ وغیر مکروہ چیزوں کا بیان

وما یستحب ما یکره لـه کره للصائم سبعة أشیاء ذوق شیء ومضغه بلا عذر ومضغ العلك والقبلة والمباشرة إن لم یأمن فیهما علی نفسه الإنزال أو الجماع فی ظاهر الروایة وجمع الریق فی الفم ثم ابتلاعه وما ظن أنه یضعفه کالفصد والحجامة،

ترجمہ

جو چیزیں روزے دار کے لئے پسندیدہ نہیں ہیں وہی اس کے لئے مکروہ ہیں اور روزے دار کے لئے سات چیزیں مکروہ ہیں۔(۱) کسی عذر کے بغیر کسی چیز کو چکھنا (۲) گوند چبانا (۳) بیوی کو بوسہ دینا یا (۴) اس سے مباشرت کرنا جبکہ انزال ہونے کا اندیشہ ہو، (۵) جماع کرنے کا اندیشہ ہو۔(۶) منہ میں لعاب جمع کرکے نگل جانا (۷) روزے کی حالت میں ہر ایسا عمل مکروہ ہے جس کے سبب جسمانی کمزور پیدا ہو۔ جس طرح کوئی رگ کٹوانا ہے یا سینگی لگوانا ہے۔

روزے دار کے لئے مکروہ وغیر مکروہ چیزوں سے متعلق مسائل کا بیان

روزہ دار کے لئے کسی چیز کا چکھنا (یعنی چکھ کر تھوک دینا) ذخیرہ میں منقول ہے کہ روزہ دار کے لئے بلا ضرورت کسی چیز کا چکھنا مکروہ ہے ہاں عذر کی صورت میں مکروہ نہیں ہے مثلاً کوئی شخص کھانے پینے کی کوئی چیز خریدے اور یہ خوف ہو کہ اگر اسے چکھ کر نہیں دیکھوں گا تو دھوکہ کھا جاؤں گا یا یہ چیز میری مرضی کے مطابق نہیں ہوگی تو اس صورت میں اگر وہ اس چیز کو چکھ لے تو مکروہ نہیں ہوگا۔

فتاویٰ نسفی میں منقول ہے کہ اگر کسی عورت کا خاوند بد خلق اور ظالم ہو اور جو کھانے میں نمک کی کمی وبیشی پر اس کے ساتھ سختی کا معاملہ کرتا ہو تو اس کے لئے بھی جائز ہے کہ وہ کھانا چکھ لے تا کہ اپنے خاوند کے ظلم وتشدد سے بچ سکے اور اگر خاوند نیک خلق و نیک مزاج ہو تو پھر عورت کے لئے چکھنا جائز نہیں ہوگا یہی حکم لونڈی کا بھی ہے بلکہ وہ نوکر و ملازم بھی اس حکم میں شامل ہیں جو کھانا پکانے پر مقرر ہوتے ہیں۔ بلا عذر کسی چیز کا چبانا مکروہ ہے مثلاً کوئی عورت چاہے کہ روٹی وغیرہ چبا کر اپنے چھوٹے بچے کو دیدے تو اگر اس کے پاس کوئی ہوشیار بچی یا کوئی حائضہ ہو تو اس سے چبوا کر بچے کو دیدے خود نہ چبائے اس صورت میں خود چبا کر دینا مکروہ ہے ہاں اگر غیر روزہ دار ہاتھ نہ لگے تو پھر خود چبا کر دیدے اس صورت میں مکروہ نہیں ہوگا۔ روزہ دار کو مصطگی چبانا مکروہ ہے خواہ مرد ہو یا عورت کیونکہ اس کے چبانے سے روزہ ختم کرنے یا روزہ نہ رکھنے کا اشتباہ ہوتا ہے، ویسے تو مصطگی مرد کو غیر روزہ کی حالت میں بھی

چبانا مکروہ ہے ہاں کسی عذر کی بناء پر اور وہ بھی خلوت میں چبانا جائز ہے۔

بعض حضرات نے کہا ہے کہ مصطگی چبانا مردوں کے لئے مباح ہے جب کہ عورتوں کے لئے مستحب ہے کیونکہ وہ ان کے حق میں مسواک کے قائم مقام ہے۔ روزہ کی حالت میں بوسہ لینا اور عورتوں کے ساتھ مباشرت یعنی ان کو گلے لگانا اور چمٹانا وغیرہ مکروہ ہے بشرطیکہ انزال کا خوف ہو یا اپنے نفس و جذبات کے بے اختیار ہو جانے کا اور اس حالت میں جماع کر لینے کا اندیشہ ہو اگر یہ خوف و اندیشہ نہ ہو تو پھر مکروہ نہیں۔ قصداً منہ میں تھوک جمع کرنا اور اسے نگل جانا مکروہ ہے، اسی طرح روزہ دار کو وہ چیزیں اختیار کرنا بھی مکروہ ہے جس کی وجہ سے ضعف لاحق ہو جانے کا خوف ہو جیسے فصد و پچھنے وغیرہ ہاں اگر فصد اور پچھنے کی وجہ سے ضعف ہو جانے کا احتمال نہ ہو تو پھر مکروہ نہیں ہے۔

روزہ کی حالت میں سرمہ لگانا، موچھوں کو تیل لگانا اور مسواک کرنا خواہ زوال کے بعد ہی مسواک کی جائے اور یہ کہ خواہ مسواک تازی ہو یا پانی میں بھیگی ہوئی ہو مکروہ نہیں ہے۔ وضو کے علاوہ بھی کلی کرنا اور ناک میں پانی دینا مکروہ نہیں ہے اسی طرح غسل کرنا اور تراوٹ و ٹھنڈک حاصل کرنے کے لئے بھیگا ہوا کپڑا بدن پر لپیٹنا مکروہ نہیں ہے، مفتی بہ قول یہی ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بات ثابت ہے چنانچہ یہ روایت آئندہ صفحات میں آئے گی۔ روزہ دار کے لئے جو چیزیں مستحب ہیں سحری کھانا، سحری کو دیر سے کھانا اور وقت ہو جانے پر افطار میں جلدی کرنا جب کہ فضا ابر آلود نہ ہو، جس دن فضا ابر آلود ہو اس دن افطار میں احتیاط یعنی دو تین منٹ کی تاخیر ضروری ہے۔

روزے دار کے لئے غیر مکروہ چیزوں کا بیان

ما لا يكره له وتسعة أشياء لاتكره للصائم القبلة والمباشرة مع الأمن ودهن الشارب والكحل والحجامة والفصد والسواك آخر النهار بل هو سنة كأوله ولو كان رطبا أو مبلولا بالماء والمضمضة والاستنشاق لغير وضوء والاغتسال والتلفف بثوب متبل للتبرد على المفتى به ما يستحب للصائم ويستحب له ثلاثة أشياء السحور وتأخيره وتعجيل الفطر في غير يوم غيم،

ترجمہ

روزے دار کے لئے نو چیزیں مکروہ نہیں ہے۔ (۱) بیوی کو بوسہ دینا یا اس سے مباشرت کرنا جبکہ انزال یا جماع کا خطرہ ہی نہ ہو (۲) موچھوں کو تیل لگانا (۳) سرمہ لگانا (۴) سینگی لگوانا (۵) رگ کٹوانا جب کمزوری کا خطرہ نہ ہو۔ (۶) مسواک کرنا جس دن کے شروع میں کرنا مکروہ نہیں ہے بلکہ سنت ہے اسی طرح دن کے آخری حصے میں بھی مسواک کرنا سنت ہے اگرچہ تازہ پانی سے تر ہو۔ (۷) وضو کے لئے کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا (۸) غسل کرنا (۹) ٹھنڈک کے حصول کے لئے جسم پر گیلا کپڑا لپیٹ لینا مکروہ نہیں ہے۔

روزے دار کے لئے تین چیزیں مستحب ہیں۔(۱) سحری کھانا (۲) سحری میں تاخیر کرنا (۳) روزہ افطار کرنے میں جلدی کرنا لیکن شرط یہ ہے کہ بادل نہ ہوں۔

شرح

روزہ کی حالت میں مندرجہ ذیل چیزیں مکروہ نہیں ہیں۔

(۱) مونچھ یا داڑھی کو تیل لگانا۔

وَقَالَ ابْنُ مَسْعُودٍ إِذَا كَانَ يَوْمُ صَوْمِ أَحَدِكُمْ فَلْيُصْبِحْ دَهِينًا مُتَرَجِّلًا (بخاری باب اغتسال الصائم)

(۲) سرمہ لگانا۔

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اشْتَكَتْ عَيْنِي أَفَأَكْتَحِلُ وَأَنَا صَائِمٌ قَالَ نَعَمْ (ترمذی باب ما جاء في الكحل للصائم

(۳) ٹھنڈک حاصل کرنے کے لئے غسل کرنا۔

عَنْ عُرْوَةَ وَأَبِي بَكْرٍ قَالَتْ عَائِشَةُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُدْرِكُهُ الْفَجْرُ فِي رَمَضَانَ مِنْ غَيْرِ حُلْمٍ فَيَغْتَسِلُ وَيَصُومُ (بخاری باب اغتسال الصائم) عَنْ عُثْمَانَ بْنِ أَبِي الْعَاصِ ؛ أَنَّهُ كَانَ يَصُبُّ عَلَيْهِ الْمَاءَ، وَيُرَوِّحُ عَنْهُ وَهُوَ صَائِمٌ عَشِيَّةَ عَرَفَةَ، أَوْ يَوْمَ عَرَفَةَ (مصنف ابن ابی شیبة مَا ذُكِرَ فِي الصَّائِمِ يَتَلَذَّذُ بِالْمَاءِ)

(۴) تر کپڑے کو ٹھنڈک حاصل کرنے کے لئے لپیٹ لینا۔

عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي عُثْمَانَ، قَالَ ,رَأَيْتُ ابْنَ عُمَرَ وَهُوَ صَائِمٌ يَبُلُّ الثَّوْبَ، ثُمَّ يُلْقِيهِ عَلَيْهِ (مصنف ابن ابی شیبة مَا ذُكِرَ فِي الصَّائِمِ يَتَلَذَّذُ بِالْمَاءِ)

(۵) وضو کے علاوہ حالت میں کلی کرنا یا ناک میں پانی ڈالنا۔

وَقَالَ الْحَسَنُ لَا بَأْسَ بِالْمَضْمَضَةِ وَالتَّبَرُّدِ لِلصَّائِمِ (بخاری باب اغتسال الصائم)

(۶) دن کے آخیر میں مسواک کرنا، بلکہ یہ تو دن کے اخیر میں بھی سنت ہے جس طرح دن کے شروع میں سنت ہے

وَقَالَ ابْنُ عُمَرَ يَسْتَاكُ أَوَّلَ النَّهَارِ وَآخِرَهُ (بخاری باب اغتسال الصائم) عَنْ عَامِرِ بْنِ رَبِيعَةَ قَالَ رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْتَاكُ وَهُوَ صَائِمٌ مَا لَا أُحْصِي أَوْ أَعُدُّ

(بخاری باب سواك الرطب واليابس للصائم

مندرجہ ذیل چیزیں روزہ دار کے لئے مستحب ہیں

(۱) سحری کرنا۔(۲) سحری میں تاخیر کرنا، لیکن طلوع فجر سے چند منٹ پہلے کھانے پینے سے رک جائے، تا کہ روزہ کے سلسلہ میں شک واقع نہ ہو۔(۳) سورج ڈوبنے کے بعد افطار کرنے میں جلدی کرنا۔(۴) فجر سے پہلے حدث اکبر سے پاک ہو جانا، تا کہ عبادت طہارت کی حالت میں ہو۔(۵) اپنی زبان کو جھوٹ، غیبت، چغلی اور گالی گلوچ سے محفوظ رکھنا۔(۶) رمضان کے اوقات کو غنیمت جان کر تلاوت قرآن یا کسی منقول ذکر میں مشغول ہونا۔(۷) غصہ نہ ہونا، اور نہ کسی معمولی چیز کی وجہ سے بھڑک جانا۔(۸) اپنے آپ کو خواہشات نفسانی سے محفوظ رکھنا خواہ حلال طریقہ سے ہی کیوں نہ ہو۔

فصل فی العوارض

﴿یہ فصل عوارض کے بیان میں ہے﴾

عوارض روزہ کا بیان

متى يباح الفطر لمن خاف زيادة المرض أو بطء البرء الفطر ولحامل ومرضع خافت نقصان العقل أو الهلال أو المرض على نفسها أو ولدها نسبا كان أو رضاعا والخوف المعتبر ما كان مستندا لغلبة الظن بتجربة أو إخبار طبيب مسلم حاذق عدل ولمن حصل له عطش شديد أو جوع يخاف منه الهلاك عارض السفر وللمسافر الفطر وصومه أحب إن لم يضره ولم تكن عامة رفقته مفطرين ولا مشتركين في النفقة فإن كانوا مشتركين أو مفطرين فالأفضل فطره موافقة للجماعة،

ترجمہ

جب روزے کو افطار کرنا مباح ہو جاتا ہے۔ جس شخص کو مرض کے زیادہ ہو جانے کا خوف ہو یا اندیشہ ہو کہ مرض سے تندرستی ملتے ملتے عرصہ لگ جائے گا۔ اور حمل والی عورت کے لئے اور دودھ پلانے والی عورت کے لئے جبکہ انہیں اپنے یا بچے کے بارے میں عقل ضائع ہونے، ہلاک ہونے یا بیمار ہو جانے کا خوف ہو۔ اگرچہ وہ بچہ نسبی ہو یا رضائی ہو۔

یہاں پر خوف کا اعتبار تب کیا جائے گا جس کی بنیاد ظن کے غلبہ پر ہو اور وہ ظن غلبہ جو اس کو ذاتی تجربے سے حاصل ہوا ہو یا کسی قابل عدل والے مسلمان حکیم نے بتایا ہو۔

اور جب روزے دار کو سخت پیاس یا بھوک لگی کہ اس کے ہلاک ہونے کا خوف حاصل ہوا ہے۔ اور جو شخص سفر پر ہے اس کے لئے افطار کی اجازت ہے۔ اور اگر نقصان دہ نہ ہو تو اس کا روزہ رکھنا افضل ہے۔ جب اس کے اکثر ساتھی بھی روزے سے ہوں اور وہ نفقہ میں مشترک نہ ہوں تو بھی روزہ افضل ہے۔ ہاں جب ہم سفر نفقہ میں شریک ہیں یا ان کی اکثریت روزے سے نہیں ہے تو اس کی مطابقت کرتے ہوئے روزہ نہ رکھنا افضل ہے۔

شرح

اسلام دین فطرت ہے، وہ انسان کو اس کے طاقت سے زیادہ کا مکلف نہیں بناتا، اللہ اپنے بندوں پر مہربان ہے، اس لئے اس

نے روزہ رکھنے کی وجہ سے اگر نقصان یا مشقت کا اندیشہ ہو تو انہیں دوسرے دنوں میں قضاء کرنے اور فی الحال روزہ چھوڑنے کی اجازت دی ہے۔

مندرجہ ذیل صورتوں میں روزہ کا چھوڑ دینا جائز ہے۔

(۱) جب مریض کو روزہ کی وجہ سے نقصان کا اندیشہ ہو یا مرض کے بڑھ جانے یا مرض کی مدت کے لمبا ہونے کا اندیشہ ہو۔

(۲) لمبا سفر کرنے والا مسافر۔

(۳) جسے اس قدر سخت بھوک یا پیاس لگے کہ اسے یہ گمان غالب ہو جائے کہ اگر وہ روزہ نہیں توڑے گا تو ہلاک ہو جائے گا۔

(۴) جب روزہ حاملہ عورت کے لئے یا پیٹ کے بچے کے لئے نقصان دہ ہو۔

(۵) جب روزہ دودھ پلانے والی کے لئے یا اس کے دودھ پینے والے بچے کے لئے نقصان دہ ہو۔

(۶) حیض اور نفاس والی عورت کے لئے بھی روزہ چھوڑنا جائز ہے، بلکہ ان کے لئے تو روزہ چھوڑنا ضروری ہے ان کا روزہ ہی صحیح نہیں ہوتا۔

(۷) انتہائی ضعیف اور کمزور بوڑھے کے لئے جو بڑھاپے کی وجہ سے روزہ رکھنے کی طاقت نہیں رکھتا ایسے شخص پر قضاء بھی نہیں ہے، بلکہ اس کے ذمہ فدیہ ہے۔

(۸) نفل روزہ رکھنے والے کے لئے بغیر کسی عذر کے روزہ توڑنا جائز ہے اور دوسرے دن میں اس پر اس کی قضاء کرنا جائز ہے۔

(۹) جو شخص دشمن کے مقابلہ میں ہو اس کے لئے بھی روزہ چھوڑنا جائز ہے۔

جس کے ذمہ قضا ہو اس کو قضا کرنے میں جلدی کرنا مستحب ہے، لیکن اگر قضا کرنے میں تاخیر کر دے تو بھی جائز ہے، قضاء روزے مسلسل رکھنا یا متفرق طور پر رکھنا (جیسی سہولت ہو) دونوں طرح جائز ہے۔ اور اگر قضا کو مؤخر کر دے یہاں تک کہ دوسرا رمضان آ جائے تو ادا کو قضا پر مقدم کرے اور اس قضا میں تاخیر کی وجہ سے کفارہ واجب نہ ہوگا۔

مسافر و مریض کی حالت رخصت میں غیر رمضان کے روزے کا اختلاف

علامہ ابن محمود البابرتی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ مصنف نے مریض و مسافر کے روزے کے بارے میں جو مؤقف اختیار کیا ہے دو محقق علماء نے اس سے اختلاف کیا ہے جو شمس الائمہ اور امام فخر الاسلام ہیں انہوں نے کہا ہے کہ اگر کسی مریض نے کسی دوسرے واجب کی نیت کی تو صحیح ہے۔ کیونکہ رمضان کے روزے کا وقوع صحیح ہے۔ البتہ اس میں افطار کا حکم عجز کی وجہ سے تھا۔ کہ وہ ادائے صوم سے عاجز تھا۔ جب اسے قدرت حاصل ہوئی تو روزے رکھنے کی قدرت رکھتا ہے۔ پس وہ روزہ رکھنے میں برابر ہے (خواہ وہ رمضان کا ہو یا غیر رمضان کا ہو) بہ خلاف مسافر کے کیونکہ اس میں رخصت سے عجز سے متعلق ہے۔ تو یہاں پر روزہ رکھنے کی اباحت اس طرح ہوگی کہ سفر اس عجز کے قائم مقام ہوگا۔ لہٰذا وہ کسی دوسرے واجب کا روزہ رکھ سکتا ہے۔

صاحب ایضاح نے کہا ہے ہمارے بعض فقہاء احناف نے مریض و مسافر کے درمیان فرق کیا ہے جبکہ ان کا فرق کرنا صحیح نہیں

ہے۔ بلکہ دونوں برابر ہیں اور یہی قول امام کرخی علیہ الرحمہ کا ہے۔

حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس بارے میں دو روایات ہیں کہ جس بندے نفل کی نیت کی تو آپ علیہ الرحمہ سے ابن سماعہ نے روایت کی ہے کہ وہ فرض روزہ ہوگا کیونکہ وقت کو اہم مقصد کی طرف پھیرا گیا ہے اور وہ یہ ہے کہ اس سے واجب ساقط ہو جائے۔ اور ثواب میں فرض سب سے زیادہ ہوتا ہے۔

حضرت امام حسن علیہ الرحمہ نے امام اعظم رضی اللہ عنہ سے دوسری روایت یہ بیان کی ہے کہ اس کا نفلی روزہ ہوگا جس کی اس نے نیت کی ہے۔ کیونکہ اس کے حق میں رمضان اسی طرح ہے جس مقیم کے حق میں شعبان ہوتا ہے۔ اور اگر وہ شعبان میں نفل کی نیت کرے یا واجب کی نیت کرے تو وہی واقع ہوگا۔

علامہ ناطفی حنفی علیہ الرحمہ کہتے ہیں کہ قیاس کا تقاضہ بھی یہی ہے کہ مسافر و مریض دونوں برابر ہیں۔ البتہ امام ابو یوسف علیہ الرحمہ سے نادر روایت کے مطابق مریض سے نفلی روزہ صحیح ہے۔ (عنایہ شرح الہدایہ، ج ۳، ص ۲۶۳، بیروت)

علامہ ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ بہر حال مریض جب کسی دوسرے واجب کی نیت کرے تو امام حسن علیہ الرحمہ کی روایت کے مطابق وہ مسافر کی طرح ہے۔ اسی روایت کو صاحب ہدایہ نے اختیار کیا ہے۔ اور اکثر مشائخ بخارہ نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔ کیونکہ مرض کا تعلق زیادت مرض کے ساتھ ہے نہ کہ عجز کی حقیقت کے ساتھ ہے جس طرح مسافر کے حق میں عجز مقدر ہے فخر الاسلام اور شمس الائمہ نے کہا ہے کہ اس پر وہی واقع ہوگا جس کی اس نے نیت کی ہے۔ کیونکہ رخصت حقیقت عجز کے ساتھ متعلق ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ انہوں نے ظاہر الروایت کے خلاف کہا ہے۔

شیخ عبد العزیز علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ یہ بات بہ اجماع واضح ہوگئی کہ رخصت نفس مرض کے ساتھ متعلق نہیں ہے کیونکہ اس کی اقسام ہیں۔ بعض اقسام وہ ہیں جو نقصان دہ ہیں جس طرح بخار وغیرہ ہیں اور بعض امراض غیر نقصان دہ ہیں جس طرح ہاضمہ وغیرہ کا خراب ہونا ہے۔ جبکہ رخصت حرج کو دور کرنے کے لئے ہے لہٰذا وہ پہلی قسم کے ساتھ متعلق ہوگی یعنی جس میں مرض کی زیادتی کا خوف ہو۔ جبکہ عجز حقیقی جو حرج کو دور کرنے کے لئے ہوتا ہے اس میں عجز کی شرط نہیں ہے۔

اور دوسری صورت یہ ہے کہ جب مریض نے روزہ رکھا اور ہلاک نہیں ہوا تو اس سے ظاہر ہوا کہ وہ عاجز نہیں ہے لہٰذا اس کے لئے رخصت ثابت نہ ہوئی تو اس کا روزہ وقتی فرض والا ہوگا۔ (فتح القدیر، ج ۴، ص ۲۸۵، بیروت)

مسافر کا دوسرا روزہ رکھنے کا بیان

حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک مسافر نے جب کسی دوسرے واجب کا روزہ کا رکھا یا کسی نفل کا روزہ رکھا تو اس روزہ وہی ہوگا۔ جبکہ امام شافعی، امام مالک اور امام احمد علیہم الرحمہ کے نزدیک دوسرے روزے کی نیت فضول جائے گی اور اس کا روزہ وہی رمضان کا روزہ ہوگا۔ کیونکہ وہی اصلی روزہ ہے۔ (بنایہ شرح ہدایہ، ج ۴، ص ۲۵۶، حقانیہ ملتان)

سفر کا روزہ رکھنے یا رکھنے کا بیان

اس مسئلہ میں سلف کا اختلاف ہے بعضوں نے کہا سفر میں اگر روزہ رکھے گا تو اس سے فرض روزہ ادا نہ ہوگا پھر قضا کرنا چاہئے

اور جمہور علماء جیسے امام مالک اور امام شافعی اور ابو حنیفہ علیہم الرحمہ یہ کہتے ہیں کہ روزہ رکھنا سفر میں افضل ہے اگر طاقت ہو، اور کوئی تکلیف نہ ہو، اور امام احمد بن حنبل اور اوزاعی اور اسحاق اور اہل حدیث یہ کہتے ہیں کہ سفر میں روزہ نہ رکھنا افضل ہے بعضوں نے کہا دونوں برابر ہیں روزہ رکھے یا افطار کرے بعضوں نے کہا جو زیادہ آسان ہو وہی افضل ہے۔ اور قضا کا حکم گنتی کے پورا کرنے کے لئے ہے۔

حالت سفر میں حاملہ ومرضعہ کے لئے شرعی رخصت کا بیان

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے لیے آدھی نماز موقوف کردی ہے اسی طرح مسافر دودھ پلانے والی اور حاملہ عورت کے لیے روزہ معاف کر دیا ہے۔

(ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ)

آدھی نماز موقوف کردی ہے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ لیے بھی پہلے چار رکعت نماز فرض تھی پھر بعد میں دو رکعت رہ گئی بلکہ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے لیے ابتداء ہی سے آدھی نماز فرض فرمائی ہے کہ وہ چار رکعت والی نماز دو رکعت پڑھے اور دو رکعت کی قضا واجب نہیں ہے اسی طرح روزہ کی معافی کا مطلب یہ ہے کہ حالت سفر میں روزہ رکھنا واجب نہیں ہے۔ مگر سفر پورا ہونے کے بعد مسافر جب مقیم ہو جائے گا تو اس روزہ کی قضا اس پر ضروری ہوگی۔

حائض وحامل کے روزوں کے فدیے کا بیان

حضرت عبداللہ بن کعب سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لشکر نے ہمارے قبیلہ پر حملہ کیا میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھانا کھا رہے تھے فرمایا قریب ہو جاؤ اور کھاؤ میں نے کہا میں روزے سے ہوں فرمایا قریب آؤ میں تمہیں روزے کے بارے میں بتاؤں اللہ تعالیٰ نے مسافر کے لئے آدھی نماز اور حاملہ اور دودھ پلانے والی عورت کے لئے روزہ معاف کر دیا ہے اللہ کی قسم آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حاملہ اور دودھ پلانے والی دونوں یا ایک کا ذکر کیا مجھے اپنے اوپر افسوس ہے کہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کھانا کیوں نہیں کھایا اس باب میں ابوامیہ سے بھی روایت ہے کہ امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں کہ انس بن مالک کعبی کی حدیث حسن ہے اور ہم انس بن مالک کعبی کی اس روایت کے علاوہ کوئی حدیث نہیں جانتے بعض اہل علم کا اسی حدیث پر عمل ہے بعض اہل علم کہتے ہیں کہ حاملہ اور مرضعہ دونوں روزہ نہ رکھیں پھر قضا کریں اور اس کے ساتھ ہی صدقہ فطر کے برابر فقیروں کو ہر روزے کے بدلے میں کھانا بھی کھلائیں۔

حضرت سفیان ثوری، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بھی یہی کہتے ہیں بعض اہل علم کہتے ہیں کہ دونوں افطاری کریں اور مسکینوں کو کھانا کھلائیں اور ان دونوں پر قضا نہیں ہے اور اگر چاہیں تو قضا کرلیں اور اس صورت میں مسکینوں کو کھانا کھلانا ضروری نہیں اسحاق کا بھی یہی قول ہے۔ (جامع ترمذی، جلد اول، رقم الحدیث، 698)

دودھ پلانے والی اور حاملہ عورت کے بارے میں پہلے بھی بتایا جا چکا ہے کہ ان کے لیے بھی جائز ہے کہ اگر روزہ کی وجہ سے بچہ یا خود ان کو تکلیف ونقصان پہنچنے کا گمان غالب ہو تو وہ روزہ نہ رکھیں لیکن عذر ختم ہو جانے کے بعد ان پر بھی قضاء واجب ہوگی فدیہ

لازم نہیں ہوگا حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کا یہی مسلک ہے لیکن حضرت امام شافعی اور حضرت امام احمد کے مسلک کے مطابق ان پر فدیہ بھی واجب ہے۔

نفلی روزے کی قضاء کا بیان

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں اور حفصہ روزے سے تھیں کہ ہمیں کھانا پیش کیا گیا ہمارا جی چاہا کہ ہم کھالیں پس ہم نے اس میں سے کچھ لیا پھر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے حفصہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھنے میں مجھ سے سبقت لے گئیں کیونکہ وہ تو اپنے باپ کی بیٹی تھیں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم دونوں روزے سے تھیں کہ کھانا آ گیا اور اسے دیکھ کر ہمارا کھانے کو جی چاہا پس ہم نے اس میں سے کھالیا فرمایا اس روزے کے بدلے کسی دوسرے دن قضاء میں روزہ رکھو امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں کہ صالح بن ابواخضر اور محمد بن ابوحفصہ بھی یہ حدیث زہری سے وہ عروہ سے اور وہ حضرت عائشہ سے اس کی مثل روایت کرتے ہیں مالک بن انس معمر عبداللہ بن عمر زیاد بن سعد اور کئی حفاظ حدیث زہری سے بحوالہ عائشہ مرسلا روایت کرتے ہیں اور اپنی روایت میں عروہ کا ذکر نہیں کرتے یہ حدیث اصح ہے اس لئے کہ جریج نے زہری سے پوچھا کہ کیا آپ سے عروہ نے عائشہ کے حوالے سے کوئی حدیث روایت کی ہے تو انہوں نے کہا میں نے اس کے متعلق عروہ سے کوئی چیز نہیں سنی البتہ سلیمان بن عبدالملک کے دور حکومت میں لوگوں سے ان حضرات کا قول سنا جنہوں نے حضرت عائشہ سے اس حدیث کے بارے میں سوال کیا تھا۔ (جامع ترمذی، جلد اول، رقم الحدیث، 718)

روزوں کی وصیت اور قضاء کا بیان

الإيصاء والقضاء، ولا يجب الإيصاء على من مات قبل زوال عذره بمرض وسفر ونحوه كما تقدم وقضوا ماقدروا على قضائه بقدر الإقامة والصحة ولا يشترط التتابع فى القضاء فإن جاء رمضان آخر قدم على القضاء ولا فدية بالتأخير اليه الفدية للشيخ الفانى ويجوز الفطر لشيخ فان وعجوز فانية وتلزمهما الفدية لكل يوم نصف صاع من بر نذر صوم الأبد كمن نذر صوم الأبد فضعف عنه لاشتغاله بالمعيشة يفطر ويفدى فإن لم يقدر على الفدية لعسرته يستغفر الله سبحانه ويستقيله العجز عن الكفارة،

ترجمہ

روزوں کی وصیت اور قضاء کرنے کے بیان میں ہے۔ اور جو شخص مرض یا سفر وغیرہ جیسے عذر ختم ہو جانے سے پہلے فوت ہو گیا ہے تو اس پر روزوں کی وصیت کرنا واجب نہیں ہے۔ جس طرح پہلے گزر چکا ہے۔ کہ وہ اقامت اور تندرستی کے مطابق قضاء کریں۔ اور قضاء کے روزوں میں تسلسل کی شرط نہیں ہے۔ اور جب دوسرا رمضان آ جائے۔ تو قضاء کو مقدم کیا جائے گا۔ اور اس تاخیر کے سبب شیخ فانی کی جانب سے کوئی فدیہ نہ ہوگا۔ اور شیخ فانی اور بڑھیا کے لئے افطار کرنا جائز ہے۔ اور ان دونوں پر ہر دن کے بدلے

میں گندم کا نصف فدیہ واجب ہے۔

ہمیشہ کے روزے کی نذر ماننا کہ وہ ہمیشہ روزے رکھے گا جبکہ معیشت کے سبب ایسا کرنے سے عاجز ہے تو وہ افطار کرے۔اور فدیہ دیدے۔اور وہ غربت کے سبب وہ فدیے پر قادر نہیں ہے۔تو وہ اللہ تعالیٰ سے بخشش طلب کرے۔اور وہ عجز کے سبب معافی ہی اس کی جانب سے کفارہ ہوگا۔

قضاء روزں کے عدم تسلسل میں آثار کا بیان

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ان کو متفرق دنوں میں رکھنے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا حکم صرف یہ ہے کہ دوسرے دنوں میں گنتی مکمل کرو۔

حضرت سعید بن میسب نے کہا کہ (ذی الحجہ کے) دس روزے اس شخص کے لئے) رکھنا درست نہیں (جس پر رمضان کے روزے واجب ہوں اور ان کی قضا ابھی تک نہ کی ہو، رکھنے بہتر نہیں ہیں بلکہ رمضان کی قضاء پہلے کرنی چاہئے۔

حضرت ابراہیم نخعی نے کہا کہ اگر کسی نے کوتاہی کی (رمضان کی قضا میں) اور دوسرا رمضان بھی آ گیا تو دونوں کے روزے رکھے اور اس پر فدیہ واجب نہیں۔

اب جمہور علماء کے نزدیک رمضان کی قضا پے در پے رکھنا ضروری نہیں ہے۔الگ الگ بھی رکھ سکتا ہے۔یعنی متفرق طور سے اور ابن منذر نے حضرت علی اور حضرت عائشہ سے نقل کیا ہے کہ پے در پے رکھنا واجب ہے۔بعض اہل ظاہر (غیر مقلدین) کا بھی یہی قول ہے۔(جبکہ عمل فقہاء کے مذاہب اور ان کے مستدل آثار پر ہے۔رضوی عفی عنہ)۔

قسم یا قتل کے کفارے کا بیان

ولو وجبت عليه كفارة يمين أو قتل فلم يجد ما يكفر به من عتق وهو شيخ فان أو لم يصم حتى صار فانيا لا يجوز له الفدية لأن الصوم هنا بدل عن غيره صوم التطوع ويجوز للمتطوع الفطر بلا عذر في رواية والضيافة عذر على الأظهر للضيف والمضيف وله البشارة بهذه الفائدة الجليلة متى يلزم المتطوع القضاء واذا أفطر على أى حال عليه القضاء إلا اذا شرع متطوعا في خمسة أيام يومى العيدين وأيام التشريق فلا يلزمه قضاء ها بإفسادها في ظاهر الرواية،

ترجمہ

اور جب اس پر قسم یا قتل کا کفارہ واجب ہوا اور اس کے پاس آزاد کرنے کے لئے کوئی غلام نہیں ہے یا وہ غلام شیخ فانی ہے یا اس نے روزے نہیں رکھے کہ شیخ فانی ہوگیا۔تو اس کے لئے فدیہ جائز نہ ہوگا۔کیونکہ یہاں پر صوم اپنے غیر کا بدل ہے۔اور ایک روایت کے مطابق نفلی روزے میں بغیر کسی عذر کے بھی افطار جائز ہے۔اور ضیافت ظاہر روایت کے مطابق مہمان اور میزبان کے لئے عذر

ہے۔ کیونکہ اس طرح اپنے مسلمان بھائی کو خوش کرنے والے کے لئے بہت بڑا فائدہ ہے۔ اور نفلی روزہ رکھنے والے پر قضاء تب واجب ہوگی جب اس نے قضاء کی حالت میں افطار کیا۔ ہاں جب اس نے نفلی روزہ پانچ دنوں میں یعنی دو عیدین اور ایام تشریق کے دنوں میں رکھا تو ظاہر الروایت کے مطابق روزہ فاسد ہونے کے سبب اس پر قضاء واجب نہ ہوگی۔

شرح

شیخ فانی اور بڑھیا فانیہ کے لیے بھی جائز ہے کہ وہ روزہ نہ رکھیں شیخ فانی اور بڑھیا فانیہ اس مرد اور عورت کو کہتے ہیں جو زندگی کے آخری سٹیج پر پہنچ چکے ہوں، ادائیگی فرض سے قطعاً مجبور اور عاجز ہوں اور جسمانی طاقت وقت روز بروز گھٹتی چلی جارہی ہو یہاں تک کہ ضعف و ناتوانی کے سبب انہیں یہ قطعاً امید نہ ہو کہ آئندہ بھی کبھی روزہ رکھ سکیں گے۔

فدیہ کی فقہی مقدار کا بیان

مذکورہ بالا اعذار میں صرف شیخ فانی اور بڑھیا فانیہ کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنے روزوں کا فدیہ ادا کریں ہاں اس شخص کے لیے فدیہ دینا جائز ہے جس نے ہمیشہ روزے رکھنے کی نذر مانی ہو مگر اس سے عاجز ہو یعنی کوئی شخص یہ نذر مانے کہ میں ہمیشہ روزہ رکھوں گا مگر بعد میں وہ اسباب معیشت کے حصول یا کسی اور عذر کی وجہ سے اپنی نذر کو پورا نہ کر سکتے تو اس کے لیے جائز ہے کہ وہ روزے نہ رکھے البتہ ہر دن فدیہ دے دیا کرے ان کے علاوہ اور تمام اعذار کا مسئلہ یہ ہے کہ عذر زائل ہو جانے کے بعد روزوں کی قضا ضروری ہے فدیہ دینا درست نہیں یعنی فدیہ دینے سے روزہ معاف نہیں ہوگا اسی لیے اگر کوئی معذور اپنے عذر کی حالت میں مرجائے۔ تو اس پر ان روزوں کے فدیہ کی وصیت کر جانا واجب نہیں ہے جو اس کے عذر کی وجہ سے فوت ہوئے ہوں اور نہ اس کے وارثوں پر یہ واجب ہوگا کہ وہ فدیہ ادا کریں خواہ عذر بیماری کا ہو یا سفر کا، یا مذکورہ بالا اعذار میں سے کوئی اور عذر۔ ہاں اگر کوئی شخص اس حالت میں انتقال کرے کہ اس کا عذر زائل ہو چکا تھا اور وہ قضا روزے رکھ سکتا تھا مگر اس نے قضا روزے نہیں رکھے تو اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ ان ایام کے روزوں کے فدیہ کی وصیت کر جائے جن میں مرض سے نجات پا کر صحت مند رہا تھا یا سفر پورا کر کے مقیم تھا اور یا جو بھی عذر رہا ہو وہ زائل ہو چکا تھا۔

اگر کوئی شیخ فانی سفر کی حالت میں انتقال کر جائے تو اس کی طرف سے ان ایام کے روزوں کا فدیہ دینا ضروری نہیں ہوگا۔ جن میں وہ مسافر رہا کیونکہ جس طرح اگر کوئی دوسرا شخص سفر کی حالت میں مرجائے تو اس کے لیے ایام سفر کے روزے معاف ہوتے ہیں اسی طرح اس کے لیے بھی ان ایام کے روزے معاف ہوں گے۔ جس شخص پر فدیہ لازم ہوا اور وہ فدیہ دینے پر قادر نہ ہو تو پھر آخری صورت یہی ہے کہ وہ اللہ رب العزت سے استغفار کرے عجب نہیں کہ ارحم الراحمین اسے معاف کر دے۔

باب ما يلزم الوفاء به من منذور الصوم والصلاة وغيرها

﴿یہ باب نذر کا روزہ اور نماز وغیرہ کو پورا کرنے کے بیان میں ہے﴾

نذر و منت کو پورا کرنے حکم شرعی کا بیان

يُوْفُوْنَ بِالنَّذْرِ وَيَخَافُوْنَ يَوْمًا كَانَ شَرُّهٗ مُسْتَطِيْرًا ۔(الدھر،۷)

جو اپنی نذر پوری کرتے ہیں اور اس دن سے ڈرتے ہیں جس کی مصیبت بہت زیادہ پھیلی ہوئی ہوگی۔

مَنّت یہ ہے کہ جو چیز آدمی پر واجب نہیں ہے وہ کسی شرط سے اپنے اوپر واجب کرے، مثلاً یہ کہے کہ اگر میرا مریض اچھا ہو یا میرا مسافر بخیر واپس آئے تو میں راہِ خدا میں اس قدر صدقہ دوں گا یا اتنی رکعتیں نماز پڑھوں گا۔ اس نذر کی وفا واجب ہوتی ہے۔ معنی یہ ہیں کہ وہ لوگ طاعت و عبادت اور شرع کے واجبات کے عامل ہیں حتّٰی کہ جو طاعاتِ غیرِ واجبہ اپنے اوپر نذر سے واجب کر لیتے ہیں، اس کو بھی ادا کرتے ہیں۔

نذر کی نماز اور روزوں کا بیان

متى يلزم الوفاء بالنذر اذا نذر شيئا لزمه الوفاءِ به اذا اجتمع فيه ثلاثة شروط أن يكون من جنسه واجب وأن يكون مقصودا وأن يكون ليس واجبا فلايلزم الوضوء بنذره ولا سجدة التلاوة ولاعيادة المريض ولا الواجبات بنذرها ويصح بالعتق والاعتكاف والصلاة غير المفروضة والصوم فإن نذر نذرا مطلقا أو معلقا بشرط ووجد لزمه الوفاء به وصح نذر صوم العيدين وأيام التشريق فى المختار ويجب فطرها وقضاء ها وإن صامها أجزأه مع الحرمة وألغينا تعيين الزمان والمكان والدرهم والفقير فيجزئة صوم رجب عن نذره صوم شعبان وتجزئه صلاة ركعتين بمصر نذر أداء هما بمكة والتصدق بدرهم عن درهم عينه له والصرف لزيد الفقير بنذره لعمرو الوفاء قبل الشرط وإن علق النذر بشرط لا يجزئه عنه ما فعله قبل وجود شرطه،

ترجمہ

جب کسی شخص نے نذر مانی تو اس کے لئے نذر کو پورا کرنا لازم ہے جب اس میں تین شرائط جمع ہوں۔ پہلی شرط یہ ہے کہ اس جنس میں واجب موجود ہو۔ دوسری شرط یہ ہے اور وہ چیز عبادت مقصودہ میں سے ہو۔ اور تیسری شرط یہ ہے کہ وہ چیز پہلے ہی واجب

نہ ہو۔ پس وضو کی نذر کو پورا کرنا اور سجدہ تلاوت اور مریض کی عیادت کی نذر کو پورا کرنا واجب نہیں ہے کیونکہ ان کی نذر واجبات میں سے نہیں ہے۔ اور آزادی، اعتکاف اور غیر فرض نماز اور روزے کی نذر ماننا صحیح ہے۔

اور جب کسی شخص نے مطلق طور پر نذر مانی یا اس کو شرط کے ساتھ معلق کیا اور اس کو پورا کرنا بھی پایا گیا ہے۔ اور مذہب مختار کے مطابق عیدین اور ایام تشریق کے روزوں کی نذر ماننا صحیح ہے۔ اور ان میں افطار واجب ہے اور ان کی قضاء ہے۔ اور اگر اس نے وہ روزے رکھے تو حرمت کے ساتھ نذر کے لئے کافی ہوں گے۔

ہمارے نزدیک زمان و مکان اور درہم وفقیر کا تعین فضول ہے۔ لہٰذا جس شخص نے رجب میں روزے رکھنے کی نذر مانی تو شعبان میں روزہ رکھنا نذر کے لئے کافی ہوگا۔ اور شہر میں دو رکعات پڑھنا کافی ہوگا جب کسی ان دو رکعات کو مکہ میں ادا کرنے کی نذر مانی ہے۔ اور کسی معین درہم کی طرف سے کوئی بھی درہم صدقہ کرنا کافی ہوگا۔ اور زید نامی فقیر کے لئے نذر ماننے والے کے لئے عمر کو نذر دینا جائز ہے۔ اور یہ شرط یہ پہلے پورا کرنا ہے۔ اور جب نذر کسی شرط کے ساتھ معلق ہو تو وہ وجود شرط سے پہلے کیے گئے فعل سے کافی نہ ہوگی۔

نذر کو پورا کرنے کے بارے میں احکام شرع کا بیان

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ میں نے جاہلیت میں یہ نذر مانی تھی کہ ایک رات (اور ایک دن جیسا کہ دوسری روایت میں وضاحت ہے) مسجد حرام میں اعتکاف کروں گا (تو کیا وہ نذر پوری کرنی میرے لئے ضروری ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنی نذر پوری کرو۔ (بخاری ومسلم)

علامہ علاؤالدین کاسانی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں اور نذر سے مراد قربت مقصود ہوتی ہے۔ لہٰذا مریض کی عیادت، جنائز کے پیچھے چلنا، وضو کرنا، غسل کرنا، مسجد میں داخل ہونا اور اذان وغیرہ دینے کی نذر جائز نہیں ہے۔ کیونکہ یہ عبادات قربت تو ہیں لیکن قربت مقصود یعنی عبادات مقصودہ نہیں ہیں۔

جبکہ نماز، روزہ، حج، عمرہ اور ان کا احرام، اعتکاف، بدنہ اور قربانی وغیرہ کی نذر جائز ہے کیونکہ یہ عبادات مقصودہ ہیں۔ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے اللہ کی اطاعت کی نذر مانی تو وہ اللہ کی اطاعت کرے۔ اور جس نے نذر مانی اور اس میں (کسی عبادت) کو ذکر کیا تو اس ذکر کردہ عبادت کو کرنا چاہیے۔ ہاں البتہ اگر وہ عبادت غیر مقصودہ ہو تو پھر بھی اس کے عموم کے پیش نظر اس پر عمل کرنا واجب ہے۔

جو اس کے سوا ہے۔ اور ہمارے مشائخ نے کہا ہے جس نے اسی کو اصل بنایا ہے۔ اس کے لئے فرائض والی اصل ہوگی۔ اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اعتکاف جو نماز روزے کے ساتھ ہو یا ان کے سوا ہے اس میں بھی فرائض والی اصل ہے۔ اعتکاف میں اسی طرح اصل ہے جس طرح فرائض میں اصل ہوتی ہے اور ایسے ہی ہے جس طرح وقوف عرفہ ہے۔ اور جن کی اصل فرائض والی اصل نہیں ہے ان کی نذر جائز نہیں ہے۔ جس طرح مریض کی عیادت و دخول مسجد وغیرہ ہے۔ اور مسئلہ کی دلیل یہ ہے۔ کہ نذر کو پورا کرنا بندے پر واجب ہے۔ پس اس کا ایجاب (وجوب) اللہ تعالی کی طرف سے ہوگا۔ (بدائع الصنائع، بیان رکن نذر)

باب الاعتکاف

﴿یہ باب اعتکاف کے بیان میں ہے﴾

اعتکاف کے فقہی معنی ومفہوم کا بیان

اعتکاف کا لغوی معنی ٹھہرنا، رکنا ہے۔(لسان العرب 252/9، المصباح المنیر ,424/2 وغیرہ) اصطلاحی معنی عبادت کی غرض سے مسجد کو لازم پکڑنا ہے۔لغوی اعتبار سے اعتکاف کا معنی کسی چیز پر جم کر بیٹھ جانا اور نفس کو اس کے ساتھ لگائے رکھنا ہے۔

اور اسی طرح اعتکاف کے معنی ہیں ایک جگہ ٹھہرنا اور کسی مکان میں بند رہنا اور اصطلاح شریعت میں اعتکاف کا مفہوم ہے اللہ رب العزت کی رضا وخوشنودی کی خاطر اعتکاف کی نیت کے ساتھ کسی جماعت والی مسجد میں ٹھہرنا۔

اعتکاف کے لیے نیت اسی مسلمان کی معتبر ہے جو عاقل ہو اور جنابت اور حیض ونفاس سے پاک وصاف ہو، رمضان کے آخری عشرہ میں اعتکاف سنت مؤکدہ ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کے آخری عشرہ میں ہمیشہ اعتکاف فرماتے تھے درمختار میں لکھا ہے کہ سنت مؤکدہ علی الکفایہ ہے یعنی اگر ایک شخص بھی اعتکاف کر لے تو سب کی طرف سے حکم ادا ہو جاتا ہے اور اس صورت میں اعتکاف نہ کرنے والوں پر کوئی ملامت نہیں۔

اعتکاف کے ثبوت کا دلیل شرعی سے ہونے کا بیان

وَعَهِدْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ اَنْ طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْعٰكِفِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ۔(البقرہ، ۱۲۵)

اور ہم نے ابراہیم اور اسماعیل (علیہما السلام) کو تاکید فرمائی کہ میرے گھر کو طواف کرنے والوں اور اعتکاف کرنے والوں اور رکوع وسجود کرنے والوں کے لئے پاک (صاف) کر دو۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کے آخری دنوں میں اعتکاف فرمایا کرتے تھے، ایک سال غالباً کسی عذر کی بناء پر آپ نے اعتکاف نہیں کیا جب دوسرا سال آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس رمضان میں بیس دن اعتکاف کیا۔(ترمذی، ابوداؤد، مشکوۃ شریف: جلد دوم: رقم الحدیث، 613)

اور ابن ماجہ نے اس روایت کو ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے۔تشریح غالباً یہ حدیث اس گزشتہ روایت کی وضاحت ہے جو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے اور جس میں بتایا گیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی کے آخری سال میں بیس دن اعتکاف فرمایا۔

علامہ طیبی کے مطابق یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اگر سنت مؤکدہ فوت ہو جائیں تو ان کی بھی قضا کی جائے جیسا

کہ فرائض کی قضا کی جاتی ہے لیکن اس بارہ میں یہ بات ملحوظ رہے کہ تشبیہ صرف قضا کے بارہ میں ہے ورنہ تو فرائض کی قضا بھی فرض ہے اور سنن مؤکدہ کی قضا سنت ہے فرض یا واجب نہیں ہے۔

مسجد میں اعتکاف کرنے کا بیان

تعریفه هو الإقامة بنيته في مسجد تقام فيه الجماعة بالفعل للصلوات الخمس فلا يصح في مسجد لاتقام فيه الجماعة للصلوات على المختار وللمرأة الاعتكاف في مسجد بيتها وهو محل عينته للصلاة فيه اقسام الاعتكاف،

والاعتكاف على ثلاثة أقسام واجب في المنذور وسنة كفاية مؤكدة في العشر الأخير من رمضان ومستحب فيما سواه والصوم شرط لصحة المنذور فقط وأقله نفلا مدة يسيرة ولو كان ماشيا على المفتى به خروج المعتكف من المسجد ولا يخرج منه إلا لحاجة شرعية كالجمعة أو طبيعية كالبول أو ضرورية كانهدام المسجد وإخراج ظالم كرها وتفرق أهله وخوف على نفسه أو متاعه من المكابرين فيدخل مسجدا غيره من ساعته فإن خرج ساعة بلا عذر فسد الواجب وانتهى به غيره،

ترجمہ

اعتکاف کی تعریف یہ ہے کہ پانچ وقتہ نماز باجماعت والی مسجد میں اعتکاف کی نیت سے ٹھہرنا ہے۔مختار مذہب کے مطابق جس میں مسجد میں پانچ وقتہ نماز باجماعت نہیں ہوتی اس میں اعتکاف درست نہ ہوگا۔اور عورت کے لئے گھر کی مسجد میں اس کا اعتکاف ہے اور وہ جگہ ہے جو اس نے نماز کے لئے معین کی ہے۔اور اعتکاف کی اقسام بھی ہیں۔

اعتکاف کی تین اقسام ہیں۔(۱) واجب ہے جو نذر والا ہے (۲) سنت کفائیہ مؤکدہ جو رمضان المبارک کے آخری عشرے کا اعتکاف ہے۔(۳) مستحب۔جو ذکر کردہ اعتکاف کے سوا ہے۔اور نذر والے اعتکاف کی صحت کے لئے روزہ شرط ہے۔اور نفلی اعتکاف کم از کم چلنے کی مدت ہے اور وہ تھوڑا سا چلنا ہی کیوں نہ ہو اسی پر فتویٰ ہے۔

معتکف حاجت شرعیہ کے بغیر مسجد سے باہر نہیں جا سکتا اور حاجت شرعیہ جس طرح جمعہ ہے اور حاجت طبعیہ جس طرح پیشاب کے لئے جانا ہے اور حاجت ضروریہ جس طرح مسجد کا گر جانا ہے اور ظالم کا زبردستی معتکف کو نکالنا ہے۔اور اہل محلّہ کا کوچ کر جانا ہے۔اور ظالموں سے جان و مال کے نقصان کا خطرہ ہو لہٰذا معتکف اسی وقت دوسری مسجد میں چلا جائے کیونکہ اگر وہ بغیر عذر ایک ساعت کے لئے نکلا تو اس کا واجب فاسد ہو جائے گا۔لہٰذا وہ دوسری مسجد میں ہی جا کر رکے۔

عورتوں کے لئے گھر میں اعتکاف کرنے کا بیان

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کے آخری عشرہ میں اعتکاف فرماتے تھے یہاں تک

کہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس دنیا سے اٹھایا پھر آپ کی ازواج مطہرات نے اعتکاف کیا۔

(بخاری ومسلم، مشکوۃ شریف، جلد دوم، رقم الحدیث، 608)

حدیث کے آخری جملہ کا مطلب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات اپنے گھروں میں اعتکاف کیا کرتی تھیں اسی لئے فقہا نے لکھا ہے کہ عورتوں کے لئے مستحب ہے کہ وہ مسجد البیت گھر کی مسجد میں اعتکاف کریں اگر مسجد البیت نہ ہو تو مکان کے کسی حصہ کو مسجد قرار دے کر اس میں اعتکاف کریں بلا ضرورت اس حصہ سے باہر نہ نکلیں مکان کا وہ حصہ ہی ان کے حق میں مسجد کے حکم میں ہو جائے گا چنانچہ عورتوں کو مسجد میں اعتکاف کرنا مکروہ ہے۔

رمضان المبارک میں آخری عشرے کے اعتکاف کا بیان

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہر سال ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے قرآن کریم پڑھا جاتا تھا یعنی حضرت جبرائیل علیہ السلام پڑھتے تھے لیکن جس سال کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا سے تشریف لے گئے آپ کے سامنے دو مرتبہ قرآن کریم پڑھا گیا، اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہر سال دس دن اعتکاف فرماتے تھے لیکن جس سال کہ آپ کا وصال ہوا آپ نے بیس دن اعتکاف کیا۔ (بخاری ومسلم، مشکوۃ شریف، جلد دوم، رقم الحدیث، 610)

اس سے پہلے کی حدیث سے تو یہ معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت جبرائیل علیہ السلام کے سامنے قرآن پڑھا کرتے تھے اور یہ حدیث یہ بتا رہی ہے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے قرآن پڑھتے تھے مگر ان دونوں میں کوئی تعارض نہیں ہے کیونکہ ایک مرتبہ تو حضرت جبرائیل قرآن پڑھتے ہوں گے اور پھر اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت جبرائیل علیہ السلام کے سامنے تلاوت فرماتے ہوں گے جیسا کہ دو حافظ دور کرتے (آپس میں ایک دوسرے کو قرآن سناتے ہیں) گویا اس سے یہ بات ثابت ہوئی کہ دور کرنا بھی سنت ہے۔ آپ نے اپنی زندگی کے آخری سال میں خلاف معمول دو مرتبہ قرآن کریم کا دور کیا اور بیس دن اعتکاف میں گزارے کیونکہ اللہ رب العزت کی بارگاہ میں حاضری کا وقت قریب تھا اور منزل شوق سامنے! پھر وہ عشق کی ساری بے تابیاں اور وصال محبوب کا شوق کچھ اور فزوں کیوں نہ ہو جاتا سچ کہا ہے کہنے والے نے وعدہ وصل چوں شود نزدیک آتش شوق تیز تر گردد (محبوب سے ملاقات کا وعدہ جب پورا ہونے کو آتا ہے تو آتش شوق زیادہ سے زیادہ بھڑک اٹھتی ہے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس عمل میں امت کے لئے ایک لطیف انتباہ ہے کہ وہ ہر انسان کے لئے ضروری ہے کہ جب وہ اپنی زندگی کے آخری درجہ میں پہنچے تو نیکی و بھلائی کے راستہ پر معمول سے بھی زیادہ تیز گام ہو جائے اور اللہ رب العزت کی ملاقات اور اس کے سامنے اپنی پیشی کے لئے اطاعت وفرمانبرداری اور نیکوکاری کے ذریعہ پوری پوری تیاری کرے۔

معتکف کے اعمال کا بیان

اعمال المعتكف وأكل المعتكف وشربه ونومه وعقده البيع لما يحتاجه لنفسه أو عياله في المسجد وكره إحضار المبيع فيه وكره عقد ما كان للتجارة وكره الصمت إن اعتقده قربة

والتكلم إلا بخير وحرم الوطء ودواعيه وبطل بوطئه وبالإنزال بدواعيه نذر الأيام والليالى ولزمته الليالى أيضا بنذر اعتكاف أيام ولزمته الأيام بنذر الليالى متتابعة وإن لم يشترط التتابع فى ظاهر الرواية ولزمته ليلتان بنذر يومين وصح نية النهر خاصة دون الليالى وإن نذر اعتكاف شهر ونوى النهر خاصة أو الليالى خاصة لاتعمل نيته إلا أن يصرح بالاستثناء مشروعية الاعتكاف ومنزلته وحكمته والاعتكاف مشروع بالكتاب والسنة وهو من أشرف الأعمال اذا كان عن إخلاص ومن محاسنه أن فيه تفريغ القلب من أمور الدنيا وتسليم النفس الى المولى وملازمة عبادته فى بيته والتحصن بحصنه،

ترجمہ

اعتکاف والے کے لئے کھانا، پینا، سونا اور اپنے لئے اور ضروریات اہل خانہ کے لئے بیع کا عقد کرنا مباح ہے۔ہاں مبیع کو لانا مکروہ ہے۔اور تجارت کے لئے عقد کرنا مکروہ ہے۔اور قربت کی نیت سے خاموش رہنا بھی مکروہ ہے۔لہٰذا وہ صرف اچھا کلام کرے۔

اور وطی اور اس کے دواعی اس پر حرام ہیں۔لہٰذا اعتکاف وطی اور اس کے دواعی کے سبب انزال سے باطل ہو جائے گا۔اور دنوں کی نذر والے اعتکاف میں راتیں بھی داخل ہوں گی اور راتوں کے اعتکاف کی نذر میں دن کی شامل ہوں گے کیونکہ ان میں تسلسل ہے۔ظاہر الروایت کے مطابق اگرچہ ان میں تسلسل کی شرط نہ تھی۔

اور دونوں راتیں بھی لازم ہوں گی جب اس نے دو دنوں کے اعتکاف کی نیت کی۔اور خاص دن کی نیت صحیح ہے جبکہ اس میں راتیں داخل نہ ہوں گی۔

اور جب کسی نے ایک مہینے کے اعتکاف کی نیت اور صرف دن کو خاص کیا یا راتوں کو تو اس کی نیت کا اعتبار نہ کیا جائے گا ہاں البتہ جب وہ استثناء کے ذریعے تصریح کر دے۔

اعتکاف کی مشروعیت، اس کا مقام اور حکمت۔اعتکاف کی مشروعیت کتاب وسنت ہے اور جب وہ اخلاص سے ہو تو وہ افضل الاعمال ہے۔اور اس کے محاسن یہ ہیں کہ دل کا دنیاوی کاموں سے فارغ ہونا ہے۔اور اپنے نفس کو مولیٰ کی جانب سپرد کرنا ہے۔اور اس کے گھر میں عبادت کو لازم کر لینا ہے اور اس کے قلعہ میں پناہ لینا ہے۔

معتکف کے لئے حاجات شرعیہ وطبعیہ کے بغیر مسجد سے باہر نہ جانے کا بیان

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب اعتکاف کی حالت میں ہوتے تو مسجد میں بیٹھے بیٹھے اپنا سر مبارک میری طرف کر دیتے اور میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بالوں میں کنگھی کر دیتی نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم حاجت انسانی کے علاوہ گھر میں داخل نہیں ہوتے تھے۔(بخاری ومسلم، مشکوۃ شریف، جلد دوم، رقم الحدیث، 611)

یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ اگر معتکف اپنا کوئی عضو مسجد سے باہر نکالے تو اس سے اعکاف باطل نہیں ہوتا نیز اس حدیث سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ معتکف کے لئے کنگھی کرنا جائز ہے۔ علامہ ابن ہمام فرماتے ہیں کہ اگر معتکف اپنے جسم کا کوئی عضو مسجد کے اندر کسی برتن میں دھوئے تو کوئی مضائقہ نہیں بشرطیکہ اس سے مسجد آلودہ نہ ہو۔ حاجت انسانی کے ضمن میں حضرت امام اعظم کا مسلک یہ ہے کہ اگر معتکف بغیر حاجت وضرورت کے ایک منٹ کے لئے بھی معتکف سے نکلے گا تو اس کا اعتکاف فاسد ہو جائے گا۔ حاجت یا ضرورت کی دو قسمیں ہیں اول طبعی جیسے پاخانہ پیشاب اور غسل جنابت یعنی احتلام ہو جانے کی صورت میں غسل کرنا۔ البتہ جمعہ کے غسل کے بارہ میں کوئی صریح روایت منقول نہیں ہے مگر شرح اوراد میں لکھا ہے کہ غسل کے لئے معتکف سے باہر نکلنا جائز ہے غسل خواہ واجب ہو (جیسے غسل جنابت) یا نفل ہو (جیسے غسل جمعہ وغیرہ۔ دوم شرعی جیسے نماز عیدین اور اذان یعنی اگر اذان کہنے کی جگہ مسجد سے باہر ہو تو وہاں جانا بھی حاجت کے ضمن میں آتا ہے ان سے اعتکاف باطل نہیں ہوگا پھر یہ کہ صحیح روایت کے بموجب اس حکم میں مؤذن اور غیر مؤذن دونوں شامل ہیں نماز جمعہ کے لئے باہر نکلنا بھی حاجت یا ضرورت کے تحت آتا ہے۔ لیکن اس بارہ میں یہ بات ملحوظ رہے کہ نماز جمعہ کے لئے اپنے معتکف سے زوال آفتاب کے وقت نکلے یا اگر جامع مسجد دور ہو تو ایسے وقت نکلے کہ جامع مسجد پہنچ کر جمعہ کی نماز تحیۃ المسجد جمعہ کی سنت کے ساتھ پڑھ سکے، نماز کے بعد کی سنت پڑھنے کے جامع مسجد میں ٹھہرنا جائز ہے اور اگر کوئی شخص نماز سے زیادہ وقت کے لئے جامع مسجد میں ٹھہرے گا تو اگرچہ اس کا اعتکاف باطل نہیں ہوگا مگر یہ مکروہ تنزیہی ہے اسی طرح اگر کسی معتکف کے ہاں خادم وملازم وغیرہ نہ ہو تو کھانا کھانے یا کھانا لانے کے لئے گھر جانا بھی ضرورت میں داخل ہے۔ اگر مسجد گرنے لگے، یا کوئی شخص زبردستی مسجد سے باہر نکالے اور معتکف اسی وقت اپنے معتکف سے نکل کر فوراً ہی کسی دوسری مسجد میں داخل ہو جائے تو اس کا اعتکاف فاسد نہیں ہوگا استحساناً (بدائع) ایسے ہی اگر کوئی معتکف جان یا مال کے خوف سے کسی دوسری مسجد میں چلا جائے تو اس کا اعتکاف فاسد نہیں ہوگا۔ کوئی معتکف پیشاب و پاخانہ یا اپنی کسی دوسری طبعی وشرعی ضرورت کے تحت معتکف سے باہر نکلا اور وہاں اس کو قرض خواہ مل گیا جس نے اسے ایک منٹ کے لئے بھی روک لیا تو حضرت امام اعظم کے نزدیک اس کا اعتکاف فاسد ہو جائے گا جب کہ صاحبین حضرت امام ابو یوسف اور حضرت امام محمد فرماتے ہیں کہ فاسد نہیں ہوگا۔ کوئی شخص پانی میں ڈوب رہا ہو یا کوئی آگ میں جل رہا ہو اور معتکف اسے بچانے کے لئے باہر نکلے یا جہاد کے لئے جب کہ نفیر عام ہو اور یا گواہی وشہادت دینے کے لئے اپنا معتکف چھوڑ کر باہر آ جائے تو ان صورتوں میں اعتکاف فاسد ہو جائے گا غرضیکہ طبعی یا شرعی حاجت وضرورت کے تحت مذکورہ بالا جو عذر بیان کئے گئے ہیں ان کے علاوہ اگر کوئی معتکف ایک منٹ کے لئے بھی باہر نکلے گا اگرچہ اس کا نکلنا سہواہی کیوں نہ ہو تو اس کا اعتکاف فاسد ہو جائے گا البتہ صاحبین کے ہاں اتنی آسانی ہے کہ اس کا اعتکاف اسی وقت فاسد ہوگا جب کہ وہ دن کا اکثر حصہ باہر نکلا رہے۔ مذکورہ بالا حدیث سے ایک مسئلہ یہ بھی اخذ کیا جا سکتا ہے کہ معتکف کے لئے مسجد میں حجامت بنوانی جائز ہے بشرطیکہ بال وغیرہ مسجد میں نہ گریں۔

معتکف کی بیع وشراء کا بیان

معتکف اگر اشیاء حاضر کیے بغیر خرید وفروخت کرے تو اس کے لئے جائز ہے۔ حضرت امام شافعی نے کہا ہے کہ بیع وشراء کرے

لیکن اس میں کثرت سے مصروف نہ ہو۔

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا کہ وہ کھانا خریدنے کے لئے مسجد سے باہر نکل سکتا ہے لیکن پھر وہ لوٹ آئے۔ اور جوامع الفقہ میں ہے کہ اشیاء حاضر کیے بغیر چیزوں کی بیع وشراء جائز ہے۔ احناف کا مؤقف متن قدوری میں آپ سمجھ چکے ہیں۔

بغیر ضرورت کے معتکف کی بیع کی ممانعت

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص روایت کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں خرید وفروخت سے اور (دنیوی) اشعار پڑھنے سے منع فرمایا۔ (سنن ابن ماجہ، باب المساجد)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کچھ کام مسجد میں نہیں ہونے چاہئیں مسجد کو گزرگاہ نہ بنایا جائے اس میں ہتھیار نہ سونتا جائے کمان نہ پکڑی جائے تیر نہ پھیلائے جائیں۔ کچا گوشت لے کر نہ گزرا جائے حد مسجد کے اندر نہ لگائی جائے کسی سے مسجد میں قصاص نہ لیا جائے مسجد کو بازار نہ بنایا جائے۔ (سنن ابن ماجہ، باب المساجد)

مسجد میں خرید وفروخت اور کاروباری نوعیت کی بات چیت کرنا، کھیل اور تفریح پر گفتگو کرنا، باہر کوئی چیز کھوگئی ہو تو مسجد کے اندر آ کر حاضرین کے سامنے اُس کا اعلان کرنا، شعروشاعری کی مجلس لگانا؛ یہ تمام اقسامِ کلام معابد کی روح کے صریح منافی ہونے کی بنا پر مسجد کے احاطے میں قطعاً مناسب نہیں ہیں۔ چنانچہ اِن سے بہرصورت احتراز کیا جائے۔

بعض روایتوں میں بیان ہوا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں خرید وفروخت کرنے، کھوئی ہوئی چیز کا اعلان کرنے اور شعروشاعری کرنے سے منع فرمایا ہے۔ (مسند احمد، رقم، 6676)

حالت اعتکاف میں جماع ومباشرت کی ممانعت کا بیان

امام ابوداؤد علیہ الرحمہ اپنی سند کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اعتکاف کرنے والے کے لیے یہ سنت (یعنی ضروری) ہے کہ وہ نہ تو (بالقصد اور ٹھہر کر) مریض کی عیادت کرے اور نہ مسجد سے باہر مطلقاً نماز جنازہ میں شریک ہو نیز نہ عورت سے صحبت کرے نہ عورت سے مباشرت کرے اور نہ علاوہ ضروریات کے مثلاً پیشاب و پاخانہ کے علاوہ کسی دوسرے کام سے باہر نکلے اور روزہ اعتکاف کے لیے ضرور ہے اور اعتکاف مسجد جامع ہی میں صحیح ہوتا ہے۔ (ابوداؤد)

مباشرت سے وہ چیزیں مراد ہیں جو جماع کا ذریعہ اور باعث بنتی ہیں جیسے بوسہ لینا بدن سے لپٹانا اور اسی قسم کی دوسری حرکات لہٰذا ہم بستری اور مباشرت معتکف کے لیے حرام ہیں فرق صرف اتنا ہے کہ ہم بستری سے اعتکاف باطل بھی ہو جاتا ہے خواہ عمداً کی جائے یا سہواً اور خواہ دن میں ہو یا رات میں، جب کہ مباشرت سے اعتکاف اسی وقت باطل ہوگا جب کہ انزال ہو جائے گا اگر انزال نہیں ہوگا تو اعتکاف باطل نہیں ہوگا۔

معتکف کے لئے مسجد میں کھانا پینا اور سونا جائز ہے اسی طرح خرید وفروخت بھی جائز ہے بشرطیکہ اشیاء خرید وفروخت مسجد میں نہ لائی جائیں کیونکہ اشیاء خرید وفروخت کو مسجد میں لانا مکروہ تحریمی ہے نیز یہ کہ معتکف خرید وفروخت صرف اپنی ذات یا اپنے اہل و عیال کی ضرورت کے لئے کرے گا تو جائز ہوگا اور اگر تجارت وغیرہ کے لئے کرے گا تو جائز نہیں ہوگا یہ بات ذہن نشین رہے کہ مسجد

میں خرید وفروخت غیر معتکف کے لئے کسی بھی طرح جائز نہیں ہے حالت اعتکاف میں بالکل چپ بیٹھنا بھی مکروہ تحریمی ہے جب کہ معتکف مکمل خاموشی کو عبادت جانے ہاں بری باتیں زبان سے نہ نکالے جھوٹ نہ بولے غیبت نہ کرے بلکہ قرآن مجید کی تلاوت نیک کام، حدیث وتفسیر اور انبیاء صالحین کے سوانح پر مشتمل کتابیں یا دوسرے دینی لٹریچر کے مطالعہ، خدا تعالیٰ کے ذکر یا کسی دینی علم کے پڑھنے پڑھانے اور تصنیف وتالیف میں اپنے اوقات صرف کردے۔

حاصل یہ ہے کہ چپ بیٹھنا کوئی عبادت نہیں ہے مباح کلام وگفتگو بھی بلاضرورت مکروہ ہے اور اگر ضرورت کے تحت ہو تو وہ خیر میں داخل ہے فتح القدیر میں لکھا ہے کہ مسجد میں بے ضرورت کلام کرنا حسنات کو اس طرح کھا جاتا ہے (یعنی نیست ونابود کردیتا ہے) جیسے آگ خشک لکڑیوں کو۔

حدیث کے الفاظ اعتکاف کے لئے روزہ ضروری ہے، یہ بات وضاحت کے ساتھ ثابت ہوئی کہ اعتکاف بغیر روزہ کے صحیح نہیں ہوتا چنانچہ اس بارے میں حنفیہ کے مسلک کی دلیل یہی حدیث ہے، مسجد جامع سے مراد وہ مسجد ہے جس میں لوگ باجماعت نماز پڑھتے ہوں۔

چنانچہ حضرت امام اعظم سے منقول ہے کہ اعتکاف اسی مسجد میں صحیح ہوتا ہے جس میں پانچوں وقت کی نمازیں جماعت سے پڑھی جاتی ہوں، امام احمد کا بھی یہی قول ہے۔

حضرت امام مالک، حضرت امام شافعی اور صاحبین کے نزدیک ہر مسجد میں اعتکاف درست ہے اگر مسجد جامع سے جمعہ مسجد مراد لی جائے تو پھر اس کا مفہوم یہ ہوگا کہ اعتکاف جمعہ مسجد میں افضل ہے چنانچہ علماء لکھتے ہیں کہ افضل اعتکاف وہ ہے جو مسجد حرام میں ہو پھر وہ مسجد نبوی میں ہو پھر وہ مسجد اقصیٰ یعنی بیت المقدس میں ہو پھر وہ جامع مسجد میں ہو پھر وہ جو اس مسجد میں ہو جس میں نمازی بہت ہوں۔

اعتکاف کی حالت میں عورتوں سے مباشرت نہ کرو ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول ہے جو شخص مسجد میں اعتکاف میں بیٹھا ہو خواہ رمضان میں خواہ اور مہینوں میں اس پر دن کے وقت یا رات کے وقت اپنی بیوی سے جماع کرنا حرام ہے جب تک اعتکاف پورا نہ ہو جائے حضرت ضحاک فرماتے ہیں پہلے لوگ اعتکاف کی حالت میں بھی جماع کرلیا کرتے تھے جس پر یہ آیت اتری اور مسجد میں اعتکاف کئے ہوئے پر جماع حرام کیا گیا مجاہد اور قتادہ بھی یہی کہتے ہیں پس علمائے کرام کا متفقہ فتویٰ ہے کہ اعتکاف والا اگر کسی ضروری حاجت کے لئے گھر میں جائے مثلاً پیشاب پاخانہ کے لئے یا کھانا کھانے کے لئے تو اس کام سے فارغ ہوتے ہی مسجد میں چلا آئے وہاں ٹھہرنا جائز نہیں نہ اپنی بیوی سے بوس وکنار وغیرہ جائز ہے نہ کسی اور کام میں سوائے اعتکاف کے مشغول ہونا اس کے لئے جائز ہے بلکہ بیمار کی بیمار پرسی کے لئے بھی جانا جائز نہیں ہاں یہ اور بات ہے کہ چلتے چلتے پوچھ لے اعتکاف کے اور بھی بہت سے احکام ہیں بعض میں اختلاف بھی ہے۔

اعتکاف کی نذر سے متعلق فقہی تصریحات کا بیان

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ میں نے

جاہلیت میں یہ نذر مانی تھی کہ ایک رات (اور ایک دن جیسا کہ دوسری روایت میں وضاحت ہے) مسجد حرام میں اعتکاف کروں گا (تو کیا وہ نذر پوری کرنی میرے لئے ضروری ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنی نذر پوری کرو۔

(بخاری و مسلم، مشکوۃ شریف، جلد دوم، رقم الحدیث، 612)

جاہلیت، اس حالت کو کہتے ہیں جس میں اہل عرب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت سے پہلے تھے بعض حضرات کہتے ہیں کہ جاہلیت سے مراد وہ حالت ہے جو اسلام کی تبلیغ عام اور اس کے ظہور سے پہلے تھی حاصل یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اور اسلام کے ظہور سے قبل عرب میں جو معاشرہ تھا اسے جاہلیت اور اس وقت جو دور تھا اسے زمانہ جاہلیت کہا جاتا ہے۔ ارشاد گرامی اپنی نذر پوری کرو، میں یہ حکم بطور استحباب تھا اگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کرنے سے قبل نذر مانی تھی اور اگر اسلام قبول کرنے کے بعد یہ نذر مانی تھی تو پھر یہ حکم بطور وجوب تھا۔ علامہ طیبی کے مطابق یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ بحالت جاہلیت مانی گئی نذر اسلام کے احکام کے موافق ہوگی تو اسلام قبول کرنے کے بعد اس نذر کو پورا کرنا واجب ہوگا۔

چنانچہ حضرت امام شافعی کا مسلک یہی ہے مگر حضرت امام اعظم ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ وہ نذر صحیح ہی نہیں ہوگی چہ جائیکہ اسلام کے بعد اس کا پورا کرنا ضروری ہو؟ امام اعظم کی دلیل فقہ کی کتابوں میں مذکور ہے، اس حدیث کے وہ وہی معنی مراد لیتے ہیں جو اوپر ذکر کئے گئے ہیں۔ اعتکاف واجب کے لئے روزہ شرط ہے علامہ طیبی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ اعتکاف کے صحیح ہونے کے لئے روزہ شرط نہیں ہے جیسا کہ حضرت امام شافعی کا مسلک ہے لیکن حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کا مسلک بروایت ظاہر یہ ہے کہ نفل اعتکاف کے لئے تو روزہ شرط نہیں ہے لیکن اعتکاف واجب کے لئے واجب ہے، صاحبین کا بھی یہی قول ہے اور حنفیہ کے یہاں اسی پر فتویٰ ہے۔

حضرت امام مالک اور ایک دوسری روایت کے مطابق حضرت امام اعظم بھی یہ فرماتے ہیں کہ مطلقاً اعتکاف کے لئے روزہ شرط ہے خواہ واجب ہو یا نفل۔ حنفیہ کی طرف سے اس حدیث کے بارہ میں کہا جاتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اعتکاف کے سلسلہ میں اس کے علاوہ جو اور روایتیں منقول ہیں ان میں اعتکاف کے ساتھ روزہ بھی ذکر ہے۔

چنانچہ ابوداؤد، نسائی اور دار قطنی نے جو روایت نقل کی ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جاہلیت میں اپنے اوپر یہ لازم کیا کہ ایک رات اور ایک دن یا صرف ایک دن کعبہ کے اندر اعتکاف کریں گے پھر جب انہوں نے اس سلسلہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اعتکاف کرو اور روزہ رکھو۔ یہ تو گویا اس حدیث کا جواب تھا جہاں تک حنفیہ کی دلیل کا تعلق ہے تو ابھی آگے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ایک حدیث ولا اعتکاف الا بصوم آرہی ہے جس سے یہ بات وضاحت کے ساتھ ثابت ہو جائے گی کہ اعتکاف واجب بغیر روزہ کے صحیح نہیں ہوتا، چنانچہ اگر کوئی شخص نذر مان کر صرف رات کے اعکاف کی نیت کرے تو وہ لغو سمجھی جائے گی کیونکہ رات روزے کا محل نہیں ہے ہاں اگر کسی نے یہ نذر مانی کہ میں رمضان میں اعتکاف کروں گا تو رمضان کے روزے اعتکاف کے صحیح ہونے کے لئے کافی ہو جائیں گے۔

اسی طرح اگر کسی شخص نے نفل روزہ رکھا اور پھر اس دن اعتکاف کی نذر کی تو یہ صحیح نہیں ہوگا۔ اگر کسی شخص نے نذر مانی کہ فلاں

رمضان میں اعتکاف کروں گا مگر اس نے اس متعین رمضان میں اعتکاف نہیں کیا تو اس کے لئے ضروری ہوگا کہ وہ بطور قضا دوسرے دنوں میں اعتکاف کرے اور مستقل طور پر اعتکاف کے لئے روزے رکھے، چنانچہ یہ قضا نہ کسی دوسرے رمضان میں صحیح ہوگی اور نہ ایسے دنوں میں جس میں کوئی اور واجب روزہ رکھ رہا ہو خواہ وہ واجب روزے رمضان کے قضا روزے ہوں کسی اور طرح کے۔ اگر کوئی شخص کئی دنوں کے اعتکاف کی نیت کرے تو ان دنوں کی راتوں کا اعتکاف بھی لازم ہو جاتا ہے اسی طرح دو دنوں کے اعکاف کی نذر ماننے سے ان کی دو راتوں کا اعتکاف بھی لازم ہو جاتا ہے۔

لیکن حضرت امام ابو یوسف کے نزدیک اس صورت میں صرف ایک رات ہی کا اعتکاف لازم ہوتا ہے۔ اگر کوئی شخص نذر مانے کہ میں ایک مہینہ کا اعتکاف کروں گا تو اس پر ایک مہینہ کا اعتکاف علی الاتصال ہوگا، چاہے اس نے نذر مانتے وقت علی الاتصال نہ کہا ہو۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نقل کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب اعتکاف فرماتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے مسجد نبوی میں ستون توبہ کے آگے یا پیچھے آپ کا بچھونا بچھایا جاتا تھا یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی چارپائی رکھ دی جاتی تھی۔

(ابن ماجہ، مشکوۃ شریف: جلد دوم: رقم الحدیث، 617)

مسجد نبوی کے ستونوں میں سے ایک ستون کا نام ہے ستون توبہ اور اس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ ایک صحابی حضرت ابولبابہ انصاری رضی اللہ عنہ سے ایک تقصیر ہوگئی تھی جس کی بناء پر انہوں نے اپنے آپ کو اس ستون سے باندھ دیا اور کئی دن تک اسی طرح بندھے رہے اس کے بعد جب ان کی توبہ قبول ہوئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اس ستون سے کھولا۔

اعتکاف والے شخص کی مثال کا بیان

وقال عطاء رحمه الله مثل المعتكف مثل رجل يختلف على باب عظيم لحاجة فالمعتكف يقول لا أبرح حتى يغفر لي وهذا ما تيسر للعاجز الحقير بعناية مولاه القوى القدير،

والحمدلله الذى هدانا لهذا وما كنا لنهتدى لولا أن هدانا الله وصلى الله على سيدنا ومولانا محمد خاتم رسلة وأنبيائه وعلى آله وصحبه وذريته ومن والاه ونسأل الله سبحانه أن يجعله خالصا لوجهه الكريم وأن ينفع به النفع العميم ويجزل به الثواب الجسيم حصيلة الأحكام فى بحثى الحج والزكاة،

ترجمہ

حضرت عطاء علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ جس طرح کوئی ضرورت مند آدمی کسی بادشاہ کے دروازے پر بار بار صدا دیتا ہے اسی طرح اعتکاف والا بھی عظیم دروازے پر حاجت لے کر آتا ہے۔ لہٰذا معتکف کہتا ہے۔ میں اس در کو اس وقت تک نہ چھوڑوں گا جب تک مجھے بخشش عطا نہ ہو جائے۔ فقیر عاجز کو اسی یعنی قدرت والے مولا کی عنایت سے یہی میسر ہوا ہے۔

تمام خوبیاں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے ہمیں یہ ہدایت عطا کی ہے۔ اگر اللہ ہمیں ہدایت نہ دیتا تو ہم ہدایت پر نہ ہوتے اور ہمارے سردار اور آقا حضرت محمد جو رسولان گرامی اور انبیائے کرام کے خاتم ہیں صلی اللہ علیہ وسلم آپ پر درود ہو اور آپ کی آل واصحاب اور اولاد اور جس کو آپ نے ولایت دی اور ہم اللہ سبحانہ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ اس کو اپنی رضا کے لئے خاص کر لے۔ اور اس کے ساتھ عام نفع عطا کرے اور کثیر ثواب عطا کرے۔ ان احکام میں جن کی بحث احکام حج وزکوٰۃ میں آئے گی۔

شرح

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اعتکاف کرنے والے کے بارے میں فرمایا کہ وہ گناہوں سے محفوظ رہتا ہے اور اس کے لئے نیکیوں کا سلسلہ تمام نیکی کرنے والوں کی مانند جاری رہتا ہے۔

(ابن ماجہ، مشکوۃ شریف، جلد دوم، رقم الحدیث، 61.8)

اعتکاف کے فوائد و برکات یہ ہیں کہ معتکف کا دل امور دنیا کی غلاظت سے پاک رہتا ہے۔ وہ اپنا نفس اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیتا ہے مسلسل عبادت اور خانہ اللہ میں رہتا ہے اللہ کا قرب اسے بہت زیادہ حاصل ہوتا ہے اور رحمت الٰہی اس پر نازل ہوتی رہتی ہے گویا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے قلعہ اور اس کی پناہ میں رہتا ہے کہ شیطان کے مکر وفریب سے بچا رہتا ہے۔ معتکف کی مثال اس شخص کی سی ہے جو بادشاہ کے دروازے پر پڑ جائے اور اپنی درخواست و حاجت پیش کرتا رہے اسی طرح معتکف بھی گویا زبان حال سے کہتا ہے کہ اے میرے مولیٰ، اے میرے پروردگار! میں تیرے دروازے پر پڑا رہوں گا یہاں سے اس وقت تک ٹلوں گا نہیں جب تک کہ تو میری بخشش نہیں کرے گا میرے مقاصد پورے نہیں کرے گا اور میرے دینی و دنیاوی غم و آلام دور نہیں کرے گا۔

کتاب الزکاۃ

﴿یہ کتاب زکوٰۃ کے بیان میں ہے﴾

زکوٰۃ کے لغوی مفہوم کا بیان

زکوۃ کے لفظی معنی ہیں۔طہارت و برکت اور بڑھنا، اصطلاح شریعت میں زکوۃ کہتے ہیں اپنے مال کی مقدار متعین کے اس حصہ کو جو شریعت نے مقرر کیا ہے کسی مستحق کو مالک بنا دینا، زکوۃ کے لغوی معنی اور اصطلاحی معنی دونوں کو سامنے رکھ کر یہ سمجھ لیجیے کہ یہ فعل یعنی اپنے مال کی مقدار متعین کے ایک حصہ کا کسی مستحق کو مالک بنا دینا مال کے باقی ماندہ حصے کو پاک کر دیتا ہے اس میں حق تعالیٰ کی طرف سے برکت عنایت فرمائی جاتی ہے اور اس کا وہ مال نہ صرف یہ کہ دنیا میں بڑھتا اور زیادہ ہوتا ہے بلکہ اخروی طور پر اللہ تعالیٰ اس کے ثواب میں اضافہ کرتا ہے اور اس کے مالک کو گناہوں اور دیگر بری خصلتوں مثلاً بخل وغیرہ سے پاک وصاف کرتا ہے اس لیے اس فعل کو زکوۃ کہا جاتا ہے۔

زکوۃ کو صدقہ بھی اس لیے کہا جاتا ہے کہ یہ فعل اپنے مال کا ایک حصہ نکالنے والے کے دعویٰ ایمان کی صحت وصداقت پر دلیل ہوتا ہے۔

زکوٰۃ کے شرعی مفہوم کا بیان

علامہ ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔کہ زکوٰۃ وہ مخصوص مال ہے۔اور یہی اس کا سبب ہے۔یعنی وہ مال نامی خواہ بطور حقیقت بڑھنے والا ہو یا حکمی طور پر بڑھنے والا ہو۔اسی وجہ سے اس کی اضافت کرتے ہوئے اس کو زکوٰۃ کا مال کہا گیا ہے۔جبکہ فقہاء کے عرف میں نفس مال کے دینے کو زکوٰۃ کہا جاتا ہے۔اور اس کی لغوی مناسبت یہی ہے کہ مزکی اس کا سبب تب بنتا ہے جب مال بڑھ کر اس کو حاصل ہو جائے۔(فتح القدیر، ج ۳،ص ۴۶۱، بیروت)

علامہ علی بن محمد الزبیدی بغدادی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔زکوٰۃ کا لغوی معنی مال کا بڑھنا ہے۔اور یہی بڑھنا ہی اس کا سبب ہے کیونکہ دنیا میں پیچھے رہ جانے والا مال بڑھ جاتا ہے اور آخرت میں اس کا ثواب بڑھ جاتا ہے۔اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ طہارت سے عبارت ہے۔جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔"(قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى "یعنی انسان کو گناہوں سے پاک کرنا ہے۔جبکہ اصطلاح شرع میں معلوم مال کی مخصوص مقدار کو ادا کرنا ہے۔اور اہل اصول محققین کے نزدیک یہ مزکی کے فعل سے عبارت ہے۔مال مؤدی سے عبارت نہیں۔(جوہرہ نیرہ، ج ۱،ص ۴۴۵، بیروت)

زکوٰۃ کے بعض اجمالی احکام کا بیان

زکوٰۃ کی تعریف یہ ہے زکوٰۃ لغت میں مطلق طور پر طہارت اور بڑھوتی کے معنی میں آتی ہے۔ جبکہ شریعت کے مطابق وہ مال مخصوص کا مخصوص شخص کو مالک بنانا ہے۔ جو اس کا حقدار ہے۔ اس کی شرائط اس کے حکم کے ساتھ خاص ہیں۔ اور وہ اس کی فرضیت کا زمانہ ہے۔ اور اس کی حکمت فرض محکم ہے۔ اور یہ بھی اسلام کے ارکان خمسہ میں سے ایک رکن ہے۔ اس کو اللہ تعالیٰ نے دو سن ہجری میں فرض فرمایا ہے۔ جو مالداروں پر فقراء کے لئے حکم سامی کے طور پر ہے۔ اور اس کی اغراض بہت مفید ہیں۔ اس کا سبب نصاب نامی ہے۔ خواہ وہ تحقیقی ہو یا تقدیری ہو اور اس کا رکن مال زکوٰۃ کا فقیر کو مالک بنانا ہے۔ اگر مزکی نے کسی یتیم کو یا فقیر کو زکوٰۃ کی نیت سے کھلایا تو کافی نہ ہوگا۔ کیونکہ یہ مباح ہے۔ لیکن تملیک نہیں ہے۔ اور جب اس نے ایک سال تک کے لئے زکوٰۃ کی نیت سے ٹھہرایا تو کافی نہ ہوگا۔ (مراقی الفلاح شرح نور الایضاح، کتاب زکوٰۃ، بیروت)

زکوۃ کب فرض ہوئی؟

صدقہ فطر ۲ ہجری میں واجب کیا گیا تھا زکوۃ کی فرضیت کے بارہ میں اگرچہ علماء کے یہاں اختلافی اقوال ہیں مگر صحیح قول یہ ہے کہ زکوۃ کی فرضیت کا حکم ہجرت سے پہلے مکہ میں نازل ہو گیا تھا مگر اس حکم کا نفاذ مدینہ میں ہجرت کے دوسرے سال رمضان کی پہلی تاریخ کو ہوا ہے گویا زکوۃ یکم رمضان ۲ ہجری میں فرض قرار دی گئی اور اس کا اعلان کیا گیا۔

زکوۃ تمام امتوں پر فرض تھی

اجماعی طور پر یہ مسئلہ ہے کہ زکوۃ انبیاء کرام پر فرض و واجب نہیں ہے البتہ جس طرح سابقہ تمام امتوں پر نماز فرض تھی اسی طرح امت محمدی سے پہلے ہر امت پر زکوۃ فرض تھی ہاں زکوۃ کی مقدار اور مال کی تحدید میں اختلاف ضرور رہا ہے لیکن یہ بات طے ہے کہ زکوۃ کے بارے میں اسلامی شریعت کے احکام بہت آسان اور سہل ہیں جب کہ سابقہ انبیاء کی شریعتوں میں اتنی آسانی نہیں تھی۔

فرضیت زکوٰۃ کی دلیل شرعی کا بیان

وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ۔ (البقرہ ۴۳)

اور نماز قائم رکھو اور زکوٰۃ دیا کرو اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ (مل کر) رکوع کیا کرو۔

لفظ زکوٰۃ کے معنی لغت میں دو آتے ہیں پاک کرنا اور بڑھنا اصطلاح شریعت میں مال کے اس حصہ کو زکوٰۃ کہا جاتا ہے جو شریعت کے احکام کے مطابق کسی مال میں سے نکالا جائے اور اس کے مطابق صرف کیا جائے۔

اگرچہ یہاں خطاب موجودہ بنی اسرائیل کو ہے جس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ نماز اور زکوٰۃ اسلام سے پہلے بنی اسرائیل پر فرض تھی مگر سورہ مائدہ میں وَلَقَدْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۚ وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيْبًا ۗ وَقَالَ اللّٰهُ اِنِّيْ مَعَكُمْ ۭ لَئِنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ (,) سے ثابت ہے کہ نماز اور زکوٰۃ بنی اسرائیل پر فرض تھی اگرچہ اس کی کیفیت اور ہیئت وغیرہ میں فرق ہو۔

مخصوص شخص کو مخصوص مال کا مالک بنادینے کا بیان

هی تمليك مال مخصوص لشخص مخصوص فرضت على حر مسلم مكلف مالك لنصاب من نقد ولو تبرا أو حليا أو آنية أو ما يساوي قيمته من عروض تجارة فارغ عن الدين وعن حاجته الأصلية ولو تقديرا– وشرط وجوب أدائها حولان الحول على النصاب الأصلي وأما المستفاد في أثناء الحول فيضم إلى مجانسه ويزكى بتمام الحول الأصلي سواء استفيد بتجارة أو ميراث أو غيره ولو جعل ذو نصاب لسنين صح وشرط صحة أدائها نية مقارنة لأدائها للفقير أو وكيله أو لعزل ما وجب ولو مقارنة حكمية كما لو دفع بلا نية ثم نوى والمال قائم بيد الفقير ولا يشترط علم الفقير أنها زكاة على الأصح حتى لو أعطاه شيئا وسماه هبة أو قرضا ونوى به الزكاة صحت ولو تصدق بجميع ماله ولم ينو الزكاة سقط عنه فرضها–

ترجمہ

زکوٰۃ وہ مال مخصوص کا شخص مخصوص کو مالک بنادینا ہے۔ یہ فرض کی گئی ہے آزاد، مسلمان، مکلّف مالک نصاب پر خواہ وہ نقدی ہو یا سونے چاندی کے ٹکڑے ہوں یا برتن ہوں یا جو سامان تجارت کی قیمت برابر ہو اور وہ شخص قرض سے فارغ ہو۔ اور حاجت اصلیہ سے فارغ ہو۔ اگر چہ وہ تقدیری ہو۔

اس کے وجوب اداء کی شرط یہ ہے کہ نصاب اصلی پر سال گزر جائے۔ ہاں البتہ جو مال سال کے درمیان میں حاصل ہوا ہے اس کو اس کی جنس سے ملایا جائے گا۔ اور زکوٰۃ دینے والا اصلی سال کے پورے ہوتے ہی زکوٰۃ دے گا۔ اگر چہ مال مستفاد تجارت سے حاصل ہوا ہے یا میراث وغیرہ سے حاصل ہوا ہے۔

اور اگر کسی صاحب نے کئی سالوں کی زکوٰۃ پہلے ادا کر دی تو یہ بھی صحیح ہے۔ اور اس کی ادائیگی کے صحیح ہونے کی شرط یہ ہے کہ فقیر یا اپنے وکیل کو دیتے وقت یا مال زکوٰۃ الگ کرتے وقت ادائیگی کی نیت کرے۔ اگر چہ یہ نیت حکمی طور پر ملی ہوئی ہو جس طرح جب کسی نے فقیر کو بغیر کسی نیت کے مال دیا اس کے بعد اس نے نیت کر لی۔ جبکہ وہ مال ابھی فقیر کے ہاں موجود تھا۔ تو اس کی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔ اور صحیح روایت کے مطابق فقیر کے علم میں ہونا کہ یہ زکوٰۃ ہے شرط نہیں ہے۔ حتیٰ کہ جب کسی نے فقیر کو کوئی چیز دے دی اور اس کا نام ہبہ یا قرض رکھا اور زکوٰۃ کی نیت کی تو تب بھی صحیح ہے۔ اور جب کسی نے تمام مال صدقہ کر دیا اور زکوٰۃ کی نیت نہیں کی تو اس سے اس کا فرض ساقط ہو جائے گا۔

زکوۃ کن لوگوں پر فرض ہے

ہر اس آزاد عاقل اور بالغ مسلمان پر زکوۃ فرض ہے جو نصاب (یعنی مال کی وہ خاص مقدار جس پر شریعت نے زکوۃ فرض کی ہے) کا مالک ہو اور مال کامل ایک سال تک اس کی ملکیت میں رہا ہو نیز وہ مال دین یعنی قرض اور ضرورت اصلیت سے فارغ ہو اور

نامی (یعنی بڑھنے والا ہو) خواہ حقیقۃً خواہ تقدیراً اسی طرح مال میں اس کی ملکیت پوری طرح اور کامل ہو۔

کافر، غلام دیوانے اور نابالغ لڑکے پر زکوۃ واجب نہیں ہے اور نہ اس مالک نصاب پر زکوۃ واجب ہے جس کے نصاب پر پورا ایک سال نہ گزرا ہو، ہاں اگر کوئی شخص سال کی ابتدائی اور آخری حصوں میں مالک نصاب رہے اور درمیان مالک نصاب نہ رہے تو اسے زکوۃ ادا کرنی ہوگی کیونکہ یہ بھی پورے ایک سال ہی کے حکم میں ہوگا۔

قرض دار پر اس کے بقدر قرض مال میں زکوۃ فرض نہیں ہاں جو مال قرض سے زائد ہو اور وہ حد نصاب کو پہنچتا ہو تو اس میں زکوۃ واجب ہوگئی لیکن یہ بات ملحوظ رہے کہ وہ قرض زکوۃ کے لیے مانع وجوب ہے جس کا مطالبہ بندوں کی طرف سے ہو، چنانچہ نذر، کفارات فطرہ اور ان جیسے دوسرے مطالبات جن کا تعلق صرف اللہ جل شانہ کی ذات سے ہے اور کسی بندے کو ان کا مطالبہ کرنے کا حق نہیں پہنچتا زکوۃ کے لیے مانع وجوب نہیں ہیں۔ ہاں ایسے قرض جن کا تعلق ہے تو اللہ تعالیٰ ہی سے مگر ان کے مطالبہ وصول کرنے کا حق بندوں کو پہنچتا ہے جیسے زکوۃ عشر، خراج وغیرہ کہ امام وقت اللہ تعالیٰ کی جانب سے ان کا مطالبہ کرسکتا ہے تو یہ بھی زکوۃ کے لیے مانع وجوب ہیں مگر امام وقت اور حاکم مال ظاہر میں مطالبہ کرسکتا ہے مثلاً مویشی وہ مال تجارت جو شہر میں لایا جائے یا شہر سے باہر لے جایا جائے اور نقدی لیکن وہ مال جس کی تجارت صرف شہر کے اندر اندر ہی محدود ہو اس میں حاکم کا مطالبہ اور اگر بیوی مہر کا تقاضا کرتی ہو تو اس کے مہر کے بقدر مال میں زکوۃ واجب نہیں ہوگی۔

بحر الرائق میں ہے کہ معتمد مسلک یہ ہے کہ فرض زکوۃ اور صدقہ فطر کے لیے مانع وجوب ہے نیز مطلقاً قرض مانع ہے خواہ معجّل ہو یا موجل، اگرچہ بیوی کا مہر موجل ہی کیوں نہ ہو جس کی مدت تا جیل طلاق یا موت پر ختم ہو جاتی ہے لیکن بعض حضرات فرماتے ہیں کہ مہر موجل زکوۃ کے لیے مانع وجوب نہیں ہے کیونکہ عام طور پر اس کا مطالبہ نہیں ہوا کرتا بخلاف مہر معجّل کے کہ اس کا مطالبہ ہوتا ہے مگر بعض علماء نے اس بارہ میں یہ لکھا ہے کہ اگر خاوند ادائیگی مہر کا ارادہ رکھتا ہو تو مہر موجل زکوۃ کے لیے مانع وجوب ہے ورنہ نہیں کیونکہ اس کا شمار قرض میں نہیں ہوتا۔

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ صاحبین یعنی حضرت امام ابو یوسف اور حضرت امام محمد رحمہم اللہ کے درمیان اس بارہ میں اختلاف ہے کہ اگر کسی عورت کا خاوند تونگر یعنی مالدار ہو تو وہ اپنے مہر کی وجہ سے (کہ جو اس کے خاوند کے ذمہ باقی ہے) غنیۃ سمجھی جائے گی یا نہیں؟ صاحبین کا مسلک تو یہ ہے کہ ایسی عورت غنیۃ معتبر ہوگی یعنی مستحق زکوۃ نہیں ہوگی حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کا آخری قول یہ ہے کہ وہ غنیۃ معتبر نہیں ہوگی، لیکن یہ بات ذہن نشین رہے کہ یہ اختلاف صرف مہر معجّل کے بارہ میں ہے مہر موجل کی صورت میں تینوں حضرات کا متفقہ مسلک یہ ہے کہ ایسی عورت غنیۃ معتبر نہیں ہوگی۔

ضرورت اصلیہ کا مطلب

ضرورت اصلیہ سے مراد یہ چیزیں ہیں رہائش کا مکان، پہننے کے کپڑے خانہ داری کے اسباب سواری کی چیزیں مثلاً گھوڑا گاڑی موٹر سائیکل وغیرہ خدمت کے غلام استعمال کے ہتھیار، اہل علم کے لیے ان کی کتابیں کاریگر کے واسطے اس کے پیشہ کے اوزار وغیرہ، لہٰذا مثال کے طور پر اگر کسی شخص نے کوئی مکان تجارت کی نیت سے لیا اور وہ مکان اس کی رہائش سے فارغ بھی ہو تو اس میں

زکوۃ واجب ہوگی اسی طرح دوسری چیزوں کو بھی قیاس کیا جاسکتا ہے اگر مکان وغلام وغیرہ اپنی ضرورت وحاجت سے فارغ ہوں اور ان کی تجارت کی نیت نہ ہو تو پھر ان میں زکوۃ واجب نہیں ہوگی۔

ادائیگی زکوۃ کے لیے نیت شرط ہے

ادائیگی زکوۃ کے لیے یہ شرط ہے کہ زکوۃ دینے والا زکوۃ دیتے وقت نیت کرے یعنی دل میں یہ ارادہ کرے کہ، میرے اوپر جس قدر مال کا دینا فرض تھا میں محض اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے دیتا ہوں، یا جس وقت اپنے مال میں سے زکوۃ کا حصہ نکالے اسی وقت زکوۃ کی نیت کرے کہ میں اس قدر جو زکوۃ دینے کے لیے ہے نکالتا ہوں۔

اگر کوئی شخص اپنا تمام مال خدا کی راہ میں خیرات کردے اور زکوۃ کی نیت نہ کرے تو اس کے ذمہ زکوۃ ساقط ہو جاتی ہے یعنی اس پر زکوۃ کا مطالبہ باقی نہیں رہتا بشرطیکہ اس نے وہ مال کسی اور واجب کی نیت سے نہ دیا ہو وہاں اگر کسی شخص نے پورا مال تو نہیں بلکہ تھوڑا سا بغیر نیت زکوۃ خدا کی راہ میں خیرات کردیا تو حضرت امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک اس مال کی زکوۃ ادا ہو جائے گی مگر حضرت امام ابو یوسف کے ہاں اس مال کی زکوۃ ادا نہیں ہوگی حضرت امام اعظم ابو حنیفہ کا بھی یہی قول منقول ہے اور اسی قول پر فتویٰ بھی ہے۔

زکوۃ کو ساقط کرنے کے لیے حیلہ کرنا مکروہ ہے یعنی اگر کوئی شخص یہ چاہے کہ مال زکوۃ کی ادائیگی سے بچ جائے اور اس کی صورت یہ کرے کہ جب سال پورا ہونے کو ہو تو کچھ دن پہلے اپنا مال دوسرے کو ہبہ کر کے اسے قابض کردے اور اس طرح زکوۃ کی ادائیگی سے بچ جائے اگرچہ اس صورت سے زکوۃ تو ساقط ہو جاتی ہے مگر یہ کوئی اچھا فعل نہیں ہے۔

اگر کسی شخص نے کوئی غلام تجارت کے لیے خریدا مگر بعد میں اس سے خدمت لینے کی نیت ہوگئی تو وہ غلام تجارت کے لیے نہیں رہے گا بلکہ خدمت ہی کے لیے ہو جائے گا اس میں زکوۃ واجب نہیں ہوگی۔ اسی طرح اگر کسی شخص نے کوئی غلام خدمت کی نیت سے خریدا پھر بعد میں اس نے تجارت کی نیت کرلی تو وہ غلام اس وقت تک تجارت کے حکم میں داخل نہیں ہوگا جب تک کہ وہ شخص اسے فروخت نہ کرے۔ فروختگی کے بعد اس کی قیمت میں زکوۃ واجب ہو جائے گی۔

نصاب کی تعریف

نصاب زکوۃ مال کی اس خاص مقدار کو کہتے ہیں جس پر شریعت نے زکوۃ فرض کی ہے اور جس مقدار سے کم مال میں زکوۃ فرض نہیں ہوتی مثلاً اونٹ کے لیے پانچ اور پچیس وغیرہ کا عدد، بکری کے لیے چالیس اور ایک اکیس وغیرہ کا عدد اور چاندی کے لیے دوسو درہم اور سونے کے لیے بیس مثقال۔

نصاب کی اقسام کا بیان

نصاب کی دو قسمیں ہیں۔ نامی یعنی بڑھنے والا مال اور غیر نامی یعنی نہ بڑھنے والا مال پھر نامی کی دو قسمیں ہیں حقیقی اور تقدیری حقیقی کا اطلاق تو تجارت کے مال اور جانور پر ہوتا ہے کیونکہ تجارت کا مال نفع سے بڑھتا ہے اور جانور بچوں کی پیدائش سے بڑھتے ہیں۔ تقدیری کا اطلاق سونے چاندی پر ہوتا ہے کہ یہ چیزیں بظاہر تو نہیں بڑھتیں لیکن بڑھنے کی صلاحیت رکھتی ہیں نصاب غیر نامی کا

اطلاق مکانات اور خانہ داری کے ان اسباب پر ہوتا ہے جو ضرورت اصلیہ کے علاوہ ہوں۔

نصابِ نامی اور غیر نصابی میں فرق

نصاب نامی اور غیر نامی میں فرق یہ ہے کہ نصاب نامی کے مالک پر تو زکوٰۃ فرض ہوتی ہے نیز اس کے لیے دوسرے زکوٰۃ، نذر اور صدقات واجبہ کا مال لینا درست نہیں ہوتا اور اس کے لیے صدقہ فطر دینا اور قربانی کرنا واجب ہوتا ہے۔ نصاب غیر نامی کے مالک پر زکوٰۃ فرض نہیں ہوتی مگر اس کے لیے بھی زکوٰۃ نذر اور صدقہ واجبہ کا مال لینا درست نہیں ہوتا نیز اس پر بھی صدقہ فطر دینا اور قربانی کرنا واجب ہوتا ہے۔

حولانِ حول کا فقہی مفہوم

وجوبِ زکوٰۃ کے لیے ضروری ہے کہ مال پر سال گزر جائے، اسے فقہی اصطلاح میں حولانِ حول کہتے ہیں۔ شریعت کی رو سے جس دن کوئی بالغ مسلمان مرد یا عورت زندگی میں پہلی بار مندرجہ بالا تفصیل کے مطابق کم از کم نصاب کا مالک ہو جائے تو اسلامی کیلنڈر کی اسی تاریخ سے وہ صاحبِ نصاب قرار پاتا ہے۔ لیکن اس پر اسی دن سے زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی تاوقتیکہ اس نصاب پر اس کی ملکیت میں پورا ایک قمری سال گزر جائے، سال کے اختتام پر اسی قمری تاریخ پر اسے زکوٰۃ دینی ہوگی۔ اور سال بھر کم نصاب کا ملکیت میں رہنا ضروری نہیں ہے بلکہ سال کی ابتدا اور انتہا پر اگر اس کے پاس نصاب کی مقدار مال ہے تو اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی، علامہ ابن عابدین شامی لکھتے ہیں، والشرط تمام النصاب فی طرَ فَیِ الحول کما سیاتی، ترجمہ، اور تمام نصاب کا سال کی ابتداء اور آخر میں (مِلک میں ہونا) شرط ہے، (ردالمحتار علی الدر المختار، جلد 3، ص 173،)

سال سے پہلے ادائیگی زکوٰۃ کا بیان

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عباس نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سال پورا ہونے سے پہلے زکوٰۃ جلدی ادا کر دینے کے بارے میں پوچھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اس کی اجازت دے دی۔ (ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ، دارمی)

حنفیہ اور اکثر ائمہ کے نزدیک یہ بات جائز اور درست ہے کہ مال پر سال پورا ہونے سے پہلے ہی زکوٰۃ ادا کر دی جائے بشرطیکہ زکوٰۃ دینے والا نصاب شرعی کا مالک ہو۔

علامہ ابن محمود البابرتی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ اگر کسی نے دو سال قبل زکوٰۃ ادا کر دی تو ہمارے نزدیک اس کے لئے ایسا کرنا جائز ہے۔ جبکہ صاحب ''اسرار'' نے ذکر کیا ہے کہ حضرت امام مالک علیہ الرحمہ کے نزدیک اس کے لئے ایسا کرنا جائز نہیں اور اس کی زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ حولان حول نصاب کے لئے ہے اور شرط مشروط سے مقدم ہوتی ہے۔ اور مشروط کو شرط پر مقدم کرنا جائز نہیں۔ جیسا نصاب کو مقدم کرنا ہے۔ جبکہ ائمہ احناف کی دلیل یہ ہے کہ اس نے وجوب سبب کے بعد ادا کی ہے اور یہ اسی طرح جیسے کسی نے اول وقت میں نماز پڑھ لی۔ اور مسافر روزے دار ہو گیا۔ اور اسی طرح یہاں حولان حول کی شرط وجوب ادا کے لئے ہے۔ جبکہ ہماری بحث جواز سے متعلق ہے۔ وجوب سے متعلق ہی نہیں اور اسی طرح ہو گیا جس طرح زخم کے بعد اس کا کفارہ ادا

کرنا ہے۔(عنایہ شرح الہدایہ،ج ۳،ص، بیروت)

علامہ ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔احناف کی دلیل اس مسئلہ میں یہ ہے کہ سال سے قبل زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم منصوص ہے اور نص وہی ہے۔(جسے ہم ابوداؤد، ترمذی وغیرہ کتب احادیث کے حوالے سے اوپر ذکر چکے ہیں۔لہٰذا نص کے ہوتے ہوئے کسی قسم کے قیاس یا کسی نحوی، صرفی، لغوی قاعدے کا اعتبار ہرگز نہ کیا جائے گا)۔اور اگر یہ تسلیم کرلیا جائے کہ حول صفت واقع ہے۔تو یاد رہے کہ حول کا شروع بھی وہ جس پر حال گزرے لہٰذا وہ بھی حول ہے۔اور نیکی میں سبقت کا حکم بھی موجود ہے۔لہٰذا حول کا اسناد کے شروع کی جانب کیا جائے گا۔(فتح القدیر،ج ۴،ص، بیروت)

اتمام سال سے قبل زکوٰۃ کی ادائیگی کا بیان

ہمارے نزدیک سال پورا ہونے سے پہلے زکوٰۃ دینا جائز ہے اور وہ ادا ہو جائے گی۔حضرت امام شافعی، امام احمد، امام اسحاق اور ابوثور کا قول بھی یہی ہے۔

حضرت حسن بصری، نخعی، زہری، اوزاعی، ثوری، شعبی، مجاہد، حاکم ابن ابی یعلی، سعید بن جبیر، حسن بن حی علیہم الرحمہ کا قول بھی اسی طرح ہے۔حضرت امام مالک علیہ الرحمہ کے نزدیک سال سے پہلے زکوٰۃ ادا کرنا جائز نہیں ہے۔(البنائیہ،۴،ص،۸۲،حقانیہ)

تمام مال صدقہ کرنے سے سقوط زکوٰۃ کا بیان

ہمارے نزدیک جس نے تمام مال صدقہ کردیا تو اس کی زکوٰۃ ساقط ہو جائے گی۔اور فقہاء احناف کی اس مسئلہ میں دلیل استحسان ہے۔جبکہ قیاس کا تقاضہ یہ ہے کہ زکوٰۃ ساقط نہ ہو۔

حضرت امام زفر، امام شافعی، امام مالک اور امام احمد علیہم الرحمہ کا قول بھی اسی طرح ہے جس طرح قیاس چاہتا ہے کہ اس سے زکوٰۃ ساقط نہ ہوگی۔(البنائیہ شرح الہدایہ،۴،ص،۲۸،حقانیہ ملتان)

دین اور اس کی اقسام کا بیان

وزكاة الدين على أقسام فإنه قوى ووسط وضعيف-فالقوى, وهو بدل القرض ومال التجارة إذا قبضه وكان على مقر ولو مفلسا أو على جاحد عليه بينة زكاة لما مضى ويتراخى وجوب الأداء إلى أن يقبض أربعين درهما ففيها درهم لأن ما دون الخمس من النصاب عفو لا زكاة فيه وكذا فيما زاد بحسابه-

والوسط, وهو بدل ما ليس للتجارة كثمن ثياب البذلة وعبد الخدمة ودار السكنى لا تجب فيه الزكاة فيه ما لم يقبض نصابا ويعتبر لما مضى من الحول من وقت لزومه لذمة المشترى فى صحيح الرواية-

والضعيف, وهو بدل ما ليس بمال كالمهر والوصية وبدل الخلع والصلح عن دم العمد والدية

وبدل الكتابة والسعاية لا تجب فيه الزكاة ما لم يقبض نصابا ويحول عليه الحول بعد القبض وهذا عند الإمام وأوجبا عن المقبوض من الديون الثلاثة بحسابه مطلقا۔

ترجمہ

دین کی تین اقسام ہیں۔(۱) قوی دین (۲) متوسط دین (۳) ضعیف دین۔

قوی دین وہ ہے جو قرض اور مال تجارت کا بدل ہو۔ جب اس نے قبضہ کیا ہے اور مقروض اس کا اقرار کرتا ہو اگر چہ وہ مفلس ہو لیکن اگر وہ انکار کرتا ہے تو اس پر گواہی لازم ہے۔

دین قوی کا حکم یہ ہے کہ جب اس پر وہ قبضہ کرے تو وہ گذشتہ سالوں کی بھی زکوٰۃ دے گا۔ جب سے وہ مالک نصاب بنا ہے نہ کہ وقت قبضہ سے۔ اور وہ قبضہ تک تاخیر کر سکتا ہے۔ اور جب چالیس درہم پر قبضہ ہو جائے تو ایک درہم زکوٰۃ ہے۔ اور اسی طرح زیادہ کا حساب ہوگا۔

متوسط دین وہ ہے جو مال تجارت کا بدل نہ ہو بلکہ کسی اور کا بدل ہو جس استعمال کے کپڑے ہیں۔ اور خدمت کے غلام ہیں اور رہنے کے لئے مکان ہے اور اسی طرح وہ چیزیں جن کا تعلق حاجت اصلیہ سے ہو۔

دین متوسط کا حکم یہ ہے کہ جب تک پورے نصاب پر قبضہ نہ کر لے زکوٰۃ واجب نہ ہوگی۔ اور اس پر سال لگانے کا اندازہ اس وقت سے کیا جائے گا جب یہ دین خریدار کے ذمہ پر لازم ہوا ہے۔

دین ضعیف وہ ہے جو مال کا بدل نہ ہو جس طرح مہر، مال وصیت، خلع کا بدل، قتل عمد کی صلح کا بدل، دیت، کتابت اور سعایت کا بدل ہے۔

اس کا حکم یہ ہے کہ اس پر زکوٰۃ واجب نہ ہوگی جب تک پورے مال پر قبضہ ہو جائے اور قبضے کے بعد ایک سال گزر جائے۔ یہ حکم حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک ہے جبکہ صاحبین نے کہا ہے کہ تینوں دیون میں جس قدر مال پر قبضہ ہوگا اسی حساب کے مطابق زکوٰۃ دینا ہوگی۔

مال ضمار کی زکوٰۃ کا بیان

وإذا قبض مال الضمار لا تجب زكاة السنين الماضية وهو كآبق ومفقود ومغصوب ليس عليه بينة ومال ساقط في البحر ومدفون في مفازة أو دار عظيمة وقد نسي مكانه ومأخوذ مصادرة ومودع عند من لا يعرف ودين لا بينة عليه۔

ترجمہ

اور جب کوئی شخص مال ضمار پر قبضہ رکھتا ہے تو اس پر سابقہ سالوں کی زکوٰۃ واجب نہ ہوگی اور وہ جس طرح بھگوڑا غلام، گمشدہ غلام، غصب شدہ مال جس پر کوئی گواہ نہ ہو۔ سمندر میں گر جانے والا مال، کسی صحراء یا وسیع مکان میں دفن شدہ مال جس کی جگہ ہی

معلوم نہ ہو اور بہ طور ظلم چھین لیا گیا مال اور ایسے شخص کے پاس امانت رکھی جس کو وہ نہیں جانتا۔ اور ایسا قرض جس پر کوئی گواہی نہیں ہے۔

مال ضمار کی اقسام و مختلف صورتوں کا بیان

اسی طرح ضمار میں بھی زکوۃ واجب نہیں ہوتی کیونکہ وہ مال ملکیت میں تو ہوتا ہے مگر قبضہ میں نہیں ہوتا۔ مال ضمار اس کو کہتے ہیں جو اپنی رسائی سے باہر ہو اس کی کئی قسمیں ہوتی ہیں (۱) وہ مال جو جاتا رہے یعنی گم ہو جائے (۲) وہ مال جو جنگل میں دفن کر دیا گیا ہو مگر وہ جگہ کہ جہاں اسے دفن کیا گیا تھا بھول جائے (۳) وہ مال جو دریا میں غرق ہو گیا، (۴) وہ مال جسے کوئی شخص زبردستی چھین لے مگر اس کا کوئی گواہ نہ ہو (۵) وہ مال جو کسی ظالم نے ڈنڈے کے طور لے لیا۔ (۶) وہ مال جو کسی نے بطور قرض لیا اور بعد میں قرضدار قرض کا منکر ہو گیا اور کوئی تمسک یا گواہی اس کی نہ ہو۔

پس مال ضمار کی یہ دو قسمیں ہیں کہ اگر ان میں سے کوئی مال ہاتھ لگ جائے تو اس مال میں پچھلے دنوں کی زکوۃ واجب نہیں ہوگی ہاں اگر وہ مال ہاتھ لگ جائے جو جنگل میں بلکہ گھر میں دفن کر کے اس کی جگہ بھول گیا تھا تو جب بھی وہ مال نکلے گا اس میں پچھلے دنوں کی زکوۃ واجب ہوگی۔ اسی طرح قرض کے اس مال میں بھی زکوۃ واجب ہوگی جس سے قرض دار انکار نہ کرتا ہو خواہ وہ قرضدار تونگر ہو یا مفلس اور یا اگر انکار کرتا ہو تو کوئی تمسک یا گواہی ہو یا خود قاضی یہ جانتا ہو کہ اس نے اتنا مال قرض لیا تھا لیکن اس مال میں زکوۃ اس تفصیل کے ساتھ واجب ہوگی کہ۔

(۱) اگر وہ قرض مال تجارت کے بدلہ میں ہو تو جب نصاب کا پانچواں حصہ وصول ہو جائے تو پچھلے دنوں زکوۃ ادا کرے (۲) اگ وہ قرض مال تجارت کے بدلہ میں نہ ہو مثلاً گھر کے پہننے کے کپڑے فروخت کیے یا خدمت کا غلام فروخت کیا یا رہائش کا مکان فروخت کیا اور ان کی قیمت خریدنے والے کے ذمہ قرض رہی تو اس میں پچھلے دنوں کی زکوۃ اسی وقت واجب ہوگی جب کہ بقدر نصاب وصول ہو جائے (۳) اگر قرض اس چیز کے بدلہ میں ہو جو مال نہیں ہے جیسے مہر، وصیت اور بدل خلع وغیرہ تو اس میں زکوۃ اسی وقت واجب ہوگی جب کہ بقدر نصاب وصول ہو جائے اور اس پر پورا ایک سال گزر جائے یعنی اس میں پچھلے دنوں کی زکوۃ واجب نہیں ہوگی بلکہ صرف اسی سال کی زکوۃ واجب ہوگی جس میں کہ وہ مال پر قابض رہا لیکن یہ حکم اسی شخص کے بارہ میں ہے جو پہلے سے صاحب نصاب نہ ہو اگر پہلے سے صاحب نصاب ہوگا تو یہ مال اس کے حق میں بمنزلہ مال مستفاد کے ہوگا، پہلے مال کے ساتھ اس مال کی بھی زکوۃ واجب ہوگی اور ایک سال کا گزرنا شرط نہیں ہوگا۔

دوران سال نصاب میں کمی وبیشی کا بیان

ولا يجزء عن الزكاة دين أبرء عنه فقير بنيتها وصح دفع عرض ومكيل وموزون عن زكاة النقدين بالقيمة وإن أدى من عين النقدين فالمعتبر وزنهما أداء كما اعتبر وجوبا وتضم قيمة العروض إلى الثمنين والذهب إلى الفضة قيمة ونقصان النصاب في الحول لا يضر إن كمل في

طرفیہ فإن تملك عرضا بنية التجارة وهو لا يساوي نصابا وليس له غيره ثم بلغت قيمته نصابا في آخر الحول لا تجب زكاته لذلك الحول-

ترجمہ

زکوٰۃ دینے والا نے جب فقیر سے قرض لینا ہے تو وہ اگر وہ زکوٰۃ کی نیت سے فقیر کو بری کرنا چاہتا ہے تو درست نہ ہوگا۔ بلکہ مال دینا درست ہوگا۔

اور مکیلی اور موزونی چیزوں کی زکوٰۃ سونے چاندی کے حساب سے ہوگی۔ اور جب کسی نے سونے چاندی کا عین ادا کیا تو ان کے وزن کا اعتبار کیا جائے گا اور زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔ جس طرح وجوب کا اعتبار کیا گیا تھا۔ اور سامان تجارت کی قیمت دونوں ثمنوں کے ساتھ ملائی جائے گی۔ اور سونے کی چاندی کے ساتھ ملائی جائے گی۔ اور سال کے دوران نصاب سے کم ہونے سے کوئی نقصان نہ ہوگا جبکہ وہ دونوں اطراف میں مکمل ہو۔ اور جب کوئی شخص تجارت کی نیت سے کچھ مال کا مالک بن گیا اور وہ مال نصاب کے برابر نہ تھا اور اس کے پاس اس کے سوا کوئی اور مال بھی نہیں ہے۔ پھر سال کے آخر میں اس کی قیمت نصاب کو پہنچ گئی ہے۔ تو اس پر اس سال کی زکوٰۃ واجب نہ ہوگی۔

مال مستفاد کی زکوٰۃ کا بیان

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کسی کو مال حاصل ہوا تو اس پر اس وقت تک زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی جب تک کہ ایک سال نہ گزر جائے امام ترمذی نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور ایک جماعت کے بارے میں کہا ہے کہ اس نے اس حدیث کو حضرت ابن عمر پر موقوف کیا ہے یعنی یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی نہیں ہے بلکہ خود حضرت ابن عمر کا قول ہے۔

پہلے یہ سمجھ لیجیے کہ مال مستفاد کسے کہتے ہیں؟ فرض کیجیے کہ آپ کے پاس اسی بکریاں موجود ہیں جن پر ابھی سال پورا نہیں ہے اسی درمیان میں اکتالیس بکریاں اور آپ کو حاصل ہو جاتی ہیں خواہ وہ میراث میں حاصل ہوئی ہوں یا تجارت سے منافع کی صورت میں اور خواہ کسی نے آپ کو ہبہ کر دی ہوں بہر حال اس طرح بکریوں کی تعداد اسی کی بجائے ایک سو اکیس ہو گئی چنانچہ یہ اکتالیس بکریاں جو آپ کو درمیان سال حاصل ہوئی ہیں مال مستفاد کہلائیں گی۔ گویا مال مستفاد کی تعریف یہ ہوئی کہ وہ مال کی جنس سے ہو اور درمیان سال حاصل ہوا ہو۔

اب اس حدیث کی طرف آیئے ابن مالک رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ کسی شخص پر مال کی وجہ سے زکوٰۃ فرض ہو اور سال کے درمیان اسے کچھ مزید مال پہلے سے موجود مال ہی کی جنس سے (مثلاً پہلے سے بکریاں موجود ہوں تو بکریاں ہی یا پہلے سے گائیں موجود ہوں تو گائیں) ملے تو بعد میں حاصل ہونے والے اس مال پر اس وقت تک زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی جب کہ اس مال پر پورا سال نہ گزر جائے چنانچہ حضرت امام شافعی کا یہی مسلک ہے۔ لیکن حضرت امام اعظم ابوحنیفہ فرماتے ہیں

کہ اصل (پہلے سے موجود) مال ہی پر پورا سال گزر جانا کافی ہے بعد میں حاصل ہونے والے مال پورا سال گزرے یا نہ گزرے زکوٰۃ مجموعہ مال پر واجب ہو جائے گی۔

اس اختلاف کو مثال کے طور پر یوں سمجھئے کہ مثلاً ایک شخص کے پاس اسی بکریاں ہیں جن پر ابھی چھ مہینے ہی گزرے تھے کہ پھر اسے اکتالیس بکریاں حاصل ہو گئیں چاہے تو انہیں اس نے خریدا ہو چاہے اسے وراثت میں ملی ہوں یا کسی اور طرح اس نے حاصل کی ہوں تو ان بعد میں ملنے والی اکتالیس بکریوں پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی۔ ہاں اگر ان بکریوں پر بھی ان کو خریدنے یا وراثت میں حاصل ہونے کے وقت سے ایک سال پورا ہو جائے گا تو زکوٰۃ واجب ہوگی حضرت امام شافعی اور ان کے ساتھ ہی حضرت امام احمد کا یہی مسلک ہے۔ مگر حضرت امام ابو حنیفہ اور ان کے ساتھ حضرت امام مالک کے نزدیک وہ مال مستفاد (جو بعد میں حاصل ہوا ہے) اصل (یعنی پہلے سے موجود) مال کے تابع ہوگا، جب پہلے سے موجود اسی بکریوں پر ایک سال گزر جائے گا تو مجموعہ بکریوں پر زکوٰۃ میں دو بکریاں نکالنا واجب ہو جائے گا کیونکہ بکریوں کی زکوٰۃ کا نصاب چالیس ہے یعنی چالیس سے کم بکریوں پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی۔ بلکہ چالیس سے ایک سو بیس کی تعداد پر ایک بکری واجب ہوتی ہے۔ جب تعداد ایک سو اکیس ہو جاتی ہے تو دو بکریاں واجب ہو جاتی ہیں لہٰذا مذکورہ بالا صورت میں پہلے اور بعد کی بکریوں کی مجموعی تعداد چونکہ ایک سو اکیس ہو گئی اس لیے دو بکریاں واجب ہوں گی۔

اب رہ گئی یہ بات کہ حدیث سے تو بظاہر حضرت امام شافعی ہی کے مسلک کی تائید ہو رہی ہے تو اس بارے میں حنفی علماء کی جانب سے کہا جاتا ہے کہ اس حدیث کے وہ معنی ہیں ہی نہیں جو شافعی حضرات بیان کرتے ہیں بلکہ اس کا تو مفہوم یہ ہے کہ جو شخص ابتدائی طور پر مال پائے اور حاصل کرے تو اس پر زکوٰۃ اسی وقت واجب ہوگی جب کہ مال پر ایک سال گزر جائے لہٰذا حدیث میں مال سے مستفاد مراد نہیں ہے۔

سونے چاندی کے نصاب کا بیان

ونصاب الذهب عشرون مثقالا ونصاب الفضة مائتا درهم من الدراهم التي كل عشرة منها وزن سبعة مثاقيل وما زاد على نصاب وبلغ خمسا زكاة بحسابه وما غلب على الغش فكالخالص من النقدين ولا زكاة في الجواهر واللآلىء إلا أن يتملكها بنية التجارة كسائر العروض،

ولو تم الحول على مكيل أو موزون فغلا سعره أو رخص فأدى من عينه ربع عشره أجزأه وإن أدى من قيمته تعتبر قيمته يوم الوجوب وهو تمام الحول عند الإمام وقالا يوم الأداء لمصرفها،

ترجمہ

سونے کا نصاب بیس مثقال ہے جبکہ چاندی کا نصاب دو سو دراہم ہے۔ ایسے دراہم جن میں سے دس کا وزن سات مثقال کے برابر ہو۔ اور جب سونا چاندی کے نصاب سے زیادہ ہو اور وہ نصاب کے پانچویں حصے تک پہنچ جائے تو حساب کر کے اس کی

زکوٰۃ بھی ادا کرنا ہوگی۔ اور جب سونے چاندی میں کھوٹ ہو لیکن وہ سونا چاندی کھوٹ پر غالب ہیں۔ تو اس کو خالص اعتبار کیا جائے گا۔

جواہر اور موتیوں میں زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔ لیکن جب وہ تجارت کی نیت سے مالک بنا ہوا ہے تو پھر مال تجارت کی طرح ان میں بھی زکوٰۃ واجب ہے۔

اور جب مکیلی اور موزونی چیزوں کی قیمت سال پورا ہونے کے وقت بڑھ جائے یا کم ہو جائے تو اگر ان کے عین سے چالیسواں حصہ ادا کر دیا تو کافی ہے۔ اور اگر اس نے قیمت ادا کرنا چاہی تو امام اعظم علیہ الرحمہ کے نزدیک یوم وجوب کی قیمت کا اعتبار کیا جائے گا۔ جبکہ صاحبین کے نزدیک یوم ادا کی قیمت کا اعتبار کیا جائے گا۔

زیورات کی زکوٰۃ کا بیان

علامہ ابن قدامہ مقدسی حنبلی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ حضرت امام مالک، امام احمد بن حنبل، اور ایک قول کے مطابق حضرت امام شافعی علیہم الرحمہ کے نزدیک زیورات میں زکوٰۃ نہیں ہے۔ جبکہ حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ اور امام شافعی کے راجح قول کے مطابق زیورات میں زکوٰۃ واجب ہے۔ جن کے نزدیک زکوٰۃ واجب ہے ان کی موافقت میں حضرت عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن عمرو بن عاص، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم اور تابعین کرام میں سے حضرت سعید بن مسیّب، سعید بن جبیر، عطاء، مجاہد، عبداللہ بن شداد، جابت بن زید، ابن سیرین، میمون بن مہران، زہری، ثوری، اور اصحاب رائے کا نظریہ یہی ہے کہ زیورات میں زکوٰۃ واجب ہے۔ (المغنی، ۲، ص، ۲۲۳، بیروت)

علامہ ابواسحاق شیرازی شافعی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ نے عورتوں کے زیورات میں زکوٰۃ کے مسئلہ پر استخارہ کیا تو انہوں نے وجوب زکوٰۃ کا حکم سمجھا ہے۔ لہٰذا ان کا مؤقف احادیث کے موافق ہے کہ زیورات پر زکوٰۃ واجب ہے۔
(المہذب ج ۶ ص، ۳۳، بیروت)

دوسو دراہم کے نصاب زکوٰۃ ہونے کا بیان

حضرت علی کرم اللہ وجہہ بیان کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے گھوڑوں اور غلاموں میں زکوٰۃ معاف رکھی ہے یعنی اگر غلام تجارت کے لیے نہ ہوں تو ان میں نہیں ہے اور گھوڑوں کی زکوٰۃ کے بارے میں ائمہ کا جو اختلاف ہے اسے بیان کیا جا چکا ہے تم چاندی کی زکوٰۃ ہر چالیس درہم میں سے ایک درہم کے حساب سے ادا کرو جب کہ چاندی بقدر نصاب دو سو درہم ہو کیونکہ ایک سو نوے درہم یعنی دو سو درہم سے کم چاندی میں زکوٰۃ واجب نہیں ہے جب دو سو درہم چاندی ہو تو اس میں سے پانچ درہم زکوٰۃ کے طور پر دینا واجب ہے۔ (ترمذی، ابوداؤد) ابوداؤد نے حارث اعور سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی یہ روایت نقل کی ہے کہ زہیر نے جو حارث سے روایت نقل کرتے ہیں کہا کہ میرا گمان ہے کہ حارث نے یہ کہا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ تم ہر سال ہر چالیس درہم میں سے ایک درہم یعنی چالیسواں حصہ ادا کروں اور تم پر اس وقت تک کچھ واجب نہیں جب تک کہ تمہارے پاس دو سو درہم پورے نہ ہوں جب دو سو درہم پورے ہوں تو ان میں بطور زکوٰۃ پانچ

درہم واجب ہوں گے اور جب دوسو درہم سے زائد ہوں گے تو ان میں اسی حساب سے زکوٰۃ واجب ہوگی۔

اواق اوقیہ کی جمع ہے ایک اوقیہ چالیس درہم یعنی ساڑھے دس تولہ 122)-47 گرام) کے برابر ہوتا ہے اس طرح پانچ اوقیہ دوسو درہم یعنی ساڑھے باون تولہ تقریباً 216,1/2 گرام کے برابر ہوئے جو چاندی کا نصاب زکوٰۃ ہے اس مقدار سے کم چاندی میں زکوٰۃ واجب نہیں ہے گویا جو شخص دوسو درہم کا مالک ہوگا وہ بطور زکوٰۃ پانچ درہم ادا کرے گا۔

یہ تو درہم کا نصاب تھا چاندی اگر سکہ کے علاوہ کسی دوسری صورت میں ہو مثلاً چاندی کے زیورات و برتن ہوں یا چاندی کے سکے ہوں تو اس کو بھی اسی پر قیاس کی جائے اور اسی طرح اس کی زکوٰۃ ادا کی جائے۔

کھوٹ ملے ہوئے سونے چاندی کا حکم

اگر سونے یا چاندی میں کھوٹ شامل ہو سونا چاندی خالص نہ ہو مثلاً سونے میں تانبا یا پیتل ملا ہوا ہو اور چاندی میں ایلومینیم ملا ہوا ہو تو اس کی تین صورتیں ہوسکتی ہیں، (۱) سونا اور چاندی زیادہ ہے اور کھوٹ کم ہے۔ (۲) سونا، چاندی اور کھوٹ برابر برابر ہیں۔ (۳) سونا اور چاندی کم ہے اور کھوٹ زیادہ ہے۔

ان صورتوں میں زکوٰۃ کا حکم یہ ہے کہ پہلی دونوں صورتوں میں جبکہ سونا چاندی کھوٹ سے زیادہ ہوں یا کھوٹ کے برابر ہو تو یہ کھوٹ بھی سونا چاندی کے حکم میں ہوگی۔ اور زکوٰۃ کی فرضیت میں سونے چاندی کے نصاب کو دیکھا جائے گا۔

تیسری صورت میں جبکہ کھوٹ سونے چاندی پر غالب ہو تو وہ سونا چاندی بھی عروض یعنی سامان تجارت کے حکم میں ہوگا۔ سامان تجارت پر زکوٰۃ واجب ہونے کا جو نصاب ہے وہی نصاب اس صورت میں معتبر ہوگا۔

سونے کو چاندی سے ملانے میں فقہی مذاہب کا بیان

فقہاء احناف کے نزدیک سونے کی قیمت کو چاندی کی قیمت کے ساتھ ملایا جائے گا۔ جبکہ امام شافعی علیہ الرحمہ نے اس میں اختلاف کیا ہے۔ اور ائمہ ثلاثہ نے اس کی کیفیت میں اختلاف کیا ہے۔

حضرت امام شافعی، امام احمد اور ابوداؤد ظاہری نے کہا ہے کہ سونے کی قیمت کو چاندی کے ساتھ نہیں ملایا جائے گا۔ کیونکہ علت جنسیت قیمت ہے اور وہ ہر ایک قیمت الگ الگ ہے۔

حضرت امام شافعی کی دلیل یہ ہے کہ دونوں مختلف جنس ہیں لہٰذا ان میں سے کسی کو بھی دوسرے کے ساتھ نہیں ملایا جائے گا۔

فقہاء احناف کی دلیل وہ روایت ہے جس کو بکیر بن عبداللہ بن اشج نے روایت کیا ہے کہ سنت میں سے یہ ہے کہ سونے کو چاندی سے ملایا جائے۔ تاکہ زکوٰۃ کا وجوب ثابت ہو۔ اور جب سنت کا اطلاق اس کے ساتھ ہو رہا ہے تو اس پر عمل کرنا چاہیے جس طرح صاحب مبسوط نے ذکر کیا اور بدائع وغیرہ میں بھی اسی طرح ہے۔

مال زکوٰۃ کے ہلاک ہوجانے کا بیان

ولا يضمن الزكاة مفرط غير متلف فهلاك المال بعد الحول يسقط الواجب وهلاك

البعض حصته ويصرف الهالك إلى العفو فإن لم يجاوزه فالواجب على حاله ولا تؤخذ الزكاة جبرا ولا من تركته إلا أن يوصى بها فتكون من ثلثه ويجيز أبو يوسف الحيلة لدفع وجوب الزكاة وكرهها محمد رحمهما الله تعالى۔

ترجمہ

اور جب کسی شخص نے سستی کے سبب ادائے زکوٰۃ کو اتنا مؤخر کیا کہ سال گزر جانے کے بعد مال ہلاک ہوگیا ہے۔تو واجب ساقط ہوجائے گا۔اور اگر کچھ مال ہلاک ہوا ہے تو ہلاک ہونے والے مال کے حصہ کو معافی کی طرف پھیر دیا جائے گا۔اور اگر وہ عفو سے زیادہ نہیں ہے تو پھر زکوٰۃ اپنے حساب سے واجب رہے گی۔

کسی سے زبردستی زکوٰۃ نہیں لی جائے گی۔اور نہ ہی ترکہ سے زکوٰۃ لی جائے گی۔ہاں البتہ جب اس نے وصیت کی ہو تو تہائی مال سے زکوٰۃ لی جائے گی۔حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمہ نے وجوب زکوٰۃ سے بچنے کے لئے حیلے کو جائز جبکہ امام محمد علیہ الرحمہ نے مکروہ قرار دیا ہے۔

باب المصرف

﴿یہ باب مصرف زکوٰۃ کے بیان میں ہے﴾

زکوٰۃ کے مصارف کا بیان

هو الفقير، وهو, من يملك مالا يبلغ نصابا ولا قيمته من أى مال كان ولو صحيحا مكتسبا والمسكين وهو , من لا شيء له والمكاتب والمديون الذى لا يملك نصابا ولا قيمته فاضلا عن دينه وفي سبيل الله وهو منقطع الغزاة أو الحاج وابن السبيل وهو, من له مال في وطنه وليس معه مال والعامل عليها يعطى قدر ما يسعه وأعوانه وللمزكى الدفع إلى كل الأصناف وله الاقتصار على واحد مع وجود باقي الأصناف-

ترجمہ

فقیر وہ ہے جس کے پاس مال ہے لیکن وہ نصاب اور نہ اس کی قیمت کو پہنچنے والا ہے۔اگر چہ وہ تندرست اور کمانے والا ہے۔ مسکین وہ ہے جس کے پاس کوئی چیز نہیں ہے۔مکاتب اور مدیون جو نصاب اور اس کی قیمت کی ملکیت رکھنے والا نہیں ہے جب وہ قرض سے فارغ ہو۔

اللہ کی راہ میں زکوٰۃ دینا، اور وہ شخص جو غازیوں یا حجاج سے پیچھے رہ جائے۔ابن سبیل وہ ہے جس کے پاس اس کے اپنے وطن میں مال ہے لیکن اس کے پاس مال موجود نہیں ہے۔

اور عامل کو زکوٰۃ دینا جس قدر اس کے لئے اور اس کے معاونین کو کافی ہو۔اور زکوٰۃ دینے والا ان تمام اقسام کو زکوٰۃ دے سکتا ہے اور اس کے لئے بقیہ اقسام کے موجود ہوتے ہوئے بھی کسی ایک کو زکوٰۃ دینا جائز ہے۔

زکوٰۃ کے مصارف اور دلیل شرعی کا بیان

اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِيْنَ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۔(التوبہ ۶۰)

بیشک صدقات (زکوٰۃ) محض غریبوں اور محتاجوں اور ان کی وصولی پر مقرر کئے گئے کارکنوں اور ایسے لوگوں کے لئے ہیں جن کے دلوں میں اسلام کی الفت پیدا کرنا مقصود ہو اور (مزید یہ کہ) انسانی گردنوں کو (غلامی کی زندگی سے) آزاد کرانے میں اور قرض

داروں کے بوجھ اتارنے میں اور اللہ کی راہ میں اور مسافروں پر (زکوٰۃ کا خرچ کیا جانا حق ہے)۔ یہ (سب) اللہ کی طرف سے فرض کیا گیا ہے، اور اللہ خوب جاننے والا بڑی حکمت والا ہے۔

اس آیت مبارکہ میں آٹھ مصارفین کا ذکر موجود ہے۔

(۱) فقراء (۲) مساکین (۳) عاملین زکوٰۃ (زکوٰۃ اکٹھی کرنے والے) (۴) مؤلفۃ القلوب (۵) غلام کی آزادی (۶) مقروض (۷) فی سبیل اللہ (۸) مسافر

قرآن کریم میں زکوٰۃ کے یہ آٹھ مصارف ذکر ہوئے ہیں احناف کے نزدیک ان میں سے کسی بھی مصرف میں زکوٰۃ دینے سے ادائیگی ہو جائے گی اور دینے والا دینی فریضہ سے سبکدوش ہو جائے گا۔ خواہ ایک پر صرف کرے خواہ دو پر خواہ زیادہ پر یہ اس کے اپنے اختیار میں ہے۔

زکوٰۃ کا پہلا اور دوسرا مصرف، فقیر و مسکین

فقیر اور مسکین دونوں ہی مالی ضروریات کے لئے دوسروں کے مالی تعاون کے محتاج ہیں دونوں کو زکوٰۃ دی جا سکتی ہے فقیر سے بڑھ کر مسکین خستہ حال ہوتا ہے فقیر تنگدست ہوتا ہے تہی دست نہیں ہوتا مسکین وہ ہے جس کے پاس کچھ بھی نہ ہو، فقیر وہ ہے جس کے پاس کچھ نہ کچھ مال ہوتا ہے مگر ضروریات زندگی اس سے پوری نہیں ہوتیں۔

(بدائع الصنائع 2, 43 ۔۔۔ فتاویٰ عالمگیری 188 تفسیر کبیر 107 طبع ایران ۔۔۔ احکام القرآن للجصاص 3, 122 ۔۔۔ روح المعانی 15, 120 ۔۔۔ ہدایہ، 163 ۔۔۔ الجامع الاحکام القرآن للقرطبی 7, (157)

زکوٰۃ کے حقدار مسکین اور فقیر میں فرق

فقیر اور مسکین کی تعریف اور ان میں فرق سے متعلق علماء کے کئی اقوال ہیں۔ اس سلسلہ میں درج ذیل حدیث قول فیصل کی حیثیت رکھتی ہے۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آپ نے فرمایا، مسکین وہ نہیں جو ایک یا دو لقموں کے لیے لوگوں کے پاس چکر لگائے کہ اسے ایک یا دو کھجوریں دے کر لوٹا دیا جائے بلکہ مسکین وہ ہے جس کے پاس اتنا مال نہ ہو جو اسے بے نیاز کر دے۔ نہ اس کا حال کسی کو معلوم ہوتا ہے کہ اسے صدقہ دیا جائے، نہ وہ لوگوں سے کھڑا ہو کر سوال کرتا ہے۔ (بخاری۔ کتاب الزکوٰۃ)

تیسرا مصرف والعاملین علیہا

وہ لوگ جو زکوٰۃ و عشر جمع کرنے پر مامور ہوں، ان سب کو زکوٰۃ فنڈ سے اجرت یا تنخواہ دی جائے گی خواہ امیر ہوں خواہ غریب عامل جو زکوٰۃ لینے کا مستحق ہے وہ صرف اپنے کام کی بناء پر اس کا حقدار ہے نہ کہ زکوٰۃ کی حیثیت سے دلیل یہ ہے کہ اسے تنخواہ ملے گی گو غنی و امیر ہو اس پر امت کا اجماع ہے اگر یہ صدقہ ہوتا تو امیر کے لئے جائز نہ ہوتا۔

(بدائع الصنائع 2, 44 ۔۔۔ فتح القدیر 2, 204 ۔۔۔ تفسیر کبیر 16, (115)

رہا ہمارے دور کے ظالم حکمرانوں کو زکوٰۃ وعشر خراج جزیہ اور محصولات لینا تو صحیح تر یہ ہے کہ مالدار لوگ ان کو مال دیتے وقت ان پر صدقہ کی نیت کرلیں، تو ان سے شرعی مالی واجبات ساقط ہو جائیں گے۔ (فتاویٰ عالمگیری، 1,(190)

گویا ان کو دوبارہ ادا نہیں کرنا پڑے گا جیسے آج کل حکومت زبردستی زکوٰۃ بینکوں سے کاٹ لیتی ہے اور افسر شاہی شیر مادر سمجھ کر اپنے عزیزوں اور دوستوں کے ہمراہ ڈکار لئے بغیر سب کچھ ہڑپ کر جاتی ہے۔ اسی لئے حقیقت شناس لوگ بینکوں پر بھروسہ نہیں کرتے اپنے طور پر زکوٰۃ کی رقم اس کے مصارف میں خرچ کرتے ہیں۔ یہ ہی احسن طریقہ ہے۔

اموال ظاہرہ واموال باطنہ

مال دو طرح کا ہے ایک ظاہری جیسے مویشی غلہ مال تجارت وغیرہ اس کی زکوٰۃ اسلامی حکومت وصول کرتی ہے۔ دوسرا باطنی یا پوشیدہ مال جیسے زیورات یا نقدی اس کی زکوٰۃ ہر شخص خود ادا کرتا ہے۔

بنی ہاشم پر زکوٰۃ صرف کرنا جائز نہیں کہ یہ لوگوں کے مال کا میل کچیل ہے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ کبھی خود اپنی ذات پر مال زکوٰۃ صرف کیا نہ اپنے خاندان بنی ہاشم پر بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ذات اور اپنے خاندان بنی ہاشم پر زکوٰۃ وعشر کا مال حرام فرما دیا۔ حضور بھی زکوٰۃ کی وصولی وتقسیم کا کام بلا معاوضہ کرتے تھے اور اپنے خاندان کے لئے بھی یہ حکم تھا کہ ان میں سے جو کوئی بلا معاوضہ یہ خدمت کرنا چاہے کرے، لیکن زکوٰۃ میں سے معاوضہ لے کر یہ خدمت انجام نہیں دے سکتا۔ ہاں زکوٰۃ کے محکمہ میں کام کرنے والا ہاشمی زکوٰۃ فنڈ کے علاوہ تنخواہ پائے تو یہ جائز ہے۔ البتہ زکوٰۃ کے علاوہ ان تحائف دیئے جاسکتے ہیں۔ (فتاویٰ عالمگیری 1,(188)

چوتھا مصرف، مؤلفۃ القلوب

زکوٰۃ وعشر کا چوتھا مصرف مؤلفۃ القلوب ہیں یعنی وہ لوگ جن کی تالیف قلب مقصود ہے تالیف قلب کا مطلب ہے دل موہ لینا، مائل کرنا، مانوس کرنا۔ اس حکم خداوندی کا مقصد یہ ہے کہ جو لوگ اسلام کے سخت مخالف ہیں اور مال دے کر ان کی مخالفت ختم کی جاسکتی ہے یا ایسے نادار کافر جن کی مالی امداد کر کے ان کو اسلام کی طرف مائل کیا جاسکتا ہے جس کے نتیجہ میں پہلے ان کا جوش عداوت ٹھنڈا ہوگا اور بالآخر وہ اسلام میں داخل ہو سکتے ہیں۔ یا وہ لوگ جو نئے نئے مسلمان ہوں اور ان کی مناسب مالی مدد نہ کی گئی تو امکان ہے کہ وہ اپنی کسمپرسی اور کمزوری کی بناء پر پھر کفر کی طرف پلٹ جائیں گے۔ ایسے لوگوں کو وقتی عطیات یا مستقل وظائف مال زکوٰۃ سے دے کر ان کو اسلام کا مطیع وفرماں بردار یا کم از کم بے ضرر دشمن بنالیا جائے ایسے لوگوں کو مال زکوٰۃ دینا جائز ہے خواہ وہ غریب ہوں خواہ مالدار اس بات میں تو کسی کا اختلاف نہیں کہ قرآن کریم میں زکوٰۃ وعشر کے جو آٹھ مصارف ذکر کئے گئے ہیں ان میں مؤلفۃ القلوب کا حصہ بھی شامل ہے اور یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مؤلفۃ القلوب کو اپنی حیات ظاہری میں مالی وظائف دیا کرتے تھے۔ مثلاً خاندان بنی امیہ میں سفیان بن حرب، بنی مخزوم میں حارث بن ہشام، عبدالرحمٰن بن یربوع، بنی جمح میں صفوان بن امیہ، بنی عامر بن لوئی میں سہیل بن عمرو اور حویطب بن عبدالعزیٰ، بنی اسد بن عبدالعزیٰ میں حکیم بن حزام، بنی ہاشم میں ابوسفیان بن الحارث

بن عبدالمطلب، فزارہ عینیہ بن حصن، بنی تمیم میں اقرع بن حابس، بنی نصر میں مالک بن عوف، بنی سلیم میں عباس بن مرداس، ثقیف میں علاء بن حارثہ، بنی حارثہ، بنی سہم میں عدی بن قیس، ان میں سے بعض کو 100 اونٹ اور بعض کو 50 ملے۔

لیکن جب خلافت صدیقی میں عینیہ بن حصن اپنا حصہ لینے آئے تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے قرآن کی یہ آیت پڑھی الْحَقُّ مِن رَّبِّكُمْ فَمَن شَاءَ فَلْيُؤْمِن وَمَن شَاءَ فَلْيَكْفُرْ حق تمہارے رب کی طرف سے ہے سو جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے انکار کرے دوسری روایت میں ہے عینیہ اور اقراع، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس زمین مانگنے آئے۔ آپ نے ان کو تحریر لکھ دی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے چاک کر دیا، اور فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمہیں یہ کچھ اس لئے دیتے تھے کہ تم اسلام سے مانوس ہو جاؤ۔ اب اللہ نے اسلام کو غلبہ دے دیا ہے اور اسے تم لوگوں سے مستغنی کر دیا ہے، اسلام پر قائم رہو گے تو ٹھیک، ورنہ ہمارے تمہارے درمیان تلوار فیصلہ کریگی وہ لوگ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس لوٹ کر آئے اور کہنے لگے آپ خلیفہ ہیں یا عمر رضی اللہ عنہ، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی موافقت کی اور کسی صحابی نے انکار نہیں کیا۔

(الجامع لاحکام القرآن للقرطبی 114,8 --- بدائع الصنائع 45,2 --- فتح القدیر 1-200 --- تفسیر کبیر 16,(111)

کیا مؤلفۃ القلوب کا حصہ منسوخ ہو چکا ہے؟ امام رازی لکھتے ہیں۔

الصحیح ان ھذا الحکم غیر منسوخ وان للامام ان یتألف قوما علی ھذا الوصف ویدفع الیھم سھم المؤلفۃ

صحیح یہ ہے کہ حکم منسوخ نہیں اور امام کا حق ہے کہ ایسے لوگوں کو اسی طرح مانوس کرتا رہے اور ان کو مؤلفۃ القلوب کا حصہ دیتا رہے۔ (کبیر 16,(111)

جیسا کہ عرض کیا گیا ہے مصارف زکوۃ میں اللہ تعالیٰ نے ایک مصرف مؤلفۃ القلوب کا مقرر فرمایا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مد میں زکوۃ وعشر کی آمدنی خرچ فرمائی۔ اور کبھی اسے منسوخ نہ فرمایا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ان تمام حضرات کے وہ وظائف بند کر دیئے جو تالیف قلب کے طور پر وہ اس سے پہلے وصول کرتے تھے۔ بعض ائمہ کرام (جیسے احناف) کا موقف یہ ہے کہ مؤلفۃ القلوب کا حصہ چونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے روک لیا تھا اور تمام صحابہ کرام کے سامنے ایسا ہوا اور کسی نے اس پر اختلاف یا انکار نہ کیا پس معلوم ہوا کہ اس مصرف کے سقوط پر اجماع صحابہ ہے اور چونکہ اجماع دلیل قطعی ہے۔ لہٰذا قرآن کا نسخ اس سے جائز ہے بعض ائمہ نے فرمایا پہلے تالیف قلب کی ضرورت تھی لہٰذا یہ مصرف بحال رہا۔ جب اسلام کو قوت حاصل ہوگئی تو کسی کی تالیف قلب کی ضرورت نہ رہی پس حکم جاتا رہا۔ ہمارے نزدیک تالیف قلب کی آج بھی اتنی ہی بلکہ اس سے کہیں زیادہ ضرورت ہے جتنی ابتدائے اسلام میں۔ آج بھی ضرورت اس امر کی ہے کہ اس فنڈ میں سے غریبوں کی مدد کر کے ان کے عقیدہ کو بچایا جائے۔

پانچواں مصرف وفی الرقاب

گردنیں چھڑانے میں اسلام سے پہلے دنیا کے اکثر ممالک میں غلامی کا دور دورہ تھا، کمزور، نادار، اور پسماندہ انسانوں کو طاقتور لوگ اپنا غلام بنا لیتے تھے۔ یونہی لڑائیوں اور جنگوں میں غالب قوم، مغلوب قوم کو اپنا غلام بنا کر ان کے گھر بار زمین جائیداد یہاں

تک کہ ان کی جانوں کی مالک بن جاتی تھی اسلام نے انسانی غلامی کو جرم قرار دیا جو صدیوں سے نسلاً بعد نسل غلام تھے ان کو قانوناً واخلاقاً کئی طریقوں سے آزاد کرنے کا دروازہ کھول دیا۔ جس کے نتیجہ میں تھوڑے ہی عرصہ میں دنیا اس لعنت سے پاک ہوگئی جو مالک اپنے غلاموں لونڈیوں کو بلا معاوضہ آزاد کرنے پر آمادہ نہ تھے۔ ان کو مالی معاوضہ دے کر غلاموں کو آزادی دلائی گئی۔ مالک اپنے مملوک سے آزادی کے لئے جو مالی معاوضہ طلب کرے اسے بدل کتابت کہا جاتا ہے غلام مطلوبہ رقم ادا کر کے آزادی سے ہمکنار ہوسکتا ہے اور وہ رقم مال زکوٰۃ سے دی جاسکتی ہے۔ یونہی جو مسلمان آج کل ظالم وغاصب کافروں سے اپنی اپنی آئندہ نسلوں کی بقاء وآزادی کی جنگ لڑ رہے ہیں وہ محکوم ومظلوم مسلمان بھی مال زکوٰۃ کے مستحق ہیں۔ اور اس قرآنی مصرف میں شامل ہیں۔

چھٹا مصرف الغارمین

والغارمین اور قرضداروں کو یعنی مال زکوٰۃ سے قرض داروں کے قرض بھی ادا کئے جاسکتے ہیں۔

ساتواں مصرف وفی سبیل اللہ

اور اللہ کے راستے میں امام یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے فی سبیل اللہ جہاد کرنے والے مجاہدین مراد لئے ہیں اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک وہ عازمین حج جو راستے میں مالی مدد کے محتاج ہوں۔ کچھ علماء کے نزدیک طالب علم مراد ہیں۔ امام کاسانی حنفی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ وہ **فی سبیل اللہ عبارة عن جميع القرب فيدخل فيه كل من سعى في طاعة الله و سبيل الخيرات اذا كان محتاجا** فی سبیل اللہ سے مراد ہے تمام نیکی کے کام، اس میں ہر وہ شخص شامل ہے جو اللہ کی اطاعت اور نیک کاموں میں تگ ودو کرے۔ جب کہ (زکوٰۃ کا) حاجت مند ہو۔

(بدائع الصنائع، 45,2۔۔۔تفسیر روح المعانی، 123,10۔۔۔درمختار مع ردالمختار للشامی، 343,2)

امام رازی فرماتے ہیں۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ زکوٰۃ کا ساتواں مصرف قرآن کریم میں فی سبیل اللہ بیان فرمایا گیا ہے۔ بعض فقہاء کرام نے اس سے حج اور جہاد پر جانے والے وہ لوگ مراد لئے ہیں جو سفر اور متعلقہ ضروریات کے سلسلہ میں مالی تعاون کے طالب ہیں ان پر زکوٰۃ صرف کی جاسکتی ہے لیکن ظاہر ہے کہ کتاب وسنت میں براہ راست یہ وضاحت نہیں کی گئی۔ لہٰذا مجاہدین سے مراد اگر عام معنی مراد لیا جائے تو زیادہ مناسب ہے یعنی وہ لوگ جو دین اسلام کی سربلندی کے لئے جدوجہد میں مصروف ہیں خواہ وہ جہد فوجی میدان میں ہو خواہ تعلیمی میدان میں، خواہ تبلیغی وتربیتی میدان میں جہاد کا مفہوم قتال وغزاء سے عام ہے۔ پس جو لوگ ان محاذوں پر مصروف کار ہیں اگر وہ مالی تعاون کے محتاج ہوں تو زکوٰۃ سے ان کے وقتی یا مستقل وظائف مقرر کئے جاسکتے ہیں۔

آٹھواں مصرف ابن سبیل مسافر

زکوٰۃ کا آٹھواں مصرف مسافر ہے۔ خواہ گھر میں مالدار ہو مگر سفر میں تنگدست ہو جائے اور مالی تعاون کا محتاج ہو، تو زکوٰۃ سے اس کی مالی مدد کی جائے گی المراد الذی انقطعت بہ الاسباب فی سفرہ عن بلدہ ومستقرہ ومالہ فانہ یعطی منہا وان کان غنیا فی بلدہ اس سے

مراد وہ شخص ہے جس کے وسائل واسباب گھر ٹھکانہ اور مال سے دور سفر میں ہونے کی وجہ سے اس کی دسترس سے باہر ہیں۔ اس کو مال زکوٰۃ سے دیا جائے گا اگر چہ اپنے شہر میں امیر ہو۔ (الجامع لاحکام القرآن للقرطبی 119,8 بدائع الصنائع کاسانی 46,2)

زکوٰۃ میں تملیک کو رکن قرار دینے میں حکم فقہی

علامہ ابن محمود البابرتی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ صاحب ہدایہ کا یہ کہنا کہ زکوٰۃ ادا کرنے میں تملیک فقیر وغیرہ رکن ہے۔ اور مسجد کو زکوٰۃ دینے میں تملیک حاصل نہ ہوگی لہٰذا زکوٰۃ مسجد کو نہ دی جائے۔ اور اللہ تعالیٰ کے فرمان ''إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ'' میں لام احناف کے نزدیک معاقبت کے لئے ہے۔ جبکہ یہاں لام تملیک کے لئے ہونا چاہیے۔

اس کا جواب دیتے ہوئے علامہ بابرتی حنفی لکھتے ہیں۔ کہ یہاں عاقبت بمعنی مقبوض ہے۔ اور مقبوض سے ہی ملکیت ثابت ہو گی۔ کیونکہ ابتدائی طور پر وہ مستحق نہیں لیکن جب ملکیت حاصل ہوئی تو ان کے لئے تملیک ثابت ہوئی۔

(عنایہ شرح الہدایہ، ج ۳، ص ۲۰۴، بیروت)

علامہ نظام الدین رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ اور زکوٰۃ کی رقم سے مسجد کی تعمیر جائز نہیں اور اسی طرح پلوں کی تعمیر، کنوؤں کی کھدائی، راستوں کی درستگی، نہروں کی کھدائی اور حج اور جہاد کے لیے (زکوٰۃ کی رقم کا براہِ راست استعمال) جائز نہیں ہے، (اسی طرح) ہر اُس کام کے لیے جس میں تملیک نہیں پائی جاتی (زکوٰۃ کی رقم کا استعمال) جائز نہیں ہے، (زکوٰۃ کی رقم کو) میت کے کفن دفن اور اُس کے قرض کی ادائیگی کے لیے (براہِ راست استعمال کرنا) جائز نہیں ہے، تبیین میں اسی طرح ہے۔

(فتاویٰ عالمگیری جلد 1، ص 188، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

علامہ علاؤالدین حصکفی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ کہ مسجد کی تعمیر یا کفنِ میّت پر زکوٰۃ نہیں لگتی اور حیلہ یہ ہے کہ فقیر کو زکوٰۃ دی جائے، پھر اسے ان کاموں میں خرچ کرنے کا کہا جائے، کیا اس فقیر کیلئے اس دینے والے کے حکم کی خلاف ورزی جائز ہے، میری نظر سے نہیں گزرا۔ ہاں ظاہر یہی ہے کہ فقیر اس کے خلاف کر سکتا ہے۔ (درمختار، ج ا، ص ۱۴۱، باب المصرف مجتبائی دہلی)

علامہ ابن عابدین شامی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ کہ صاحب نہر نے اس پر بحث کرتے ہُوئے فرمایا کہ حُرمت تملیک کا تقاضہ یہی ہے کہ وہ خلاف ورزی کر سکتا ہے۔ رحمتی نے فرمایا، ظاہر یہی ہے کہ اس میں کوئی شک نہیں اس لیئے کہ اس نے فقیر کو اپنے مال کی زکوٰۃ دے کر اسے مالک بنا دیا اور ساتھ شرط فاسد کا اضافہ کر دیا حالانکہ ہبہ اور صدقہ شرط فاسد سے فاسد نہیں ہوتے۔

(فتاویٰ شامی، کتاب زکوٰۃ، مصر)

پھر جب صریح شرط باوجود خلوصِ نیّت اداء زکوٰۃ میں خلل انداز نہیں تو ایسا برتاؤ جو بظاہر معنیٰ شرط پر دلالت کرے مثلاً جب یہاں رہے تو دے اور نہ رہے تو نہ دے، بدرجہ اولیٰ باعث خلل نہ ہوگا۔

کافر اور مالدار کو زکوٰۃ نہ دینے کا بیان

ولا یصح دفعها لکافر وغنی یملك نصابا أو ما یساوی قیمته من أی مال کان فاضل عن حوائجه الأصلیة وطفل غنی وبنی هاشم وموالیهم-

ترجمہ

کافر کو زکوٰۃ دینا صحیح نہیں ہے۔اور اس غنی کو جو مالک نصاب یا اس کی قیمت کے برابر مال کا مالک ہے۔یعنی یہ مال اس کی حوائج اصلیہ سے زیادہ ہے۔اور مالدار بچے، بنو ہاشم اور ان کے موالی کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے۔

کافر پر وجوب زکوٰۃ نہ ہونے کا بیان

وجوب زکوٰۃ کے شرایط میں سے ایک شرط اسلام ہے، حنفی، شافعی اور حنبلی مذہب کے نظریہ کے مطابق کافر پر زکوٰۃ واجب نہیں چاہے کافر اصلی ہو یا مرتد ہو۔(،مذاہب اربعہ، جزیری)

مالکیوں کے الفاظ یوں نقل کرتے ہیں کہ کافر پر زکات اسی طرح واجب ہے جس طرح مسلمان پر واجب ہے بغیر کسی فرق کے۔وہ کہتے ہیں کہ مالکیوں کی دلیل یہ ہے کہ اسلام زکات کے وجود کی شرط نہیں ہے بلکہ اسلام زکات کے صحیح ہونے کی شرط ہے لہٰذا ان کی نظر میں کافر پر زکات واجب ہے، ہر چند اسلام کے بغیر صحیح نہیں ہے۔لیکن قرطبی کے بہ قول، امام مالک کا کوئی قول اہل ذمہ پر زکات واجب ہونے کے سلسلہ میں نقل نہیں ہوا ہے۔ لہٰذا سمجھ میں یہی آتا ہے کہ مالکیوں کا فتویٰ یہی ہے کہ کافر سے زکوٰۃ وصول کرنا ضروری نہیں ہے۔

بھول کر غنی کو زکوٰۃ دینے والے کی زکوٰۃ کا بیان

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک مرتبہ بنی اسرائیل میں سے ایک شخص نے اپنے دل میں یا کسی اپنے دوست سے کہا کہ میں آج رات میں خدا کی راہ میں کچھ مال خرچ کروں گا چنانچہ اس نے اپنے قصد و ارادہ کے مطابق خیرات کے لیے کچھ مال نکالا، تاکہ اسے کسی مستحق کو دے دے اور وہ مال اس نے ایک چور کے ہاتھ میں دے دیا۔ اسے یہ معلوم نہ تھا کہ یہ چور ہے کہ جس وجہ سے خیرات کے مال کا مستحق نہیں ہے جب صبح ہوئی اور لوگوں کو الہام خداوندی کے سبب یا خود اس چور کی زبانی معلوم ہوا تو بطریق تعجب لوگ چہ میگوئیاں کرنے لگے کہ آج کی رات ایک چور کو صدقہ کا مال دیا گیا ہے۔جب صدقہ دینے والے کو بھی صورتحال معلوم ہوئی تو وہ کہنے لگا کہ اے اللہ! تیرے ہی لیے تعریف ہے باوجودیکہ صدقہ کا مال ایک چور کے ہاتھ لگا اور پھر کہنے لگا کہ آج کی رات پھر صدقہ دوں گا تاکہ وہ مستحق کو مل جائے چنانچہ اس نے صدقہ کی نیت سے پھر کچھ مال نکالا اور اس مرتبہ بھی غلط فہمی میں وہ مال ایک زانیہ کے ہاتھ میں دے دیا، جب صبح ہوئی تو پھر لوگ چہ میگوئیاں کرنے لگے کہ آج تو ایک زانیہ صدقہ کا مال لے اڑی وہ شخص کہنے لگا کہ اے اللہ! تعریف تیرے ہی لیے ہے اگرچہ اس مرتبہ صدقہ کا مال ایک زانیہ کے ہاتھ لگ گیا اور پھر کہنے لگا کہ آج کی رات پھر صدقہ دوں گا چنانچہ اس نے پھر کچھ مال صدقہ کی نیت سے نکالا اور اس مرتبہ پھر غلط فہمی میں وہ مال ایک غنی کے ہاتھ میں دے دیا، جب صبح ہوئی تو پھر لوگ چہ میگوئیاں کرنے لگے کہ آج کی رات تو ایک دولت مند کو مل گیا۔جب وہ شخص سویا تو خواب میں اس سے کہا گیا کہ تو نے جتنے صدقے دیئے ہیں سب قبول ہو گئے۔کیونکہ صدقہ کا جو مال تو نے چور کو دیا ہے۔وہ بے فائدہ اور خالی از ثواب نہیں ہے ممکن ہے وہ اس کی وجہ سے چوری سے باز رہے اور صدقہ کا جو مال تو نے زانیہ کو دیا ہے ممکن ہے وہ اس کی

وجہ سے زنا سے باز رہے اور صدقے کا جو مال تو نے دولت مند کو دیا ہے ممکن ہے وہ اس کی وجہ سے عبرت حاصل کر لے اور اللہ تعالیٰ نے جو کچھ دیا ہے اس میں سے خرچ کرے۔ (بخاری، رقم الحدیث، ۱۴۲۱ اور مسلم، الفاظ بخاری کے ہیں)۔

حقدارِ زکوٰۃ نہ بن سکنے والوں کا بیان

واختار الطحاوی جواز دفعها لبنی هاشم وأصل المزکی وفرعه وزوجته ومملوکه ومکاتبه ومعتق بعضه وکفن میت وقضاء دینه وثمن قن یعتق ولو دفع بتحر لمن ظنه مصرفا فظهر بخلافه أجزأه إلا أن یکون عبده أو مکاتبه وکره الإغناء وهو أن یفضل للفقیر نصاب بعد قضاء دینه وبعد إعطاء کل فرد من عیاله دون نصاب من المدفوع إلیه فلا یکره- وندب إغناؤه عن السؤال وکره نقلها بعد تمام الحول لبلد آخر لغیر قریب وأحوج وأروع وأنفع للمسلمین بتعلیم-

ترجمہ

امام طحاوی علیہ الرحمہ نے بنو ہاشم کو زکوٰۃ دینے کے جواز کو اختیار کیا ہے۔ زکوٰۃ دینے والے کی اصل اور فرع اور فرع سے مراد بیوی، غلام، مکاتب، بعض کا عتق، کفن میت، اس کے قرض کی ادائیگی، غلام کی آزادی کے لئے قیمت دینا ہے۔ جب زکوٰۃ دینے والے نے غور و فکر کر کے کہ مصرف زکوٰۃ ہے زکوٰۃ دے دی تو بعد اس کا خلاف نکلا تو بھی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی ہاں البتہ جب اس کو پتہ چلا کہ وہ تو اپنا ہی غلام یا مکاتب ہے تو ادا نہ ہوئی۔

فقیر کو زکوٰۃ دے کر غنی بنا دینا مکروہ ہے اور وہ فقیر کا قرض ادا کرنا اور اپنے اہل و عیال میں کسی کو نصاب سے کم مال بھی دے دینا ہے۔ پھر نصاب بچ جائے اور اگر نصاب سے کم بچے تو مکروہ نہ ہوگا۔ اور ان کو سوال کرنے سے بے پرواہ کر دینا مستحب ہے۔ اور سال پورا ہونے کے بعد مال کو کسی دوسرے قریبی شہر کی جانب منتقل کرنا مکروہ ہے۔ جو زیادہ محتاج اور متقی ہیں اور مسلمانوں کی تعلیم کے لئے زیادہ مفید ہے۔ تو حرج نہیں ورنہ مکروہ ہے۔

مکاتب کو زکوٰۃ نہ دینے کی دلیل کا بیان

علامہ علاؤ الدین کاسانی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ کہ مکاتب کو زکوٰۃ ایسا ہی ہوگا جس طرح اسے مالک بنانا ہے۔ اور مکاتب کی تملیک اعتاق ہے اور اعتاق تملیک نہیں ہے۔ اس لئے مکاتب کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے۔ اور اس کی دوسری دلیل یہ ہے کہ اسی کی طرف حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ کی روایت کا اشارہ تھا کہ مکاتب کو زکوٰۃ نہ دو کہیں اس کی وجہ سے اس کی ولایت جاری نہ ہو جائے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اعتاق معتق کے لئے ولایت ثابت کرتا ہے۔ لہٰذا اس کا حق اس میں باقی رہے گا اور کلی طور پر منقطع نہ ہوگا۔ جس کی وجہ سے اخلاص ثابت نہ ہوگا اور اخلاص ہی عبادت ہے اور زکوٰۃ بھی عبادت جو متحقق نہ ہوگی۔

(بدائع الصنائع، ج ۲، ص ۴۷، بیروت)

غنی کی بیوی کو زکوٰۃ دینے میں طرفین کے اختلاف کا بیان

علامہ علاؤالدین کاسانی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ کہ بہر حال غنی کے چھوٹے بچے کو زکوٰۃ دینے کا مسئلہ ہے۔ تو اسے زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے۔ اگر چہ وہ فقیر ہو کیونکہ وہ اپنے والد کے غناء سے شمار کیا جائے گا۔ اور غنی کا بڑا بچہ اگر فقیر ہے تو اسے زکوٰۃ دینا جائز ہے کیونکہ اس کے والد کے غناء سے شمار نہیں کیا جائے گا۔ لہٰذا وہ اجنبی کی طرح ہوگا۔ اور اسی طرح کسی نے ایسی عورت کو زکوٰۃ دی جس کا شوہر غنی ہے تو اس کی دو صورتیں ہیں۔ اگر وہ شوہر اس کو نفقہ دیتا ہے تو وہ عورت غنی میں شمار ہوگی اور زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے اور اگر اس عورت کو شوہر نفقہ نہیں دیتا تو پھر اس کو زکوٰۃ دینا جائز ہے۔ کیونکہ وہ فقیرنی کے حکم میں ہے۔ اس مسئلہ میں زکوٰۃ دینے کا جواز طرفین کے نزدیک ہے جبکہ حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں۔ زکوٰۃ دینا جائز نہیں بلکہ اسے نان ونفقہ لے کر دیا جائے گا۔ اور اس کی دلیل ظاہر ہے کہ وہ عورت فقیرنی شمار نہ ہوگی کیونکہ غنی کی بیوی ہے اور اسے غنی ہی شمار کیا جائے گا۔ اور اس کی دلیل یہ بھی ہے کہ اس کا شوہر غنی ہے جو کسی طرح بھی زکوٰۃ کا مستحق نہیں ہے۔ (بدائع الصنائع، ج ۲، ص ۴۷، بیروت)

بنی ہاشم کے لیے صدقہ وزکوٰۃ کا مال کھانا حرام ہے

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ نے زکوٰۃ کی رکھی ہوئی کھجوروں میں سے ایک کھجور اٹھا کر اپنے منہ میں ڈال لی (یہ دیکھ کر) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسے نکالو! نکالو (اور اس طرح فرمایا تاکہ) وہ اسے (منہ سے نکال کر) پھینک دیں پھر آپ نے ان سے فرمایا کہ کیا تم جانتے نہیں کہ ہم بنی ہاشم صدقہ کا مال نہیں کھاتے۔ (بخاری ومسلم)

اما شعرت (کیا تم نہیں جانتے) اس جملے کا استعمال ایسے مواقع پر کیا جاتا ہے جب کہ مخاطب کسی واضح اور ظاہر امر کے برخلاف کوئی بات کہہ یا کر رہا ہو خواہ مخاطب اس واضح امر سے لاعلم ہی کیوں نہ ہو گویا اس جملے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ یہ امر اتنا واضح اور ظاہر ہونے کے باوجود تم پر پوشید کیسے ہے اور تم اس سے لاعلم کیسے ہو۔

بہر حال ظاہر ہے کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ تو اس وقت بالکل ہی کمسن تھے، انہیں ان سب باتوں کی کیا خبر تھی مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے باجود انہیں اس انداز سے اس لیے خطاب کیا تاکہ دوسرے لوگ اس کے بارے میں مطلع ہو جائیں اور انہیں بنی ہاشم کے حق میں صدقہ زکوٰۃ کے مال کی حرمت کا علم ہو جائے۔

اس حدیث سے یہ نکتہ بھی ہاتھ لگا کہ والدین اور مربی پر واجب ہے کہ وہ اپنی اولاد کو خلاف شرع باتوں اور غلط حرکتوں سے روکیں اسی وجہ سے حنفی علماء فرماتے ہیں کہ والدین کے لیے یہ حرام ہے کہ وہ اپنے لڑکوں کو ریشم کے کپڑے (جو مردوں کے لیے ناجائز ہیں) اور سونے چاندی کا زیور پہنائیں۔

سیّد اور بنی ہاشم زکوٰۃ کا مصرف نہیں ہیں

سیّد اور ہاشمی زکوٰۃ کا مصرف نہیں ہیں، لہٰذا ان کو دینے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی، بنو ہاشم سے مراد حضرت علی، حضرت عقیل،

حضرت جعفر، حضرت حارث بن عبدالمطلب اور حضرت عباس رضی اللہ عنہم کی اولاد ہے۔ ساداتِ کرام اور بنی ہاشم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قرابت کی وجہ سے ہدیے اور تحفے دیے جائیں اور ان میں سے جو لوگ نادار ہوں، انہیں اپنے مال میں سے زکوٰۃ کے علاوہ نفلی صدقے کے طور پر دینا چاہیے اور جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبتِ قرابت کی پاسداری کرتے ہوئے سادات کرام کی مدد کریں گے، وہ یقیناً اجرِ عظیم کے حقدار ہوں گے اور ہوسکتا ہے کہ یہ حسنِ سلوک ان کے لیے وسیلۂ شفاعت بن جائے۔ سیّد وہ قرار پائے گا جس کا باپ سیّد ہو، کیونکہ اسلام میں نسب باپ کی طرف سے چلتا ہے۔ لہٰذا سیّدہ کی غیر سیّد سے اولاد اگر مستحقِ زکوٰۃ ہے، تو اسے زکوٰۃ دے سکتے ہیں، اسی طرح سیّد کے نکاح میں اگر غیر سیّدہ بیوی ہے، تو اسے براہِ راست زکوٰۃ دے سکتے ہیں۔

بنی ہاشم کے غلاموں کو بھی صدقہ کا مال لینا حلال نہیں

حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی مخزوم کے ایک شخص کو زکوٰۃ لینے کے لیے بھیجا اس نے ابو رافع سے کہا کہ تم بھی میرے ساتھ چلو تا کہ اس میں سے تمہیں بھی کچھ حصہ مل جائے ابو رافع نے کہا کہ میں ابھی نہیں جاؤں گا پہلے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جا کر پوچھتا ہوں کہ میں اس شخص کے ساتھ زکوٰۃ لینے جاؤں یا نہیں! چنانچہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے جانے کے بارے میں پوچھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ صدقہ ہمارے یعنی بنی ہاشم کے لیے حلال نہیں ہے اور مولیٰ یعنی آزاد کردہ غلام زکوٰۃ لینے کے معاملے میں اسی آزاد قوم کے حکم میں ہے۔ (ترمذی، ابوداؤد، نسائی)

زکوٰۃ کا انسان کے مال کا میل ہونے کا بیان

حضرت عبدالمطلب بن ربیعہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ صدقات یعنی زکوٰۃ تو انسانوں کے میل ہیں، صدقہ نہ تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے حلال ہے اور نہ آلِ محمد (بنی ہاشم) کے لیے حلال ہے (مسلم)

زکوٰۃ کو میل اس لیے کہا گیا ہے کہ جس طرح انسان کا جسم میل اتارنے سے صاف ہو جاتا ہے اسی طرح زکوٰۃ نکالنے سے نہ صرف یہ کہ مال ہی پاک ہو جاتا ہے بلکہ زکوٰۃ دینے والے کے قلب و روح میں پاکیزگی پیدا ہوتی ہے یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے زکوٰۃ کا مال لینا حرام تھا اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد بنی ہاشم کو بھی زکوٰۃ لینی حرام ہے، خواہ وہ زکوٰۃ وصول کرنے پر مقرر ہوں یا محتاج و مفلس ہوں چنانچہ حنفیہ کا صحیح مسلک یہی ہے۔

صدقہ کے مال سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی احتیاط کا بیان

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معمول تھا کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کھانے کی کوئی چیز لائی جاتی تو پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بارے میں پوچھتے کہ یہ ہدیہ ہے یا صدقہ اگر بتایا جاتا کہ یہ صدقہ ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم (بنی ہاشم کے علاوہ) اپنے دوسرے صحابہ سے فرماتے کہ کھالو لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود نہ کھاتے، اور

اگر بتایا جاتا کہ یہ ہدیہ ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا دست مبارک بڑھاتے اور صحابہ کے ساتھ اسے تناول فرماتے۔ (بخاری ومسلم)

صدقہ اس مال کو کہا جاتا ہے جو کسی محتاج وضرورت مند کو از راہ مہربانی دیا جاتا ہے اور اس سے مقصد یہ ہوتا ہے کہ خدا کی رضا حاصل ہو اور آخرت میں اس کا اجر وثواب ملے چونکہ صدقہ کا مال لینے والے کی ایک طرح سے ذلت اور کمتری محسوس ہوتی ہے اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مطلقاً صدقہ لینا حرام تھا۔

ہدیہ کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ کوئی شخص اپنے کسی بڑے اور عظیم المرتبت شخص کی خدمت میں کوئی چیز از راہ تعظیم وتکریم پیش کرے۔ ہدیہ کا ایک خاص پہلو یہ بھی ہوتا ہے کہ دنیاوی طور پر اس کا تعلق طرفین سے ہوتا ہے بایں طور کہ جو شخص کسی کو کوئی چیز ہدیہ کرتا ہے تو وہ دنیا ہی میں اس کا اس طرح بدلہ بھی پاتا ہے کہ جسے اس نے ہدیہ دیا ہے وہ کسی وقت اسے بھی کوئی چیز ہدیہ کے طور پر دیتا ہے جب کہ صدقہ میں اس کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

بنو ہاشم کے غلام مکاتب کو زکوٰۃ دینے کی ممانعت کا بیان

علامہ ابن مازہ بخاری حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ علماء نے فرمایا ہے کہ ہاشمی کے مکاتب کے لیے زکوٰۃ جائز نہیں کیونکہ یہاں ایک لحاظ سے مولیٰ کی ملکیت باقی ہوتی ہے اور یہاں شبہ اہل ہاشم کے حق میں حقیقی طور پر برقرار ہوتا ہے۔ یعنی مکاتب اگرچہ آزاد متصور ہوتا ہے حتی کہ جو کچھ اسے دیا جائے وُہ اس کا مالک بن جاتا ہے لیکن گردن کے اعتبار سے مملوک ہوتا ہے لہٰذا اس صورت میں اس کے ہاشمی مولیٰ کی ملکیت کا شبہ ہے اور یہاں ہاشمی کی شرافت کی وجہ سے شبہ کا اعتبار ہوتا ہے بخلاف غنی کے، جیسا عامل میں گزرا ہے، اسی لیے مصنّف نے حقِ بنی ہاشم کی قید لگائی ہے۔ (محیط برہانی فی فقہ نعمانی، کتاب الزکوٰۃ، بیروت)

زکوٰۃ دینے میں تحری کر کے زکوٰۃ دینے کا بیان

جس نے تحری کی یعنی سوچا اور دل میں یہ بات جمی کہ اس کو زکاۃ دے سکتے ہیں اور زکاۃ دے دی بعد میں ظاہر ہوا کہ وہ مصرف زکاۃ ہے یا کچھ حال نہ کُھلا تو ادا ہوگئی اور اگر بعد میں معلوم ہوا کہ وہ غنی تھا یا اُس کے والدین میں کوئی تھا یا اپنی اولاد تھی یا شوہر تھا یا زوجہ تھی یا ہاشمی یا ہاشمی کا غلام تھا یا ذمّی تھا، جب بھی ادا ہوگئی اور اگر یہ معلوم ہوا کہ اُس کا غلام تھا یا حربی تھا تو ادا نہ ہوئی۔ اب پھر دے اور یہ بھی تحری ہی کے حکم میں ہے کہ اُس نے سوال کیا، اس نے اُسے غنی نہ جان کر دے دیا یا وہ فقیروں کی جماعت میں انھیں کی وضع میں تھا اُسے دے دیا۔ اگر بے سوچے سمجھے دے دی یعنی یہ خیال بھی نہ آیا کہ اُسے دے سکتے ہیں یا نہیں اور بعد میں معلوم ہوا کہ اُسے نہیں دے سکتے تھے تو ادا نہ ہوئی، ورنہ ہوگئی اور اگر دیتے وقت شک تھا اور تحری نہ کی یا کی مگر کسی طرف دل نہ جما یا تحری کی اور غالب گمان یہ ہوا کہ یہ زکاۃ کا مصرف نہیں اور دے دیا تو ان سب صورتوں میں ادا نہ ہوئی مگر جبکہ دینے کے بعد یہ ظاہر ہوا کہ واقعیوہ مصرفِ زکاۃ تھا تو ہوگئی۔ (فتاویٰ عالمگیری، کتاب الزکوٰۃ)

جب کوئی شخص نہ جانتے ہوئے اپنے بیٹے کو صدقہ دے

حضرت معن بن یزید رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے، میرے باپ نے اور میرے دادا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم سے بیعت کی ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہی نے میری منگنی کی اور میرا نکاح کیا اور ایک دن میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک مقدمہ لے کر حاضر ہوا اور (وہ مقدمہ یہ تھا کہ) میرے باپ یزید نے کچھ اشرفیاں برائے صدقہ نکالی تھیں اور ان کو مسجد میں ایک شخص کے پاس رکھوا دیا تھا (کہ تم جس کو چاہو دے دینا) چنانچہ میں گیا اور میں نے وہ اشرفیاں لے لیں اور ان کو (گھر) لے آیا میرے باپ نے کہا کہ اللہ کی قسم! میں نے تجھ کو دینے کا ارادہ نہیں کیا تھا تو میں یہ مقدمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اے یزید! جو نیت تم نے کی ہے اس کا ثواب تمہیں ملے گا اور اے معن! جو کچھ تم نے لیا وہ تمہارا ہے۔ (صحیح بخاری، ۱۹،۷۱)

حضرت امام ابوحنیفہ اور امام محمد کا یہی قول ہے کہ اگر ناواقفی میں باپ بیٹے کو فرض زکوٰۃ بھی دے دے تو زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے اور دوسرے علماء کہتے ہیں کہ اعادہ واجب ہے۔ بلکہ عزیز اور قریب لوگوں کو جو محتاج ہوں زکوٰۃ دینا اور زیادہ ثواب ہے۔ علامہ نواب صاحب نے کہا کہ متعدد دلائل اس پر قائم ہیں کہ عزیزوں کو خیرات دینا زیادہ افضل ہے خیرات فرض ہو یا نفل اور عزیزوں میں خاوند اولاد کی صراحت ابوسعید کی حدیث میں موجود ہے۔ مضمون حدیث پر غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کس قدر شفیق اور مہربان تھے اور کس وسعت قلبی کے ساتھ آپ نے دین کا تصور پیش فرمایا تھا۔ باپ اور بیٹے ہر دو کو ایسے طور سمجھا دیا کہ ہر دو کا مقصد حاصل ہو گیا اور کوئی جھگڑا باقی نہ رہا۔ آپ کا ارشاد اس بنیادی اصول پر مبنی تھا۔ جو حدیث انما الاعمال بالنیات میں بتلایا گیا ہے کہ عملوں کا اعتبار نیتوں پر ہے۔

آج بھی ضرورت ہے کہ علماء و فقہاء ایسی وسیع النظر فی سے کام لے کر امت کے لیے بجائے مشکلات پیدا کرنے کے شرعی حدود میں آسانیاں بہم پہنچائیں اور دین فطرت کا زیادہ سے زیادہ فراخ قلبی کے ساتھ مطالعہ فرمائیں کہ حالات حاضرہ میں اس کی شدید ضرورت ہے۔ البتہ شرط یہ ہے کہ کوئی سہولت نصوص شرعیہ کے خلاف نہ ہو۔ اور آج کل نام نہاد میڈیا پر بیٹھ کر اپنی من پسند سہولیات کو گھڑ لیا جاتا ہے یہ سراسر یہود و نصاریٰ کی پیروی ہے۔

زکوٰۃ دوسرے شہر میں منتقل کرنے کا بیان

فقہاء احناف کے نزدیک زکوٰۃ کو ایک شہر سے دوسرے شہر میں منتقل کرنا مکروہ ہے۔ حضرت امام شافعی اور بعض فقہاء مالکیہ نے بھی اسی طرح کہا ہے۔ جبکہ امام شافعی علیہ الرحمہ کا صحیح مذہب یہ ہے کہ ان کے نزدیک دوسرے شہر میں زکوٰۃ منتقل کرنا جائز نہیں ہے۔ علامہ سروجی نے کہا ہے کہ امام شافعی کا مذہب اس مسئلہ میں مضطرب ہے۔ اور صحیح یہ ہے کہ نقل کرنا حرام ہے۔ اور حنبلی فقیہ ابن قدامہ نے شوافع سے اختلاف کیا ہے اور جائز کہا ہے۔ (البنائیہ شرح الہدایہ، ۴، ص ۲۱۳، حقانیہ ملتان)

زکوٰۃ کو اپنے قرابت داروں پر صرف کرنے کا بیان

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی زوجہ محترمہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ ایک مرتبہ مجلس ذکر و نصیحت میں عورتوں کو مخاطب کرتے ہوئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عورتوں کی جماعت! صدقہ و خیرات کرو، اگر چہ وہ

تمہارے زیورات ہی میں سے کیوں نہ ہو! حضرت زینب رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ یہ سن کر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس سے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کے پاس آئی اور ان سے کہنے لگی کہ آپ خالی ہاتھ یعنی مفلس مرد ہیں اور چونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں صدقہ وخیرات کرنے کا حکم فرمایا ہے۔ اس لیے آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جا کر یہ معلوم کریں کہ اگر میں آپ پر اور آپ کی اولاد پر بطور صدقہ خرچ کروں تو آیا یہ صدقہ میرے لیے کافی ہوگا یا نہیں؟ اگر آپ کو اور آپ کی اولاد کو میرا صدقہ دینا میرے لیے کافی ہو جائے تو پھر آپ ہی کو صدقہ دے دوں اور اگر یہ میرے لیے کافی نہ ہو تو پھر آپ کے علاوہ دوسرے لوگوں پر بطور صدقہ خرچ کروں! حضرت زینب رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما نے مجھ سے کہا کہ تم ہی جاؤ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں پوچھ لو چنانچہ میں خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی میں وہاں کیا دیکھتی ہوں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازے پر انصار کی ایک عورت کھڑی ہے اور (وہاں آنے کی) ہماری حاجت یکساں تھی۔ (یعنی وہ وہ بھی معلوم کرنے آئی تھی کہ آیا میں اپنے صدقہ کا مال اپنے خاوند اور اس کے متعلقین کو دے سکتی ہوں یا نہیں؟ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ چونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس ہیبت وعظمت کا پیکر تھی اس لیے ہمیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جانے کی جرات نہ ہوئی اور ہم وہاں سے نکل کر حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے پاس آئیں اور ان سے کہا کہ آپ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جا کر کہیے کہ دروازے پر کھڑی ہوئی دو عورتیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھتی ہیں کہ کیا اپنے شوہروں اور ان یتیموں کو جو ان کی پرورش میں ہیں ان کا صدقہ دینا ان کے لیے کافی ہو جائے گا مگر دیکھئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ نہ بتائیے گا کہ ہم کون ہیں؟ یعنی انہوں نے اپنے آپ کو ظاہر کر کے ریا سے بچنے میں مبالغہ کیا کہ پہلے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بلال سے پوچھا کہ دو عورتیں کون ہیں؟ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ایک تو انصار کی کوئی عورت ہے اور دوسری زینب رضی اللہ عنہا ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا کہ کون سی زینب؟ (کیونکہ زینب نام کی کئی عورتیں ہیں) حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے کہا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کی بیوی! پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ (ان سے جا کر کہہ دو کہ اس صورت میں) ان کے لیے دوہرا ثواب ہے، ایک تو حق قربت کی ادائیگی کا اور دوسرا صدقہ دینے کا۔ (بخاری ومسلم الفاظ مسلم کے ہیں)۔ جب حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو منع کر دیا تھا کہ وہ ان کے نام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ بتائیں تو انہیں ان کی اس خواہش کا احترام کرنا چاہئے تھا مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چونکہ ان سے ان عورتوں کا نام پوچھا اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی بناء پر ان کے لیے یہ ہی ضروری ہوگیا تھا کہ وہ ان کا نام بتا دیں چنانچہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی تعمیل کی۔

یہ حدیث کی وضاحت تھی اب اصل مسئلہ کی طرف آیئے۔ مسئلہ یہ ہے کہ آیا کوئی عورت اپنے خاوند یا کوئی مرد اپنی بیوی کو اپنی زکوٰۃ کا مال دے سکتا ہے یا نہیں۔ لہٰذا اس بارے میں تو بالاتفاق تمام علماء کا یہ مسلک ہے کہ کوئی مرد اپنی بیوی کو اپنی زکوٰۃ کا مال نہ دے مگر اس کے برعکس صورت میں امام ابوحنیفہ تو یہ فرماتے ہیں کہ کوئی عورت اپنے خاوند کو اپنی زکوٰۃ کا مال نہ دے کیونکہ مرد کے منافع اور مال میں عادۃً اکثر دونوں ہی شریک ہوتے ہیں اس طرح کوئی عورت اپنے خاوند کو زکوٰۃ کا مال دے گی تو اس مال سے خود

بھی فائدہ حاصل کرے گی جو جائز نہیں ہوگا۔ صاحبین یعنی حضرت امام ابو یوسف اور حضرت امام محمد رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ جس طرح مرد کا اپنی بیوی کو زکوٰۃ کا مال دینا جائز ہے اسی طرح بیوی بھی اپنی زکوٰۃ کا مال اپنے خاوند کو دے سکتی ہے ائمہ کے اس اختلاف کی بنا پر کہا جائے گا کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ کے نزدیک اس مذکور صدقہ سے صدقہ نفل مراد ہوگا اور صاحبین کے نزدیک اس سے صدقہ نفل بھی مراد ہوسکتا ہے اور صدقہ فرض یعنی زکوٰۃ کو بھی مراد لیا جاسکتا ہے۔

زکوٰۃ کو ایک شہر سے دوسرے شہر کی طرف منتقل کرنے کی کراہت کا بیان

حضرت عطا رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ زیاد نے (یا کسی اور امیر نے) عمران بن حصین کو زکوٰۃ کی وصولیابی کے لیے بھیجا جب حضرت عمران لوٹ کر آئے تو ان سے پوچھا کہ مال کہاں ہے؟ کیا مجھے مال لانے کے لیے بھیجا تھا؟ ہم نے زکوٰۃ لی جس طرح ہم رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں لیا کرتے تھے اور جہاں صرف کیا کرتے تھے وہاں صرف کردیا (یعنی مالداروں سے لے کر ناداروں میں تقسیم کردی)۔ (سنن ابوداؤد، کتاب زکوٰۃ، بیروت)

اصول وفروع کو زکوٰۃ نہ دینے کا بیان

(۱) جو شخص صاحب نصاب ہو اور اس پر زکوۃ واجب ہو تو وہ زکوۃ کا مال اپنی اصل کو نہ دے یعنی ماں باپ، دادا، دادی، نانا، نانی اور ان سے اوپر کے بزرگوں کو خواہ وہ باپ کی طرف سے ہوں یا ماں کی طرف سے ان میں سے کسی کو زکوۃ دینا درست اور جائز نہیں ہے اسی طرح اپنی فرع یعنی بیٹا، بیٹی، پوتا، پوتی، پڑپوتا، پڑپوتی، نواسا، نواسی اور ان کی اولاد میں سے کسی کو بھی زکوۃ کا مال دینا درست نہیں ہے امام اعظم رحمہ اللہ کے قول کے مطابق شوہر، بیوی کو اور بیوی شوہر کو زکوۃ نہ دے، مگر صاحبین کا قول یہ ہے کہ اگر بیوی اپنے شوہر کو زکوۃ دے تو درست ہے، ان کے علاوہ بقیہ رشتہ داروں کو زکوۃ کا مال دینا درست ہے بشرطیکہ وہ زکوۃ کے مستحق ہوں، یعنی غنی سید، ہاشمی اور کافر نہ ہوں بلکہ غیروں کے مقابلہ میں اپنے رشتہ داروں کو دینا بہتر ہے، اس بارے میں علماء لکھتے ہیں کہ اگر زکوۃ اس ترتیب سے دی جائے تو بہت اچھا ہے کہ پہلے بہن، بھائی کو دے ان کے بعد ان کی اولاد کو، پھر چچا اور پھوپھی کو، ان کے بعد ان کی اولاد کو، پھر ماموں خالہ کو، ان کے بعد ان کی اولاد کو، پھر ان لوگوں کو جو ذوی الارحام ہوں پھر اپنے اجنبی ہمسایہ اور پڑوسی کو، پھر اپنے ہم پیشہ کو اور پھر اپنے ہم وطن کو یہی حکم صدقہ فطر اور نذر کا ہے کہ مذکورہ بالا ترتیب سے دینا افضل ہے، ویسے اگر کوئی شخص غیر اور اجنبی کو دیتا ہے تو کوئی حرج نہیں ہے مگر بہتر اور افضل یہی ہے کہ اپنے رشتہ داروں اور عزیزوں کو مقدم رکھا جائے۔

(۲) اپنے غلام اور اپنی لونڈی کو زکوۃ دینی درست نہیں ہے، یہی حکم ام ولد یعنی اس لونڈی کا ہے جس کے اپنے مالک سے کوئی اولاد ہو کہ اس کا مالک اسے بھی زکوۃ نہ دے۔

(۳) سسرالی رشتہ داروں کو زکوۃ دینی درست ہے مثلاً ساس سسر، سالا، سالی یا جن لوگوں سے ان کی وجہ سے رشتہ دار ہو اسی طرح داماد اور بہو کو زکوۃ دینی درست ہے، نیز سوتیلی ماں، سوتیلی نانی کو بھی زکوۃ کا مال دینا جائز ہے۔

زکوٰۃ کے مصارف میں ترتیب کالحاظ رکھنے کا بیان

والأفضل صرفها للأقرب فالأقرب من كل ذي رحم محرم منه ثم لجيرانه، ثم لأهل محلته ثم لأهل حرفته ثم لأهل بلدته وقال الشيخ أبو حفص الكبير رحمه الله لا تقبل صدقة الرجل وقرابته محاويج حتى يبدأ بهم فيسد حاجتهم۔

ترجمہ

زکوٰۃ کے مصرف میں افضل یہ ہے کہ سب سے پہلے قریبی رشتہ داروں کو دے جو ذی رحم محرم ہیں۔اس کے بعد دوسرے رشتہ داروں کو،اس کے بعد ہمسائیوں کو،اس کے بعد اہل محلّہ کو اور اس کے بعد ہم پیشہ لوگوں کو دے۔اس کے اہل شہر کو دے۔

شیخ ابوحفص الکبیر علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ اس شخص کا صدقہ قبول نہیں ہوتا جس کے عزیز واقارب ضرورت مند ہوں حتیٰ کہ اس پر ظاہر ہو جائے لہٰذا وہ ان کی ضرورتوں کو پورا کر کے محتاجی کا سدباب کرے۔

قریبی رشتہ داروں کو زکوٰۃ وصدقہ دینے میں فضیلت کا بیان

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک دن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا اور اس نے کہا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میرے پاس ایک دینار ہے جسے میں خرچ کرنا چاہتا ہوں سو اسے کہاں خرچ کروں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسے اپنی اولاد پر خرچ کرو۔اس نے عرض کیا میرے پاس ایک اور دینار ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسے اپنے اہل (یعنی اپنی بیوی، ماں، باپ اور دوسرے اقرباء) پر خرچ کرو،اس نے کہا کہ میرے پاس ایک اور دینار ہے۔فرمایا کہ اسے اپنے خادم پر خرچ کرو پھر اس نے کہا کہ میرے پاس ایک اور دینار ہے فرمایا کہ اب تم اس بارے میں زیادہ جان سکتے ہو! (یعنی اب اس کے بعد کے مستحق کو تم ہی بہتر جان سکتے ہو جسے اس کا مستحق سمجھو اسے دے دو۔

(ابوداؤد،نسائی،مشکوٰۃ شریف،جلد دوم،رقم الحدیث،439)

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بہتر دینار وہ ہے جو کوئی شخص اپنے اہل و عیال پر خرچ کرے،بہتر دینار وہ ہے جو کوئی شخص اپنے اس جانور پر خرچ کرے جو جہاد کے لئے پالا گیا ہو اور بہتر دینار وہ ہے جو کوئی شخص اپنے ان دوستوں پر خرچ کرے جو اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے ہوں۔(مسلم،مشکوٰۃ شریف،جلد دوم،رقم الحدیث،431)

یہاں مال وزر کے تین بہترین مصرف بیان فرمائے گئے ہیں کہ ان تینوں پر اپنا مال وزر خرچ کرنا ان کے علاوہ دوسروں پر خرچ کرنے سے بہتر ہے۔

باب صدقة الفطر

﴿یہ باب صدقہ فطر کے بیان میں ہے﴾

وجوب فطرانہ کی دلیل شرعی کا بیان

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے رمضان کے آخری دنوں میں (لوگوں سے) کہا کہ تم اپنے روزوں کی زکوۃ نکالوں یعنی صدقہ فطرادا کرو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ صدقہ ہر مسلمان، آزاد، غلام، لونڈی، مرد، عورت اور چھوٹے بڑے پر) کھجوروں اور جو میں سے ایک صاع اور گیہوں میں سے نصف صاع فرض (یعنی واجب) کیا ہے۔

(ابوداؤد، نسائی، مشکوۃ شریف، جلد دوم، رقم الحدیث، 314)

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ اسی حدیث کے مطابق کہتے ہیں کہ صدقہ فطر کے طور پر اگر گیہوں دیا جائے تو اس کی مقدار نصف صاع یعنی ایک کلو 332 گرام ہونی چاہیے۔

فطرانے کے وجوب کی شرائط کا بیان

تجب على حر مسلم مكلف مالك لنصاب أو قيمته وإن لم يحل عليه الحول عند طلوع فجر يوم الفطر ولم يكن للتجارة فارغ عن الدين وحاجته الأصلية وحوائج عياله والمعتبر فيها الكفاية لا التقدير وهي مسكنه وأثاثه وثيابه وفرسه وسلاحه وعبيده للخدمة فيخرجها عن نفسه وأولاده الصغار الفقراء وإن كانوا أغنياء يخرجها من مالهم ولا تجب على الجد في ظاهر الرواية واختير أن الجد كالأب عند فقده أو فقره وعن مماليكه للخدمة ومدبره وأم ولده ولو كفارا لا عن مكاتبه ولا عن ولده الكبير وزوجته وقن مشترك وآبق الأبعد عوده وكذا المغصوب والمأسور۔

ترجمہ

صدقہ فطر ہر آزاد مسلمان، مکلف مالک نصاب یا نصاب کی قیمت رکھنے والے پر واجب ہے۔ اگر چہ عید الفطر کے دن طلوع آفتاب کے وقت اس پر سال نہ گزرا ہو۔ اور اگر چہ وہ مال تجارت سے نہیں ہے۔ اور وہ قرض سے فارغ ہے۔ اور حاجت اصلیہ سے

اور اہل وعیال کی ضرورتوں سے فارغ ہے۔اس میں کفایت کا اعتبار کیا جائے گا نہ تقدیر کا اعتبار ہوگا۔اور وہ مکان، گھر کا سامان، کپڑے، گھوڑا وسامان اور خدمت کے غلام ہیں۔

وہ فطرانہ اپنی جانب سے اپنی چھوٹی اولاد کی جانب سے نکالے۔ جب وہ فقراء ہوں اور اگر وہ اغنیاء میں سے ہیں تو ان کے مال سے نکالے۔

ظاہر الروایت کے مطابق دادا پر واجب نہیں ہے۔اور مختار قول کے مطابق باپ نہ ہونے یا فقیر ہونے کی صورت میں دادا باپ کے حکم میں ہے۔

اور وہ اپنے خدمت کے غلاموں، مدبرہ، ام ولد کی طرف فطرانہ نکالے۔ اگر چہ وہ کافر ہوں جبکہ مکاتب اور اپنی بڑی اولاد اور اپنی بیوی اور مشترک غلام، بھاگے ہوئے غلام جبکہ وہ واپس آجائے اور اسی طرح غصب شدہ غلام اور قیدی غلام کی جانب سے فطرانہ نہیں دے گا۔

صدقہ فطر کے وجوب کا بیان

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر مسلمان مرد وعورت پر خواہ غلام ہو یا آزاد یہ ضروری قرار دیا ہے کہ وہ ایک صاع کھجور یا ایک صاع جو صدقہ فطر کے طور پر دے، (سنن ابوداؤد، کتاب زکوۃ، بیروت)

امام احمد بن حنبل اور امام شافعی کے نزدیک صدقہ فطر زکوۃ کی طرح کا ایک فرض ہے امام ابوحنیفہ کے نزدیک واجب اور امام مالک کے نزدیک سنت موکدہ ہے۔

حضرت امام شافعی اور حضرت امام احمد رحمہما اللہ کے نزدیک صدقہ فطر فرض ہے، حضرت امام مالک رحمۃ اللہ کے ہاں سنت مؤکدہ ہے اور حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کے مسلک میں واجب ہے حدیث میں مذکور لفظ فرض حضرت امام شافعی اور حضرت امام احمد کے نزدیک اپنے ظاہری معنی ہی پر محمول ہے، حضرت امام مالک فرض کے معنی بیان کرتے ہیں مقرر کیا حنفی حضرات فرماتے ہیں کہ صدقہ فطر چونکہ دلیل قطعی کے ذریعے ثابت نہیں ہے اس لیے صدقہ فطر عمل کے لحاظ سے تو فرض ہی کے برابر ہے لیکن اعتقادی طور پر اسے فرض نہیں کہا جا سکتا جس کا مطلب یہ ہے کہ واجب ہے فرض نہیں ہے۔

حضرت امام شافعی کے مسلک میں ہر اس شخص پر صدقہ فطر واجب ہے جو اپنے لیے اور ان لوگوں کے لیے کہ جن کی طرف سے صدقہ فطر دینا اس کے ذمہ ایک دن کا سامان خوراک رکھتا ہو اور وہ بقدر صدقہ فطر اس کی ضرورت سے زائد بھی حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ کے مسلک کے مطابق صدقہ فطر اسی شخص پر واجب ہوگا جو غنی ہو یعنی وہ اپنی ضرورت اصلیہ کے علاوہ ساڑھے باون تولہ چاندی کے بقدر اسباب وغیرہ کا مالک ہو یا اس کے بقدر سونا چاندی اپنی ملکیت میں رکھتا ہو اور قرض سے محفوظ ہو۔

صدقہ فطر کا وجوب عید الفطر کی فجر طلوع ہونے کے وقت ہوتا ہے لہٰذا جو شخص طلوع فجر سے پہلے مر جائے اس پر صدقہ فطر واجب نہیں اور اسی طرح جو شخص طلوع فجر کے بعد اسلام لائے اور مال پائے یا جو بچہ طلوع فجر کے بعد پیدا ہوا اس پر بھی صدقہ فطر واجب نہیں۔

ایک صاع ساڑھے تین سیر یعنی چودہ اوزان کے مطابق تین کلوگرام ہوتا ہے۔ جو غلام خدمت کے لیے ہو اس کی طرف سے اس کے مالک پر صدقہ فطر دینا واجب ہے ہاں جو غلام تجارت کے لیے ہو اس کی طرف سے صدقہ فطر دینا واجب نہیں ہے اسی طرح جو غلام بھاگ جائے اس کی طرف سے بھی صدقہ فطر دینا واجب نہیں ہے ہاں جب وہ واپس آ جائے تو اس وقت دینا واجب ہوگا۔

اولاد اگر چھوٹی ہو اور مالدار نہ ہو تو اس کی طرف سے اس کے باپ پر صدقہ فطر دینا واجب ہے ہاں اگر چھوٹی اولاد مالدار ہو تو پھر اس کا صدقہ فطر اس کے باپ پر واجب نہیں ہے بلکہ اس کے مال میں دیا جائے گا۔

بڑی اولاد جس پر دیوانگی طاری ہو اس کا حکم بھی چھوٹی اولاد کی طرح ہے، اسی طرح بڑی اولاد کی طرف سے باپ پر اور بیوی کی طرف سے خاوند پر ان کا صدقہ فطر دینا واجب نہیں ہے ہاں اگر کوئی باپ اپنی ہوشیار اولاد کی طرف سے یا کوئی خاوند اپنی بیوی کی طرف سے ان کا صدقہ ان کی اجازت سے از راہ احسان و مروت ادا کر دے تو جائز ہوگا۔

علامہ طیبی فرماتے ہیں کہ حدیث میں لفظ من المسلمین لفظ عبد اور اس کے بعد کے الفاظ کا حال واقع ہو رہا ہے لہٰذا کسی مسلمان پر اپنے کافر غلام کی طرف سے صدقہ فطر واجب نہیں ہوگا۔ مگر صاحب ہدایہ نے لکھا ہے کہ غلام کافر کا صدقہ فطر بھی اس کے مسلمان مالک پر واجب ہوتا ہے، انہوں نے اس کے ثبوت میں ایک حدیث بھی نقل کی ہے جسے ہدایہ یا مرقات میں دیکھا جا سکتا ہے، حنفیہ کے یہاں صاحب ہدایہ ہی کے قول کے مطابق فتویٰ ہے۔

حدیث کے آخری الفاظ کا مطلب یہ ہے کہ صدقہ فطر نماز عید سے پہلے ہی ادا کر دینا مستحب ہے اگر کوئی شخص اس سے بھی پہلے خواہ ایک مہینے یا ایک مہینے سے بھی زیادہ پہلے دے دے تو جائز ہے۔ نماز عید کے بعد یا زیادہ تاخیر سے صدقہ فطر ساقط نہیں ہوتا بہر صورت دینا ضروری ہوتا ہے۔

چھوٹے بچوں کی طرف صدقے کا ادا ہونے کا بیان

علامہ ابن عابدین شامی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ چھوٹے بچوں کی طرف سے جو ادا کیا وُہ ادا ہو جائے گا کیونکہ وہ واجب ہی والد پر تھا۔ اور جو بیوی اور بڑی اولاد کی طرف سے ادا کیا اگر ان کا اذن تھا تو بھی ادا ہو جائیگا اور اگر اذن نہ تھا تو صدقہ ادا نہ ہوگا۔

اگر کسی نے دوسرے کی طرف سے اس کی اجازت کے بغیر زکوٰۃ ادا کر دی پھر دوسرے تک خبر پہنچی اور اس نے اسے جائز بھی رکھا تب بھی زکوٰۃ ادا نہ ہوگی کیونکہ اس کا نفاذ صدقہ کرنے والے پر ہے، کیونکہ وُہ زکوٰۃ اس کی ملکیت ہے اور غیر سے نائب بن نہیں سکتا کہ اس کی اجازت کا نفاذ ہو، ہاں اگر اجازت سے زکوٰۃ ادا کی ہو تو پھر جائز ہوگا۔ (ردمحتار، ج ۲، ص ۱۲، مصر)

بیوی کی طرف سے فطرانہ نہ دینے کا بیان

فقہاء احناف کے نزدیک وہ بیوی کی طرف سے فطرانہ ادا نہ کرے گا۔ اسی طرح ثوری، ظاہریہ اور ابن منذر اور فقہاء مالکیہ میں سے ابن سیرین نے کہا ہے۔ جبکہ امام مالک، امام شافعی، امام احمد، لیث، اسحاق نے کہا ہے شوہر پر واجب ہے۔

علامہ ابن منذر نے کہا ہے کہ اہل علم کا اجماع ہے کہ نکاح سے پہلے عورت کا فطرانہ اس پر واجب ہے کیونکہ حدیث سے ثابت ہے کہ فطرانہ ہر مذکر و مؤنث پر واجب ہے۔ الی آخرہ۔ ابن حزم نے کہا کہ عجیب عجوبہ ہے کہ امام شافعی اس روایت کو مرسل نہیں تسلیم

کرتے۔(البنایہ شرح الہدایہ ج ۴،ص ۲۲۲،حقانیہ ملتان)

نابالغ اولاد وغیرہ کے فطرانے کا بیان

صدقہ فطر واجب ہونے کا سبب خود اس کی ذات اور وہ لوگ ہیں جن کا نان نفقہ اس کے ذمہ واجب ہے اور وہ ان پر کامل ولایت رکھتا ہے پس صدقہ فطر اپنی طرف سے ادا کرنا واجب ہے اگر کسی شخص نے کسی عذر سے یا بلا عذر روزے نہ رکھے ہوں تب بھی اس پر صدقہ فطر ادا کرنا واجب ہے۔

اور اس کے نابالغ بچوں اور بچیوں کی طرف سے بھی اس پر واجب ہے لیکن اگر نابالغ بچہ خود مالدار ہو تو اس کے مال میں سے صدقہ فطر واجب ہوگا کم عقل، دیوانہ اور مجنون کا بھی وہی حکم ہے جو نابالغ بچے کا ہے یعنی اسکی طرف سے باپ صدقہ فطر ادا کرے

بیوی کا صدقہ فطر خاوند پر واجب نہیں ہے

بالغ اولاد کا نفقہ بھی باپ پر واجب نہیں، اگر بالغ اولاد اور بیوی کی طرف سیا اور جن کا نفقہ اس کے ذمہ ہے ان سب کی طرف سے ان کی اجازت کے بغیر صدقہ فطر دے دیا تو ادا ہو جائے گا اسی پر فتویٰ ہے کیونکہ عادتاً اجازت موجود ہے، اگرچہ نیت کے بغیر فطرہ ادا نہیں ہوتا لیکن اس صورت میں حکماً نیت موجود ہے

اپنی عیال اور اہل نفقہ کے علاوہ کسی اور کی طرف سے فطرہ دینا ان کی اجازت سے جائز ہے اجازت کے بغیر جائز نہیں پس اگر عورت نے اپنے خاوند کی طرف سے اس کی اجازت کے بغیر فطرہ ادا کر دیا تو جائز نہیں ہے اپنے دادا دادی، نانا نانی، پوتے پوتیوں، نواسے نواسیوں کی طرف سے صدقہ فطر دینا واجب نہیں ہے اور اپنے ماں باپ کا فطرہ دینا بھی واجب نہیں اگرچہ انکا نفقہ ان کے ذمہ ہو کیونکہ ان پر اس کو ولایت نہیں ہے جیسا کہ بڑی اولاد پر نہیں ہے لیکن اگر ان میں سے کوئی فقیر اور دیوانہ ہو تو اس کا صدقہ اس پر واجب ہوگا۔

اپنے چھوٹے بھائی بہنوں اور اپنے دیگر رشتہ داروں کی طرف سے صدقہ فطر دینا اس پر واجب نہیں اگرچہ ان کا نفقہ اس کے ذمہ ہو کیونکہ اس کو ان پر ولایت حاصل نہیں ہے اور صدقہ فطر واجب ہونے کو لئے اس شخص پر ولایت کاملہ حاصل ہونا اور اس کے نفقہ کا ذمہ دار ہونا ضروری ہیا گر اپنی چھوٹی لڑکی کا نکاح کر دیا اور اس کو خاوند کے گھر رخصت کر دیا، اگر وہ خاوند کی خدمت و موانست کے لائق ہے تو اس کا صدقہ فطر کسی پر واجب نہیں ہے نہ باپ پر، نہ خاوند پر اور نہ خود اس لڑکی پر جب کہ لڑکی خود محتاج ہو اور اگر شوہر کی خدمت و موانست کے لائق نہیں ہے تو اس کا صدقہ فطر اس کے باپ کے ذمہ ہوگا اور اگر شوہر کے گھر رخصت نہیں کی گئی تو ہر حال میں اس کے باپ کے ذمہ ہے لڑکی کے فطرہ کے متعلق مزید وضاحت یہ ہے کہ اگر لڑکی مالدار ہے تو خواہ شادی شدہ ہو یا غیر شادی شدہ اور خواہ بالغ ہو یا نابالغ خود اس کے مال میں صدقہ فطر واجب ہے اور اگر مالدار نہیں لیکن بالغ ہے تو خواہ شادی شدہ ہو یا شادی شدہ ہے اس کا فطرہ کسی کو ذمہ نہیں اور اگر مالدار نہیں لیکن نابالغ شادی شدہ ہے اور رخصت نہیں ہوئی تو باپ کے ذمہ ہے اور رخصت ہوگئی ہو تو کسی کے ذمہ نہیں اور اگر شادی نہیں ہوئی اور نابالغ محتاج ہے تو اس کا فطرہ باپ کے ذمہ ہے ادا کے ذمہ پوتوں کا صدقہ فطر واجب نہیں ہے جب کہ ان کا باپ مفلس ہو اور زندہ ہو اور اگر مفلس باپ فوت ہو چکا ہو تو اس میں اختلاف ہے ظاہر الروایت کے

بموجب اس صورت میں بھی دادا کے ذمہ پوتوں کا صدقۂ فطر واجب نہیں ہے اور امام حسن رحمتہ اللہ علیہ کی روایت میں واجب ہے۔

تجارتی غلاموں کے فطرانے کا بیان

فقہاء احناف کے نزدیک تجارتی غلاموں کا فطرانہ مالک پر واجب نہیں ہے۔ جبکہ حضرت امام شافعی اور امام مالک کے نزدیک ان کا فطرانہ بھی واجب ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ زکوٰۃ و فطرانہ یہ دونوں مختلف حق ہیں۔ (فقہاء حنابلہ سے اس بارے میں کوئی روایت تصریح کے ساتھ ذکر نہیں ہوئی)۔

مشترکہ غلام کے فطرانے کا بیان

فقہاء احناف کے نزدیک مشترکہ غلام کا فطرانہ ان دونوں میں سے ایک پر بھی واجب نہیں ہے۔ جبکہ امام شافعی، امام مالک اور امام احمد علیہم الرحمہ نے کہا ہے ان دونوں میں ہر ایک پر حصے کے مطابق فطرانہ واجب ہے۔ (البنائیہ شرح الہدایہ، ۴، ص ۲۲۵، حقانیہ ملتان)

ہر جاندار کا پیٹ بھرنا بہترین صدقہ ہے

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک بہترین صدقہ یہ بھی ہے کہ کسی جاندار کا جو بھوکا ہو پیٹ بھرا جائے۔ (بیہقی)

مطلب یہ ہے کہ کوئی جاندار، خواہ مسلمان ہو، یا کافر اور خواہ جانور ہو اگر بھوکا ہے تو اس کو کھانا کھلانا ایک بہترین صدقہ ہے ہاں اس حکم سے موذی جانور مستثنیٰ ہیں جن کو مار ڈالنے ہی کا حکم دیا گیا ہے یعنی سانپ وغیرہ کو کھلانا پلانا اچھا اور مناسب نہیں ہے۔

کافر غلام کی طرف سے فطرانے کا بیان

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان کا صدقہ ایک صاع کھجور یا ایک صاع جو مقرر فرمایا اور اسے ہر مسلمان آزاد غلام مرد عورت پر فرض قرار دیا امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں حدیث ابن عمر حسن صحیح ہے اس حدیث کو مالک نافع سے اور وہ ابن عمر سے اور وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ابوایوب کی حدیث کی مثل روایت کرتے ہوئے اس میں من المسلمین کا لفظ زیادہ روایت کرتے ہیں اور اسے کئی اور بیان کرتے بھی نافع سے روایت کرتے ہیں لیکن وہ من المسلمین کے الفاظ کا ذکر نہیں کرتے اس مسئلے میں اہل علم کا اختلاف ہے۔

بعض اہل علم کہتے ہیں کہ اگر کسی شخص کے غلام مسلمان نہ ہوں تو ان کی طرف سے صدقہ فطر ادا کرنا ضروری نہیں امام مالک شافعی اور احمد کا یہی قول ہے بعض اہل علم کے نزدیک اگر غلام مسلمان نہ بھی ہوں تب بھی صدقہ فطر ادا کرنا ضروری ہے اور یہ سفیان ثوری ابن مبارک اور اسحاق کا قول ہے۔ (جامع ترمذی، جلد اول، رقم الحدیث، 658)

فقہاء احناف کے نزدیک کافر غلام کی طرف سے فطرانہ ادا کرنے مالک پر ضروری ہے۔ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر آزاد اور ہر غلام کی طرف سے ادا کرو۔ جبکہ امام شافعی اور امام مالک اور امام احمد علیہم الرحمہ کے نزدیک کافر غلام کا فطرانہ مالک پر واجب نہیں ہے۔ کیونکہ غلام اس کے اہل میں سے نہیں ہے۔ (البنائیہ شرح الہدایہ، ج ۴، ص ۲۲۷، حقانیہ ملتان)

فطرانے کی مقدار میں مختلف اجناس کا بیان

وهي نصف صاع من بر أو دقيقه أو صاع تمر أو زبيب أو شعير وهو ثمانية أرطال بالعراقي ويجوز دفع القيمة وهي أفضل عند وجدان ما يحتاجه لأنها أسرع لقضاء حاجة الفقير وإن كان زمن شدة فالحنطة والشعير وما يؤكل أفضل من الدراهم ووقت الوجوب عند طلوع فجر يوم الفطر فمن مات أو افتقر قبله أو أسلم أو اغتنى أو ولد بعده لا تلزمه۔

ترجمہ

اور وہ گندم یا اس کا آٹا نصف صاع یا کھجور، کشمش، جو کا ایک صاع دے۔اور وہ صاع جو آٹھ رطل عراقی کے برابر ہو۔اور اس کی قیمت دینا بھی جائز ہے۔اور اس میں افضل یہ ہے جب ضرورت کی چیزیں عام ہوں تو اجناس کی بہ جائے ان کی قیمت دینا بہتر ہے۔کیونکہ فقیر کی ضرورت اس سے جلد پوری ہوگی۔

اور اگر قحط سالی کا زمانہ ہے تو گندم اور جو اور کھانے کی اشیاء دینا دراہم سے افضل ہے۔اور اس کے وجوب کا وقت عید الفطر کے دن طلوع فجر کا وقت ہے۔لہٰذا جو شخص اس سے پہلے فوت ہو گیا یا اس سے پہلے فقیر ہو گیا ہے یا اسلام لایا یا غنی ہو یا اس کے بعد بچہ پیدا ہوا تو ان پر فطرانہ واجب نہ ہوگا۔

شرح

حضرت عمرو بن شعیب رضی اللہ عنہ اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے نقل کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ کے گلی کوچوں میں یہ منادی کرائی کہ سن لو! صدقہ فطر ہر مسلمان پر واجب ہے خواہ مرد ہو یا عورت، آزاد یا غلام اور چھوٹا ہو یا بڑا (اور اس کی مقدار) گیہوں یا اس کی مانند چیزوں (مثلاً خشک انگور وغیرہ) میں سے دو مد اور (گیہوں کے علاوہ) دوسرے غلوں میں سے ایک صاع۔(ترمذی، مشکوۃ شریف، جلد دوم، رقم الحدیث، 316)

،دو مد، سے مراد آدھا صاع ہے کیونکہ ایک مد غلہ کا وزن چودہ چھٹانک کے قریب ہوتا ہے اور ایک صاع ساڑھے تین سیر کے برابر ہوتا ہے لہٰذا صدقہ فطر کے طور پر گیہوں پونے دو سیر یعنی ایک کلو 336 گرام دینا چاہئے چونکہ گیہوں کا آٹا یا گیہوں کا ستو بھی گیہوں ہی کے مثل ہے اس لئے یہ دونوں چیزیں بھی اسی مقدار میں دینی چاہئیں۔

ہر چیز میں صاع فطرانے میں فقہی مذاہب کا بیان

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں صدقہ فطر ایک صاع غلہ ایک صاع جو یا ایک صاع کھجور یا ایک صاع خشک انگور یا ایک صاع پنیر سے دیا کرتے تھے پھر ہم اسی طرح صدقہ فطر ادا کرتے رہے یہاں تک کہ امیر معاویہ مدینہ آئے اور انہوں نے لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا میرے خیال میں گیہوں کے دو شامی مد ایک صاع کھجور کے برابر ہیں راوی کہتے ہیں لوگوں نے اس پر عمل شروع کر دیا لیکن میں اسی طرح دیتا رہا جس طرح

پہلے دیا کرتا تھا امام ابوعیسیٰ ترمذی کہتے ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

اور اسی پر بعض اہل علم کا عمل ہے کہ ہر چیز سے ایک صاع صدقہ فطرادا کیا جائے امام شافعی احمد اور اسحاق کا یہی قول ہے بعض صحابہ وغیرہ کا کہنا ہے کہ ہر چیز کا ایک صاع لیکن گیہوں کا نصف صاع ہی ہوگا سفیان ثوری ابن مبارک اور اہل کوفہ کے نزدیک گیہوں کا نصف صاع صدقہ فطر میں دیا جائے۔ (جامع ترمذی، جلداول، رقم الحدیث،655)

فطرانے میں منصوص اشیاء کا بیان

صدقہ فطر چار چیزوں گیہوں، جو، کھجور اور کشمش میں سے ادا کرنا واجب ہے، یعنی وزن مقررہ کے حساب سے دینے کے لئے یہ چار چیزیں ہیمنصوص علیہ ہیں فطرہ کی مقدار گیہوں میں نصف صاع اور جو و کھجور میں ایک صاع ہے کشمش میں اختلاف ہے صحیح اور مفتیٰ بہ قول یہ ہے کہ ایک صاع دی جائے گیہوں و جو کے آٹے اور ستوں کا وہی حکم ہے جو خود اُن کا ہے گیہوں میں جو وغیرہ ملے ہوئے ہوں تو غلبہ کا اعتبار ہوگا پس اگر گیہوں غالب ہوگی تو نصف صاع دیا جائے گا، مذکورہ چار منصوص چیزوں کے علاوہ اگر کسی دوسری جنس سے صدقہ فطرادا کیا جائے مثلاً چاول، جوار، باجرہ وغیرہ دیا جائے تو اشیائے منصوصہ مذکورہ میں سے کسی ایک چیز کی قیمت کے برابر ہونا چاہئے مثلاً چاول وغیرہ دے تو جس قدر قیمت میں نصف صاع گیہوں آتے ہوں یا ایک صاع جو آتے ہوں اتنی قیمت کے چاول وغیرہ دے سکتا ہے، اور اگر وہاں گندم وجَو و کھجور اور کشمش نہ ہوتے ہوں تو وہاں سے زیادہ قریبی جگہ میں جہاں ہوتے ہوں وہاں کی قیمت معتبر ہوگی گیہوں یا جو کی روٹیصدقہ فطر میں وزن سے دینا جائز نہیں بلکہ قیمت کے اعتبار سے دے گا تو جائز ہوگا یہی اصح ہے۔

اگر منصوص علیہ یعنی چاروں مذکورہ اجناس میں سے کسی ایک کی قیمت ادا کرے تو یہ بھی جائز ہے بلکہ عین اس چیز کے دینے سے اس کی قیمت کا دینا افضل ہے اسی پر فتویٰ ہے (انگریزی سیر کے وزن سے جو کہ اسی تولہ ہوتا ہے اور ہندو پاکستان میں رائج ہے ایک صاع تقریباً ساڑھے تین سیر کا اور نصف صاع پونے دو سیر کا ہوتا ہے یہی فتویٰ بہ ہے بہتر یہ ہے کہ احتیاطاً گیہوں دو سیر اور جو چار سیر دیدئے جائیں۔

عید کی نماز سے پہلے فطرانہ ادا کرنے کے استحباب کا بیان

ویستحب إخراجها قبل الخروج إلى المصلي وصح لو قدم أو أخر والتأخير مكروه ويدفع كل شخص فطرته لفقير واحد- واختلف في جواز تفريق فطرة واحدة على أكثر من فقير ويجوز دفع ما على جماعة لواحد على الصحيح والله الموفق للصواب-

ترجمہ

عیدالفطر کے دن نماز عید کی جانب آنے سے پہلے فطرانہ دینا مستحب ہے۔ اور پہلے اور بعد میں دینا بھی صحیح ہے۔ لیکن تاخیر مکروہ ہے۔ اور ہر شخص کا فطرانہ ایک ہی فقیر کو بھی جائز ہے۔ اور جب کسی ایک شخص کا فطرانہ تھوڑا تھوڑا کر کے کئی فقراء کو دیا جائے تو

اس کے جواز میں اختلاف ہے۔ اور کئی لوگوں کا فطرانہ کسی ایک فقیر کو دینا بھی جائز ہے۔

فطرانے کے سبب فضیلت کا بیان

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے روزوں کی بے ہودہ باتوں اور لغو کلام سے پاک کرنے کے لئے نیز مساکین کو کھلانے کے لئے صدقہ فطر لازم قرار دیا ہے۔ (ابوداؤد، مشکوٰۃ شریف، جلد دوم، رقم الحدیث، 315)

مطلب یہ ہے کہ صدقہ فطر کو اس لئے واجب کیا گیا ہے تا کہ تقصیرات وکوتاہی اور گناہوں کی وجہ سے روزوں میں جو خلل واقع ہو جائے وہ اس کی وجہ سے جاتا رہے نیز مساکین وغرباء عید کے دن لوگوں کے سامنے دس سوال دراز کرنے سے بچ جائیں اور وہ صدقہ لے کر عید کی مسرتوں اور خوشیوں میں دوسرے مسلمانوں کے ساتھ شریک ہو جائیں۔

امام دارقطنی نے اس روایت کے آخر میں یہ الفاظ بھی ذکر کئے ہیں کہ جو شخص صدقہ فطر نماز عید سے پہلے ادا کرے گا اس کا صدقہ مقبول صدقہ ہوگا اور جو شخص نماز عید کے بعد ادا کرے گا تو اس کا وہ صدقہ بس صدقوں میں سے ایک صدقہ ہوگا۔ (سنن دارقطنی)

کتاب الحج

﴿یہ کتاب حج کے بیان میں ہے﴾

کتاب الحج کی فقہی مطابقت کا بیان

علامہ ابن محمود البابرتی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ مصنف نے جب کتاب الحج کو کتب عبادات کے بعد مرتب کیا ہے۔اور ضرورت کے مطابق اسی طرح ہے۔ کیونکہ اس میں معاملات کی کتب کا بیان ہے۔اور غیر معاملات کی کتب کا بیان ہے۔لہذا عبادات مقدم ہوتی ہیں۔(عنایہ شرح الہدایہ، ج ۳،ص ۳۸۶، بیروت)

حج کے لغوی وشرعی معنی کا بیان

لغوی رُو سے حج کا معنی قصد کرنا، زیارت کا ارادہ کرنا ہے۔اصطلاحِ شریعت میں مخصوص اوقات میں خاص طریقوں سے ضروری عبادات اور مناسک کی بجا آوری کے لئے بیت اللہ کا قصد کرنا، کعبۃ اللہ کا طواف کرنا اور میدانِ عرفات میں ٹھہرنا حج کہلاتا ہے۔لغت کے اعتبار سے حج کے معنی ہیں کسی باعظمت چیز کی طرف جانے کا قصد کرنا اور اصطلاح شریعت میں کعبہ مکرمہ کا طواف اور مقام عرفات میں قیام انہیں خاص طریقوں سے جو شارع نے بتائے ہیں اور اسی خاص زمانے میں جو شریعت سے منقول ہے، حج کہلاتا ہے۔حج دین کے ان پانچ بنیادی ستونوں میں سے ایک عظیم القدر ستون ہے جن پر اسلام کے عقائد و اعمال کی پوری عمارت کھڑی ہوئی ہے حج کا ضروری ہونا (جس کو اصطلاح فقہ میں فرض کہا جاتا ہے) قرآن مجید سے اسی طرح صراحت کے ساتھ ثابت ہے جس طرح زکوٰۃ کی فرضیت ثابت ہے۔

علامہ ابن منظور افریقی لکھتے ہیں۔حج دین اسلام کا پانچواں رکن ہے، جس کے لفظی معنی ہیں قصد کرنا، کسی جگہ ارادے سے جانا جبکہ اصطلاح شریعت میں اس سے مراد مقررہ دنوں میں مخصوص عبادات کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے گھر کی زیارت کرنا ہے۔

(ابن منظور افریقی،لسان العرب،3،52)

حج کی فرضیت کی دلیل شرعی کا بیان

وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيْلًا وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ۔

(آل عمران،۹۷)

اور اللہ کے لئے لوگوں پر اس گھر کا حج فرض ہے جو بھی اس تک پہنچنے کی استطاعت رکھتا ہو، اور جو (اس کا) منکر ہو تو بیشک اللہ

سب جہانوں سے بے نیاز ہے۔

علامہ علی بن سلطان ملا علی قاری حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ حج کی فرضیت قرآن وسنت اور اجماع سے محکم ہے۔ قرآن میں اس کی دلیل یہ ہے کہ لوگوں پر بیت اللہ کا حج لازم ہے جو اس کی اس راہ کی طاقت رکھتا ہو' اس آیت میں کلمہ ''علی'' جو ایجاب کے لئے آیا ہے۔ لہٰذا حج فرض ہے۔ جبکہ احادیث میں اس کی فرضیت میں کثیر احادیث موجود ہیں۔ جس طرح یہ حدیث ہے۔ حضرت ابن عمر (رضی اللہ عنہ) بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے، اس بات پر کہ اللہ کو ایک مانا جائے، نماز کے اہتمام پر، زکوٰۃ کی ادائیگی پر، رمضان کے روزوں پر اور حج پر۔ ایک آدمی نے پوچھا، حج اور رمضان کے روزے؟ انھوں نے کہا، نہیں، رمضان کے روزے اور حج۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسے ہی سنا ہے۔

(صحیح مسلم، رقم، ۱۶) (شرح الوقایہ، ج ۱، ص ۴۵۰، بیروت)

علامہ ابن قدامہ مقدسی حنبلی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ حج کی فرضیت قرآن وسنت اور اجماع سے ثابت ہے۔ قرآن سے اس طرح ثابت ہے کہ ''لوگوں پر بیت اللہ کا حج لازم ہے'' حدیث کہ اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے جن میں حج کو بیان کیا گیا ہے۔ اور اسی طرح کثیر احادیث ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حج عمر میں ایک مرتبہ فرض ہے اور اسی پر امت کا اجماع ہے۔

(المغنی، ج ۳، ص ۱۶۳، بیروت)

علامہ شرف الدین نووی شافعی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ کہ حج ارکان اسلام میں سے رکن ہے اور اس کے فرائض میں سے فرض ہے۔ اور اس آیت ''وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيْلًا'' میں واؤ ترتیب کا تقاضہ نہیں کرتی کیونکہ انہوں نے اس سے حج کے رکن ہونے کا استدلال کیا ہے۔ اور احادیث سے جو استدلال ہے اس کا تقاضہ بھی یہ ہے کہ حج فرض ہے۔

(المجموع، ج ۴، ص ۷، بیروت)

علامہ شہاب الدین قرافی مالکی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ''وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيْلًا'' اس آیت میں حکم کا وصفیت کے طریقے پر بیان ہونا اس کے وجوب پر دلالت کرتا ہے۔ لہٰذا حج فرض ہے۔ اور باقی دلائل اسی طرح ہیں جس طرح پہلے فقہاء مذاہب ثلاثہ کے ہیں۔ (ذخیرہ، ج ۳، ص ۱۶۷، بیروت)

حج کی تعریف وفرضیت کا بیان

هو زيارة بقاع مخصوصة بفعل مخصوص في أشهره وهي شوال وذو القعدة وعشر ذي الحجة فرض مرة على الفور في الأصح۔

ترجمہ

حج کے مہینوں میں مخصوص عمل کے ساتھ مخصوص جگہ کی زیارت کرنا حج کہلاتا ہے اور اس کے مہینے شوال، ذی قعدہ اور عشرہ ذوالحجہ ہے۔ اور زیادہ صحیح روایت کے مطابق فوری طور پر ادا کرنا ہے اور یہ فرض زندگی میں صرف ایک بار ہے۔

شرح

حج کے مقررہ دنوں کے علاوہ بھی کسی وقت مخصوص عبادات کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے گھر کی زیارت کرنے کو عمرہ کہتے ہیں۔
اصطلاحِ شریعت میں عمرہ سے مراد شرائطِ مخصوصہ اور افعالِ خاصہ کے ساتھ بیت اللہ شریف کی زیارت کرنا ہے۔

(الجزیری، الفقہ علی المذاہب الاربعۃ،1،(1121)

حج کی وجہ تسمیہ کا بیان

امام قرطبی رحمہ اللہ تعالیٰ تفسیر قرطبی میں کہتے ہیں۔عرب کے ہاں حج معلوم ومشہور تھا، اور جب اسلام آیا تو انہیں اس سے ہی مخاطب کیا جسے وہ جانتے تھے اور جس کی انہیں معرفت تھی اسے ان پر لازم بھی کیا۔

(تفسیر القرطبی(92/2)احکام القرآن لابن العربی، ج۱،ص۲۸۶)

ملا علی قاری حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔حج کے اصل معنی ارادے کے ہیں، کسی چیز کا ارادہ کیا جائے تو کہا جاتا ہے، حججت الشئی،۔شریعت کی اصطلاح میں بیت اللہ شریف کی ازراہِ تعظیم مخصوص اعمال کے ساتھ زیارت کا ارادہ کرنے کا نام حج ہے۔
حج، ح، کے زبر اور، ح، کے زیر دونوں طرح یہ لفظ نقل کیا گیا ہے اور قرآن مجید میں بھی دونوں طریقوں پر قرات جائز ہے۔(عمدۃ القاری، ج۱۴،ص۱۷۲، بیروت)

فرضیت حج کی شرائط کا بیان

وشروط فرضيته ثمانية على الأصح , الإسلام، والعقل، والبلوغ، والحرية، والوقت، والقدرة على الزاد ولو بمكة بنفقة وسط، والقدرة على راحلة مختصة به أو على شق محمل بالملك أو الإجارة لا الإباحة والإعارة لغير أهل مكة ومن حولهم إذا أمكنهم المشي بالقدم والقوة بلا مشقة وإلا فلا بد من الراحلة مطلقا– وتلك القدرة فاضلة عن نفقته ونفقته عياله إلى حين عوده وعما لا بد منه - كالمنزل وأثاثه وآلات المحترفين - وقضاء الدين– ويشترط العلم بفرضية الحج لمن أسلم بدار الحرب والكون بدار الإسلام–

ترجمہ

صحیح روایت کے مطابق حج کے فرض ہونے کی آٹھ شرائط ہیں۔(۱) اسلام (۲) عقل (۳) بلوغ (۴) آزادی (۵) وقت (۶) زادِ راہ پر قدرت اگرچہ مکہ میں کیوں نہ ہو جو درمیانی نفقہ ہے۔(۷) سواری پر قدرت حاصل کرنا جو اس کے لئے خاص ہو۔یا پھر کجاوے کا کچھ حصہ خواہ وہ خود مالک ہو یا کرائے پر لیا ہو۔نہ کہ مباح ہے اور عاریت یہ غیر مکہ والوں کے لئے ہے۔اور اس کے گردونواح والوں کے لئے ہے۔کیونکہ اہل مکہ کے لئے پیدل چل کر آنا ممکن ہے۔اور یہ قوت بغیر کسی مشقت کے ہے۔ورنہ ان کے لئے بھی مطلق طور سواری شرط ہوگی۔

اور یہ قدرت اپنے خرچ اور اپنے اہل وعیال کے خرچ سے زیادہ ہو یہاں تک کہ وہ ان کی جانب لوٹ کر آئے اور خرچ وہ ہے جو اس کے لئے لازم ہوتا ہے۔ جس طرح مکان، گھر کا سامان، اور آلات حرفت اور قرضہ کی ادائیگی ہے۔

(۸) اور یہ بھی شرط ہے کہ اس کو حج کی فرضیت کا علم ہو۔ یہ اس شخص کے لئے ہے جو دار الحرب میں ہے اور اسی طرح دار الاسلام میں ہوتا ہے۔

حج کے فرض ہونے کی شرائط کی وضاحت کا بیان

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کون سی چیز حج کو واجب کرتی ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا زاد راہ اور سواری۔ (ترمذی، ابن ماجہ)

سوال کون سی چیز حج کو واجب کرتی ہے؟ کا مطلب یہ ہے کہ حج واجب ہونے کی شرط کیا ہے؟ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک چیز تو زاد راہ بتایا جس کی مراد یہ ہے کہ اتنا مال و زر جو سفر حج میں جانے اور آنے کے اخراجات اور تا واپسی اہل وعیال کی ضروریات کے لئے کافی ہو اور دوسری چیز سواری بتائی جس پر سوار ہو کر بیت اللہ تک پہنچا جا سکے اگرچہ حج کے واجب ہونے کی شرطیں اور بھی ہیں مگر یہاں بطور خاص ان ہی دونوں چیزوں کا ذکر اس لئے کیا گیا ہے کہ اصل میں یہی دو شرائط ایسی ہیں جو حج کے لئے بنیادی اور ضروری اسباب کا درجہ رکھتے ہیں۔

یہ حدیث حضرت امام مالک کے مسلک کی تردید کرتی ہے ان کے ہاں اس شخص پر بھی حج واجب ہوتا ہے جو پیادہ چلنے پر قادر ہو اور تجارت یا محنت مزدوری کے ذریعہ سفر حج کے اخراجات کے بقدر روپے پیسے حاصل کر سکتا ہو۔

حج ان شرائط کے پائے جانے کے بعد فرض ہوتا ہے۔ (۱) مسلمان ہونا، کافر پر حج فرض نہیں ہے (۲) آزاد ہونا، لونڈی غلام پر حج فرض نہیں ہے۔ (۳) عاقل ہونا، مجنون، مست اور بے ہوش پر حج فرض نہیں۔ (۴) بالغ ہونا، نابالغ بچوں پر حج فرض نہیں۔ (۵) صحت مند و تندرست ہونا، بیمار، اندھے، لنگڑے، اپاہج پر حج فرض نہیں (۶) قادر ہونا یعنی اس قدر مال کا مالک ہونا جو ضرورت اصلیہ اور قرض سے زائد ہو اور اس کے زاد راہ اور سواری کے کرایہ وخرچ کے لئے کافی ہو جائے نیز جن لوگوں کا نفقہ اس کے ذمہ واجب ہے ان کے لئے بھی اس میں سے اس قدر چھوڑ جائے جو اس کی واپسی تک ان لوگوں کو کفایت کر سکے۔ (۷) راستے میں امن ہونا، اس بارے میں اکثر کا اعتبار ہے یعنی اگر اکثر لوگ امن و امان سے پہنچ جاتے ہوں تو حج فرض ہوگا، مثلاً اگر اکثر لوگ راستے میں ڈاکہ زنی وغیرہ سے لٹ جاتے ہوں یا کوئی ایسا دریا اور سمندر حائل ہو جس میں بکثرت جہاز ڈوب جاتے ہوں اور اکثر ہلاک ہو جاتے ہوں یا راستے میں اور کسی قسم کا خوف ہو تو ایسی حالت میں حج فرض نہیں ہوگا، ہاں اگر یہ حادثات کبھی کبھی اتفاقی طور پر ہو جاتے ہیں تو پھر حج کی فرضیت ساقط نہیں ہوگی (۸) عورت کے لئے ہمراہی میں شوہر یا کسی اور محرم کا موجود ہونا جب کہ اس کے یہاں سے مکہ کی دوری بقدر مسافت سفر یعنی تین دن کی ہو۔ اگر شوہر یا محرم ہمراہی میں نہ ہوں۔ تو پھر عورت کے لئے سفر حج اختیار کرنا جائز نہیں ہے اور محرم کا عاقل بالغ ہونا اور مجوسی وفاسق نہ ہونا بھی شرط ہے۔ محرم کا نفقہ اس عورت پر ہوگا جو اپنے اپنے ساتھ حج میں لے جائے گی۔ نیز جس عورت پر حج فرض ہو وہ اپنے شوہر کی اجازت کے بغیر بھی محرم کے ساتھ حج کے لئے جا سکتی ہے۔

اگر کوئی نابالغ لڑکا یا غلام احرام باندھنے کے بعد بالغ ہو جائے یا آزاد ہو جائے اور پھر وہ حج پورا کرے تو اس صورت میں فرض ادا نہیں ہوگا! ہاں اگر لڑکا فرض حج کے لئے از سرِ نو احرام باندھے گا تو صحیح ہو جائے گا۔ لیکن غلام کا احرام فرض حج کے لئے اس صورت میں بھی درست نہیں ہوگا۔

بیماری سے تندرست ہونے والے کے حج کا بیان

تندرست ہو کہ حج کو جا سکے، اعضا سلامت ہوں، انکھیارا ہو، اپاہج اور فالج والے اور جس کے پاؤں کٹے ہوں اور بوڑھے پر کہ سواری پر خود نہ بیٹھ سکتا ہو حج فرض نہیں۔ یو ہیں اندھے پر بھی واجب نہیں اگر چہ ہاتھ پکڑ کر لے چلنے والا اُسے ملے۔ ان سب پر یہ بھی واجب نہیں کہ کسی کو بھیج کر اپنی طرف سے حج کرا دیں یا وصیت کر جائیں اور اگر تکلیف اُٹھا کر حج کر لیا تو صحیح ہو گیا اور حجۃ الاسلام ادا ہوا یعنی اس کے بعد اگر اعضا درست ہو گئے تو اب دوبارہ حج فرض نہ ہوگا وہی پہلا حج کافی ہے۔

اگر پہلے تندرست تھا اور دیگر شرائط بھی پائے جاتے تھے اور حج نہ کیا پھر اپاہج وغیرہ ہو گیا کہ حج نہیں کر سکتا تو اس پر وہ حج فرض باقی ہے۔ خود نہ کر سکے تو حج بدل کرائے۔ خواہ سواری اس کی مِلک ہو یا اس کے پاس اتنا مال ہو کہ کرایہ پر لے سکے۔

کسی نے حج کے لیے اس کو اتنا مال مُباح کر دیا کہ حج کر لے تو حج فرض نہ ہوا کہ اِباحت سے مِلک نہیں ہوتی اور فرض ہونے کے لیے مِلک درکار ہے، خواہ مباح کرنے والے کا اس پر احسان ہو جیسے غیر لوگ یا نہ ہو جیسے ماں، باپ اولاد۔ یو ہیں اگر عاریۃ لی ہو۔ سواری مِل جائے گی جب بھی فرض نہیں۔ (فتاویٰ عالمگیری، ا،ص ۲۴۰)

نابالغ و مجنون کے انعقاد حج کا فقہی بیان

نابالغ نے حج کا احرام باندھا اور وقوفِ عرفہ سے پیشتر بالغ ہو گیا تو اگر اسی پہلے احرام پر رہ گیا حج نفل ہوا حجۃ الاسلام نہ ہوا اور اگر سرے سے احرام باندھ کر وقوفِ عرفہ کیا تو حجۃ الاسلام ہوا۔

مجنون تھا اور وقوفِ عرفہ سے پہلے جنون جاتا رہا اور نیا احرام باندھ کر حج کیا تو یہ حج حجۃ الاسلام ہو گیا ورنہ نہیں۔ بوہرا بھی مجنون کے حکم میں ہے۔

حج کرنے کے بعد مجنون ہوا پھر اچھا ہوا تو اس جنون کا حج پر کوئی اثر نہیں یعنی اب اسے دوبارہ حج کرنے کی ضرورت نہیں، اگر احرام کے وقت اچھا تھا پھر مجنون ہو گیا اور اسی حالت میں افعال ادا کیے پھر برسوں کے بعد ہوش میں آیا تو حج فرض ادا ہو گیا۔ (منسک)(عالمگیری، کتاب المناسک، ج۱، ص ۲۱۷)

حج کے وجوب اداء کی شرائط کا بیان

وشروط وجوب الأداء خمسة على الأصح , صحة البدن، وزوال المانع الحسي عن الذهاب للحج، وأمن الطريق، وعدم قيام العدة، وخروج محرم ولو من رضاع أو مصاهرة مسلم مأمون عاقل بالغ أو زوج لا امرأة في سفر والعبرة بغلبة السلامة برا وبحرا على المفتى به-

ترجمہ

صحیح روایت کے مطابق حج کے وجوب ادا کی پانچ شرائط ہیں۔(۱) بدن کی تندرستی کا ہونا (۲) حج پر جانے کے لئے کوئی ظاہری طور پر رکاوٹ نہ ہو (۳) راستے میں امن ہو (۴) عورت کا عدت میں نہ ہونا (۵) عورت کے ساتھ محرم کا ہونا اگر چہ وہ رضاعی، مصاہرت سے ہو لیکن وہ مسلمان، عاقل بالغ ہو یا عورت کا شوہر سفر میں ہو۔اور سفر خواہ بری ہو یا بحری ہو مفتی بہ قول کے مطابق سلامتی والا ہو۔

سفر حج میں عورت کے لئے محرم ہونے کا بیان

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے شیخین کی یہ روایت بھی ہے جس میں وہ کہتے ہیں کہ انہوں نے نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم کو یہ کہتے سنا کہ ,کوئی مرد کسی عورت کے ساتھ ہرگز تنہائی میں نہ رہے، اور کوئی عورت ہرگز محرم کے بغیر سفر نہ کرے، پس ایک شخص کھڑا ہوا اور اُس نے دریافت کیا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلّم میں نے فلاں غزوہ میں شرکت کا ارادہ کیا ہے، اور میری بیوی حج کے لئے نکلی ہے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا, جاؤ اور اپنی بیوی کے ساتھ حج کرو۔

لیکن علماء کے درمیان اُس عورت کے سلسلہ میں اختلاف ہوا ہے جس کا شوہر نہ ہو اور اُس کا کوئی محرم اُس کے ساتھ نکلنے کے لئے آمادہ نہ ہو۔ ایک جماعت کی یہ رائے نقل کی گئی ہے کہ وہ عورت حج نہیں کرے گی، احناف کا یہی فتویٰ ہے، مالک، شافعی اور ایک جماعت کی رائے یہ ہے وہ پُر امن والی رفاقت کے ساتھ سفر کرے گی جیسا کہ شیخ جیطالی وغیرہ نے بیان کیا ہے۔

امام بخاری اور مسلم رحمہم اللہ بیان کرتے ہیں کہ, ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا۔کوئی شخص بھی کسی عورت سے محرم کے بغیر خلوت نہ کرے، اور محرم کے بغیر کوئی عورت بھی سفر نہ کرے، تو ایک شخص کھڑا ہو کر کہنے لگا اے اللہ تعالی کیرسول صلی اللہ علیہ وسلم میری بیوی حج کے لیے جارہی ہے اور میں نے فلاں غزوہ میں اپنا نام لکھوار کھا ہے

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرمانے لگے, جاؤ اپنی بیوی کے ساتھ جا کر حج کرو)

امام حسن، امام نخعی، امام احمد، اسحاق، ابن منذر، اور دیگر فقہاء کا بھی یہی قول ہے، اور مندرجہ بالا آیت اور عورت کو بغیر محرم اور خاوند سے سفر کی نہی والی احادیث کے عموم کی بنا پر صحیح قول بھی یہی ہے۔ اور امام شافعی، امام مالک، اوزاعی رحمہم اللہ نے اس میں اختلاف کیا ہے اور ہر ایک نے ایک شرط رکھی ہے۔

آزاد کے لئے ادائیگی حج کی چار شرائط کا بیان

ویصح أداء فرض الحج بأربعة أشياء للحر , الإحرام والإسلام وهما شرطان، ثم الإتيان بر كنيه وهما , الوقوف محرما بعرفات لحظة من زوال يوم التاسع إلى فجر يوم النحر بشرط عدم الجماع قبله محرما، والركن الثاني هو أكثر طواف الإفاضة في وقته وهو ما بعد طلوع فجر النحر۔

ترجمہ

اور چار چیزوں سے فرض حج کی ادائیگی آزاد کے لئے صحیح ہے۔(۱) احرام (۲) اسلام اور یہی دونوں شرط ہیں۔ پھر حج کے لئے دوسری شرائط ہی ارکان ہیں۔ اور وہ دونوں یہ ہیں (۱) میدان عرفات میں احرام کی حالت میں نویں ذوالحج کے زوال اور دسویں کی فجر کے درمیان کسی بھی وقت ساعت بھر کے لئے ٹھہرنا فرض ہے۔(۲) دوسرا رکن یہ ہے کہ طواف افاضہ کو اس کے وقت میں کرنا اور اس کا وقت دسویں ذوالحج کے بعد شروع ہوتا ہے۔

شرح

حج میں پانچ چیزیں فرض ہیں۔(۱) احرام، یہ حج کے لئے شرط بھی ہے اور رکن یعنی فرض بھی ہے۔(۲) وقوف عرفات یعنی عرفات میں ٹھہرنا خواہ ایک ہی منٹ کے بقدر ہو اور خواہ دن میں ہو یا رات میں (۳) طواف الزیارۃ اس کو طواف الافاضہ اور طواف الرکن بھی کہتے ہیں (۴) مذکورہ بالا فرائض میں ترتیب کا لحاظ یعنی احرام کو وقوف اور وقوف کو طواف زیارت پر مقدم کرنا (۵) ہر فرض کو اسی مکان مخصوص میں ادا کرنا یعنی وقوف کا خاص عرفات میں اور طواف کا حاصل مسجد حرام کعبہ مکرمہ کے گرد ہونا اور ہر فرض کا اسی خاص وقت میں ادا کرنا جو شریعت سے اس کے لئے مقرر ہے یعنی وقوف کا نویں ذی الحجہ کی ظہر کے وقت سے دسویں تاریخ کی فجر سے پہلے تک ادا کرنا اور طواف کا اس کے بعد ادا کرنا۔

حج کے واجبات کا بیان

وواجبات الحج , إنشاء الإحرام من الميقات، ومد الوقوف بعرفات إلى الغروب، والوقوف بالمزدلفة فيما بعد فجر يوم النحر وقبل طلوع الشمس، ورمى الجمار، وذبح القارن والمتمتع، والحلق وتخصيصه بالحرم وأيام النحر وتقديم الرمى على الحلق ونحر القارن والمتمتع بينهما، وإيقاع طواف الزيادة في أيام النحر، والسعى بين الصفا والمروة فى أشهر الحج، وحصوله بعد طواف معتد به، والمشى فيه لمن لا عذر له، وبداءة السعى بين الصفا والمروة فى أشهر الحج، وحصوله بعد طواف معتد به، والمشى فيه لمن لا عذر له، وبداءة السعى من الصفا، وطواف الوداع، وبداءة كل طواف بالبيت من الحجر الأسود، والتيامن فيه والمشى فيه لمن لا عذر له، والطهارة من الحدثين، وستر العورة– وأقل الأشواط بعد فعل الأكثر من طواف الزيارة وترك المحظورات كلبس الرجل المخيط وستر رأسه ووجهه وستر المرأة وجهها والرفث والفسوق والجدال وقتل الصيد والإشارة إليه والدلالة عليه–

ترجمہ

حج کے واجبات یہ ہیں۔(۱) میقات سے احرام باندھنا۔(۲) میدان عرفات میں غروب آفتاب تک ٹھہرنا ہے۔(۳)

دسویں ذوالحج کی طلوع فجر ہونے کے بعد اور سورج طلوع ہونے سے پہلے مزدلفہ میں ٹھہرنا ہے۔ (۴) جمرات کو کنکریاں مارنا ہے (۵) حج قران اور تمتع کرنے والے کا قربانی کرنا ہے (۶) سر منڈانا ہے (۷) حدود حرم کے اندر ایام نحر میں سر منڈانا ہے (۸) سر منڈوانے سے پہلے کنکریاں مارنا ہے (۹) سر منڈوانے اور کنکریاں مارنے کے دوران قربانی کرنا ہے (۱۰) ایام نحر میں طواف زیارت کرنا ہے (۱۱) حج کے مہینوں میں صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرنا ہے (۱۲) ایسے طواف کے بعد سعی کرنا ہے جس کے پہلے تین چکروں میں رمل کیا گیا ہو (۱۳) پیدل سعی کرنا ہے لیکن اس میں شرط یہ ہے کہ کوئی عذر نہ ہو (۱۴) صفا سے سعی کا آغاز کرنا ہے (۱۵) طواف وداع کرنا ہے (۱۶) بیت اللہ کا ہر طواف حجر اسود سے شروع کرنا ہے (۱۷) دائیں جانب سے طواف شروع کرنا کہ بیت اللہ طواف کرنے والے کی بائیں جانب ہو (۱۸) طواف پیدل کرنا لیکن شرط یہ ہے کہ کوئی عذر نہ ہو (۱۹) حدث اصغر اور حدث اکبر سے پاک ہونا ہے (۲۰) ستر کا ڈھانپنا ہے (۲۱) طواف زیارت کے اکثر چکر لگانے کے بعد باقی تین چکر لگانے ہیں۔ (۲۲) دوران حج ممنوعہ افعال سے اپنے آپ کو بچانا ہے۔ جس طرح مرد کے لئے سلائی والا کپڑا پہننا ہے اور اپنے سر اور چہرے کو ڈھانپنا ہے۔ اور عورت کے لئے چہرے کو ڈھانپنا ہے۔ اور عورتوں کی موجودگی میں جماع وغیرہ کا ذکر کرنا ہے۔ فسق وفجور کرنا ہے۔ ساتھیوں سے جھگڑا کرنا ہے۔ شکار کی جانب اشارہ کرنا جب وہ سامنے ہو۔ شکار کے بارے میں رہنمائی کرنا ہے کہ شکار اس جانب ہے یا فلاں مقام پر موجود ہے۔

شرح

حج میں یہ چیزیں واجب ہیں۔ (۱) وقوف مزدلفہ (۲) صفا اور مروہ کے درمیان سعی (۳) رمی جمار (۴) آفاقی یعنی غیر ملکی کے لئے طواف قدوم (۵) حلق یا تقصیر یعنی بال منڈوانا یا کترانا (۶) اور ہر وہ چیز جس کو ترک کر دینے پر دم یعنی جانور ذبح کرنا واجب ہو جاتا ہو۔ ان فرائض وواجبات کے علاوہ اور بہت سی چیزیں جو حج کے سنن وآداب کے تحت آتی ہیں وہ آئندہ صفحات میں موقع بموقع بیان ہوں گی۔

حج کی سنتوں کا بیان

وسنن الحج منها , الاغتسال ولو لحائض ونفساء أو الوضوء إذا أراد الإحرام ولبس أزار ورداء جديدين أبيضين والتطيب وصلاة ركعتين والإكثار من التلبية بعد الإحرام رافعا بها صوته متى صلى أو علا شرفا أو هبط واديا أو لقي ركبا وبالأسحار وتكريرها كلما أخذ فيها والصلاة على النبي صلى الله عليه وسلم وسؤال الجنة وصحبة الأبرار والاستعاذة من النار واغسل لدخول مكة ودخولها من باب المعلاة نهارا والتكبير والتهليل تلقاء البيت الشريف والدعاء بما أحب عند رؤيته وهو مستجاب وطواف القدوم ولو في غير أشهر الحج والاضطباع فيه والرمل إن سعى بعده في أشهر الحج والهرولة فيما بين الميلين الأخضرين للرجال والمشي على هينة في

باقي السعي والإكثار من الطواف وهو أفضل من صلاة النفل للآفاقي،

ترجمہ

اور حج کی سنتیں یہ ہیں۔(۱) جب وہ احرام کا ارادہ کرے تو غسل کرنا اگر چہ حائض ونفاس والی عورت ہی ہو یا وضو کرلے۔ (۲) احرام کے لئے دونئی چادریں پہن لے جن کو ازار اور رداء کہا جاتا ہے۔(۳) خوشبو لگائے۔(۴) دو رکعات نفل پڑھے۔ (۵) احرام باندھ لینے کے بعد بلند آواز سے کثرت سے تلبیہ کہے۔ یعنی جب وہ نماز پڑھے یا بلندی پر چڑھے یا وادی میں اترے یا سواروں سے ملے اور سحری کے وقت بھی تلبیہ کہے۔

(۶) جب بھی وہ تلبیہ پڑھے تو وہ بار بار پڑھتا رہے۔(۷) درود شریف کی کثرت کرے۔(۸) اللہ تعالی سے جنت کا سوال کرے (۹) نیک لوگوں کی صحبت کا سوال کرے۔(۱۰) جہنم کی آگ سے پناہ مانگے (۱۱) مکہ مکرمہ میں داخل ہونے کے لئے غسل کرے(۱۲) مکہ مکرمہ میں دن کے وقت داخل ہو اور باب معلٰی سے جائے۔(۱۳) مکہ شریف میں جب بیت اللہ کے سامنے پہنچے تو اللہ اکبر اور لا الہ الا اللہ کا ورد کرتا رہے۔(۱۴) بیت اللہ شریف پر جب پہلی نظر پڑے تو جو چاہے وہاں دعا مانگے تو وہ دعا قبول ہوگی۔(۱۵) طواف قدوم کرے اگر چہ حج کے مہینے نہ ہوں۔ اضطباع کی حالت میں طواف کرے۔(۱۷) اور رمل کرے سعی کرنے کے بعد جب وہ حج کے مہینے ہوں۔(۱۸) مردوں کے لئے دو سبز میلوں کے درمیان تیز تیز چل کر سعی کرنا سنت ہے۔(۱۹) بقیہ سعی میں آرام کے ساتھ چلے۔(۲۰) مکہ شریف میں رہتے ہوئے کثرت سے طواف کرنا کیونکہ آفاقی کے لئے طواف کرنا یہ نفلی نماز پڑھنے سے افضل ہے۔

احرام کے لئے غسل کرنے کا بیان

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے بارہ میں مروی ہے کہ انہوں نے دیکھا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے احرام کے لئے کپڑے اتارے اور غسل کیا۔(ترمذی، دارمی، مشکوۃ شریف: جلد دوم: رقم الحدیث، 1090)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلے ہوئے کپڑے اپنے بدن سے اتار دیئے اور تہہ باندھ کر چادر اوڑھ لی جو احرام کے کپڑے ہیں چنانچہ احرام کی حالت میں سلا ہوا کپڑا مثلاً کرتا، پائجامہ، ٹوپی عبا، قبا اور موزہ وغیرہ پہننا منع ہے۔ جیسا کہ حدیث سے معلوم ہوا احرام کے لئے غسل کرنا مسنون وافضل ہے، اگر غسل نہ ہو سکے تو پھر وضو پر اکتفا بھی جائز ہے حیض ونفاس والی عورت اور نابالغ بچوں کے لئے بھی غسل مسنون ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سر کے بالوں کو ان چیزوں کے ذریعہ جمایا جن سے سر دھویا جاتا ہے۔(ابوداؤد)

آپ نے احرام کے وقت اپنے سر کے بالوں کو گوند یا خطمی وغیرہ سے جما لیا تھا تا کہ وہ گرد وغبار سے محفوظ رہیں، اسی کو تلبید کہتے ہیں۔ اس کے بارہ میں پہلے بھی بیان کیا جا چکا ہے۔

احرام کے لئے دو رکعات نماز پڑھنے کا بیان

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم (احرام باندھتے وقت) ذوالحلیفہ میں دو رکعت نماز پڑھتے اور پھر جب ذوالحلیفہ کی مسجد کے قریب اونٹنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو لے کر کھڑی ہوتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کلمات کو (یعنی لبیک کے مشہور کلمات کو جو پہلے گزر چکے ہیں) بآواز بلند کہتے اور (پھر) یہ کلمات (مزید) کہتے لبیک اللّٰھم لبیک لبیک وسعدیک والخیر فی یدیک لبیک والرغباء الیک والعمل۔ حاضر ہوں تیری خدمت میں اے اللہ! میں تیری خدمت میں حاضر ہوں، حاضر ہوں تیری خدمت میں اور نیک بختی حاصل کرتا ہوں تیری خدمت میں اور بھلائی تیرے ہی ہاتھ میں ہے حاضر ہوں تیری خدمت میں اور رغبت وتوجہ تیری طرف ہے اور عمل تیرے ہی لئے ہے۔ اس روایت کو بخاری و مسلم نے نقل کیا ہے لیکن الفاظ مسلم کے ہیں۔ (مشکوٰۃ شریف: جلد دوم: رقم الحدیث، 1094)

مطلب یہ ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم ذوالحلیفہ پہنچتے تو وہاں پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم دو رکعت نماز بہ نیت نفل پڑھتے جو احرام کے لئے مسنون ہے اور ان دونوں رکعتوں میں آیت (قل یا ایھا الکافرون) اور (قل ھو اللہ احد) کی قرات کرتے پھر نیت کرتے اس کے بعد لبیک کہتے اور پھر جب آپ مسجد ذوالحلیفہ کے پاس اونٹنی پر سوار ہوتے اور اونٹنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو لے کر کھڑی ہوتی تو اس وقت بھی پہلے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں کلمات کے ذریعہ تلبیہ کرتے جو مشہور ہیں اور پھر لبیک کے مزید وہ کلمات کہتے جو حدیث میں نقل کئے گئے ہیں۔

تلبیہ کہنے کا بیان

حضرت خلاد بن سائب اپنے والد مکرم سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے پاس جبرائیل آئے اور مجھے یہ امر کیا کہ میں اپنے صحابہ کو اس بات کا حکم دوں کہ وہ اہلال یا تلبیہ میں اپنی آوازیں بلند کریں۔

(مالک، ترمذی، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، دارمی، مشکوٰۃ شریف: جلد دوم: رقم الحدیث، 1092)

یعنی لبیک کہنا۔ بآواز بلند لبیک کہنا مردوں کے لئے مستحب ہے لیکن آواز کو اتنا بلند نہ کرنا چاہئے جس سے تکلیف پہنچے، عورتیں اتنی آہستہ آواز سے لبیک کہیں کہ وہ خود ہی سن سکیں دوسروں تک ان کی آواز نہ پہنچے۔

تلبیہ کے بعد درود وسلام اور دعا کا بیان

حضرت عمارہ بن خزیمہ بن ثابت اپنے والد مکرم حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ سے اور وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب تلبیہ (یعنی لبیک کہنے) سے فارغ ہوتے تو اللہ تعالیٰ سے اس کی خوشنودی اور جنت مانگتے اور اس کی رحمت کے ذریعہ دوزخ کی آگ سے معافی کے خواستگار ہوتے۔ (شافعی، مشکوٰۃ شریف: جلد دوم: رقم الحدیث، 1095)

حنفی علماء فرماتے ہیں کہ یہ مستحب ہے کہ جو شخص تلبیہ سے فارغ ہو تو وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھے اور درود پڑھتے وقت اپنی آواز تلبیہ کی آواز کی بہ نسبت پست و دھیمی رکھے نیز اللہ تعالیٰ سے اس کی خوشنودی اور جنت مانگے، دوزخ کی آگ سے

اس کی پناہ چاہے اور اپنی جس دینی و دنیاوی فلاح و بھلائی کے لئے چاہے دعا مانگے۔ یہ مسئلہ بھی ذہن میں رہنا چاہئے کہ تلبیہ کرنے والے کو سلام کرنا مکروہ ہے ہاں اگر کوئی تلبیہ کرنے کی حالت میں سلام ہی کر لے تو اس کے سلام کو جواب دینا جائز ہے نیز حنفی علماء کے نزدیک ایک مرتبہ تلبیہ کرنا تو فرض ہے اور ایک مرتبہ سے زیادہ سنت ہے ایسی سنت کہ جس کو ترک کرنے والا "برا" سمجھا جاتا ہے۔

حج کی بعض سنتوں کا بیان

والخطبة بعد صلاة الظهر يوم سابع الحجة بمكة وهى خطبة واحدة بلا جلوس يعلم المناسك فيها والخروج بعد طلوع الشمس يوم التروية من مكة لمنى والمبيت بها ثم الخروج منها بعد طلوع الشمس يوم عرفة إلى عرفات فيخطب الإمام بعد الزوال قبل صلاة الظهر والعصر مجموعة جمع تقديم مع الظهر خطبتين يجلس بينهما والاجتهاد فى التضرع والخشوع والبكاء بالدموع والدعاء للنفس والوالدين والإخوان بما شاء من أمر الدارين فى الجمعين والدفع بالسكينة والوقار بعد الغروب من عرفات والنزول من مزدلفة مرتفعا عن بطن الوادى بقرب جبل قزح والمبيت بها ليلة النحر،

ترجمہ

(۲۱) مکہ مکرمہ میں سات ذوالحج کو نماز ظہر کے بعد خطبہ دینا سنت ہے۔ اور یہ بغیر کسی جلوس کے ایک خطبہ ہوگا جس میں مناسک حج سکھائے جائیں۔ (۲۲) آٹھ ذوالحج کو طلوع آفتاب کے بعد مکہ سے منیٰ کی جانب روانہ ہو جائے۔ (۲۳) منیٰ میں جا کر رات بسر کرے اور ۹ ذوالحج کو طلوع آفتاب کے بعد وہاں سے میدان عرفات کی جانب چل پڑے۔ جہاں پر امام زوال کے بعد نماز ظہر سے پہلے دو خطبے دیں گے۔ اور ان کے درمیان بیٹھے۔ اور ظہر کے وقت میں ظہر اور عصر دونوں نمازیں ایک ساتھ ادا کی جائیں گی (۲۴) وہاں پر خشوع و خضوع میں زیادہ کوشش کرے۔ اور روتے ہوئے اپنے لئے اور اپنے والدین اور جملہ مسلمان بھائیوں کے لئے دنیا و آخرت کی بھلائی کی دعا مانگے۔

(۲۵) ۹ ذوالحج کو غروب آفتاب کے بعد سکون کے ساتھ میدان عرفات سے مزدلفہ کی جانب چل پڑے۔ (۲۶) مزدلفہ میں جبل قزح کے قریب وادی کے نشیب سے ہٹ کر بلند جگہ پر الگ ہو جائے۔ (۲۷) دسویں ذوالحج کی رات وہاں ہی بسر کرے۔

حج کی مزید سنتوں کا بیان

والمبيت بمنى أيام منى بجميع أمتعته وكره تقديم ثقله إلى مكة إذ ذاك ويجعل منى عن يمينه ومكة عن يساره حال الوقوف لرمى الجمار وكونه راكبا حالة رمى جمرة العقبة فى كل الأيام وماشيا فى الجمرة الأولى التى تلى المسجد والوسطى والقيام فى بطن الوادى حالة الرمى

وكون الرمي في اليوم الأول فيما بين طلوع الشمس وزوالها وفيما بين الزوال وغروب الشمس في باقي الأيام وكره الرمي في اليوم الأول والرابع فيما بين طلوع الفجر والشمس وكره في الليالي الثلاث وصح لأن الليالي كلها تابعة لما بعدها من الأيام إلا الليلة التي تلي عرفة حتى صح فيها الوقوف بعرفات وهي ليلة العيد وهي ثلاث فإنها تابعة لما قبلها أو المباح من أوقات الرمي ما بعد الزوال إلى غروب الشمس من اليوم الأول وبهذا علمت أوقات الرمي كلها جوازا أو كراهة واستحبابا۔

ترجمہ

(۲۸) ایام منیٰ کے دوران تمام راتیں وہاں منیٰ میں ہی گزارے۔ اور اپنا سامان اپنے پاس رکھے۔ اور سامان مکہ کی جانب پہلے منتقل کردینا مکروہ ہے۔ اور رمی جمار کے پاس وقوف کی حالت میں منی اس کی دائیں جانب اور مکہ بائیں جانب ہونا چاہے۔ (۲۹) جمرہ عقبہ کو سوار ہو کر کنکریاں مارنا سنت ہے۔ (۳۰) جمرہ اولیٰ اور وسطیٰ کو پیدل کنکریاں مارے (۳۱) کنکریاں مارنے کے وقت وہ وادی کے نشیب میں ہو۔ (۳۲) پہلے دن طلوع آفتاب کے بعد اور زوال کے درمیان کے وقت میں کنکریاں مارے جبکہ بقیہ دنوں میں زوال اور غروب آفتاب کے درمیان کے وقت میں کنکریاں مارے۔

اور پہلے دن ہی رمی کرنا مکروہ ہے اور چوتھے دن طلوع آفتاب اور طلوع فجر کے درمیان مکروہ ہے اور راتوں کو رمی کرنا مکروہ ہے۔ جبکہ صحیح یہ ہے کہ راتوں کو رمی کرنا درست ہے کیونکہ وہ دنوں کے تابع ہیں۔ کیونکہ وہ بعد والے دنوں سے ملی ہوئی ہوتی ہیں۔ حتیٰ کہ اس میں وقوف عرفات درست ہے وہ عید کی رات ہے۔ اور وہ تین راتیں ہیں کیونکہ وہ اپنے ماقبل کے تابع ہیں۔ یا پھر پہلے دن زوال کے بعد غروب آفتاب تک رمی کرنا مباح ہے۔ کیونکہ یہ سارے اوقات رمی کے جواز کے ہیں یا کراہت کے ہیں اور استحباب کے ہیں۔

حج مفرد والے کے لئے قربانی سنت ہونے کا بیان

ومن السنة، هدى المفرد بالحج والأكل منه ومن هدى المتطوع والمتعة والقران فقط ومن السنة لخطبة يوم النحر مثل الأولى يعلم فيها بقية المناسك وهي ثالثة خطب الحج وتعجيل النفر إذا أراده من منى قبل غروب الشمس من اليوم الثاني عشر وإن أقام بها حتى غربت الشمس من اليوم الثاني عشر فلا شيء عليه وقد أساء وإن أقام بمنى إلى طلوع فجر اليوم الرابع لزمه رميه ومن السنة النزول بالمحصب ساعة بعد ارتحاله من منى وشرب ماء زمزم والتضلع منه واستقبال البيت والنظر إليه قائما والصب منه على رأسه وسائر جسده وهو لما شرب له من أمور الدنيا والآخرة۔

ترجمہ

(۳۳) حج مفرد کرنے والے کے لئے قربانی کرنا سنت ہے۔ (۳۴) حج مفرد والے اور نفلی قربانی کرنے والے اور تمتع وقران والوں کو اپنی قربانی کے گوشت سے کھانا سنت ہے۔ (۳۵) دسویں ذوالحج کا خطبہ بھی سنت ہے۔ اور یہ خطبہ حج کی طرح ہوتا ہے جس میں بقیہ مناسک حج سکھائے جاتے ہیں۔ اور یہ حج کا تیسرا خطبہ ہے۔ (۳۶) اور ذوالحج کی بارہ تاریخ کو غروب آفتاب سے پہلے مکہ کی جانب روانہ ہو جائے۔ جب وہ غروب تک ٹھہر چکا ہے اور اس کے بعد روانہ ہوا تو وہ گنہگار ہوگا۔ لیکن اس پر کوئی چیز لازم نہ ہوگی۔ اور جب وہ چوتھے دن طلوع فجر تک ٹھہرا ہے تو چوتھے دن کی کنکریاں مارنا لازم ہو جائے گا۔

(۳۷) جب منٰی سے مکہ کی جانب جائے تو کچھ دیر محصب میں ٹھہرے۔ (۳۸) آب زم زم نوش کرے (۳۹) خوب جی بھر کر پیئے (۴۰) قبلہ کی جانب منہ کر کے نوش کرے (۴۱) کھڑے ہو کر پی لے اور نظر کعبہ پر ہو۔ (۴۲) سر پر بھی ڈالے اور بقیہ جسم پر بھی بہائے اور جب اس نے پی لیا ہے تو دنیا و آخرت کے مقاصد حاصل ہوں گے۔

ملتزم پر سینہ اور چہرہ رکھنے کا بیان

ومن السنة التزام الملتزم وهو أن يضع صدره ووجهه عليهم والتشبث بالأستار ساعة داعيا بما أحب وتقبيل عتبة البيت ودخوله بالأدب والتعظيم ثم لم يبق عليه أعظم القربات وهي زيارة النبي صلى الله عليه وسلم وأصحابه فينويها عند خروجه من مكة من باب شبيكة من الثنية السفلي وسنذكر للزيارة فصلا على حدته إن شاء الله تعالى–

ترجمہ

(۴۳) ملتزم پر سینہ اور چہرہ رکھ کر چمٹ جائے (۴۴) کچھ دیر کے لئے غلاف کعبہ سے لپٹ کر جو چاہے دعا مانگے (۴۵) کعبہ شریف کی دہلیز کو بوسہ دے (۴۶) اس کے بعد ادب و احترام سے کعبہ شریف کے اندر داخل ہو جائے۔

مناسک حج سے فارغ ہو جانے کے بعد ایسا عمل ابھی رہ گیا ہے جو تمام عبادات کی اصل ہے اور وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی بارگاہ میں حاضری دینا ہے۔ اور زیارت کرنا ہے۔ لہٰذا وہ مکہ مکرمہ کی نیچے والی وادی سبیکہ سے نکل کر مدینۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی نیت سے روانہ ہو جائے۔ ہم عنقریب ان شاء اللہ زیارۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی الگ فصل بیان کریں گے۔

فصل فی کیفیۃ ترکیب أفعال الحج

﴿یہ فصل افعال کی ترکیب کے بیان میں ہے﴾

حج کرنے طریقے کا بیان

إذا أراد الدخول في الحج أحرم من الميقات كرابغ فيغتسل أو يتوضأ والغسل أحب وهو التنظيف فتغتسل المرأة الحائض والنفساء إذا لم يضرهم ويستحب كمال النظافة كقص الظفر والشارب ونتف الإبط وحلق العانة وجماع الأهل والدهن ولو مطيبا ويلبس الرجل إزار أو رداء جديدين أو غسيلين والجديد الأبيض أفضل ولا يزره ولا يعقده ولا يخلله فإن فعل كره ولا شيء عليه۔

ترجمہ

جب کوئی شخص حج کا ارادہ کرے تو میقات سے احرام باندھے۔ جس طرح اہل مصر کا میقات رابغ ہے۔ پس وہ غسل یا وضو کرے جبکہ وضو زیادہ افضل ہے۔ کیونکہ اس میں زیادہ صفائی ہے۔ حائض اور نفاس والی عورتیں غسل کریں جبکہ یہ غسل کرنا ان کے لئے نقصان دہ نہ ہو۔ اور صفائی کرنا مستحب ہے جس طرح ناخن کاٹنا ہے اور مونچھیں کاٹنا ہے۔ اور بغل کے بال اور زیر ناف بال مونڈنا اور اہلیہ کے جماع سے فارغ ہونا اور تیل بھی لگائے اگر چہ خوشبودار ہی ہو۔ اور مرد ایک آزار اور ایک رداء جو دونوں چادریں جدید یا دھوئی ہوئی ہوں جبکہ نئی سفید افضل ہیں۔ ان میں بٹن نہ لگائے اور نہ گرہ لگائے اور نہ قمیص کی طرح ان میں داخل ہو۔ اگر اس نے ایسا کیا تو مکروہ ہے لیکن اس پر کچھ لازم نہ ہوگا۔

جمہور فقہاء کے نزدیک غسل احرام کے استحباب کا بیان

علامہ بدر الدین عینی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ امام طبرانی نے اپنی معجم میں اور امام دار قطنی نے اپنی سنن میں حدیث نقل فرمائی ہے اور ان دونوں روایات میں یہ لفظ ہے کہ احرام کے لئے غسل کیا جائے گا۔ اور مسئلہ میں تمام احادیث قولی ہیں فعلی کوئی حدیث نہیں ہے لہٰذا ان احادیث کی مطابقت صاحب ہدایہ والی روایت کے ساتھ نہیں ہے۔

امام ترمذی علیہ الرحمہ کی روایت کردہ حدیث کے مطابق ہے اور اس میں یہ ہے کہ غسل صفائی کو زیادہ کرتا ہے۔ اور اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ یہ غسل واجب نہیں ہے جبکہ داؤد ظاہری نے اختلاف کیا ہے۔ کیونکہ اس کے نزدیک واجب ہے۔

امام حسن بصری علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ اگر وہ یہ غسل بھول جائے تو جب اس کو یاد آئے وہ کرے۔اور بعض اہل مدینہ سے یہ بھی نقل کیا گیا ہے کہ اس کے ترک پر دم واجب ہے۔جمہور فقہاء کا مؤقف یہ ہے کہ یہ غسل احرام کے لئے مستحب ہے۔

(البنائیہ شرح الہدایہ، ج ۵،ص ۳۵،حقانیہ ملتان)

امام ابوداؤد علیہ الرحمہ اپنی سند کے ساتھ لکھتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسلمہ، مالک، زید بن اسلم، ابراہیم بن عبداللہ بن حسنین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ (محرم کے سر دھونے کے متعلق) مقام ابواء میں عبداللہ بن عباس اور مسور بن مخرمہ کے درمیان اختلاف ہوا ابن عباس کا کہنا تھا کہ محرم اپنا سر دھوسکتا ہے اور مسور کہتے ہیں کہ محرم سر نہیں دھوسکتا پس مسئلہ دریافت کرنے کے لیے عبداللہ نے عبداللہ بن حسنین کو حضرت ایوب انصاری کے پاس بھیجا عبداللہ بن حسنین نے ابوایوب انصاری کو کنوئیں پر لگی ہوئی دولکڑیوں کے بیچ میں ایک کپڑے کی آڑ میں غسل کرتے ہوئے پایا عبداللہ بن حسنین کہتے ہیں کہ میں نے ان کو سلام کیا انہوں نے پوچھا یہ کون ہے؟ میں نے کہا میں عبداللہ بن حسنین ہیں مجھے عبداللہ بن عباس نے آپ سے یہ دریافت کرنے کے لیے بھیجا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احرام کی حالت میں اپنا سر کس طرح دھوتے تھے؟ (یہ سن کر) ابوایوب نے کپڑے پر ہاتھ رکھا اور سر اٹھایا یہاں تک کہ مجھے ان کا سر نظر آنے لگا پھر انہوں نے اسی شخص سے جوان پر پانی ڈال رہا تھا کہا تو پانی ڈال پس اس نے ان کے سر پر پانی ڈالا اور انہوں نے اپنے سر کو ہاتھوں سے ملا اور ہاتھ آگے سے پیچھے کی طرف اور پیچھے سے آگے کی طرف لائے پھر فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی طرح کرتے ہوئے دیکھا ہے۔(سنن ابوداؤد)

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حج کا احرام باندھتے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غسل فرمایا۔(جامع الترمذی"، أبواب الحج، باب ماجاء فی الإغتسال عند الاحرام،الحدیث،۸۳۱)

خوشبو لگا کر دو رکعات نماز پڑھنے کا بیان

وتطيب وصل ركعتين وقل اللّٰهم إنى أريد الحج فيسره لى وتقبل منى ولب دبر صلاتك تنوى بها الحج وهى لبيك اللّٰهم لبيك لا شريك لك لبيك إن الحمد والنعمة والملك لك لا شريك لك ولا تنقص من هذه الألفاظ شيئا وزد فيها لبيك وسعديك الخير كله بيدك لبيك والرغبة إليك والزيادة سنة فإذا لبيك ناويا فقد أحرمت فالق الرفث وهو الجماع وقيل ذكره بحضرة النساء والكلام الفاحش والفسوق والمعاصى والجدال مع الرفقاء والخدم وقتل صيد البر والإشارة إليه والدلالة عليه ولبس المخيط والعمامة والخفين وتغطية الرأس والوجه ومس الطيب وحلق الرأس والشعر۔

ترجمہ

اور وہ خوشبو لگائے اور دو رکعات نماز پڑھے اور یہ دعا کرے یا اللہ! میں حج کا ارادہ کرتا ہوں پس تو اس کو میرے لئے آسان

کردے اور مجھ سے قبول فرمالے۔ اور نماز کے بعد تلبیہ کہے جس میں حج کی نیت ہو اور وہ یہ ہے۔

تلبیہ کے الفاظ میں کمی نہ کرے البتہ ان میں اضافہ کر سکتا ہے۔ اور اضافہ کرنا سنت ہے۔

جب اس نے حج کی نیت سے تلبیہ کہہ دیا ہے تو وہ محرم ہو چکا ہے۔ پس وہ رفث سے بچے اور وہ جماع ہے اور کیا گیا ہے کہ عورتوں کی موجودگی میں اس کو یاد کرنا اور فحش کلام، فسوق، معاصی اور دوستوں سے لڑائی سے بچے۔ اور خشکی کا شکار نہ خود کرے اور نہ اس کی جانب اشارہ کرے اور نہ کسی کی رہنمائی اس کی جانب کرے۔ اور سلا ہوا کپڑا نہ پہنے اور عمامہ نہ پہنے۔ اسی طرح موزے پہننا، سر ڈھانپنا اور چہرہ ڈھانپنا اور خوشبو لگانا اور سر منڈوانا اور بال منڈونا یہ سب منع ہے۔

احرام میں خوشبو لگانے کا بیان

ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے احرام کے لیے احرام باندھنے سے پہلے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے احرام سے نکلنے کے لیے طواف کعبہ سے پہلے خوشبو لگاتی تھی اور ایسی خوشبو لگتی تھی جس میں مشک ہوتا تھا گویا میں اب بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مانگ میں خوشبو کی چمک دیکھ رہی ہوں اس حال میں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم احرام باندھے ہوئے ہیں یعنی وہ چمک گویا میری آنکھوں تلے پھرتی ہے۔ (بخاری و مسلم)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب احرام کا ارادہ کرتے تو احرام باندھنے سے پہلے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خوشبو لگاتی اور وہ خوشبو ایسی ہوتی جس میں مشک بھی ہوتا تھا۔ لہٰذا اس سے یہ ثابت ہوا کہ اگر خوشبو احرام سے پہلے لگائی جائے اور اس کا اثر احرام کے بعد بھی باقی رہے تو کوئی حرج نہیں کیونکہ خوشبو کا احرام کے بعد استعمال کرنا ممنوعات احرام سے ہے نہ کہ احرام سے پہلے۔

حضرت امام اعظم ابو حنیفہ اور حضرت امام احمد کا مسلک بھی یہی ہے کہ احرام کے بعد خوشبو استعمال کرنا ممنوع ہے احرام سے پہلے استعمال کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

حضرت امام مالک اور حضرت امام شافعی کے ہاں احرام سے پہلے بھی ایسی خوشبو لگانا مکروہ ہے جس کا اثر احرام باندھنے کے بعد بھی باقی رہے۔ ولحلہ قبل ان یطوف بالبیت (اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے احرام سے نکلنے کے لئے الخ) کا مفہوم سمجھنے سے پہلے یہ تفصیل جان لینی چاہیے کہ بقر عید کے روز (یعنی دسویں ذی الحجہ کو) حاجی مزدلفہ سے منیٰ میں آتے ہیں اور وہاں رمی جمرہ عقبہ (جمرہ عقبہ پر کنکر مارنے) کے بعد احرام سے نکل آتے ہیں یعنی وہ تمام باتیں جو حالت احرام میں منع تھیں اب جائز ہو جاتی ہیں البتہ رفث (جماع کرنا یا عورت کے سامنے جماع کا ذکر اور شہوت انگیز باتیں کرنا) جائز نہیں ہوتا یہاں تک کہ جب مکہ واپس آتے ہیں اور طواف افاضہ کر لیتے ہیں تو رفث بھی جائز ہو جاتا ہے۔ لہٰذا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اس جملہ کی مراد یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب احرام سے نکل آتے یعنی مزدلفہ سے منیٰ آ کر رمی جمرہ عقبہ سے فارغ ہو جاتے لیکن ابھی تک مکہ آ کر طواف افاضہ نہ کر چکے ہوتے تو میں اس وقت بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خوشبو لگاتی تھی۔

کلمات تلبیہ میں اضافہ کرنے کا بیان

حضرت ابن عمر سے روایت ہے کہ انہوں نے احرام باندھا اور یہ تلبیہ کہتے ہوئے چلے، لَبَّيْكَ اللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ لَا شَرِيكَ لَكَ لَبَّيْكَ إِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ لَا شَرِيكَ لَكَ، (میں حاضر ہوں اے اللہ میں حاضر ہوں تیری بارگاہ میں۔ تیرا کوئی شریک نہیں میں تیرے حضور حاضر ہوں بے شک تعریف نعمت اور بادشاہت تیرے ہی لئے ہے، تیرا کوئی شریک نہیں حضرت نافع کہتے ہیں کہ عبداللہ بن عمر فرمایا کرتے تھے کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تلبیہ ہے، آپ (حضرت ابن عمر) اس تلبیہ میں یہ اضافہ فرماتے، لَبَّيْكَ لَبَّيْكَ وَسَعْدَيْكَ وَالْخَيْرُ فِي يَدَيْكَ لَبَّيْكَ وَالرَّغْبَاءُ إِلَيْكَ وَالْعَمَلُ، (ترجمہ میں حاضر ہوں میں حاضر ہوں تیری عبادت کے لئے ہر وقت تیار ہوں بھلائی تیرے ہی اختیار میں ہے تیری ہی طرف رغبت ہے اور عمل تیری ہی رضا کے لئے ہے۔ یہ حدیث صحیح ہے۔

امام ابوعیسیٰ فرماتے ہیں کہ اس باب میں حضرت ابن مسعود، جابر، عائشہ رضی اللہ عنہا، ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی روایت ہے، امام ابوعیسیٰ فرماتے ہیں کہ ابن عمر کی حدیث حسن صحیح ہے علماء صحابہ رضی اللہ عنہ وغیرہ کا اسی پر عمل ہے سفیان ثوری شافعی، احمد اور اسحاق کا یہی قول ہے، امام شافعی فرماتے ہیں کہ اگر کسی نے تلبیہ میں کچھ ایسے الفاظ زیادہ حرج نہیں لیکن مجھے یہ بات پسند ہے کہ صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تلبیہ ہی پڑھے،

۔ امام شافعی فرماتے ہی کہ یہ بات کہ تعظیم خداوندی کے کچھ الفاظ زیادہ کرنے میں کوئی حرج نہیں ہم نے اس لئے کہی کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تلبیہ یاد تھا پھر بھی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنی طرف سے یہ الفاظ لَبَّيْكَ وَالرَّغْبَاءُ إِلَيْكَ وَالْعَمَلُ، زیادہ کئے (میں تیری بارگاہ میں حاضر ہوں تیری ہی طرف رغبت ہے اور تیرے ہی لئے عمل ہے۔

(جامع ترمذی، جلد اول، رقم الحدیث، 813)

خیمے کے سائے آنے کا بیان

ويجوز الاغتسال والاستظلال بالخيمة والمحمل وغيرهما وشد الهميان في الوسط وأكثر التلبية متى صليت أو علوت شرفا أو هبطت واديا أو لقيت ركبا بالأسحار رافعا صوتك بلا جهد مضر وإذا وصلت مكة يستحب أن تغتسل وتدخلها نهارا من باب المعلى لتكون مستقبلا في دخولك باب البيت الشريف تعظيما۔۔

ترجمہ

غسل کرنا اور خیمے اور کجاوے وغیرہ کا سایہ اور کمر سے ہمیانی باندھنا جائز ہے۔ اور تلبیہ میں کثرت کرے جب وہ نماز پڑھے یا بلندی والی جگہ پر چڑھے یا کسی وادی میں اترے یا کسی قافلے کے سواروں سے ملے اور سحری کے اوقات میں پڑھے۔ تلبیہ کی آواز بلند رکھے لیکن اس میں مشقت نہ ہو۔ اور جب وہ مکہ میں پہنچے تو اس کے لئے مستحب یہ ہے کہ وہ غسل کرے اور دن کے وقت باب

معلٰی سے اس طرح داخل ہو کہ وہ بیت اللہ شریف کا دروازہ اس کے سامنے ہو۔ کیونکہ اس کی تعظیم اسی میں ہے۔

حالت احرام میں سر پر سایہ و غسل کرنے کا بیان

حضرت ام حصین رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں نے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ ان میں سے ایک (یعنی حضرت اسامہ) اپنا کپڑا اٹھائے (آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوپر) سورج کی گرمی کی تپش سے سایہ کئے ہوئے تھے یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جمرہ عقبہ پر کنکریاں ماریں۔ (مسلم)

حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک پر کپڑے سے اس طرح سایہ کر رکھا تھا کہ وہ کپڑا اونچا ہونے کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک سے لگتا نہیں تھا۔ اور ایک روایت یہ ہے کہ وہ سایہ کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک سر پر چھتری کی مانند ایک چیز اٹھائے ہوئے تھے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ محرم کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ اپنے سر پر کسی چیز سے سایہ کر لے بشرطیکہ سایہ کرنے والی چیز اس کے سر کو نہ لگے، چنانچہ اکثر علماء کا یہی قول ہے لیکن حضرت امام مالک اور حضرت امام احمد نے اسے مکروہ کہا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ محرم (غسل کے لیے) حمام میں جا سکتا ہے۔ ابن عمر اور عائشہ رضی اللہ عنہم بدن کو کھجانے میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے۔ (صحیح بخاری، کتاب العمرہ)

ابن منذر نے کہا محرم کو غسل جنابت بالا جماع درست ہے لیکن غسل صفائی اور پاکیزگی میں اختلاف ہے امام مالک نے اس کو مکروہ جانا ہے کہ محرم اپنا سر پانی میں ڈبائے اور موطا میں نافع سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما احرام کی حالت میں اپنا سر نہیں دھوتے تھے، لیکن جب احتلام ہوتا تو دھوتے۔

کمر میں ہمیانی باندھنے کا بیان

حضرت امام محمد علیہ الرحمہ سے روایت ہے۔ ہمیں مالکؒ نے کہ ہم سے بیان کیا نافع نے کہ ابن عمرؓ مُحرم کے لئے پیٹی باندھنا مکروہ خیال کرتے تھے۔

حضرت امام محمد علیہ الرحمہ نے کہا کہ اس میں بھی کوئی حرج نہیں۔ اکثر فقہاء نے مُحرم کے لئے ہمیانی باندھنے کی رُخصت دی ہے اور کہا ہے کہ اپنا زادِ سفر خوب مضبوطی سے باندھو۔ (مؤطا امام محمد علیہ الرحمہ، حدیث، ۴۳۳)

تلبیہ کہنے کے اوقات کا بیان

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اپنے پاؤں رکاب میں ڈالے اور اونٹنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو لے کر کھڑی ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ذوالحلیفہ کی مسجد کے قریب تلبیہ کیا (یعنی آواز بلند لبیک کہی)

(بخاری و مسلم)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر رخت سفر باندھا اور ظہر کی نماز مدینہ میں پڑھ کر روانہ ہوئے۔ عصر کی

نماز ذوالحلیفہ میں پڑھی جو اہل مدینہ کے لئے میقات ہے رات وہیں گزاری اور پھر صبح کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے احرام باندھا۔
اس حدیث سے تو یہ معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اونٹ کی پیٹھ پر بیٹھ کر اور اونٹ کے کھڑے ہو جانے کے بعد لبیک کہی جب ایک دوسری روایت میں یہ منقول ہے کہ احرام کے لیے بہ نیت نفل دو رکعت نماز پڑھنے کے بعد لبیک کہی نیز ایک روایت یہ بتاتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیداء پہنچ کر جو ایک بلند جگہ کا نام ہے لبیک کہی اس طرح لبیک کہنے کے وقت کے سلسلہ میں تین طرح کی روایتیں منقول ہیں۔
حضرت امام شافعی نے تو پہلی روایت پر کہ جو یہاں نقل کی گئی ہے عمل کرتے ہوئے کہا کہ اونٹ پر (یا جو بھی سواری ہو اس پر) بیٹھ کر لبیک کہی جائے۔
حضرت امام اعظم ابوحنیفہ، حضرت امام مالک اور حضرت امام احمد نے دوسری روایت کو اختیار کیا ہے۔ لہٰذا ان تینوں ائمہ کے ہاں مستحب یہ ہے کہ دو رکعت نماز نفل پڑھنے کے بعد احرام کی نیت کی جائے اور پھر وہیں مصلیٰ پر بیٹھے ہی ہوئے لبیک کہے تو یہ جائز ہے لیکن نماز کے بعد ہی لبیک کہنا افضل ہے۔
اب ان تینوں روایتوں کے تضاد کو اس تطبیق کے ساتھ دور کیجئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھ کر مصلےٰ پر بیٹھے ہوئے لبیک کہی پھر جب اونٹنی پر بیٹھے تو اس وقت بھی لبیک کہی اور اس کے بعد جب مقام بیداء پر پہنچے تو وہاں بھی لبیک کہی چنانچہ علماء نے اسی لیے لکھا ہے کہ حالت وقت اور جگہ کے تغیرات کے وقت لبیک کا تکرار مستحب ہے۔
بہرکیف آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح تین مرتبہ لبیک کہی اور جس راوی نے جہاں لبیک کہتے سنا وہ یہ سمجھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہیں سے لبیک کہنی شروع کی ہے اس لئے ہر ایک راوی نے اپنے سننے کے مطابق ذکر کر دیا۔ اس تطبیق و توجیہ کی بنیاد حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی وہ روایت ہے جسے شیخ عبدالحق نے اشعۃ اللمعات میں شرح کتاب خرقی کے حوالہ سے نقل کیا ہے۔

تلبیہ کہنے کے مستحب مقامات کا بیان

ویستحب أن تكون ملبيا في دخولك حتى تأتي باب السلام فتدخل المسجد الحرام منه متواضعا خاشعا ملبيا ملاحظا جلالة المكان مكبرا مهللا مصليا على النبي صلى الله عليه وسلم متلطفا بالمزاحم داعيا بما أحببت فإنه يستجاب عند رؤية البيت المكرم ثم استقبل الحجر الأسود مكبرا مهللا رافعا يديك كما في الصلاة وضعهما على الحجر وقبله بلا صوت، فمن عجز عن ذلك إلا بإيذاء تركه ومس الحجر بشيء وقبله أو أشار إليه من بعيد مكبرا مهللا حامدا مصليا على النبي صلى الله عليه وسلم،

ترجمہ

اور مستحب یہ ہے کہ وہ تلبیہ کہتے ہوئے باب سلام سے مسجد حرام میں داخل ہو۔ اور نہایت عاجزی کا اظہار کرے۔ تلبیہ کہتے

ہوئے اس کا عظمت والے مقام کا لحاظ کرے۔تکبیر کہتے ہوئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف بھیجے۔اور ہجوم کی جگہوں پر نرمی کا اظہار کرے اور جو چاہے دعا مانگے۔کیونکہ جو دعا زیارت کعبہ کے وقت کی جاتی ہے وہ قبول ہوتی ہے۔اس کے بعد حجر اسود کے سامنے آئے تکبیر کہتے ہوئے تہلیل کرتے ہوئے اپنے ہاتھوں کو بلند کرتے ہوئے جس نماز میں کیا جاتا ہے۔اپنے دونوں ہاتھوں کو حجر اسود پر رکھے اور اس کا بوسہ لے۔لیکن لبوں سے آواز پیدا نہ ہو۔اگر حجر اسود کو بوسہ دینے کے سبب لوگوں کو تکلیف پہنچے تو بوسہ نہ دے بلکہ کوئی چیز اس سے مس کرے اور اس کو چوم لے۔اور جب یہ بھی ممکن نہ ہو تو دور سے ہی تکبیر و تہلیل اور حمد و درود شریف پڑھے اور اشارہ کرے۔

خانہ کعبہ کو دیکھ کر ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنے کا بیان

حضرت مہاجر مکی (تابعی) کہتے ہیں کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے اس شخص کے بارے میں پوچھا گیا جو خانہ کعبہ کو دیکھ کر اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے کہ آیا یہ مشروع ہے یا نہیں؟ تو حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ جب ہم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ حج کیا تو ایسا نہ کرتے تھے (یعنی خانہ کعبہ کو دیکھ کر دعا مانگنے کے لئے اپنے ہاتھ نہیں اٹھاتے تھے۔(ترمذی ابوداؤد)

زائر بیت اللہ، مکہ پہنچ کر جب مسجد حرام میں داخل ہوتا ہے وہ خانہ کعبہ کو دیکھتے ہی دعا مانگتا ہے تو اس کی دعا قبول ہوتی ہے۔ اس لئے مسئلہ یہ ہے کہ کعبہ مقدس کے جمال دل ربا پر نظر پڑتے ہی جو کچھ دل چاہے اپنے پروردگار سے مانگ لیا جائے۔اب سوال یہ ہے کہ اس وقت دعا مانگتے ہوئے اپنے دونوں ہاتھ بھی اٹھائے جائیں یا نہیں؟ چنانچہ یہ حدیث اس کا انکار کر رہی ہے

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ، حضرت امام شافعی اور حضرت امام مالک کا مسلک بھی یہی ہے کہ خانہ کعبہ کو دیکھ کر دعا مانگنے والا اپنے ہاتھ نہ اٹھائے، جب کہ حضرت امام احمد کا مسلک یہ ہے کہ خانہ کعبہ کو دیکھ کر ہاتھ اٹھائے جائیں اور دعا مانگی جائے۔(طیبی)

ملا علی قاری نے مرقات میں حضرت امام اعظم ابوحنیفہ اور حضرت امام شافعیؒ کا مسلک اس کے برخلاف لکھا ہے یعنی ان کی نقل کے مطابق ان دونوں ائمہ کے ہاں ہاتھ اٹھانا مشروع ہے لیکن انہیں ملا علی قاری نے اپنی ایک اور کتاب مناسک میں اس کو مکروہ لکھا ہے اگرچہ بعض علماء سے اس کا جواز بھی نقل کیا ہے۔فقہ حنفی در مختار سے بھی یہی بات ثابت ہوتی ہے کہ اس موقع پر ہاتھ نہ اٹھانا چاہئے۔

حجر اسود کو بوسہ دینے کی سنت کا بیان

حضرت عابس بن ربیعہ سے روایت ہے کہ میں نے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو حجر اسود کو بوسہ دیتے ہوئے دیکھا اور وہ فرماتے تھے میں تجھے بوسہ دیتا ہوں اور میں جانتا ہوں کہ تو ایک پتھر ہے اگر میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو تجھے بوسہ دیتے ہوئے نہ دیکھا ہوتا میں کبھی تجھے بوسہ نہ دیتا۔امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں کہ حدیث عمر حسن صحیح ہے اور اس پر اہل علم کا عمل ہے کہ حجر اسود کا بوسہ لینا مستحب ہے، اگر اس تک پہنچنا ممکن نہ ہو تو ہاتھ سے چھو کر ہاتھ کو چوم لے اور اگر ایسا بھی ممکن نہ ہو تو اس کے سامنے ہو کر تکبیر کہے، امام شافعی کا یہی قول ہے۔(جامع ترمذی، جلد اول، رقم الحدیث،849)

حجر اسود کے بوسے کے بعد دائیں جانب سے طواف شروع کرنے کا بیان

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ تشریف لائے تو مسجد حرام میں داخل ہوئے اور حجر اسود کو بوسہ دیا۔ پھر داہنی طرف چل دیئے (یعنی طواف شروع کیا) تین چکر بازوؤں کو تیز تیز ہلاتے ہوئے پورے کئے اور چار چکروں میں (اپنی عادت کے مطابق) چلے پھر مقام ابراہیم کے پاس آئے اور آیت کریمہ (وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهِيْمَ مُصَلًّى) 2۔البقرۃ,125) مقام ابراہیم کو نماز کی جگہ بناؤ پڑھ کر دو رکعتیں پڑھیں اس وقت مقام ابراہیم آپ اور بیت اللہ کے درمیان تھا۔ پھر حجر اسود کی طرف آئے اور اسے بوسہ دیا۔ پھر صفا کی طرف چلے گئے، راوی کہتے ہیں میرا خیال ہے کہ آپ نے یہ آیت پڑھی (اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَا يِرِ اللّٰهِ) 2۔البقرۃ,158) یعنی صفا اور مروہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں اس باب میں حضرت ابن عمر سے بھی روایت ہے۔ امام عیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں کہ حدیث جابر حسن صحیح ہے۔ اہل علم کا اسی پر عمل ہے۔ (جامع ترمذی, جلد اول, رقم الحدیث،845)

طواف شروع کرنے کا طریقہ

ثم طف آخذا عن يمينك مما يلي الباب مضطبعاً، وهو أن تجعل الرداء تحت الإبط الأيمن وتلقي طرفيه على الأيسر سبعة أشواط داعيا فيها بما شئت وطف وراء الحطيم وإن أردت أن تسعى بين الصفا والمروة عقب الطواف فارمل في الثلاثة الأشواط الأول وهو المشي بسرعة مع هز الكتفين كالمبارز يتبختر بين الصفين فإن زحمه الناس وقف فإذا وجد فرجة رمل لأنه لا بد له منه فيقف حتى يقيمه على الوجه المسنون بخلاف استلام الحجر الأسود لأن له بدلا وهو استقباله ويستلم الحجر كلما مر به ويختم الطواف به وبركعتين في مقام إبراهيم عليه السلام أو حيث تيسر من المسجد ثم عاد فاستلم الحجر وهذا طواف القدوم وهو سنة للآفاقي۔

ترجمہ

اس کے بعد وہ طواف (قدوم) کرے۔ جو کعبہ کے دروازے کے قریب دائیں جانب سے اضطباع کرتے ہوئے طواف شروع کرے۔ اور اضطباع یہ ہے کہ چادر کو دائیں بغل کے نیچے سے نکال کر اس کے دونوں کناروں کو بائیں کندھے پر ڈال دے۔ اور وہ طواف کے سات چکر لگائے۔ طواف کے دوران جو چاہے دعا مانگے اور حطیم سے باہر طواف کرے۔ جب اس کا طواف کے بعد صفا مروہ کی سعی کرنے کا ارادہ ہے تو طواف کے پہلے تین چکروں میں رمل کرے۔ اور رمل یہ ہے کہ دونوں کندھوں کو ہلا ہلا کر تیز تیز چلے جس طرح کوئی لڑائی کی دعوت دینے والا میدان جنگ میں تکبر سے چلتا ہے۔ اور اگر ہجوم زیادہ ہو تو رک جائے اور وسعت ملے تو رمل کرے۔ کیونکہ رمل کا کوئی بدل نہیں ہے اس لئے ہجوم میں رک جانے کا حکم ہے۔ تاکہ ہجوم ختم ہونے کے سبب سنت طریقے سے رمل کرے۔ جبکہ حجر اسود کا بوسہ دینے بدل موجود ہے کیونکہ جب اس کو بوسہ دینا ممکن نہ ہو تو اس کے سامنے سے اشارہ

کرلینا کافی ہوگا۔اور وہ استلام ہی کرے جب بھی گزرے۔اور جب وہ طواف ختم کرے تب بھی استلام کرے۔اور وہ مقام ابراہیم علیہ السلام پر دو رکعات نماز پڑھے۔یا مسجد حرام میں جہاں اس کو جگہ مل سکے۔اس کے بعد دوبارہ آئے اور استلام کرے۔اور یہ طواف قدوم ہے جو آفاقی کے لئے سنت ہے۔

طواف میں رمل کرنے کا بیان

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب حج یا عمرہ کا طواف کرتے تو پہلے تین شوط میں تیز تیز (اور اکڑ کر) چلتے (یعنی رمل کرتے) اور باقی چار شوط میں اپنی معمولی رفتار سے چلتے پھر طواف کی دو رکعت نماز پڑھتے اور اس کے بعد صفا مروہ کے درمیان سعی کرتے۔(بخاری ومسلم،مشکوۃ شریف: جلد دوم: رقم الحدیث،1109)

خانہ کعبہ کے گرد ایک پھیرے کو شوط کہتے ہیں اور سات شوط کا ایک طواف ہوتا ہے،چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم طواف کے وقت تین پھیروں میں تو اس طرح تیز چلتے کہ قدم پاس پاس رکھتے اور جلد جلد اٹھاتے اور دوڑتے اور اچھلتے نہ تھے اور باقی چار پھیرے اپنی معمولی رفتار سے چل کر کرتے۔

طواف میں اضطباع کرنے کا بیان

حضرت یعلی بن امیہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حالت میں طواف کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سبز (دھاریوں والی) چادر کے ذریعہ اضطباع کیے ہوئے تھے۔(ترمذی،ابوداؤد،ابن ماجہ،دارمی)

چادر کو اس طرح اوڑھنا کہ اسے دائیں بغل کے نیچے سے نکال کر بائیں کاندھے پر ڈال لیا جائے،اضطباع کہلاتا ہے۔طواف کے وقت اس طرح چادر اوڑھنے کی وجہ بھی پہلے بیان کی جا چکی ہے۔

طواف میں اضطباع کے سنت ہونے کا بیان

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ نے جعرانہ سے کہ جو مکہ اور طائف کے درمیان ایک جگہ کا نام ہے عمرہ کیا،چنانچہ سب نے خانہ کعبہ کے طواف کے پہلے تین پھیروں میں رمل کیا نیز انہوں نے طواف میں اپنی چادروں کو دائیں بغل کے نیچے سے نکال کر اپنے بائیں کاندھوں پر ڈال لیا تھا۔(ابوداؤد)

اضطباع پورے طواف میں سنت ہے جب کہ رمل یعنی تیز اور اکڑ کر چلنا طواف کے پہلے دو تین پھیروں میں ہوتا ہے اتنی بات ذہن میں رہنی چاہئے کہ اضطباع صرف طواف کے وقت ہی مستحب ہے،طواف کے علاوہ اوقات میں مستحب نہیں ہے،نیز بعض لوگ جو ابتداء احرام ہی سے اضطباع اختیار کرلیتے ہیں اس کی بھی کوئی اصل نہیں ہے بلکہ نماز کی حالت میں یہ مکروہ ہے۔

طواف کو حطیم کے باہر سے شروع کرے:

حضرت ام المومنین سیدہ عائشہ فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حطیم کے متعلق دریافت کیا فرمایا یہ بیت اللہ کا حصہ ہے میں نے عرض کیا پھر لوگوں نے اسے بیت اللہ میں داخل کیوں نہ کیا فرمایا ان کے پاس (حلال مال میں سے) خرچہ نہ

تھا میں نے عرض کیا کہ پھر بیت اللہ کا دروازہ اتنا اونچا کیوں رکھا کہ سیڑھی کے بغیر چڑھا نہیں جاسکتا۔ فرمایا یہ بھی تمہاری قوم نے اسی لئے کیا تا کہ جسے چاہیں اندر جانے دیں اور چاہیں اندر جانے سے روک دیں اور اگر تمہاری قوم کا زمانہ کفر قریب نہ ہوتا (یعنی نومسلم نہ ہوتی) اور یہ ڈر نہ ہوتا کہ ان کے دل دور نہ ہو جائیں تو میں اس بات پر غور کرتا کہ کیا میں تبدیلی لاؤں اس میں پھر میں جو کمی ہے وہ پوری کروں اور اس کا دروازہ زمین پر کر دیتا۔ (سنن ابن ماجہ، حج)

پہلے تین اشواط میں رمل کرنے کا بیان

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مونڈھے ہلاتے ہوئے تیز تیز قدم چل کر حجر اسود سے حجر اسود تک تین چکر لگائے اور پھر چار چکر اپنی عادت کے مطابق چل کر پورے کئے۔ اس باب میں حضرت ابن عمر سے بھی روایت ہے امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں کہ حدیث جابر رضی اللہ عنہ حسن صحیح ہے۔ اہل علم کا اسی پر عمل ہے، امام شافعی فرماتے ہیں کہ اگر بھول کر رمل (تیزی سے چلنا) چھوڑ دے تو اس نے غلطی کی لیکن اس پر کوئی بدلہ نہیں اور اگر پہلے تین چکروں میں رمل نہیں کیا تو باقی چکروں میں بھی رمل نہ کرے۔ بعض اہل علم کہتے ہیں کہ اہل مکہ پر رمل واجب نہیں اور نہ ہی اس پر رمل واجب ہے جس نے مکہ سے احرام باندھا ہو۔ (جامع ترمذی، جلد اول، رقم الحدیث، 846)

صفا اور مروہ کی طرف جانے کا بیان

ثم تخرج إلى الصفا فتصعد وتقوم عليها حتى ترى البيت فتستقبله مكبرا مهللا ملبيا مصليا داعيا وترفع يديك مبسوطتين ثم تهبط نحو المروة على هينة فإذا وصل بطن الوادى سعى بين الميلين الأخضرين سعيا حثيثا، فإذا تجاوز بطن الوادى مشى على هينة حتى يأتى المروة فيصعد عليها ويفعل كما فعل على الصفا يستقبل البيت مكبرا مهللا ملبيا مصليا داعيا باسطا يديه نحو السماء وهذا شوط ثم يعود قاصدا الصفا فإذا وصل إلى الميلين الأخضرين سعى ثم مشى على هينة حتى يأتى الصفا فيصعد عليها ويفعل كما فعل أولا وهذا شوط ثان فيطوف سبعة أشواط يبتدأ بالصفا ويختم المروة فيصعد عليها ويفعل كما فعل أولا وهذا شوط ثان فيطوف سبعة أشواط يبتدء بالصفا ويختتم بالمروة ويسعى فى بطن الوادى فى كل شوط منها-

ترجمہ

اس کے بعد وہ صفا کی جانب نکلے اور اس پر چڑھ جائے اور اس پر کھڑا ہو جائے یہاں تک کہ بیت اللہ شریف کو دیکھے تو اس کی جانب منہ کر کے تکبیر و تہلیل کہتے ہوئے تلبیہ کہتے ہوئے درود شریف پڑھتے ہوئے دعا مانگے اور اپنے ہاتھوں کو پھیلا کر دعا مانگے اس کے بعد آرام سے چل کر مروہ کی جانب اترے۔ اور جب وادی کے درمیان میں اترے تو سبز میلوں کے درمیان تیز تیز چلے اور جب

نشیب سے آگے بڑے تو آرام سے چل کر مروہ پر آئے اور اس پر وہی افعال کرے جو اس نے صفا پر کیے تھے۔ وہ قبلہ رخ ہو کر تکبیر تہلیل کرے اور تلبیہ و درود شریف پڑھے۔ اس کے بعد دونوں ہاتھوں کو آسمان کی جانب اٹھا کر دعا مانگے تو یہ سعی کا ایک چکر ہے اس کے بعد صفا کی جانب چلے اور سبز میلوں کے درمیان تیز تیز چلے بقیہ سعی آرام سے کرے۔ جب صفا پر پہنچے تو پہلے والا عمل کرے تو یہ سعی کو دوسرا چکر مکمل ہو چکا ہے۔ اسی طرح وہ کل سات چکر لگائے۔ اور پہلا چکر صفا سے شروع ہوگا جبکہ آخری چکر مروہ پر ختم ہوگا اور ہر چکر میں وادی کے نشیب میں تیز تیز چلے۔

سعی کو صفاء سے شروع کرنے اور وجوب سعی کا بیان

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ تشریف لائے تو آپ نے بیت اللہ کا طواف کیا۔ پھر مقام ابراہیم پر آئے اور یہ آیت پڑھی، وَاتَّخِذُوا مِنْ مَقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى، (اور مقام ابراہیم کو نماز کی جگہ بناؤ) پھر مقام ابراہیم کے پیچھے نماز پڑھنے کے بعد حجر اسود کی طرف آئے اور اسے بوسہ دیا پھر فرمایا ہم بھی اسی طرح شروع کرتے ہیں جس طرح اللہ نے شروع کیا اور صفا کی سعی شروع کرتے ہوئے یہ آیت پڑھی (إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللَّهِ) 2۔البقرۃ، 158) یعنی صفا اور مروہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں۔ امام ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے اہل علم کا اسی پر عمل ہے کہ سعی میں صفا سے شروع کرے لہٰذا اگر مروہ سے شروع کرے گا تو وہ سعی نہیں ہوگی۔

علماء کا اس شخص کے بارے میں اختلاف ہے جو طواف کعبہ کر کے بغیر سعی کئے واپس آ جائے بعض اہل علم کہتے ہیں کہ اگر طواف کعبہ کیا اور سعی صفا و مروہ کئے بغیر مکہ سے نکل گیا تو اگر وہ قریب ہی ہو تو واپس آ جائے اور سعی کرے۔ اگر اپنے وطن پہنچنے تک یاد نہ آئے تو دم کے طور پر قربانی کرے۔ سفیان ثوری کا یہی قول ہے بعض علماء کے نزدیک حج نہیں ہوا۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ صفا مروہ کے درمیان سعی واجب ہے اس کے بغیر حج نہیں ہوتا۔ (جامع ترمذی، جلد اول، رقم الحدیث، 851)

صفا اور مروہ کے درمیان تیز چلنے کا بیان

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت اللہ کا طواف۔ اور صفا و مروہ کی سعی اس لئے کی تاکہ مشرکین کو اپنی قوت دکھائیں اس باب میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ابن عمر رضی اللہ عنہما جابر سے بھی روایت ہے۔ امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہ حسن صحیح ہے، اہل علم کے نزدیک صفا اور مروہ کے درمیان دوڑ کر چلنا مستحب ہے لیکن آہستہ چلنا بھی جائز ہے۔ (جامع ترمذی، جلد اول، رقم الحدیث، 852)

حضرت کثیر بن جمہان سے روایت ہے کہ میں نے ابن عمر کو صفا و مروہ کی سعی کے دوران آہستہ چلتے ہوئے دیکھا تو پوچھا؟ کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم صفا و مروہ کے درمیان آہستہ چلتے ہیں؟ فرمایا کہ اگر میں دوڑ کر چلوں تو میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دوڑتے ہوئے دیکھا ہے اور اگر آہستہ چلوں چلتے ہوئے بھی دیکھا ہے اور میں بہت بوڑھا ہوں۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ سعید بن جبیر نے بھی عبداللہ بن عمر سے ایسے ہی روایت کی

ہے۔(جامع ترمذی، جلداول، رقم الحدیث،853)

صفااور مروہ کی سعی کے بیان کی وضاحت کا بیان

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے حضرت عروہ دریافت کرتے ہیں کہ اس آیت سے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ طواف نہ کرنے میں بھی کوئی حرج نہیں آپ نے فرمایا بھتیجے تم صحیح نہیں سمجھے اگر یہ بیان مدنظر ہوتا تو ان لا یطوف بھما ہوتا۔سنو آیت شریف کا شان نزول یہ ہے کہ مثلل (ایک جگہ کا نام ہے) کے پاس مناۃ بت تھا اسلام سے پہلے انصار اسے پوجتے تھے اور جو اس کے نام لبیک پکار لیتا وہ صفا مروہ کے طواف کرنے میں حرج سمجھتا تھا، اب بعد از اسلام ان لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے صفا مروہ کے طواف کے حرج کے بارے میں سوال کیا تو یہ آیت اتری کہ اس میں کوئی حرج نہیں لیکن اسی کے بعد حضور علیہ السلام نے صفا مروہ کا طواف کیا اس لئے مسنون ہو گیا اور کسی کو اس کے ترک کرنے کا جواز نہ رہا (بخاری مسلم)

ابوبکر بن عبدالرحمٰن نے جب یہ روایت سنی تو وہ کہنے لگے کہ بیشک یہ علمی بات ہے میں نے تو اس سے پہلے سنی ہی نہ تھی بعض اہل علم فرمایا کرتے تھے کہ انصار نے کہا تھا کہ ہمیں بیت اللہ کے طواف کا حکم ہے صفا مروہ کے طواف کو جاہلیت کا کام جانتے تھے اور اسلام کی حالت میں اس سے بچتے تھے یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوئی،

ابن عباس سے مروی ہے کہ ان دونوں پہاڑیوں کے درمیان بہت سے بت تھے اور شیاطین رات بھر اس کے درمیان گھومتے رہتے تھے اسلام کے بعد لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہاں کے طواف کی بابت تھے اور شیاطین رات بھر اس کے درمیان گھومتے رہتے تھے اسلام کے بعد لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہاں کے طواف کی بابت مسئلہ دریافت کیا جس پر یہ آیت اتری، اساف، بت صفا پر تھا اور، نائلہ، مروہ پر، مشرک لوگ انہیں چھوتے اور چومتے تھے اسلام کے بعد لوگ اس سے الگ ہو گئے لیکن یہ آیت اتری جس سے یہاں کا طواف ثابت ہوا، سیرت محمد بن اسحاق میں ہے کہ، اساف، اور، نائلہ، دو مرد و عورت تھے ان بدکاروں نے کعبہ میں زنا کیا اللہ تعالیٰ نے انہیں پتھر بنا دیا، قریش نے انہیں کعبہ کے باہر رکھ دیا تا کہ لوگوں کو عبرت ہو لیکن کچھ زمانہ کے بعد ان کی عبادت شروع ہو گئی اور صفا مروہ پر لا کر نصب کر دئے گئے اور ان کا طواف شروع ہو گیا، صحیح مسلم کی ایک لمبی حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب بیت اللہ شریف کا طواف کر چکے تو رکن کو چھو کر باب الصفا سے نکلے اور آیت تلاوت فرما رہے تھے پھر فرمایا میں بھی شروع کروں گا اس سے جس سے اللہ تعالیٰ نے شروع کیا، ایک روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا تم شروع کرو اس سے جس سے اللہ نے شروع کیا یعنی صفا سے چل کر مروہ جاؤ۔حضرت حبیبہ بنت تجزاۃ فرماتی ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا آپ صفا مروہ کا طواف کرتے تھے لوگ آپ کے آگے آگے تھے اور آپ ان کے پیچھے تھے آپ قدرے دوڑ لگا رہے تھے اور اس کی وجہ سے آپ کا تہبند آپ کے ٹخنوں کے درمیان ادھر ادھر ہو رہا تھا اور زبان سے فرماتے جاتے تھے لوگو دوڑ کر چلو اللہ تعالیٰ نے تم پر سعی لکھ دی ہے (مسند احمد)

اسی کی ہم معنی ایک روایت اور بھی ہے۔یہ حدیث دلیل ہے ان لوگوں کی جو صفا مروہ کی سعی کو حج کا رکن جانتے ہیں جیسے حضرت امام شافعی اور ان کے موافقین کا مذہب ہے، امام احمد سے بھی ایک روایت اسی طرح کی ہے۔

امام مالک کا مشہور مذہب بھی یہی ہے، بعض اسے واجب تو کہتے ہیں لیکن حج کا رکن نہیں کہتے اگر عمداً یا سہواً یا کوئی شخص اسے چھوڑ دے تو ایک جانور ذبح کرنا پڑے گا۔ امام احمد سے ایک روایت اسی طرح مروی ہے اور ایک اور جماعت بھی یہی کہتی ہے اور ایک قول میں یہ مستحب ہے۔

حضرت امام ابوحنیفہ، ثوری، شعبی، ابن سیرین یہی کہتے ہیں۔ حضرت انس ابن عمر اور ابن عباس سے یہی مروی ہے امام مالک سے عتیبہ کی بھی روایت ہے، ان کی دلیل آیت (فمن تطوع خيرا) ہے، لیکن پہلا قول ہی زیادہ راجح ہے اس لئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کوہ صفا مروہ کا طواف کیا اور فرمایا احکام حج مجھ سے لو، پس آپ نے اپنے اس حج میں جو کچھ کیا وہ واجب ہو گیا اس کا کرنا ضروری ہے، اگر کوئی کام کسی خاص دلیل سے وجوب سے ہٹ جائے تو اور بات ہے۔

مکہ مکرمہ میں احرام کی حالت میں جانے کا بیان

ثم يقيم بمكة محرما ويطوف بالبيت كلما بدا له وهو أفضل من الصلاة نفلا للآفاقي فإذا صلى الفجر بمكة ثامن ذي الحجة تأهب للخروج إلى منى فيخرج منها بعد طلوع الشمس۔

ترجمہ

اس کے بعد وہ مکہ مکرمہ میں احرام کی حالت میں قیام کرے۔ جب اس کا دل چاہے بیت اللہ شریف کا طواف کرے کیونکہ وہ آفاقی کے لئے نفلی نماز سے افضل ہے جب وہ مکہ میں آٹھ ذوالحج کو فجر کی نماز پڑھ لے تو وہ منٰی جانے کی تیاری کرے اور طلوع آفتاب کے بعد منٰی کی جانب چل پڑے۔

ظہر کی نماز میں پڑھنے کا بیان

ويستحب أن يصلي الظهر بمنى ولا يترك التلبية في أحواله كلها في الطواف ويمكث بمنى إلى أن يصلي الفجر بها بغلس وينزل بقرب مسجد الخيف ثم بعد طلوع الشمس يذهب إلى عرفات فيقيم بها فإذا زالت الشمس يأتي مسجد نمرة فيصلي مع الإمام الأعظم أو نائبه الظهر والعصر بعد ما يخطب خطبتين يجلس بينهما ويصلي الفرضين بأذان وإقامتين ولا يجمع بينهما إلا بشرطين الإحرام والإمام الأعظم ولا يفصل بين الصلاتين بنافلة وإن لم يدرك الإمام صلى كل واحدة في وقتها المعتاد۔

ترجمہ

اور اس کے لئے مستحب ہے کہ وہ اس دن کی ظہر کی نماز منٰی میں پڑھے۔ اور کسی حالت میں بھی تلبیہ کو ترک نہ کرے جس طرح طواف میں ہوتا ہے۔ اور وہ منٰی میں ٹھہرے حتیٰ کہ فجر کی نماز اندھیرے میں پڑھے۔ اور مسجد خیف کے قریب اترے۔

اس کے بعد طلوع آفتاب کے بعد وہ میدان عرفات کی جانب چل پڑے۔تو وہاں قیام کرے۔پس جب سورج زائل ہو جائے تو وہ مسجد نمرہ کے پاس آئے تو امام اعظم یا اس کا نائب ظہر اور عصر کے بعد دو خطبے دے جن کے درمیان وہ بیٹھے۔اور وہ دونوں فرضوں کو ایک اذان اور دو اقامتوں کے ساتھ پڑھے۔اور ان دونوں کے درمیان جمع نہ کرے مگر جب شرطیں پائی جائیں ایک احرام اور دوسری امام اعظم ہو۔اور ان دونوں نمازوں کے درمیان کوئی نفلی نماز نہیں ہے۔اور جب امام اعظم نہ ہو تو پھر دونوں نمازوں کو حسب معمول ان کے وقت میں الگ الگ ادا کرے۔

فجر سے پہلے عرفات میں پہنچنے کا بیان

عبدالرحمٰن بن یعمر بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی کے ہم معنی روایت کرتے ہیں امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں ابن ابی عمر سفیان بن عیینہ کا قول نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ سفیان ثوری کی روایت میں سے یہ روایت سب سے بہتر ہے،

امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں کہ علماء صحابہ وغیرہ عبدالرحمٰن بن یعمر کی حدیث پر عمل کرتے ہیں کہ جو شخص طلوع فجر سے پہلے عرفات نہ پہنچا اس کا حج نہیں ہوا پس طلوع فجر کے بعد پہنچنے والے شخص کا حج فوت ہو گیا وہ اس مرتبہ عمرہ کرے اور آئندہ سال کا حج اس پر واجب ہے سفیان ثوری شافعی، احمد اور اسحاق کا یہی قول ہے شعبہ نے بھی بکیر بن عطاء سے ثوری کی حدیث کی مثل روایت کی ہے امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں کہ میں نے جارود سے سنا وہ وکیع سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے یہ حدیث روایت کی اور کہا کہ یہ حدیث ام المناسک (یعنی مسائل حج کی اصل) ہے۔(جامع ترمذی، جلد اول، رقم الحدیث، 879)

منیٰ کے بعد عرفات کی طرف جانے کا بیان

حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منیٰ میں ظہر۔عصر۔مغرب۔عشاء اور فجر کی نمازیں پڑھائیں اور پھر صبح عرفات کی طرف تشریف لے گئے، امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں کہ اسماعیل بن مسلم کے بارے میں کلام کیا گیا ہے۔(جامع ترمذی، جلد اول، رقم الحدیث، 868)

اہل مکہ کا عرفات میں جانے کا بیان

ثُمَّ اَفِيْضُوْا مِنْ حَيْثُ اَفَاضَ النَّاسُ وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۔(البقرہ ۱۹۹)

ثم، یہاں پر خبر کا خبر پر عطف ڈالنے کے لئے ہے تا کہ ترتیب ہو جائے، گویا کہ عرفات میں ٹھہرنے والے کو حکم ملا کہ وہ یہاں سے مزدلفہ جائے تا کہ مشعر الحرام کے پاس اللہ تعالیٰ کا ذکر کر سکے، اور یہ بھی فرما دیا کہ وہ تمام لوگوں کے ساتھ عرفات میں ٹھہرے، جیسے کہ عام لوگ یہاں ٹھہرتے تھے البتہ قریشیوں نے فخر و تکبر اور نشان امتیاز کے طور پر یہ ٹھہرا لیا تھا کہ وہ حد حرم سے باہر نہیں جاتے تھے، اور حرم کی آخری حد پر ٹھہر جاتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم اللہ والے ہیں اسی کے شہر کے رئیس ہیں اور اس کے گھر کے مجاور ہیں، صحیح بخاری شریف میں ہے کہ قریش اور ان کے ہم خیال لوگ مزدلفہ میں ہی رک جایا کرتے تھے اور اپنا نام

حمس رکھتے تھے باقی کل عرب عرفات میں جا کر ٹھہرتے تھے اور وہیں سے لوٹتے تھے اسی لئے اسلام نے حکم دیا کہ جہاں سے عام لوگ لوٹتے ہیں تم وہی سے لوٹا کرو،

حضرت ابن عباس، حضرت مجاہد، حضرت عطاء، حضرت قتادہ، حضرت سدی رضی اللہ عنہم وغیرہ یہی فرماتے ہیں، امام ابن جریر بھی اسی تفسیر کو پسند کرتے ہیں اور اسی پر اجماع بتاتے ہیں، مسند احمد میں ہے حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میرا اونٹ عرفات میں گم ہو گیا میں اسے ڈھونڈنے کے لئے نکلا تو میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو وہاں ٹھہرے ہوئے دیکھا کہنے لگا یہ کیا بات ہے کہ یہ حمس ہیں اور پھر یہاں حرم کے باہر آ کر ٹھہرے ہیں، ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ افاضہ سے مراد یہاں مزدلفہ سے رمی جمار کے لئے منی کو جاتا ہے،

میدان عرفات پہنچ کر حج کو پالینے کا بیان

مسند احمد بن حنبل میں حدیث ہے کہ حج عرفات ہے تین مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی فرمایا جو سورج نکلنے سے پہلے عرفات میں پہنچ گیا اس نے حج کو پالیا، منی کے تین دنوں میں جلدی یا دیر کی جاسکتی ہے، پر کوئی گناہ نہیں، ٹھہرنے کا وقت عرفے کے دن سورج ڈھلنے کے بعد سے لے کر عید کی صبح صادق کے طلوع ہونے تک ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم حجۃ الوداع میں ظہر کی نماز کے بعد سورج غروب ہونے تک یہاں ٹھہرے رہے اور فرمایا تھا مجھ سے حج کے طریقے سیکھ لو،

حضرت امام مالک رحمہ اللہ، امام ابو حنیفہ اور امام شافعی کا یہی مذہب ہے کہ دسویں کی فجر سے پہلے جو شخص عرفات میں پہنچ جائے، اس نے حج پالیا،

حضرت امام احمد، فرماتے ہیں کہ ٹھہرنے کا وقت عرفہ کے دن کے شروع سے ہے ان کی دلیل وہ حدیث ہے جس میں مروی ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مزدلفہ میں نماز کے لئے نکلے تو ایک شخص حاضر خدمت ہوا اور اس نے پوچھا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں طی کی پہاڑیوں سے آ رہا ہوں اپنی سواری کو میں نے تھکا دیا اور اپنے نفس پر بڑی مشقت اٹھائی واللہ ہر ہر پہاڑ پر ٹھہرتا آیا ہوں کیا میرا حج ہو گیا؟ آپ نے فرمایا جو شخص ہمارے یہاں کی اس نماز میں پہنچ جائے اور ہمارے ساتھ چلتے وقت تک ٹھہرا رہے اور اس سے پہلے وہ عرفات میں بھی ٹھہر چکا ہو خواہ رات کو خواہ دن کو اس کا حج پورا ہو گیا اور وہ فریضہ سے فارغ ہو گیا۔ (مسند احمد وسنن)

امام ترمذی اسے صحیح کہتے ہیں، امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو بھیجا اور انہوں نے آپ کو حج کرایا جب عرفات میں پہنچے تو پوچھا کہ (عرفت) کیا تم نے پہچان لیا؟ حضرت خلیل اللہ نے جواب دیا (عرفت) میں نے جان لیا کیونکہ اس سے پہلے یہاں آ چکے تھے اس لئے اس جگہ کا نام ہی عرفہ ہو گیا، حضرت عطاء، حضرت ابن عباسؓ، حضرت ابن عمر اور حضرت ابو مجلز سے بھی یہی مروی ہے۔

عرفات کی دو نمازوں میں ایک تکبیر و دو اقامتوں کا بیان

جس طرح کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جس طرح کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عرفات میں ظہر و عصر کی نماز ایک اذان اور دو تکبیر کے ساتھ پڑھی تھی چنانچہ حضرت امام شافعی حضرت امام مالک اور حضرت امام احمد کا یہی مسلک ہے لیکن حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کے ہاں مزدلفہ میں یہ دونوں نمازیں ایک اذان اور ایک ہی تکبیر کے ساتھ پڑھی جاتی ہیں کیونکہ اس موقع پر عشاء کی نماز چونکہ اپنے وقت میں پڑھی جاتی ہے اس لئے زیادتی اعلام کے لئے علیحدہ سے تکبیر کی ضرورت نہیں برخلاف عرفات میں عصر کی نماز کے کہ وہاں عصر کی نماز چونکہ اپنے وقت میں نہیں ہوتی بلکہ ظہر کے وقت ہوتی ہے اس لئے وہاں زیادتی اعلام کے لیے علیحدہ تکبیر کی ضرورت ہے، صحیح مسلم میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے یہی روایت منقول ہے اور ترمذی نے بھی اس کی تحسین وتصحیح کی ہے۔

عرفات سارے کا سارا موقف ہے

فإذا صلى مع الإمام يتوجه إلى الموقف وعرفات كلها موقف إلا بطن عرنة ويغتسل بعد الزوال في عرفات للوقوف ويقف بقرب جبل الرحمة مستقبلا مكبرا مهللا ملبيا داعيا مادا يديه كالمستطعم ويجتهد في الدعاء لنفسه ووالديه وإخوانه ويجتهد على أن يخرج من عينيه قطرات من الدمع فإنه دليل القبول ويلح في الدعاء مع قوة رجاء الإجابة ولا يقصر في هذا اليوم إذ لا يمكنه تداركه سيما إذا كان من الآفاق والوقوف على الراحلة أفضل والقائم على الأرض أفضل من القاعد۔

ترجمہ

جب وہ امام کے ساتھ نماز پڑھ لے تو وہ اس کے بعد موقف میں چلا جائے۔ اور بطن عرنہ کے سوا سارے کا سارا عرفات موقف ہے۔ اور وہ زوال کے بعد عرفات میں وقوف کے لئے غسل کرے۔ اور جبل رحمت کے قریب ٹھہرے۔ کہ قبلہ رخ ہو کر تکبیر وتہلیل کہتے ہوئے اپنے ہاتھوں کا پھیلا کر دعا مانگے۔ جس طرح کھانا مانگنے والا ہوتا ہے اور وہ دعا اپنے لئے، والدین کے لئے اور اپنے بھائیوں کے لئے مانگے اور وہ کوشش کرے کہ اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کے قطرے بہہ نکلیں۔ کیونکہ یہ قبولیت کی دلیل ہے اور وہ بار بار دعا مانگے اور قبولیت کی پوری امید رکھے۔ آج کے دن کوئی کمی نہ ہونے دے ورنہ اس کی تلافی ممکن نہیں ہے۔ خاص طور پر اگر وہ آفاقی ہے۔ اور سواری کی حالت میں وقوف کرنا سب سے افضل ہے اور بیٹھ کر وقوف کرنے والے سے کھڑے ہو کر وقوف کرنے والا ہے افضل ہے۔

غروب آفتاب کے بعد مزدلفہ کی طرف جانے کا بیان

فإذا غربت الشمس أفاض الإمام والناس معه على هينتهم وإذا وجد فرجة يسرع من غير أن يؤذي أحدا ويتحرز عما يفعله الجهلة من الاشتداد في السير والازدحام والإيذاء فإنه حرام

حتی یأتی مزدلفة فینزل بقرب جبل قزح ویرتفع عن بطن الوادی توسعة للمارین ویصلی بها المغرب والعشاء بأذان واحد وإقامة واحدة ولو تطوع بینهما أو تشاغل أعاد الإقامة ولم تجز المغرب فی طریق المزدلفة وعلیه إعادتها ما لم یطلع الفجر۔

ترجمہ

پس جب سورج غروب ہو جائے تو امام اور اس کے ساتھ تمام لوگ آرام کے ساتھ مزدلفہ کی جانب روانہ ہوں۔ اور جب وہ وسعت پائیں تو تیز بھی چل سکتے ہیں لیکن کسی کو تکلیف نہ پہنچائیں۔ اور جہالت کے کاموں سے پرہیز کرے جس طرح تیز چل کر رش کرنا، دوسروں کو تکلیف پہنچانا یہ حرام ہے۔ جب مزدلفہ آ جائیں تو وہ جبل قزح کے قریب اتریں اور وادی کے نشیب سے دور ہو کر بلند جگہ ٹھہریں تاکہ گزرنے والوں کے لئے راستہ کشادہ رہے۔ اور وہاں پر مغرب اور عشاء کی نماز ایک اذان اور ایک اقامت کے ساتھ پڑھیں۔ اور اگر ان کے درمیان نفل نماز پڑھی یا مشغول ہوئے تو اقامت کا اعادہ کیا جائے گا اور مزدلفہ کے راستے میں مغرب پڑھنا جائز نہیں ہے۔ طلوع فجر سے پہلے پہلے اس پر لوٹانا لازم ہے۔

عرفات سے واپس غروب آفتاب کے بعد لوٹنے کا بیان

اہل جاہلیت بھی عرفات میں ٹھہرتے تھے جب پہاڑ کی دھوپ چوٹیوں پر ایسی باقی رہ جاتی جیسے آدمی کے سر پر عمامہ ہوتا ہے تو وہ وہاں سے چل پڑتے لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہاں سے اس وقت چلے جب سورج بالکل غروب ہو گیا، پھر مزدلفہ میں پہنچ کر یہاں پڑاؤ کیا اور سویرے اندھیرے ہی اندھیرے بالکل اول وقت میں رات کے اندھیرے اور صبح کی روشنی کے ملے جلے وقت میں آپ نے یہیں نماز صبح ادا کی اور جب روشنی واضح ہو گئی تو صبح کی نماز کے آخری وقت میں آپ نے وہاں سے کوچ کیا حضرت مسور بن مخرمہ فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں عرفات میں خطبہ سنایا اور حسب عادت حمد وثنا کے بعد اما بعد کہہ کر فرمایا کہ حج اکبر آج ہی کا دن ہے دیکھو مشرک اور بت پرست تو یہاں سے جب دھوپ پہاڑوں کی چوٹیوں پر اس طرح ہوتی تھی جس طرح لوگوں کے سروں پر عمامہ ہوتا ہے تو سورج غروب ہونے سے پیشتر ہی لوٹ جاتے تھے لیکن ہم سورج غروب ہونے کے بعد یہاں سے واپس ہوں گے وہ مشعر الحرام سے سورج نکلنے کے بعد چلتے تھے جبکہ اتنی وہ پہاڑوں کی چوٹیوں پر دھوپ اس طرح نمایاں ہو جاتی جس طرح لوگوں کے سروں پر عمامے ہوتے ہیں لیکن ہم سورج نکلنے سے پہلے ہی چل دیں گے ہمارا طریقہ مشرکین کے طریقے کے خلاف ہے (ابن مردویہ و مستدرک حاکم)

امام حاکم نے اسے شرط شیخین پر اور بالکل صحیح بتلایا ہے، اس سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ حضرت مسور رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے ان لوگوں کا قول ٹھیک نہیں جو فرماتے ہیں کہ حضرت مسور نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے لیکن آپ سے کچھ سنا نہیں، حضرت معرور بن سوید کا بیان ہے کہ میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو عرفات سے لوٹتے ہوئے دیکھا گویا اب تک بھی وہ منظر میرے سامنے ہے، آپ کے سر کے اگلے حصے پر بال نہ تھے اپنے اونٹ پر تھے اور فرما رہے تھے ہم

واضح روشنی میں لوٹے۔

صحیح مسلم کی حضرت جابر والی ایک مطول حدیث جس میں حجۃ الوداع کا پورا بیان ہے اس میں یہ بھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سورج کے غروب ہونے تک عرفات میں ٹھہرے جب سورج چھپ گیا اور قدرے زردی ظاہر ہونے لگی تو آپ نے اپنے پیچھے اپنی سواری پر حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کو سوار کیا اور اونٹنی کی نکیل تان لی یہاں تک کہ اس کا سر پالان کے قریب پہنچ گیا اور دائیں ہاتھ سے لوگوں کو اشارہ فرماتے جاتے تھے کہ لوگو آہستہ آہستہ چلو نرمی اطمینان وسکون اور دلجمعی کے ساتھ چلو جب کوئی پہاڑی آئی تو نکیل قدرے ڈھیلی کرتے تاکہ جانور بہ آسانی اوپر چڑھ جائے، مزدلفہ میں آکر آپ نے مغرب اور عشاء کی نماز ادا کی اذان ایک ہی کہلوائی اور دونوں نمازوں کی تکبیریں الگ الگ کہلوائیں مغرب کے فرضوں اور عشا کے فرضوں کے درمیان سنت نوافل کچھ نہیں پڑھے پھر لیٹ گئے، صبح صادق کے طلوع ہونے کے بعد نماز فجر ادا کی جس میں اذان واقامت ہوئی پھر قصویٰ نامی اونٹنی پر سوار ہو کر مشعر الحرام میں آئے قبلہ کی طرف متوجہ ہو کر دعا میں مشغول ہو گئے اور اللہ اکبر اور لا الہ الا اللہ اور اللہ کی توحید بیان کرنے لگے یہاں تک کہ خوب سویرا ہو گیا، سورج نکلنے سے پہلے ہی پہلے آپ یہاں سے روانہ ہو گئے،

حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ سے سوال ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب یہاں سے چلے تو کیسی چال چلتے تھے فرمایا اور درمیانہ دھیمی چال سواری چلا رہے تھے ہاں جب راستہ میں کشادگی دیکھتے تو ذرا تیز کر لیتے (بخاری ومسلم)

پھر فرمایا عرفات سے لوٹتے ہوئے مشعر الحرام میں اللہ کا ذکر کرو یعنی یہاں دونوں نمازیں جمع کر لیں، عمرو بن میمون رحمۃ اللہ علیہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مشعر الحرام کے بارے میں دریافت فرماتے ہیں تو آپ خاموش رہتے ہیں جب قافلہ مزدلفہ میں جا کر اترتا ہے تو فرماتے ہیں سائل کہا ہے یہ مشعر الحرام، آپ سے یہ بھی مروی ہے کہ مزدلفہ تمام کا تمام مشعر الحرام ہے، پہاڑ بھی اور اس کے آس پاس کی کل جگہ، آپ نے لوگوں کو دیکھا کہ وہ قزح پر بھیڑ بھاڑ کر رہے ہیں تو فرمایا یہ لوگ کیوں بھیڑ بھاڑ کر رہے ہیں؟ یہاں کی سب جگہ مشعر الحرام ہے، اور بھی بہت سے مفسرین نے یہی فرمایا ہے کہ دونوں پہاڑوں کے درمیان کی کل جگہ مشعر الحرام ہے، حضرت عطاء سے سوال ہوتا ہے کہ مزدلفہ کہاں ہے آپ فرماتے ہیں جب عرفات سے چلے اور میدان عرفات کے دونوں کنارے چھوڑے پھر مزدلفہ شروع ہو گیا وادی محسر تک جہاں چاہو ٹھہرو لیکن میں تو قزح سے ادھر ہی ٹھہرنا پسند کرتا ہوں تاکہ راستے سے یکسوئی ہو جائے، مشاعر کہتے ہیں ظاہری نشانوں کو مزدلفہ کو مشعر الحرام اس لئے کہتے ہیں کہ وہ حرم میں داخل ہے،

سلف صالحین کی ایک جماعت کا اور بعض اصحاب شافعی کا مثلاً قفال اور ابن خزیمہ کا خیال ہے کہ یہاں کا ٹھہرنا حج کا رکن ہے بغیر یہاں ٹھہرے حج صحیح نہیں ہوتا کیونکہ ایک حدیث حضرت عروہ بن مضرس سے اس معنی کی مروی ہے، بعض کہتے ہیں یہ ٹھہرنا واجب ہے حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کا ایک قول یہ بھی ہے اگر کوئی یہاں نہ ٹھہرا تو قربانی دینی پڑے گی، امام صاحب کا

دوسرا قول یہ ہے کہ مستحب ہے اگر نہ بھی ٹھہرا تو کچھ حرج نہیں، پس یہ تین قول ہوئے ہم یہاں اس بحث کو زیادہ طول دینا مناسب نہیں سمجھتے۔ ایک مرسل حدیث میں ہے کہ عرفات کا سارا میدان ٹھہرنے کی جگہ ہے، عرفات سے بھی اٹھو اور مزدلفہ کی کل حد بھی ٹھہرنے کی جگہ ہے ہاں وادی محسر نہیں۔

مزدلفہ میں دو نمازیں ایک تکبیر کے ساتھ پڑھنے کا بیان

عبداللہ بن مالک سے روایت ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے مزدلفہ میں دو نمازیں ایک ہی تکبیر سے پڑھیں اور فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی جگہ اسی طرح کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ (جامع ترمذی، جلد اول، رقم الحدیث، 876)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے مزدلفہ پہنچ کر مغرب اور عشاء کی نماز ملا کر پڑھی۔ حضرت زہری سے اسی سند و مفہوم کی روایت مذکور ہے اس میں یہ اضافہ ہے کہ الگ الگ تکبیر سے اور احمد نے وکیع سے نقل کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں نمازیں ایک ہی تکبیر سے پڑھیں۔

حضرت زہری سے سابقہ سند و مفہوم کے ساتھ روایت مروی ہے اس میں یہ اضافہ ہے کہ ہر نماز کے لیے ایک تکبیر کہی اور پہلی نماز کے لیے اذان نہ دی اور نہ ان دونوں نمازوں میں سے کسی نماز کے بعد نفل پڑھے مخلد نے کہا کسی نماز کے لیے اذان نہ دی۔

حضرت عبداللہ بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے ابن عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ مغرب کی تین اور عشاء کی دو رکعتیں پڑھیں تو مالک بن حارث نے پوچھا یہ کس طرح کی نماز ہے؟ انہوں نے کہا کہ میں نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ان دونوں نمازوں کو اسی جگہ ایک تکبیر سے پڑھا تھا۔

حضرت عبداللہ بن مالک سے روایت ہے کہ ہم نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ مزدلفہ میں مغرب اور عشاء کی نماز ایک تکبیر کے ساتھ پڑھی اس کے بعد ابن کثیر کی حدیث (سابقہ حدیث) کا مضمون ذکر کیا۔

حضرت سلمہ بن کہیل سے روایت ہے کہ میں نے سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ انہوں نے مزدلفہ میں تکبیر کہی اور مغرب کی تین رکعتیں پڑھیں پھر عشاء کی دو رکعتیں پڑھیں اس کے بعد فرمایا میں ابن عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ تھا انہوں نے اس جگہ ایسا ہی کیا تھا اور ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا میں رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جگہ ایسا ہی کیا تھا۔

مزدلفہ کی مغرب و عشاء کے درمیان نفل نماز نہ ہونے کا بیان

حضرت سعید بن جبیر نے حضرت ابن عمر سے اسی کی مثل حدیث مرفوعاً روایت کی۔ محمد بن بشار، یحییٰ بن سعید کے حوالے سے کہتے ہیں کہ سفیان کی حدیث صحیح ہے اس باب میں حضرت علی ابوایوب۔ عبداللہ بن مسعود، جابر اور اسامہ بن زید سے بھی روایت ہے۔ امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں کہ ابن عمر کی حدیث بروایت سفیان اسماعیل بن خالد کی روایت سے اصح ہے اور حدیث سفیان حسن صحیح ہے اسرائیل بھی یہ حدیث ابواسحاق سے وہ عبداللہ اور خالد (مالک کے بیٹے ہیں) سے اور وہ ابن عمر سے روایت کرتے ہیں۔ سعید بن جبیر کی ابن عمر سے مروی حدیث بھی حسن صحیح ہے اس حدیث کو سلمہ بن کہیل۔ سعید بن جبیر سے روایت کرتے ہیں کہ

جب کہ ابواسحاق عبداللہ اور خالد سے اور وہ دونوں ابن عمر سے روایت کرتے ہیں اہل علم کا اسی پر عمل ہے کہ مغرب کی نماز مزدلفہ سے پہلے نہ پڑھی جائے پس جب حاجی مزدلفہ پہنچیں تو مغرب اور عشاء دونوں نمازوں کو ایک ہی وقت میں ایک ہی تکبیر کے ساتھ پڑھیں اور ان کے درمیان کوئی نفل نماز نہ پڑھیں،

بعض اہل علم نے یہی مسلک اختیار کیا ہے جن میں سفیان ثوری بھی ہیں وہ فرماتے ہیں کہ اگر چاہے تو مغرب پڑھ کر کھانا کھائے کپڑے اتار دے اور پھر تکبیر کے ساتھ عشاء کی نماز پڑھے بعض علماء کہتے ہیں کہ مغرب اور عشاء کی نمازیں مزدلفہ میں ایک اذان اور دو تکبیروں کے ساتھ پڑھی جائیں یعنی مغرب کے لئے اذان اور اقامت کہے اور نماز پڑھے پھر اقامت کہے کر عشاء کی نماز پڑھے امام شافعی کا یہی قول ہے۔(جامع ترمذی, جلد اول, رقم الحدیث، 877)

مزدلفہ سے منیٰ طلوع آفتاب سے پہلے آنے کا بیان

عمرو بن میمون سے نقل کرتے ہیں کہ ہم مزدلفہ میں تھے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا مشرکین سورج نکلنے سے پہلے مزدلفہ سے واپس نہیں ہوتے تھے اور کہتے تھے کہ ثبیر پہاڑ پر دھوپ پہنچ جائے تو تب نکلو لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی مخالفت فرمائی پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ طلوع آفتاب سے پہلے وہاں سے چل پڑے۔ امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں یہ حدیث صحیح ہے۔(جامع ترمذی, جلد اول, رقم الحدیث،885)

مزدلفہ میں جبل قزح کے پاس ٹھہرنے کا بیان

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب (مزدلفہ میں) رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم قزح (پہاڑ کا نام) کے پاس کھڑے ہوئے اور فرمایا یہ قزح ہے اور یہ وقوف کی جگہ ہے اور سارا مزدلفہ وقوف کی جگہ ہے (اور منیٰ تشریف لائے تو فرمایا) میں نے یہاں نحر کیا اور منیٰ نحر کی جگہ ہے پس تم اپنے ٹھکانوں پر نحر (قربانی) کرو۔(سنن ابوداؤد)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں عرفات میں یہاں پر کھڑا اور عرفات سارا کا سارا ٹھہرنے کی جگہ ہے اور میں مزدلفہ میں یہاں پر ٹھہرا اور سارا مزدلفہ ٹھہرنے کی جگہ ہے (اور منیٰ میں فرمایا کہ) میں نے یہاں قربانی کی اور سارا منیٰ قربانی کی جگہ ہے پس تم اپنے اپنے ٹھکانوں پر قربانی کرو۔(سنن ابوداؤد)

مزدلفہ میں رات بسر کرنے کا بیان

ویسن المبیت بالمزدلفة فإذا طلع الفجر صلی الإمام بالناس الفجر بغلس ثم یقف الناس معه والمزدلفة کلها موقف إلا بطن محسر ویقف مجتهدا فی دعائه ویدعو الله أن یتم مراده وسؤاله فی هذا الموقف کما أتمه لسیدنا محمد صلی الله علیه وسلم فإذا أسفر جدا أفاض الإمام والناس قبل طلوع الشمس فیأتی إلی منی وینزل بها۔

ترجمہ

مزدلفہ میں رات گزارنا سنت ہے پس جب طلوع فجر ہو جائے تو امام اندھیرے میں لوگوں کو نماز پڑھائے۔اس کے بعد لوگ اس کے ساتھ وقوف کریں اور مزدلفہ وادی محسر کے سوا سارے کا سارا موقف ہے۔اور وہ موقف میں اپنی دعا میں کوشش کریں اور اللہ تعالی سے دعا مانگیں کہ وہ ان کی مراد کو پورا کرے اور ان کے سوال کو پورا کرے اس موقف میں جس طرح اس نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاؤں کو پورا کیا۔پس جب خوب روشنی ہو جائے تو امام اور لوگ طلوع آفتاب سے پہلے منیٰ کی جانب آئیں اور وہاں اتریں۔

جمرات پر رمی کرنے کا بیان

ثم يأتي جمرة العقبة فيرميها من بطن الوادي بسبع حصيات مثل حصى الخزف، ويستحب أخذ الجمار من المزدلفة أو من الطريق ويكره من الذى عند الجمرة ويكره الرمي من أعلى العقبة لإيذائه الناس ويلتقطها التقاطا ولا يكسر حجرا جمارا ويغسلها ليتيقن طهارتها فإنها يقام بها قربة ولو رمى بنجسة أجزأه وكره ويقطع التلبية مع أول حصاة يرميها- وكيفية الرمي أن يأخذ الحصاة بطرف إبهامه وسبابته في الأصح لأنه أيسر وأكثر إهانة للشيطان والمسنون الرمي باليد اليمنى ويضع الحصاة على ظهر إبهامه ويستعين بالمسبحة ويكون بين الرامي وموضع السقوط خمسة أذرع ولو وقعت على ظهر رجل أو محل وثبتت أعادها وإن سقطت على سننها ذلك أجزأه وكبر بكل حصاة-

ترجمہ

اور وہ جمرہ عقبہ کے پاس آئے اور بطن وادی سے ٹھکری کی مثل سات کنکریوں سے اس کی رمی کرے۔اور جمار کا مزدلفہ یا راستے سے لینا مستحب ہے۔اور جمرہ کے پاس سے کنکریاں اٹھانا مکروہ ہے۔اور وادی کی بلندی سے رمی کرنا مکروہ ہے کیونکہ اس طرح لوگوں کو تکلیف پہنچتی ہے۔اور وہ پتھر توڑ کر کنکریاں نہ بنائے بلکہ بنی ہوئی کنکریاں مارے۔اور ان کو دھوئے تاکہ ان کے پاک ہونے کا یقین ہو۔کیونکہ ان سے بھی ایک عبادت کا کام لیا جاتا ہے۔جب اس نے کوئی ناپاک کنکری ماری تو جائز ہے لیکن مکروہ ہے اور جب پہلی کنکری مارے اسی وقت سے تلبیہ چھوڑ ے۔

اور کنکری کو شہادت کی انگلی اور انگوٹھے کے کنارے سے پکڑے۔کیونکہ آسان ہے اور شیطان کی رسوائی کے لئے زیادہ ہے۔
اور سنت یہ ہے رمی دائیں ہاتھ سے کرے۔اور انگوٹھے کی پشت اور شہادت کی انگلی سے مدد لے۔رمی کرنے والے اور کنکری کے گرنے کی جگہ کے درمیان کم از کم پانچ ہاتھ کا فاصلہ ہونا چاہیے۔
اگر وہ کنکری کسی شخص کی پشت یا کجاوے پر لگی اور وہاں ٹھہر گئی ہے تو وہ دوبارہ مارے اور اگر اسی طرح چلتی ہوئی جا گری ہے تو

کافی ہوگی۔اور ہر کنکری کو پھینکتے ہوقت اللہ اکبر کہتا رہے۔

گیارہویں اور بارہویں کو رمی کرنے کا بیان

حضرت وبرہ (تابعی) کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے پوچھا کہ میں (گیارہویں اور بارہویں ذی الحجہ کو) رمی جمار کس وقت کروں؟ تو انہوں نے فرمایا کہ جس وقت تمہارا امام رمی کرے، اسی وقت تم بھی رمی کرو (یعنی رمی میں اس شخص کی پیروی کرو جو رمی کے وقت کے بارے میں تم سے زیادہ جانتا ہو) میں نے ان کے سامنے پھر یہ مسئلہ رکھا (یعنی میں نے ان سے رمی کے وقت کی مزید وضاحت چاہی) انہوں نے فرمایا ہم رمی کے وقت کا انتظار کرتے تا آنکہ جب دوپہر ڈھلتی تو ہم کنکریاں مارتے۔ (بخاری)

حضرت سالم، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ وہ (یعنی ابن عمر) نزدیک کے جمرہ یعنی جمرہ اولیٰ پر سات کنکریاں مارنے اور ہر کنکری کے بعد اللہ اکبر کہتے پھر آگے بڑھتے یہاں تک کہ جب نرم زمین پر پہنچتے تو دیر تک (یعنی بقدر تلاوت سورہ بقرہ) قبلہ رو کھڑے رہتے اور دعا مانگتے اور اپنے دونوں ہاتھ اٹھاتے، پھر جمرہ وسطی پر سات کنکریاں مارتے اور ہر کنکری مارتے وقت اللہ اکبر کہتے، پھر بائیں جانب کو بڑھتے اور نرم زمین پر پہنچ کر قبلہ رو کھڑے ہو جاتے اور دعا مانگتے اور اپنے دونوں ہاتھ اٹھاتے اور دیر تک کھڑے رہتے، پھر وہ وہاں سے واپس ہوتے اور کہتے کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی طرح کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ (بخاری)

مذکورہ بالا ترتیب کے مطابق رمی اگرچہ حنفیہ کے ہاں سنت ہے لیکن احتیاط کا تقاضہ یہی ہے کہ اس ترتیب کو ترک نہ کیا جائے کیونکہ یہ ترتیب حضرت امام شافعی وغیرہ کے نزدیک واجب ہے! موالات یعنی تمام جمرات پر پے در پے رمی بھی سنت ہے جب کہ یہ حضرت امام مالک کے مسلک میں واجب ہے۔

من بطن الوادی (بطن وادی سے) یہ بات معلوم ہوئی کہ رمی جمرہ عقبہ، بطن وادی سے (یعنی نشیبی حصہ میں کھڑے ہو کر) کی جائے چنانچہ نشیب میں کھڑے ہو کر رمی کرنا مسنون ہے۔ لیکن ہدایہ میں لکھا ہے کہ اگر اوپر کی جانب سے جمرہ عقبہ پر کنکریاں پھینکی جائیں تو اس طرح بھی رمی ہو جائے گی مگر یہ خلاف سنت ہے۔

جمرہ اولیٰ اور جمرہ وسطی کے پاس ٹھہرنا اور حمد و صلوٰۃ اور وہاں دعا میں مشغول ہونا تو ثابت ہے لیکن تیسرے جمرہ یعنی جمرہ عقبی کے پاس ٹھہرنا اور دعا مانگنا ثابت نہیں ہے اور اس کی کوئی وجہ علت منقول نہیں ہے اگرچہ بعض علماء نے اس بارے میں کچھ نہ کچھ لکھا ہے۔

زوال شمس کے بعد کنکریاں مارنے کا بیان

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قربانی کے دن چاشت کے وقت کنکریاں مرتے تھے لیکن دوسرے دنوں میں زوال شمس کے بعد کنکریاں مارتے تھے،

امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے اکثر اہل علم کا اس پر عمل ہے کہ قربانی کے دن زوال آفتاب کے بعد ہی کنکریاں ماری جائیں۔ (جامع ترمذی، جلد اول، رقم الحدیث، 883)

تکبیر کہتے ہوئے سات کنکریاں مارنے کا بیان

حضرت عبدالرحمن ابن یزید فرماتے ہیں کہ جب عبداللہ جمرہ عقبہ پر میدان کے درمیان میں پہنچے تو قبلہ رخ ہوئے اور اپنی داہنی جانب جمرے پر کنکریاں مارنے لگے پھر انہوں نے سات کنکریاں ماریں اور ہر کنکری کے ساتھ تکبیر اپڑھتے رہے۔
پھر فرمایا اللہ کی قسم جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں کہ اس جگہ سے انہوں نے کنکریاں ماری تھیں جن پر سورت بقرہ نازل ہوئی تھی۔ (جامع ترمذی، جلد اول، رقم الحدیث، 890)

مسعودی کی اسی سند سے اسی کے مثل روایت کرتے ہیں اس باب میں فضل بن عباس ابن عباس ابن عمر اور جابر سے بھی روایت ہے حسن صحیح ہے۔ امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں کہ ابن مسعود کی حدیث حسن صحیح ہے اہل علم کا اس پر عمل ہے وہ پسند کرتے ہیں کہ کنکریاں مارنے والا میدان کے درمیان سے سات کنکریاں مارے اور ہر کنکری پر تکبیر کہے،
بعض اہل علم نے اجازت دی ہے کہ اگر وسط وادی سے کنکریاں مارنا ممکن نہ ہو تو جہاں سے کنکریاں مار سکے وہاں سے ہی مارے۔ (جامع ترمذی، جلد اول، رقم الحدیث، 891)

کنکریاں مارنے کے ساتھ ترک تلبیہ کا بیان

حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مزدلفہ سے منی تک مجھے اپنے ساتھ سواری پر بٹھالیا تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم جمرہ عقبہ کو کنکریاں مارنے تک لبیک کہتے رہے اس باب میں حضرت علی ابن مسعود اور ابن عباس سے بھی روایت ہے امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے اسی پر اہل علم صحابہ وتابعین کا عمل ہے وہ کہتے ہیں کہ حاجی کو تلبیہ پڑھنا اسی وقت چھوڑنا چاہیے جب جمرہ عقبہ کو کنکریاں مارے۔ امام شافعی، امام احمد اور اسحاق کا یہی قول ہے۔ (جامع ترمذی، جلد اول، رقم الحدیث، 909)

حج مفرد والے کی قربانی کا بیان

ثم يذبح المفرد بالحج إن أحبه ثم يحلق أو يقصر والحلق أفضل ويكفي فيه ربع الرأس والتقصير أن يأخذ من رؤوس شعره مقدار الأنملة وقد حل له كل شيء إلا النساء ثم يأتي مكة من يومه ذلك أو من الغد أو بعده فيطوف بالبيت طواف الزيارة سبعة أشواط وحلت له النساء، وأفضل هذه الأيام أولها وإن أخره عنها لزمه شاة لتأخير الواجب،

ترجمہ

اس کے بعد حج مفرد والا قربانی کرے اگر وہ چاہے۔ پھر وہ حلق کروائے یا قصر کروائے اور حلق افضل ہے۔ اور اس میں چوتھائی سر کافی ہے۔ اور تقصیر میں وہ بالوں کے سروں سے پوروں کی مقدار کٹوائے۔ تو اب اس کے لئے بیویوں کے سوا ہر چیز حلال ہو

جائے گی اس کے بعد اسی دن یا اس سے اگلے دن یا تیسرے دن وہ مکہ میں آئے اور وہ طواف کرے جو طواف زیارت ہے جس کے سات چکر لگائے اور اب اس کے لئے بیویاں بھی حلال ہیں۔ان ایام میں پہلے دن آنا اس کے لئے افضل ہے اور اگر اس نے مؤخر کیا تو تاخیر کے سبب اس پر بکری لازم ہو جائے گی۔

حلق کے افضل ہونے کا بیان

حضرت ابن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کی ایک جماعت نے سر کے بال منڈوائے فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک یا دو مرتبہ فرمایا اے اللہ سر کے بال مونڈ ہوانے والوں پر رحم فرما پھر فرمایا بال کتروانے والوں پر بھی (اللہ رحم فرمائے) اس باب میں حضرت ابن عباس ابن ام حصین مارب ابو سعید ابو مریم حبشی بن جنادہ اور ابو ہریرہ سے بھی روایت ہے کہ امام ترمذی فرماتے ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے اہل علم کا اسی حدیث پر عمل ہے کہ اگر آدمی سر کے بال منڈوائے تو بہتر ہے لیکن اگر سر کے بال کتروائے تو بھی جائز ہے سفیان ثوری، شافعی، احمد اور اسحاق کا یہی قول ہے۔

(جامع ترمذی، جلد اول، رقم الحدیث، 904)

عورتوں کے سوا بعض امور کے حلال ہونے کا بیان

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو احرام باندھنے سے پہلے خوشبو لگائی، اور نحر کے دن دس ذوالحجہ کو طواف زیارت سے پہلے ایسی خوشبو لگائی جس میں مسک بھی تھا (یعنی مشک والی خوشبو) اس باب میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی روایت ہے امام ابو عیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں کہ حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا حسن صحیح ہے اکثر صحابہ و تابعین کا اسی حدیث پر عمل ہے کہ محرم کے لئے قربانی کے دن (یعنی دس ذوالحجہ کو) جمرہ عقبہ پر کنکریاں مارنے کے علاوہ تمام چیزیں حلال ہو جاتی ہیں امام شافعی احمد اور اسحاق کا یہی قول ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ عورتوں اور خوشبو کے علاوہ اس کے لئے تمام چیزیں حلال ہو جاتی ہے بعض صحابہ کرام اور تابعین اور اہل کوفہ کا یہی قول ہے۔

(جامع ترمذی، جلد اول، رقم الحدیث، 908)

طواف زیارت کے ابتدائی وقت کا بیان

امام ترمذی علیہ الرحمہ اپنی سند کے ساتھ لکھتے ہیں۔حضرت ابن عباس اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے طواف زیارت میں رات تک تاخیر کی امام ابو عیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں یہ حدیث حسن ہے بعض اہل علم نے اس حدیث پر عمل کرتے ہوئے طواف زیارت میں رات تک تاخیر کی اجازت دی ہے بعض اہل علم کہتے ہیں کہ نحر کے دن طواف زیارت کرنا مستحب ہے بعض علماء نے منی میں قیام کے آخر تک بھی طواف زیارت کی اجازت دی ہے۔(جامع ترمذی، ابواب الحج)

حضرت عائشہ و حضرت ابن عباس بیان کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے طواف زیارۃ میں قربانی کے دن رات تک تاخیر کی۔(ترمذی، ابوداود، ابن ماجہ)

مطلب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کے لئے یا یہ کہ سب ہی کے لئے طواف زیارت میں قربانی کے دن رات تک تاخیر کو جائز قرار دیا۔ حدیث کا یہ مطلب نہیں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے طواف زیارت میں رات تک تاخیر کی، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارہ میں تو یہ صراحت کے ساتھ ثابت ہو چکا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی کے وقت طواف زیارۃ کیا اور اس کے بعد مکہ میں یا منیٰ میں ظہر کی نماز پڑھی۔

علامہ طیبی شافعی کہتے ہیں کہ طواف زیارۃ کا وقت امام شافعی کے نزدیک بقرعید کی آدھی رات کے بعد ہی شروع ہو جاتا ہے جب کہ دیگر ائمہ کا مسلک یہ ہے کہ اس کا وقت بقرعید کے دن طلوع فجر کے بعد شروع ہوتا ہے اور آخری وقت کا کوئی تعین نہیں ہے جب بھی کیا جائے گا جائز ہو جائے گا لیکن امام ابوحنیفہ کے ہاں طواف زیارت کی ادائیگی ایام نحر میں واجب ہے لہٰذا اگر کوئی شخص اتنی تاخیر کرے کہ ایام نحر پورے گزر جائیں گے اور پھر وہ بعد میں طواف زیارۃ کرے تو اس پر دم یعنی بطور جزاء جانور ذبح کرنا واجب ہوگا۔

منیٰ میں قیام کرنے کا بیان

ثم يعود إلى منى فيقيم بها فإذا زالت الشمس من اليوم الثاني من أيام النحر ومن الجمار الثلاث يبدأ بالجمرة التي تلي مسجد الخيف فيرميها سبع حصيات ماشيا يكبر بكل حصاة ثم يقف عندها داعيا بما أحب حامدا الله تعالى مصليا على النبي صلى الله عليه وسلم ويرفع يديه في الدعاء ويستغفر لوالديه وإخوانه المؤمنين ثم يرمي الثانية التي تليها مثل ذلك ويقف عندها داعيا ثم يرمي جمرة العقبة راكبا ولا يقف عندها إذا كان اليوم الثالث من أيام النحر رمى الجمار الثلاث بعد الزوال كذلك وإذا أراد أن يتعجل نفر إلى مكة قبل غروب الشمس وإن أقام إلى الغروب كره وليس عليه شيء وإن طلع الفجر وهو بمنى في الرابع لزمه الرمي وجاز قبل الزوال والأفضل بعده وكره قبل طلوع الشمس وكل رمي بعده رميا ترميه ماشيا لتدعو بعده وإلا راكبا لتذهب عقبه بلا دعاء وكره المبيت بغير منى ليالي الرمي۔

ترجمہ

اس کے بعد وہ منیٰ کی جانب لوٹ آئے اور وہاں پر وہ قیام کرے۔ قربانی کے دوسرے دن زوال شمس کے بعد وہ جمرات ثلاثہ کو کنکریاں مارے اور اس جمرے سے ابتداء کرے جو مسجد خیف سے ملا ہوا ہے۔ پس وہ اس کو سات کنکریاں چلتے ہوئے ہر کنکری کے ساتھ تکبیر کہتے ہوئے مارے اس کے بعد اس کے پاس ٹھہر کر دعا مانگے جو اس کو پسند ہو اللہ تعالیٰ کی حمد کرے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف بھیجے۔ اور دعا میں اپنے ہاتھوں کو بلند کرے۔ اپنے والدین اور اہل ایمان بھائیوں کے لئے دعا مانگے۔ اس کے بعد دوسرے جمرے کو جو اس سے ملا ہوا ہے اس کی رمی کرے۔ اسی طرح جیسے پہلے کی رمی کی ہے۔ اور اس کے پاس ٹھہرے اور

دعا کرے۔ اس کے بعد سوا ہو ہر جمرہ عقبہ کی رمی کرے اور اس کے پاس نہ ٹھہرے۔ جب ایام نحر کا تیسرا دن آ جائے تو زوال کے بعد تینوں کی رمی کرے۔

اور اگر وہ اسی دن مکہ مکرمہ میں آنا چاہے تو غروب شمس سے پہلے آ جائے اگر غروب تک وہاں قیام کیا تو مکروہ ہے لیکن اس پر کچھ لازم نہ ہوگا۔ اور اگر طلوع فجر ہو چکی اور وہ ابھی منیٰ میں ہے تو چوتھے دن کی رمی بھی اس پر لازم ہو جائے گی۔ جو زوال سے پہلے جائز ہے۔ جبکہ افضل زوال کے بعد رمی کرنا ہے۔ اور طلوع شمس سے پہلے مکروہ ہے۔ (قاعدہ فقہیہ) ہر وہ رمی جس کے بعد رمی ہو وہ پیدل چل کر کی جائے تا کہ اس کے بعد دعا کی جائے اور جس کے بعد رمی نہ ہو وہ سوار ہو کر کی جائے کیونکہ اس کے بعد بغیر دعا کے چلے جانا ہے۔ اور رمی کی راتیں غیر منیٰ میں گزارنا مکروہ ہے۔

رات کو رمی کرنے میں فقہ حنفی و شافعی کے اختلاف کا بیان

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں مزدلفہ کی رات (یعنی شب عید الاضحیٰ) میں (منیٰ کے لئے) روانہ کیا اور عبد المطلب کے خاندان کے ہم کئی بچے تھے (جنہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رات میں روانہ کیا تھا اور گدھے ہماری سواری تھے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم (ہماری روانگی کے وقت از راہ محبت و الفت) ہماری رانوں پر ہاتھ مارتے اور فرماتے تھے۔ میرے چھوٹے بچو! جب تک سورج نہ نکلے تم منارے (یعنی جمرہ عقبہ) پر کنکریاں نہ پھینکنا۔ (ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ)

یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ رات میں رمی جائز نہیں ہے چنانچہ حضرت امام ابو حنیفہ اور اکثر علماء کا یہی مسلک ہے جب کہ حضرت امام شافعی کے ہاں آدھی رات کے بعد سے رمی جائز ہے، نیز طلوع فجر کے بعد اور آفتاب نکلنے سے پہلے رمی اگرچہ تمام علماء کے نزدیک جائز ہے لیکن حضرت امام اعظم ابو حنیفہ کراہت کے ساتھ جواز کے قائل ہیں، حنفی مسلک کے مطابق طلوع آفتاب کے بعد رمی مستحب ہے۔

امام شافعی کی مستدل حدیث اور اس کی تاویل

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو بقر عید کی رات میں (مزدلفہ سے منیٰ) بھیج دیا تھا۔ چنانچہ انہوں نے (وہاں پہنچ کر) فجر سے پہلے جمرہ عقبہ پر کنکریاں ماریں اور پھر وہاں سے (مکہ) آئیں اور طواف افاضہ (جو فرض ہے) کیا اور یہ وہ دن تھا جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تھے یعنی یہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی باری کا دن تھا۔ (ابوداؤد)

حدیث کے آخری الفاظ میں دراصل اس طرف اشارہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہ کو اس رات میں منیٰ کیوں بھیجا، انہوں نے رات میں رمی کیوں کی اور دن ہی میں طواف افاضہ سے فارغ کیوں ہو گئیں جب کہ دیگر ازواج مطہرات نے اگلی رات میں طواف افاضہ کیا؟

حضرت امام شافعی فجر سے پہلے رمی جمرہ کے جواز کے لئے اس حدیث کو دلیل قرار دیتے ہیں اگرچہ افضل فجر کے بعد ہے

حضرت امام شافعی کے علاوہ دیگر علماء اس حدیث کے بارہ میں فرماتے ہیں کہ یہ سہولت ورعایت ہے جو صرف حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو دی گئی تھی دوسروں کے لئے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی مذکورہ بالا روایت کے پیش نظر فجر سے پہلے رمی جائز نہیں ہے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہاں فجر سے مراد نماز فجر ہو کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے نماز فجر سے پہلے اور طلوع فجر کے بعد رمی کی۔

ایک ساعت کے لئے محصب میں اترنے کا بیان

ثـم إذا رحل إلى مكة نزل بالمحصب ساعة ثم يدخل مكة ويطوف بالبيت سبعة أشواط بلا رمل وسعـى إن قـدمهما وهذا طواف الوداع ويسمى أيضا طواف الصدر وهذا واجب إلا على أهل مكة ومن أقام بها ويصلي بعده ركعتين۔

ترجمہ

اس کے بعد وہ مکہ جانب آئے تو وہ ایک ساعت کے لئے محصب میں اترے۔ اس کے بعد وہ مکہ میں داخل ہو اور بغیر رمل طواف کے سات چکر لگائے اور اگر وہ سعی اور رمل کر چکا ہے تو اب نہ کرے۔ اور یہ طواف وداع ہے اور اس کو طواف صدور بھی کہتے ہیں اور یہ سوائے اہل مکہ کے واجب ہے۔ اور جو اہل مکہ کے ساتھ مقیم ہیں ان پر بھی واجب نہیں ہے اور وہ اس طواف کے بعد دو رکعات پڑھے۔

آب زمزم پینے کا بیان

ثـم يـأتـي زمـزما فيشرب من مائها ويستخرج الماء منها بنفسه إن قدر ويستقبل البيت ويتضلع مـنـه ويتـنفس فيه مرارا ويرفع بصره كل مرة ينظر إلى البيت ويصب على جسده إن تيسر وإلا يـمسـح بـه وجهـه ورأسـه ويـنـوى بشربه ما شاء – وكان ابن عباس رضى الله عنهما إذا شربه قال ،اللّٰهـم إنـي أسـألك عـلـمـا نـافـعـا ورزقـا واسعا وشفاء من كل داء، وقال صلى الله عليه وسلم، ماء زمزم لما شرب له، ويستحب بعد شربه أن يأتي باب الكعبة ويقبل العتبة۔

ترجمہ

اس کے بعد وہ زم زم کے پاس آئے اور اس کے پانی سے پی لے۔ اور وہ خود بہ خود اس سے پانی نکالے اگر وہ قدرت رکھتا ہے۔ قبلہ رخ ہو کر خوب سیر ہو کر نوش کرے۔ کئی مرتبہ سانس لے اور ہر مرتبہ بیت اللہ شریف پر نظر رکھے۔ اور اس کو اپنے جسم پر بہائے اگر اس کو میسر ہے ورنہ اس کو اپنے چہرے اور سر پر مل لے۔ اور اس کے پینے کے ساتھ جو چاہے نیت کرے۔
حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما آب زم زم پیتے وقت یہ دعا مانگا کرتے تھے۔
یا اللہ میں تجھ سے فائدے مند علم اور وسیع رزق اور ہر بیماری کی شفاء مانگتا ہوں۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا زمزم

کا پانی جس مقصد کے لئے پی لیا جائے وہ پورا ہوتا ہے۔ اور مستحب یہ ہے کہ وہ اس کو پینے کے بعد باب کعبہ کے پاس آئے اور دہلیز کعبہ کا بوسہ لے۔

ملتزم کے پاس آنے کا بیان

ثم يأتي إلى الملتزم وهو ،ما بين الحجر الأسود والباب، فيضع صدره ووجهه عليه ويتشبث بأستار الكعبة ساعة يتضرع إلى الله تعالى بالدعاء بما أحب من أمور الدارين ويقول ،اللّٰهم إن هذا بيتك الذى جعلته مباركا وهدى للعالمين اللّٰهم كما هديتني له فتقبل مني ولا تجعل هذا آخر العهد من بيتك وارزقني العودة إليه حتى ترضى عني برحمتك يا أرحم الراحمين، والملتزم من الأماكن التي يستجاب فيها الدعاء بمكة المشرفة— وهي خمسة عشر موضعا نقلها الكمال بن الهمام عن رسالة الحسن البصرى رحمه الله بقوله , في الطواف وعند الملتزم وتحت الميزاب وفي البيت وعند زمزم وخلف المقام وعلى الصفا وعلى المروة وفي السعي وفي عرفات وفي منى وعند الجمرات انتهى— والجمرات ترمى في أربعة أيام يوم النحر وثلاثة بعده كما تقدم—وذكرنا استجابته أيضا عند رؤية البيت المكرم،

ترجمہ

اس کے بعد وہ ملتزم کے پاس آئے اور وہ جگہ جو حجر اسود اور باب کعبہ کے درمیان ہے وہ ملتزم کہلاتی ہے۔ تو وہ اس پر اپنا سینہ اور چہرہ رکھ دے۔ اور غلاف کعبہ کے ساتھ لپٹ جائے۔ اور عاجزی کے ساتھ دعا مانگے اور دنیا و آخرت میں جو کچھ چاہے وہ مانگ لے۔ اور اس طرح کہے

یا اللہ! یہ تیرا گھر ہے۔ جس کو تو نے تمام جہانوں کے لئے برکت و ہدایت والا بنایا ہے۔ یا اللہ! جس طرح تو نے مجھے یہاں حاضر ہونے کی توفیق دی ہے اسی طرح تو میری اس حاضری کو قبول فرما۔ یہ میری آخری حاضری نہ ہو بلکہ مجھے بار بار حاضر ہونے کی توفیق عطا فرما۔ حتیٰ کہ تو مجھ سے راضی ہو جائے۔ جو تیری رحمت کے سہارے سے ہے۔ اے سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم فرمانے والے۔

ملتزم مکہ مکرمہ کے ان مقامات میں سے ہے جہاں دعا قبول کی جاتی ہے۔ اور وہ پندرہ مقامات ہیں۔ جو علامہ ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ نے امام حسن بصری علیہ الرحمہ کے رسالہ سے نقل کیا ہے اور وہ یہ ہیں۔

(۱) طواف کے دوران (۲) ملتزم کے پاس (۳) میزاب کے نیچے (۴) کعبہ شریف کے اندر (۵) زمزم کے پاس (۶) سعی کے دوران (۷) صفا پر (۸) مروہ پر (۹) عرفات میں (۱۰) منیٰ میں (۱۱) تینوں جمرات کے پاس اور چار دن کنکریاں ماری جاتی ہیں تو وہ چار مقام بھی ہوئے۔ تین ایام نحر اور ایک بعد میں جیسا کہ اس کا بیان گزر چکا ہے۔ اور ہم نے ایک یہ بھی ذکر کر دیا ہے کہ

بیت اللہ شریف کو دیکھتے وقت بھی دعا قبول ہوتی ہے۔

بیت اللہ شریف میں داخل ہونے کے مستحب ہونے کا بیان

ویستحب دخول البیت الشریف المبارك إن لم یؤذ أحدا وینبغی أن یقصد مصلی النبی صلی الله علیه وسلم فیه وهو قبل وجهه وقد جعل الباب قبل ظهره حتی یکون بینه وبین الجدار الذی قبل وجهه قرب ثلاثة أذرع ثم یصلی فإذا صلی إلی الجدار یضع خده علیه ویستغفر الله ویحمده ثم یأتی الأرکان فیحمده ویهلل ویسبح ویکبر ویسأل الله تعالی ما شاء ویلزم الأدب ما استطاع بظاهره وباطنه ولیست البلاطة الخضراء التی بین العمودین مصلی النبی صلی الله علیه وسلم وما تقوله العامة من أن العروة الوثقی وهو موضع عال فی جدار البیت بدعة باطلة لا أصل لها والمسمار الذی فی وسط البیت یسمونه، سرة الدنیا، یکشف أحدهم عورته وسرته ویضمها علیها فعل من لا عقل له فضلا عن علم کما قاله الکمال وإذا أراد العود إلی أهله ینبغی أن ینصرف بعد طوافه للوداع وهو أن یمشی إلی ورائه ووجهه إلی البیت باکیا أو متباکیا متحسرا علی فراق البیت حتی یخرج من المسجد ویخرج من مکة من باب بنی شیبة من الثنیة السفلی۔

ترجمہ

اور بیت اللہ شریف میں داخل ہونا مستحب ہے۔ جبکہ کسی کو تکلیف نہ ہو۔ اور مناسب یہ ہے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جائے نماز کی جانب کوشش کرے۔ اور اس کی پہچان یہ ہے کہ کعبہ میں داخل ہونے والا کعبہ کے دروازے کی جانب پشت کرلے تو وہی جگہ جائے نماز ہے۔ جب اس کے درمیان اور سامنے والی دیوار کے درمیان تین ہاتھ کا فاصلہ رہ جائے۔ تو وہ وہیں نماز پڑھ لے۔ اور جب وہ دیوار کی جانب نماز پڑھ لے تو اس پر رخسار رکھ کر اللہ تعالی سے بخشش طلب کرے۔ اور اس کی حمد وثناء کرے۔ اس کے بعد کعبہ شریف کے کونوں میں جائے اور حمد وثناء، تہلیل وتکبیر کہے اور جو چاہے اپنے رب سے دعا مانگے۔ اور جس قدر ہو سکے ظاہری اور باطنی آداب کا خیال رکھے۔

دوستونوں کے درمیان جو سبز رنگ کا فرش ہے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جائے نماز نہیں ہے۔ جس کو عام لوگ عروہ وثقی کہتے ہیں۔ یعنی بیت اللہ کی دیوار میں بلند جگہ بدعت باطلہ ہے۔ جس کی کوئی اصل نہیں ہے۔ بیت اللہ کے وسط میں ایک کیل سا ہے لوگ اس کو دنیا کی ناف کہتے ہیں۔ یہ ایسے لوگوں کا کام ہے جو عقل وسمجھ سے بے بہرہ ہیں۔ کیسے ممکن ہے کہ اہل علم کریں۔ علامہ ابن ہمام نے بھی اسی طرح کہا ہے۔

جب وہ واپس اپنے گھر کی جانب آنے کا ارادہ کرے تو طواف وداع کے بعد الٹا چلے اس طرح کہ چہرہ قبلہ کی جانب ہو اور

بیت اللہ شریف کی جدائی پر غمزدہ ہو کر آنسو بہائے۔ اور اگر اس کو رونا نہ آئے تو رونے والی شکل بنائے۔ یہاں تک کہ باب ثنیہ کی جانب باب بنی شیبہ کی طرف سے باہر نکل جائے۔

عورت کے حج کا طریقہ

والمرأة في جميع أفعال الحج كالرجل غير أنها لا تكشف رأسها وتسدل على وجهها شيئا تحته عيدان كالقبة تمنع مسه بالغطاء ولا ترفع صوتها بالتلبية ولا ترمل ولا تهرول في السعي بين الميلين الأخضرين بل تمشي على هينتها في جميع السعي بين الصفا والمروة ولا تحلق وتقصر وتلبس المخيط ولا تزاحم الرجال في استلام الحجر—وهذا تمام حج المفرد وهو دون التمتع في الفضل والقران أفضل من التمتع—

ترجمہ

عورت کے تمام افعال حج مرد کی طرح ہیں سوائے اس کے کہ وہ اپنا سر ننگا نہ کرے۔ چہرے پر کوئی کپڑا وغیرہ لٹکا دے جس کے نیچے لکڑیاں وغیرہ رکھ دے تا کہ وہ چہرے پر نہ لگ سکے۔ تلبیہ کے وقت آواز کو بلند نہ کرے۔ رمل نہ کرے۔ سعی کے دوران سبز میلین کے درمیان تیز تیز نہ دوڑے بلکہ آرام سے چلے۔ حلق نہ کرائے۔ بلکہ تقصیر یعنی سر کے بالوں کو انگلیوں کے پوروں کی مقدار کٹوائے۔ سلے ہوئے کپڑے پہن سکتی ہے۔ حجر اسود کے استلام کے وقت مردوں کے ہجوم میں نہ جائے۔ یہ حج مفرد کے احکام ہیں جو فضیلت میں تمتع سے کم ہے جبکہ فضیلت میں قران تمتع سے افضل ہے۔

عورت کے لئے بال کٹوانے کی ممانعت اور کتروانے کی اجازت کا بیان

محمد بن بشار، ابوداؤد، ہمام، خلاس اسی کے مثل روایت کرتے ہیں لیکن انہوں نے اس میں حضرت علی کا ذکر نہیں کیا امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے سلمہ سے بھی قتادہ کے حوالے سے حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت کو سر کے بال منڈوانے سے منع فرمایا اہل علم کا اسی پر عمل ہے کہ عورت سر کے بال نہ منڈوائے (یعنی حلق نہ کرے) بلکہ بال کتروالے۔ (جامع ترمذی، جلد اول، رقم الحدیث، 906)

فصل

﴿یہ فصل حج قران کے بیان میں ہے﴾

حج قران کی تعریف وطریقے کا بیان

القران هو أن يجمع بين إحرام الحج والعمرة فيقول بعد صلاة ركعتي الإحرام , اللّٰهم إني أريد العمرة والحج فيسرهما لي وتقبلهما مني ثم يلبي فإذا دخل مكة بدأ بطواف العمرة سبعة أشواط يرمل في الثلاثة الأولى فقط ثم يصلي ركعتي الطواف ثم يخرج إلى الصفا ويقوم عليه داعيا مكبرا مهللا ملبيا مصليا على النبي صلى الله عليه وسلم ثم يطوف طواف القدوم للحج ثم يتم أفعال الحج كما تقدم فإذا رمى النحر جمرة العقبة وجب عليه ذبح شاة أو سبع بدنة فإذا لم يجد فصيام ثلاثة أيام قبل مجيء يوم النحر من أشهر الحج وسبعة أيام بعد الفراغ من الحج ولو بمكة بعد مضي أيام التشريق ولو فرقها جاز۔

ترجمہ

قران وہ حج ہے جس میں حج وعمرے کے احرام سے جمع کیا جائے۔ پس محرم دو رکعت احرام کے بعد کہے گا۔ اے اللہ! میں عمرے اور حج کا ارادہ کرتا ہے پس تو ان دونوں کو میرے لئے آسان کر دے۔ اور ان دونوں کو مجھ سے قبول فرما۔ پھر وہ تلبیہ کہے۔ پس جب وہ وہ مکہ میں داخل ہو عمرہ کے طواف کے سات چکر لگائے اور صرف پہلے تین چکروں میں رمل کرے۔ اس کے بعد طواف کی دو رکعات پڑھے۔ اس کے صفا کی طرف جائے اور اس پر کھڑے ہو کر دعا کرے، تکبیر وتہلیل کہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھے۔ اس کے بعد حج کے لئے طواف قدوم کرے۔ اس کے حج کے افعال ادا کرے جس طرح پہلے گزر چکا ہے۔

پس جب وہ جمرہ عقبہ کی رمی نحر کے دن کرے تو اس پر بکری کو ذبح کرنا واجب ہے یا بدنہ کا ساتواں حصہ واجب ہے۔ اور اگر وہ نہ پائے تو تین دن یوم نحر کے آنے سے پہلے حج کے مہینے میں رکھے۔ اور سات روزے حج سے فارغ ہو جانے کے بعد رکھے اور اگر وہ مکہ میں ہے تو وہ ایام تشریق کے گزر جانے کے بعد رکھے اور اگر چہ وہ الگ الگ روزے رکھے تو جائز ہے۔

حج قران کے فقہی مفہوم کا بیان

قران کی لغوی و اصطلاحی تعریف: قران کے لغوی معنی، دو چیزوں کو جمع کرنا، قران کے اصطلاحی معنی، میقات سے حج اور عمرہ دونوں کا ایک ساتھ احرام باندھنا ہمارے یہاں قران تمتع سے افضل ہے، اور تمتع افراد سے افضل ہے۔ قارن کو اس طرح کے الفاظ کہنا مسنون ہے "اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اُرِیْدُ الْعُمْرَةَ وَالْحَجَّ فَیَسِّرْهُمَا لِیْ وَتَقَبَّلْهُمَا مِنِّیْ" اے اللہ میں حج اور عمرہ کا ارادہ کرتا ہوں اور دونوں کو میرے لئے آسان فرما۔ اور ان دونوں کو مجھ سے قبول فرما۔ پھر تلبیہ کہے۔

جب قارن مکہ آئے تو عمرہ کے طواف مع سات چکروں سے شروعات کرے صرف پہلے تین چکروں میں رمل کرے، پھر طواف کی دو رکعت نماز پڑھے، پھر صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرے اور میلین اخضرین کے درمیان تیزی سے چلے اور سات چکر پورے کرے، یہ عمرہ کے افعال ہیں، پھر اعمال حج کی شروعات کرے، حج کے لئے طواف قدوم کرے، پھر حج کے اعمال پورے کرے جس طرح اس کی تفصیل گزر چکی۔

حج قران یہ ہے کہ حج اور عمرہ دونوں کا احرام باندھا جائے یا پھر پہلے عمرہ کا احرام باندھے اور پھر بعد میں عمرہ کا طواف کرنے سے قبل اس پر حج کو بھی داخل کر دے۔ وہ اس طرح کہ وہ اپنے طواف اور سعی کو حج اور عمرہ کی سعی کرنے کی نیت کرے۔

حج قران اور حج افراد کرنے والے شخص کے اعمال حج ایک جیسے ہی ہیں صرف فرق یہ ہے کہ حج قران کرنے والے پر قربانی ہے اور حج افراد کرنے والے پر قربانی نہیں۔

حج قران کے افضل ہونے کا بیان

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا فرماتے تھے لَبَّیْكَ بِعُمْرَةٍ وَحَجَّةٍ الٰہی میں حج اور عمرہ دونوں کے ساتھ تیری بارگاہ میں حاضر ہوں، اس باب میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور عمران بن حصین سے بھی روایت ہے۔ امام ترمذی فرماتے ہیں کہ حضرت انس کی حدیث حسن صحیح ہے بعض اہل علم اسی پر عمل کرتے ہیں اہل کوفہ اور دوسرے لوگوں نے اسے (یعنی حج قران کو) پسند کیا ہے۔ (جامع ترمذی، جلد اول، رقم الحدیث، 808)

فصل

﴿یہ فصل حج تمتع کے بیان میں ہے﴾

حج تمتع کی تعریف وطریقے کا بیان

التمتع هو أن يحرم بالعمرة فقط من الميقات فيقول بعد صلاة ركعتي الإحرام, اللّٰهم إني أريد العمرة فيسرها لي وتقبلها مني ثم يلبي حتى يدخل مكة فيطوف لها ويقطع التلبية بأول طوافة ويرمل فيه ثم يصلي ركعتي الطواف ثم يسعى بين الصفا والمروة بعد الوقوف على الصفا كما تقدم سبعة أشواط ثم يحلق رأسه أو يقصر إذا لم يسبق الهدى وحل له كل شيء من الجماع وغيره وإن ساق الهدى لا يتحلل من عمرته فإذا جاء يوم التروية يحرم بالحج من الحرام ويخرج إلى منى فإذا رمى جمرة العقبة يوم النحر لزمه ذبح شاة أو سبع بدنه فإن لم يجد صام ثلاثة أيام قبل مجيء يوم النحر وسبعة إذا رجع كالقارن، فإن لم يصم الثلاثة حتى جاء يوم النحر تعين عليه ذبح شاة ولا يجزئه صوم ولا صدقة۔

ترجمہ

حج تمتع یہ ہے کہ وہ میقات سے صرف عمرے کا احرام باندھے تو وہ احرام کی دو رکعات کے بعد کہے یا اللہ! میں عمرے کا ارادہ کرتا ہوں پس میرے لئے اس کو آسان کر دے۔ اور اس کو مجھ سے قبول فرما۔ اس کے بعد وہ تلبیہ کہے یہاں تک کہ مکہ میں داخل ہو جائے۔ تو وہ اس کا طواف کرے۔ اور اول طواف سے تلبیہ کو ختم کر دے۔ اور اس طواف میں رمل کرے۔ اس کے بعد طواف کی دو رکعات پڑھے۔ اس کے بعد وقوف صفا کے بعد صفا اور مروہ کی سعی کرے۔ جس طرح پہلے اس کا بیان گزر چکا ہے۔ وہ سات چکر لگائے۔ اس کے بعد وہ اپنے سر کا حلق کرائے۔ یا قصر کروائے۔ جب ہدی نہ چلا سکے اور اُس کے لئے جماع وغیرہ کی طرح ہر چیز حلال ہے۔ اور اگر وہ ہدی کو لے آئے تو وہ اپنے عمرے سے حلال نہ ہوگا پس جب یوم ترویہ آ جائے تو وہ حج کا احرام باندھے اور وہ منیٰ کی جانب نکلے پس جب وہ جمرہ عقبہ کی رمی نحر کے دن کرے تو اس پر ایک بکری لازم ہے یا بدنہ کا ساتواں حصہ لازم ہے۔ پس اگر وہ یہ قربانی نہ پائے تو قربانی کا دن آنے سے پہلے تین دن روزے رکھے اور سات روزے جب وہ لوٹ کر آئے۔ جس طرح حج

قران والا کرتا ہے۔ پس اگر وہ تین روزے نہ رکھے حتیٰ کہ یوم نحر آ گیا تو اس میں بکری کرنا معین ہو گیا۔ لہٰذا اس کی جانب سے روزہ اور صدقہ کافی نہ ہوگا۔

حج تمتع کی تعریف

حج تمتع اس حج کو کہتے ہیں جس میں میقات سے اشہر حج میں عمرہ کی نیت سے احرام باندھا جاتا ہے اور مناسک عمرہ ادا کرنے کے بعد احرام کھل جاتا ہے پھر جب حج کے دن شروع ہوتے ہیں اس وقت دوبارہ حج کا احرام باندہ کر حج ادا کیا جاتا ہے۔

حج کو تمتع بنانے کا بیان

حضرت ابوشہاب نے کہا کہ میں مکہ میں عمرہ کا احرام باندھ کر آیا تو یوم ترویہ سے تین دن پہلے پہنچا، مکہ کے چند لوگوں نے کہا کہ اب تیرا حج مکی ہو جائے گا، میں عطاء کے پاس مسئلہ پوچھنے گیا تو انہوں نے کہا کہ مجھ سے جابر بن عبداللہ نے کہا کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حج کیا، جس دن قربانی کا جانور آپ ساتھ ہانک کر لائے تھے، ان لوگوں نے حج مفرد کا احرام باندھا تھا، آپ نے ان لوگوں سے فرمایا کہ اپنے احرام سے خانہ کعبہ کا طواف کر کے اور صفا و مروہ کے درمیان طواف کر کے باہر جاؤ۔

فسخ حج کی خصوصیت خاصہ کا بیان

حرث بن بلال بن حارث فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول بتایئے حج ختم کر کے عمرہ شروع کرنا ہماری خصوصیت ہے؟ یا سب لوگوں کے لئے اس کا عمومی حکم ہے؟ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں بلکہ یہ صرف ہماری خصوصیت ہے۔

حضرت بلال بن حارث سے مروی ہے کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا حج کا فسخ کرنا اور عمرہ کر لینا خاص ہمارے لئے ہے یا سب کے لئے عام ہے؟ آپ نے فرمایا نہیں! ہمارے لئے خاص ہے۔ (ابن ماجہ)

فصل

﴿یہ فصل عمرے کے بیان میں ہے﴾

عمرہ کے سنت ہونے کا بیان

العمرة سنة وتصح في جميع السنة وتكره يوم عرفة ويوم النحر وأيام التشريق- وكيفيتها أن يحرم لها من مكة من الحل بخلاف إحرامه للحج فإنه من الحرم، وأما الآفاقي الذي لم يدخل مكة فيحرم إذا قصدها من الميقات ثم يطوف ويسعى لها ثم يحلق وقد حل منها كما بيناه بحمد الله-

ترجمہ

عمرہ سنت ہے اور یہ تمام سال میں کرنا صحیح ہے۔ اور یوم عرفہ، یوم نحر اور ایام تشریق میں مکروہ ہے۔ اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ وہ مکہ سے حل سے احرام باندھے بہ خلاف حج کیونکہ وہ حرم سے ہے۔ البتہ آفاقی جو مکہ میں داخل نہ ہوگا پس وہ احرام باندھے گا جب اس نے میقات کا ارادہ کیا ہے۔ اس کے بعد وہ طواف کرے اس کے بعد وہ سعی کرے پھر وہ حلق کرائے تو وہ حلال ہو چکا ہے جس طرح ہم نے بیان کر دیا ہے۔ الحمد للہ،

شرح

حضرت ابن عباس کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب فرمایا کہ لوگو! اللہ نے تم پر حج فرض کیا ہے تو اقرع بن حابس کھڑے ہوئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! کیا ہر سال (حج کرنا فرض ہوا ہے؟) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر چہ میں اس حج کے (ہر سال فرض ہونے کے سوال) کے بارے میں ہاں کہہ دیتا تو یقیناً (ہر سال حج کرنا) واجب (یعنی فرض) ہو جاتا تو نہ تم اس حکم پر عمل کر پاتے اور نہ تم اس کی استطاعت ہی رکھتے، حج پوری زندگی میں بشرط قدرت ایک ہی مرتبہ فرض ہے ہاں جو شخص ایک بار سے زیادہ کرے وہ نفل ہوگا (جس پر اسے بہت زیادہ ثواب ملے گا)۔ (احمد، نسائی، دارمی)

عمرہ واجب نہیں ہے بلکہ عمر بھر میں ایک مرتبہ سنت مؤکدہ ہے عمرہ کے لئے کسی خاص زمانہ کی شرط نہیں ہے، جیسا کہ حج کے لئے ہے بلکہ جس وقت چاہے کر سکتا ہے اسی طرح ایک سال میں کئی مرتبہ بھی عمرہ کیا جا سکتا ہے، البتہ غیر قارن کو ایام حج میں عمرہ کرنا مکروہ ہے ایام حج کا اطلاق یوم عرفہ یوم نحر اور ایام تشریق پر ہوتا ہے۔ عمرہ کا رکن طواف ہے اور اس میں دو چیزیں واجب ہیں ایک تو

صفا و مروہ کے درمیان سعی اور دوسرے سر منڈوانے یا بال کتروانا۔ جو شرائط اور سنن و آداب حج کے ہیں وہی عمرہ کے بھی ہیں۔

عمرے وجوب یا عدم وجوب میں فقہی مذاہب کا بیان

علامہ ابن قدامہ مقدسی حنبلی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ جس بندے پر حج فرض ہے دونوں میں روایات میں سے ایک روایت یہ ہے کہ اس پر عمرہ بھی واجب ہے۔ اور یہ ایک روایت حضرت عمر، عبد اللہ بن عمر، عبد اللہ بن عباس، سعید بن مسیب، طاؤس، ثوری، اسحاق، مجاہد، حسن، ابن سیرین، شعبی رضی اللہ عنہم اور حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ سے بھی ایک روایت اسی طرح ہے۔

دوسری روایت یہ ہے کہ عمرہ واجب نہیں ہے۔ یہ روایت حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے ہے حضرت امام مالک، ابو ثور اور اصحاب رائے نے اسی طرح کہا ہے۔ اور یہ حدیث پیش کی ہے کہ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ کیا عمرہ واجب ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں بلکہ عمرہ کرنا افضل ہے۔ اس حدیث کو امام ترمذی نے روایت ہے اور یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حج جہاد ہے اور عمرہ نفل ہے۔ اس کو امام ابن ماجہ نے زوایت کیا ہے۔ کیونکہ عمرہ غیر موقت نسک ہے لہٰذا یہ واجب نہیں ہے۔ کیونکہ یہ سال میں کسی بھی وقت کیا جا سکتا ہے۔

ہمارے نزدیک (فقہاء مالکیہ) عمرہ واجب ہے کیونکہ دلیل یہ ہے "" یہاں عمرے کا عطف حج پر ڈالا گیا ہے۔ اور امر وجوب کا تقاضہ کرتا ہے اور معطوف علیہ اور معطوف حکم میں برابری کا تقاضہ کرتے ہیں۔

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ عمرہ قرینہ کتاب اللہ میں قرینہ حج میں سے ہے۔ حضرت رزین رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور میں نے پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے والد گرامی بوڑھے ہیں جو حج اور عمرے کی طاقت نہیں رکھتے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم ان کی طرف سے حج اور عمرہ کرو۔

(ابوداؤد، ترمذی، نسائی)

یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ بہر حال امام ترمذی کی بیان کردہ حدیث کے بارے میں امام شافعی علیہ الرحمہ کہتے ہیں کہ وہ ضعیف ہے اور اس قسم کی حدیث سے عمرے کا نفل ثابت نہیں ہوتا۔ علامہ ابن عبد البر نے کہا ہے کہ اس کی اسانید صحیح نہیں ہے۔

(المغنی، ج ۳، ص ۱۶۸، بیروت)

عمرے کے عدم وجوب میں فقہ حنفی کے دلائل کا بیان

حضرت عبد اللہ بن سلام سے روایت کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کیا تو ہمارے پاس ایک اونٹ تھا مگر ابو معقل نے اس کو راہ خدا میں دے دیا تھا ہم بیمار ہوئے اور ابو معقل اسی بیماری میں فوت ہو گئے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم حج کو تشریف لے گئے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم حج سے فارغ ہو کر آئے تو میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئی آپ صلی اللہ علیہ و

سلم نے پوچھا اے ام معقل تم ہمارے ساتھ حج کے لیے کیوں نہ گئیں میں نے عرض کیا میں نے تیاری کر لی تھی لیکن ابو معقل انتقال کر گئے نیز ہمارے صرف ایک اونٹ تھا جس پر ہم حج کرتے مگر ابو معقل نے (مرتے وقت) وصیت کر دی کہ اس اونٹ کو راہ خدا میں دے دیا جائے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو تو اسی اونٹ پر حج کے لیے کیوں نہ نکلی کیونکہ حج بھی تو فی سبیل اللہ ہے خیر اب تو ہمارے ساتھ تیرا حج جاتا رہا پس تو رمضان میں عمرہ کر لے کیونکہ رمضان میں عمرہ کرنا (ثواب میں) حج کے برابر ہے ام معقل کہا کرتی تھیں کہ حج پھر حج ہے اور عمرہ عمرہ ہے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے حق میں یہ فرمایا تھا (کہ رمضان میں عمرہ حج کے برابر ہے) پتہ نہیں یہ حکم میرے لیے ہی خاص تھا یا عام تھا۔ (سنن ابو داؤد)

تخصیص اوقات سے فضیلت عمرہ سے عدم وجوب کا بیان

امام ابن ماجہ علیہ الرحمہ اپنی اسناد کے ساتھ لکھتے ہیں۔ حضرت طلحہ بن عبید اللہ سے روایت ہے کہ انہوں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے سنا کہ حج جہاد ہے اور عمرہ نفل ہے۔

حضرت عبد اللہ بن اوفی فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب عمرہ کیا ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے طواف کیا تو ہم نے آپ کے ساتھ ہی طواف کیا آپ نے نماز ادا کی تو ہم نے آپ کے ساتھ ہی نماز ادا کی اور ہم (آڑ بن کر) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اہل مکہ سے پوشیدہ رکھتے تھے کہ کوئی آپ کو ایذاء نہ پہنچا سکے۔

حضرت وہب بن حنبش فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا رمضان میں عمرہ حج کے برابر ہے۔ حضرت ہرم بن حنبش بیان فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا رمضان المبارک میں عمرہ کرنا حج کے برابر ہے۔

حضرت ابو معقل سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا رمضان میں عمرہ حج کے برابر ہے۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا رمضان میں عمرہ حج کے برابر ہے۔

حضرت جابر سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا رمضان میں عمرہ حج کے برابر ہے۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف ذی قعدہ میں عمرہ کیا۔ (سنن ابن ماجہ، کتاب الحج)

ان تمام احادیث سے معلوم ہوا کہ اگر عمرہ فرض یا واجب ہوتا تو اس کی فضیلت تخصیص رمضان کے ساتھ حج کی طرح ثواب میں نہ ہوتی۔ ان احادیث سے تخصیص اوقات کی بناء پر اس کے ثواب کو حج کی طرح دیا جانا خود امر کی دلیل ہے کہ عمرہ فرض نہیں ہے اور اس کی فرضیت نہ تو علی الاطلاق ہے اور نہ ہی حج کی طرح فرضیت ہے۔ لہٰذا ہم فقہ حنفی کی پاسبانی کرتے ہیں یہ ضرور کہیں گے۔ دیگر فقہی مذاہب سے فقہ حنفی دلائل قوی ہیں اور شریعت اسلامیہ کے فقہی مسائل میں زیادہ قریب الی الشرع ترجمانی کرنے والے مسائل اسی فقہی مذہب میں ہے۔

تنبیہ

﴿حج سے متعلق انتباہ کا بیان﴾

عرفہ کے دن حج کی فضیلت کا بیان

وأفضل الأيام يوم عرفة إذا وافق يوم الجمعة وهو أفضل من سبعين حجة في غير جمعة رواه صاحب معراج الدراية بقوله وقد صح عن رسول الله صلى الله عليه وسلم أنه قال ,أفضل الأيام يوم عرفة إذا وافق يوم جمعة وهو أفضل من سبعين حجة، ذكره في تجريد الصحاح بعلامة الموطأ وكذا قال الزيلعي شارح الكنز-

والمجاورة بمكة مكروهة عند أبي حنيفة رحمه الله تعالى لعدم القيام بحقوق البيت الحرام ونفى الكراهة صاحباه رحمهما الله تعالى

ترجمہ

سارے دنوں میں سے افضل دن یوم عرفہ ہے۔ جبکہ وہ جمعہ مبارک کے موافق ہو۔ تو وہ غیر جمعہ والے ستر حج کرنے سے افضل ہے۔ صاحب معراج الدرایہ نے روایت کیا ہے۔ اور یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح طور پر منقول ہے کہ یوم عرفہ جب جمعہ کے دن آ جائے تو وہ افضل ہے اور وہ اس میں حج کرنا ستر حج کرنے سے افضل ہے۔ اور اس کو تجرید الصحاح نے ذکر کیا ہے مؤطا میں بھی اور اسی طرح علامہ زیلعی اور شارح کنز نے بھی کہا ہے۔

حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک مکہ مکرمہ کی مجاورت مکروہ ہے۔ کیونکہ بیت اللہ کے حقوق پورے نہ ہو سکیں گے۔ جبکہ صاحبین نے اس کراہت کی نفی کی ہے۔

شرح

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایسا کوئی دن نہیں ہے جس میں اللہ تعالیٰ بندہ کو عرفہ کے دن سے زیادہ آگ سے آزاد کرتا ہو (یعنی اس عرفہ کے دن عرفات میں اللہ تعالیٰ سب دنوں سے زیادہ بندوں کو آگ سے نجات اور رستگاری کا پروانہ عطا فرماتا ہے) اور بلاشبہ (اس دن) اللہ تعالیٰ (اپنی رحمت و مغفرت کے ساتھ) بندوں کے قریب ہوتا ہے پھر فرشتوں کے سامنے حج کرنے والوں پر فخر کرتا ہے اور فرماتا ہے کہ یہ لوگ کیا چاہتے ہیں؟ (یہ جو کچھ بھی چاہتے ہیں) میں انہیں وہ دوں گا۔ (مسلم، مشکوٰۃ شریف: جلد دوم: رقم الحدیث، 1139)

باب الجنایات

﴿یہ باب جنایات کے بیان میں ہے﴾

باب الجنایات کی فقہی مطابقت کا بیان

علامہ ابن محمود البابرتی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ مصنف نے احرام کے احوال کو بیان کرنے کے بعد ان عوارض کا ذکر کیا ہے جو احرام والے پر وارد ہوتے ہیں اور عوارض ہمیشہ مؤخر ہوتے ہیں۔

جس طرح احصار و فوات وغیرہ عوارض ہیں۔ جنایات یہ جنایۃ کی جمع ہے۔ اور جنایت اس عمل ممنوع کو کہتے ہیں جو محرم سے اس کی حالت احرام میں صادر ہوں۔ (عنایہ شرح الہدایہ، ج ۴، ص ۴۷، بیروت)

جنایت کے مفہوم کا بیان

حج کے بیان میں جنایت اس حرام فعل کو کہتے ہیں جس کی حرمت احرام یا حرم کے سبب سے ہو اور جس کے مرتکب پر کوئی چیز مثلاً قربانی یا صدقہ بطور جزاء یعنی بطور کفارہ واجب ہوتی ہو۔

جنایات کی اقسام کا بیان

هي على قسمين, جناية على الإحرام وجناية على الحرم والثانية لا تخص المحرم وجناية المحرم على أقسام, منها ما يوجب دما ومنها ما يوجب صدقة وهي نصف صاع من بر ومنها ما يوجب دون ذلك ومنها ما يوجب القيمة وهي جزاء الصيد ويتعدد الجزاء بتعدد القاتلين المحرمين-

ترجمہ

جنایات دو قسم کی ہیں۔ (۱) احرام کی جنایت (۲) حرم کی جنایت۔ دوسری جنایت محرم کے ساتھ خاص نہیں ہے۔ اور محرم کی جنایت کی بھی کئی اقسام ہیں۔ ان میں سے بعض پر دم واجب ہے بعض پر صدقہ جو نصف صاع گندم ہے اور بعض پر اس کے سوا کم صدقہ لازم ہے۔ اور ان میں سے بعض پر قیمت واجب ہے اور شکار کی جزاء ہے اور جب شکار کرنے والے متعدد ہوں تو ان کی جزاء بھی متعدد ہوگی۔

حالت احرام میں خوشبودار تیل استعمال کرنا ممنوع ہے

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم احرام کی حالت میں بغیر خوشبو کا زیتون کا تیل استعمال کرتے تھے۔ (ترمذی)

مقتت اس تیل کو کہتے ہیں جس میں خوشبو کے پھول ڈال کر اسے پکالیا جائے تا کہ وہ تیل خوشبودار ہو جائے یا اِس تیل میں کوئی خوشبودار تیل وغیرہ ملا دیا جائے۔

احرام کی حالت میں خوشبودار تیل استعمال کرنا مکروہ ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ اگر کوئی محرم کسی ایک عضو کے پورے حصہ پر یا کئی یا سب اعضاء پر روغن بنفشہ، روغن گلاب، روغن موتیا یا اسی قسم کا کوئی بھی خوشبودار تیل لگائے گا تو حنفیہ کے ہاں بالاتفاق اس پر دم یعنی جانور ذبح کرنا واجب ہوگا اور اگر زیتون یا تل کا ایسا تیل کہ جس میں خوشبو نہ ملی ہوئی ہو زیادہ مقدار میں لگائے گا تو حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کے نزدیک اس صورت میں بھی دم واجب ہوگا۔

جب کہ صاحبین یعنی حضرت امام ابو یوسف اور حضرت امام محمد کہتے ہیں کہ صدقہ واجب ہوگا۔ لیکن یہ اختلاف اس صورت میں ہے جب کہ یہ دونوں تیل خوشبو سے بالکل خالی اور کسی خوشبودار پھول کے پکائے ہوئے نہ ہوں، کیونکہ اگر زیتون کے یا تل کے تیل میں خوشبو ملی ہوگی یا اس میں خوشبودار پھول ڈال کر پکایا گیا ہو تو پھر سب ہی کے نزدیک اس کو استعمال کرنے کی وجہ سے دم واجب ہوگا۔ اسی طرح یہ اختلاف اس صورت میں ہے جب کہ یہ تیل زیادہ مقدار میں لگائے جائیں اور اگر کم مقدار میں لگایا جائے گا تو متفقہ طور پر سب کے نزدیک اس کے استعمال کرنے سے صرف صدقہ واجب ہوگا۔

اور پھر ایک بات یہ بھی جان لیجئے کہ ان تیلوں کے استعمال کی وجہ سے دم یا صدقہ اسی وقت واجب ہوگا جب کہ ان کو محض خوشبو کی خاطر استعمال کیا جائے اور اگر انہیں دوا کے طور پر استعمال کیا جائے گا تو پھر علی الاتفاق کچھ بھی واجب نہیں ہوگا۔ جب کہ مشک یا دوسری خوشبوؤں کے استعمال کا مسئلہ اس سے مختلف ہے کہ ان کے استعمال سے بہر صورت دم واجب ہوتا ہے خواہ بطور خوشبو استعمال ہو خواہ بطور دوا ہو۔

محرمہ کے نقاب کی ممانعت و اباحت کا فقہی مفہوم

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ انہوں نے سنا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس سے منع فرماتے تھے کہ عورتیں اپنے احرام کی حالت میں دستانے پہنیں اور اس طرح نقاب ڈالیں کہ وہ نقاب ان کے منہ پر لگتی ہو اور ایسے کپڑے پہنیں جس میں زعفران اور ورس لگی ہو، ہاں اس کے بعد یعنی احرام سے نکلنے کے بعد وہ کپڑوں کی انواع سے جو چاہیں پہنیں خواہ وہ کسم کا رنگا ہوا ہو۔ ریشم ہو، یا زیور ہو اور خواہ پائجامہ ہو، قمیص ہو یا موزہ ہو۔ (ابوداؤد)

بعد ذالک (اس کے بعد) کا مطلب شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے تو احرام سے نکلنے کے بعد ہی لکھا ہے لیکن ملا علی قاری نے یہ معنی لکھے ہیں کہ ان مذکورہ چیزوں کے بعد یعنی حدیث میں جن چیزوں کے استعمال سے منع کیا گیا ہے ان کے علاوہ اور جس قسم

کا بھی کپڑا اچھا ہے پہنے۔

نیز ملا علی قاری نے یہ بھی لکھا ہے کہ (بعد ذالک کے یہ معنی مراد لینے کی صورت میں) حدیث سے بظاہر تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ احرام کی حالت میں زعفران کا رنگا ہوا کپڑا پہننا تو ممنوع ہے لیکن کسم کا رنگا ہوا کپڑا پہننا ممنوع نہیں جب کہ حنفیہ کے مسلک میں حالت احرام میں جس طرح زعفرانی کپڑا پہننا ممنوع ہے اسی طرح کسم کا رنگا کپڑا پہننا بھی ممنوع ہے، چنانچہ خزانۃ الاکمل اور ولوالجی اور فقہ کی دوسری کتابوں میں یہی لکھا ہے کہ اگر کسی محرم نے زعفران یا کسم میں رنگا ہوا کپڑا ایک دن پہنا تو اس پر بطور جزاء دم واجب ہوتا ہے اور اگر ایک دن سے کم پہنا تو صدقہ لازم ہوگا، لہٰذا اول تو یہی بہتر ہے کہ بعد ذالک کے وہی معنی مراد لئے جائیں جو شیخ عبدالحق نے لکھے ہیں، یا پھر یہ تاویل کی جائے کہ حدیث میں کسم کا وہ رنگا ہوا کپڑا مراد ہے جو دھل چکا ہو اور جس میں خوشبو باقی نہ رہ گئی ہو۔

سلے ہوئے کپڑوں کی ممانعت کو عرف پر محمول کیا جائے گا:

حضرت نافع (تابعی) کہتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کو (حالت احرام میں ایک موقع پر) سردی لگنے لگی تو انہوں نے فرمایا کہ نافع رضی اللہ عنہ! مجھ پر کوئی کپڑا ڈال دو، چنانچہ میں نے ان کے بدن پر برساتی ڈال دی تو انہوں نے فرمایا کہ تم میرے بدن پر یہ برساتی ڈال رہے ہو؟ حالانکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے محرم کو اس کے پہننے سے منع فرمایا ہے (ابوداؤد)

حنفیہ کا مسلک یہ ہے کہ سلے ہوئے کپڑے کو اس طرح استعمال کرنا محرم کے لئے ممنوع ہے جس طرح اسے عام طور پر استعمال کیا جاتا ہے بصورت دیگر ممنوع نہیں ہے مثلاً برساتی عام طور پر پہنی جاتی ہے۔ اگر کوئی محرم اسے پہنے نہیں بلکہ ایسے ہی جسم پر ڈال لے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں جیسا کہ اس بارے میں پہلے بھی ذکر کیا جا چکا ہے۔ چنانچہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے برساتی کو اپنے جسم پر ڈال لینے سے بھی منع یا تو اس لئے فرمایا کہ وہ اپنے خیال کی بناء پر سلے ہوئے کپڑے کو مطلقاً کسی بھی استعمال کرنے سے اجتناب کرتے ہوں گے یا پھر یہ کہ نافع نے ان کا سر بھی ڈھانک دیا ہوگا۔ اس وجہ سے انہوں نے منع فرمایا۔

داڑھی یا سر کے بال مونڈھنے کی صورت دم وصدقے کا بیان

علامہ ابن عابدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ سر یا داڑھی کے چہارم بال یا زیادہ کسی طرح دُور کیے تو دَم ہے اور کم میں صدقہ اور اگر چند اتارے یا داڑھی میں کم بال ہیں، تو اگر چوتھائی کی مقدار ہیں تو کُل میں دَم ورنہ صدقہ۔ چند جگہ سے تھوڑے تھوڑے بال لیے تو سب کا مجموعہ اگر چہارم کو پہنچتا ہے تو دَم ہے ورنہ صدقہ ہے۔

پوری گردن یا پوری ایک بغل میں دَم ہے اور کم میں صدقہ اگرچہ نصف یا زیادہ ہو۔ یہی حکم زیرِ ناف کا ہے۔ دونوں بغلیں پوری مونڈائے، جب بھی ایک ہی دَم ہے۔

پورا سر چند جلسوں میں مونڈایا، تو ایک ہی دَم واجب ہے مگر جب کہ پہلے کچھ حصہ مونڈا کر اُس کا کفارہ ادا کر دیا پھر دوسرے جلسہ میں مونڈایا تو اب نیا کفارہ دینا ہوگا۔ یونہی دونوں بغلیں دو جلسوں میں مونڈائیں تو ایک ہی کفارہ ہے۔ سر مونڈایا اور دَم دیدیا پھر اسی جلسہ میں داڑھی مونڈائی تو اب دوسرا دَم دے۔ سر اور داڑھی اور بغلیں اور سارے بدن کے بال ایک ہی جلسہ میں مونڈائے تو

ایک ہی کفارہ ہے اور اگر ایک ایک عضو کے ایک ایک جلسہ میں تو اتنے ہی کفارے۔ سر اور داڑھی اور گردن اور بغل اور زیرِ ناف کے سوا باقی اعضا کے مونڈانے میں صرف صدقہ ہے۔ مونچھ اگر چہ پوری مونڈائے یا کتروائے صدقہ ہے۔

روٹی پکانے میں کچھ بال جل گئے تو صدقہ ہے، وضو کرنے یا کھجانے یا کنگھا کرنے میں بال گرے، اس پر بھی پورا صدقہ ہے اور بعض نے کہا دو تین بال تک ہر بال کے لیے ایک مٹھی اناج یا ایک ٹکڑا روٹی یا ایک چھوہارا۔)

اپنے آپ بغیر ہاتھ لگائے بال گر جائے یا بیماری سے تمام بال گر پڑیں تو کچھ نہیں۔ مُحرِم نے دوسرے مُحرِم کا سر مونڈا اس پر بھی صدقہ ہے، خواہ اُس نے اُسے حکم دیا ہو یا نہیں، خوشی سے مونڈایا ہو یا مجبور ہو کر اور غیر مُحرم کا مونڈا تو کچھ خیرات کر دے۔ غیر مُحرِم نے مُحرِم کا سر مونڈا اُس کے حکم سے یا بلا حکم تو مُحرِم پر کفارہ ہے اور مونڈنے والے پر صدقہ اور وہ مُحرِم اس مونڈنے والے سے اپنے کفارہ کا تاوان نہیں لے سکتا اور اگر مُحرِم نے غیر کی مونچھیں لیں یا ناخن تراشے تو مساکین کو کچھ صدقہ کھلا دے۔

مونڈنا، کترنا، موچنے سے لینا یا کسی چیز سے بال اُوڑانا، سب کا ایک حکم ہے۔ عورت پورے یا چہارم سر کے بال ایک پورے برابر کترے تو دَم دے اور کم میں صدقہ۔ (ردمحتار، عالمگیری، ابواب الجنایات فی الحج)

حالت احرام میں پچھنے لگوانے کا بیان

حضرت عبداللہ بن مالک رضی اللہ عنہ جو بحسینہ کے بیٹے ہیں، کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ کے راستے میں لحی جمل کے مقام پر بحالت احرام اپنے سر کے بیچوں بیچ سینگی کھنچوائی۔ (بخاری ومسلم)

مالک، حضرت عبداللہ کے باپ کا نام ہے اور بحسینہ ان کی ماں کا نام ہے گویا ابن بحسینہ، حضرت عبداللہ کی دوسری صفت ہے اسی لئے، عبداللہ بن مالک ابن بحسینہ، میں مالک کو تنوین کے ساتھ پڑھتے ہیں اور ابن بحسینہ، میں الف لکھا جاتا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب سر کے بیچوں بیچ پچھنے لگوائے تو سر مبارک کے بال کچھ نہ کچھ ضرور ٹوٹے ہوں گے لہٰذا یہ حدیث ضرورت پر محمول ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی عذر وضرورت کی بناء پر سر میں پچھنے لگوائے تھے، چنانچہ اگر محرم کسی ایسی جگہ پچھنے لگوائے جہاں بال ہوں تو اس پر فدیہ واجب نہیں ہوتا۔

اگر کوئی محرم سر کے بال چوتھائی حصہ سے کم منڈوائے یا پچھنے وغیرہ کی وجہ سے اس کے سر کے چوتھائی حصہ سے کم بال ٹوٹ جائیں تو اس پر صدقہ واجب ہوگا یعنی وہ بطور جزاء یا تو کسی بھوکے کے پیٹ بھر کھانا کھلا دے یا اسے نصف صاع گیہوں دے دے۔ اگر کوئی محرم بلا عذر چوتھائی سر سے زیادہ منڈوادے یا بلا عذر پچھنے لگوالے اور اس کی وجہ سے چوتھائی سر سے زیادہ بال ٹوٹ جائیں تو اس پر دم واجب ہوگا یعنی وہ بطور جزاء ایک بکری یا اس کی مانند کوئی جانور ذبح کرے اور اگر کوئی کسی عذر کی بناء پر چوتھائی سر سے زیادہ منڈوائے یا کسی عذر کی وجہ سے پچھنے لگوائے اور اس کی وجہ سے چوتھائی سر سے زائد بال ٹوٹ جائیں تو اسے تین چیزوں میں سے کسی ایک چیز کا اختیار ہوگا کہ چاہے تو وہ ایک بکری ذبح کرے، چاہے نصف صاع فی مسکین کے حساب سے چھ مسکینوں کو تین صاع گیہوں دے اور چاہے تین روزے رکھے خواہ تین روزے مسلسل رکھ لے یا متفرق طور پر۔

اگر کوئی محرم پچھنے لگوانے کی وجہ سے محاجم یعنی پچھنوں کی جگہ سے بال منڈوائے تو اس صورت میں امام اعظم ابوحنیفہ کے

نزدیک تو اس پر دم واجب ہوگا اور صاحبین کے نزدیک صدقہ۔

پچھنوں کی جگہ سے گردن کے دونوں کنارے اور گدی مراد ہے، اس لئے اگر کوئی پوری گردن منڈوائے گا تو پھر متفقہ طور پر سب کے نزدیک اس پر دم واجب ہوگا اور اگر پوری سے کم منڈوائے گا تو صدقہ واجب ہوتا ہے! خود بخود بال ٹوٹنے سے کچھ بھی واجب نہیں ہوتا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے احرام کی حالت میں اپنے پیر کی پشت پر پچھنے لگوائے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے درد تھا۔ (ابوداؤد، نسائی)

پیر کی پشت پر چونکہ بال نہیں ہوتے اور وہاں پچھنے لگوانے سے بال ٹوٹنے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اس لئے اس حدیث میں کوئی اشکال نہیں ہے اور پھر یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک عذر یعنی درد کی وجہ سے یہ پچھنے لگوائے تھے۔

حالق ومحلوق کے فدیے کا بیان

علامہ بدرالدین عینی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ اگر کسی حلال نے حلق کیا یا محرم نے حلق کیا اور محلوق نے حکم نہ دیا تھا یا وہ سویا ہوا تھا یا وہ مجبور تھا یا اس پر غشی طاری تھی۔ تو دونوں اقوال میں سے صحیح قول یہ ہے حالق پر فدیہ ہے۔

حضرت امام مالک اور امام احمد علیہما الرحمہ نے بھی اسی طرح کہا ہے۔ کیونکہ تقصیر اسی کی طرف سے ہوئی ہے اور محلوق کی طرف سے کوئی تقصیر نہیں ہے۔

حضرت امام اعظم علیہ الرحمہ کا دوسرا مذہب ہے وہ فرماتے ہیں کہ محلوق پر فدیہ ہے۔ اور علامہ مزنی نے اسی کو اختیار کیا ہے۔

حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ کے نزدیک اگر محلوق نے حکم دیا تھا تو محلوق پر فدیہ ہے۔ اور حالق پر کچھ واجب نہیں ہے۔ یہ ان کا ایک قول ہے۔

حضرت امام مالک اور امام احمد علیہما الرحمہ نے بھی اسی طرح کہا ہے۔ کیونکہ حالق کے فعل کی اضافت اس کی طرف ہو خواہ وہ محرم ہو یا غیر محرم ہو۔ حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ نے فرمایا: مجبوری کی وجہ سے مواخذہ خارج ہو جاتا ہے۔ اور مجبوری نیند کے فعل سے بھی بڑی ہے۔

ہمارے نزدیک مجبوری سے حکم معصیت آخرت میں نہ ہوگا جبکہ دنیا میں فعل کا صدور ہو جاتا ہے۔ اور دنیاوی حکم اس پر صادر کیا جائے گا۔ (البنایہ شرح الہدایہ، ۵، ص، ۲۴۰، حقانیہ ملتان)

مونچھ یا ناخن کاٹنے پر وجوب صدقہ کا بیان

حضرت عطاء علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ مونچھ کا کاٹ لینا یا ناخن کاٹنا یہ محرم کے ممنوعات میں سے ہے۔ کیونکہ یہ ایک ہی چیز ہے اس میں مذاہب اربعہ میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ لہذا حضرت امام اعظم ابوحنیفہ، امام شافعی، امام مالک اور امام احمد کے نزدیک دم واجب ہے۔ (البنایہ شرح الہدایہ، ۵، ص، ۲۳۳، حقانیہ ملتان)

اس مسئلہ کی دوسری صورت یہ ہے کہ اس میں اتحاد مجلس اور اختلاف مجلس کا اعتبار کیا گیا ہے۔ لہذا اتحاد مجلس کی قید کے ساتھ

اس کو مقید کیا گیا ہے۔

ایک ہاتھ ایک پاؤں کے پانچوں ناخن کترے یا بیسوں ایک ساتھ تو ایک دَم ہے اور اگر کسی ہاتھ یا پاؤں کے پورے پانچ نہ کترے تو ہر ناخن پر ایک صدقہ، یہاں تک کہ اگر چاروں ہاتھ پاؤں کے چار چار کترے تو سولہ صدقے دے مگر یہ کہ صدقوں کی قیمت ایک دَم کے برابر ہو جائے تو کچھ کم کر لے یا دَم دے اور اگر ایک ہاتھ یا پاؤں کے پانچوں ایک جلسہ میں اور دوسرے کے پانچوں دوسرے جلسہ میں کترے تو دو دَم لازم ہیں اور چاروں ہاتھ پاؤں کے چار جلسوں میں تو چار دَم۔ اور اگر کوئی ناخن ٹوٹ گیا کہ بڑھنے کے قابل نہ رہا، اس کا بقیہ اُس نے کاٹ لیا تو کچھ نہیں۔

ایک ہی جلسہ میں ایک ہاتھ کے پانچوں ناخن تراشے اور چہارم سر مونڈا یا اور کسی عضو پر خوشبو لگائی تو ہر ایک پر ایک ایک دَم یعنی تین دَم واجب ہیں۔ مُحرِم نے دوسرے کے ناخن تراشے تو وہی حکم ہے جو دوسرے کے بال مونڈنے کا ہے۔ (منسک)

ناخن کے ٹوٹنے پر عدم دم کے وجوب کا بیان

صاحب ہدایہ نے محرم کے ناخن کو ٹوٹ جانے کی صورت میں اس کو حرم والے خشک درخت کے ساتھ مشابہ قرار دیا ہے اور حکم بھی اسی کے مطابق ہوگا کہ جس طرح وہاں کچھ واجب نہیں ہے اسی طرح ناخن کے ٹوٹنے پر بھی کچھ واجب نہ ہوگا۔ اور ان دونوں مسائل کے درمیان علت مشترکہ عدم نمو ہے کیونکہ وہ درخت خشک ہونے کے بعد بڑھنے والا نہیں ہے اور اسی طرح یہ ناخن بھی ٹوٹنے کے بعد بڑھنے والا نہیں ہے۔

علامہ بدرالدین عینی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں ابن منذر نے اشراف میں کہا ہے۔ کہ اس پر اہل علم کا اجماع ہے۔ کہ اپنے سے ٹوٹی چیز کو دور کرنے والا ہے۔ اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما۔ سعید بن مسیب، سعید بن جبیر، مجاہد، ابراہیم نخعی، سفیان ثوری، حمیدی، اسحاق اور ابو ثور نے اسی طرح کہا ہے۔

مذاہب فقہاء میں سے حضرت امام مالک، امام شافعی اور امام احمد علیہم الرحمہ نے بھی اسی طرح کہا ہے۔ اور احناف کا مؤقف تو صاحب ہدایہ کی عبارت سے واضح ہے۔ (البنائیہ شرح الہدایہ، ۵، ص ۲۴۸، حقانیہ ملتان)

وجوب دم والی جنایات کا بیان

فالتي توجب دما هي ما لو طيب محرم بالغ عضوا أو خضب رأسه بحناء أو ادهن بزيت ونحوه أو لبس مخيطا أو ستر رأسه يوما كاملا أو حلق ربع رأسه أو محجمه أو أبعد إبطيه أو عانته أو رقبته أو قص أظافر يديه ورجليه بمجلس او يدا أو رجلا او ترك واجبا مما تقدم بيانه وفي أخذ شاربه حكومة۔

ترجمہ

وہ جنایات جن کے سبب دم لازم آتا ہے۔ (۱) جب محرم نے مکمل عضو پر خوشبو لگائی (۲) سر پر مہندی لگائی (۳) سر پر زیتون

وغیر کا تیل لگایا(۴) سارا دن سلہ ہوا کپڑا پہن رکھا(۵) پورا دن سر کا ڈھانپ رکھا(۶) چوتھائی سر کا حلق کروایا(۷) حجامت کی جگہ کا حلق کروایا(۸) کسی ایک بغل کے بال صاف کیے(۹) زیر ناف بال مونڈ ڈالے(۱۰) گردن کے بال مونڈ دیئے(۱۱) دونوں ہاتھوں اور دونوں پاؤں کے ناخن ایک ہی مجلس میں کاٹ دیئے(۱۲) ایک ہاتھ یا ایک پاؤں کے ناخن تراشے(۱۳) کسی بھی واجب کو چھوڑ دیا ہے۔

وجوب صدقہ والی جنایات کا بیان

والتی توجب الصدقة بنصف صاع من بر أو قیمته هی ما لو طیب أقل من عضو أو لبس مخیطا أو غطی رأسه أقل من یوم أو حلق أقل من ربع رأسه أو قص ظفرا وکذا لکل ظفر نصف صاع إلا أن یبلغ المجموع دما فینقص ما شاء منه کخمسة متفرقة وطاف للقدوم أو الصدر محدثا وتجب شاة ولو طاف جنبا أو ترك شرطا من طواف الصدر وکذا لکل شوط من أقله حصاة من إحدی الجمار وکذا لکل حصاة فیما لم یبلغ رمی یوم وإلا إن لم یبلغ دما فینقص ما شاء أو حلق رأس غیره أو قص أظافره وإن تطیب أو لبس أو حلق بعذر تخیر بین الذبح أو التصدق بثلاثة أصوع علی ثلاثة مساکین أو صیام ثلاثة أیام۔

ترجمہ

وہ جنایات جن کے سبب صدقہ واجب ہوتا ہے اور وہ صدقہ نصف صاع گندم یا اس کی قیمت ہے۔(۱) عضو سے کم حصہ پر خوشبو لگائی(۲) پورے دن سے کم وقت میں سلہ ہوا کپڑا پہن لیا(۳) سر ڈھانپ لیا(۴) چوتھائی سے کم سر کا حلق کروایا(۵) کوئی ایک ناخن کاٹ دیا ہر ناخن کا کفارہ نصف صاع ہے لیکن جب مجموعہ دم تک پہنچ گیا تو جس قدر چاہے کم کر دے اور پانچ متفرق ناخن کاٹنے کا حکم بھی یہی ہے۔(۶) طواف قدوم بغیر وضو کیا(۷) طواف صدور بغیر وضو کیا اور اگر اس نے حالت جنابت میں طواف کیا ہے تو بکری کا دم واجب ہے۔(۸) طواف صدر کا کوئی ایک چکر چھوڑ دیا ہے۔ اسی طرح طواف صدر کے کم حصہ یعنی تین پھیروں میں سے ہر پھیرا ترک کرنے پر صدقہ ہے۔(۹) کسی جمرہ کی ایک کنکری چھوڑ دی ہے۔ ہر کنکری چھوڑنے پر الگ صدقہ ہے۔ جب تک پورے دن کی رمی تک نہ پہنچ جائے۔ اور جب بہت سی مجموعی کنکریوں کو چھوڑنے کا کفارہ دم تک پہنچ جائے تو اس کو اختیار ہے دم سے جس قدر چاہے کم کر دے۔(۱۰) کسی دوسرے شخص کے سر کا حلق کیا یا اس کا ناخن کاٹ دیا۔

طہارت کے طواف میں مستحب ہونے کا بیان

علامہ ابن قدامہ المقدسی رحمہ اللہ تعالی کہتے ہیں۔ طواف کی صحت کیلئے وضو شرط ہے، امام احمد سے مشہور یہی ہے اور امام مالک، امام شافعی رحمہما اللہ کا بھی یہی قول ہے۔

جمہور علماء کرام نے اس قول پر کئی ایک دلائل سے استدلال کیا ہے جن میں سے چند ایک یہ ہیں۔(۱) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

کافرمان ہے, بیت اللہ کا طواف نماز ہے, لیکن اس میں تم کلام کر سکتے ہو۔ سنن ترمذی رقم الحدیث، (960)

(۲) صحیحین میں عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا سے مروی ہے وہ بیان کرتی ہیں کہ, رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب طواف کرنے کا ارادہ کرتے تو آپ وضوء کرتے تھے۔ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے, مجھ سے اپنے مناسک حاصل کرلو (حج وعمرہ کا طریقہ حاصل کرلو) صحیح مسلم رقم الحدیث، (1297)

(۳) صحیحین میں ہے کہ جب عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا کو حیض آیا تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں فرمایا تھا, (تم حاجیوں والے سارے اعمال سرانجام دو لیکن پاک صاف ہونے سے قبل طواف نہ کرنا)۔

اس کا طواف صحیح نہیں، کیونکہ نماز کی طرح طواف کے صحیح ہونے کے لیے بھی طہارت (یعنی وضوء شرط ہے) تو اس لیے اسے مکہ جاکر بیت اللہ کا طواف کرنا چاہیے، اور اس کے لیے سعی بھی دوبارہ کرنا مستحب ہے، کیونکہ اکثر اہل علم طواف سے قبل سعی کرنا جائز قرار نہیں دیتے، اس لیے طواف اور سعی کرنے کیبعد وہ اپنے سر کے بال کاٹ کر احرام سے حلال ہو جائے گی۔

اور اگر وہ شادی شدہ ہے اور اس کے خاوند اس سے ہم بستری کرلی ہےتو اس کے خاوند پر دم لازم آتا ہے کہ وہ ایک بکرا مکہ میں ذبح کر کے وہاں کے فقراء میں تقسیم کرے، اور اس عورت کو چاہیے کہ وہ اس میقات سے احرام باندھ کر نیا عمرہ کرے جہاں سےاس نے پہلے عمرہ کا احرام باندھا تھا، کیونکہ پہلا عمرہ جماع کی وجہ سے فاسد ہو چکا ہے۔

لھذا اس عورت کے ذمہ ہے وہ وہی عمل کرے جو ہم نے ذکر کیے ہیں اور پھر اسی میقات سے عمرہ کا حرام باندھے جہاں سے پہلے عمرہ کا احرام باندھا تھا، چاہے اسی وقت یا حسب استطاعت کسی دوسرے اوقات میں یہ عمل کرے۔

جب انسان کا ہوا خارج ہونے یا پیشاب اور پاخانہ یا منی خارج ہونے ہو جانے کی بنا پر وضوء ٹوٹ جائے تو نماز کی طرح اس کا طواف بھی ختم ہو جائے گا تو صحیح یہی ہے کہ وہ جاکر وضوء کرے اور طواف دوبارہ کرے، اس مسئلہ میں اختلاف تو ہے لیکن نماز اور طواف سب میں صحیح یہی ہے کیونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے, (جب نماز میں تم میں سے کسی ایک کی ہوا خارج ہو جائے تو وہ جاکر وضوء کرے اور نماز لوٹائے) اسے ابوداود رحمہ اللہ تعالی نے روایت کیا ہے اور ابن خزیمہ رحمہ اللہ تعالی نے صحیح قرار دیا ہے۔ اور طواف بھی جنس نماز میں سے ہی ہے۔ (مجموع (17/216-217)

بعض علماء کرام کا کہنا ہے کہ طواف کیلیے وضوء شرط نہیں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالی کا مسلک یہی ہے اور ابن تیمیہ نے بھی اسے ہی اختیار کیا ہے، اور پہلے قول کے دلائل کو جواب دیتے ہوئے کہتے ہیں۔

جس حدیث میں یہ ذکر ہے کہ بیت اللہ کا طواف نماز ہے اس میں یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا قول نہیں, بلکہ صحیح یہ ہے کہ یہ قول ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما کا ہے، امام نووی رحمہ اللہ تعالی اپنی کتاب المجموع میں کہتے ہیں, صحیح یہ ہے کہ یہ ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما پر موقوف ہے، امام بیھقی اور حافظ وغیرہ رحمہم اللہ نے اسی طرح ذکر کیا ہے۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل کہ آپ نے باوضوء ہو کر طواف کیا ہے اس کے بارہ میں ان کا کہنا ہے کہ, یہ وجوب پر دلالت نہیں کرتا، بلکہ صرف استحباب پر دلالت کرتا ہے، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ عمل کیا تو ہے لیکن یہ وارد نہیں کہ آپ صلی اللہ

علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو اس کا حکم بھی دیا ہے۔

اور عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا کہ , (تم حاجیوں والے سارے کام سرانجام دو لیکن طہر سے قبل بیت اللہ کا طواف نہ کرنا) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انسے طواف کرنے سے اس لیے منع کیا تھا کہ وہ حائضہ تھیں، اور حائضہ عورت کیلیے مسجد میں داخل ہونا منع ہے۔

صدقہ سے کم وجوب والی جنایات کا بیان

والتي توجب أقل من نصف صاع فهي ما لو قتل قملة أو جرادة فيتصدق بما شاء -والتي توجب القيمة فهي ما لو قتل صيدا فيقومه عدلان في مقتله أو قريب منه،فإن بلغت هديا فله الخيار إن شاء اشتراه وذبحه أو اشترى طعاما وتصدق به لكل فقير نصف صاع أو صاع عن طعام كل مسكين يوما وإن فضل أقل من نصف صاع تصدق به أو صام يوما–

ترجمہ

اور وہ جنایات جو نصف صاع سے کم واجب کرتی ہیں پس جب اس نے جوں یا مکڑی ماردی تو جس قدر چاہے صدقہ کرے۔ اور وہ جنایات جو قیمت کو واجب کرتی ہیں۔

جب کسی نے کوئی شکار کیا تو دو عادل آدمی شکار کے مقتل اور اس کی قریبی جگہ کا اندازہ لگائیں گے۔ اور اگر اس کی قیمت قربانی کے جانور کی قیمت کے برابر ہو جائے تو اس کے لئے اختیار ہو گا کہ قربانی کا جانور خرید کر ذبح کر دے یا کھانا خرید کر ہر فقیر پر نصف صاع صدقہ کر دے۔ اور اگر وہ چاہے تو ہر فقیر کے صدقے یعنی نصف صاع کے بدلے میں ایک دن کا روزہ رکھے۔ اور اس آخری صورت پر عمل کرتے ہوئے اگر آخر میں نصف صاع سے کم رہ جائے تو اس کو صدقہ کر دے یا پھر پورے دن کا روزہ رکھے۔

نقصان کے بدلے قیمت کے واجب ہونے کا بیان

وتجب قيمة ما نقص بنتف ريشه الذى لا يطير به وشعره وقطع عضو لا يمنعه الامتناع به وتجب القيمة بقطع بعض قوائمه ونتف ريشه وكسر بيضه ولا يجاوز عن شاة بقتل السبع وإن صال لا شيء بقتله–

ولا يجزء الصوم بقتل الحلال صيد الحرم ولا بقطع حشيش الحرم وشجره النابت بنفسه وليس مما ينبته الناس بالقيمة وحرم رعي حشيش الحرم وقطعه إلا الإذخر والكمأة–

ترجمہ

نقصان پر قیمت واجب ہوتی ہے جب کسی نے پرندے کا ایسا پر اکھیڑ ڈالا ہے جس کے ساتھ وہ پرواز نہیں کرتا اور بال اکھیڑ

دیئے ہیں یا کوئی عضو کاٹ دیا ہے جس کے باوجود وہ اپنا دفاع کرسکتا ہے تو اب اس کی قیمت میں ان کٹے اعضاء کے سبب جس قدر قیمت کی واقع ہوگی وہ اس کاٹنے والے پر واجب ہوگی۔ اور جب اس کا پاؤں کاٹ ڈالا یا پر اکھیڑ دیا یا انڈہ توڑ دیا تو پوری قیمت واجب ہوگی۔ اور جب کسی درندے کو مار ڈالا ہے تو اس کا کفارہ بکری سے زیادہ نہیں ہوگا۔ اور اگر اس درندے نے حملہ کیا اور اس نے مار ڈالا ہے تو پھر کوئی چیز لازم نہ ہوگی۔ اور جب حرم کی حدود میں کسی غیر محرم نے شکار کیا ہے یا حرم کی گھاس کاٹی ہے یا وہاں خوردہ پودے کاٹے ہیں جن لوگ اگایا نہیں کرتے تو بھی قیمت ادا کرنا پڑے گی۔ جبکہ روزے سے کفارہ ادا نہ ہوگا۔ کیونکہ حرم کی گھاس چرانا اور اس کو کاٹنا حرام ہے ہاں جواذخر اور کھمبی ہے۔ اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

شرح

حضرت صعب رضی اللہ عنہ بن جثامہ کے بارہ میں مروی ہے کہ انہوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حمار وحشی (گورخر) بطور ہدی کے بھیجا جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مقام ابواء یا ودان میں کہ جو مکہ اور مدینہ کے درمیان واقع ہیں تشریف فرما تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے واپس کر دیا اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی وجہ سے ان کے چہرہ پر غم وافسوس کے آثار محسوس کئے تو فرمایا کہ ہم نے تمہارا ہدیہ اس لئے واپس کر دیا ہے کہ ہم احرام باندھے ہوئے ہیں۔

(بخاری و مسلم، مشکوٰۃ شریف: جلد دوم: رقم الحدیث، 1244)

بظاہر یہ حدیث ان حضرات کی دلیل ہے جو مطلق شکار کا گوشت کھانے کو محرم کے لئے حرام قرار دیتے ہیں اور چونکہ حنفیہ کا مسلک جو باب کی ابتداء میں ذکر کیا گیا ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے قول کے مطابق ہے اس لئے حنفیہ کے نزدیک اس حدیث کی مراد یہ ہے کہ زندہ گورخر بطور شکار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا گیا تھا اور چونکہ شکار قبول کرنا محرم کے لئے درست نہیں ہے اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے واپس کر دیا۔ لیکن پھر ایک اشکال اور پیدا ہوتا ہے اور وہ یہ کہ ایک روایت میں وضاحت کے ساتھ یہ منقول ہے کہ گورخر کا گوشت بھیجا گیا تھا، ایک روایت میں یہ بتایا گیا ہے کہ گورخر کی ران بھیجی گئی تھی، اسی طرح ایک روایت یہ بتاتی ہے کہ اس کا ایک ٹکڑا بھیجا گیا تھا۔ لہٰذا ان روایتوں کے پیش نظر یہ معلوم ہوتا ہے کہ زندہ گورخر نہیں بھیجا گیا تھا بلکہ یہاں حدیث میں بھی گورخر سے اس کا گوشت ہی مراد ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ پہلے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں زندہ گورخر ہی بھیجا گیا ہوگا جسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول نہیں کیا، پھر بعد میں دوسرے گورخر کی ران بھیجی گئی اسی کو کسی نے تو گوشت سے تعبیر کیا اور کسی نے اسے اس کا ٹکڑا کہا۔ اس بارہ میں حنفیہ کی بڑی دلیل یہ روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گورخر پیش کیا گیا جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مقام عرف میں تشریف فرما تھے اور احرام باندھے ہوئے تھے، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ اسے رفقاء میں تقسیم کر دو۔ مذکورہ بالا حدیث کے بارہ میں شافعیہ یہ کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس گورخر کو اس گمان کی بناء پر واپس کر دیا کہ بطور خاص میرے لئے شکار کیا گیا ہے۔

اذخر کی اجازت ہونے کا بیان

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے مکہ کو حرمت والا بنایا ہے مجھ سے پہلے بھی یہ کسی کے لیے حلال نہیں تھا اس لیے میرے بعد بھی وہ کسی کے لیے حلال نہیں ہوگا۔ میرے لیے صرف ایک دن گھڑی بھر حلال ہوا تھا اس لیے اس کی گھاس نہ اکھاڑی جائے اور اس کے درخت نہ کاٹے جائیں، اس کے شکار نہ بھڑ کائے جائیں اور نہ وہاں کی گری ہوئی چیز اٹھائی جائے۔ ہاں اعلان کرنے والا اٹھا سکتا ہے۔ (تا کہ اصل مالک تک پہنچا دے) حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اذخر کی اجازت دیجئے کیوں کہ یہ ہمارے سناروں اور ہماری قبروں کے لیے کام آتی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اذخر کی اجازت ہے۔ خالد نے روایت کیا کہ عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ تم جانتے ہو کہ شکار کو نہ بھڑ کانے سے کیا مراد ہے؟ اس کا مطلب یہ ہے کہ (اگر کہیں کوئی جانور سایہ میں بیٹھا ہوا ہے تو) اسے سایہ سے بھگا کر خود وہاں قیام نہ کرے۔ (صحیح بخاری، رقم ۱۸۳۳)

معلوم ہوا کہ حرم محترم کا مقام یہ ہے کہ جس میں کسی جانور تک کو بھی ستانا، اس کو اس کے آرام کی جگہ سے اٹھا دینا، خود اس جگہ پر قبضہ کر لینا یہ جملہ امور حرم شریف کے آداب کے خلاف ہیں۔ ایام حج میں ہر حاجی کا فرض ہے کہ وہاں دوسرے بھائیوں کے آرام کا ہر وقت خیال رکھے۔

البتہ خشک گھاس کاٹنے کی صورت میں قیمت واجب نہیں ہوتی لیکن اس کا کاٹنا بھی درست نہیں ہے۔!، اسی طرح کماۃ یعنی کھنبی (ایک قسم کا خودرو ساگ) بھی مستثنیٰ ہے کیونکہ یہ نباتات میں سے نہیں ہے! حضرت امام شافعی کے مسلک میں زمین حرم کی گھاس میں جانوروں کو چرانا بھی جائز ہے۔

فصل

﴿یہ فصل عدم دم والی چیزوں کے بیان میں ہے﴾

ولا شیء بقتل غراب واحد وعقرب وفأرة وحية و كلب عقور وبعوض ونمل وبرغوث وقرد وزلحفاة وما ليس بصيد۔

ترجمہ

کوا، چیل، بچھو، سانپ، پاگل کتا، مچھر، چیونٹی، پسو، چیچڑی، کچھوا اور وہ اشیاء جن کا شکار نہیں ہوتا ان کو مار ڈالنے کے سبب کچھ بھی لازم نہ ہوگا۔

حالت احرام میں جن جانوروں کو مارنا جائز ہے

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ احرام میں پانچ چیزوں کا مارنا جائز ہے چوہا بچھو کوا چیل اور کاٹنے والا کتا اس باب میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ابن عمر رضی اللہ عنہما، ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ابوسعید رضی اللہ عنہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما اسے روایت ہے امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے۔(جامع ترمذی، جلد اول، رقم الحدیث، 826)

حضرت ابوسعید سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا محرم کے لئے درندے کاٹنے والے کتے چوہے بچھو چیل اور کوے کو مارنا جائز ہے اما ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں یہ حدیث حسن ہے اہل علم کا اسی پر عمل ہے وہ کہتے ہیں کہ درندے اور کاٹنے والے کتے کو قتل کرنے میں کوئی حرج نہیں سفیان ثوری اور امام شافعی کا یہی قول ہے امام شافعی فرماتے ہیں کہ جو درندہ انسان یا جانور پر حملہ آور ہوتا ہو تو محرم کے لئے اس کو مارنا بھی جائز ہے۔(جامع ترمذی، جلد اول، رقم الحدیث، 827)

محرم کے لئے حملہ آور جانوروں کو مارنے کی اباحت کا بیان

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پانچ جانور ہیں جن کو حرم میں اور حالت احرام میں مارنا گناہ نہیں ہے (۱) چوہا۔ (۲) کوا (۳) چیل (۴) بچھو (۵) کٹ کھنا کتا۔ (بخاری و مسلم)

الغراب (کوا) سے مراد الغراب الابقع (ابلق کوا) یعنی وہ سیاہ سفید کوا ہے جو اکثر مردار اور نجاسات کھاتا ہے۔ چنانچہ اگلی روایت میں اس کی وضاحت بھی ہے۔ اس لئے وہ کوا مارنا جائز نہیں ہے جو کھیت کھلیاں کھاتا ہے اور جس کے پورے جسم کا رنگ تو

سیاہ اور چونچ و پاؤں کا رنگ سرخ ہوتا ہے۔

کٹ کھنے کتے کے حکم کے میں وہ تمام درندے جانور شامل ہیں جو حملہ آور ہوتے ہیں، ایسے تمام جانوروں کو حرم میں اور احرام کی حالت میں مارنا جائز ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایذاء پہنچانے والے پانچ جانور ہیں جن کو حدود حرم سے باہر بھی اور حدود حرم میں بھی مارا جا سکتا ہے (مارنے والا خواہ احرام کی حالت میں ہو خواہ احرام سے باہر ہو) سانپ، ابلق کوا، چوہا، کٹ کھنا کتا، چیل۔ (بخاری و مسلم)

اس کتے کو مارنا حرام ہے جس سے فائدہ حاصل ہوتا ہے، اسی طرح اس کتے کو بھی مارنا حرام ہے جس سے کوئی فائدہ حاصل نہ ہوتا ہو تو اس سے کوئی ضرر و نقصان بھی نہ پہنچتا ہو۔

فصل

یہ فصل قربانی کے بیان میں ہے

ہدی کی تعریف اور اس کا مصداق

ہدی ہا کے زبر اور دال کے سکون کے ساتھ، ان چوپایوں کو کہتے ہیں جو حرم میں طلب ثواب کی خاطر ذبح کئے جاتے ہیں، وہ بکری دنبہ، بھیڑ ہوں خواہ گائے، بھینس بیل اور خواہ اونٹ ہوں، اور عمر وغیرہ کی جو شرائط قربانی کے جانوروں میں ہوتی ہیں وہی ہدی میں بھی ہوتی ہیں۔ بکری اور اس کی مانند دوسرے جانور جیسے دنبہ اور بھیڑ کی قربانی یوں تو ہر موقع پر جائز ہے لیکن اگر کوئی شخص حالت جنابت یا حیض میں طواف الزیارۃ کرے یا کوئی شخص وقوف عرفات کے بعد سر منڈانے سے پہلے ہی جماع کرے تو اس صورت میں بطور کفارہ و جزاء قربانی کے لئے بکری کا ذبح کرنا کافی ہوگا بلکہ بدنہ یعنی اونٹ یا گائے کی قربانی کرنی ہوگی۔

ہدی کی دو قسمیں ہیں، (۱) واجب (۲) تطوع یعنی نفل، پھر ہدی واجب کی کئی قسمیں ہیں۔ ہدی قران، ہدی تمتع، ہدی جنایات، ہدی نذر اور ہدی احصار۔

ہدی کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ بندہ بارگاہ حق جل مجدہ میں اس جانور کی قربانی کا ہدیہ بھیجتا ہے اور اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی قربت حاصل کرتا ہے اس مناسبت سے اس جانور کو ہدی کہتے ہیں۔

قربانی کے جانوروں کا بیان

الهدى أدناه شاة وهو من الإبل والبقر والغنم وما جاز في الضحايا جاز في الهدايا والشاة تجوز في كل شيء إلا في طواف الركن جنبا ووطء بعد الوقوف قبل الحلق ففي كل منها بدنة وخص هدى المتعة والقران بيوم النحر فقط وخص ذبح كل هدى بالحرم إلا أن يكون تطوعا وتعيب في الطريق فينحر في محله ولا يأكله بمنى وفقير الحرم وغيره سواء وتقلد بدنة التطوع والمتعة والقران فقط ويتصدق بجلاله وخطامه ولا يعطى أجر الجزار منه ولا يركبه بلا ضرورة ولا يحلب لبنه إلا إن بعد المحل فيتصدق به وينضح ضرعه إن قرب المحل بالنقاح— ولو نذر حجا ماشيا لزمه ولا يركب حتى يطوف للركن فإن ركب أراق دما وفضل المشي على الركوب للقادر عليه وفقنا الله تعالى بفضله ومن علينا بالعود على أحسن حال إليه بجاه سيدنا محمد صلى الله عليه وسلم—

ترجمہ

قربانی میں کم از کم بکری ہو اور وہ اونٹ اور گائے اور بکری ہے۔اور جو جانور قربانی میں جائز ہیں وہی یہاں ہدی کے طور پر جائز ہیں۔اور بکری کی قربانی ہر چیز میں جائز ہے لیکن طواف رکن جب جنابت کی حالت میں کرے اور وقوف عرفہ کے بعد اور حلق کروانے سے پہلے وطی کر لے۔ان میں ہر ایک کے لئے بدنہ ہے۔

حج تمتع اور قران کی قربانی صرف ایام نحر کے ساتھ خاص ہے۔اور ہر قربانی حرم کے ساتھ خاص ہے لیکن نفلی قربانی خاص نہیں ہے جب راستے میں اس میں عیب پیدا ہو جائے تو اس کو وہاں ہی ذبح کر لے۔اور اس کو مالدار نہ کھائے۔فقراء حرم کے ہوں یا غیر حرم کے سب کے لئے ایک جیسا حکم ہے۔

اور نفلی قربانی خواہ تمتع والے کی ہو یا قران والے کی اس کے گلے میں قلادہ ڈالے۔اور اس کی جھول اور لگام کو صدقہ کرے۔اس سے قصائی کو مزدوری نہ دے۔اور قربانی کے جانور پر بغیر کسی ضرورت کے سوار نہ ہو اور نہ اس کا دودھ دوہے۔مگر جب مقام دور ہو تو اس کا دودھ دوہ کر صدقہ کر دے اور جب جگہ قریب ہے تو پھر اس کے تھنوں پر ٹھنڈا پانی مارے۔

اور جب کسی شخص نے پیدل حج کرنے کی منت مانی ہے تو اس پر پیدل حج کرنا لازم ہے اور وہ اس وقت تک سوار نہ ہو سکے گا جب تک طواف رکن نہ کر لے۔اور اگر وہ سوار ہوا تو دم دے یعنی بکری ذبح کرے گا۔سواری پر قدرت رکھنے والے شخص کے لئے پیدل حج کرنا افضل ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنے کرم سے ہم کو اچھائی کی توفیق دے اور ہمارے آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے ہم پر احسان فرمائے کہ ہم دوسری بار بہتر طریقے سے حج کر سکیں۔

افضل قربانی کے بارے میں فقہی بیان

جن جانوروں کی قربانی کا ذکر نص میں ملتا ہے ان میں اونٹ، گائے، بھیڑ بکری شامل ہیں، اور علماء کرام کا کہنا ہے کہ سب سے افضل قربانی اونٹ کی ہے، اس کے بعد گائے، اور اس کے بعد بکری کی، اور اس کے بعد اونٹ یا گائے کی قربانی میں حصہ ڈالنا، اس کی دلیل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا جمعہ کے بارہ میں مندرجہ ذیل فرمان ہے، (جو کوئی اول وقت میں جائے گویا کہ اس نے اونٹ کی قربانی کی ۔

حضرت امام ابوحنیفہ، امام شافعی، اور امام احمد رحمہم اللہ تعالیٰ نے بھی یہی کہا ہے، تو اس طرح بکرا و دنبہ، مینڈھے کی قربانی اونٹ یا گائے میں حصہ ڈالنے سے افضل ہے، اور امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں، مینڈھے کی قربانی افضل ہے اور اس کے بعد گائے اور اس کے بعد اونٹ کی قربانی افضل ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دو مینڈھے ذبح کیے تھے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم افضل کام ہی کرتے تھے۔اس کا جواب یہ ہے کہ، نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کی خیر خواہی کرتے ہوئے اولیٰ اختیار کرتے تھے اور امت کو مشقت میں ڈالنا پسند نہیں فرماتے تھے ۔گائے اور اونٹ کے سات حصے ہوتے ہیں لھذا مندرجہ ذیل حدیث کی بنا پر اس میں سات اشخاص شریک ہو سکتے ہیں۔

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ، ہم نے حدیبیہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سات آدمیوں کی جانب سے اونٹ اور سات ہی کی جانب سے گائے ذبح کی تھی۔

اور ایک روایت کے الفاظ ہیں، ہمیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ ہم اونٹ اور گائے میں سات سات افراد شریک ہو جائیں ۔اور ایک روایت کے الفاظ ہیں، تو گائے سات اشخاص کی جانب سے ذبح کی جاتی تھی اور ہم اس میں شریک ہوتے۔(صحیح مسلم، کتاب الاضحیہ)

گائے اونٹ کی قربانی کی فضیلت کا بیان

علامہ ابن قدامہ مقدسی حنبلی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ قربانی میں سب سے افضل اونٹ اور پھر گائے اور پھر بکرا اور پھر اونٹ یا گائے میں حصہ ڈالنا ہے، امام شافعی اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا قول یہی ہے، کیونکہ جمعہ کے متعلق رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے، ،جو شخص نماز جمعہ کے لیے پہلے وقت گیا گویا کہ اس نے اونٹ کی قربانی کی، اور جو شخص دوسرے وقت میں گیا گویا کہ اس نے گائے کی قربانی کی، اور جو شخص تیسرے وقت گیا گویا کہ اس نے سینگوں والا مینڈھا قربان کیا، اور جو شخص چوتھے وقت گیا گویا کہ اس نے مرغی قربان کی، اور جو شخص پانچویں وقت گیا گویا کہ اس نے انڈے کی قربانی کی۔صحیح بخاری رقم الحدیث،(881) صحیح مسلم رقم الحدیث،((850 وقت سے مراد گھڑی ہے۔

اور اس لیے بھی کہ جانور ذبح کرنے میں اللہ کا قرب حاصل کیا جاتا ہے اس لیے ھدی کی طرح سب افضل اونٹ کی قربانی ہوگی۔

اور اونٹ یا گائے میں حصہ ڈالنے سے بکرے کی قربانی کرنا اس لیے افضل ہے کہ قربانی کرنے کا مقصد خون بہانا ہے، اور ایک بکرے کا ایک شخص کی جانب سے خون بہانا سات افراد کی جانب سے ایک خون بہانے سے افضل ہے،

اور پھر مینڈھا قربانی کرنا بکرے سے افضل ہے، کیونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ نے خود بھی مینڈھا ذبح کیا ہے اور اس کا گوشت بھی اچھا ہوتا ہے۔(المغنی ابن قدامہ(13/366(-)

مینڈھے یا گائے کی قربانی کی فضیلت کا بیان

قربانی میں افضل اونٹ ہے، اور پھر گائے، اور پھر بکرا اور پھر اونٹ یا گائے میں حصہ ڈالنا افضل ہے؛ کیونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا جمعہ کے متعلق فرمان ہے، ،جو شخص پہلی گھڑی میں گیا گویا کہ اس نے اونٹ قربان کیا۔

وجہ دلالت یہ ہے کہ، اونٹ گائے، اور بکری اللہ کا قرب حاصل کرنے کے لیے قربان کرنے میں تفاضل یعنی فرق پایا جاتا ہے، اور بلا شک وشبہ قربانی سب سے بہتر چیز ہے جس سے اللہ کا قرب حاصل کیا جاتا ہے، اور اس لیے بھی کہ اونٹ کی قیمت بھی زیادہ ہے اور گوشت اور نفع بھی زیادہ ہے آئمہ ثلاثہ امام ابوحنیفہ، امام شافعی، اور امام احمد رحمہم اللہ کا قول یہی ہے۔

اور امام مالک رحمہ اللہ کا کہنا ہے کہ، بھیڑ میں سے جذعہ افضل ہے اور پھر گائے، پھر اونٹ افضل ہے، کیونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دو مینڈھے ذبح کیے تھے، اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم وہی کام کرتے ہیں جو سب سے افضل اور بہتر ہو۔

اس کا جواب یہ ہے کہ , بعض اوقات رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت پر نرمی اور شفقت کرتے ہوئے غیر اولی اور افضل چیز اختیار کرتے ہیں؛ کیونکہ امت نے ان کی پیروی واطاعت کرنا ہوتی ہے، اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان پر مشقت کرنا پسند نہیں فرماتے، اور اونٹ کی گائے پر فضیلت بیان بھی فرمائی جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے۔

گائے واونٹ میں سات آدمیوں کی شرکت کا بیان

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم نے صلح حدیبیہ کے موقع پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قربانی کی تو گائے اور اونٹ دونوں میں سات سات آدمی شریک ہوئے۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ صحابہ کرام اور دیگر علماء کا اس پر عمل ہے۔ سفیان ثوری، ابن مبارک، شافعی، احمد اسحاق کا بھی یہی قول ہے اسحاق فرماتے ہیں۔ کہ اونٹ دس آدمیوں کے لئے بھی کافی ہے ان کی دلیل حضرت ابن عباس کی مذکورہ بالا حدیث ہے۔ (جامع ترمذی, جلداول, رقم الحدیث، 1555)

اگر اونٹ یا گائے کی قربانی ہو تو اس میں حصہ ڈالا جا سکتا ہے، لیکن اگر بکری اور بھیڑ یا دنبہ کی قربانی کی جائے تو پھر اس میں حصہ نہیں ڈالا جا سکتا، اور ایک گائے یا ایک اونٹ میں سات حصہ دار شریک ہو سکتے ہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے حج یا عمرہ کی ھدی میں ایک اونٹ یا گائے میں سات افراد کا شریک ہونا سے ثابت ہے۔ امام مسلم رحمہ اللہ نے جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالی عنہما سے روایت کیا ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ ، ہم نے حدیبیہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک اونٹ اور ایک گائے سات سات افراد کی جانب سے ذبح کی تھی۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث، (1318)

اور ایک روایت میں ہے کہ جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالی عنہما بیا کرتے ہیں کہ , ہم نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حج کیا اور ایک اونٹ اور ایک گائے سات افراد کی جانب سے ذبح کی۔ اور ابو داود کی روایت میں ہے جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالی عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا , گائے سات افراد کی جانب سے ہے، اور اونٹ سات افراد کی جانب سے ہے۔ (سنن ابوداود رقم الحدیث، (2808)

امام نووی رحمہ اللہ مسلم کی شرح میں رقمطراز ہیں۔ ان احادیث میں قربانی کے جانور میں حصہ ڈالنے کی دلیل پائی جاتی ہے، اور علماء اس پر متفق ہیں کہ بکرے میں حصہ ڈالنا جائز نہیں، اور ان احادیث میں یہ بیان ہوا ہے کہ ایک اونٹ سات افراد کی جانب سے کافی ہوگا، اور گائے بھی سات افراد کی جانب سے، اور ہر ایک سات بکریوں کے قائم مقام ہے، حتی کہ اگر محرم شخص پر شکار کے فدیہ کے علاوہ سات دم ہوں تو وہ ایک گائے یا اونٹ نحر کر دے تو سب سے کفائت کر جائیگا۔

قربانی کی کھالوں کو اجرت میں دینے کی ممانعت کا بیان

حضرت علی کرم اللہ وجہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ہدایت فرمائی کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اونٹوں کی خبر گیری کروں، ان کے گوشت کو خیرات کر دوں اور ان کی کھالیں اور جھولیں بھی صدقہ کر دوں، اور یہ کہ قصائی کو ان میں سے کوئی چیز (بطور مزدوری) نہ دوں، نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ (مزدوری) ہم اپنے پاس سے دیں گے۔ (بخاری ومسلم)

اونٹوں سے مراد وہ اونٹ ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حجۃ الوداع میں بطور ہدی مکہ مکرمہ لے گئے تھے اور جن کی تعداد سو

تھی، اس کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔

ہدی کے جانور کی کھال، جھول اور مہار وغیرہ بھی خیرات کر دینی چاہیے، ان چیزوں کو قصائی کو مزدوری میں نہ دینا چاہیے ہاں اگر قصائی کو احساناً دیا جائے تو پھر کوئی مضائقہ نہیں۔ چاہے تو کھال ہی کسی کو صدقہ وخیرات کر دی جائے اور اگر اس کو فروخت کر کے جو قیمت ملے وہ صدقہ کر دی جائے تو یہ بھی جائز ہے۔

ہدی کا دودھ نہ نکالنا چاہیے بلکہ اس کے تھنوں پر ٹھنڈا پانی چھڑک دیا جائے تاکہ اس کا دودھ اترنا موقوف ہو جائے اور اگر دودھ نہ نکالنے سے جانور کو تکلیف ہو تو پھر دودھ نکال لیا جائے اور اسے خیرات کر دیا جائے۔

قربانی اللہ کی رضا کی لیے دی جاتی ہے اس لیے اس کی کھال اور گوشت وغیرہ بطور اجرت قصاب کو دینا منع ہے۔ اسی طرح کھال کو فروخت کر کے اس کے پیسے خود استعمال کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ ہاں کھال کا مشکیزہ وغیرہ بنا کر اس کو اپنے استعمال میں لایا جاسکتا ہے۔ امام حاکم علیہ الرحمہ روایت نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جس شخص نے قربانی کی کھال فروخت کی اس کی کوئی قربانی نہیں۔ (حاکم، المستدرک، ج ۲، ص ۳۸۹)

اس روایت کے مطابق کھال کو فروخت کر کے اپنے استعمال میں لانے کی ممانعت ہے۔ اسی طرح قصاب کی اس سے اجرت بھی جائز نہیں۔ سو قربانی کی کھال کو فروخت کرنا سخت ناپسند کیا گیا۔

آج کل بعض لوگ قربانی پر کثیر رقم خرچ کرتے ہیں مگر قصاب یا کسی شخص کو اجرت کے طور پر اس کی کھال یا گوشت دیتے ہیں یہ بالکل غلط ہے۔ سو قصاب کو اجرت اپنے پاس سے ادا کرنی چاہیے اور کھال یا اس کی قیمت کو مساکین وفقراء یا فلاحی کاموں میں خرچ کرنا چاہیے۔

قربانی کے جانور کے گلے میں ہار ڈالنے کا بیان

حضرت عباس فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانیوں کی اونٹنیوں کے گلوں میں قلادہ اور ہدی کو داہنی جانب سے زخمی کیا ذوالحلیفہ میں اور اس کا خون صاف کر دیا اس باب میں مسور بن مخرمہ سے بھی روایت ہے۔ امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں کہ ابن عباس کی حدیث حسن صحیح ہے۔ ابوحسان اعرج کا نام مسلم ہے،۔ علماء صحابہ اور دیگر اہل علم اسی حدیث پر عمل کرتے ہیں،۔ وہ اشعار کو سنت سمجھتے ہیں امام ثوری شافعی احمد اور اسحاق کا یہی قول ہے۔ (جامع ترمذی، جلد اول، رقم الحدیث، 896)

حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدی کے ہار کے لئے رسیاں بٹا کرتی تھی پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ تو احرام باندھا اور نہ کپڑے ہی پہننا ترک کیے امام ترمذی فرماتے ہیں یہ حدیث صحیح ہے بعض اہل علم کا اسی پر عمل ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے ہدی کے جانور کے گلے میں ہار ڈالتا ہے تو اس وقت اس پر سلے ہوئے کپڑے یا خوشبو حرام نہیں ہوتی جب تک کہ وہ احرام نہ باندھے بعض کہتے ہیں کہ ہدی کے گلے میں ہار ڈالنے (تقلید) کے ساتھ ہی اس پر وہ تمام چیزیں واجب ہو جاتی ہے جو محرم پر واجب ہوتی ہیں۔ (جامع ترمذی، جلد اول، رقم الحدیث، 898)

قریب المرگ ہدی کو دوسروں کے لئے ذبح کرنے کا بیان

حضرت ناجیہ خزاعی سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہدی مرنے کے قریب ہو تو کیا کروں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسے ذبح کرو پھر اس کے گلے کی جوتی کو اس کے خون میں ڈبو دو پھر اسے لوگوں کے کھانے کے لئے چھوڑ دو، اس باب میں حضرت ذویب، ابوقبیصہ خزاعی سے بھی روایت ہے امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں کہ حدیث ناجیہ حسن صحیح ہے اہل علم کا اسی پر عمل ہے کہ اگر نفلی قربانی کا جانور مرنے کے قریب ہو تو وہ خود یا اس کے دوست اس کا گوشت نہ کھائیں بلکہ دوسرے لوگوں کو کھلا دیں اس طرح اس کی قربانی ہو جائے گی امام شافعی احمد اور اسحاق کا یہی قول ہے وہ کہتے ہیں کہ اگر اس میں سے کچھ کھا لیا تو جتنا کھایا ہے تو اتنا ہی تاوان ادا کرے بعض اہل علم کہتے ہیں اگر اس گوشت میں سے کچھ کھا لیا تو اتنی قیمت ادا کرے۔ (جامع ترمذی، جلد اول، رقم الحدیث، 900)

فصل فی زیارة النبی صلی اللہ علیہ وسلم

یہ فصل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے بیان میں ہے

زیارت کے لغوی معنی ومفہوم کا بیان

عربی لغت میں ہر لفظ کا مادہ کم از کم سہ حرفی ہوتا ہے جس سے باقی الفاظ مشتق اور اخذ ہوتے ہیں۔ عربی لغت کے اعتبار سے زیارت کا معنی دیکھیں تو یہ لفظ زَارَ، یَزُوْرُ، زَوْرًا سے بنا ہے۔ جس کے اندر ملنے، دیکھنے، نمایاں ہونے، رغبت اور جھکاؤ کے معانی پائے جاتے ہیں۔ جب کوئی شخص کسی ایک جگہ سے دوسری جگہ کسی کی ملاقات کے لئے جائے تو اس میں اس شخص یا مقام کی طرف رغبت، رجحان اور جھکاؤ بھی پایا جاتا ہے اور بوقت ملاقات رؤیت بھی ہوتی ہے اس لئے اس عمل کو زیارت بھی کہا جاتا ہے۔

ائمہ لغت نے زَور کے درج ذیل معانی بیان کئے ہیں، زَارَ یَزُوْرُ زَوْرًا کا معنی ہے، اس نے فلاں شخص سے ملاقات کی یا فلاں کی طرف جانے کا ارادہ کیا۔ (زبیدی، تاج العروس، 477,6)

زیارت کا معنی ہے کسی سے ملنے کے لئے آنا۔ یہ لفظ زَور سے نکلا ہے جس کا معنی ہے سینہ کی ہڈیوں کی ملنے کی جگہ یا میلان، رجحان اور رغبت۔ (بطرس بستانی، محیط المحیط، 384)

محیط المحیط (ص، 384) میں زیارت کا معنی یوں بھی لکھا ہے، لفظ زیارۃ مصدر بھی ہے اور اسم بھی۔ جس کا معنی کسی جگہ اہالیان سے ملنے کے لئے جانا جیسے دوست احباب کی ملاقات یا دوسرا معنی کسی جگہ موجود آثار سے حصول برکت کے لئے جانا جیسے مقاماتِ مقدسہ کی زیارت کے لئے جانا۔

لغت کی معروف کتاب المصباح المنیر میں لکھا ہے، عرفِ عام میں زیارت سے مراد کسی شخص کے ادب واحترام اور اس سے محبت کی بناء پر اس کی ملاقات کے لئے جانا۔ (فیومی، المصباح المنیر فی غریب شرح الکبیر للرافعی، 260,1)

اسی سے مَزار ہے۔ جس کا معنی ہے وہ جگہ جس کی زیارت کی جائے۔ ابنِ منظور افریقی لکھتے ہیں، مزار سے مراد زیارت کرنے کا مقام ہے۔ (ابن منظور افریقی، لسان العرب، 333,4)

اسی سے زَائِر بھی ہے جس کا معنی ہے، زیارت کے لئے جانے والا شخص یا ملاقاتی۔

زیارت کے شرعی معنی ومفہوم کا بیان

قرآن وحدیث کی تعلیمات سے پتہ چلتا ہے کہ بعض ذواتِ عالیہ اور مقاماتِ مطہرہ کو اللہ تعالیٰ نے خصوصی نعمت ورحمت سے نوازا ہے اور ان کو دیگر مخلوق پر ترجیح دی ہے۔ ان بابرکت ذوات اور اماکنِ مقدسہ پر حاضری کے لئے جانا مشروع، مسنون،

مندوب اور مستحب عمل ہے، عرفِ عام میں اسی کو زیارت کہا جاتا ہے۔

زیارت کی اَقسام کا بیان

دینِ اسلام میں زیارت کا اس قدر جامع تصور ہے کہ ہر واجب الاحترام شخصیت، متبرک چیز اور مقام کو صرف اور صرف دیکھنا ہی عبادت کا درجہ رکھتی ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

النظر إلى الوالد عبادة، والنظر إلى الكعبة عبادة، والنظر في المصحف عبادة، والنظر إلى أخيك حباً له في الله عبادة۔

والد کی طرف دیکھنا عبادت ہے، کعبہ کی طرف دیکھنا عبادت ہے، قرآن حکیم کی طرف دیکھنا عبادت ہے اور اپنے بھائی کی طرف رضائے الٰہی کے لئے محبت کی نگاہ سے دیکھنا بھی عبادت ہے۔ بیہقی، شعب الایمان، 7،187، رقم 8760

مذکورہ حدیثِ مبارکہ میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جن کی طرف دیکھنے کو عبادت فرمایا یہ دراصل زیارت کی مختلف اقسام ہیں۔ ذیل میں ہم اس حدیث سمیت دیگر نصوص کی روشنی میں زیارت کی اقسام کا ذکر کر رہے ہیں جن میں سرِ فہرست زیارتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔

زیارتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت کا بیان

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مبارکہ میں بحالتِ ایمان آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کرنا افضل ترین عمل تھا۔ ایمان کی حالت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کرنے والے خوش نصیب لوگوں کو ہی مرتبہ صحابیت پر فائز ہونے کا شرف نصیب ہوا۔ یہ اتنا عظیم شرف اور امتیاز ہے جس پر قیامت تک کوئی اور شخص فائز نہیں ہوسکتا بے شک وہ پوری زندگی عبادت و ریاضت میں کیوں نہ صرف کر دے۔

ایسے خوش نصیب شخص کے بارے میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اُس مسلمان کو آگ نہیں چھوئے گی جس نے مجھے دیکھا (یعنی صحابی) یا مجھے دیکھنے والے کو دیکھا (یعنی تابعی)۔

(ترمذی، الجامع الصحیح، کتاب المناقب، باب ماجاء فی فضل من رأی النبی صلی اللہ علیہ وسلم وصحبہ، 5،694، رقم 3858)

اسی طرح بعد از وصال زیارتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شرعی حیثیت پر بھی اُمتِ مسلمہ کا اِجماع ہے۔ بعض ائمہ احناف اور مالکیہ کے علاوہ دیگر اہلِ سنت و جماعت کے مکاتب و مذاہب بھی اسے بعض حالات میں واجب قرار دیتے ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی فضیلت کا بیان

فصل في زيارة النبي صلى الله عليه وسلم على سبيل الاختصار تبعا لما قال في الاختيار، لما كانت زيارة النبي صلى الله عليه وسلم من أفضل القرب وأحسن المستحبات بل تقرب من

درجة ما لزم من الواجبات فإنه صلى الله عليه وسلم حرض عليها وبالغ في الندب إليها فقال ,،من وجد سعة ولم يزرني فقد جفاني، وقال صلى الله عليه وسلم ,،من زار قبري وجبت له شفاعتي، وقال صلى الله عليه وسلم ,،من زارني بعد مماتي فكأنما زارني في حياتي،، إلى غير ذلك من الأحاديث–

ترجمہ

مصنف علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ صاحب اختیار کے قول کے مطابق نہایت اختصار کے ساتھ یہ فصل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے بیان میں ہے۔ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سب سے افضل عبادت اور محبوب ترین عمل ہے۔ بلکہ اس کا مقام واجب کے درجات کے قریب ہے۔ کیونکہ اس کی ترغیب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دلائی ہے۔اور اس کے حصول کے لئے مبالغہ کیا ہے۔اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس کے بس میں ہو اور وہ میری زیارت نہ کرے تو اس نے مجھ سے بے وفائی کی۔

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس نے میری قبر کی زیارت کی اس کے لئے میری شفاعت واجب ہوگئی۔اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس نے میرے وصال کے بعد میری زیارت کی گویا اس نے میری زندگی میں میری زیارت کی۔اس کے علاوہ اور بھی بہت زیادہ احادیث ہیں۔

قرآن مجید کے مطابق زیارت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی دلیل کا بیان

قبرِ انور کی زیارت کی شرعی حیثیت پر اُمتِ مسلمہ کا اِجماع ہے۔کئی ائمہِ احناف کے نزدیک واجب ہے جبکہ ائمہِ مالکیہ کے نزدیک قطعی طور پر واجب ہے۔اُن کے علاوہ دیگر اہلِ سنت کے مکاتب و مذاہب بھی اُسے واجب قرار دیتے ہیں۔قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے واضح الفاظ میں اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضری کا حکم یوں فرمایا ہے۔

وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذ ظَّلَمُواْ أَنفُسَهُمْ جَآؤُوكَ فَاسْتَغْفَرُواْ اللّهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُواْ اللّهَ تَوَّابًا رَّحِيمًا○(النساء، 4 ,64)

اور (اے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم) اگر وہ لوگ جب اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھے تھے آپ کی خدمت میں حاضر ہو جاتے اور اللہ سے معافی مانگتے اور رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) بھی ان کے لیے مغفرت طلب کرتے تو وہ (اس وسیلہ اور شفاعت کی بناء پر) ضرور اللہ کو توبہ قبول فرمانے والا نہایت مہربان پاتے۔

اس آیتِ کریمہ کو فقط سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہری حیات پر محمول کرنا، جیسا کہ بعض لوگوں کا گمان ہے، نص قرآنی کا غلط اِطلاق اور قرآن فہمی سے ناآشنائی کی دلیل ہے۔ مذکورہ بالا آیت کی تفسیر کرتے ہوئے محدّثین و مفسرین نے بارگاہِ مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضری کو مطلق قرار دیا ہے۔حافظ ابنِ کثیر رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کی تفسیر کے تحت لکھتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے عاصیوں اور خطا کاروں کو ہدایت فرمائی ہے کہ جب ان سے خطائیں اور گناہ سرزد ہو جائیں تو انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر اللہ تعالیٰ سے اِستغفار کرنا چاہئے اور خود حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی عرض کرنا چاہئے کہ آپ صلی اللہ علیک وسلم ہمارے لئے دعا فرمائیں جب وہ ایسا کریں گے تو یقیناً اللہ تعالیٰ ان کی طرف رجوع فرمائے گا، انہیں بخش دے گا اور ان پر رحم فرمائے گا۔ اِسی لئے فرمایا گیا، لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيمًا (تو وہ (اِس وسیلہ اور شفاعت کی بناء پر) ضرور اللہ کو توبہ قبول فرمانے والا نہایت مہربان پاتے)۔

یہ روایت بہت سوں نے بیان کی ہے جن میں سے ابو منصور صباغ نے اپنی کتاب الحکایات المشہورۃ میں لکھا ہے، عُتبی کا بیان ہے کہ میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبرِ انور کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ ایک دیہاتی آیا اور اس نے کہا، السّلام علیک یا رسول اللہ! میں نے سنا ہے کہ اللہ پاک کا ارشاد ہے، اور (اے حبیب!) اگر وہ لوگ جب اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھے تھے آپ کی خدمت میں حاضر ہو جاتے اور اللہ سے معافی مانگتے اور رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) بھی اُن کے لئے مغفرت طلب کرتے تو وہ (اِس وسیلہ اور شفاعت کی بناء پر) ضرور اللہ کو توبہ قبول فرمانے والا نہایت مہربان پاتے ہ میں آپ صلی اللہ علیک وسلم کی خدمت میں اپنے گناہوں پر استغفار کرتے ہوئے اور آپ کو اپنے رب کے سامنے اپنا سفارشی بناتے ہوئے حاضر ہوا ہوں۔ پھر اس نے یہ اشعار پڑھے۔

اے مدفون لوگوں میں سب سے بہتر ہستی! جن کی وجہ سے میدان اور ٹیلے اچھے ہو گئے، میری جان قربان اس قبر پر جس میں آپ صلی اللہ علیک وسلم رونق افروز ہیں، جس میں بخشش اور جود و کرم جلوہ افروز ہے۔

پھر اعرابی تو لوٹ گیا اور مجھے نیند آ گئی، میں نے خواب میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے فرما رہے تھے، عُتبی! اعرابی حق کہہ رہا ہے، پس تو جا اور اُسے خوش خبری سنا دے کہ اللہ تعالیٰ نے اُس کے گناہ معاف فرما دیئے ہیں۔ (ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، 1,519-520)

اعرابی کا مذکورہ بالا مشہور واقعہ درج ذیل کتب میں بھی بیان کیا گیا ہے۔

1- بیہقی، شعب الإیمان، 3 , 495، 496، رقم , 41782- ابن قدامة، المغنی، 3 , 2983- نووی، كتاب الأذكار , 92، 934- سبكی، شفاء السقام فی زيارة خير الأنام , 46- 475- مقريزی، إمتاع الأسماع، 14 , 615)

اِمام قرطبی نے اپنی معروف تفسیر الجامع لاحکام القرآن 5), 265۔ 266) میں عتبیکی روایت سے ملتا جلتا ایک اور واقعہ یوں بیان کیا ہے، ابو صادق نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ہمارے سامنے ایک دیہاتی حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تدفین کے تین دن بعد مدینہ منورہ آیا۔ اس نے فرطِ غم سے اپنے آپ کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک پر گرا لیا۔ قبر انور کی مٹی اپنے اوپر ڈالی اور عرض کیا، اے اللہ کے رسول! صلی اللہ علیک وسلم آپ نے فرمایا اور ہم نے آپ صلی اللہ علیک وسلم کا قول مبارک سنا ہے، آپ صلی اللہ علیک وسلمنے اللہ سے احکامات لئے اور ہم نے آپ صلی اللہ علیک وسلم سے احکام لئے اور اُنہی میں سے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان بھی ہے، وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذ ظَّلَمُوا أَنفُسَهُمْ ۔ ۔ (اور (اے حبیب!) اگر وہ لوگ جب اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھے تھے۔۔۔)۔ میں نے بھی اپنے اوپر ظلم کیا ہے، آپ صلی اللہ علیک وسلم میرے لیے اِستغفار فرما دیں۔ اعرابی کی اِس (عاجزانہ اور

محبت بھری) التجاء پر اُسے قبر سے ندا دی گئی ،بیشک تمہاری مغفرت ہوگئی ہے۔(قرطبی، الجامع لأحکام القرآن، 265,5)

عتبیٰ کی اس روایت پر اکابر محدّثین کرام نے اعتماد کیا ہے۔امام نووی نے اسے اپنی معروف کتاب الایضاح کے چھٹے باب (ص,454، 455)میں، شیخ ابوالفرج بن قدامہ نے اپنی تصنیف الشرح الکبیر 3)،495)میں اور شیخ منصور بن یونس بہوتی نے اپنی کتاب کشاف القناع 5)،30)، جو مذہب حنبلی کی مشہور کتاب ہے، میں اسے نقل کیا ہے۔علاوہ ازیں تمام مذاہب کے اجل ائمہ وعلماء کا عتبی کی روایت کے مطابق دیہاتی کا روضۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر آکر مغفرت طلب کرنا ان کی کتابوں میں زیارۃِ روضۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم یا مناسکِ حج کے ذیل میں بیان ہوا ہے۔جن میں امام ابنِ کثیر، امام نووی، امام قرطبی، امام ابنِ قدامہ، امام سبکی، امام سیوطی، امام زرقانی سمیت کئی ائمہ شامل ہیں۔سوال یہ ہے کہ کیا ان اکابر محدّثین ومفسرینِ کرام نے کفر اور گمراہی کو نقل کیا ہے؟ یا (معاذ اللہ) وہ بات نقل کی ہے جو بت پرستی یا قبر پرستی کی غماز ہے؟ اگر ایسا تسلیم کرلیا جائے تو پھر کس امام کو معتبر اور کس کتاب کو ثقہ ومستند مانا جائے گا؟

لٰہذا جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا بعد از وصال اُمت کے لئے اِستغفار فرمانا ممکن ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اُمت کے حق میں انتہائی شفیق ورحیم ہونا نصوصِ قرآن وسنت سے ثابت اور متحقق ہے تو یہ امر قطعًا وحتمًا معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بعد از وصال بھی روضۂ مبارک پر حاضرِ خدمت ہونے والوں کو محروم نہیں فرماتے۔ اِرشادِ باری تعالیٰ ہے،

وَ مَنْ يَخْرُجْ مِنْم بَيْتِه مُهَاجِرًا إِلَى اللهِ وَ رَسُوْلِه ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ أَجْرُه عَلَى اللهِ—النساء، 4، 100)

اور جو شخص بھی اپنے گھر سے اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف ہجرت کرتے ہوئے نکلے، پھر اسے (راستے میں ہی) موت آ پکڑے تو اس کا اجر اللہ کے ذمہ ثابت ہوگیا۔

آیتِ مقدسہ کی روشنی میں یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد جو شخص اپنے نہاں خانہ دل میں گنبد خضراء کے جلوؤں کو سمیٹنے کی نیت سے سفر اختیار کرتا ہے اس پر بھی اسی ہجرت الی الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کا اِطلاق ہوتا ہے۔

احادیث کے مطابق زیارت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی دلیل کا بیان

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف طریقوں سے اَزرَہِ شان وفضیلت کہیں اپنے روضۂ اَقدس، کہیں اپنے مسکن مبارک اور کہیں اپنے منبرِ اَقدس کی زیارت کی ترغیب دی ہے۔اس شان وفضیلت کو بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ اُمت میں اِن مقاماتِ مقدسہ کی زیارت کا شوق اور رغبت پیدا ہو۔ذیل میں قبرِ انور کی فضیلت بزبانِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم ملاحظہ کریں۔

روضۂ اَطہر کی فضیلت کا بیان

1-حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَا بَيْنَ بَيْتِي وَمِنْبَرِي رَوْضَةٌ مِنْ رِيَاضِ الْجَنَّةِ، وَمِنْبَرِي عَلَى حَوْضِي—

میرے گھر اور منبر کی درمیانی جگہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے، اور (روزِ قیامت) میرا منبر میرے حوضِ (کوثر) پر ہوگا۔

1- بخاری، الصحیح، کتاب الجمعة، باب فضل ما بین القبر والمنبر، 1، 399، رقم، 11382- مسلم، الصحیح، کتاب الحج، باب ما بین القبر والمنبر، 2، 1011، رقم، 1391

2- ابو صالح ذکوان سمان نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث اِن الفاظ کے ساتھ نقل کی ہے۔

مِنْبَرِی هٰذَا عَلَی تُرْعَةٍ مِنْ تُرَعِ الْجَنَّةِ، وَمَا بَيْنَ حُجْرَتِي وَمِنْبَرِی رَوْضَةٌ مِنْ رِيَاضِ الْجَنَّةِ۔

میرا یہ منبر جنت کی نہروں میں سے ایک نہر (کوثر کے کنارے) پر (نصب) ہوگا اور میرے گھر اور منبر کی درمیانی جگہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے۔ (احمد بن حنبل، المسند، 2،534)

3- محمد بن منکدر بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کو روضۂ اَطہر کے پاس روتے ہوئے دیکھا۔ وہ کہہ رہے تھے، یہی وہ جگہ ہے جہاں (محبوبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی یاد میں) آنسو بہائے جاتے ہیں۔ میں نے خود حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے۔

مَا بَيْنَ قَبْرِی وَمِنْبَرِی رَوْضَةٌ مِنْ رِيَاضِ الْجَنَّةِ۔

میری قبر اور منبر کی درمیانی جگہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے۔ (بیہقی، شعب الایمان، 3، 491، رقم 4163)

4- اُم المؤمنین حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

قَوَائِمُ مِنْبَرِی رَوَاتِبُ فِي الْجَنَّةِ۔

میرے اس منبر کے پائے جنت میں پیوست ہیں۔

1- نسائی، السنن الکبریٰ، 1، 257، رقم، 7752- أحمد بن حنبل، المسند، 6، 2893- عبد الرزاق، المصنف، 3، 182، رقم، 5242

یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ اِمام بخاری اور اِمام مسلم جیسے اَجل ائمہِ حدیث نے اپنی کتب میں روضۂ اَطہر اور منبر مبارک کی درمیانی جگہ کی فضیلت سے متعلق اَحادیث بیان کرتے ہوئے اُس کا عنوان اِس طرح قائم کیا ہے۔ اِمام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے الصحیح (1، 399) میں کتاب التطوع کے باب نمبر 18 کا عنوان فَضْلُ مَا بَيْنَ الْقَبْرِ وَالْمِنْبَرِ رکھا ہے۔ اِمام مسلم نے الصحیح (2، 1010) میں کتاب الحج کے باب نمبر 92 کا عنوان مَا بَيْنَ الْقَبْرِ وَالْمِنْبَرِ رَوْضَةٌ مِنْ رِيَاضِ الْجَنَّةِ رکھا ہے۔

اِن اَحادیثِ مبارکہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی قبرِ انور کی نشاندہی کرتے ہوئے خود فرما دیا کہ میری قبرِ اَنور میری اَزواجِ مطہرات کے گھروں میں ہے، لہٰذا مَا بَيْنَ بَيْتِي کے الفاظ میں معناً قبرِ اَنور مراد ہے، جبکہ قبرِ اَنور کا ذکر لفظاً (مَا بَيْنَ قَبْرِی) بھی آیا ہے، اور اُن کی زیارت کے لئے جانا ایسا ہے جیسے کوئی شخص جنت میں جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرونِ اولیٰ سے لے کر آج تک زیارتِ قبرِ انور کی نیت سے سفر کرنا اُمتِ مسلمہ کا پسندیدہ اور محبوب عمل رہا ہے۔ ایسا محبوب عمل جس کی ادائیگی تو کجا اس کی محض یاد بھی

موجب برکت وسعادت ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے زیارتِ روضۂ اَطہر کی ترغیب

خود سید العالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ارشاداتِ گرامی میں روضۂ اقدس کی زیارت کی ترغیب دی اور زائر کے لئے شفاعت کا وعدہ فرمایا ہے۔

1۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے روضۂ اَطہر کی زیارت کے حوالے سے اِرشاد فرمایا، جسے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے روایت کیا ہے۔

مَنْ زَارَ قَبْرِی، وَجَبَتْ لَهُ شَفَاعَتِی۔

جس نے میری قبر کی زیارت کی اُس کے لئے میری شفاعت واجب ہوگئی۔

1۔ دارقطنی، السنن، 2، 2782۔ حکیم ترمذی، نوادر الأصول، 2، 673۔ بیہقی، شعب الإیمان، 3، 490، رقم، 4159، 4160

4۔ ذہبی نے میزان الاعتدال 6)، 567) میں کہا ہے کہ اسے حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ نے مرفوعاً روایت کیا ہے اور ابنِ خزیمہ نے مختصر المختصر میں نقل کیا ہے۔ ایک دوسری روایت میں حلّت لہ شفاعتی کے الفاظ بھی ہیں۔ امام نبہانی رحمۃ اللہ علیہ شواہد الحق فی الاستغاثہ بسید الخلق (ص، 77) میں لکھتے ہیں کہ ائمہ حدیث کی ایک جماعت نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ امام سبکی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کی چند اِسناد بیان کرنے اور جرح وتعدیل کے بعد فرماتے ہیں۔ مذکورہ حدیث حسن کا درجہ رکھتی ہے۔ جن احادیث میں زیارتِ قبرِ انور کی ترغیب دی گئی ہے ان کی تعداد دس سے بھی زیادہ ہے، اِن احادیث سے مذکورہ حدیث کو تقویت ملتی ہے اور اِسے حسن سے صحیح کا درجہ مل جاتا ہے۔ (شفاء السقام فی زیارۃ خیر الأنام، 3، 11) عبد الحق اِشبیلی نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ امام سیوطی نے مناہل الصفا فی تخریج احادیث الشفا (ص، 71) میں اسے صحیح کہا ہے۔ شیخ محمود سعید ممدوح رفع المنارہ (ص، 318) میں اس حدیث پر بڑی مفصل تحقیق کے بعد لکھتے ہیں کہ یہ حدیث حسن ہے اور قواعدِ حدیث بھی اِسی رائے پر دلالت کرتے ہیں۔

اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اقدس کے زائر پر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت محقق اور لازم ہوگئی یعنی اللہ تعالیٰ سے زائر کی معافی ودرگزر کی سفارش کرنا لازم ہوگیا۔

2۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

مَنْ زَارَنِی بِالْمَدِینَةِ مُحْتَسِبًا کُنْتُ لَهُ شَهِیدًا وَشَفِیعًا یَوْمَ الْقِیَامَةِ۔

جس شخص نے خلوصِ نیت سے مدینہ منورہ حاضر ہوکر میری زیارت کا شرف حاصل کیا، میں قیامت کے دن اس کا گواہ ہوں گا اور اس کی شفاعت کروں گا۔

1۔ بیہقی، شعب الإیمان، 3، 490، رقم، 41572۔ سبکی، شفاء السقام فی زیارۃ خیر الأنام، 283۔ مقریزی، إمتاع

الأسماء، 14 ، 614عسقلانی نے تلخیص الحبیر 2) ، 267) میں اسے مرفوع کہا ہے۔

3-حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ تاجدارِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

مَنْ جَاءَ نِي زَائِرًا لَا يَعْمَلُهُ حَاجَةً إِلَّا زِيَارَتِي، كَانَ حَقًّا عَلَيَّ أَنْ أَكُونَ لَهُ شَفِيعًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔

جو بغیر کسی حاجت کے صرف میری زیارت کے لیے آیا اُس کا مجھ پر حق ہے کہ میں روزِ قیامت اُس کی شفاعت کروں۔

1- طبرانی، المعجم الکبیر، 12 ، 225، رقم ، 131492- طبرانی، المعجم الأوسط، 5 ، 275، 276، رقم ، 45433-

ھیثمی، مجمع الزوائد، 4 ، 2،4- ذھبی نے میزان الاعتدال 6) ، 415) میں اسے مرفوع کہا ھے۔

ابن السکن نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔انہوں نے اپنی کتاب السنن الصحاح ماثورۃ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خطبہ میں اس کتاب میں نقل کردہ روایات کو بالاجماعِ ائمہ حدیث کے نزدیک صحیح قرار دیا ہے۔ اِس حدیثِ مبارکہ کو اُنہوں نے کتاب الحج میں باب ثواب من زار قبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں بھی نقل کیا ہے۔

4-حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ہادیء برحق صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے۔

مَنْ زَارَ قَبْرِي، أَوْ قَالَ ، مَنْ زَارَنِي كُنْتُ لَهُ شَفِيعًا أَوْشَهِيدًا، وَ مَنْ مَاتَ فِي أَحَدِ الْحَرَمَيْنِ بَعَثَهُ اللهُ مِنَ الآمِنِيْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔

جس نے میری قبر (یا راوی کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،) میری زیارت کی میں اس کا شفیع یا گواہ ہوں گا اور جو کوئی دو حرموں میں سے کسی ایک میں فوت ہوا اللہ تعالیٰ اُسے روزِ قیامت ایمان والوں کے ساتھ اٹھائے گا۔

1- طیالسی، المسند، 12، 13، رقم ، 652- دارقطنی، السنن، 2 ، 2783- بیہقی، السنن الکبریٰ، 5 ، 245، رقم ، 10053

5-حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ حضور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمانِ اقدس ہے،

مَنْ حَجَّ فَزَارَ قَبْرِي بَعْدَ وَفَاتِي، فَكَأَنَّمَا زَارَنِي فِي حَيَاتِي۔

جس نے حج کیا پھر میری وفات کے بعد میری قبر کی زیارت کی تو گویا اُس نے میری زندگی میں میری زیارت کی۔

1- دارقطنی، السنن، 2 ، 2782- طبرانی، المعجم الکبیر، 12 ، 310، رقم ، 134973- طبرانی، المعجم الأوسط، 4 ، 223، رقم ، 3400،4- خطیب تبریزی نے مشکوٰۃ المصابیح 2) ، 128، کتاب المناسك، رقم ، 2756) میں اسے مرفوع حدیث قرار دیا ھے۔

جو لوگ اپنے باطل عقیدے کی بناء پر حدیث لاتشدّ الرّحال سے غلط استدلال کرتے ہوئے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہِ اقدس میں حاضری کی نیت سے جانے کے ساتھ ساتھ انبیاء و صالحین کے مزارات کی زیارت سے منع کرتے ہیں اور اسے (معاذ اللہ) سفرِ معصیت و گناہ اور شرک قرار دیتے ہیں وہ بلاشبہ صریح غلطی پر ہیں۔صحیح عقیدہ وہی ہے جو قرآن و حدیث سے ثابت ہے جس کا ذکر گزشتہ صفحات میں ہوا۔صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عمل سے یہ ثابت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اقدس کی

حاضری بلند درجہ باعث ثواب اعمال میں سے ہے۔ نیز قرونِ اولیٰ سے لے کر آج تک اہلِ اسلام کا یہ معمول ہے کہ وہ ذوق وشوق سے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضری کے لئے جاتے ہیں اور اسے دنیا و مافیہا سے بڑھ کر عظیم سعادت وخوش بختی سمجھتے ہیں۔

اِستطاعت کے باوجود زیارت نہ کرنے پر وعید

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمانِ اَقدس ہے۔

مَنْ حَجَّ الْبَيْتَ وَ لَمْ يَزُرْنِي فَقَدْ جَفَانِي۔

جس نے بیت اللہ کا حج کیا اور میری (قبرِ اَنور کی) زیارت نہ کی تو اس نے میرے ساتھ جفا کی۔

1- سبکی، شفاء السقام فی زیارة خیر الأنام , 212- ابن حجر مکی، الجوهر المنظم , 28٬3- نبهانی، شواهد الحق فی الاستغاثة بسید الخلق , 82

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان بڑا واضح ہے۔ اِس میں اُمتِ مسلمہ کے لئے کڑی تنبیہ بھی ہے کہ جس مسلمان نے حج کی سعادت حاصل کی مگر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضری نہ دی اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جفا کی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لطف وکرم سے محروم ہوا جبکہ زائرِ روضۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو شفاعت کا منفرد اعزاز نصیب ہوگا۔ اس حوالے سے اِمام سبکی شفاء السقام فی زیارۃ خیر الانام (ص, 11) میں لکھتے ہیں۔

روضۂ اقدس کی زیارت کرنے والے عشاق کو وہ شفاعت نصیب ہوگی جو دوسروں کے حصہ میں نہیں آئے گی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ زائرینِ قبرِ اَنور ایک خاص شفاعت کے مستحق قرار دیئے جائیں گے اور اُنہیں بالخصوص یہ منفرد اِعزاز حاصل ہوگا۔ اس سے یہ مراد بھی لی جاسکتی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبرِ اَنور کی زیارت کی برکت کے باعث شفاعت کے حقدار ٹھہرنے والے عمومی افراد میں زائر کا شامل ہونا واجب ہوجاتا ہے۔ بشارت کا فائدہ یہ بھی ہوگا کہ قبرِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا زائر حالتِ اِیمان پر اس جہانِ فانی سے رخصت ہوگا۔ یہاں اس اَمر کی وضاحت ضروری ہے کہ فرشتے اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے مقرب بندے بھی شفاعت کرنے کا اعزاز رکھتے ہیں، لیکن حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبرِ انور کی زیارت کے شرف سے مشرف ہونے والوں کا اعزاز یہ ہے کہ خود آقا صلی اللہ علیہ وسلم اُن کی شفاعت فرمائیں گے۔

حیاتِ مبارکہ میں صحابہ کرام کے معمول زیارت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا بیان

یہ حقیقت ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اوّل تا آخر محبوبِ ربّ العالمین صلی اللہ علیہ وسلم سے والہانہ محبت کرتے تھے اسی محبت کا کرشمہ تھا کہ نہ اُنہیں اپنی جان کی پروا تھی، نہ مال واولاد کی۔ وہ دنیا کی ہر چیز سے بڑھ کر اپنے آقا ومولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو عزیز جانتے تھے۔ ان کی اسی طاقت نے اُنہیں ہر طوفان سے ٹکرانے اور ہر مشکل سے سرخرو ہونے کا ہنر سکھایا۔ انہوں نے جس والہانہ عشق ومحبت کا مظاہرہ کیا انسانی تاریخ آج تک اس کی نظیر پیش کرسکی اور نہ قیامت تک اس بے مثال محبت کے مظاہر دیکھنے ممکن ہوں گے۔ اُن کی محبتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ عالم تھا کہ وہ صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت

سے ہی اپنی بھوک پیاس کو بجھا لیتے تھے اور حالتِ نماز میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تکتے رہتے تھے۔

کتبِ احادیث و سیر میں متعدد واقعات کا ذکر ہے جو انفرادی و اجتماعی طور پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو پیش آئے۔ یہ واقعات اِس اَمر کی غمازی کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عشاق صحابہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار سے زندگی کی حرارت پاتے تھے۔ انہیں محبوب صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک لمحہ کی جدائی بھی گوارا نہ تھی۔ ان مشتاقانِ دید کے دل میں ہر لمحہ یہ تمنا دھڑکتی رہتی تھی کہ ان کا محبوب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کبھی بھی ان سے جدا نہ ہو اور وہ صبح و شام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے اپنے قلوب و اذہان کو راحت و سکون بہم پہنچاتے رہیں۔ ذیل میں اسی لازوال محبت کے چند مستند واقعات کا ذکر کیا جائے گا۔

صحابہ کی نماز اور زیارتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا حسین منظر

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مرضِ وصال میں جب تین دن تک حجرہ مبارک سے باہر تشریف نہ لائے تو وہ نگاہیں جو روزانہ زیارتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے مشرف ہوا کرتی تھیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک جھلک دیکھنے کو ترس گئیں۔ جاں نثارانِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سراپا انتظار تھے کہ کب ہمیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار نصیب ہوتا ہے۔ بالآخر وہ مبارک و مسعود لمحہ ایک دن حالتِ نماز میں انہیں نصیب ہو گیا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایامِ وصال میں جب نماز کی امامت کے فرائض سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے سپرد تھے۔ پیر کے روز تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کی اقتدا میں حسبِ معمول باجماعت نماز ادا کر رہے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قدرے افاقہ محسوس کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حجرہ مبارک سے مسجدِ نبوی میں جھانک کر گویا اپنے غلاموں کو صدیق کی اقتداء میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھ کر اظہارِ اطمینان فرما رہے تھے۔ روایت کے الفاظ یہ ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے حجرۂ مبارک کا پردہ اٹھا کر کھڑے کھڑے ہمیں دیکھنا شروع فرمایا۔ (ہم نے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی تو یوں لگا) جیسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرۂ انور کھلا ہوا قرآن ہو، پھر مسکرائے۔

1- بخاری، الصحیح، کتاب الأذان، باب أهل العلم والفضل أحق بالإمامة، 1 , 240، رقم , 648، 2- مسلم، الصحیح، کتاب الصلاة، باب استخلاف الإمام إذا عرض له عذر من مرض وسفر، 1 , 315، رقم , 419، 3- ابن ماجه، السنن، کتاب الجنائز، باب في ذکر مرض رسول الله صلی الله علیه وسلم، 1 , 519، رقم , 1624، 4- أحمد بن حنبل، المسند، 3 , 163

حضرت انس رضی اللہ عنہ اپنی کیفیت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار کی خوشی میں قریب تھا کہ ہم لوگ نماز چھوڑ بیٹھتے۔ چنانچہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنی ایڑیوں پر پیچھے پلٹے تا کہ صف میں شامل ہو جائیں اور انہوں نے یہ سمجھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے لیے باہر تشریف لانے والے ہیں۔

1- بخاری، الصحیح، کتاب الأذان، باب أهل العلم والفضل أحق بالإمامة، 1 , 240، رقم , 648، 2- بیهقی، السنن الکبری، 3 , 75، رقم , 4825، 3- عبد الرزاق، المصنف، 5 , 433

ان پرکیف لمحات کی منظر کشی روایت میں یوں کی گئی ہے۔ جب (پردہ ہٹا اور) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرۂ انور سامنے آیا تو یہ اتنا حسین اور دلکش منظر تھا کہ ہم نے پہلے کبھی ایسا منظر نہیں دیکھا تھا۔

1– بخاری، الصحیح، کتاب الأذان، باب أهل العلم والفضل أحق بالإمامة، 1 , 241، رقم , 6492– مسلم، الصحیح، کتاب الصلاة، باب استخلاف الإمام إذا عرض له عذر من مرض وسفر، 1 , 315، رقم , 419-3– ابن خزیمہ، الصحیح، 2 , 372، رقم , 1488

زیارتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے بھوک کا مداوا

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت صحابہ کرام کے لئے اتنی بڑی قوت اور سعادت تھی کہ یہ بھوکوں کی بھوک رفع کرنے کا ذریعہ بھی بنتی تھی۔ چہرۂ اقدس کے دیدار کے بعد قلب ونظر میں اترنے والے کیف کے سامنے بھوک و پیاس کے احساس کی کیا حیثیت تھی؟

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک دن حضور رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم ایسے وقت کاشانۂ نبوت سے باہر تشریف لائے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پہلے کبھی اس وقت باہر تشریف نہ لاتے تھے اور نہ ہی کوئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کرتا۔

دراصل ہوا یوں تھا کہ سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی بھوک سے مغلوب باہر تشریف لے آئے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رفیقِ سفر اور یارِ غار سے پوچھا، اے ابوبکر! تم اس وقت کیسے آئے ہو؟ اس وفا شعار پیکرِ عجز و نیاز نے ازراہِ مروّت عرض کیا، یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صرف آپ کی ملاقات، چہرہ انور کی زیارت اور سلام عرض کرنے کی غرض سے حاضر ہوا ہوں۔ تھوڑی دیر بعد ہی سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ بھی اسی راستے پر چلتے ہوئے اپنے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوگئے۔ نبیء رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا اے عمر! تمہیں کون سی ضرورت اس وقت یہاں لائی؟ شمعِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کے پروانے نے حسبِ معمول لگی لپٹی کے بغیر عرض کی، یارسول اللہ! بھوک کی وجہ سے حاضر ہوا ہوں۔

1– ترمذی، الجامع الصحیح، کتاب الزهد، باب فی معیشة أصحاب النبی صلی اللہ علیه وسلم، 4 , 583، رقم , 23692– ترمذی، الشمائل المحمدیة، 1 , 312، رقم , 373-3– حاکم، المستدرک، 4 , 145، رقم , 7178

شمائلِ ترمذی کے حاشیہ پر مذکورہ حدیث کے حوالے سے یہ عبارت درج ہے، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اس لئے تشریف لائے تھے کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ انور کی زیارت سے اپنی بھوک مٹانا چاہتے تھے، جس طرح مصر والے حضرت یوسف علیہ السلام کے حسن سے اپنی بھوک کو مٹالیا کرتے تھے اور سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عمل میں بھی یہی راز مضمر تھا۔ مگر مزاج شناسِ نبوت نے اپنا مدعا نہایت ہی لطیف انداز میں بیان کیا اور یہ امر بھی ذہن نشین رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نورِ نبوت کی وجہ سے ان کا مدعا بھی آشکار ہو چکا تھا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کیوں طالبِ ملاقات ہیں اور سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر نورِ ولایت کی وجہ سے واضح ہو چکا تھا کہ اس گھڑی آقائے مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار انہیں ضرور نصیب ہوگا۔ (شمائل الترمذی،

27، حاشیہ, 3)

چنانچہ ایسا ہی ہوا اور حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دونوں جاں نثاروں کی حالت سے باخبر ہونے پر اپنی زیارت کے طفیل ان کی بھوک ختم فرمادی۔ یہ واقعہ باہمی محبت میں اخلاص اور معراج کا منفرد انداز لیے ہوئے ہے۔

ٹکٹکی باندھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت

کائنات کا سارا حسن و جمال نبیء آخر الزماں حضور رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ انور میں سمٹ آیا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ انور کی زیارت سے مشرف ہونے والا ہر شخص جمالِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں اس طرح کھو جاتا کہ کسی کو آنکھ جھپکنے کا یارا بھی نہ ہوتا اور نگاہیں اٹھی کی اٹھی رہ جاتیں۔ اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں ایک شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم (کے چہرۂ انور) کو (اِس طرح ٹکٹکی باندھ کر) دیکھتا رہتا کہ وہ اپنی آنکھ تک نہ جھپکتا۔

حضور رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس جاں نثار صحابی کی یہ حالت دیکھ کر فرمایا, اِس (طرح دیکھنے) کا سبب کیا ہے؟ اس عاشقِ رسول صحابی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا, میرے ماں باپ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان! آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ انور کی زیارت سے لطف اندوز ہوتا ہوں۔ (1- قاضی عیاض، الشفاء، 5662,2- قسطلانی، المواہب اللدنیۃ، 94,2)

اس روایت سے پتہ چلتا ہے کہ جاں نثارانِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر خود سپردگی کی ایک عجیب کیفیت طاری ہو جاتی اور وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن و جمال میں اس طرح کھو جاتے کہ دنیا کی ہر شے سے بے نیاز ہو جاتے۔

سیدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کی خواہشِ زیارت

صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کس طرح چہرۂ نبوت کے دیدارِ فرحت آثار سے اپنی آنکھوں کی ٹھنڈک کا سامان کیا کرتے تھے اور ان کے نزدیک پسند و دلبستگی کا کیا معیار تھا؟ اس کا اندازہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے یارِ غار سے متعلق درج ذیل روایت سے بخوبی ہو جائے گا,

ایک مرتبہ حضور رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ مجھے تمہاری دنیا میں تین چیزیں پسند ہیں, خوشبو، نیک خاتون اور نماز جو میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔

سیدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ نے سنتے ہی عرض کیا, یارسول اللہ! مجھے بھی تین ہی چیزیں پسند ہیں, آپ صلی اللہ علیک وسلم کے چہرۂ اقدس کو تکتے رہنا، اللہ کا عطا کردہ مال آپ صلی اللہ علیک وسلم کے قدموں پر نچھاور کرنا اور میری بیٹی کا آپ صلی اللہ علیک وسلم کے عقد میں آنا۔ (ابن حجر, منبہات, 21-22،5-)

شیخین رضی اللہ عنہما کا منفرد اعزاز کا بیان

صدیقِ باوفا رضی اللہ عنہ کو سفرِ ہجرت میں رفاقتِ سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کا اعزاز حاصل ہوا، جبکہ سیدنا فاروقِ اعظم رضی

اللہ عنہ مرادِ رسول ہونے کے شرف لازوال سے مشرف ہوئے۔ ان جلیل القدر شخصیات کو صحابہ رضی اللہ عنہم کی عظیم جماعت میں کئی دیگر حوالوں سے بھی خصوصی اہمیت حاصل تھی۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے مہاجر اور انصار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے جھرمٹ میں تشریف فرما ہوتے اور حضرت ابوبکر و حضرت عمر رضی اللہ عنہما بھی ان میں ہوتے تو کوئی صحابی بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھنے کی ہمت نہ کرتا، البتہ ابوبکر صدیق اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہما حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ انور کو مسلسل دیکھتے رہتے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان کو دیکھتے، یہ دونوں حضرات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر مسکراتے اور خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان دونوں کو دیکھ کر تبسم فرماتے۔

1- ترمذی، السنن، کتاب المناقب، باب فی مناقب أبی بکر وعمر کلیہما، 5 ، 612، رقم ، 36682- أحمد بن حنبل، المسند، 3 ، 150، 3- طیالسی، المسند، 1 ، 275، رقم ، 2064، 6- سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی کیفیتِ اضطراب

یوں تو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار کی آرزو اور تمنا ہر صحابی رسول کے دل میں اس طرح بسی ہوئی تھی کہ اُن کی زندگی کا کوئی لمحہ اس سے خالی نہیں تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو سکون کی دولت نصیب ہوتی اور معرفتِ الٰہی کے دریچے ان پر روشن ہو جاتے۔ اُن کے دل کی دھڑکن میں زیارتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش اس درجہ سما گئی تھی کہ اگر کچھ عرصہ کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار میسر نہ آتا تو وہ بے قرار ہو جاتے تھے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ پر جو کیفیت گزرتی تھی اس کے بارے میں وہ خود روایت کرتے ہیں کہ میں نے بارگاہِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں عرض گزاری کہ جب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوتا ہوں (تو تمام غم بھول جاتا ہوں اور) دل خوشی سے جھوم اٹھتا ہے اور آنکھیں ٹھنڈی ہو جاتی ہیں، پس مجھے تمام اشیاء (کائنات کی تخلیق) کے بارے میں آگاہ فرمائیے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ تعالیٰ نے ہر شے کی تخلیق پانی سے کی ہے۔

(1- احمد بن حنبل، المسند، 2، 323، 2- حاکم، المستدرک علی الصحیحین، 4، 176، رقم، 7278)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے ہر کوئی فنا فی الرسول کے مقام پر فائز تھا اُن کا جینا مرنا، عبادت ریاضت، جہاد تبلیغ سب کچھ ذاتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ منسوب تھا۔ اس لئے وہ اپنے آقا و مولا سے ایک لمحہ کی جدائی گوارا نہ کرتے تھے اور ہر لمحہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت میں مست و بے خود رہتے۔

بعد از وصال صحابہ کرام کے معمول زیارت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا بیان

گزشتہ دلائل میں مذکور واقعات سے ثابت ہوا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم صبح و شام حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت اور دیدار سے اپنے مضطرب قلوب و اذہان کو راحت و سکون بہم پہنچاتے رہے اُن کے دل میں ہر لمحہ یہ تمنا رہتی تھی کہ اُن کا محبوب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کبھی بھی اُن سے جدا نہ ہو پس جس طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی کیفیاتِ محبت کا والہانہ اظہار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مقدسہ میں ہوا، اسی طرح بعد از وصال بھی وہ دیوانہ وار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اطہر پر حاضری دیتے اور اس حاضری میں بھی ان کی کیفیات دیدنی ہوتیں۔ یعنی ادب بارگاہِ رسالت کے ساتھ ساتھ محبت اور عشق کی تمام تر بے قراریاں، جذب

وشوق اور کیفیتِ فراق اور غمِ ہجر کی لذتیں ان کے ایمان کو جلا بخشتی تھیں۔حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبرِ انور کی زیارت کے حوالہ سے صحابہ کرام کے ان ہی کیفیاتِ شوق پر مبنی معمولات درج ذیل ہیں،

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا معمول

حضرت کعب الاحبار کے قبولِ اسلام کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے انہیں کہا، کیا آپ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اقدس کی زیارت اور فیوض و برکات حاصل کرنے کے لیے میرے ساتھ مدینہ منورہ چلیں گے؟ تو انہوں نے کہا، جی! امیر المؤمنین۔ پھر جب حضرت کعب الاحبار اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ آئے تو سب سے پہلے بارگاہِ سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضری دی اور سلام عرض کیا، پھر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے مدفن مبارک پر کھڑے ہو کر اُن کی خدمت میں سلام عرض کیا اور دو رکعت نماز ادا فرمائی۔(1-واقدی، فتوح الشام، 1، 244،2-ہیتمی، الجوہر المنظم، 27-28،)

اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا معمول

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا معمول تھا کہ آپ اکثر روضہ مبارک پر حاضر ہوا کرتی تھیں۔ وہ فرماتی ہیں، میں اس مکان میں جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور میرے والد گرامی مدفون ہیں جب داخل ہوتی تو یہ خیال کر کے اپنی چادر (جسے بطور برقع اوڑھتی وہ) اتار دیتی کہ یہ میرے شوہرِ نامدار اور والدِ گرامی ہی تو ہیں لیکن جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ان کے ساتھ دفن کر دیا گیا تو اللہ کی قسم میں عمر رضی اللہ عنہ سے حیاء کی وجہ سے بغیر کپڑا لپیٹے کبھی داخل نہ ہوئی۔

1- أحمد بن حنبل، المسند، 6، 202، 2- حاكم، المستدرك، 3، 61، رقم، 4402، 3- مقريزي، امتاع الاسماع، 14، 607

اس حدیثِ مبارکہ سے معلوم ہوا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا روضۂ اقدس پر حاضری کا ہمیشہ معمول تھا۔حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اہلِ مدینہ کو قحط سالی کے خاتمے کے لئے قبرِ انور پر حاضر ہو کر توسل کرنے کی تلقین فرمائی۔امام دارمی صحیح اِسناد کے ساتھ روایت کرتے ہیں، ایک مرتبہ مدینہ کے لوگ سخت قحط میں مبتلا ہو گئے تو انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے (اپنی دِگر گوں حالت کی) شکایت کی۔ آپ رضی اللہ عنہا نے فرمایا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبرِ مبارک کے پاس جاؤ اور اس سے ایک روشندان آسمان کی طرف کھولو تا کہ قبرِ انور اور آسمان کے درمیان کوئی پردہ حائل نہ رہے۔راوی کہتے ہیں کہ ایسا کرنے کی دیر تھی کہ اتنی زوردار بارش ہوئی جس کی وجہ سے خوب سبزہ اُگ آیا اور اُونٹ اتنے موٹے ہو گئے کہ (محسوس ہوتا تھا) جیسے وہ چربی سے پھٹ پڑیں گے۔ پس اُس سال کا نام ہی عام الفتق (سبزہ و کشادگی کا سال) رکھ دیا گیا۔

1- دارمي، السنن، 1، 56، رقم، 92، 2- ابن جوزي، الوفا بأحوال المصطفىٰ، 817- 818، رقم، 1534، 3- سبكي، شفاء السقام في زيارة خير الأنام، 128

ثابت ہوا کہ اُم المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے اہلِ مدینہ کو رحمتیں اور برکتیں حاصل کرنے کے لیے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبرِ مبارک کو وسیلہ بنانے کی ہدایت فرمائی، جس سے اُن پر طاری شدید قحط ختم ہو گیا، اور موسلا دھار بارش نے ہر طرف

بہار کا سماں پیدا کر دیا۔ جہاں انسانوں کو غذا ملی وہاں جانوروں کو چارا ملا، اِس بارش نے اہلِ مدینہ کو اتنا پر بہار اور خوشحال بنا دیا کہ انہوں نے اس پورے سال کو عام الفتق (سبزہ اور کشادگی کا سال) کے نام سے یاد کیا۔

بعض لوگوں نے اس رِوایت پر اعتراضات کیے ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ اس کی سند کمزور ہے لہٰذا یہ روایت بطورِ دلیل پیش نہیں کی جاسکتی لیکن مستند علماء نے اِسے قبول کیا ہے اور بہت سی ایسی اسناد سے استشہاد کیا ہے جو اس جیسی ہیں یا اس سے کم مضبوط ہیں۔ لہٰذا اس روایت کو بطورِ دلیل لیا جائے گا کیونکہ امام نسائی کا مسلک یہ ہے کہ جب تک تمام محدّثین ایک راوی کی حدیث کے ترک پر متفق نہ ہوں، اس کی حدیث ترک نہ کی جائے۔ (عسقلانی، شرح نخبۃ الفکر فی مصطلح اہل الأثر)

ایک اور اعتراض اس روایت پر یہ کیا جاتا ہے کہ یہ موقوف ہے یعنی صرف صحابیہ تک پہنچتی ہے، اور یہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان نہیں ہے۔ اس لئے اگر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ تک اس کی اسناد صحیح بھی ہوں تو یہ دلیل نہیں بن سکتی کیونکہ یہ ذاتی رائے پر مبنی ہے اور بعض اوقات صحابہ کی ذاتی رائے صحیح ہوتی ہے اور بعض اوقات اس میں صحت کا معیار کمزور بھی ہوتا ہے، لہٰذا ہم اس پر عمل کرنے کے پابند نہیں۔

اس بے بنیاد اعتراض کا سادہ لفظوں میں جواب یہ ہے کہ نہ صرف اس روایت کی اسناد صحیح اور مستند ہیں بلکہ کسی بھی صحابی نے نہ تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے تجویز کردہ عمل پر اعتراض کیا اور نہ ہی ایسا کوئی اعتراض مروی ہے جس طرح حضرت مالک دار رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ روایت میں اس آدمی پر کوئی اعتراض نہیں کیا گیا جو قبرِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر آ کر بارش کے لیے دعا کرتا ہے۔ یہ روایتیں صحابہ کا اجماع ظاہر کرتی ہیں اور ایسا اجماع بہر طور مقبول ہوتا ہے۔ کوئی شخص اس عمل کو نا جائز یا بدعت نہیں کہہ سکتا کہ جسے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سکوت نے جائز یا مستحب قرار دیا ہو۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی پیروی کے لزوم کے بارے میں امام شافعی فرماتے ہیں، ہمارے لیے ان کی رائے ہمارے بارے میں ہماری اپنی رائے سے بہتر ہے۔ (ابن قیم، أعلام الموقعین عن رب العالمین، 186,2)

ابنِ تیمیہ نے اس روایت پر اعتراض کرتے ہوئے کہا ہے کہ یہ جھوٹ ہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی پوری زندگی میں روضۂ اقدس کی چھت میں اس طرح کا کوئی سوراخ موجود نہیں تھا۔ یہ اعتراض کمزور ہے کیونکہ امام دارمی اور ان کے بعد آنے والے أئمہ و علماء اس طرح کی تفصیل متاخرین سے زیادہ بہتر جانتے تھے۔ مثال کے طور پر مدنی محدّث و مؤرخ امام علی بن احمد سمہودی نے علامہ ابنِ تیمیہ کے اعتراض کا ردّ اور امام دارمی کی تصدیق کرتے ہوئے وفاء الوفاء (2, 560) میں لکھا ہے۔

زین المراغی نے کہا، جان لیجئے کہ مدینہ کے لوگوں کی آج کے دن تک یہ سنت ہے کہ وہ قحط کے زمانہ میں روضۂ رسول کے گنبد کی تہہ میں قبلہ رُخ ایک کھڑکی کھولتے اگر چہ قبر مبارک اور آسمان کے درمیان چھت حائل رہتی۔ میں کہتا ہوں کہ ہمارے دور میں بھی مقصورہ شریف، جس نے روضہ مبارک کو گھیر رکھا ہے، کا باب المواجہ یعنی چہرۂ اقدس کی جانب کھلنے والا دروازہ کھول دیا جاتا ہے اور لوگ وہاں (دعا کے لیے) جمع ہوتے ہیں۔ (سمہودی، وفاء الوفاء، 560,2)

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبرِ انور کے پاس جا کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے توسّل سے دعا کرنے کا معمول عثمانی ترکوں

کے زمانے یعنی بیسویں صدی کے اوائل دور تک رائج رہا، وہ یوں کہ کہ جب قحط ہوتا اور بارش نہ ہوتی تو اہلِ مدینہ کسی کم عمر سیدزادہ کو وضو کروا کر اوپر چڑھاتے اور وہ بچہ اس رسی کو کھینچتا جو قبرِ انور کے اوپر سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے فرمان کے مطابق سوراخ کے ڈھکنے کو بند کرنے کے لئے لٹکائی ہوئی تھی۔ اس طرح جب قبرِ انور اور آسمان کے درمیان کوئی پردہ نہ رہتا تو بارانِ رحمت کا نزول ہوتا۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا معمول

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے آزاد کردہ غلام نافع رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ابنِ عمر رضی اللہ عنہ کا معمول تھا کہ جب بھی سفر سے واپس لوٹتے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اقدس پر حاضری دیتے اور عرض کرتے۔

السّلام عليك يا رسول الله! السّلام عليك يا أبا بكر! السّلام عليك يا أبتاه!

اے اللہ کے (پیارے) رسول! آپ پر سلامتی ہو، اے ابوبکر! آپ پر سلامتی ہو، اے ابا جان! آپ پر سلامتی ہو۔

1- عبد الرزاق، المصنف، 3 , 576، رقم , 6724-2 ابن أبي شيبة، المصنف، 3 , 28، رقم , 11793-3 بيهقي، السنن الكبرىٰ، 5 , 245، رقم , 10051

قاضی عیاض نے الشفاء 2), 671) میں جو روایت نقل کی ہے اس میں ہے کہ حضرت نافع رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو سو 100)) سے زائد مرتبہ قبرِ انور پر حاضری دیتے ہوئے دیکھا، اور مقریزی نے بھی اِمتاع الاسماع 14), 618) میں یہی نقل کیا ہے۔ ابن الحاج مالکی نے المدخل 1), 261) میں اِس کی تائید کی ہے۔ علاوہ ازیں ابنِ حجر مکی نے الجوہر المنظم (ص,28) اور زرقانی نے شرح المواہب اللدنیۃ 12), 198) میں اس روایت کو نقل کیا ہے۔

حضرت عبداللہ بن دینار بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو دیکھا کہ جب سفر سے واپس لوٹتے تو مسجدِ (نبوی) میں داخل ہوتے اور یوں سلام عرض کرتے۔

السّلام عليك يا رسول الله! السّلام على أبي بكر! السّلام على أبي-

اے اللہ کے (پیارے) رسول! آپ پر سلام ہو، ابوبکر پر سلام ہو (اور) میرے والد پر بھی سلام ہو۔ اس کے بعد حضرت عبداللہ بن عمر دو رکعات نماز ادا فرماتے۔

1- ابن إسحاق أزدی، فضل الصّلاة على النبی صلی الله علیه وسلم , 90- 91، رقم , 97 - 982- ابن حجر عسقلانی نے المطالب العالیة 1) , 371، رقم , 1250) میں عمر بن محمد کی اپنے والد سے نقل کردہ روایت بیان کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہیں۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کا معمول

حضرت ابواُمامہ بیان کرتے ہیں، میں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک پر آتے دیکھا، انہوں نے (وہاں آکر) توقف کیا، اپنے ہاتھ اٹھائے یہاں تک کہ شاید میں نے گمان کیا کہ وہ نماز ادا کرنے لگے

ہیں۔ پھر انہوں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں سلام عرض کیا، اور واپس چلے آئے۔

1- بيهقي، شعب الإيمان، 3, 491، رقم, 4164-2- قاضي عياض، الشفاء، 2, 671-3- مقريزي، إمتاع الأسماع، 14, 618

اِس سے ظاہر ہوتا ہے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم فقط بارگاہِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں سلام عرض کرنے کا شرف حاصل کرنے کے لئے بھی مسجدِ نبوی میں آتے تھے۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کا معمول

امام محمد بن منکدر روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کو روضۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب روتے ہوئے دیکھا۔ وہ کہہ رہے تھے، یہی وہ جگہ ہے جہاں (فراقِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم) میں آنسو بہائے جاتے ہیں۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے، میری قبر اور منبر کے درمیان والی جگہ بہشت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے۔

1- بيهقي، شعب الإيمان، 3, 491، رقم, 4163-2- أحمد بن حنبل، المسند، 3, 389-3- أبو يعلى، المسند، 2, 190، رقم, 1778

حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو خواب میں زیارت کا حکم

عاشقِ مصطفیٰ حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وِصال مبارک کے بعد یہ خیال کر کے شہرِ دلبر مدینہ منورہ سے شام چلے گئے کہ جب یہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی نہ رہے تو پھر اس شہر میں کیا رہنا! حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بیت المقدس فتح کیا تو سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے خواب میں آئے اور فرمایا۔ اے بلال! یہ فرقت کیوں ہے؟ اے بلال! کیا وہ وقت ابھی نہیں آیا کہ تم ہم سے ملاقات کرو؟

اس کے بعد حضرت بلال رضی اللہ عنہ اَشک بار ہوئے۔ خواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کو حکم سمجھا اور مدینے کی طرف رختِ سفر باندھا، اُفتاں وخیزاں روضۂ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر حاضری دی اور بے چین ہو کر غمِ فراق میں رونے اور اپنے چہرے کو روضۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ملنے لگے۔

1- سبكي، شفاء السقام في زيارة خير الأنام, 39-2- ابن حجر مكي، الجوهر المنظم, 27-3- ذهبي، سير أعلام النبلاء، 1, 358-4- ابن عساكر، تاريخ مدينة دمشق، 7, 137-5- شوكاني، نيل الأوطار، 5, 180

حضرت ابو ایوب اَنصاری رضی اللہ عنہ کا واقعہ

حضرت داؤد بن صالح سے مروی ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک روز خلیفہ مروان بن الحکم روضۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور اس نے دیکھا کہ ایک آدمی حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبرِ انور پر اپنا منہ رکھے ہوئے ہے۔ مروان نے اسے کہا، کیا تو جانتا ہے کہ تو یہ کیا کر رہا ہے؟ جب مروان اس کی طرف بڑھا تو دیکھا کہ وہ حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ ہیں، انہوں نے

جواب دیا ہاں (میں جانتا ہوں کہ میں کیا کر رہا ہوں)، میں اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوا ہوں کسی پتھر کے پاس نہیں آیا۔

1- أحمد بن حنبل، المسند، 5, 2:422- حاكم، المستدرك، 4, 560، رقم, 3:8571- طبراني، المعجم الكبير، 4, 158، رقم, 3999 امام احمد بن حنبل کی بیان کردہ روایت کی اِسناد صحیح ہیں۔ امام حاکم نے اسے شیخین (بخاری و مسلم) کی شرائط پر صحیح قرار دیا ہے جبکہ امام ذہبی نے بھی اسے صحیح قرار دیا ہے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کا بارگاہِ نبوت میں سلام

یزید بن ابی سعید المقبری بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر ہوا۔ جب میں نے انہیں الوداع کہا تو انہوں نے فرمایا، مجھے آپ سے ایک ضروری کام ہے، پھر فرمایا، جب آپ مدینہ منورہ حاضر ہوں تو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبرِ مبارک پر حاضری دے کر میری طرف سے (آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں) سلام (کا تحفہ ونذرانہ) پیش کر دیجئے گا۔

1- بيهقي، شعب الإيمان، 3, 492، رقم, 4166 - 41672- قاضي عياض، الشفاء، 2, 3:670- مقريزي، إمتاع الأسماع، 14, 4:618- ابن حاج، المدخل، 1, 5:261- قسطلاني، المواهب اللدنية، 4, 573

ایک دوسری روایت میں ہے، حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کا معمول تھا کہ آپ ایک قاصد کو شام سے بارگاہِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں اپنی طرف سے درود وسلام کا ہدیہ پیش کرنے کے لیے بھیجا کرتے تھے۔

(1-بیہقی، شعب الایمان، 3, 491، 492، رقم, 4166، 2-ابن حاج، المدخل، 1, 261)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس ایک صحابیہ آئی جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فراق میں گھائل تھی۔ اُس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبرِ مبارک کی زیارت کرنے کی درخواست کی۔ بارگاہِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضری کے وقت وہ عورت اِتنا روئی کہ اُس نے اپنی جان جانِ آفریں کے سپرد کر دی۔ (1-قسطلانی، المواہب اللدنیۃ، 4, 581، 2-زرقانی، شرح المواہب اللدنیۃ، 12, 196)

درج بالا علمی تحقیق سے ثابت ہوا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مبارکہ میں اور بعد از وصال صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے لئے حاضری دیا کرتے تھے۔ اُن کا حاضری دینے کا مقصد یہ ہوتا تھا کہ وہ آقا علیہ السلام کی حیات اور بعد از وصال آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیوضات و برکات سے مستفید ہوں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بعد جمیع امتِ مسلمہ کا بھی یہ معمول رہا ہے کہ وہ تاجدارِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اطہر پر حاضری دینے کو اپنے لئے باعثِ سعادت وخوش بختی سمجھتی ہے۔

حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا بیان

ومما هو مقرر عند المحققين أنه صلى الله عليه وسلم حي يرزق ممتع بجميع الأعمال

والعبادات غير أنه حجب عن أبصار القاصرين عن شريف المقامات—

ترجمہ

علمائے محققین کے نزدیک یہ طے شدہ عقیدہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں اور آپ کو رزق دیا جاتا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم تمام نعمتوں اور عبادات لطف اندوز ہوتے ہیں۔ ہاں البتہ جب وہ لوگ کوتاہ نظر یعنی بدعقیدہ ہیں ان کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان دیکھائی نہیں دیتی۔

انبیائے کرام علیہم السلام کے اجسام کی سلامتی کا بیان

حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارے دنوں میں سب سے افضل دن جمعہ ہے اسی دن آدم (علیہ السلام) کو پیدا کیا گیا اسی دن میں ان کی روح قبض کی گئی اس دن صور پھونکا جائے گا اسی دن لوگ بے ہوش ہوں گے، لہٰذا تم اس دن مجھ پر بہ کثرت درود پڑھا کرو۔ کیونکہ تمہارا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کا جسم (اقدس تو قبر میں) بوسیدہ ہو چکا ہوگا۔ پھر ہمارا درود آپ پر کیسے پیش کیا جائے گا۔ آپ نے فرمایا: بے شک اللہ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ وہ انبیاء کے اجسام کو کھائے۔ جبکہ صاحب مشکوٰۃ کی روایت کے مطابق یہ ہے "فنبی اللہ حی یرزق" پس اللہ کا نبی زندہ ہوتا ہے اسے رزق دیا جاتا ہے۔ (سنن ابن ماجہ، ج ۱ ص ۷۶، قدیمی کتب خانہ کراچی)

انہیں مردہ نہ کہا جائے

قرآن کے فیصلے کے مطابق جب شہداء کو مردہ کہنے سے منع کیا گیا تو پھر انبیاء کرام علیہم السلام کو مردہ کہنا اس سے بھی زیادہ سخت منع ہے کیونکہ شہداء کو جن کے صدقے یہ مقام شہادت حاصل ہوا ہے۔ انہیں کیسے مردہ کہنا جائز ہو سکتا ہے۔

بعد از وصال قبر انور سے اذان کی آواز

عن سعيد بن عبدالعزيز قال لما كان ايام الحرة لم يوذن فى مسجد النبى صلى الله عليه وسلم ثلاثا ولم يقم ولم يبرح سعيدبن مسيب من المسجد وكان لايعرف وقت الصلوٰة الا بهمهمة يسمعها من قبر النبى صلى الله عليه وسلم (سنن دارمی ج ۱ ص ۴۴، نشر السنہ ملتان)

سعید بن عبدالعزیز بیان کرتے ہیں کہ ایام حرہ میں تین دن مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں نہ اذان دی گئی اور نہ اقامت کہی گئی، حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ ان دنوں مسجد سے نہیں نکلے انہیں نماز کے وقت کا علم اس پست آواز سے ہوتا تھا جس کو وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر انور سے سنتے تھے۔

بارگاہ نبوت صلی اللہ علیہ وسلم میں اعمال کا پیش ہونا:

عن انس بن مالك قال رسول الله صلى الله عليه وسلم حياتى خيرلكمنزل على

الوحی عن السماء فاخبرکم بما یحل لکم وما یحرم علیکم وموتی خیرلکم تعرض علی اعمالکم کل خمس فما کان من حسن حمدت اللہ علیہ وما کان من ذنب استوھب اللہ ذنوبکم ۔(الوفاء باحوال المصطفےٰ ص ۸۱۰، مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری زندگی بھی تمہارے لئے خیر ہے کیونکہ مجھ پر آسمان سے وحی نازل ہوتی ہے اور میں تم کو حلال وحرام کی خبر دیتا ہوں۔ اور میری وفات میں بھی تمہارے لئے خیر ہے کیونکہ ہر جمعرات کو تمہارے اعمال مجھ پر پیش کیے جاتے ہیں نیک اعمال پر میں اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں اور جو تمہارے گناہ ہوتے ہیں ان کے لئے میں اللہ تعالیٰ سے مغفرت کی التجاء کرتا ہوں۔

نبی (علیہ السلام) کا قبر میں نماز پڑھنا:

عن انس بن مالک ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال مررت علی موسیٰ لیلۃ اسری بی عند الکثیب الاحمر و ھو قائم یصلی فی قبرہ ۔

(صحیح مسلم، ج۲،ص ۲۶۸، نور محمد اصح المطابع کراچی)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس رات مجھے معراج کرائی گئی، میں کثیب احمر کے نزدیک حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے گزرا، تو وہ کھڑے ہو کر اپنی قبر میں نماز پڑھ رہے تھے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر سے سلام کا جواب

عن ابی ھریرۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال مامن احد یسلم علی الا رد اللہ علی روحی حتی ارد علیہ السلام ۔(سنن ابوداءود، ج۱،ص ۲۷۹ مجتبائی لاہور پاکستان)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص بھی مجھ سلام بھیجتا ہے تو وہ اس حال میں سلام بھیجتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میری روح میری طرف لوٹائی ہوئی ہوتی ہے حتیٰ کہ میں اس کے سلام کا جواب دیتا ہوں۔

دنیاوی کھانے، پینے سے بے نیاز، زندگی

عن ابن عمر رضی اللہ تعالی عنھما ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم نھی عن الوصال قالوا انک تواصل قال انی لست کھیئتکم انی اطعم واسقی ۔(صحیح مسلم، ج۱،ص ۳۵۱، قدیمی کتب خانہ کراچی)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وصال (بغیر افطار کے روزے پر روزہ رکھنا) سے منع فرمایا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا۔ آپ تو وصال کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: میں تمہاری مثل نہیں ہوں، مجھے کھلایا اور پلایا جاتا ہے۔
دنیا میں ہر انسان بلکہ ہر ذی روح کی زندگی کھانے پینے کی محتاج ہے لیکن حیات مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا اونچا مقام ہے کہ دنیا کی تمام

غذائیں آپ کی محتاج ہیں جبکہ آپ ان کے محتاج نہیں۔دیکھیے ہماری زندگی اشیاء خوردونوش کی محتاج اور ان کی زندگی کی محتاج خود اشیاء خورد ونوش ہیں۔

ہوا سے بے نیاز،زندگی:

ہر انسان کی زندگی کے لوازمات میں سے اگر آپ دیکھیں تو آپ کہیں گے کہ دنیا کا کوئی انسان بلکہ کوئی ذی روح چیز ہوا کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتی جبکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک زندگی ہوا کی بھی محتاج نہیں ہے۔جدید سائنسی تحقیق کے مطابق زمین سے آسمان کی طرف صرف دوسو میل کے فاصلے تک ہوا ہے اس کے بعد ہوا نہیں ہے۔جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شب معراج کو سیر فرمائی تو آپ نے وہ تمام مقامات دیکھے جہاں کسی قسم کی آکسیجن کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔جس سے معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک زندگی ہوا سے بھی بے نیاز ہے۔

دل سے بے پرواہ زندگی

امام طبرانی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے

فا قبل الی یمشیان حتی اخذ کل واحد منھما بعضدی لاجد لاخذھما مسا فقال احدھما لصاحبہ اضجعہ فاضجعانی بلا قصر ولا ھصر،فقال احدھما لصاحبہ افلق صدرہ فھوی احدھما الی صدری ففلقھا فیما اری بلادم ولا وجع ۔(مجمع الزوائد،ج۸،ص۲۲۳،بیروت)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:دو شخص میرے پاس آئے،ان میں سے ہر ایک نے مجھے بازو سے پکڑ لیا۔مجھے ان کے پکڑنے سے کوئی درد نہیں ہوا۔ان میں سے ایک نے دوسرے سے کہا ان کو لٹاؤ،انہوں نے مجھے جھکائے بغیر لٹا دیا۔پھر ایک نے دوسرے سے کہا ان کا سینہ چاک کرو،پھر ان میں سے ایک نے میرا سینہ چاک کیا۔میں یہ منظر دیکھ رہا تھا۔میرا خون نکلا اور نہ ہی مجھے کوئی درد ہوا۔

اس روایت اور اسی مضمون کی متعدد روایات سے پتہ چلتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا قلب مبارک سینہ چاک کر کے نکالا،اور اس کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات باقی رہی کیونکہ وہ ان تمام چیزوں کی محتاج نہیں۔

زمان ومکاں سے بے پرواہ زندگی:

ہر چیز اپنے وجود میں اور ہر ذی روح چیز اپنی حیات میں زمان ومکاں،ہوا،کھانے پینے کی محتاج ہوتی ہے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شب معراج وہاں پر تشریف لے گئے جہاں نہ کوئی زماں تھا اور نہ ہی مکاں تھا یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب لامکاں پر جلوہ فرما ہوئے تو تب بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو باحیات تھے حالانکہ وہاں بشری حیات کے بنیادی لوازمات بالکل ناپید تھے۔ان تمام دلائل سے معلوم ہوا کہ بشری زندگی جن تمام بنیادی لوازمات کی محتاج ہوتی ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے محتاج نہیں ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کائنات کو ملاحظہ فرمانا:

عن عمر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ عزوجل قد رفع لی الدنیا فانا

انظر اليها والى ماهو كائن فيها الى يوم القيمة كانما انظر الى كفى هذه جليان جلاه الله لنبيه صلى الله عليه وسلم كما جلاه لنبيين من قبله .رواه الطبرانى .

(مجمع الزوائد، ج۸،ص۲۸۷، بیروت)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ عزوجل نے تمام دنیا کو میرے لئے مرتفع کردیا ہے میں دنیا کی طرف اور جو کچھ دنیا میں قیامت تک ہونے والا ہے اس کی طرف اس طرح دیکھ رہا ہوں جیسے میں اپنی اس ہتھیلی کی طرف دیکھ رہا ہوں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اس کو اس طرح منکشف کردیا ہے جس طرح آپ سے پہلے نبیوں کے لئے منکشف کردیا تھا۔

بعد از وصال زیارت کی حالت

عن ابى هريرة قال سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول من رانى فى المنام فسيرانى فى اليقظة ولا يمثل الشيطان بى .(صحیح بخاری، ج۲-ص۱۰۳۵-نور محمد اصح المطابع کراچی)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے جس نے مجھے نیند میں دیکھا وہ عنقریب مجھے بیداری میں دیکھے گا اور شیطان میری مثل نہیں بن سکتا۔

اسی طرح قرآن وسنت کے کثیر دلائل کے بعد یہ عقیدہ روز روشن کی طرح واضح ہوگیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کے لئے جس طرح قبل از ظاہری وصال موجب خیر و برکت تھے۔اب بھی اپنے حال وشان کے مطابق اپنی امت کے لئے خیر و برکت کے موجب ہیں۔اور جہاں تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ کا موضوع ہے۔حقیقت یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اصل الموجودات ہیں اور کائنات کی ہر مخلوق کا وجود اور زندگی فیض محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے قائم ہے۔

آداب زیارت کے احکام کا بیان

ولما رأينا أكثر الناس غافلين عن أداء حق زيارته وما يسن للزائرين من الكليات والجزئيات أحببنا أن نذكر بعد المناسك وأدائها ما فيه نبذة من آداب تتميما لفائدة الكتاب فنقول، ينبغى لمن قصد زيارة النبى صلى الله عليه وسلم أن يكثر من الصلاة عليه فإنه يسمعها أو تبلغ إليه وفضلها أشهر من أن نذكره،

ترجمہ

اور جب ہم نے دیکھا کہ لوگوں کی اکثریت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہونے کے آداب سے بے خبر ہے۔ اور زیارت کرنے والوں کے لئے کلیات وجزئیات کا خیال کرنا لازم ہے تو ہم نے پسند کیا کہ ہم مناسک کے بعد ان آداب کو ذکر کریں تا کہ ہماری کتاب کا فائدہ اتمام ہو جائے۔پس ہم کہیں گے کہ جو شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہونے کا

1- مسلم، الصحيح، كتاب البر والصلة، باب في فضل الحب في الله، 4، 1988، رقم، 2567- أحمد بن حنبل، المسند، 2، 408، رقم، 9280-3- ابن حبان، الصحيح، 2، 331، رقم، 572

امام نووی (م 676ھ) لکھتے ہیں، اس حدیثِ مبارکہ میں زیارتِ صالحین اور دوست احباب کی ملاقات کی فضیلت کا بیان ہے۔ (نووی، شرح النووی علی صحیح مسلم، 16، 124)

زیارتِ صالحین کے فیوض و برکات سے متعلق ائمہ کے اقوال

ائمہ احناف میں سے علامہ عبدالرحمن عمادی حنفی نے زیارتِ صالحین کو مقبولِ بارگاہ عمل قرار دیا ہے، لکھتے ہیں، بے شک صالحین کی زیارت بلند درجہ باعث ثواب عمل ہے۔ یہ ان آزمودہ اعمال میں سے ہے جن کے ذریعہ برکات کی بارش ہوتی ہے۔ ہمیں (ان کی برکات کے) عطیات کو حاصل کرنے کا حکم ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ ان کی قیام گاہیں قبولیتِ دُعا کے لئے مجرب جگہیں تصور کی جاتی ہیں۔ (عمادی، الروضۃ الریا فیمن دفن بداریا، 1، 55)

یاد رہے کہ علامہ عمادی نے مذکورہ کتاب دمشق کی ایک بستی داریا میں مدفون صالحین کے بارے میں لکھی ہے اور بیان کیا ہے کہ کن کن مقبولِ بارگاہ ہستیوں کے یہاں مزارات ہیں۔ اسی بستی داریا کی نسبت سے علماء اپنے ناموں کے ساتھ دارانی لکھتے ہیں۔

علامہ ابن الحاج الفاسی المالکی (م 737ھ) نے اپنی مشہور تصنیف المدخل میں زیارتِ قبور کے احکام حُسنِ ترتیب کے ساتھ تفصیل سے لکھے ہیں۔ زیارتِ اولیاء و صالحین کے حوالے سے انہوں نے لکھا ہے، متعلم کے لئے ضروری ہے کہ ان اولیاء و صالحین کی زیارت سے اپنے آپ کو علیحدہ نہ کرے جن کی زیارت سے مُردہ دل اس طرح زندہ ہوتے ہیں جس طرح زمین موسلا دھار بارش سے زندہ ہوتی ہے۔ ان کی زیارت سے پتھر دل نرم و کشادہ ہوتے ہیں۔ ان کی زیارت کی برکت سے مشکل اُمور آسان ہو جاتے ہیں کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ جو کریم اور منان ہے اس کی بارگاہ میں حاضر رہتے ہیں۔ وہ ان کے ارادوں کو رد نہیں فرماتا اور ان کے ہم مجلس، ان کی پہچان رکھنے والوں اور ان سے محبت کرنے والوں کو ناکام و نامراد نہیں کرتا۔ اس لئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا بابِ رحمت ہیں جو اس کے بندوں کے لئے کھلا رہتا ہے۔ پس جو بندۂ خدا ایسی صفات سے متصف ہو اس کی زیارت اور اس کی برکت سے مستفیض ہونے کے لئے جلدی کرنی چاہیے کیونکہ ان میں بعض ہستیوں کی زیارت کرنے والے کو ایسا فہم، برکت اور حافظہ نصیب ہوتا ہے کہ بیان کرنے سے باہر ہے۔ اسی معنی کی بدولت آپ بہت سے ایسے لوگوں کو دیکھیں گے کہ ان کو علم و حال میں کثیر برکت ملی۔ اس نعمت کی قدر کرنے والا خود کو اس عظیم خیر و برکت سے علیحدہ نہیں کرتا لیکن شرط یہ ہے کہ جس کی زیارت کی جائے وہ ان تمام اُمور میں سنت کا محافظ اور تابع شریعت ہو۔ (ابن الحاج، المدخل، 2، 139)

علامہ ابن الحاج نے امام ابو عبداللہ بن نعمان کی کتاب سفینۃ النجاء لاهل الالتجاء جس میں انہوں نے شیخ ابی النجار کی کرامات کا بیان کیا ہے، کے حوالے سے لکھا ہے، حصولِ برکت کے لیے قبورِ صالحین کی زیارت مستحب عمل ہے کیونکہ صالحین کی برکات جس طرح ان کی زندگی میں فیض رساں ہوتی ہے اسی طرح ان کی موت کے بعد بھی جاری رہتی ہے اور صالحین کی قبروں کے پاس دعا کرنا اور ان سے شفاعت طلب کرنا ائمۂ دین اور علماءِ محققین کا معمول رہا ہے۔ (ابن الحاج، المدخل، 2، 255)

اس عبارت کو نقل کرنے کے بعد علامہ ابن الحاج نے لکھا ہے، جس شخص کو کوئی حاجت درپیش ہو اسے چاہیے کہ وہ صالحین کی قبروں اور ان کے مقابر پر جائے اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ان کا وسیلہ پیش کرے۔ یہ اعتراض نہ کیا جائے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ تین مسجدوں کے سوا کسی طرف جانے کے لئے سامانِ سفر نہ باندھا جائے، مسجدِ حرام، میری مسجد اور مسجدِ اقصیٰ، امام غزالی نے احیاء العلوم کے آدابِ سفر میں بیان کیا ہے کہ عبادات کے لیے سفر کیا جائے مثلاً جہاد اور حج کے لیے اور اس کے بعد فرمایا کہ اس میں انبیاء علیہم السلام، صحابہ، تابعین، تبع تابعین اور تمام علماء اور اولیاء اللہ کی قبروں کے لیے سفر کرنا بھی اس عملِ خیر میں شامل ہے اور ہر وہ شخص جس کی زیارت اور اس سے برکت حاصل کرنے کے لیے اس کی زندگی میں سفر کرنا جائز ہے۔ اس کی موت کے بعد اس کی قبر کی زیارت کے لیے سفر کرنا بھی جائز ہے حدیث مبارکہ کہ ان تین مساجد کے سوا کسی اور مسجد کی زیارت کے لیے سامان سفر نہ باندھا جائے میں اس مقصد کے لیے سفر کی ممانعت نہیں، کیونکہ یہ حکم زیادہ ثواب حاصل کرنے کی نیت سے مساجد کی طرف سفر کرنے سے متعلق ہے ان تینوں مساجد کے علاوہ دیگر تمام مسجدیں ثواب میں برابر ہیں۔ ورنہ (اگر ہر سفر کو ناجائز قرار دیا جائے) تو انبیاء علیہم السلام اولیاء اللہ اور علماء کی زیارت میں اصلاً کوئی فضیلت باقی نہیں رہے گی اگرچہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ان کے مقام و مرتبہ میں ان کے درجات کے مطابق بہت بڑا فرق ہے۔ (ابن الحاج، المدخل، 2،255، 256)

مقاماتِ مقدسہ کی زیارات کے لئے سفرِ عملِ مشروع ہے

علامہ ابن الحاج ہی نے انبیاء علیہم السلام کی قبورِ مقدسہ کی زیارت کا بھی طریقہ بیان کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں، جہاں تک انبیاء و رسل کرام علیہم السلام کی عظیم بارگاہوں میں حاضری کا تعلق ہے تو ان عظیم مقامات مقدسہ کے آداب یہ ہیں کہ زائر مسافت بعیدہ سے ان کی زیارت کا ارادہ کر کے چلے۔ جب ان کے مزار پر پہنچے تو انتہائی عاجزی و انکساری، فقر و فاقہ اور نہایت خضوع اور خشوع کے ساتھ آئے۔ حضورِ قلب کے ساتھ حاضر ہو اور سر کی آنکھ سے ان کا مشاہدہ نہ کرے بلکہ دل کی آنکھ سے انہیں دیکھے کیونکہ ان کے مبارک اجسام بوسیدہ ہوتے ہیں نہ متغیر۔ پھر اللہ تعالیٰ کی ایسی ثناء کرے جو اس کی شان کے لائق ہے۔ پھر اُن (انبیاء علیہم السلام) پر صلوات بھیجے پھر ان کی تمام اصحاب اور قیامت تک ان کے تمام تابعین کے لیے رضوان اور رحمت کی دعا کرے، پھر اپنی حاجات کی تکمیل اور اپنے گناہوں کی مغفرت کے لیے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ان کا وسیلہ پیش کرے پھر ان سے شفاعت طلب کرے اور اپنی حاجات ان پر پیش کرے اور ان کی برکت سے دعا کی قبولیت پر یقین رکھے۔ اس باب میں اپنا حسنِ ظن قوی رکھے کیونکہ انبیاء علیہم السلام (رحمتِ) باری تعالیٰ کا کھلا ہوا دروازہ ہیں اور یہ ہمیشہ سنت الٰہیہ ہے کہ وہ اپنے نبیوں کے ہاتھوں سے اور ان کے واسطے اور سبب سے اپنے بندوں کی حاجات کو پورا فرماتا ہے۔ جو شخص انبیاء علیہم السلام کے مزاراتِ مقدسہ تک نہ پہنچ سکے وہ ان کی بارگاہ میں سلام بھیجے اور اپنی حاجات اور اپنے گناہوں کی مغفرت اور اپنے عیوب کی پردہ پوشی کے لیے ان سے شفاعت کی درخواست کرے گا اللہ تعالیٰ اس کی درخواست کو شرفِ قبولیت سے نوازے گا کیونکہ وہ صاحبِ کرم بزرگ ہستیاں ہیں اور جو شخص کریموں سے سوال کرتا ہے یا ان کی پناہ میں آتا ہے یا ان کا ارادہ کرتا ہے یا ان کا وسیلہ پیش کرتا ہے وہ اس کی درخواست کو مسترد نہیں کرتے۔

(ابن الحاج، المدخل، 2،258)

قرونِ اولیٰ سے لے کر آج تک جمہور امتِ مسلمہ کا یہی معمول رہا ہے کہ وہ صالحین کی زیارت کو جاتے ہیں اور اگر وہ وصال فرما گئے ہوں تو پھر ان کے مزارات پر فیوضات و برکات کے حصول کے لئے حاضر ہوتے ہیں۔ آج تک کسی نے اس عملِ صالح کو ناجائز و حرام قرار نہیں دیا کیونکہ یہ عمل اصلاً مشروع ہے نسبتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے، اکابر ائمہ و بزرگانِ دین کا معمول ہے۔ ائمہ حدیث نے بھی اس کی فضیلت کو بیان کیا ہے۔

متبرک مقامات کی زیارت ائمہ دین کا پسندیدہ معمول

ائمہءِ مؤرخین اور اہلِ سیر نے علماء کے پسندیدہ اور صالح معمولات کے بیان کو اپنی کتب کی زینت بنایا ہے۔ جس سے اس امر کی نشاندہی ہوتی ہے کہ اسلاف، صالحین کی زیارت کو ہمیشہ سے ایک پسندیدہ اور مقبول بارگاہ عمل سمجھتے رہے۔ ورنہ کس طرح وہ اپنے گوناگوں علمی تدریسی مشاغل میں سے بطورِ خاص سفر کے لئے وقت نکال سکتے۔ چند ایک معمولات درج ذیل ہیں۔

حضرت حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کے مزار کی زیارت

امام شمس الدین سخاوی (متوفی 902ھ) حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کے ترجمہ میں لکھتے ہیں، اُن کی قبر مبارک پر قبہ بنایا گیا، اس کی زیارت کی جاتی ہے اور اس سے برکت حاصل کی جاتی ہے۔ (شمس الدین سخاوی، التحفۃ اللطیفۃ فی تاریخ المدینۃ الشریفۃ، 1، 307)

امام شافعی رضی اللہ عنہ کا امام اعظم رضی اللہ عنہ کے مزار پر حاضری کا معمول

خطیب بغدادی (463ھ) اور بہت سے ائمہ کی تحقیق کے مطابق امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ جب بغداد میں ہوتے تو حصولِ برکت کی غرض سے امامِ اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی قبر مبارک کی زیارت کرتے۔ خطیب بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نقل کرتے ہیں کہ امام شافعی، امام ابوحنیفہ (متوفی 150ھ) کے مزار کی برکات کے بارے میں خود اپنا تجربہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں، میں امام ابو حنیفہ کی ذات سے برکت حاصل کرتا ہوں اور روزانہ ان کی قبر پر زیارت کے لیے آتا ہوں۔ جب مجھے کوئی ضرورت اور مشکل پیش آتی ہے تو دو رکعت نماز پڑھ کر ان کی قبر پر آتا ہوں اور اس کے پاس (کھڑے ہوکر) حاجت برآری کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں۔ پس میں وہاں سے نہیں ہٹتا یہاں تک کہ (قبر کی برکت کے سبب) میری حاجت پوری ہوچکی ہوتی ہے۔

1- خطیب بغدادی، تاریخ بغداد، 1، 123-2- ابن حجر هیتمی، الخیرات الحسان فی مناقب الإمام الأعظم، 94-3

ابن عابدین شامی، رد المحتار علی الدر المختار، 1، 41-4- زاهد الکوثری، مقالات الکوثری، 381

غور کیا جائے تو یہ بڑا ہی ایمان افروز واقعہ ہے ایک تو اس میں جلیل القدر امام کی دوسرے امام کی قبر پر حاضری اور مقاماتِ مقدسہ کی زیارت کا ثبوت ہے۔ دوسرا نکتہ یہ ہے کہ ایسے متبرک مقامات پر اللہ تعالیٰ کی رحمت برستی ہے۔ لہٰذا یہاں دعا کی قبولیت بھی جلدی ہوجاتی ہے۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ بن حنبل کا زیارتِ صالحین کے لئے شام کا سفر

اکابر کا معمول تھا کہ وہ زیارات کے لئے جایا کرتے تھے خواہ کتنی مسافت طے کر کے آنا پڑے۔ علامہ ابنِ مفلح نے اپنی کتاب المقصد الارشد 1)،193 میں لکھا ہے کہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ محمد بن یوسف الفریابی کی زیارت کے لئے سفر کر کے ملک شام گئے تھے۔

امام ابنِ حبان رحمۃ اللہ علیہ کا امام علی رضی اللہ عنہ رضا کے مزار پر حاضری کا معمول

مشہور محدّث امام ابنِ حبان (م 354ھ) حضرت امام علی رضا بن موسیٰ علیہ السلام کے مزار مبارک کے بارے میں اپنا مشاہدہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں، میں نے اُن کے مزار کی کئی مرتبہ زیارت کی ہے، شہر طوس قیام کے دوران جب بھی مجھے کوئی مشکل پیش آئی اور حضرت امام موسیٰ رضا رضی اللہ عنہ کے مزار مبارک پر حاضری دے کر، اللہ تعالیٰ سے وہ مشکل دور کرنے کی دعا کی تو وہ دعا ضرور قبول ہوئی، اور مشکل دور ہوگئی۔ یہ ایسی حقیقت ہے جسے میں نے بارہا آزمایا تو اسی طرح پایا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں حضور نبی اکرم اور آپ کے اہلِ بیت صلی اللہ وسلم علیہ وعلیہم اجمعین کی محبت پر موت نصیب فرمائے۔

(ابن أبي حاتم رازی، کتاب الثقات، 457,8، رقم، 14411)

ابوالفرج ہندبائی کا امام احمد رحمۃ اللہ علیہ بن حنبل کے مزار پر حاضری کا معمول

امام ابوالقاسم ابن ہبۃ اللہ (م 571ھ) نے لکھا ہے، ابوالفراج ہندبائی نے بیان کیا ہے، میں اکثر امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی قبر کی زیارت کیا کرتا تھا پس ایک عرصہ تک میں نے زیارت کرنا چھوڑ دیا تو میں نے خواب میں دیکھا کہ کوئی مجھ سے کہہ رہا ہے، تو نے امام السنۃ (امام احمد بن حنبل) کی قبر کی زیارت کو کیوں ترک کیا؟ (ابن عساکر، تاریخ مدینہ دمشق، 333,5)

اس سے معلوم ہوا کہ یہ ایک مستحسن عمل تھا جب انہوں نے چھوڑ دیا تو انہیں بذریعہ خواب ترغیب دی گئی کہ اس کو ترک نہ کیا جائے۔

عوام الناس کی سید المحدّثین امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر حاضری

امام ذہبی 748)ھ) نے امیر المؤمنین فی الحدیث اور سید المحدّثین امام محمد بن اسماعیل بخاری 256)ھ) کی قبر مبارک سے تبرک کا ایک واقعہ درج کیا ہے، لکھتے ہیں، ابو الفتح نصر بن حسن السکتی سمرقندی نے بیان کیا کہ ایک بار سمرقند میں کچھ سالوں سے بارش نہ ہوئی تو لوگوں کو تشویش لاحق ہوئی پس انہوں نے کئی بار نمازِ استسقاء ادا کی لیکن بارش نہ ہوئی۔ اسی اثناء اُن کے پاس ایک صالح شخص جو صلاح کے نام سے معروف تھا، سمرقند کے قاضی کے پاس گیا اور اس سے کہا، میں آپ سے اپنی ایک رائے کا اظہار کرنا چاہتا ہوں۔ قاضی نے کہا، وہ کیا ہے؟ اس نے کہا، میری رائے ہے کہ آپ کو اور آپ کے ساتھ تمام لوگوں کو امام محمد بن اسماعیل بخاری کی قبر مبارک پر حاضری دینی چاہیے، ان کی قبر خرتنک میں واقع ہے، ہمیں قبر کے پاس جا کر بارش طلب کرنی چاہیے عین ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں بارش سے سیراب کر دے۔

قاضی نے کہا، آپ کی رائے بہت اچھی ہے۔ پس قاضی اور اس کے ساتھ تمام لوگ وہاں جانے کے لئے نکل کھڑے ہوئے سو قاضی نے لوگوں کو ساتھ مل کر بارش طلب کی اور لوگ قبر کے پاس رونے لگے اور اللہ کے حضور صاحبِ قبر کی سفارش کرنے لگے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اسی وقت (اپنے صالح بندہ کی برکت کے سبب) کثیر وافر پانی کے ساتھ بادلوں کو بھیج دیا، تمام لوگ تقریباً سات دن تک خرتنک میں رکے رہے، اُن میں سے کسی ایک میں بھی کثیر بارش کی وجہ سے سمرقند پہنچنے کی ہمت نہ تھی حالانکہ خرتنک اور سمرقند کے درمیان تین میل کا فاصلہ تھا۔ (ذہبی، سیر أعلام النبلاء، 469,12)

حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت کے لئے مشائخ کی حاضری

خطیب بغدادی نے حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت کے بارے میں لکھا ہے کہ بڑے بڑے مشائخ ان کی زیارت کے لئے حاضر ہوتے تھے وہ لکھتے ہیں، اسماعیل بن احمد الحیری نے ابوعبدالرحمن السلمی سے بیان کیا ہے، انہوں نے کہا، حضرت فتح موصلی اکابر مشائخِ موصل میں سے تھے، وہ بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت کے لئے بغداد حاضر ہوئے تھے۔

(خطیب بغدادی، تاریخ بغداد، 381,12)

مزارِ صالحین کی زیارت کے لئے بذریعہ خواب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ترغیب

امام ابنِ عساکر نے زیارتِ صالحین کی ترغیب پر ایک ایمان افروز واقعہ ذکر کیا ہے، فرماتے ہیں، میرے والد گرامی ابومحمد الحسن بن ہبۃ اللہ نے مجھے اپنا واقعہ بیان کیا کہ وہ ایک دن حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی قبرِ مبارک کی زیارت کے لئے گئے تو وہاں انہوں نے قبر کے پاس ایک عجمی عورت کو روتے ہوئے پایا۔ وہاں موجود بعض لوگوں نے کہا کہ جو اچھی طرح فارسی جانتا ہو وہ اس خاتون سے پوچھے کہ اس کے رونے کا سبب کیا ہے؟ جب اس سے پوچھا گیا تو اس [illegible] نے دریافت کیا کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی قبر کے پہلوں میں یہ دوسری قبر کس کی ہے؟ میں نے کہا، یہ قبر ابوبکر شہروزی کی [illegible] اور دوسری ان کے والد ابواسحاق کی ہے۔ ایک بالکل سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کی قبر کے سامنے ہے اور دوسری اس کے پیچھے۔ اس عورت نے کہا، میں نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی قبر کی زیارت کی، پھر میں زیارتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے چلی گئی اور (جب) قبرِ انور کے پاس گئی تو میں نے خواب میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے، تُو نے بلال رضی اللہ عنہ کی قبر کی زیارت تو کی مگر اس کے قریب موجود دوسری قبر کی زیارت نہ کی؟ لہٰذا اب میں (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شکوے کا ازالہ کرنے کے لئے) مدینہ منورہ سے اس قبر کی زیارت کے لئے آئی ہوں۔ (ابن عساکر، تاریخ دمشق الکبیر، 226,54)

اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ والوں کی زیارت اللہ رب العزت کے حبیب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں پسندیدہ اور بابرکت عمل ہے اور جو عمل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں پسندیدہ اور محبوب ہو وہ رب العالمین کی بارگاہ میں محبوب ہوتا ہے۔ قبورِ صالحین کی زیارت کا عمل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں اس قدر پسندیدہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے زائرہ کو اِن کی زیارت ترک پر تنبیہ فرمائی۔

حضرت علی رحمۃ اللہ علیہ بن محمد بن بشار کے مزار پر حاضری

علامہ محمد بن ابویعلی حنبلی (متوفی 521ھ) طبقات الحنابلۃ 2/63 میں صوفی زاہد علی بن محمد بن بشار کے ترجمہ میں لکھتے ہیں کہ جب اُن کا وصال ہوا تو انہیں نجمی کے قریب گھاٹی میں دفن کیا گیا، اب اُن کی قبر مشہور و معروف ہے، لوگ اس کی زیارت سے برکت حاصل کرتے ہیں۔

امام ابوالحسن علی بن احمد شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت کے لئے اکابر کی حاضری

امام ذہبی (م 748ھ) نے تذکرۃ الحفاظ میں امام ابوالحسن علی بن احمد الشافعی کے حوالے سے لکھا ہے، وہ محدث ان پرہیز گار ائمہ میں سے ایک تھے جنہوں نے اپنی زندگی عبادت، حدیثِ علم، کتاب، درس و تدریس اور طلب علم میں صرف کی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے دلوں میں ان کا مقام و مرتبہ بلند کر دیا اور عوام اور خواص نے ان سے محبت کی حتیٰ کہ اکابر ائمہ ان کی زیارت اور ان سے حصولِ تبرک کے لئے دور دراز سے سفر کر کے آتے۔ (ذہبی، تذکرہ الحفاظ، 4، 1361)

ہم نے چند ایک واقعات کا ذکر بطورِ نمونہ کر دیا ہے، اگر ہم کتبِ تواریخ اور اسماء الرجال کا عمیق نظر سے مطالعہ کریں تو بیسیوں ایسے واقعات ہیں جن میں ائمہ دین کا معمول بتایا گیا ہے کہ وہ اکابر صالحین کی زیارت کے لئے جایا کرتے تھے۔ اکابر ائمہ اور اسلاف نے کبھی بھی اس عمل کو خلافِ شریعت قرار نہیں دیا۔

شرط یہ ہے کہ جس ہستی کی زیارت کی جائے وہ صالح ہو اور اس زیارت سے زائر کا مقصد بھی حصولِ رضائے الٰہی ہو۔ گزشتہ صفحات میں احادیثِ صحیحہ سے ثابت ہوا کہ محض رضائے الٰہی کی خاطر ملاقات و زیارت اور باہم محبت و الفت کرنا باعثِ اجر و ثواب ہے۔ اس کے باوجود اگر کوئی اُمت کے اس عمل کو ناجائز قرار دے تو اس کا معنی یہ ہوگا کہ وہ خود قرآن و سنت کی تعلیمات سے آگاہ نہیں۔

مسجد قباء کی طرف سفر کر کے جانے کی فضیلت کا بیان

ویستحب أن یأتی مسجد قباء یوم السبت أو غیره ویصلی فیه ویقول بعد دعائه بما أحب، یاصریخ المستصرخین یا غیاث المستغیثین یا مفرج کرب المکروبین یا مجیب دعوة المضطرین صل علی سیدنا محمد وآله واکشف کربی وحزنی کما کشفت عن رسولك حزنه وکربه فی هذا المقام یا حنان یا منان یا کثیر المعروف والإحسان یا دائم النعم یا أرحم الراحمین وصلی الله علی سیدنا محمد وعلی آله وصحبه وسلم تسلیما دائما أبدا یا رب العالمین آمین۔

ترجمہ

اور اس کے لئے مستحب یہ ہے کہ وہ ہفتہ کے دن یا کسی اور دن مسجد قباء میں آئے وہاں نماز پڑھے اور جو چاہے دعا مانگے۔

اے فریاد کرنے والوں کی مدد کرنے والے، اے مدد طلب کرنے والوں کی مدد کرنے والے، اے مصیبت زدہ لوگوں کو مصیبت سے نجات دلانے والے، اے مجبور و بے سہارا لوگوں کی دعاؤں کو قبول کرنے والے۔

ہمارے سردار حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی آل پر درود بھیج۔ جس طرح تو نے اس سے رنج والم کو دور کیا اسی طرح مجھ سے بھی تکالیف وغم سے دور فرما۔ اے احسان کرنے والے، رحم کرنے والے، کثیر انعام عطاء فرمانے والے، ہمیشہ نعمتیں عطاء کرنے والے، اے سب سے زیادہ رحم کرنے والے ہمارے سردار حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی آل اور آپ کے اصحاب پر ہمیشہ سلامتی اور رحمتوں کا نزول ہو۔ اے تمام جہانوں کو پالنے والے میری دعاؤں کو قبول فرما۔

مسجد قباء میں نماز پڑھنے کی فضیلت کا بیان

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم ہر ہفتے کو پیدل یا سواری پر مسجد قبا تشریف لے جاتے تھے اور اس میں دو رکعت نماز پڑھتے تھے۔ (صحیح بخاری صحیح مسلم، مشکوٰۃ شریف، جلد اول، رقم الحدیث، 660)

قبا ایک جگہ کا نام ہے جو مدینہ منورہ سے تین کوس کے فاصلے پر واقع ہے یہی وہ جگہ ہے جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ سے ہجرت فرمانے کے وقت مدینہ میں داخل ہونے سے پہلے قیام فرمایا تھا اور یہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مسجد بنائی تھی جو مسجد قبا کے نام سے مشہور ہے۔ اس مسجد کی فضیلت بہت زیادہ ہے۔

علامہ ابن حجر رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ صریح ارشاد منقول ہے کہ مسجد قبا میں نماز پڑھنا عمرہ ادا کرنے کے مانند ہے۔

جلیل القدر اور باعظمت صحابی حضرت سعد ابن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بیت المقدس میں دو مرتبہ حاضری دینے سے زیادہ میں اسے پسند کرتا ہوں کہ مسجد قبا میں نماز پڑھوں اور اگر لوگ جان لیں کہ مسجد قبا میں نماز پڑھنے کا کتنا ثواب ہے تو وہ سفر کی مصیبت و مشقت جھیل کر دور دراز سے اس مسجد میں آنے لگیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معمول تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر ہفتے کے روز مسجد قبا جاتے تھے اور اس میں دو رکعت تحیۃ المسجد یا کوئی دوسری نماز جو تحیۃ المسجد کے قائم مقام ہوتی ہوگی پڑھتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس مبارک عمل سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ ہفتے کے روز علماء، صلحاء اور بزرگوں سے ملاقات کرنا سنت ہے۔

شرح نور الایضاح کے اختتامی کلمات کا بیان

الحمدللہ! آج یکم ذوالحج ۱۴۳۵ھ بمطابق ۲۷ ستمبر ۲۰۱۴ء بروز ہفتہ بعد نماز عصر شرح نور الایضاح مکمل ہو چکی ہے۔ میں نے اس شرح میں انتہائی اختصار سے کام لیا ہے ورنہ اس کتاب کی فقہی عبارات کے مطابق اگر احادیث کو بیان کیا جاتا تو یہ کتاب کئی جلدوں پر مشتمل ہو جاتی ہمارے دور میں انتہائی تیزی آچکی ہے جس کے سبب طلباء کے پاس وقت کم ہوتا ہے کیونکہ انٹرنیٹ، موبائل ایس ایم ایس، میڈیا کے پروگرام اور کھیل کود کے نام پر اور ثقافت کے نام پر نہ جانے پاکستان میں کیا کیا مصروفیت و فضولیات رچ بس گئی ہیں۔ اس لئے ہم سمجھتے ہیں کہ اگر نور الایضاح کے طلباء اسی شرح پر انحصار کرلیں تو بھی فی زمانہ ان کے لئے کافی ہوگا۔ آخر